کلیاتِ میرؔ
۱
مکمّل چھ دیوان (غزلیات)
علمی مجلس دلّی
مرتب
ظلِ عباس عباسی

# خصوصیات

(۱) یہ کلیات میر فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے نسخہ کلیات میر (مطبوعہ ۱۸۱۱ء) کو سامنے رکھ کر تیار کی گئی ہے۔
(۲) غزلیات کی فہرست بھی ابتدا میں ردیف وار درج کر دی گئی ہے۔
(۳) اشعار اور غزلیات کے نمبر
(۴) میر کے مختصر مگر مستند حالات (قاضی عبدالودود)
(۵) میر کا تعارف (پروفیسر رشید احمد صدیقی)
(۶) میر کے مطالعہ کی اہمیت (پروفیسر آل احمد سرور)
(۷) میر کی عالمگیر مقبولیت (پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری)
(۸) صاف ستھری کتابت طباعت ـــــ

- فرہنگ اور اشاریہ دوسری جلد میں ملاحظہ فرمائیں۔
- دوسری جلد میں بقیہ تمام کلام ہوگا جس میں غیر مطبوعہ کلام بھی شامل ہے

| | |
|---|---|
| دیوان اول | ۱۰۵ ـــ ۳۳۰ |
| دیوان دوم | ۳۳۱ ـــ ۵۰۰ |
| دیوان سوم | ۵۰۱ ـــ ۶۱۰ |
| دیوان چہارم | ۶۱۱ ـــ ۶۸۵ |
| دیوان پنجم | ۶۸۶ ـــ ۷۸۰ |
| دیوان ششم | ۷۸۱ ـــ ۸۴۰ |

غزلیں ۱۸۱۸ ـــ اشعار ۱۳۵۰۵

میر تقی میرؔ

رشید احمد صدیقی

# تعارف

میں خدا کی تسبیح و تحمید کے بغیر خدا کی عظمت کا قائل ہوں اور شاید ان لوگوں سے زیادہ جو ایسا کرتے رہتے ہیں! ناسخ کی شاعری کا نہیں بلکہ ناسخ کا جو تھوڑا بہت لحاظ کرتا ہوں تو اسی وجہ سے کہ انھوں نے میرؔ کے بارے میں یہ آخری بات کہہ دی یعنی "آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں"۔ ناسخ نہ کہتے تو اب تک معلوم نہیں کتنے اور لوگ کہہ چکے ہوتے جن میں ایک یقیناً میں بھی ہوتا۔ میرؔ کے حضور میں ہمارے اچھے سے اچھے لکھنے والوں نے نذرِ عقیدت پیش کی ہے اور کرتے رہیں گے۔ میرؔ، غالبؔ، حالیؔ اور اقبالؔ ہمارے وہ شعرا ہیں جن پر لکھنے والے لکھنے سے کبھی نہیں تھکیں گے چاہے (بفرضِ محال) اردو شاعری کا چرچا باقی نہ رہے۔ آپ تو جانتے ہیں، غزل گو شعرا میں میرؔ اور غالبؔ سے بڑا درجہ کسی اور کا نہیں مانا جاتا۔ اعتراض یا مذاق کرنے والوں نے غالبؔ یا غالبؔ کے کلام کو اپنا نشانہ بنایا لیکن آج تک میرؔ سے بے تکلف ہونے کی کسی کی ہمت نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ آج اس پرانی زبان کی بھی نقل کی جاتی ہے جس کے نمونے جہاں تہاں میرؔ کے کلام میں ملتے ہیں لیکن اب متروک ہیں۔ بر بنائے عقیدت کسی کے نقص کی بھی پیروی کی جائے تو بتایئے وہ شخص کتنا بڑا ہوگا۔ اردو کے مشہور شعرا کی پیروڈی PARODY کی گئی، میرؔ کی کسی نے نہیں کی۔ میرؔ جس زمانے میں تھے وہ زمانہ جاگیرداری کا نہ تھا یا زبوں حالی و زیاں کاری کا، ان کی شاعری ہر زمانے کے ذوق و ظرف کی آبرو رہے گی اگر اس زمانے کو آبرو سے رہنے کی توفیق یا حوصلہ ہوگا! جہاں میرؔ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ "عشق بن یہ ادب نہیں آتا" وہاں یہ بھی غلط نہیں ہے کہ میرؔ بن یہ ادب نہیں آتا! میرے لیے میرؔ پر تھوڑا کہنا اور جلد کہہ ڈالنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا دوسروں کے لیے بہت کہنا اور کہتے رہنا آسان! اس کے لیے کوشش کرنا پڑے گی کہ تھوڑی دیر کے لیے میں خود میرؔ بن جاؤں لیکن

ہے کوئی اور ایسا کر سکے میرے لئے یہ بہت مشکل ہے اس لیے کہ میں خود اپنا میر بن چکا ہوں۔ اپنے بنائے ہوئے خول سے نکلنا مشکل ہے چہ جائیکہ میر کے خلوت کدے میں باریاب ہونے کا حوصلہ کروں، میر کی فضا میں سانس لینا اور ان کی بارگاہ میں دم مارنا آسان نہیں ۔

ان کے کلام کی تاثیر عالمگیر ہے ۔ بظاہر یہ بڑا فرسودہ اور ریندھا ہوا فقرہ معلوم ہوتا ہے ، شاید ہو بھی ، بے احتیاطی اور بے دردی سے استعمال میں آنے سے اپنی معنویت بھی کھو بیٹھا ہے لیکن اگر اسے صحیح مان لیا جائے کہ میر کی شاعری کی تاثیر مسلّم ہے تو پھر یہ تسلیم کر لینا آسان ہو جاتا ہے کہ یہی اور اسی طرح کی تاثیر شاعر اور اس کی شاعری کو ابدیت بنا دیتی ہے !

میر جیسا بڑا اور اچھا شاعر ہر قوم ، ہر ملک ، ہر زمانے اور ہر زبان کا محبوب اور قابلِ فخر شاعر ہوتا ہے ۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میر ہمارے ہی لیے نہیں ہیں ، تمام دوسرے اقوام اور ممالک کے یکساں محبوب شاعر ہیں ۔ میر ہماری تہذیب کے ترجمان اور حسن کار ہیں ۔ "تہذیبِ رسمِ عاشقی" کا فقرہ اور دعوےٰ تو حسرت کا ہے لیکن میرے نزدیک اس کی روایت میر سے شروع ہوتی ہے ۔ میر اور حسرت کی "تہذیبِ رسمِ عاشقی" میں نمایاں فرق بھی ہے ۔ میر کی زبان منفرد و ممتاز ہے ۔

اردو بڑی عشوہ طراز ہے اور آسانی سے ہر کس و ناکس کی گرفت میں نہیں آتی ۔ اس کے "دم بدم با من و ہر لحظہ گریزاں از من" کی اداؤں سے سب واقف نہیں ہیں ۔ یہ بات اور زبانوں کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے لیکن اُردو کی تخلیقی توانائی تازگی و طرفگی کے عوامل دوسری زبانوں کو کم نصیب رہے ہیں ۔ جتنی زبانوں ، تہذیبوں ، قوموں اور تحریکوں سے اس نے ترکیب پائی ہے اور ان کے حسن کو اپنے میں جس طرح اس نے نکھارا ، سنوارا ، مقبول و مستحکم کیا ہے اس کو نظر میں رکھیں تو اردو کا صحیح تصور اور مقام سامنے آتا ہے ۔ میر کی اردو دوسرے شعرا کی اردو سے اس اعتبار سے علیحدہ اور اہم ہے کہ دوسرے شعرا اکثر و بیشتر عربی فارسی اور دوسری زبانوں کے الفاظ تراکیب ، بندش ، محاورہ ، روزمرہ یا انواع و اقسام کے علوم و فنون یا نعروں کے سہارے چلتے ہیں ۔ میر صرف ــــ اردو اور اپنے مخصوص لب و لہجہ سے کام لیتے ہیں ۔ دوسرے ممتاز شعرا کی جو مخصوص زبان ہوتی ہے اس میں اتنی "اردویت" یا "اُردو پن" نہیں ہوتا جتنا میر کے یہاں ہے ۔ میر نے ہر طرح کی بات اور ہر شاعر کی بات اپنی خاص زبان اور مخصوص لہجے میں ادا کر دی ہے ۔

بیگم

نے خانِ آرزو سے استفادہ کیا تھا۔ نکات الشعرا میں محمد تقی انھیں "استاد و پیر و مرشدِ بندہ" بھی کہتے ہیں۔ اور محسن پسر حافظ محمد حسن و شاگرد میر انھیں تلامذۂ آرزو میں شمار کرتا ہے۔ لیکن "ذکرِ میر" میں مطلقاً کسی نوع کے علمی و ادبی استفادے کا ذکر نہیں، اور یہ لکھتے ہیں کہ "چندے پیشِ او ماندم و کتابے چند از یارانِ شہر خواندم" (ذکرِ میر صـ۶۲)۔ کچھ دنوں میں یہ اس قابل ہوئے کہ کسی کے "مخاطبِ صحیح" ہو سکیں تو حافظ محمد حسن نے اپنے ماموں کو لکھا کہ محمد تقی "فتنۂ روزگار" ہے، دوستی کے پردے میں اس کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔[۱۹] اس کے بعد خانِ آرزو اُن سے بدسلوکی کرنے لگے جس کا اثر یہ ہوا کہ :

"وحشتے پیدا کردم[۲۰]، در حجرہ کہ می بودم درش می بستم و بایں کثرتِ غمِ تنہائی نشستم، چوں ماہ بر می آمد قیامت بر سرِ می آمد...... در شبِ ماہ پیکرے خوش صورت...... از جرمِ قمر اندازِ طرفِ من می کرد و سببِ بے خودی من می شد۔ بہر طرف کہ چشم می افتاد بر آں رنگِ پری می افتاد۔ بہر جا کہ نگاہ می کردم، تماشائے آں غیرت حور می کردم۔ در و بام صحنِ خانۂ من ورق تہ و ورشدہ بود یعنی آں حورِ حیرت افزا از شش جہت رو می نمود، گاہے چوں ماہِ چہاردہ مقابل۔ گاہے سیر گاہِ او منزلِ دل۔ اگر نظر بر گلِ مہتاب می افتاد۔ آتشے در جانِ بے تاب می افتاد۔ ہر شب با او صحبت، ہر صبح بے او وحشت...... تمام روز جنون می کردم، دل دریا وار خوں می کردم۔ کف بر لب چوں دیوانہ مست، پارہ ہائے سنگ در دست، من افتاں خیزاں، مردم از من گریزاں۔ تا چار ماہ آں گلِ شب افروز رنگِ تازہ می ریخت ......... ناگاہ موسمِ گل رسید، داغِ سودا سیاہ گردید،............ شایستۂ کنارہ گیری شدم زندانی و زنجیری شدم" (ذکرِ میر صـ۶۲)۔

فخر الدین کی بیبی نے، کہ علی متقی کی مرید اور اُن سے قرابتِ قریبہ رکھتی تھیں، محمد تقی کے علاج میں بہت روپے صرف کیے۔ موسمِ خزاں آیا تو انھیں صحت حاصل ہوئی اور انھوں نے "ترسّل" پڑھنا شروع کیا ـــــ کچھ دن میر جعفر عظیم آبادی سے، جو ایک مجہول الاحوال شخص ہیں، درس لیا، اور سعادت امروہوی سے ملاقات ہوئی تو اُن کی ترغیب سے، ریختہ گوئی شروع کی، انھوں نے میر تخلص اختیار کیا اور جہدِ بلیغ سے "مستند شعرا میں

---

[۱۹] یہ میر کا بیان ہے، دوسرے فریق کا بیان ہمارے سامنے نہیں کہ میر کے قول کی تصدیق یا تکذیب ہو سکے۔ یہ امر کہ دشمنی اس حد تک تھی کہ جان لینے کے درپے تھے، قرینِ قیاس نہیں۔

[۲۰] مراۃ خواب و خیال (مشمولِ کلیات) میں میر نے اس بیماری کا حال لکھا ہے۔ لیکن اس میں آرزو کی بدسلوکی کا ذکر نہیں۔

محبوب ہونے لگے اور اُن کی شاعری کا شہر میں چرچا ہونے لگا۔

ایک دن خان آرزو نے میر کو کھانے پر بُلایا۔ اور کچھ ایسی گفتگو کی کہ وہ کھانے کو یوں ہی چھوڑ، گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ حوضِ قاضی میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی، جو اُنھیں رعایت خاں پسر ظہیر الدولہ عظیم اللہ خاں و خواہرزادۂ قمر الدین خاں وزیر کے یہاں لے گیا۔ رعایت خاں نے میر کو اپنا رفیق بنا لیا اور اُنھوں نے "قیدِ تنگ دستی" سے رہائی پائی۔

دُرّانی کے حملۂ اوّل کی خبر آئی (سنہ ۱۱۶۱ھ مطابق سنہ ۱۷۴۸ء) تو قمر الدین خاں اور احمد شاہ اُن کے مقابلے کے لیے دہلی سے نکلے رعایت خاں بھی ساتھ تھے۔ میر اُن کے ہم سفر تھے اور خدمتیں بجا لاتے تھے۔ سرہند میں میر کی ملاقات یقین کے والد سے ہوئی تھی جس کا ذکر نکات الشعراء میں ہے۔ افغانوں کی شکست اور قمر الدین خاں کی موت ($\frac{۱۱۶۱ھ}{۱۷۴۸ء}$) کے بعد رعایت خاں، معین الملک پسر قمر الدین خاں کی رفاقت ترک کرکے، صفدر جنگ کے ہمراہ، جو آگے چل کر قمر الدین خاں کی جگہ وزیر ہوئے، روانۂ دہلی ہوئے۔ میر دہلی پہنچے تو اس کے کچھ بعد راجہ بخت سنگھ، رعایت خاں کو اپنے ساتھ راجپوتانہ لے گیا۔ میر بھی ساتھ تھے۔ اس کے بعد سادات خاں ذوالفقار جنگ میر بخشی عازمِ اجمیر ہوئے۔ مگر معاملات نے وہ رُخ اختیار نہ کیا جو یہ چاہتے تھے اور بعض مصالح کی بنا پر یہ ناکام دہلی لوٹے۔ اس سفر میں میر کو خواجۂ اجمیر رحؒ کی درگاہ کی زیارت کا اتفاق ہوا۔ راجہ اور رعایت خاں میں نزاعِ لفظی ہوئی اور دونوں کے تعلقات خراب ہو گئے۔ میر نے رعایت خاں کی طرف سے راجہ کے پاس جاکر قسم کھائی کہ آیندہ ایسا نہ ہوگا، لیکن اس نے معذرت قبول نہ کی اور "مردمانِ رسالہ" کی زرِ تن خواہ رعایت خاں کو بھیج دی۔ رعایت خاں (اور ان کے ساتھ میر بھی) دہلی واپس آ گئے۔ ایک دن رعایت خاں نے میر سے فرمایش کی کہ اپنے کچھ اشعار ایک قوّال بچّے کو سکھا دیجیے کہ یہ گائے، میر اس پر راضی نہ ہوتے تھے۔ لیکن خان نے اپنے سر کی قسم دی۔ تو مجبور ہو گئے اور ۵ شعر اسے یاد کرائے ("آموختم" ذکرِ میر ص۷۰)۔ اس کا اثر اُن پر ایسا ہوا کہ چند دنوں کے بعد "خانہ نشین" ہو گئے اور نوکری چھوڑ دی۔ خان نے اُن کی "رفاقت" کا خیال کرکے اُن کے بھائی محمد رضی کو نوکر رکھ لیا۔ اور اُنھیں ایک گھوڑا عنایت کیا۔ مدّتِ مدید کے بعد ملاقات ہوئی تو خان نے بہت عذر کیا۔ اس پر کچھ دن گزرے تھے کہ میر، جاوید خاں خواجہ سرا کے یہاں نوکر ہوئے۔ اسد یار خاں بخشیِ فوج نے، میر کا حال بتا کر گھوڑا اور "تکلیفِ نوکری" معاف کرا دی مطلب یہ کہ برائے نام سپاہی تھے، کام کچھ نہ تھا۔

صفدر جنگ، قائم خاں کے مقتول ہونے کے بعد اس کا گھر ضبط کرنے چلے تو نجم الدولہ (شجاع الدولہ کی کم

کے بڑے بھائی) ہمراہ تھے۔ میر بھی ساتھ ہو لیے۔ صفدر جنگ اور احمد خاں، برادرِ خُرد قائم خاں میں جنگ ہوئی، جس میں صفدر جنگ کو شکست ہوئی اور نجم الدولہ مقتول ہوئے۔ میر شکست خوردہ لشکر کے ساتھ دہلی واپس آئے۔ ذوالفقار جنگ کی معزولی اور میر بخشی کے عہدے پر غازی الدین خاں کا تقرر جس زمانے میں ہوا ہے، میر نے دوستوں سے ملنا جلنا ("ملاقات عزیزاں" ذکر میر ص۲۰) ترک کر دیا تھا اور مطوّل پڑھنے میں مشغول تھے۔ جاوید خاں کو صفدر جنگ نے قتل کرایا تو میر بے کار ہو گئے۔ ہمانرائن دیوان صفدر جنگ نے اپنے داروغہ دیوان خانہ نجم الدین علی سلام پسر شرف الدین علی پیام کی معرفت میر کو کچھ بھیجا اور طلب کیا، میر کے چند مہینے فراغت کے ساتھ گزرے۔ ۱۱۶۵ھ میں میر کا تذکرۂ شعرائے اردو جس کا آغاز اس سے کچھ قبل ہوا تھا اور جس کی نسبت اُن کا دعویٰ ہے کہ اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے، منظرِ عام پر آیا۔ قاسم کا بیان ہے کہ میر نے ولی کے بارے میں لکھا تھا کہ "شاعر یست از شیطان مشہور تر" اور اس پر خفا ہو کر پیر خاں کمترین نے اُن کی ہجو کہی تھی ـــــ خود میر کا قول ہے کہ خاکسار نے "علی الرغم ایں تذکرہ، تذکرۂ نوشتہ.... آتشِ کہنہ کہ بے سبب افروختہ چوں کیاہم بُوی دہد"۔ فتح علی گردیزی مؤلف تذکرۂ شعرائے صراحۃً نکات الشعرا کا ذکر نہیں کیا مگر وہ میر سے خفا معلوم ہوتا ہے۔ میر نے نکات میں جا بجا دوسروں کے کلام پہ اصلاحیں دی ہیں، سودا کے ایک قطعے میں غالباً اس کی طرف اشارہ ہے۔ کچھ باتوں کا جو اس تذکرے میں ہیں ذکر ہو چکا ہے، کچھ اُمور کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۱) سعادت علی سعادت امروہوی سے "ربطِ بسیار" تھا۔ (۲) سودا کے بارے میں لکھا ہے کہ "مَلِکُ الشعرای ریختہ او را شاید...... اکثر اتفاقِ طرحِ غزل باہم می افتد۔" (۳) درد کے متعلق مرقوم ہے: "خلفُ الصدقِ ...... خواجہ ناصر...... ایامیکہ فقیر بخدمتِ آں بزرگوار[۲۱] شرفُ اندوزی شد از زبانِ مُبارکش می فرمود کہ میر محمد تقی تو میرِ مجلس خواہی شد...... حرفِ آں در سلسلۂ خدا پرستان مُوثّر افتاد.... مجلسِ ریختہ کہ بخانۂ بندہ بتاریخِ پانزدہم ہر ماہ مقرّر است...... بذاتِ ہمیں بزرگ[۲۲] است، زیرا کہ پیش ازیں ایں مجلس بخانہ اش مقرر۔ از گردشِ روزگار...... برہم خورد، از بسکہ بایں احقر اخلاص دلی داشت، گفت کہ ایں مجمع را شما اگر بخانۂ خود معیّن بکنید بہتر است،...... عمل کردہ آمد۔"

(۴) فغاں کی نسبت لکھا ہے: "بندہ بخدمتِ او بسیار مربوطم"

---

۲۱ مراد از پدر درد ۲۲ بزرگ سے میر درد مراد

(۵) حاتم کی مذمت کی ہے اور انھیں اپنا "آشنائے بیگانہ" بتایا ہے۔

(۶) یقین کی فرعونیت کی شکایت کی ہے اور یہ کہا ہے کہ "ذائقہ شعر فہمی" مطلق نہیں رکھتے۔ لوگوں کے اس گمان کا ذکر بھی کیا ہے کہ خود شعر نہیں کہتے۔

(۷) محمد علی حشمت کی نسبت تحریر کیا ہے کہ "اکثر بہ شعر مامردماں اعتراض می کرد و جواب باصواب می یافت ۔۔۔۔ ریختہ ۔۔۔۔ بسیار پا جیانہ می گفت"

(۸) تاباں کے متعلق مرقوم ہے: "بافقیر یک صفائی داشت از چندے بسبب کم اختلاطی ایں ہیچداں کدورتے بمیاں آمدہ، اجلش مہلت نداد کہ تلافیش کردہ آید"

(۹) میر عبدالرسول از یاران ۔۔۔۔۔۔ موقف است چنانچہ شعر بمشورت من میگوید"

(۱۰) محسن، برادر زادہ و شاگرد میر

(۱۱) بندرابن راقم، مشق شعر از مرزا رفیع می کند، قبل ازیں بافقیر نیز مشورت شعر می کرد۔

(۱۲) محمد میر امیر ۔۔۔۔۔۔ از خوش کردن تخلص من نصف دلم از و خوش است"

(۱۳) میاں جگن ۔۔۔ دعوی شاگردی فقیر می کند"

**(۳) کمبھیر وغیرہ** اسی زمانے میں یا اس سے کچھ قبل میر نے آرزو کی "ہمسائیگی" چھوڑ دی اور امیر خاں انجام کی حویلی میں رہنے لگے۔ صفدر جنگ کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا شجاع الدولہ اُس کا جانشین ہوا۔ خانِ آرزو اس امید میں کہ نجم الدولہ کے بھائی وہاں ہیں اور "حقوقِ سابق" پر نظر کر کے اُن کے ساتھ رعایت کریں گے، اَودھ گئے، لیکن وہیں وفات پا گئے ( ۱۱۶۹ھ / ۱۷۵۶ء )۔ اس کے چند ماہ بعد راجہ جگل کشور میر کو اپنے گھر لے گئے اور اپنے اشعار اصلاح کے لیے پیش کیے۔ میر کہتے ہیں کہ "قابلیتِ اصلاح ندیدم بر اکثر تصنیفات او خط کشیدم" ( ذکر میر ص ۸۲ )، اُنھیں کی وساطت سے میر مہاراجہ ناگرمل کے نوکر ہوئے اور دوسرے حملۂ درانی کے بعد لواحق کو ہمراہ لے کر نکل کھڑے ہوئے، کوئی خاص جگہ مد نظر نہ تھی، راجہ جگل کشور کی بیٹی ملی، اُس کے ساتھ برسانہ گئے اور وہاں سے "فردائے عاشورہ" روانہ ہوئے اور کمبھیر پہنچے۔ جو راجہ سورج مل کے قلعوں میں سے ایک تھا۔ اس عہد میں راجہ ناگرمل نے اسے اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ اور میر بھی وہاں اس کے زیر سایہ رہے —— یہاں بہادر سنگھ پسر رادھا کشن عرف اچی (صفدر جنگ) جو اس زمانے میں راجہ کے ساتھ تھا، حُسنِ سلوک پیش آیا۔ میر کا بیٹا فیض علی بھی اُن کے ہمراہ تھا۔ مگر یہ پتا نہیں چلتا کہ اس

وقت اس کی عمر کیا تھی۔ ظاہر ہے کہ میر کی شادی اس سے قبل ہو چکی تھی۔ میر نے اس کا مطلقاً ذکر نہیں کیا بالکل خبر نہیں کہ ان کی بیبی کون تھیں؟ میر کمبھیر میں تھے کہ راجہ آ گئے، میر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت چاہی کہ وہاں سے کہیں چلے جائیں۔ راجہ نے کہا کہ آپ تو "بیابان مرگ" ہونا چاہتے ہیں، مگر میں کب اس کا موقع دوں گا۔

پانی پت میں مرہٹوں کی شکست کے بعد راجہ ناگر مل، میر کو ساتھ لے کر دہلی گئے۔ وہاں درّانی کے وزیر نے راجہ سے کہا کہ شجاع الدولہ کی روش ٹھیک نہیں، آپ اور نجیب الدولہ اُسے سمجھائیں، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ درّانی سے اُسے کچھ نقصان پہونچے۔ یہ لوگ گئے اور اُسے درّانی کے پاس لائے اور کدورت صفائی میں مبدل ہوئی۔ میر اس سفر میں راجہ کے ساتھ تھے۔ میر نے حملۂ درّانی سے جو دہلی کی تباہی کا حال لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا مکان بھی لُٹا تھا۔ ذکرِ میر میں جو مشاہدات لکھے ہیں وہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں اس سے میر کے طرزِ زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

"ناگاہ در محلّے رسیدم کہ آن جائی ماندم، صحبت می داشتم، شعری خواندم، عاشقانہ می زیستم، شبہا می گریستم، عشق با خوش قداں می باختم، ایشاں را بلند می انداختم، با سلسلہ موئیاں می بودم، پرستش نکویاں می نمودم، اگر دمے بے ایشاں نشستم، تمنّا بر تمنائی شکستم، محفل می آراستم، خوباں را می خواستم، مہمانی می کردم، زندگانی می کردم، دوست روی نیامد کہ با ونفس خوش آمدم، مخاطب صحیح نیافتم کہ صحبت دارم۔"

سورج مل نے آگرہ پر قبضہ کر لیا تھا، خبر تھی کہ شاہ عالم "لشکرِ بے شمار" کے ساتھ عازمِ آگرہ ہیں، سورج مل نے ناگر مل کو وہاں بلایا۔ وہ چلے تو میر بھی ساتھ ہو لیے۔ آگرہ میں علی متقی اور امان اللہ کے مزاروں کی "زیارت کی، وہاں کے شعرا سے ملاقات رہی ــــ ایک سُنّی عالم کے یہاں گئے، جس نے اُنھیں شیعہ سمجھ کر گفتگو کی اور کہا کہ "اگر فی الواقع چنیں است، مرا بحالِ من واگزارید" میر نے جواب دیا "مرا نیز ہمیں تردد بود، الحمد للہ کہ صاحب سُنّی بر آمدند" میر لکھتے ہیں کہ "مغز خر خوردہ، کنایہ نفہمید و بسیار خوش گردید" (ذکرِ میر ص۱۰۲) میر آگرہ سے کمبھیر واپس گئے۔ عماد الملک بھی بعض اوقات قلعہ جاتِ سورج مل میں آ کر رہے تھے معلوم ہوتا ہے کہ یہیں میر اُن سے ملتے رہے اُن کے بارے میں فرماتے ہیں:

یگانۂ عصر است، اوصافِ پسندیدہ دارد ...

و فارسی ہر دو بامزہ می گوید، بحالِ فقیر عنایتے بیش از بیش می کند ہر گاہ بخدمت شریف او حاضر بودہ ام، حظّے برداشتہ۔" (ذکر میر ص۱۳۱)

راجہ ناگر مل دوسری بار آگرہ گئے تو میر پھر اُن کے ساتھ تھے۔ اور وہاں پندرہ دن قیام کے بعد کمبھیر واپس گئے۔ سورج مل اور جواہر سنگھ کے مقتول ہونے کے بعد اہلِ دہلی سے جاٹوں کا سلوک اچھا نہیں رہا۔ یہ دیکھ کر راجہ نے اُن لوگوں سے کہیں اور جانے کی اجازت چاہی، جاٹ لیت ولعل کرتے رہے، راجہ کو یقین ہوگیا کہ بخوشی نہ جانے دیں۔ گے تو مردانہ وار اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلے اور اہل دہلی کو اپنے ساتھ لے گئے۔ یہاں سے یہ قافلہ کاماں پہنچا۔

وہاں یہ خبر معلوم ہوئی کہ شاہ عالم فرخ آباد میں ہیں۔ راجہ ناگر مل نے میر کو حسام الدین خاں کے پاس جو عالم کے مزاج میں تصرف رکھتے تھے، "عہد وپیمان درست" کرنے کے لیے بھیجا اور میر نے وہاں جاکر اُن سے باتیں طے کرلیں لیکن راجہ کے چھوٹے بیٹے نے اس بنا پر کہ اس کے برادرانِ کلاں سے "ربط" تھا، باپ کو سمجھایا کہ مرہٹوں کے پاس جانا بہتر ہے۔ میر اس سے بہت آزردہ ہوئے لیکن چارۂ کار نہ تھا۔ اپنے لواحق کے ساتھ، راجہ کی معیت میں روانہ ہوئے۔ دہلی پہنچے تو "زن و فرزند" کو عرب سرائے میں چھوڑ کر راجہ سے علیٰحدہ ہو گئے

(۲) دہلی میں دوبارہ قیام

چند دنوں کے بعد میر، رائے بہادر سنگھ (پسرِ راجہ ناگر مل) سے ملے بیان کی وہ اپنے مقدور کے موافق اُن کے ساتھ سلوک کرتا رہا، مگر ... کچھ دن کے بعد اُسے اس کا موقع نہ رہا۔ دہلی میں میر پر جو کچھ گزری اس کا ذکر انھوں نے ان الفاظ میں کیا ہے :

"من بگدائی برخاستہ بہ در ہر سرکردۂ لشکر شاہی رفتم، چوں بسبب شعر شہرتِ من بسیار بود، مردمان رعایتِ گونہ بحالِ من مبذول داشتند، بارے بحالِ سگ وگربہ زندہ ماندم و با وجیہہ الدین خاں برادرِ خردِ حسام الدولہ (حسام الدین خاں) ملاقات نمودم۔ آں مرد نظر بر شہرتِ من و اہلیتِ خود، قدرے قلیل معیّن نمود و بسیار دلدہی نمود۔" (ذکر میر ص۱۲۳)

یہ ابتدا کا حال ہے، کچھ دن کے بعد لکھتے ہیں :

"فقیر دراں ایام خانہ نشین بود، بادشاہ اکثر تکلیف کرد، نرفتم۔ ابو القاسم خاں پسر ابو البرکات خاں کہ صوبہ دارِ کشمیر بود و بنی عم عبد الاحد خاں مختار است ... [illegible]

بکار می بُرد، گاہ گاہ با و ملاقات می شد۔ گاہے بادشاہ ہم چیزے بچیزے می فرستاد"۔ (ذکر میر ص ۱۲۰)

اس بار جو میر دہلی آئے تو سودا، قائم و سوز وہاں نہ تھے، درد و مظہر و حاتم تھے۔ بگران میں سے درد و مظہر پیشہ ور شاعر نہ تھے، میر کا اگر کوئی حریف تھا تو حاتم۔ اُن کے ایک شاگرد بقا سے جھگڑا ہوا اور طرفین نے ہجویں کہیں۔ میر نے جو ہجو کہی تھی وہ اُن کے کلیات میں موجود ہے، اُس میں بقا کا نام تخلص نہیں آیا لیکن اس کے باوجود یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کی ہجو ہے۔ میر نے اس زمانے میں ایک مثنوی "اژدر نامہ" لکھی جس میں معاصرین کی خبر لی تھی، قاسم کا بیان ہے کہ اسی مشاعرے میں حاتم کے شاگرد نثار نے یہ شعر پڑھا :

حیدر کرّار نے وہ زور بخشا ہے نثار ... ایک دم میں دو کروں اژدر کے کلّے چیر کر

آئینہ دار کی مذمت میں جو مثنوی کلیات میں ہے وہ بھی اسی دور کی ہے اور آئینہ دار سے یقین ہے عنایت اللہ حجام شاگرد سودا کی طرف اشارہ ہے، اس مثنوی میں سودا سے متعلق اشعار ذیل ہیں[۲۳] :

مجھ میں مرزا میں تفاوت ہے بہت ... یاں تاتی واں خجالت ہے بہت

جس جگہ میں نے رکھی منہ میں زباں ... ہوتے اس جاگہ جو مرزا بے گماں

اُسترے کانوں میں اپنے باندھ کر ... کب کے اب تک گھس گئے ہوتے اُدھر

ادارۂ ادبیاتِ اُردو کے کتب خانے میں میر کے دیوانِ اوّل کا ایک نسخہ ہے جس میں ایک ہجو یہ مثنوی "[...]م العقول" شامل ہے جس کی نسبت بعض اصحاب کا خیال ہے کہ حاتم کے حق میں ہے، لیکن قرائن اس [...] موید نہیں نسخۂ مذکور ۱۱۹۲ھ میں تمام ہوا ہے۔ اس سے یہ تو ثابت ہے کہ مثنوی لکھنؤ جانے سے قبل کی ہے، مگر [...]ب لکھی گئی اس کا ٹھیک پتہ نہیں ملتا۔ میرا قیاس ہے کہ یہ بھی اسی دور کی ہے۔ مثنوی معاملاتِ عشق بھی [...]س میں اپنی ناجائز محبت کا ذکر کیا ہے اسی زمانے کی معلوم ہوتی ہے۔ ننگ نامہ کا بھی اسی سے تعلق ہے، معاملاتِ عشق اس عہد کی ہے تو یہ بھی اُسی زمانے کی ہے۔

[...] لکھنؤ | سودا کی وفات رجب ۱۱۹۵ھ میں ہوئی تو آصف الدولہ کو خیال آیا کہ میر کو بلوانا چاہیے، [...]ہوں نے اپنے ماموں سالار جنگ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ سالار جنگ اس "ربط قدیم" کی بنا پر جو انھیں [...]و سے تھا، بولے کہ زادِ راہ جائے تو ضرور آئیں گے۔ اُنھوں نے اخراجاتِ سفر آصف الدولہ سے لے کر

[...] "ہجو عاقل نام کسے کہ لبگاں انسے تمام داشت" کلیات میں ہے، عجب نہیں سودا کی ہجو بہ تبدیل اسم ہو (عیارستان ص ۱۳۵)

ایک خط کے ساتھ بھجوائے۔ یہ اوائلِ ۱۱۹۶ھ کی بات ہے۔ میر بیکار تھے اور "بے اسبابی" کی وجہ سے کہیں باہر جانا بھی ممکن نہ تھا، فوراً چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں فرخ آباد پڑتا تھا۔ مظفر جنگ رئیس فرخ آباد نے چاہا کہ کچھ دن وہاں ٹھہریں لیکن میر اس پر راضی نہ ہوئے، ایک دو روز کے بعد روانۂ لکھنؤ ہوئے وہاں پہنچتے ہی سالار جنگ کے یہاں گئے جو اُن سے بہت اچھی طرح ملے اور آصف الدولہ کو اطلاع کرائی کہ میر آگئے ہیں۔ چار پانچ دن کے بعد "اتفاقاً" آصف الدولہ مرغ بازی کے لیے آئے، تو میر نے "ملازمت" حاصل کی۔ وہ میر سے بغل گیر ہوئے اور اپنے اشعار سنائے۔ میر نے کہا "سبحان اللہ کلام الملوک، ملوک الکلام" اُنھوں نے میر کا کلام سُننے کی خواہش ظاہر کی تو میر نے بھی غزل کے چند شعر سنائے۔ آصف الدولہ کی رخصت کا وقت آیا تو سالار جنگ نے کہا کہ یہ آگئے ہیں، ان کے لیے کوئی جگہ مقرر ہو جائے اور جب جی چاہے بلایا کیجیے۔ چند دنوں کے بعد آصف الدولہ نے اُنھیں بلوایا، اُنھوں نے قصیدہ مدحیہ سنایا، اور نواب کے ملازمین میں داخل ہو گئے۔ صاحب سفینۂ ہندی کا بیان ہے کہ ماہانہ تن خواہ دو سو روپے تھی۔

آصف الدولہ شکار کے لیے بہرائچ گئے تو میر بھی ہم رکاب تھے۔ شکار نامہ موزوں کیا جو کلیاتِ مطبوعہ میں شامل ہے۔ دوسری بار شکار کے لیے "دامن کوہ شمالی" تک گئے اور تین مہینے کے بعد واپس آئے۔ ذکرِ میر میں صراحتہً میر کے ساتھ جانے کا ذکر نہیں، لیکن دوسرے شکار نامے کے بعض اشعار سے مترشح ہوتا ہے کہ اس بار بھی میر ساتھ گئے تھے۔ آصف الدولہ نے دوسرے شکار نامے کی دو غزلوں کو مخمس کیا۔ دوسرے شکار نامے کے آخری دو شعر توجہ طلب ہیں:

جو اہر تو کیا کیا دکھایا گیا      خریدار لیکن نہ پایا گیا
متاعِ ہنر پھیر کر لے چلو      بہت لکھنؤ میں رہے گھر چلو

یہ اشعار اگر واقعی میر نے آصف الدولہ کے سامنے پڑھے تھے یا اُنھیں دکھائے تھے تو تعجب کی جگہ ہے۔ یہ اشعار جس طرح ذکرِ میر میں اُن کی قدر دانی کا ذکر ہے اُس سے میل نہیں کھاتے۔ ناصر و آزاد نے جو حکایتیں میر و آصف الدولہ سے متعلق بیان کی ہیں، وہ ایسے لوگوں کے بیانات ہیں[۲۴] جنھوں نے آصف الدولہ کا زمانہ نہیں پایا۔

یکتا، صاحبِ دستور الفصاحت کا معاملہ مختلف ہے[۱۱]، یہ آصف الدولہ کے ہم عمر ہیں۔ اُن میں کا بیان ہے:

"آصف الدولہ۔۔۔۔۔۔ از خاطرداری و پاسِ مشارٌالیہ ہیچ دقیقہ فرو نمی گذاشت حالانکہ جنابِ میر بغرورِ کمال و استغنائے تصوف کہ مضمر بخاطرش بودہ، اکثر کم التفاتی و بے اعتنائی بحالِ مردم می نمود، بلکہ گاہ گاہ با امرا ہم، چناں چہ باید، راہِ التفات و مبالغت نمی پیمود، چناں چہ نقل است کہ روزے میر صاحب قصیدۂ تازہ گفتہ بدربار آوردند۔ نواب وزیر، کہ از چاشت فراغت کردہ، متوجۂ شنیدن شد۔ میر صاحب شروع بخواندن کردند و طول دادند، اتفاقاً آں روز ملّا محمد مغلے را کہ تازہ از ولایت آمدہ و شاعر ہم بودہ برائے ملازمت آوردہ می خواست کہ آں ہم چیزے در مدحِ حضور بخواند و تطویل قصیدۂ میر وقت نگذاشت، ملّا محمد تنگ آمدہ گفت کہ "میر صاحب قصیدہ خوب است امّا طُولانی، اگر دماغِ نواب وفائی کرد، کہ می شنید"؟ میر۔۔۔۔ بیاض از دست انداختہ و منغّض شدہ گفت کہ: "اگر دماغِ نواب وفائی کرد، دماغِ من کجا وفا می نماید؟" مطلق پاسِ حضور نہ نمود۔ نواب، کہ خود خُلقِ مجسّم بودہ، استمالۂ مزاجِ میر بکمالِ مہربانی و منتہا نمودہ، بقیہ قصیدہ ہم تمام شنید و خاطرِ ملّا ہیچ نکرد، با وصفِ ایں کہ او با نواب صیغۂ اُخوت داشت۔"

(دستور الفصاحت صفحہ ۲۵-۲۶)

ناصر کا بیان ہے کہ میر نے لکھنؤ میں شادی کی، یہ صحیح ہوگا۔ میر کے دوسرے بیٹے حسن عسکری (عرش) اور بڑے بیٹے فیض علی فیض کی عمروں میں بڑا تفاوت تھا، دونوں کا ایک ماں کے بطن سے ہونا خلافِ قیاس ہے۔ آصف الدولہ کے زمانے میں مشاہرہ برابر ملتا رہا، سعادت علی خاں کے عہد میں، جیسا کہ تذکرۂ کمال میں ہے بند ہوگیا۔

صاحبِ نوادر الکملاء نے میر کے آخری ایام کا حال اس طرح لکھا ہے:

"درسالے مایۂ ناز، پروردۂ آغوشِ نازدختر ے، و سالے دیگر۔۔۔۔ خلفِ کامگار و درسالے دیگر اہلیۂ عفّت شعار۔۔۔۔ بکنجِ عافیتِ مزار آسودند۔ در ۱۲۱۵ھ دمزاج اختلالِ کلی راہ یافت، برداشتگیِ خاطر از دنیائے ناپایدار از حد افزوں و شوقِ جاں سپرگی از اندازہ بیروں رفت۔ دامانِ عزلت مستحکم گرفتند۔ مجالس و محافل را وداع نمودند۔ شتّے ہمیں نوع گذشت آں چہ گذشت۔ آخر در شہر ربیع الثانی عوارض مزمنہ رو بترقی آوردند"

درد قولنج کہ جلیسِ قدیم و ہمراز و ندیم بود ، ساعتے نگذاشت ، و ریح مفاصل قوائے جسمانی را معطل ساخت
پزشکانِ شاہی کہ شناسائے قدیم بودند ، ہجوم آوردند ، رائے ہمگناں بر آں قرار یافت کہ چارۂ کار و
باید نمود و داروے باید استعمال آورد کہ قبضِ طبیعت برطرف شود ، تلیینے دادند ، اسہال بود کہ پیامِ مرگ
جثہ ، نحیف مضغۂ ضعیف را اسہال یک روزہ یک صد و پنجاہ ، واویلا آہ آہ ، دوسرے روز ہمیں نوبت
بود ، آزار بمرگ انجامید ، فرشتۂ موت جامِ ہلاہل "کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ" پیش نمود ، بیاشامید "

دیوانِ چہارم مذکور کے ساتھ عبارتِ ذیل محمد محسن مخاطب بہ زین الدین احمد خاں کی
ہے :

"بروز جمعہ بستم شعبان ...... وقتِ شام ۱۲۲۵ھ ..... بود کہ میر ... صاحب
..... در شہر لکھنؤ در محلہ سٹی ..... بجوارِ رحمتِ ایزدی پیوستند و بروز شنبہ .....
وقتِ دوپہر در اکھاڑۂ بھیم کہ قبرستانِ مشہور است ، نزدِ قبورِ اقربائے خویش
مدفون شدند "

---

# میر کا ذکر تذکروں میں

## نکات الشعراء

از میر تقی میر مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق، (انجمن ترقی اُردو: ۱۹۳۵ء)

"فقیرِ حقیر میر محمد تقی میر مولفِ ایں نسخہ متوطنِ اکبر آباد است بسببِ گردشِ لیل و نہار از چندے در شاہجہاں آباد است" (ص ۱۵۴)

## مخزنِ نکات

از شیخ محمد قیام الدین قائم مرتبہٴ ڈاکٹر عبدالحق (انجمن ترقی اردو۔ ۱۹۲۹ء)

"شمعِ انجمنِ عشق بازاں، فروغِ محفلِ سخن پردازاں، جامعِ آیاتِ سخندانی، مجمعِ کمالاتِ انسانی، معجز طرازِ کرامتِ تحریر، محمد تقی المتخلص بہ میر اصل و منشاءِ وے دارالخلافت اکبر آباد است۔ در خدمتِ خان آرزو کہ خالوے اُو بود، نسخے دانش اندوختہ درمادائل حال پیش ظہیر الدولہ بہادری گذرانند۔ چوں بادشکر آبی رسید، رفیقِ راجہ ناگرل گردید، چنانچہ تاحال باعزّ و امتیاز در رفاقت اوست۔ (ص ۰۴ و ۴۱)

## تذکرہٴ ریختہ گویاں

از سید فتح علی حسینی گردیزی۔ مرتبہٴ ڈاکٹر عبدالحق (انجمن ترقی اردو: ۱۹۳۳ء)

"سخن سنجِ بے نظیر، میر محمد تقی میر تخلص زاد گاہش اکبر آباد است و طبعش معنی ایجاد شمعِ استعدادش برکردہٴ شعلہٴ ادراکِ سراج الدین علی خاں آرزو است۔ فقیر سیرِ اشعارش نمودہ و چشمے آب دادہ۔ حقا کہ دراں تلاشِ معنیِ بیگانہ کردہ است و حرفِ آشنا ببوے کار آوردہ۔ (ص ۱۳۷۔ ۱۳۸)

## چمنستانِ شعراء

از رائے لچھمی نرائن اورنگ آبادی المتخلص بہ شفیق مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق (انجمن ترقی اردو ۱۹۲۸ء)

میر محمد تقی میر اکبر آبادی، میر میدانِ سخنوری و شہنشاہِ اقلیم معنی پروری است۔ اشعۂ آفتابِ کمالش در مِنیعِ الفاظ بہ نہایت درخشانی پیدا، و لمعۂ ماہتابِ معنیش بشبِ عبارت بکمالِ تابانی ہویدا، شہپرِ کلکش بہ تسخیر می پردازد و شہبازِ طبعش بچنگِ فکرِ رسا بنخچیر (......) مضامین رنگین می سازد۔ ہزاراں معنیِ بیگانہ غلامِ جنابش (......) پُر فرحت می دہد، کیمیایش نقطۂ طبع زادش چوں در رخ عزیزم و محترم و حرف رقم زد قلمش مثالِ زر سفید رائجِ عالم حقا کہ (......) و نازک خیالی سرتاج شاعراں ایں عصر و گلِ سر سبد...... حرف گیراں می نہد و بریں کمال غریب اُو تذکرۂ نکات الشعرا من تصنیف میر گواہی می دہد۔

(ص ۲۶۱-۲۶۲)

## تذکرۂ شعرائے اُردو

از میر حسن بہ تصحیح و تنقید مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی (انجمن ترقی اردو ۱۹۴۰ء)

میرِ شعرائے ہندوستان، و افصح فصحائے زماں، شاعرِ دلپذیر و سخن سنج بے نظیر، میاں محمد تقی المتخلص بہ میر رفعتِ رواقِ کاخِ بیانش از طاقِ سپہرِ برتر و گوہر کانِ ضمیرش از جوہرِ مہرِ عالی گوہر، فکرِ عالیش در عینِ خوش آبی بہ طبعِ روانش بہ نہایت شادابی، چراغِ نثرش روشن و ساحتِ نظمش گلشن، شعرش چوں مُدِ خوش آب و اندازِ سخنش بے حساب، صیقلِ ذکائے اُو زنگ زدائے آئینۂ خورشید، پیشِ ضیائے اُو رُوئے رخشانِ ماہ سفید، از استادانِ صاحب قدرت است۔ طرزش مانا بطرزِ شہائی۔ برادر زادہ سراج الدین علی خاں آرزو و ہم از شاگردانِ او است۔ متوطن اکبر آباد جوانِ محمد شاہی، الحال در شاہجہاں آباد است۔ سنِ او قریب شصت رسیدہ۔ تذکرۂ متقدمین و معاصرین از تالیفِ او بیادگار ماندہ است۔ رباعی و غزل و قصیدہ و ہجو و مدح ہمہ می گوید، لیکن آنچہ گوید از غزلیات کہ بسیار بہ انداز و طرز او می تراود بلکہ گرم بازاریِ اُو ست از ہمیں است۔ بسیار صاحبِ دماغ است و دماغ او رامی زیبد۔ خدایش سلامت باکرامت دارد۔

(ص ۱۵۲-۱۵۳)

## تذکرہ مسرت افزا

ازابوالحسن امیرالدین احمد المشتہر بامر اللہ الہ آبادی مرتبہ قاضی عبدالودود در شمولہ معاصر پٹنہ، سنہ ۱۹۵۴ء)

محمد تقی میر تخلص میر میدانِ سخن و شیر بیشۂ ایں فن است ۔ گوہرِ وجودش از معدنِ اکبرآباد برآمدہ، اما قدر و قیمتش در بازارِ دہلی افزودہ مشقِ سخن بخدمتِ سراج الدین علی خان، آرزو کردہ، شاید باوے قرابتِ خواہر زادگی دارد ۔ بسببِ رعونت و گردن کشی کہ خلقی اوست، زبانزدِ زبان آوراں شدہ و باعثِ عیب جوئیِ سخنوران در زبانِ شاں افتادہ، بقول شخصے :

عیبِ مردم فاش کردن بدترینِ عیبہاست　　　عیب جو اوّل کند بے پردہ عیبِ خویش را

ہر یکے را حوصلۂ عیب جوئیِ او بہم رسید، میرزا رفیع گوید :

ہر ورق پر ہے میر کی اصلاح　　　لوگ کہتے ہیں، سہوِ کاتب ہے

تذکرۂ نکات الشعرا تالیفِ اوست ۔ دراں عجب نکتہ چینی در کلامِ شعراے ریختہ نمودہ ۔ ہر کرا یاد نمودہ، بہ تحقیر و بے ادائی آوردہ و اشعارِ ایشاں را بے رتبہ و ناپسندیدہ چیدہ ذکر کردہ ۔ اگر راست بگویم، سببِ تالیفِ ایں تذکرہ مسرت افزا ہم ہمیں بود کہ من بزعمِ حاسدانِ عیب بیں و خردہ گیرانِ نکتہ چیں حالاتِ ہر یکے کماہی در سطرِ تحریر کشیدم ؛ لیکن چوں دریں غربت دیوانِ احدے با خود نبود کہ اتفاقِ انتخابِ شعرا ہم می شدہ از اشعارِ ایشاں آنچہ یاد بود، نوشتم ۔ طرفہ تر کہ میر چوں ہمتِ خود بہ انتخابِ اشعارِ ناپسندیدۂ شعرا گماشتہ بود، طبعش بہ ہمیں مرغوب گشتہ ازیں جہت از اشعارِ خود ہم ہرچہ دراں تذکرہ نوشتہ، اکثرے از آں بے رتبہ و ناپسندیدہ است ۔ در دیوانش بہتر ازیں اشعار بہ نظرِ فقیر درآمدہ ۔ شنیدم کہ محمد تقی میر سید نیست ؛ میر ناصر مرحوم، والدِ میر درد بمشاہدۂ جودتِ طبعش در عنفوانِ جوانی و آغازِ حالش میگفت کہ محمد تقی میرِ میدانِ سخنوری خواہد شدہ ۔ ازآں روز خود را ملقب بمیر ساختہ ۔ دریں جا لطیفہ بخاطر رسیدہ کہ حضرت معیب قدس سرہٗ می فرمود کہ شخصے در ہمسایہ من بود کہ خود را شیخ می گفت ۔ بعد چندے جہتِ سعیِ معاش سفر کرد ؛ چوں از آنجا بخانہ رسید، خود را میر مشہور ساخت ۔ روزے بطریقِ استہزا از وے پرسیدم کہ در شیخ چہ خلل بود کہ میر شدی ۔ گفت، پیرِ من مرا میر خطاب دادہ ۔　(ص ۱۹۹-۲۰۰)

## تذکرۂ ہندی

از شیخ غلام ہمدانی مصحفی مرتبہ عبدالحق مرحوم (انجمن ترقی اردو ۔ ۱۹۳۳ء)

"میر محمد تقی میر تخلص کہ مفصل احوالِ ایشاں نیز در تذکرۂ فارسی سمتِ تحریر یافتہ، شخص صاحب کمال است۔ اکثرے در فنِ ریختہ او را در پایۂ مرزا رفیع سودا گرفتہ اند و اکثرے در غزل و مثنوی بہتر از مرزا قیاس میکنند و مرزا را در ہجو و قصیدہ بر او فضیلت می دہند۔ غرض ہر چہ ہست استادیِ ریختہ بر و مسلّم است۔ اگر چہ دیوانِ فارسی ہم دارد امّا در فارسی گویاں شمردہ نمی شود، ہمہ ریختہ گویانِ ہند سند از کلامش می آرند۔ او را دریں فن مستثنیٰ می دانند و الحق کہ چنین است۔ از چند سال کہ از شاہجہاں آباد بہ پورب رسیدہ در سرکارِ نواب آصف الدولہ بہادر اعتبار و امتیازِ تمام دارد۔ چہار دیوانِ ریختہ از خامۂ فکرش ریختہ و مثنویہائے متعددہ و شکار نامہ ہائے بے نظیر نگاشتہ۔ کلکِ ندرت طرازِ او بر صفحۂ زمانہ یادگار است، بر فقیر بسیار مہربانی می فرماید۔ عمرش تخمیناً قریب ہشتاد است"۔ (ص ۲۰۳-۲۰۴)

## عیار الشعرا

از خوب چند ذکا (قلمی) عکس مملوکہ مالک رام

میر محمد تقی سلمہ اللہ تعالیٰ المتخلص بہ میر۔ شاعر یست غرّا، زادبوش خطۂ اکبر آباد۔ و سے سرآمدِ شعرائے ہند است۔ غلغلۂ سخن در چار دانگِ ہندوستانِ جنّت نشان انداختہ و کلامش مدارجے بہم رسانیدہ چند دیوان و مثنویات و یک نسخۂ تذکرۂ مختصر و قصائد و رباعیات و مخمس و مسدس و ہجو و مدح و دیگر تصانیف بیشمار از وے بروئے کار آمدہ۔ در لکھنؤ بصیغۂ استادی در سرکارِ فیض آثارِ نواب وزیر الممالک آصف الدولہ یحییٰ خان بہادر ہزبر جنگ بمواجب دو صد روپیہ شرفِ اختصاص دارد۔ الیوم در نواحِ لکھنؤ بعقلِ ناقص ایں بندہ ہم چو او عدیل شاعرِ زبردست و سیر مشق و بسیار گو و خوش و شیریں بیان و خوش زبان برنخاستہ غرض کہ در تالیفِ فارسی و علی الخصوص در ریختہ گوئی بالفعل لاثانی است۔ بندہ چشم آشنا نیست، الا سخن آشنا۔

از تصنیفات۔۔ تلاش او قریب او یک ہزار بیت انتخابی قابلِ نوشتنِ تذکرہ بر آمدہ بود۔ از آنجا کہ مختصر نویسی شعارِ تذکرہ سازی است، لہذا عمداً بطوالتِ کلام نہ پرداخت و ہمیں اختصار نمودہ ایں گوہر اشعارِ آبدار از آں اوستادِ زماں، دریا دل، کامل فن، آشنائے بحرِ امواجِ معانی و سخن سلکِ تسطیر در رشتۂ تحریر کشید۔ (ورق ۳۷۸ (ب) - ۳۷۹ (الف))۔

## گلشنِ ہند

ازمیرزا علی لطف، مرتبہ مولوی شبلی و مولوی عبدالحق (لاہور ۱۹۰۶ء)

"میر تخلص، نام نامی اس نگینِ خاتمِ سخن آفرینی کا میر محمد تقی ہے، متوطن اکبر آباد کے۔ سراج الدین علی خاں آرزو تخلص آپ کے کچھ رشتہ داروں میں دور کے تھے۔ ابتدائے سنِ شعور سے پرورش انہوں نے دارالخلافہ شاہجہاں آباد دہلی میں پائی ہے اور خانِ مذکور کے فیضِ صحبت سے نظمِ ریختہ کی کیفیت باریکیوں کے ساتھ اٹھائی ہے۔ تازگی مضمون کی اور علوِ معانی کا بیان سے ان کے ظاہر ہے۔ فی الحقیقت کہ شاعرِ مذکور لطافتوں سے ریختہ کی بخوبی ماہر ہے۔ جو شخص کہ نظارہ گاہِ سخن میں چشمِ خردہ بیں رکھتا ہے اور چاشنیِ خرد سے امتیازِ ذائقہ تلخ و شیریں رکھتا ہے تو وہ اس بات کو جانتا ہے اور اس کے رمز کو پہچانتا ہے کہ میر شیریں مقال میں اور ریختہ گویانِ سابق و حال میں نسبتِ خورشید و ماہ ہے اور فرقِ سفید و سیاہ ہے بلکہ حجاب اگر مانع نہ ہو بیان کا، تو تفاوت ہے زمین و آسمان کا۔ غرض اس تردد سے زبانِ قلم کی اور اس خراش سے عارضِ رقم کی مراد یہ ہے کہ ناقدردانی سے اغنیا کی، اور ناسمجھی سے اہلِ دنیا کی، اب بازارِ سخن سازی اس درجہ کاسد ہے اور ہوائے شہرستانِ ماضی طرازی اس مرتبہ فاسد کہ میر سا شاعر جو کہ سحر کاریِ سخن میں طلسم ساز ہے خیال کا اور جادو طرازیِ بیان میں معنی پرداز ہے مقال کا، وہ نانِ شبینہ کا محتاج ہے اور بات کوئی نہیں پوچھتا اس کی آج ہے۔ جن ایام میں کہ درخواست صاحبانِ عالی شان کی زباندانانِ ریختہ کے مقدمہ میں کلکتہ سے لکھنؤ کو گئی، تو پہلے کرنل اسکاٹ صاحب کے روبرو تقریب میر کی ہوئی لیکن علتِ پیری سے یہ بیچارے مجہول کے محمول ہوئے اور جوانانِ نومشق مربی گری سے قوتِ بدنی کے مقبول ہوئے۔

زمانہ خوش طبیعتوں سے کبھی نہیں خالی ہے۔ اکثر اہلِ لکھنؤ پکارتے تھے کہ کلکتہ میں شاعری کی جب! درخواستِ حالی ہے، کس واسطے کہ یہ جانتے سب اہلِ تمیز ہیں کہ آج بھی بوڑھے کے سامنے نوجوان غور کے میں موئز ہیں اب بھی جو بوجہ تمکنتِ معنی کا جرِ ثقیلِ طبع سے ترازو کر کے وہ دکھلاتا ہے، جوان اگر کوہ بو قبیس ہے تو تحمل سے اس کے کمر چراتا ہے۔ بہر تقدیر جب میرزا محمد رفیع سودا بلدۂ لکھنؤ میں اس دارِ فانی سے عالمِ باقی کو سدھارے، تو میر مذکور شاہجہاں آباد میں تھے، سن ۱۱۹۷ گیارہ سو ستانوے ہجری میں درایاتِ عزم اس صاحبِ لشکرِ مضامینِ تازہ کے حرکت میں آئے اور خود بدولت لکھنؤ میں تشریف لائے۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے روزِ ملازمت خلعتِ فاخرہ دیا اور تین سو روپے مشاہرہ مقرر کر کے تحسین علی خاں ناظر کے سپرد کیا۔ اگرچہ

گرفتہ مزاجی سے ان کی روز بروز صحبت نوابِ مرحوم سے بگڑتی گئی لیکن تنخواہ میں کبھی نہ قصور ہوا اور نواب سعادت علی خاں بہادر کے عہدِ وزارت میں آج کے دن تک کہ ۱۲۱۵ بارہ سو پندرہ ہجری ہیں، وہی حال ہے، جو اوپر مذکور ہوا۔ اقسامِ نظم میں یہ صدر نشینِ بارگاہ سخندانی ہر قسم چکیدۂ خامۂ معجز نگار رکھتا ہے، لیکن سچ تو یہ ہے کہ نظمِ غزل میں ید بیضا رکھتا ہے۔ قصیدہ تو ختم میرزا محمد رفیع سودا پر ہوا، ہاں طرز مثنوی کی بھی ان کی بہت خوب ہے، خصوصاً دریائے عشق، جو ان کی مثنوی ہے، اک جہان کے مرغوب ہے۔ یہ رہنما قوم سخن سرایاں کا مالک چار کتاب پر دلیل و برہان ہے یعنی صاحبِ چہار دیوان ہے خوش بندش و خوش بیان ہے۔ مثنویاں بھی متعدد ان سے ثبتِ جریدۂ روزگار رہیں۔" (ص ۱۵۲-۱۵۳)

## عمدۂ منتخبہ (تذکرۂ سرور)

تالیف ۱۲۳۵ھ ۱۸۲۹ء از نواب اعظم الدولہ میر محمد خان بہادر سرور (شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی۔ ۱۹۶۱ء)

میر تخلص، میر محمد تقی ہمشیر زادۂ سراج الدین علی خاں آرزو اصلش از اکبر آباد، مدتے در دار الخلافہ استقامت ورزیدہ آخر ہا کساد بازاریِ ایں جا دیدہ رختِ اقامت بہ لکھنؤ بردہ در سرکارِ نواب وزیر الممالک مرحوم بہ علاقۂ دو صد روپیہ ماہواری ملازم شد۔ تعریفِ اشعارش محتاج بشرح و بسط نیست، مہارتے تمام در فصیح گوئی و فنونِ شاعری دارد و بلند تلاشانِ ایں فن شاعرِ مسلم الثبوت می شمارند، و بہ استادیِ او قائل اند۔ وضع و رویۂ شعر گوئی بہ نہجے کہ دارد کسے را میسر نہ شدہ است۔ بسیار عزیزاں تلاش تتبع زبانِ او کردند لیکن بآں نہ رسیدند۔ فی الواقع مرتبۂ شاعریِ او دریں زمانہ بسا بلند است و پایۂ او دریں فن کم از رفیع السودا نیست۔ بلکہ در غزل گوئی رجحان دارد۔ تصانیفش بسیار چنانچہ پنج دیوان ریختہ و یک دیوانِ فارسی و تالیف تذکرۂ ریختہ گویاں و اکثر مثنویات و مدحیات و ہجویات و مخمسات و واسوخت و مسدسات و ترجیع بند و مناقب و مرثیہ وغیرہ تصنیف نمودہ۔ (ص ۵۵۳-۵۵۴)

## تذکرۂ شعرائے اردو

از ہیرا لال بیجگر (قلمی) عکس مملوکہ مالک رام صاحب

در فنِ سخن امیر، میر محمد تقی المتخلص بہ میر شاعرے است کہ در رنگین خیالی طبیعتے دارد در سرمشق بہار کشمیر

دو در شعرِ فارسی و ہندی دستِ قدرتے کثیر ۔ آئینۂ آب اگر معیوب بحباب نہ بودے در آئینہ شفافی مشابہت کلامش رو بہ یک روئی نمودے و چشمۂ آفتاب اگر در چشمۂ شستگی تلاشش او ہر سحر چہرۂ خود نشوئیدے ، موجِ صفائیش کے سر بفلک کشیدے ۔ شعرے کہ در امنظرانی عاشق ہجور از جوشانِ طبع ذخار وے بر آمدے ، ہر حرف ازاں چوں ماہیِ بے آب جدا جدا ہم آغوش طپیدن بر فزودے کہ بذکرِ وصالِ معشوق از خیالِ مواج بر آوردے ۔ بمصرعہ اش با مصرعۂ دیگر چوں جفت سرخاب در انداز بہم گردیدن اگر ہم سر آں روے محبوبان دلربا را بر شانِ توصیف گذاشتے عاشقاں را دلِ دو پارہ ساختے و اگر تیرِ مژگانِ ترکانِ خطا بر کمانِ تعریف داشتے ، رخنہ در جگرِ دل دادگانِ بیچارہ انداختے ۔ خلاصہ کلام کہ آں میر یگانہ بقولِ غلام محی الدین عشق وطنِ آبائے خود را اکبر آباد گذاشتہ طرح مسکنت بدہلی انداخت و لبعد از مدتے چوں در آں جا ہنگامۂ بادشاہ گردی ہا قیامت برپا کرد از تابِ خورشید حوادث پناہے بجز گریختن ندید ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہ لکھنؤ کشید و در نظرِ دور بین نو ذیرِ بے بہادر دریائے قدر دانی نواب آصف الدولہ بہادر ، حاتم زمانی [؟] وجودِ کرامت آمودش بہ صفات لاثانی بہامد چنانچہ اکثر بہ عطائے صلہ و انعام گوہر عالی دماغی و نادر الافکاری او را پیشِ دیگر سخنوراں حضور آب می دادند و مصحفی در تذکرۂ خود بعد نظرِ مجمل در احوال و اقوالِ بعضے قدم ریختہ گو کیش را برجائے مرزا رفیع سودا نہادہ بیک گفتار برحی سوائے قصائد و ہجو در غزل و مثنوی آں شہنشاہے وقت را از مرزائے مذکور فوق دادہ نہ ہم نوشتہ کہ با وصفِ دیوانِ مرتّبِ فارسی در فارسی گویاں شمردہ نمی شود الاّ شعرائے ریختہ گو سند از کلامش می آرند و نام اوستادی بر او می گذارند انتہیٰ خامۂ ندرت نگارِ فکرش سوائے چہار دیوانِ ریختہ مثنویاتِ متعددہ از بس دلپذیر و شکار نامہ ہائے بسیار یک قلم بے نظیر بر صفائحِ روزگار ریختہ ۔۔ عاقبت بعد بقطع مراحلِ نود و شش از سنین عمر در سالِ یک ہزار و دو صد و بست و پنج ہجری بہ وصلِ جانانِ حقیقی پیوست غفر اللہ لہٗ ۔ مصحفی قطعۂ تاریخش طولانی بہ تعمیہ چہار عدد از سر درد انشا کردہ کہ این است :

| | |
|---|---|
| وہ محمد تقی میر کہ تھا ، ریختہ میں ہر ایک کا سرتاج | ہند جنت نشاں میں لکھی تھی غزل عاشقانہ اس سے رواج |
| خرمنِ عمر اس کا برقِ اجل کر گئی جس دم آن کر تاراج | از سرِ درد مصحفی نے کہا حق میں اوس کے ہو نظیری آج |

و لالہ سر گوپال خستہ تاریخ وفاتش نوشتہ :

| | |
|---|---|
| چہ بلا با کہ نیامد بسرِ اہلِ سخن | چوں سوئے ملکِ عدم گشت رواں میر تقی |

خستہ بنوشت سخن او ز حروف منقوط　　چوں نہ نالیم برفتہ زجہاں میر تقی

## دستور الفصاحت

از احمد علی خاں یکتا ۔ مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی (رامپور ۱۹۴۳ء)

متکلمِ سحرکار، شاعر جادوکردار، سلطانِ اقلیمِ فصاحت، فرمان فرمائے کشورِ بلاغت، مونس و غمخوارِ جماعۂ عشاق، نام برآوردہ باوستادی در تمام آفاق، سلطان الظرفا، سید الشعرا، مملکتِ سخن را امیر، سید محمد تقی المتخلص بہ میر نوراللہ مضجعہ، شاعرے بود پُر قوت بر جمیع اقسامِ سخن قادر، بہمہ دقائقِ سخنوری عالم و ماہر، غزل را بطرزے گفتہ کہ ہیچکس نمی تواند۔ بلکہ دریں باب بملک الشعرا ہم حرف است۔ چوں کلامش بسببِ وسعت، جامع اکثر کلماتِ محاورہ افتادہ، افادۂ سند ازاں نسبت بکلامِ میرزا زیادہ تر است، امّا تقلید و پیروئ او نہایت دشوار۔ اگرچہ کلامِ فصاحت نظامش مثلِ سعدی بظاہر آسان نظر می آید، و لے ممتنع است بیشتر شعر امقلدِ او ہستند و مطلق طرزش نمی یابند بخلاف مرزا محمد رفیع کہ باوجود کمال پختگی کہ دارد، تقلیدش ہر صاحبِ فہمے را ممکن۔ و برجستگیِ کلام و نزاکتِ معانی میر را چہ گویم؟ یا استادی و معلوماتِ ایں مسلم الثبوت را چہ نویسم؟ سلطانے اعتبار میر دریں فن بالیلاسے شہرتِ مرزا در یک محمل سوار، و آفتاب شہرۂ ایں ہر دو بے عدیل، بچرخِ علو در یک درجہ گرمِ اشتہار۔ ہذا نواب آصف الدولہ مرحوم و مغفور ہم بعد رحلتِ مرزا، میر را از شاہجہاں آباد تحریر طلب داشتہ، بمنصبِ عالی ملازم ساخت و از خاطرداری و پاسِ مشارٌ الیہ، ہیچ دقیقہ فرو نمی گزاشت۔ حالانکہ جنابِ میر بغرورِ کمال و استغنائے تصوف کہ مضمر بخاطرش بودہ، اکثر کم التفاتی و بے اعتنائی بحالِ مردم می نمود، بلکہ گاہ گاہ بہ امرا ہم، چنانچہ باید، راہِ التفات و مبالغت نمی پیمود، چنانچہ نقل است کہ روزے میر صاحب قصیدۂ تازہ گفتہ بدربار آوردند۔ نواب وزیر کہ از چاشت فراغت کردہ متوجہ شنیدن شد میر صاحب شروع بخواندن کردند و طول دادند۔ اتفاقاً آں روز ملّا محمد مغلے را کہ تازہ از ولایت آمدہ و شاعر ہم بودہ برائے ملازمت آمدہ میخواست کہ آں ہم چیزے در مدحِ حضور بخواند و تطویلِ قصیدۂ میر وقت نگزاشت۔ ملّا محمد تنگ آمدہ گفت کہ "میر صاحب قصیدہ خوب است، امّا طولانی۔ اگر دماغِ نواب صاحب وفا نمی کرد، کہ می شنید؟" میر بمجردِ استماع بیاض از دست انداختہ ـــــ و منغض شدہ گفت کہ اگر دماغِ نواب وفا نمی کرد، دماغِ من کجا وفا می نماید؟" مطلق پاسِ حضور نہ نمود۔ نواب کہ خود خُلقِ مجسم بودہ، استمالتِ مزاجِ میر

بکمالِ مہربانی ونتہا نمودہ، بقیہ قصیدہ ہم تمام شنید و خاطرِ ملا ہیچ نہ کرد ، باوصف ایں کہ او بانواب صیغۂ اخوت داشت ۔ غرضکہ شرحِ صفات و بیانِ کمالاتِ آں سید الشعرا از قدرتِ قلم و زبان زاید است۔ بعدِ نواب ہم زندگانی بسیار کرد ۔ سہ چہار سال شدہ کہ در لکھنؤ وفات یافت ۔ شش "دیوان" و یک "دیوانچہ" و چند مثنوی و "شکار نامہ" و طیاریِ ہولی وغیرہ کہ باشارۂ وزیر مرحوم نوشتہ بود ، ہمہ در زبانِ ریختہ و چند جزو نثر و نظمِ فارسی در دہر یادگار گذاشتہ است ۔ چنانچہ تاریخ آں یگانۂ زمانہ مرزا مغل فرزانہ کہ ـــ بعضا للنفسہ ، غافل تخلص در کلام میگزارد ، دریں قطعہ نظم فرمودہ ۔ تاریخ :

جب دلِ احباب پر ، موجبِ رنج والم — واقعۂ جاں گداز میر تقی کا ہوا

مادہ تاریخ کا پیرِ خرد نے وہیں — دردِ کے رو سے کہا "آج نظیری موا"

۱۲۲۵ = ۱۲۲۱ + ۴

(ص ۲۳-۲۶)

## گلشنِ بیخار

از نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ ( نولکشور، لکھنؤ، ۱۹۱۰ء )

میر تخلص افصح فصحا ، اشعر شعرا ، سخنور عالی مقام محمد تقی نام از اہلِ اکبرآباد خواہر زادۂ سراج الدین علی خاں آرزو ست ، لطافت بہ طبعش ہمزاد است و با کلامش حرف غیر زمزمہ بلبل و فغاں خاد طوطی ناطقۂ شکر بارش رونقِ بازارِ عنادل شکستہ و صفیر خامۂ گلستاں نگارش نالہ برلب مرغِ بستانی بستہ صفحۂ خیالش بجلوہ ریزی لالہ عذاران افکارِ دلاویز چوں اندیشۂ عاشق قطعۂ گلزار است و رشحۂ قلمش در شگفانیدن گلہائے مضامینِ تازہ ہمرنگ ابر نوبہار ۔ صد آہِ دردناک بتاثیرِ یک مصراع او نیست و ہزار عزائم تسخیر ہم فسونِ نیم بیتش کو ۔ حلاوتِ سخنش بکامِ مشتاقاں گوارا تر از شہدِ لعلِ شکر بار است و نمکِ گفتارش بمذاقِ شوریدہ طبعاں بامزہ تر از پستۂ تبسمِ دلدار ، نظمش اگر سحر است سحرِ حلال است ، و فکرش اگر از قوتِ مکتسبی ہست از چہ اعجاز مثال ، بافنونِ نظمیہ ربط تمام دارد ۔ لاسیمّا در غزل سرائی و مثنوی گوئی گوئے سبقت می رباید ـــ پست و بلند کہ در کلامش بینی و رطب و یابس کہ در ابیاتش بنگری نظر نہ کنی و از نظرش نیفگنی کہ گفتہ اند ۔ فرد ؎

شعر گر اعجاز باشد ، بے بلند و پست نیست — در یدِ بیضا ہمہ انگشتہا یک دست نیست

ولیکن سخن دریں باب تحت ترجمہ میرزا رفیع سودا گذشت و بغایت چیدہ و سرہ است فلیتذکر۔ شش دیوان ریختہ باصناف سخن نظم کردہ مسدس کہ بمضامین واسوخت گفتہ غازۂ شہرت بر رو دارد۔ از اقسام شاعری در قصیدہ فکر خوشے نداشتہ، چنداں کہ غزلش بلند مرتبہ تراست۔ ہمچناں قصیدہ اش پست پایہ تر۔ از بد روحال بہ شاہجہان آباد آمد و تمتع نیافتہ ناکام برگشتہ در لکھنؤ می گزرانید و مایحتاج از سرکار نواب وزیر الممالک بہادر می یافت ہم درآں جا بسیر ملک عدم شتافت و دیوانہایش ملاحظ شد۔

(ص ۲۱۰-۲۱۱)

(صدر الدین آزردہ نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے میر تقی المتخلص بہ میر.................. پستش اگرچہ اندک پست است اما بلندش بسیار بلند است۔ ص۱۰۱ گلشن بیخار)

## تذکرۂ بہارِ بے خزاں

از احمد حسین سحر لکھنوی (تالیف ۱۲۶۱ھ) نسخہ قلمی مملوکہ مالک رام صاحب

میر تخلص محمد تقی نام از اہل اکبرآباد، خواہرزادۂ سراج الدین علی خاں آرزو، ہمدوش مہوشانِ پری جلوہ نکتہ دانی و ہم آغوش دوشیزگانِ شوخ ادائے معانی است۔ دیوانہ طرزِ دلکش و دل آویز آشفتہ مضمونِ عاشقانہ و درد انگیز مجنونِ بہارِ حُسنِ لیلائے دلفریبی، فرہادِ تلخ کامِ شیریں ادایانِ محبوبی، برشتہ جگرِ شمع رویان، ہم بسترِ ناکامی و ہم یاس و حرماں بودہ کلامِ شور انگیزش لختِ دل پارہ دارد و زبانِ معنی آشنا در آتش انداختہ و روزمرہ گفتگوے بے ساختہ اُو لطفِ حسنِ بندش دیگراں از دلہا برداشتہ۔ مشہور است کہ بشہرِ خویش باپری تمثالے کہ از عزیزانش بود، در پردہ تعشقِ طبع و میلِ خاطر داشتہ آخر عشقِ او خامۂ مشک پیدا کردہ می خواست کہ بچار بچار سوے رسوائی بشکند و حسن بے پردہ بجلوہ گری در آید۔ از ننگِ افشاے راز و طعنِ اقربا بادے بغل پروردۂ حسرت و حرماں و با خاطر ناشاد دست و گریباں قطع رشتۂ حُبِ وطن ساختہ از اکبرآباد بعد از خانہ برانداز یہا بشہر لکھنؤ رسید و سنگِ شکیبائی بر شیشہ زدہ از آوارہ گردیہا آرمید و ہمیں جا بصد حسرتِ جانکاہ جلا وطنی و حرماں نصیبی از دیدار یار و دیار جاں بجان آفریں داد تا تمام قید رشتۂ حیات بود، طوقِ محبت بگردن و سلسلۂ دیوانگی بپا داشت۔ از کلامِ عاشقانہ و درد انگیزش پنداشت کہ صد آمد و بخاک برد چند مثنوی ہا و شش دیوانِ ریختہ دارد و بفارسی ہم سلیقہ

داشتہ، القصہ تاثیرِ کلام قیامت زاش تاثیرے دارد کہ ہمچو خدنگِ خارا شگاف از سینہ بروں می جہد۔
(ص ۱۵۴ - ۱۵۶)

## گلستان بے خزاں معروف بہ نغمۂ عندلیب

از حکیم میر قطب الدین باطن اکبرآبادی (نولکشور، ۱۲۹۱ھ)

میر تخلص مرشدِ شعرا درۃ التاج اساتذۂ فلک احتشام درعزر بحر اوستادانِ رفیع احترام، لوے شاہوار فصیحانِ ارفع التزام، جناب میر محمد تقی نام والا دودمان عالی خاندان، ملک مالوفہ ابرِ نیساں بار، فخرِ دہلی دُرِّ مکنون ہمشیرہ زادۂ سراج الدین علی خان آرزو اوستادِ اساتذۂ جدید و قدیم جن کے سب شاعر معتقد ہیں جو جاہل ان کی نسبت الفاظِ اہانت لکھے اوس سے گفتگو فصاحت خادمۂ کلکِ جادو نگار، بلاغت کنیزِ خامہ طوطیٔ اطوار، محاوراتِ روزمرہ غاشیہ بردار، طبعِ شوخ گوہر بار مضمونِ عاشقانہ سحابِ فکر سے ترشح کرتے ہیں۔ نباتات کیمیا خصلت مرزبومِ شعر میں نشو و نما اوترتے ہیں۔ اہتزازِ نسیم طبع نے وہ گلہاے بوقلموں کھلائے جن کی نکہت سے مشامِ سیاراں عنبر سر ہو جائے۔ عنادلِ طبع سخن سنجانِ عصر شاخِ مصارعِ رنگین پر پروانہ وار نثار، طوطیٔ نوا سنج زبان خوش گویانِ کلام کے روبرو صورتِ آئینہ بسبد شکل حیراں و پُرا اضطرار۔ زبان گویا کا کام نہیں کہ ان کے لب و لہجہ کے روبرو گفتگو کرے۔ ناطقہ کو تاب کہاں کہ یارا بات کہنے کا ہو، روبرو اف یا تو کرے۔ صفیرِ خامہ چمنستانِ دیوان میں رشک صداے بلبلِ ہزار داستاں، نواے کلکِ دوزبان بوستانِ نظم میں رو کش نغمۂ طوطیٔ خوش زباں۔ جس مرتبہ صفت لکھیے مناسب اور بجا لاریب فیہ۔ جس قدر تعریف کیجیے زیبا۔ صاحب گلشنِ بیخار آنحضرت اوستاد کی خدمت میں بھی بے ادبی کے الفاظ لاتے ہیں۔ صفت کی عبارت لکھتے لکھتے پھر وہی تذاذ خائی کی طرف لے جاتے ہیں اور ایسے ایسے فقرات تحریر فرماتے ہیں، پست و بلند کہ در کلامش بینی در رطب و یابس کہ در ابیاتش بنگری نظر نہ کنی و از نطرش نغلتی کہ گفتہ اند، شعر:

شعر گر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست  در یدِ بیضا ہمہ انگشتہا یک دست نیست

اس فقرے کا فقرۂ دیگر دوسرے چہرہ تصویر کا اور ہی رنگ ہے ان کے اس بیان کا نئے طرز کا ڈھنگ ہے: "در قصیدہ فکرِ خوش نداشتہ چنداں کہ غزلش بلند رتبہ تراست ہمچناں قصیدہ اش پست پایہ تر در بدیہ حال شاہجہاں آباد آمدہ و تمتع نیافتہ ناکام برگشتہ الخ جب ایسے صاحب کی نسبت یہ عبارت ہو تو اوروں کی کیا

کلیات میر

حالت ہو۔ سیر گلشن بیخار و گلستان بے خزاں سے جھوٹ سچ دونوں کا معلوم ہوگا؛ فریقین کا نیک و بد سیاروں کو مفہوم ہوگا۔ مرشدِ شعرا نے چھ دیوان فکرِ شایستہ سے آمادہ کیے کہ شش جہت میں جواب نہیں۔ ان کے برابر نظمِ اردو میں کسی شاعر کی کتاب نہیں۔ قیام اپنا لکھنؤ میں اختیار کیا۔ سرکارِ نواب وزیر الممالک میں روزگار کیا۔ یہ اشعار نتائجِ افکارِ شریفہ سے زیبِ جریدہ کیے۔ فی الحقیقت شنیدہ نہیں بلکہ دیدہ کیے۔ گرمیِ کلام سے عدو کباب ہے، آتشِ حسرت میں خاک وہ خانہ خراب ہے۔ کلام میر ہی افسر بر خورد و کبیر ہے۔ اوستاد کا ارشاد ہے، جس کے فیض سے ہر شاگرد اوستاد ہے۔ صفحۂ کاغذ دبستانِ سخن ہے، سطحِ قرطاس گلستانِ سخن ہے، جب پڑھتے اور گنتے ہیں تو نظارہ کے دامن دامن پھول چنتے ہیں۔ اس گلشن کے سیاروں کا دل باغ باغ ہے بہار دیکھیے، تو غیر خزاں نصیب ذلیل خوار کے دل پر داغ ہے۔ رہروانِ منزلِ نظم کے خضر کا کلام ہے۔ اس طریق سے جادہ کاغذ پر انتظام ہے۔ (ص ۲۲۶-۲۲۷)

## تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا (قلمی)

از سعادت خاں ناصر لکھنوی (۱۲۶۱ھ) (نسخۂ آزاد لائبریری، علی گڑھ)

اوستادِ اوستاداں، امامِ شریعِ سخنوراں، عدیم المثال، بینظیر، محمد تقی متخلص بہ میر۔ پسرِ رشید عبداللہ ساکن اکبر آباد، ہمشیرہ زادۂ سراج الدین علی خاں آرزو؛ غالب ہے کہ تربیت یافتہ بھی اوسی کے ہوں۔ یہ نقل خود فرماتے تھے کہ عنوان (؟ عنفوان) جوانی میں جوشِ وحشت اور استیلائے سوداطبیعت پر غالب ہوا اور زبان و کام ہرزہ گوئی پر راغب۔ ترکِ نیک (؟ ننگ) و نام بلکہ رسوائیِ خاص و عام، پسند آئی۔ ہر کسی کو دشنام دینا شعار اور سنگ زنی کاروبار تھا۔ خان آرزو نے کہا: اے عزیز دشنامِ موزوں دعائے ناموزوں سے بہتر اور رخت کے پارہ کرنے سے تقطیعِ شعر خوشتر ہے۔ چونکہ موزونیِ طبیعت جوہرِ ذاتی تھی، جو دشنام زبان تک آئی، مصرع یا بیت ہوگئی۔ بعد اصلاحِ دماغ و دل کے مزہ شعر گوئی کا طبیعت پر رہا۔ کبھی کبھی دو چار شعر جو خانِ آرزو کی خدمت میں پڑھے، پسند فرمائے؛ اور تاکید شعر و سخن کی زیادہ سے زیادہ کی۔ ایک دن خان آرزو نے اون سے کہا کہ آج میرزا رفیع آئے اور یہ مطلع نہایت مباہات کے ساتھ پڑھ گئے: ؎

چمن میں صبح جو اوس جنگجو کا نام لیا
صبا نے تیغ کا آبِ رواں سے کام لیا

میر صاحب نے اوس کو سن کر بدیہہ یہ مطلع پڑھا : ؎

ہمارے آگے ترا جب کسُو نے نام لیا
دلِ ستمزدہ کو اپنے تھام تھام لیا

خانِ آرزو فرطِ خوشی سے اوچھل پڑے اور کہا : خدا چشمِ بد سے محفوظ رکھے ۔

اب سنیے ، جب اکبرآباد سے میر صاحب پورب کی طرف چلے ، حسبِ اتفاق ایک بنیے کے ساتھ سوار ہوئے ، مگر وقت سوار ہونے کے کچھ رات باقی تھی ۔ جب روزِ روشن ہوا اور اُس کی صورت دیکھی ، موہنہ اپنا اُدھر سے پھیر لیا اور لکھنؤ تک اوس کی طرف موہنہ کر کے نہ بیٹھے ۔ سبحان اللہ ، کیا عالی دماغ لوگ تھے کہ ضرورت میں بھی ناگوار کو گوارا نہ کرتے تھے ! میرزا مغل سبقت نقل کرتے تھے کہ جب میر صاحب لکھنؤ تشریف لائے ، میں نے دولت دستبوسی حاصل کی ۔ بعد قیل و قال کے ملتمس ہوا ، کچھ اپنے کلام سے مستفید فرمائیے ۔ بے تامل فرمایا کہ تمہارے بشرہ سے شعر فہمی معلوم نہیں ہوتی ، سخن کے ضائع کرنے سے حاصل ! انسان کو اتنی خود پسندی بھی زیبا نہیں کہ "مثلِ من دیگرے نیست : فضّلنا بعضکم علیٰ بعض ۔ میرزا مغل اچھے شاعر تھے ، بلکہ اوروں پر سبقت رکھتے تھے ۔ ایک دن شاہ قدرت اللہ تخلص قدرتؔ اور میر صاحب کشتی پر سوار تھے ۔ قدرتؔ نے چند غزل اپنے دیوان کی پڑھیں ۔ میر صاحب نے کچھ نہ کہا ۔ آخر وہ ملتمس ہوا کہ آپ نے کچھ نہ فرمایا ۔ میر صاحب نے کہا : صوابدید یہ ہے کہ تم دیوان کو اپنے دریا میں ڈال دو ۔ اور ایک نقل ہے کہ عماد الملک نواب غازی الدین خاں لبِ دریا بیٹھے ہوئے تھے اور مرغانِ آبی بطورِ سرخاب دریا میں واسطے سیر و تماشا کے چھوٹے ہوئے تھے ۔ اتفاقاً میر صاحب اودھر سے آنکلے ۔ نواب نے چند قصیدے اپنے میر صاحب کے روبرو پڑھے اور داد طلب ہوئے ۔ میر صاحب نے فرمایا : میری مدح کی کیا احتیاج ہے ، ہر ربط کو صاحب کے اشعار پر حالتِ وجد اور سماع ہے ۔ نواب کو یہ سخن نہایت ناگوار گذرا ۔ دوسرے روز میر صاحب کو پھر طلب فرمایا اور آپ ایک کرسی پر بیٹھے ۔ زمین پر سوائے خاک کچھ فرش نہ بچھوایا ۔ میر صاحب نے لمحہ کے لمحہ انتظار چوکی اور مونڈھے کا کیا بعد ازاں دوپٹہ اپنا اوتار کر کے بچھایا اور بیٹھ گئے ۔ نواب صاحب نے کہا : کچھ عنایت فرمائیے یعنی اپنے کلام سے مستفید کیجیے ۔ میر صاحب نے یہ قطعہ پڑھا : ؎

| | |
|---|---|
| کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا | یکسر وہ استخوانِ شکستہ سے چور تھا |
| کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ ، بےخبر! | میں بھی کبھی کسی کا سرِ پُر غرور تھا |

تھا وہ تو رشکِ حورِ بہشتی ہمیں میں میرؔ  سمجھے نہ ہم، تو فہم کا اپنی قصور تھا

جب سرکارِ نواب آصف الدولہ بہادر میں میر صاحب صیغۂ شاعری میں نوکر ہوئے، ایک دن وہ آصف جاہ کتاب خانہ میں جلوہ گر تھا اور روائیں زیر و بالا رکھے ہوئے تھے۔ ایک جلد نوابِ نامدار کے ہاتھ سے بہت دور تھی اور میر صاحب سے نزدیک۔ فرمایا: مجھے اوٹھا دیجیے۔ میر صاحب نے ایک خادم سے کہا: سُنو، تمھارے آقا کیا فرماتے ہیں۔ نواب نے راست ہو کر اوس کو اوٹھا لیا، مگر یہ (بات) میرزا ے (کو) نہایت ناگوارِ خاطر ہوئی۔ بعد یک لمحہ کے فرمایا: کیوں میر صاحب! مرزا رفیع السوداؔ کیسا شاعر مسلم الثبوت تھا! میر صاحب نے کہا: بجا، ہر عیب کہ سلطان بہ پسندد، ہنر است۔ حضورِ پُرنور نے کہا، ہم عیب پسند ہیں! یک نشد، دو شد۔ اس میں میر محمد سوزؔ صاحب کہ اوستاد جنابِ عالی کے تھے، واسطے مجرے کے حاضر ہوئے حضور نے فرمایا: کچھ شعر پڑھو۔ حسب الحکم میر سوزؔ نے دو تین غزلیں اپنے دیوان کی پڑھیں۔ نواب فلک جناب نے تعریف میں اون کی مبالغہ فرمایا۔ میر صاحب کو دلیری میر سوزؔ کی اور تعریف نواب کی بہت ناگوار گذری۔ میر سوزؔ صاحب سے کہا: تمھیں اس دلیری پر شرم نہ آئی؟ میر سوزؔ نے کہا: صاحبِ بندہ، کیا میں شاہجہان آباد میں بھاڑ جھوکتا تھا؟ کہا بزرگی اور شرافت میں تمہاری کیا تامل! مگر شعر میں میرؔ سے کسی کو ہمسری نہیں۔ موقع اور محل تمھاری شعر خوانی کا وہ ہے، جہاں لڑکیاں جمع ہوں اور ہنڈکلھیا پکتی ہو، نہ کہ میر تقی کے سامنے۔ میر سوزؔ سے تو یہ کہا اور وہ شقہ کہ جو میر کو حضورِ پرنور نے لکھا تھا، جیب سے نکال کر حضور کے آگے رکھ دیا اور یہ کہہ کر اوٹھ کھڑے ہوئے: خانہ آباد دولت زیادہ۔ نواب نامدار نے فرمایا: خدا حافظ۔ دو تین مہینے کے بعد تحسین علی خاں نے ذکر اوس کی عسرت اور غریب الوطنی کا تقریباً حضور میں گذارش کیا۔ اوس حاتمِ زمان نے اول شکایت اون کی بے اعتنائی کی بہت سی کی، بعدہٗ شفاعت خواجہ سرا کی قبول فرمائی۔ خواجہ سرا خوش خوش میر صاحب کے پاس آیا اور وہ ذکر سنایا۔ میر صاحب نے حاضر ہونا دربار میں اوس کی معرفت سبک سری سمجھ کر انکار کیا۔ ایک دن وہ جوہر شناس ہنرمندان عتیق اللہ کے امام باڑہ کی طرف آیا، اور تحسین کو اشارہ کیا کہ میر صاحب کو لے آ۔ خواجہ سرا نے میر صاحب سے کہا: چلو، تمھارے لینے کو حضور آئے ہیں۔ سبحان اللہ، کیا قدرشناسی تھی کہ اپنے نوکر کی رئیسوں کو یہ خاطر تھی۔ آخر آخر میر صاحب کو ولولۂ عشق پیدا ہوا اور صورت کسی کی آئینۂ خورشید میں معائنہ ہوئی۔ پر جوان ہمت الیسوں کو کہتے ہیں؛ کسی نے پوچھا کہ اس پیرانہ سالی میں کدخدا ہونے کا کیا باعث ہوا؟ فرمایا: فقط اس واسطے کہ سسرال والے کہیں:

لڑکا آیا۔

جب مرض الموت سے بیمار ہوئے، وصیت کی: میرے جنازے کے اوٹھانے میں تعمل (؟ تعجیل) نکرنا جو سنیگا کہ میر نے رحلت کی ہے، خواہ مخواہ نقد اور سامان معقول بھیجیگا۔ بموجب وصیت کے صبح سے شام ہوئی، کسی نے کچھ نہ بھیجا۔ آخر شیخ امام بخش ناسخ کی اعانت زادِ آخرت ہوئی۔ یہاں مصحفی نے تاریخ اون کے مرنے کی۔

موا سسرا ے آج ( موا نظیری آج )

کہی ہے۔ اور ناسخ کی کہی ہوئی تاریخ یہ ہے:

شد زجہاں میر محمد تقی    داغ زبے مہری اہلِ جہاں

ناسخ، تاریخ وفاتش نوشت    'واویلا، مُردشہِ شاعراں'

- - - - - - -

ملاّ نشہ میں جو پگڑی کا پیچ اوس کی میر    سمندِ ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

اوستاد نا حضرت مذنب مغفور فرماتے تھے کہ میں نے یہ مقطع میر سے سن کر یہ شعر فارسی کا پڑھا:

زفرطِ نشۂ خود گشت طرہ بر دستار    سمندِ ناز ترا تازیانہ دیگر شد

میر صاحب نے کہا: یہ دل و دماغ اور فرصتِ فراغ کسے ہے کہ اور کا کلام دیکھے۔

ص ۲۶ (ب) ۔ ۲۹ (الف)

## طبقات الشعرائے ہند

ازالیف فیلن و مولوی کریم الدین: ۱۸۴۷ء (مطبع العلوم دلی، ۱۸۴۸ء)

میر، افصح فصحائے محمد تقی نام، اکبر آبادی ہے وہ سراج الدین علی خاں آرزو کا بھانجا تھا یہی وہ شاعر ہے جو کہ بنام میر مشہور ہے۔ شعر اوس کا تمام شعرا رشائقین اور متاخرین سے بیشک بہت اچھا ہے تمام فنون نظمیہ وہ جانتا تھا، خصوصاً غزل اور مثنوی اوس کی سب سے بہتر ہے۔ آج کے زمانہ تک تمام شعرا اوس کے اچھے ہونے میں شک نہیں کرتے۔ یہ شاعر واقع میں ایسا ہی ہے کہ اگر اوس کو بادشاہ شعرا کا کہیں تو بجا ہے۔

چھ دیوان ریختہ مع مسدس ومخمس و غزل و رباعی و قطعہ وغیرہ کے اوس کے موجود ہیں۔ میر کا قصیدہ

اچھا نہ ہوتا تھا، قصیدہ گوئی مین سودا کو میر پر فوقیت ہے، اور غزل میں میر کو سودا پر۔ ابتدائے حال میں درمیان شاہجہان آباد کے آیا، ناکام پھر لکھنؤ کو چلا گیا۔ سرکار نواب وزیر الممالک میں ملازم ہوا۔ ۱۱۹۳ھ میں اوس جا فوت ہوا۔ اوس کی تصنیف سے نو مثنویاں، چھ دیوان، ایک تذکرہ نکات الشعراء ہے۔ اول میں جب دلی میں تھا، خواجہ میر درد کے گھر میں مشاعرہ ہوتا تھا۔ پھر بموجب خواہش درد کے، میر مجلس مشاعرہ اپنے مکان پر منعقد کرنے لگا۔ میں نے تمام دیوان اور مثنویات اوس کے خوب دیکھے ہیں۔ (ص ۱۱۵-۱۱۶)

## سخنِ شعرا

از مولوی عبد الغفور خاں بہادر نساخ : ۱۲۹۱ھ (نول کشور)

میر تخلص، میر محمد تقی اکبر آبادی ولد میر عبد اللہ ہمشیر زادہ و شاگردِ سراج الدین علی خاں آرزو، عنفوانِ شباب میں دہلی میں گئے تھے وہاں سے لکھنؤ میں جا کر سکونت اختیار کی ؛ نواب آصف الدولہ بہادر کی سرکار سے ان کا وظیفہ مقرر ہوا تھا۔ سن بارہ سو چھبیس ہجری میں فوت کی۔ سوائے قصیدہ کے جمیع اصنافِ سخن پر قادر تھے۔ اشعار ان کے بغایت مرتبۂ بلند رکھتے ہیں۔ فرطِ اشتہار سے حاجتِ بیان نہیں۔ مثنوی و غزل گوئی میں اوستادِ مسلم الثبوت گزرے۔ ان کی استادی سے کسی کو انکار نہیں۔ جو درد کہ ان کے کلام میں ہے، کسی شاعرِ ریختہ گو کے کلام میں نہیں۔ ان کے چھ دیوانِ ریختہ مع قصائد و مثنوی نظر سے گذرے۔ ایک دیوانِ فارسی اور ایک تذکرۂ شعرا اور ایک رسالہ فیضِ میر بھی ان سے یادگار ہیں۔ (ص ۴۷۹)

آل احمد سرور

# میر کے مطالعہ کی اہمیت

اردو شعر و ادب کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے باوجود یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ابھی تک ہمارے بہت سے ماہران فن کے کلیات و دواوین یا تو دستیاب ہی نہیں ہوتے یا ملتے ہیں تو بہت غلط ہیں اور ان کی کتابت و طباعت بھی قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ اسلئے اس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ تمام اساتذہ کے کلام کے مستند ایڈیشن صاف ستھری کتابت و طباعت کے ساتھ شائع ہوں تاکہ ایک طرف ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کی ذہنی غذا کا سامان ہو سکے اور دوسری طرف تحقیق و تنقید زیادہ صحیح بنیادوں پر ہو سکے۔

میر کی کلیات کا وہ ایڈیشن جو نولکشور پریس نے آخری بار شائع کیا تھا اور جسکی صحت عبدالباری آسی نے کی تھی اب کہیں دستیاب نہیں ہوتا، عبادت بریلوی نے پاکستان سے کلیات میر کا ایک نیا ایڈیشن ایک طویل مقدمہ کے ساتھ شائع کیا تھا۔ اس کے متن میں بہت سی غلطیاں راہ پا گئی تھیں مگر یہ بھی اب ہندوستان میں نہیں مل سکتا۔ اس لئے کلیات میر کے ایک ایسے مستند ایڈیشن کی ضرورت سختی سے محسوس کی جا رہی تھی جو دیدہ زیب بھی ہو خوشی کی بات ہے کہ زیرِ نظر ایڈیشن جو علمی مجلس دلی نے شائع کیا ہے اس ضرورت کو بڑی حد تک پورا کرتا ہے ویسے ادبی دنیا میں حرف آخر تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔

میر کے متعلق کچھ کہنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ آسان اس لئے کہ میر کی عظمت ان کے زمانہ سے آج تک مسلم رہی ہے اور مشکل اس لئے کہ اس عظمت کا تجزیہ یا اس کا سائنٹیفک مطالعہ ابھی تک پورے طور پر نہیں ہو سکا ہے۔ کسی شاعر پر تنقید کے لئے سب سے اہم تو اس کا کلام ہے لیکن اس کے علاوہ شاعر کے حالات زندگی، اس کی شخصیت کے نمایاں پہلو، اس کے ماحول، اس سے پہلے کے شاعری کے اسالیب سب کو ذہن میں رکھنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر جانسن کا یہ خیال اگرچہ غلط نہیں ہے کہ زمانہ کسی شاعر کو یونہی اہم قرار نہیں دیتا مگر اسے آنکھ بند کر کے تسلیم کرنے سے فکر کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور تنقید میں ایک تقلیدی زنگ آجاتا ہے جو ادب کی ترقی کے لئے مضر ہے۔ اس لئے میر کی مسلمہ عظمت کو ذہن میں رکھتے ہوئے بھی ہمارا فرض یہ ہے کہ تنقید کے ان جامع اصولوں کی روشنی میں جو دورِ حاضر کا عطیہ ہیں ہم میر کو پرکھنے کی اور اس طریقہ سے اپنے تنقیدی معیاروں کو پرکھنے کی برابر کوشش کرتے رہیں۔

یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ اگرچہ میر پر بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر سوائے خواجہ احمد فاروقی کی کتاب "حیات میر اور شاعری" اور ڈاکٹر عبداللہ کی "نقد میر" کے ابھی تک کوئی تفصیلی جائزہ موجود نہیں ہے۔ میر پر مضامین کی ایک بڑی تعداد ہے اور ان میں سے بعض ایک سنجیدہ اور قابل قدر مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔ پھر بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ میر کے متعلق بہت کچھ بے سوچے سمجھے تسلیم کر لیا گیا ہے اور اسی لئے ہماری کوشش یہ ہے کہ میر کا شاعری کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے۔ ان کے فکر و فن کی اہمیت واضح کی جائے اور اردو شاعری میں ان کے کارنامے کی نوعیت متعین کی جائے۔

میر کے حالات بہت کچھ "ذکر میر" سے معلوم ہو سکتے ہیں جو ان کی خود نوشت سوانح عمری ہے لیکن میر کے سارے بیانات کو بے چون و چرا تسلیم کر لینا جیسا کہ خواجہ احمد فاروقی نے کیا ہے درست نہیں معلوم ہوتا۔ میر نے اپنے والد کی بزرگی کا جو تذکرہ کیا ہے اس پر اکتفا کر کے میر کے بچپن کی تصویر کھینچنا ہمارے عام نظام اخلاق کے مطابق ہو تو ہو لیکن ادبی تحقیق کا تقاضا کچھ اور ہے۔ ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ میر نے جو کچھ کہا ہے وہ سر تا سر جھوٹ ہے لیکن میر کے سچ کا ثبوت اس دور کے تذکروں یا تاریخوں سے ملنا چاہیئے۔ آزاد نے بعض قدیم تذکروں کی مدد سے آب حیات کے نگار خانہ میں میر کی ایک جیتی جاگتی تصویر ضرور بنائی ہے مگر آزاد کے تاثرات و تعصبات بھی مسلم ہیں۔ میر کے حالات کے سلسلہ میں "گل رعنا" جواہر سخن، مقدمہ نکات الشعرا، مقدمہ مثنویات میر، مقدمات کلیات میر، تذکرہ خوش معرکہ زیبا، تذکرہ مجموعہ نغز، آب حیات کا تنقیدی مطالعہ از مسعود حسن رضوی اور قاضی عبدالودود کے متعدد مضامین اہمیت رکھتے ہیں لیکن چونکہ ہماری تحقیق اب تک محدود دائروں میں گھومتی رہی ہے اور بنیادی اور ضمنی باتوں میں فرق نہیں کرتی۔ اس لئے ان سے ہمیں میر کو سمجھنے میں بہت زیادہ مدد نہیں مل سکتی۔ معمولی واقعات اور نتیجہ خیز واقعات میں فرق ہے۔ میر کے والد کا نام در اصل اتنا اہم نہیں جتنا میر اور خان آرزو کے بگاڑ کے وجوہ کو سمجھنا۔ ذکر میر اور نکات الشعرا میں خان آرزو کے متعلق متضاد باتیں کیوں ملتی ہیں؟ میر باوجود اس کے کہ مختلف امرا سے کسی نہ کسی طرح متوسل رہے ہیں کیوں اپنی درویشی اور بے نیازی پر اس قدر زور دیتے ہیں؟ اس گتھی کو سلجھانا ضروری ہے۔ میر کا گھریلو ماحول، ان کی اکبرآباد کی زندگی، دہلی میں ان کے عنفوانِ شباب کے تجربات، ان کی دیوانگی، بعض امرا سے ان کے مراسم، لکھنؤ میں بیتی ہوئی زندگی، آصف الدولہ اور ان کے معاملات، معاصرین سے ان کے تعلقات یہ ایسے مسائل ہیں جن پر ابھی تک بہت کچھ تحقیق کی ضرورت ہے۔ میر کا کلام ان کی زندگی میں مشہور ہو گیا تھا۔ ان کے جو دیوان ملتے ہیں ان میں ایک تاریخی ترتیب ہے لیکن ان کے دہلی اور لکھنؤ کے کلام کو علیحدہ کرنا ضروری ہے تاکہ اس کے ارتقا پر رائے زنی ہو سکے۔ میر کے معاصرین کے اقوال ہم آنکھیں بند کر کے نہیں مان سکتے۔ ہمیں ان سارے جذبات و تعصبات کو ذہن میں رکھنا چاہیئے۔ جو ایک ہم عصر اور میر جیسے نازک مزاج ہم عصر کے متعلق قرین قیاس ہیں۔ ہمیں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں تحقیق اور تنقید کا معیار کیا تھا

اور ذاتی اور شخصی تعلقات شاعری پر رائے میں کس حد تک اثر انداز ہوتے تھے۔ پھر لکھنؤ اور دہلی کے تہذیبی ماحول میں جو فرق رونما ہو رہا تھا اس کا احساس بھی ضروری ہے۔ میر کے حالات اور شخصیت کے متعلق تحقیق ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ میر کی شخصیت کا نفسیاتی مطالعہ بھی ابھی نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن اگر ہم موجودہ معلومات کو تقلید کی روش یا اجتہاد کے جذبہ سے بلند ہو کر دیکھیں تو میر کی زندگی اور ان کی شخصیت کے متعلق چند موٹی موٹی باتیں ضرور کہہ سکتے ہیں۔

میر کو بچپن ہی میں مہربان "چچا" اور شفیق باپ کی موت کی وجہ سے ایک محرومی کا احساس ہوا۔ بھائی نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا چنانچہ محرومی کے احساس میں ظلم کا احساس بھی شامل ہو گیا۔ دہلی میں انہیں خان آرزو جیسے سنجیدہ اور ثقہ آدمی کی صحبت ملی۔ مگر خان آرزو کی شفقت انہیں نصیب نہ ہوئی۔ قصور خان آرزو کا زیادہ ہے یا میر کا اس کے متعلق کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔ مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خان آرزو میر کے اطوار سے خوش نہ تھے۔ یہ طوار اخلاقی اعتبار سے کتنے ہی قابل اعتراض کیوں نہ ہوں انکی شاعری کو سمجھنے کیلئے بہت اہم ہیں مجھے تو کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک عالم اور ایک "رند" کے مزاج میں جو فرق ہو سکتا ہے وہ یہاں بھی موجود تھا۔ اس فرق نے اپنا رنگ دکھایا۔ میر خان آرزو سے رخصت ہوئے ایک گھنے سایہ دار درخت کا سایہ ان کے لئے عذاب ہو گیا۔ انھوں نے کڑی دھوپ کی آزادی پسند کی اور اس سایہ میں جو چوٹیں ان کے دماغ کو لگی تھیں انھیں ساتھ لئے ہوئے اپنی انانیت کے سہارے زندگی کے خارزار میں مردانہ وار نکل کھڑے ہوئے۔ میر دیوانے تو نہیں تھے مگر دیوانگی کا دورہ ان پر پڑ چکا تھا۔ ایک گہرے اور طوفانی عشق نے ان کے دل و دماغ پر شدید اثر کیا تھا۔ باپ اور چچا سے انہیں چند اخلاقی اور متصوفانہ تصورات ملے تھے۔ وہ اعصاب زدہ NEURATIC ضرور تھے زندگی کی تلخ حقیقتوں سے وہ یکسر بے نیاز تو نہیں ہو سکتے تھے لیکن اپنے تخیل کی طلسم کاری سے اس پر پردہ تو ڈال سکتے تھے۔ دہلی کی معاشرت نے انہیں جو کچھ دیا تھا اس کو سینہ سے لگائے جب وہ لکھنؤ پہنچے تو لکھنؤ کی جنت سے ان کی نگاہیں خیرہ تو کیا ہوتیں ہاں ان پر ایک حقارت کی نظر تو ڈال سکتے تھے۔ ضرورت امرا کی طرف جانے پر مجبور کرتی تھی۔ مگر اپنے کو لئے دیئے تو رکھ سکتے تھے۔ دہلی کی تباہی و بربادی میں انسانیت اور تہذیب کی جو بربادی ہوئی اس کا احساس تو رکھ سکتے تھے۔ صدیوں کے ریاض سے تہذیب کی جو جنت بنی تھی اس کے مٹنے سے اخلاق اور اقتدار کا جو نقصان ہوا اُسے تو محسوس کر سکتے تھے۔ جو خزانہ زمانے کے ہاتھوں لٹ گیا تھا اس کی قدر و قیمت کا اندازہ تو لگا سکتے تھے۔ میر کی شخصیت کو سمجھنے کے لئے ان نکتوں کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

رہی میر کی شاعری تو اگرچہ اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کے متعلق اختلاف نہیں ہے مگر خصوصیات کے تعین اور ان کے مدارج کے متعلق بے شمار جزوی اختلافات ہیں۔ تذکروں کی تنقید بیشتر تعارف، تحسین یا تنقیص سے آگے نہیں بڑھی۔

اس غبار میں حقائق کی کرنیں ضرور ہیں۔ مگر اس زمانہ کے تہذیبی اور اخلاقی معیاروں نے تنقید کو تقریظ اور تجزیہ کو تاثرات کی ایک دلدل بنا دیا ہے۔ میر کی سادگی، ان کی قنوطیت، پست و بلند، ان کی آہ اور مرزا کی واہ کو اب لوگ بے سمجھے بوجھے دہرا دیتے ہیں۔ میر پر لکھنے والوں میں پہلی معنی خیز تنقید مولوی عبدالحق کی ہے انھوں نے ان کے غم کو ان کے ماحول کے انتشار سے مربوط کیا ہے۔ اس کے بعد وحیدالدین سلیم نے میر کے کلام کی اصلیت اور ان کے بیان کے جادو پر زور دیا۔ مگر میر کی سادگی قنوطیت اور جذباتیت کا اتنا ڈھنڈورا پیٹا جا چکا تھا کہ یہ خیالات ادبی تاریخ کا جزو بن گئے۔ اس یک رُخی تصویر نے بیسویں صدی کی اس نسل کو جو جذبات سے آگے بڑھ کر فکر کی کارفرمائی دیکھی تھی اور جو غالب کی ذہنی رو سے خاصی مانوس ہو چکی تھی میر سے بیگانہ رہنا سکھایا۔ پھر سماجی تنقید نے اپنے جوش میں کبھی اس عشق کی مذمت کی جو ایک آنا ہے کبھی جذبات کی مستی کو ایک خطرہ قرار دیا اور کبھی حسن و عشق کے رنگ محل کو حقائق سے فرار بتایا۔ میر کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہوئے اس کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے اس نسل نے میر کو اپنے دل سے قریب نہ ہونے دیا۔ میر کے دیوان کی جگہ تو الماری کے سب سے اونچے خانہ میں محفوظ تھی مگر اس کا مطالعہ چنداں ضروری نہ رہا تھا۔ صرف اس کا احترام کافی تھا لیکن سماجی تنقید کی ابتدائی طفلانہ کوششیں جب کم ہوئیں اور اس میں توازن آیا تو کلاسکس کو دوبارہ دریافت کیا گیا۔ عبدالحق اور وحیدالدین سلیم کے بعد میر کی عظمت کا احساس دلانے میں جعفر علی خاں اثر اور مجنوں کا بھی ہاتھ ہے۔ اثر نے میر پر متعدد قابل قدر مضامین لکھے اور جو لوگ غالب پرستی کے جوش میں میر کو محض جذبات کا شاعر سمجھتے تھے ان پر یہ حقیقت واضح کی کہ بڑی شاعری میں فکر اور جذبہ اس طرح گھل مل جاتا ہے کہ بعض اوقات یہ محسوس نہیں ہوتا کہ کون سی چیز کہاں شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے۔

افسوس ہے کہ جعفر علی خاں اثر نے ان بکھرے ہوئے موتیوں سے کوئی مالا نہیں بنائی۔ پھر بھی مزامیر کے نام سے انھوں نے میر کا جو انتخاب شائع کیا اس کے مقدمہ میں میر کی حسن کاری کو بڑی خوبی سے واضح کیا ہے۔ مولوی عبدالحق نے میر کی سادگی کو سب سے زیادہ اہمیت دے کر خلط مبحث بھی کیا۔ سادگی یا رنگینی بذات خود کوئی بڑی چیز نہیں۔ سادگی خیال کی ترسیل میں مدد دیتی ہے۔ رنگینی اسے کیفیات کے ایک لطیف غبار میں پیش کرتی ہے۔ سادگی یا رنگینی سے پہلے خیال کی ندرت اور اظہار کی کیفیت ضروری ہے۔ یہ کیفیت جب سادگی لئے ہوتی ہے تو زیادہ عام فہم ہوتی ہے لیکن غالب کے یہاں ان کے بہترین اشعار وہی نہیں ہیں جو سادہ ہیں۔ ادھر کچھ عرصہ سے میر کی جو پرستش شروع ہوئی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نئی نسل جس کے پاس حقائق نے صرف کچلے ہوئے خواب چھوڑے ہیں اور جس کے صنم کدے کئی بار ویران ہو چکے ہیں، میر کی آواز میں ایک جانی پہچانی کیفیت محسوس کرتی ہے۔ اس نسل کے

پاس زخموں کی جو کائنات ہے، وہ میر کی "چشم خون بستہ" سے اور ان کے عشق کے آزار سے اسے کچھ قریب کر دیتی ہے
مگر اس مقبولیت میں بھی میر کے ساتھ انصاف نہیں کیا جاتا ہے بلکہ میر کے ایک من مانے بُت کی پرستش ہو رہی ہے۔ ہر دور
اپنی ذہنی پرواز اور حدودِ فکر کے مطابق اپنے ماضی کی تشریح اور تفسیر کرتا ہے۔ درحقیقت یہ الگ الگ تصویریں میر کی
تمام خصوصیات کی آئینہ دار نہیں ہیں میر کی شاعری بھی ایک بُت ہزار شیوہ کی طرح ہے۔ وہ ہمیں جو بصیرت عطا کرتے ہیں
اس کی کئی تہیں ہیں۔ سطحی ذہن رکھنے والے میر کے دردناک اشعار سے اس دور کے درد و داغ کا جو اندازہ لگاتے ہیں اس میں
اس نکتہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ میر کا مقصد صرف ماحول کی عکاسی نہیں ہے۔ گو اس کے کلام میں اس ماحول کی روح
جلوہ گر ہے۔ میر اس لئے بڑے شاعر نہیں کہ وہ ماحول کے مصور ہیں۔ وہ اس لئے بڑے شاعر ہیں کہ ان کے اشعار اُس
بھرپور احساس سے لبریز ہیں جو زندگی کی گہری بصیرت سے حاصل ہوتا ہے۔ جو واقعات اور حالات کی نشاندہی نہیں کرتا بلکہ
ان کے پیچھے جو ذہنی دنیا ہے اس کا دروازہ ہمارے لئے کھول دیتا ہے۔ میر کے مطالعہ میں ہمیں اس نکتہ کو ملحوظ رکھنا ہے کہ انہیں
کے ذریعہ سے ہم اس دور کے ذہن کی گہرائیوں تک پہنچ سکتے ہیں اور مختلف جذبات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جو ہماری تہذیبی
بساط پر رونما ہوا تھا۔ میر اس لئے بڑے شاعر ہیں کہ ان کی کرن نہ صرف ماضی کے دھندلکے کو چیر کر ہمیں ایک جیتی جاگتی تصویر
دکھا دیتی ہے بلکہ ان کی یہ تصویر ہمارے حال اور مستقبل دونوں میں رہبری اور رہنمائی کر سکتی ہے۔ میر کی رفاقت سے ہم اسی
لئے کسی دور میں منہ موڑ کر نہیں بیٹھ سکتے۔

میر کی شاعری کی اہمیت کے اسباب ظاہر ہیں۔ ان کے خیالات میں گہرائی، جذبات میں خلوص اور اظہار میں
کیفیت ہے۔ یوں تو اُن کی نظر انتخابی ہے یعنی زندگی کے مخصوص پہلوؤں کی زیادہ کامیاب مصوّری کرتے ہیں مگر اس انتخاب
میں بھی قوس قزح کی سی دلآویزی اور رنگا رنگی ہے وہ اپنی ذاتی زندگی اور اپنے ماحول دونوں میں کئی بڑے بڑے طوفانوں
سے گزرے ہیں۔ ابتدائی تربیت نے انہیں ایک نظامِ اخلاق، ایک شیوہ زندگی اور ایک آئینِ مجلسی عطا کیا۔ جوانی نے
انہیں ہر قسم کے تجربات سے آشنا کیا۔ مگر یہ تجربات ان کے مزاج کو بدل نہ سکے۔ ان کے مخصوص میلان کو اور استوار کر گئے۔ میر
کی زندگی میں ان کے عشق اور دورِ جنون دونوں کی بڑی اہمیت ہے۔ ان کے اثر سے وہ عمر بھر اعصاب زدہ رہے۔ اسی لئے
ان کی شاعری کی سمت کو سمجھنے کے لئے ان کی شخصیت کے پیچ و خم کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ میر کے یہاں عشق کا تصور
ایک دھندلا سا دیا نہیں ہے بلکہ ایک شعلۂ بے باک ہے جس کی آنچ ان کی ہڈیوں تک کو جلائے دیتی ہے۔ اس مادی
عشق کا سلسلہ "اسرار و معارف" سے بھی مل جاتا ہے۔ کیونکہ یہی اس زمانہ کا ذہنی سرمایہ تھے مگر اس میں ہماری گوشت
پوست کی دنیا اور اس کے تند و تیز جذبات کی ساری گرمی موجود ہے۔ یہ عشق ایک وضع داری بن کر زندگی کی ایک

خاص قدر کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور وہ بصیرت عطا کرتا ہے جس کے فیض سے واعظ اور ناصح کی منافقت دیر و حرم کی حدبندی، دولت کی رعونت، تعیش کی سطحیت واضح ہو جاتی ہے۔ یہی دردمند انسانیت کی وہ آواز بن جاتا ہے جو ہر جبر و قہر کے خلاف ہے اور صداقت، حسن، انصاف اور صحتِ ذہنی کی امین ہے۔ میر کے فن پر توجہ اور ان کی فکر کی طرف سے بے نیازی نے ان کے جوہر کو نمایاں نہ ہونے دیا حالانکہ فن کی بہار فکر کی حنابندی کے بغیر وجود میں نہیں آتی۔ میر کا فن اسلئے برگزیدہ اور بلند پایہ ہے کہ ان کے آئینۂ فکر میں پُرخلوص تجربات کا جوہر ہے اور یہ تجربات بھی ذاتی ہوتے ہوئے ایک عمومی رنگ رکھتے ہیں۔ میر کا عشق گو جنسی ہیجان کا نتیجہ ہے مگر یہ جنسی ہیجان نہ ہوتا تو میر کی شاعری میں جنسی جذبہ ایک ترفع حاصل نہ کر پاتا۔ شاعری جنسی ہیجان کا نام نہیں ہے جنسی ہیجان کے ترفع کا نام ہے۔ جب اس ترفع میں اخلاقی اقدار شامل ہو جاتے ہیں تو یہ ایک تہذیبی صفت بن جاتا ہے شخصی اور ذاتی ناکامیاں اور محرومیاں ایک دور کی ناکامیاں اور محرومیاں ہو جاتی ہیں۔ ذات کائنات کی مظہر ہو جاتی ہے۔ شاعری زندگی کا آئینہ ہی نہیں اس کی شمع بن جاتی ہے اور اس شمع کی روشنی دیر تک اور دُور تک ہماری رفاقت کر سکتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کچھ تو میر کی شخصیت کے پیچ و خم کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے کچھ ان کی الم پسندی کی قنوطیت کہہ کر اور کچھ غزل کے رمز و ایما کے آداب کو نہ سمجھنے کی وجہ سے میر کی شاعری کے کئی اہم پہلو واضح نہیں ہونے پائے نشتریت، سادگی، قنوطیت، سوز و گداز، جیسے الفاظ سے میر کے رنگ کی پوری ترجمانی نہیں ہوتی۔ ان الفاظ کی اہمیت ضرور ہے۔ مگر میر کی عظمت میں ان کا بنیادی حصہ نہیں ہے یہ صرف اس عظمت کو اور واضح کرتے ہیں۔ ادب کے طالب علم کا فرض ہے کہ میر کی نفسیات اس دور کی تاریخ اور اس تہذیبی بساط سے آشنا ہو جائے جس میں میر نے آنکھیں کھولیں اور زندگی کے سرد و گرم سے گزرے۔ اس تہذیبی بساط کی یہ خصوصیت نظرانداز نہیں کرنی چاہیئے کہ یہ اشراف کی پرستار ہوتے ہوئے بھی عوام اور عوام کی زبان سے اپنا رشتہ مضبوط رکھتی تھی اور دربار سے تعلق کے باوجود خانقاہ یا بازار سے منھ موڑنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ میر کی شاعری اس لئے بھی ہماری بہت بڑی دولت ہے کہ ان کے یہاں ہمارے تینوں تہذیبی ادارے، بازار، خانقاہ اور دربار اس طرح ملے جلے نظر آتے ہیں کہ اس دور کی تمام سماجی حقیقتیں اس نگارخانے میں جلوہ گر ہو جاتی ہیں۔

میر کے یہاں پست و بلند پر ہمارے نقادوں نے بڑا زور دیا ہے اور اسی وجہ سے ان کے بہتر نشتر مشہور ہیں۔ پست و بلند کی یہ اصطلاح بھی بڑی گمراہ کن ہے۔ اس سے کون بڑا شاعر بچا ہے شیکسپیئر، گوئٹے، کالیداس، امرؤالقیس، —— پھر ہمارے یہاں سودا، نظیر، غالب، حالی، انیس، اقبال سب ہی کے یہاں کم و بیش یہ دھوپ چھاؤں مل جائیگی۔

پست و بلند سے کسی نے بہت برے اشعار اور بہت اچھے اشعار مراد لئے ہیں۔ کسی نے پستی کو ابتذال کے مضمون میں استعمال کیا ہے۔ لیکن یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ پہلی بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میر کا کلام ناہموار ہے، دوسری سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اخلاقی اعتبار سے انہوں نے پست خیالات ظاہر کئے ہیں۔ دراصل پست و بلند کے اخلاقی اور جمالیاتی تصور میں فرق کرنا چاہیئے۔ اخلاقی اعتبار سے میر کے یہاں جو خیالات قابلِ اعتراض ہیں وہ اس دور کی عام کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں اور صرف میر کو اس وجہ سے ہدفِ ملامت بنانا صحیح نہیں۔ شاہ حاتم سے لے کر نظیر۔ مصحفی۔ انشا اور جرأت تک یہ نشیب و فراز ملتا ہے۔ شرفا کی زندگی عام بدمذاقیوں سے مبرا نہیں تھی اور ان کے اخلاقی قوانین کے پیچھے عقیدہ تو تھا مگر استقامت نہیں تھی۔ سماج میں جب کوئی بڑی ہلچل رونما ہوتی ہے تو یہ کیفیت اکثر فطری ہے۔ رہی وہ پستی جو پھیکے پن یا سپاٹ پن کے مترادف ہے تو اسے پستی کے بجائے کسی اور نام سے یاد کرنا چاہیئے۔ میر نے ساری عمر شعر کہے۔ یہی ان کا سب سے بڑا مشغلہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو دہراتے بھی ہیں اور کہیں کہیں ان کے اشعار صرف کلامِ موزوں بھی ہو جاتے ہیں لیکن ان کے یہاں شروع سے آخر تک ایک لہجہ اور آواز ہے۔ آوازوں کا تصادم یا کشمکش نہیں ہے۔ یہ بالکل الگ بات ہے کہ جس طرح غالب نے اپنے کلام کا انتخاب کیا تھا۔ اسی طرح میر کے بھی کلام کا انتخاب ہوتا تو ان کی عظمت کا نقش اور گہرا ہوتا۔

نشتریت، تغزل، سہل ممتنع، یاسیت یا قنوطیت ان میں سے کسی اصطلاح میں میر کے مجموعی رنگ کی ترجمانی نہیں ہوتی۔ نشتریت یا تغزل یا سہل ممتنع میر کی کچھ خصوصیات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ قنوطیت کی اصطلاح یقیناً غلط ہے۔ اس پر بحث آگے آئے گی۔ الم پسندی اور الم پرستی میں فرق کرنا چاہیئے۔ دراصل میر اور غالب جیسے بڑے شاعروں کے رنگ کو ایک اصطلاح میں بیان کرنا بہت مشکل ہے کبھی کبھی دریا کوزے میں نہیں سماتے۔ میرے نزدیک میر کے یہاں ایک دردمند انسانیت کی فریاد اور ایک حساس اور خوددار شخص کا خاموش گریہ ملتا ہے۔ میر کے رنگ کو ہم اگر چاہیں تو شبنمی رنگ کہہ سکتے ہیں۔ میر کے یہاں وہ مسائل یا سوالات ڈھونڈنا بیکار ہے جو غالب کے یہاں ملتے ہیں۔ غالب کے دور پر آنے والے زمانے کی پرچھائیاں پڑ رہی تھیں۔ میر کا چمن خزاں دیدہ تھا۔ نئے نظام کی آمد نے غالب کے دور کے سامنے جو مخصوص الجھنیں پیدا کی تھیں، میر کے زمانے میں ان کا احساس نہیں ہوا تھا۔ زندگی کے متعلق جو سوالات غالب کے ذہن میں آتے تھے اور اس کی وجہ سے ان کے یہاں جو فکر و فلسفہ ملتا ہے وہ میر کے یہاں تلاش کرنا بیکار ہے۔ میر کے سامنے تو ایک لٹتی ہوئی جنت ایک اُلٹتی ہوئی بساط اور ایک جاتے ہوئے کارواں کا ماتم ہے۔ اور اس ماتم کے پیچھے انسانیت کی چند ایسی قدریں ہیں جو نہ صرف اس دور کو بصیرت عطا

کرسکتی تھیں بلکہ آج بھی ہمارے ذہن کا اُجالا ہوسکتی ہیں۔

ہماری مشرقی تنقید ہمارے تہذیبی تصوّر کا عطیہ ہے جس میں جاگیردارانہ دَور کی تمام خصوصیات جلوہ گر ہیں۔ اس کا تہذیبی تصوّر شہروں اور ان کی ایک مخصوص سماجی تک محدود تھا۔ اس کے فن کا تصور زبان کے ایک ادھورے شعور کا غماز ہے۔ تنقیدی شعور تو تخلیقی شعور کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ مگر تنقیدی کارنامے ہر دور میں تخلیقی کارناموں کے پیچھے چلے ہیں۔ چنانچہ ہمارے تذکرے اور تنقید، زبان اور فن کے خواص پسند تصور سے عرصہ تک آزاد نہ ہوسکے۔ میر کم اور نظیر زیادہ اس تصوّر کا شکار ہوئے۔ مگر میر اور نظیر میں جو تعلق ہے اسے بھی نظرانداز نہ کرنا چاہیئے۔ میر کی غزلوں میں ہماری مشترک تہذیب و تمدن کا وہی جلوہ صد رنگ ملتا ہے جو نظیر کی نظموں میں پہنچ کر ایک مخصوص آہنگ اور لے اختیار کرلیتا ہے۔ اور نظم کے فارم کی سہولتوں کی وجہ سے زیادہ روشن ہوجاتا ہے۔ آزاد نے غلط نہیں کہا تھا کہ نظیر کے کچھ اشعار میر سے پہلو مارتے ہیں۔

نظم غزل کے مقابلہ میں راست گفتاری سے زیادہ کام لیتی ہے۔ اگر ہم ٹلیرڈ کی اصطلاحوں کو تسلیم کرلیں تو ہم کو نظم میں بلاواسطہ شاعری اور غزل میں بالواسطہ شاعری ملتی ہے۔ غزل کا ابہام اس کے رمز و ایما، اس کی ماورائے سخن باتیں اور نہ کہنے کے انداز میں بہت کچھ کہہ دینا، حقیقت پر نقاب ڈال دینا، اور ہر نقاب میں حقیقت کی کرن رکھنا، نقاد کی مشکلات میں اضافہ کردیتا ہے۔ غزل گو شاعر کے یہاں فلسفہ ڈھونڈنا بیکار ہے۔ اس کے یہاں فلسفیانہ میلان مل سکتے ہیں۔ وہ تنظیم اور تعمیر کے پھیر میں نہیں پڑتا۔ اس کی ہر تصویر اپنی جگہ مکمل ہوتی ہے لیکن تصویر میں ایک نگارخانے کی شان پیدا کرنا اور اشاروں میں داستان کی بلاغت سمو دینا اسے آتا ہے۔ چونکہ غزل بڑے ریاض کا ثمرہ ہے اس لیے اس پر تنقید بھی خاصا ریاض چاہتی ہے۔ یہاں حکم لگانے سے پہلے ذہنی ہمدردی درکار ہے، فیصلہ سے پہلے ترجمانی کی ضرورت ہے۔ تنقید میں غزل کی روایات کے حسن و قبح کا سوال اتنا اہم نہیں۔ ان روایات سے واقفیت زیادہ ضروری ہے۔ اسی ناواقفیت نے ہمیں اپنی کلاسیکل شاعری سے پوری طرح مستفید نہ ہونے دیا۔ اگر ہم اس کا کچھ عرفان رکھتے ہوتے تو شاید اس طرح اسے ماننے سے انکار نہ کیا کرتے۔ ہماری فکر میں ہم آہنگی اور ہمارے فن میں ہمواری کی جو کمی ہے اس کا یہی راز ہے۔ شاعری کو ترنم، معنی اور کنایہ کا مجموعہ کہا گیا ہے۔ اچھی شاعری میں یہ تینوں اجزا اس طرح وصل ہوجاتے ہیں کہ کوئی چیز نہ علیحدہ سے ذہن میں کھٹکتی ہے نہ کانوں کو ناگوار گزرتی ہے کوئی متضاد ذہنی رَو پیدا کرتی ہے۔ متضاد ذہنی رو کی ایک مثال ذم کا پہلو ہے۔ شاعرانہ ترنم اور خالص ترنم میں فرق یہ ہے کہ یہاں ترنم کے ساتھ معنی کا رابطہ بھی ہے۔ اگر معنی میں ترنم نہیں تو اشعار ذہن میں پیچ نہیں پیدا کرتے نہ جذبات کو متاثر کرسکتے ہیں۔ میر کے قیامت کے ہنگامے شورانگیزی یا جادو کی پڑیا پر جو زور کیا ہے وہ انکا ترنم معنی آفرینی کی وجہ سے ہے

---

لہ کلیات میر OBLIQUE

معنی آفرینی کی وجہ سے ہے۔ میر کے دور میں شاعر موسیقی سے یکسر نابلد نہیں ہوتے تھے۔ وہ فنون لطیفہ کے مشترک جوہر کا منہ زور احساس رکھتے تھے۔ ان کی طویل اور چھوٹی بحریں دونوں بڑی مترنم ہیں۔ میر کو الفاظ کے ترنم کا بھی پورا پورا احساس ہے یہاں تک کہ وہ اس کی خاطر قواعد تک کی پروا نہیں کرتے۔ میر کے معنی آفریں ترنم میں جو تحت الشعوری زیر و بم جو تصویروں میں لپٹی ہوئی تصویریں ہیں اور جو نگار خانہ آباد ہے وہ ایک تفصیلی اور سائنٹیفک جائزہ چاہتا ہے۔

خوش قسمتی سے ہمیں جدید نفسیات سے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ یہاں بہت مفید ہو سکتی ہیں۔

علم نفسیات شاعری کی قدر و قیمت متعین کرنے میں ہمیں کوئی مدد نہیں دے سکتا لیکن شاعر کی شخصیت اس کے تخیل اس کے لاشعور، اس کی محرومیوں اور سرشاریوں، اس کے جذباتی مراکز اور ذہنی الجھنوں کو سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں میر کی شخصیت اور شاعری کے مطالعہ سے بہت دلچسپ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

میر کے کسی شعر پر نظر ڈالئے تو یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے کہ الفاظ معلوماتی اظہار نہیں بلکہ تاثراتی اظہار ہیں بشریات کے ماہروں نے الفاظ کو جذباتی علامات کہا ہے۔ مالینوسکی اس بنیاد پر شعر کو آوازوں میں جشن[1] کہتا ہے جب الفاظ نظروں یا کانوں سے گزرتے ہیں تو ان کے معلوماتی پہلو سے زیادہ تیز اور صریح ان کا جذباتی پہلو اور اس کے روابط ہوتے ہیں۔ یہ جذبات آفرینی ہی شاعر کی قادر الکلامی کو ظاہر کرتی ہے۔ بڑی شاعری جذبات بھی برانگیختہ کرتی ہے اور ان کا تنقیہ بھی کرتی جاتی ہے۔ اسی لئے میں میر کو تنقیہ[2] کا بادشاہ سمجھتا ہوں۔ اس اصطلاح کو تنگ نظری کی وجہ سے المیہ سے مخصوص کر لیا گیا ہے حالانکہ خود ارسطو کی نظر المیہ کے ادبی پہلو پر زیادہ ہے، اس کے فنی پہلو پر کم ہے۔ میر کے یہاں یہ تنقیہ اتنا عام ہے کہ ان کی مایوسی اور ناکامی یاس و حرماں اور رنج و غم بھی ان کو قنوطی نہیں بنا پاتے۔ ان کے ان تین اشعار پر غور کیجئے:

نامرادانہ زیست کرتا تھا — میر کا طور یاد ہے ہم کو

مرے سلیقہ سے میری نبھی محبت میں — تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

کھا گیا نشتر سر تیز جگر دل دونوں — رات کی سینہ خراشی میں[3] ہنر ہم نے کیا

ان اشعار میں زیست کرنا محبت میں سلیقہ سے نباہ اور رات کی سینہ خراشی میں ہنر قابل غور ہیں۔ میر کا سب سے محبوب موضوع عشق ہے۔ ان کی عشقیہ شاعری میں جسم کی مستی بھی ہے اور روح کی آنچ بھی۔ لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ وہ نہ تو صرف جسم کے پیچ و خم میں اسیر ہو کر رہ جاتے ہیں اور نہ محض حسن سے ایک روحانی رشتہ کافی سمجھتے ہیں۔ اگر میر کے یہاں صرف شباب کے ہیجان کی داستان ہوتی تو اس کی اتنی اہمیت نہ تھی۔ میر کے یہاں یہ ایک وضع جنون بن گئی

[1] VOCAL CUSTOM [2] CATHARSIS [3] سودا جہاں جہاں حروف علت کی ادائگی [illegible] سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔

ہے اور اس وضع جنوں میں عاشقی ہی نہیں زندگی کی کچھ بڑی قدریں بھی شامل ہیں۔ کسی نے ٹھیک کہا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی عشقیہ شاعری محض عشقیہ نہیں ہوتی کچھ اور بھی ہوتی ہے۔" دلِ پُر خون کی اک گلابی "سے جو شخص عمر بھر شرابی رہے اس کی مستی زندگی میں بھی کچھ معنی رکھتی ہے۔ یہ ایک تہذیبی قدر بن جاتی ہے

ایلیٹ نے اپنے ایک مضمون میں شاعری کی تین آوازیں بتائی ہیں۔ ایک اپنی آواز، دوسری خطابی آواز اور تیسری کسی کردار، موقع یا واقعہ کی ترجمانی۔ ہمارے یہاں آپ بیتی اور جگ بیتی کے دو رنگ تسلیم کئے گئے ہیں یہ تقسیم سمجھانے کے لئے ہے اور اس کا ریاضیاتی تصور غلط ہوگا۔ میرؔ کے یہاں شاعری کی پہلی آواز ہے مگر اس پہلی آواز میں دوسری آواز کی گونج بھی سنائی دیتی ہے۔ میرؔ کی داخلیت تمام تر داخلی نہیں ہے۔ گرد و پیش کی کرنیں میرؔ کے ذہنی آئینے میں آکر کچھ نئے خطوط اور رنگوں کی حامل ہو جاتی ہیں۔ رنگوں کے اس دلاویز کرشمہ کے ساتھ ساتھ گرد و پیش کی کرنوں کا احساس بھی ضروری ہے۔

فکر کے معنی چونکہ ہم نے کسی نہ کسی فلسفہ طرازی کے سمجھ لئے ہیں اور کسی شاعر کے کلام میں ذہنی گہرائی ڈھونڈنا ایک محبوب مشغلہ ہو گیا ہے۔ اس لئے بعض اوقات میرؔ کے یہاں جو افکار ایک لطیف سادگی اور بے ساختگی کے ساتھ آتے ہیں۔ ان کی اہمیت کو ہم نظر انداز کر دیتے ہیں۔ میرؔ یا غالبؔ یا اقبالؔ ان معنوں میں مفکر نہیں ہیں۔ جن معنوں میں افلاطون، کانٹ اور ہیگل وغیرہ ہیں اور نہ ان کی فکر کی گہرائی ہمارے لئے بذاتِ خود اہمیت رکھتی ہے جب تک کہ یہ افکار شاعرانہ اظہار کے سانچے میں نہ ڈھل جائیں۔ میرؔ کے یہاں چونکہ افکار کے ساتھ شاعرانہ اظہار بھی ملتا ہے اس لئے اظہار کا حسن بعض اوقات فکر کی لطیف تابانی کی طرف سے توجہ ہٹا دیتا ہے۔ غالبؔ اور اقبالؔ نے افکار کو اظہار بنانے میں جو پاپڑ بیلے وہ میرؔ کو نہیں بیلنے پڑے۔ غالبؔ اور اقبالؔ کو پتھر نچوڑنے پڑے۔ میرؔ کے جذبہ کی آنچ سے پتھر خود پگھل گئے۔ اس لئے حسنِ بیان کے لحاظ سے میرؔ اب بھی سب سے اچھے ماڈل ہیں۔ اچھا معمار وہ ہے جو اپنے مسالہ کو ماہرانہ طور پر استعمال کرے۔ مسالہ کی فراوانی لازمی طور پر تعمیر کی خوبی کی ضمانت نہیں ہوتی۔ رنگوں کی کثرت کی بجائے رنگوں کی چابک دستی سے استعمال زیادہ قابلِ قدر ہے۔

جس طرح فکر کو محدود معنوں میں لینے کی وجہ سے ہم میرؔ کے میلانِ فکری پر پوری توجہ نہیں کر سکے اسی طرح فن کے محدود تصور نے میرؔ کے فن کی عظمت بھی واضح نہ ہونے دی۔ میرؔ کے یہاں ہندی بول چال کی بنیاد پر فارسی تراکیب کا خوشنما محل ہے۔ مگر پوری تعمیر میں اجزا کی موزونیت اور ہم آہنگی کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

میرؔ نے در اصل انشاؔ کو یہ کہنے کا موقع دیا کہ لفظ خواہ کسی زبان کا ہو جس طرح ہماری زبان میں بولا جاتا ہے۔ اسی طرح صحیح ہے۔ انھوں نے فارسی اور ہندی کی اضافت کو جائز رکھا۔ انہوں نے جامع مسجد کی سیڑھیوں کا محاورہ٭

٭ کلیاتِ میر

برتا جہاں تیغ وسناں اور طاؤس ورباب گلے ملتے تھے اور قواعد سے زیادہ چلن کی حکومت تھی۔ ناسخ نے تیر کے آداب فن کو نظر انداز کر کے اُردو زبان وادب کو بڑا نقصان پہنچایا۔ دوسرے الفاظ میں انہوں نے دیہات، و قصبات سے شہروں تک پھیلے ہوئے لسانی مواد سے کام لینے کے بجائے شاعری کو ایک مخصوص مصنوعی اور بے معرف شہریت کا آئینہ بنا دیا جس کے پاس نہ چلن کی فضا تھی نہ محنت کا آب و رنگ اور نہ کسی ٹھہرے عقیدے کی گرمی۔ فن کے اچھے تصور میں صرف زبان کی قدرت ہی نہیں اس کا مناسب و موزوں استعمال بھی شامل ہے۔ تمیر کے فنی شعور کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے غزل اور مثنوی دونوں کے آداب کا لحاظ رکھا۔ ان کی غزل کہیں قصیدہ نہیں ہو پاتی۔ اور مثنویاں مختلف موضوعات کا بے جوڑ سلسلہ نہیں معلوم ہوتیں۔ تمیر کے زمانہ میں اردو زبان دیسلع بھی ہوگئی تھی اور مالا مال بھی۔ زبان کو وسعت دینے کا خیال عام تھا۔ حفاظت کا تصور اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا۔ وسعت کا یہ تصور صوفیوں درویشوں اور عوام کا لایا ہوا اور تہذیبی قدروں کے بڑھنے اور پھیلنے کا ثبوت ہے۔ حفاظت دربار اور امرار کے خواص پسند تصور سے وابستہ ہے۔ تمیر کے سامنے اگرچہ زیادہ تر فارسی ادب کی روایات تھیں۔ مگر ان کا رشتہ اپنی سرزمین اور اپنی عام زندگی سے بھی تھا۔ اس عام زبان میں ادبی عظمت تیر کے اثر سے آئی ہے۔ یوں تو ادبی کارنامے تیر سے بہت پہلے ملنے لگتے ہیں اور جنوبی ہند میں ولی تو ایک سلسلہ کے خاتم اور دوسرے کے بانی ہیں مگر شمالی ہند میں عام زبان کے ادبی حسن کو سب سے زیادہ تیر نے آشکارا کیا اور ان کے بعد نظیر نے۔ تیر ٹھیٹھ بول چال کے الفاظ جس بے تکلفی اور روانی سے استعمال کرتے ہیں وہ اُن ہی کا حصّہ ہے۔ پھر وہ ہندی اور فارسی کے الفاظ کو اس خوبی سے ملاتے ہیں کہ وہ بے جوڑ نہیں معلوم ہوتے۔ فارسی تراکیب کے استعمال کے باوجود میر کبھی ثقیل نہیں ہوتے۔ ان کے لہجہ کی خوش آہنگی اور شیرینی کبھی ماند نہیں پڑتی۔ ان کے یہاں اضافتوں کے پہاڑ بھی روئی کے گالے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر میر کی سادگی کا موازنہ میر سوز سے کیا جائے تو میر کی چابکدستی اور صناعی کا پتہ چلتا ہے میر سوز اپنی سادگی میں سپاٹ ہو جاتے ہیں۔ میر کی سادگی میں پُرکاری ہے میر سوز کے یہاں سرد راکھ ہے میر کے یہاں وہ لاوا جو تن تک کو جلا دیتا ہے۔

ہر شاعر کی طرح تیر کے یہاں بھی بعض الفاظ اصطلاحات اور ترکیبیں بار بار آتی ہیں۔ دِوانہ، لہو، جنوں، دل، برخوں، آزار، جیسے الفاظ کی تکرار بھی کچھ معنی رکھتی ہے۔ امپسن[1] کا یہ خیال بھی اہمیت رکھتا ہے کہ ہر شاعر کے یہاں کچھ کلیدی الفاظ (KEY - WORDS) بھی ہوتے ہیں۔ جن سے ہر شاعر کی رُوح کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہ کلیدی الفاظ کچھ تو روایتی بھی ہوتے ہیں یا اپنے دَور کی آئینہ داری کرتے ہیں مگر کچھ اس شاعر کی انفرادیت کے مظہر ہوتے ہیں۔ تمیر اس لحاظ سے بھی اہم ہیں کہ ان کے کچھ اپنے بھی کلیدی الفاظ ہیں جو بعد کی روایت بن گئے ہیں۔

اوّل و دوسرے درجہ کے شاعروں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اول درجہ کا شاعر کچھ اپنے کلیدی الفاظ رکھتا ہے۔

[1] EMPSON

جن کی وجہ سے اس کی شاعری میں ایک جدّت، تازگی اور طرفگی کا احساس ہوتا ہے۔ دوسرے درجہ کے شاعر روایتی کلیدی الفاظ کو کامیابی سے برت لینا کافی سمجھتے ہیں۔ اوپر کہا گیا ہے کہ میرؔ کے یہاں فارسی تراکیب کے استعمال میں بڑا سلیقہ ملتا ہے۔ وہ صرف فارسی ترکیب پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ فارسی کے محاوروں اور فقروں کا نہایت آزادی اور بے تکلفی سے اردو میں ترجمہ بھی کر لیتے ہیں۔ ان ترجموں میں فارسی مفہوم سے زیادہ وسعت پیدا کر کے وہ ہماری زبان کو مالا مال کر دیتے ہیں۔ وہ بحر لے کی خاطر ہندی لے کو نہیں چھوڑتے اور نہ بعض شعرا کی طرح فارسی تراکیب سے خواہ مخواہ پرہیز کرتے ہیں۔ وہ اس گُر سے واقف ہیں کہ دوسری زبانوں سے نہ صرف تلمیحات اور رمز و ایما کے سانچے لئے جا سکتے ہیں بلکہ الفاظ اور فقروں کو بھی سلیقہ سے استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس سے زبان کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ میرؔ کی زبان اپنی نرمی کے باوجود بڑی جان دار زبان ہے۔ اس میں اپنے پورے سرمایہ سے کام لیا گیا ہے۔

شاعروں کے لئے وہ بہت اچھے رہنما ہیں۔ الفاظ پر قدرت رکھتے ہوئے بھی وہ الفاظ کی بازیگری یا شعبدہ بازی کے قائل نہیں۔ وہ ایک اسٹائل یا اسلوب کے مالک ہیں مگر اسٹائل کے شہید نہیں ہیں۔ انہوں نے تغزل کے لب و لہجہ کو اس طرح متعیّن کر دیا ہے کہ اس سے انحراف آسان نہیں ہے۔ وہ ہر لفظ کے صحیح استعمال اس کی آواز اس کی گونج اور تھرتھراہٹ اس کے ذہنی اثرات اور ضمنی ارتعاشات کو مانتے ہیں۔ پھر وہ الفاظ کی چمک دمک کو قابو میں رکھنے اور جذبات کی تھرتھراہٹ کو نمایاں کرنے کے راز سے واقف ہیں۔ ان کے الفاظ میں گرج اور کڑک کہیں نہیں ملتی۔ دلکشی، دل آسائی، اور دلاویزی جا بجا نظر آئے گی۔ وہ نرم اور کرخت آوازوں کے فرق کو سمجھتے ہیں۔ اُن کا جادو اپنا کام کر جاتا ہے مگر اس جادو کے پیچھے جو صناعی ہے وہ جلد نظر نہیں آتی۔ یہی فن کا اعجاز ہے۔ اپنے جذبات کی تہذیب کرنے کے بعد ہی انہوں نے جرأت کو ان کی "چوما چاٹی" پر متنبہ کیا تھا۔ حالانکہ چوما چاٹی کے اشعار ان کے یہاں بھی مل جاتے ہیں۔

اردو شاعری پر میرؔ کے جو احسانات ہیں۔ ان کا احساس عام ہے۔ مگر ان کا عرفان کم ملتا ہے۔ میرؔ کے دَور میں جو اخلاقی سماجی اور تہذیبی قدریں مستحکم تھیں۔ وہ بہر حال ہندوستان کے جاگیردارانہ دَور کا عطیہ تھیں۔ میرؔ کی شاعری کی خصوصیات کو ہم اٹھارہویں صدی کے ہندوستان کی تاریخ اور اس کے پس منظر کی روشنی میں ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس میں اس مشترک تہذیب کا جادو اور جمال ہے جو مغلوں کے دَور کا عطیہ ہے۔ اس میں وہ تصوف ہے جو ایران اور وسط ایشیا کے تمدنی اثرات کے بیج ہندوستان میں بو کر ایک پوری فصل تیار کر چکا تھا۔ اس تصوف کے پیچھے ایک فلسفۂ زندگی تھا جسے سہولت کے لئے ہم عینیت یا IDEALISM کہہ سکتے ہیں۔ میرؔ بہر حال اپنے دَور کی پیداوار ہیں لیکن ان کی شاعری کی اپیل آفاقی ہے۔ وہ اپنے اظہار میں اپنے دَور سے بلند بھی ہو جاتے ہیں اور ذہن انسانی کے

ایسے سربستہ رازوں سے بھی پردہ اٹھاتے ہیں جو ہر دَور کے لئے کشش رکھتے ہیں۔ کارگہِ شیشہ گری کا کام صرف میرؔ کے زمانہ میں ہی نازک نہیں تھا۔ آج بھی نازک ہے اور اگرچہ آج سانس آہستہ لینے کا زمانہ نہیں ہے پھر بھی اس شعر کو پڑھ کر تھوڑی دیر کے لئے ہم سانس روک لیتے ہیں اور ہمیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ موجودہ دَور کے سارے کمالات کے باوجود جسم و جان کا رشتہ ایک ڈورے سے زیادہ نازک ہے اور زندگی ایک پل صراط کی طرح ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

میرؔ کے یہاں زندگی کے جبر و قہر اور انسان کی معذوری و مجبوری کا جو تذکرہ ہے اس کی وجہ سے بعض لوگ میرؔ کو قنوطی کہنے لگتے ہیں۔ میرؔ نے زندگی کے جبر و قہر کا احساس رکھتے ہوئے بھی انسان کی عظمت کا ترانہ گایا ہے۔ یہ صاحبِ نظر جو مقدور سے زیادہ مقدور رکھتا ہے جس کے لئے برسوں چہرہ دمہ کی آنکھیں لگی رہی ہیں۔ جو خاک کے پردے سے اس وقت نکلتا ہے جب فلک برسوں گردش کر لیتا ہے جو گرم سخن ہوتا ہے تو اس کے گرد ایک خلق ہے اور جس کی خاموشی میں بھی ایک عالم نکلتا ہے۔ وہی میرؔ کا ہیرو ہے۔ میرؔ اس سستی رومانیت سے بلند ہیں جو اپنے خوابِ خیال کی مستی کی وجہ سے سنگین حقایق کا احساس نہیں رکھتی۔ انھیں زندگی کی سنگین اور دلدوز حقیقتوں کا پورا پورا احساس ہے۔ زندگی ان کے نزدیک ایک گمبھیر اور عظیم شے ہے اور انسان زندگی کے صحرا میں اس قطرۂ شبنم کی طرح ہے۔ جو خارِ بیاباں پر رُکا ہوا ہے۔ میرؔ کی شاعری میں قطرۂ شبنم اور خارِ بیابان دونوں کا احساس ملتا ہے۔

مشرقی فلسفے میں جو ترکِ دنیا اور رضا کی تعلیم ملتی ہے وہ اس قنوطیت سے مختلف ہے جس کا اظہار شوپنہائر ہابس، ہارڈی یا وجودیت EXISTENTIALISM کے بعض علم برداروں میں ملتا ہے۔ مشرقی فلسفے میں روحانیت اور مغربی فلسفے میں مادیت کی جلوہ گری ہے۔ روحانیت کے خیال کے مطابق مادے کی کثافتوں کو دور کرکے روح کے جلوے کو جلا دینا ہی مقصد زندگی ہے مگر اس کی وجہ سے کائنات ایک بے مقصد وجود اور زندگی ایک بے سود مظاہرہ نہیں ہوتی بلکہ یہ وہ پردہ ظلمات ہے جس سے گزر کر آبِ حیات ملتا ہے۔ مغرب میں قنوطیت فطرت انسانی کو ایک اندھی مشیت کا کھلونا سمجھتی ہے۔ مشرق میں جبریت اور بے ثباتیٔ دنیا کی تعلیم دنیا کو مقصود بالذات سمجھنے سے روکتی ہے اور اس کی نیرنگیوں سے نگاہوں کو خیرہ نہیں ہونے دیتی۔ بعض اوقات تصوف نے قنوطیت کو بھی شہ دی ہے مگر تصوف کے وہ افکار جن سے میرؔ نے بھی غذا لی اپنے اخلاقی نصب العین کی وجہ سے قنوطیت کے اسیر نہیں بن پاتے۔ اردو میں قنوطیت کے سب سے بڑے شاعر فانیؔ ہیں۔ ہاں خونی رنگ کے اشعار میرؔ اور غالبؔ کے یہاں بھی مل جائیں گے پھر فانیؔ کی قنوطیت بھی اس دور کے بہت سے سستے رجائیوں سے زیادہ وقیع اور تہہ دار ہے۔

میرؔ نے شاعری کو جو لب و لہجہ دیا ہے اور صلابت کے بجائے لطافت پر توجہ، آواز میں گونج اور گرج کے بجائے

نرمی پر اصرار، جذبات کے تند و تیز بہاؤ کے بجائے ضبطِ فغاں اور سازِ زیرلبی پر جو زور دیا ہے وہ بڑی بھرپور اور مستقل کیفیت رکھنے والی شاعری کا ہے۔ یہ ظاہر ہے انہیں چیزوں کو فن کی شاعری کی مستقل قدریں نہیں کہا جاسکتا۔ میر کے زمانہ میں سیاسی انتشار، بدامنی اور تاراج نے صراحت کے بجائے کنائے اور وضاحت کے بجائے اشارے میں پناہ لی۔ تہذیبی معیاروں نے آہستہ روی اور نازک خرامی سکھائی۔ شرافت کے آداب نے نرمی اور ملائمت پر اصرار کیا۔ اس طرح فن میں جو لطیف چاندنی اور پُراسرار دھندلکے کی کیفیت آئی اسے فن کی ابدی خصوصیت سمجھنا غلطی ہوگا۔ فکر میں تبدیلی کے ساتھ فن بھی بدلتا ہے مگر بدلتے ہوئے بھی یہ اپنا ایک تسلسل قائم رکھتا ہے اور نیا فن پُرانے فن سے بالکل بے نیاز کبھی نہیں ہوتا۔ تجربے میں دراصل روایت نئے نئے روپ اختیار کرتی ہے۔ اور نئی تجلیوں میں کتنے برسے ہوئے بادلوں کی کہانی دہرائی جاتی ہے۔ اس لئے ادب میں روایات یکسر بیکار نہیں ہوتیں۔ دراصل روایات کا اصل مفہوم ہی یہ ہے کہ چاہے ان کی صحت باطل ہو جائے مگر ان پر اعتماد باقی رہے چاہے ان کا وزن ختم ہو جائے مگر وقار نہ جائے۔ اس لئے میر نے غزل کو جو لب ولہجہ دیا ہے اور تغزل کو جو آداب سکھائے ہیں انہیں کسی زمانے میں ترک نہیں کیا جاسکتا اور کسی نہ کسی وقت میر سے آدابِ فن سیکھنے کیلئے ہر ایک کو ان کے در پہ آنا پڑتا ہے۔ غالب بھی ساری دنیا کی سیر کرکے میر تک پہنچے۔ انیسویں صدی کے آخر کے لکھنؤ میں اگرچہ غالب کے خیال اور میر کی زبان کی ایک بے کار تقلید ہوئی مگر وہ میر کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ دوسری جنگِ عظیم، ہندستان کی آزادی اور تقسیم کے بعد دل کی جراحتوں کے جو چمن کھلائے گئے" ان میں میر کا رنگ فطری طور پر آیا اور جب تک غمِ جاناں اور غمِ دوراں کا "نشترِ مژہ" موجود ہے میر کا ہنر بھی زندہ ہے۔ جدید شاعری میں سرگوشی کی جو کیفیت ہے وہ بھی میر کے سازِ زیرلبی کی ایک آوازِ بازگشت ہے۔

اس لئے عاشقی اور زندگی کے تصورات میں انقلابی تبدیلیوں کے باوجود میر کے فکر و فن سے ہم کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ برنارڈ شا نے ایک جگہ کلاسیکی ادب کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ کچھ مدت گذر جانے کے بعد کلاسیکل شعراء اور ادیبوں کی تصانیف کا رنگ محل افکارِ پارینہ کا ایک کھنڈر رہ جاتا ہے مگر ان کا طرزِ تعمیر اور تعمیر کی فضا کبھی برباد نہیں ہوتی۔ ہر دور کی فضا اور طرزِ تعمیر کا یہ احساس نہ ہو تو نئی تعمیر میں کجی اور ناہمواری آجاتی ہے۔ ہر زمانے کے شاعر اور ادیب وہ تہذیبی اقلیت ہوتے ہیں جو اپنے دور کی تمدنی اکثریت کے پیشوا کہے جاسکتے ہیں۔ ہر آنے والا تمدن پچھلے تہذیبی کارناموں کی بقیت کے سہارے آگے بڑھتا ہے۔ اس لئے انیسویں صدی کے تہذیبی معیار بیسویں صدی کے تمدن کے لئے بالکل فرسودہ نہیں ہوئے ہاں بیسویں صدی کی تہذیب کے لئے فرسودہ ہو سکتے ہیں۔ شعر و ادب تصور کو تاثر بناتا ہے۔ اس تاثر میں زندگی کی توانا قدروں کا جتنا احساس ہوتا ہے اتنا ہی بڑا ادب وجود میں آتا ہے۔ میر کی شاعری میں غزل کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ غزل میں اندازِ نظر، حجابِ سخن، اشارے کی بلاغت اور کنائے کی تاثراتی جدت سب کچھ ہے۔ غزل نہ شاعری کی آبرو ہے نہ پوری شاعری ہے۔ جس طرح شاعری میں رمز و ایما کی اہمیت ہمیشہ رہے گی اور رمز و ایما بدلتے بھی رہیں گے۔

اسی طرح رمزیت اور ایمائیت کی جس صنف میں سب سے زیادہ اہمیت ہے وہ صنف بھی باقی رہے گی۔ غزل کے ذریعے سے ذہنی قیادت کا وہ کام نہیں لیا جا سکتا جو نظم کے ذریعہ سے ممکن ہے۔ ہاں اس کے ذریعہ سے دلوں میں وہ خاموش طوفان برپا ہو سکتے ہیں جو بعض اوقات کسی آتش فشاں سے زیادہ ہلچل پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ طوفان شاعری کی تمام اصناف میں ہمارے لئے نمونہ اور مثال نہیں بن سکتے جس طرح میر کی عاشقی زندگی کی آبرو ہوتے ہوئے ساری زندگی نہیں بن سکتے۔ جس طرح زندگی ایک بت ہزار شیوہ ہے اسی طرح شاعری بھی بلبل ہزار داستان ہے۔ بات کہنے کے بہت سے انداز ہوتے ہیں مگر شیوہ کار آگہی ہر انداز میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ وحدت اور کثرت کا تصور ادب میں بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔

میر کی شاعری میں ہمیں آفاقی عناصر ملتے ہیں۔ آفاقی عناصر مثبت اور منفی دونوں قدروں کے احساس سے بنتے ہیں۔ ان قدروں پر ہر دور میں ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔ ان کی اہمیت کا احساس کافی ہے۔ میر انسانیت کے لئے ایک نظام اخلاق ضروری سمجھتے ہیں۔ فرد کے جنون کو آزار مانتے ہوئے بھی وہ اس آزار کی عظمت کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ میر کے دور میں عشق کے آداب ہی زندگی کو ایک بے معنی چکر سے بلند کرتے تھے۔ یہ عشق فرد کو جذبات کی تہذیب اور سماج کو خیالات کی تہذیب سکھاتا رہا۔ فرد کو نفسانیت تعیش اور زر پرستی سے بچانے کی کوشش کرتا رہا اور سماج کو تنگ نظری منافقت اور ظاہر پرستی سے روکتا رہا۔ میر کے یہاں عاشقی قدر اعلیٰ ہے۔ غالب کے یہاں زندگی کیونکہ غالب نے قدیم نظام کے رخنوں کو دیکھ لیا تھا اور ایک صحت مند تشکیک کے ذریعہ سے قدیم نظام اخلاق سے بلند ہو کر زندگی کی عظمت کو واضح کیا تھا۔ اقبال کے یہاں آ کر صرف زندگی ہی نہیں بلکہ باعمل زندگی قدر اعلیٰ بن جاتی ہے مگر غالب و اقبال کو بھی میر ہی کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے۔

ادب اپنے دور کی پیداوار ضرور ہوتا ہے مگر کوئی بڑا ادیب سماج کے دھارے پر تنکے کی طرح نہیں بہتا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس دھارے کی سمت اور رفتار پر اثر ڈالتا ہے۔ اس کے لئے اپنے ماحول کا فرد ہوتے ہوئے اسے ماحول کو ذرا دور سے یا بلندی سے یا پیچھے ہٹ کر دیکھنا بھی ہوتا ہے۔ چاہے وہ کوئی نیا ماحول پیدا کرنے کے لئے ہو یا کسی جاتی ہوئی قدر کو باقی رکھنے کے لئے۔ میر، سودا، درد اور سوز کے مطالعہ سے ان سب کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ سودا اپنے دور کے نالہ و نغمہ دونوں کے آئینہ دار ہیں مگر ان کے کلام کے مطالعہ کے بعد ہمارے دل میں وہ ٹیس نہیں اٹھتی جس کے درد میں کیفیت ہوتی ہے اور جس کی کیفیت زندگی کے لئے ایک مسلسل مستی کا باعث ہوتی ہے۔ درد کا کلام میر سے پہلو مارتا ہے مگر درد کا ذہنی اور تجرباتی سرمایہ محدود ہے اور ان کا لب و لہجہ میر کے مقابلہ میں اس لئے کم پرسوز ہے کہ انہوں نے انسانی فطرت

کلیات میر

کو اس کے ہر رنگ میں نہیں دیکھا۔ درد ہمارے محترم ہیں مگر محبوب نہیں ہو سکتے۔ سوز کو جذبات کی تہذیب کا گر نہیں آیا۔ درد، سودا اور سوز تینوں اپنے دور سے بہت بلند یا دور نہیں ہو پاتے۔ میر گرد و پیش کی دنیا میں اپنے خونِ جگر کا ایک باغ لگا کر اس میں محو ہو جاتے ہیں۔ آبِ حیات کے لطیفے سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ میر کو مطالعۂ حیات کی حاجت نہ تھی۔ میر کو فوٹوگرافی کی ضرورت نہ تھی۔ انہیں تجربوں کو تخیلی لباس دینا تھا۔ انھیں تخیلی پیکروں میں قدروں کا احساس پیدا کرنا تھا۔ ان کی نگاہ میں کون و مکان کے جلوے تھے۔ مگر وہ خود خلوت پسند تھے۔ یہ خلوت پسندی بھی فنکار کیلئے ضروری ہے۔ بلکہ فنکار انجمن میں رہتے ہوئے بھی خلوت میں رہتا ہے لیکن اس کے معنی مردم بیزاری کے نہیں لینا چاہیئے۔ اس خلوت پسندی کی وجہ سے میر کی زندگی میں بہت سی محرومیاں آئیں مگر ہر دور میں زندگی کی یہ محرومیاں شاعری کی کامرانیاں ثابت ہوئی ہیں۔ خوابوں کے نگارخانوں سے حقائق کی توسیع کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ میر کا کمال یہ ہے کہ ان کے خواب معنی خیز حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور یہ اشارے اس نرمی اور دل آسائی کے لہجہ میں کئے گئے ہیں کہ ان کی اپیل آج بھی باقی ہے۔ اردو شاعری اور اس کے اسالیب سے جذباتی وابستگی آج کافی نہیں ہے۔ کیونکہ جذباتیت کے پاؤں نہیں ہوتے اور وہ سختی اور سستی کی تاب مشکل سے لا سکتی ہے۔ ہمارے لئے قدروں کے اس رنگ محل کا علم ضروری ہے جو صدیوں کے فکر و فن اور تہذیبی جد و جہد کا مرہونِ منت ہے۔ میر اس لحاظ سے اپنے ہم عصروں سے زیادہ ہمیں بصیرت عطا کر سکتے ہیں کہ ان کے یہاں نہ فن پر بہت سے پردے ہیں اور نہ فکر میں زیادہ پیچ و خم۔ اس قدر خلوت پسند اور لئے دیئے رہنے کے باوجود وہ زندگی اور اس کے عام مظاہر سے ایک ایسا رشتہ رکھتے ہیں کہ ان کے مردِ معقول ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔

حرف و حکایت شکر و شکایت ہے اک وضع و طیرہ پر

میر کو جا کر ہم نے دیکھا ہے مردِ معقول کوئی

پھر میر کا فن بھی اپنے اعجاز کو باوجود ترسیل اور ابلاغ کے لحاظ سے عام فہم ہے اور سہلِ ممتنع کی پرانی اصطلاح کا سب سے اچھا نمونہ۔ میر کے یہاں ابلاغ کا یہ احساس نہایت واضح ہے۔

شعر میرے ہیں سب خواص پسند　　پر مجھے گفتگو عوام سے ہے

بڑی شاعری کے متعلق ایلیٹ نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ادب کیا ہے، اس کا فیصلہ تو صرف ادبی معیاروں سے ہی کیا جا سکتا ہے مگر ادب میں بڑائی کے تعین کے لئے صرف ادبی معیار کافی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ پھر یہ معیار کون سے ہوں گے ظاہر ہے کہ یہ معیار وہ ہوں گے جو زندگی میں بڑائی کا باعث ہوتے ہیں، بڑائی صرف گہرائی یا بلندی کا نام نہیں ہے اور زندگی

کلیات میر

میں بلندی صرف خیال کی بلندی یا خلوص کی گہرائی سے نہیں ناپی جاتی، اس کے لئے میرے نزدیک وہ معیار ضروری ہیں جو انسانیت کے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب انسانیت صرف وظیفۂ لب بن جائے تو آدمیت کی طرف اشارہ بھی ضروری ہو جاتا ہے، مگر یہ طے ہے کہ انسان آدمی سے بڑا ہے آدمیت بھی ایک معیار ہے مگر بڑا معیار نہیں۔ انسانیت کے اندر ایک اخلاقی تصور ہے انسان کی ایک پہچان تو یہ ہو کہ وہ صرف اپنی ذات کا پجاری نہیں ہو بلکہ اُسے دوسروں کے دُکھ درد کا بھی احساس ہو، وہ جنت میں بیٹھے ہوئے سموم نجد کی لپٹ محسوس کر سکتا ہے، وہ اپنی خاطر نہیں، دوسروں کی خاطر جی سکتا ہے، اس کے نزدیک زندگی سود و زیاں سے بلند ہے اور کبھی جاں ہے اور کبھی تسلیم جاں، یہ انسانیت ملکیت نہیں ہے، یہ آدمی کا نقطۂ عروج ہے، یہ خدا کی ساری مخلوق سے محبت کرتی ہے اور اس کے نزدیک جو لوگ مذہب، مقام، رنگ و نسل کی بنا پر بعض لوگوں سے امتیازی سلوک کرتے ہیں یا بعض کے ساتھ زیادتی روا رکھتے ہیں وہ انسانیت کے مقام بلند تک نہیں پہنچ پاتے، اس انسانیت کے لئے میر نے اپنے زمانے کی مروجہ اصطلاح عشق سے کام لیا ہے جو آدمی کو خود غرضی اور ذاتی مفاد کے دائرے سے نکال کر ایک بڑے مقصد، مشن یا مسلک سے آشنا کر دیتا ہے اور جس کی گرمی سے بے مقصد زندگی میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے جو آخر زندگی کے لئے ایک روشنی بن جاتی ہے، اس عشق پر میر نے جا بجا زور دیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

| | |
|---|---|
| اے آہوانِ کعبہ نہ اینڈو حرم کے گرد | کھاؤ کسی کا تیر کسی کے شکار ہو |
| شراب عشق میسر ہوئی جسے یک شب | پھر اس کو روز قیامت تلک خمار رہا |
| دور بیٹھا غبار میر ان سے | عشق بن یہ ادب نہیں آتا |
| سخت کافر تھا جس نے پہلے میر | مذہب عشق اختیار کیا |

اسی عشق کی وجہ سے آدمی کو فوقیت حاصل ہے۔

| | |
|---|---|
| آدم خاکی سے آدم کو جلا ہے ورنہ | آئینہ تھا یہ ولے قابل دیدار نہ تھا |
| ہیں مشت خاک لیکن جو کچھ ہیں میر ہم ہیں | مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا |
| سر کسی سے فرو نہیں ہوتا | حیف بندے ہوئے خدا نہ ہوئے |
| مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں | تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں |

ماہیت دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطے
یک قطرہ خون دل یہ طوفاں ہے ہمارا

میر کی یہ انسان دوستی کسی خاص مذہبی یا سیاسی مسلک کی پابند نہیں ہے، یہ ایک وضع ایک اسلوب ہے، ایک مزاج ایک طرز فکر ہے، یہ نہ خوابوں میں پناہ لیتی ہے نہ حقایق کی سنگینی سے چور چور ہوتی ہے، یہ حقایق کو بھگتنے، برتنے اور ان میں کچھ بڑی قدروں کی کرن پیدا کرنے کا نام ہے، یہ شخصیت کو گرمی دیتی ہے اور اس کے ساتھ دل آویزی بھی، یہ ایک مستی عطا کرتی ہے جس کا نشہ کبھی زائل نہیں ہوتا، اسے کسی مخصوص مذہبی یا اخلاقی یا سیاسی طرز فکر کا نام دینا بھی درست نہ ہوگا کیونکہ اس طرح اس کی آفاقی اپیل محدود ہو جائیگی بقول اصغر :-

جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

بڑائی کا ایک پہلو اور بھی ہے، یہ زندگی کی بصیرت ہے، زندگی بڑی پیچیدہ ہے، تہذیب کے آغاز سے اسے نظریوں اور فارمولوں کے ذریعے سے ناپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مادیت، روحانیت، عینیت تاریخی مادیت اشیائیت وجودیت وغیرہ اسی کوشش کا ثبوت ہیں لیکن نفسیات کی جدید معلومات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی عقلیت جو بڑی قابل قدر ہے اس کی جبلتوں پر ابھی مکمل فتح نہیں پا سکی ہے، اس کے جذبات اب بھی تہذیب کے بنائے ہوئے قوانین سے متصادم ہوتے رہتے ہیں، اس کا دل اب بھی اس کے دماغ کی حکومت سے باغی ہو جاتا ہے وہ اب بھی نامعلوم اتھاہ اور بے پناہ پُر اسرار اور گمبھیر طوفانی طاقتوں میں گھرا ہوا ہے اور اس لیے جہاں اس کی فتح قابل قدر ہے وہاں اس کی شکست بھی ناقابلِ اعتنا نہیں بلکہ اس معرکہ میں فتح و شکست کے معنی بدل جاتے ہیں اور صرف جدو جہد یا کشمکش کی اہمیت رہتی ہے، فطرت انسانی کی اس بوقلمونی کا احساس میر کے کلام میں بھی گہرا ہے۔ اسی لئے میر کے کلام سے ہمیں زندگی کی خاصی بھرپور بصیرت ملتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بصیرت آج کی زبان میں نہیں ہے، میر کی زبان اور اصطلاحات میں ہے مگر ان میں اتنی تہہ داری اور آبداری ہے کہ میر کی بات کو ہم نہ صرف سمجھ لیتے ہیں بلکہ اس کے جادو کو محسوس بھی کر لیتے ہیں، یہ اشعار دیکھئے :-

عشق ہمارا آہ نہ پوچھو کیا کیا رنگ بدلتا ہے ۔۔۔ خون ہوا دل داغ ہوا پھر درد ہوا پھر غم ہے اب

دل کی تہ کی کہی نہیں جاتی نازک ہے اسرار بہت ۔۔۔ اچھر تو ہیں عشق کے دو ہی لیکن ہے بستار بہت

اب کے بہت ہے شور بہاراں ہم کو مت زنجیر کرو

دل کی ہوس ٹک ہم بھی نکالیں دھومیں ہم کو مچانے دو

وجہ بیگانگی نہیں معلوم ۔۔۔ تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں

کلیات میر

ہر ایک سے ڈھب جدا ہے سارے زمانہ کا بھی — بنتی ہے جس کسو کی یک طور پر بنے ہے
ہم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن — سینے میں کوئی جیسے دل کو ملا کرے ہے

کنارا یوں کیا جاتا نہیں پھر — اگر پائے محبت درمیاں ہو

کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث — برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالہ

میر نے اپنی ایک رباعی میں کہا ہے :

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے — خوننابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر — مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

بڑی شاعری اس خونابہ کشی کی داستان ہے، اس مر مر کے عمر تمام کرنے کے نام ہے، ہاں اس خونابہ کشی اس مر مر کے عمر تمام کرنے کے بہت سے نام ہیں، زندگی کے اس پستار کو عشق کے دوا پنجر میں سمو لینا قطرہ میں دجلہ دیکھنا اور دکھانا، میر کا کمال ہے۔ ان کی عظمت کا راز اسی کمال میں ہے اس سے ان کا مطالعہ سدا بہار ہے بلکہ جب جب زندگی کسی نازک موڑ پر آئے گی اور مر مر کے زندگی کرنا ایک نئی معنویت حاصل کرے گا، میر کی عظمت کو نئے سرے سے دریافت کیا جائے گا۔

۱۔ شبلی روڈ علی گڈھ — آل احمد سرور

فراق گھورکھپوری

# میر کی عالمگیر مقبولیت

میر کی جادو نگاری اور کلام میر کی سحر کاری میں جو بات سب سے زیادہ اہم معلوم ہوتی ہے، جو حقیقت سب سے زیادہ نظر آتی ہے اور جس میں اس کی عالمگیر مقبولیت کا راز پنہاں ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے داخل ترین محسوسات کی اتنی فطری مصوری، اور وہ بھی کم سے کم الفاظ میں، سادہ سے سادہ الفاظ میں، معمولی سے معمولی الفاظ میں اردو کا کوئی دوسرا شاعر نہیں کر سکا۔ ان کے ایسے اشعار ہمارے دلوں کی آخری تہوں سے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ میر نہیں بول رہے ہیں، ہماری انسانیت اور ہماری فطرت بول رہی ہے۔ فروعات ضمنیات اور تمام مصنوعات سے مبرّا اور آزاد ہو کر یہی بات میر کی آواز کو زندگی بنا دیتی ہے۔ ہم محسوس کرنے لگتے ہیں کہ فن شاعری حقیقی شاعری کی راہ میں حائل تھا۔ الفاظ و بیانات زندگی کی آواز چھپا اور دبا دیتے تھے یا بدل دیتے تھے یا اُنھیں ناقص و نامکمل اور خارجی طور پر پیش کرتے ہیں۔ میر کی شاعری فن کو صلیب پر چڑھا کر اسے پھر سے زندہ کر دیتی ہے۔ الفاظ کو گھٹا کر ان کے اثرات کو لامتناہی بنا دیتی ہے اور شاعری کو شاعر کی آواز نہیں بلکہ زندگی کی آواز بنا دیتی ہے۔ کلام میر میں ہم اپنے کو چھوتے ہوئے، ہم اپنے آپ سے قریب تر ہوتے ہوئے، ہم اپنے آپ میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔

لیکن میرے نزدیک اس شاعری کا اہم ترین پیام ٹھہراؤ ہے۔ ہر شعر پڑھ کر رک کر سوچنے لگئے اور اس حقیقت پر غور کیجیے کہ کیا اردو کے بڑے سے بڑے شاعر اس خلوص اس صداقت، اس معصومی، اس انسانی لہجہ اور اس تہہ رسی کے ساتھ کوئی شعر کہہ سکے ہیں۔

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے — دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

بڑے سلیقہ سے میری نبھی محبت میں — تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

دل پرخوں کی ایک گلابی سے
عمر بھر ہم رہے شرابی سے

مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب ایک سانحہ سا ہو گیا ہے

نامرادانہ زیست کرتا تھا
میر کا طور یاد ہے ہم کو

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

چشم خوں بستہ سے کل رات لہو ٹپکا ہے
ہم نے جانا تھا کہ اسے میر یہ آزار گیا

کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

ہم فقیروں سے کج ادائی کیا
آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

غزل کی شاعری ان اشعار سے یہی نہیں کہ اونچی ہو گئی بلکہ ان سے اونچی جا نہیں سکتی ــــــ ردیلینے کے بعد زندگی جو سنبھالا لیتی ہے اور جو نئی توانائیاں حاصل کر لیتی ہے وہی اثر میر کے پُر درد اشعار سے پیدا ہوتا ہے ۔

میر کے اشعار کی تعداد تیس ہزار سے بھی زیادہ ہے ۔ ان کی تمام شاعری میں اس زمانے کے سماج کی تنقید بہت کم ملتی ہے ــــــ افراتفری اور انتشار سے مجبور ہو کر میر کے زمانہ میں کوئی بھی دوسرا بڑا حقیقی شاعر ہوتا تو اسے میر کی طرح اپنی شخصیت کے اندر جا کر ہی پناہ لینی پڑتی اور میر نے بھی یہی کیا ــــــ میر نے سماجی زندگی کو ہاتھ نہیں لگایا اور نہ لگا سکتے تھے، لیکن اس شخصیت کے اندر کی دنیا کتنی بڑی ہے کتنی عظیم ہے اور کتنی دائمی قدروں کی حامل ہے اور کتنی عالمگیر انفرادیت رکھتی ہے ۔ اس کا اندازہ ہمیں میر کی شاعری کے لب و لہجہ سے ہوتا ہے ــــــ میر کے اشعار پکار پکار کر کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ ہمیں ایک بڑی شخصیت نے جنم دیا ہے ۔

میر کے بکھرے ہوئے آنسوؤں میں ہمیں بحر حیات کی وسعتوں اور گہرائیوں کا اندازہ ہوتا ہے ، میر کی آہ و فغاں میں شش جہت کی ہواؤں کی سنسناہٹ ہے ۔ میر جب اپنے دل پر ہاتھ رکھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے انسانیت کے دل پر ہاتھ رکھا ہے ــــ میر عالمگیر میر بن جاتا ہے ۔

میر کے یہاں ہر معمولی بات جتنی ہی معمولی ہوتی ہے اتنی ہی غیر معمولی بن جاتی ہے ــــــ اس کی ہر بات ایک مقام سے ہے ۔ بہت سے چھوٹے بڑے لوگ اس دھوکے میں پڑ جاتے ہیں کہ عظیم شخصیت بہت سے مختلف علوم، بہت سی مختلف صلاحیتوں، بہت سی عملی قوتوں کا مجموعہ ہوتی ہے ۔ ایسا نہیں ہے تعداد

اور وزن لمبائی چوڑائی اور خارجی حساب کتاب سے عظمت کی پیمائش نہیں کی جا سکتی۔

عظیم شخصیت ڈگری یافتہ شخصیت کا نام نہیں ہے۔ عظیم شخصیت کی مشابہت دریا اور سمندر سے ہوتی ہے، زمین اور آسمان سے ہوتی ہے۔ نباتات اور وحش و طیور سے ہوتی ہے۔ ——

لیکن ان کی حقیقی عظمت کو ہم ایک ایسا پر عظمت "جہل" کہہ سکتے ہیں جسے میں نے اُمیت اور جبلت کے نام سے موسوم کیا ہے اور جس کے بارے میں اصغر گونڈوی نے کہا ہے: ؏

مقامِ جہل کو پایا نہ علم و عرفاں نے

میر نے کہیں کہیں تم کی ضمیر استعمال کی ہے۔ تم کے لفظ میں جو چمکار اور تھرتھراہٹ یا جو اپنائیت میر نے کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے اس کی مثال اردو شاعری میں نہیں ملتی بلکہ شاید دنیا کی شاعری میں بھی بہت کم ملے گی۔

میر مجسم پیار تھے صرف محبوب کیلئے نہیں بلکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کے لئے —— میر زندگی اور کائنات سے بیزار نہیں ہیں۔ جب وہ اس بیزاری کا رونا روتے ہیں اس وقت بھی ناقدانہ شعور یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ میر حیات و کائنات کو اپنے سینے میں بھینچے ہوئے تھے۔ یہی پیار اور چمکار اس سوز و گداز کا راز ہے جس میں کوئی بھی اردو شاعر میر کو نہیں پا سکا۔

یہ سوز و گداز ذاتی غم یا محرومی کی دین نہیں ہے بلکہ یگانگی اور ہم آہنگی کی دین ہے۔ میر کی گالی اس درویش کی وہ گالی ہے جس کی محرک انتہائی شفقت ہوتی ہے۔ یہ گالی نہیں دعا ہے۔

میر کے یہاں قدر اول کے اشعار کی تعداد غالباً ڈھائی تین سو یا اس سے کچھ کم یا زیادہ تک پہنچتی ہے —— لیکن میر کے نہایت اچھے اشعار کی تعداد تین ہزار اشعار سے کم نہیں ہے ——

میر کی شاعری میں لہجہ کا دھیما پن ہے جس سے حیات و کائنات کی عظمت، رعب و جلال کا انداز ہمیں میسر کراتے ہیں ——

میر کے لہجہ کی نرمی دنیا کے بہت کم شاعروں کو نصیب ہوئی —— میر کے کلام کی سب سے بڑی اور سب سے اہم حقیقت یا محرک میر کا خلوصِ تخیل ہے۔ غنائی شاعری میں یہ خلوص تخیل دنیا کے بہت کم شاعروں کو نصیب ہوا ہے اور یہی وہ مرکزِ سوز و ساز ہے جہاں خود الفاظ کے پر جلنے لگتے ہیں —— میر کی شاعری میں ہم سکوتِ سرمدی کے دل کی دھڑکنیں سنتے ہیں۔

# فہرست غزلیات ردیف وار

## دیوان اوّل - ردیف الف

## دیوان دوم — ردیف الف

## دیوان سوم ۔ ردیف الف

## دیوان چہارم ۔ ردیف الف

## دیوان پنجم ۔ ردیف الف

## دیوان ششم ردیف الف

غزل نمبر — صفحہ



## دیوان پنجم - ردیف ب



## دیوان ششم - ردیف ب



غزل نمبر — صفحہ

## دیوان اوّل - ردیف ت



## دیوان دوم - ردیف ت



## دیوان سوم - ردیف ت

## دیوانِ دوم - ردیف ن

## دیوان سوم - ردیف ن

غزل نمبر — صفحہ



## دیوان چہارم - ردیف ن



## دیوان پنجم - ردیف ن

## دیوان ششم - ردیف ن



## دیوان اوّل - ردیف و

## دیوان ششم - ردیف و



## دیوان اول - ردیف ہ



## دیوان دوم - ردیف ہ

## دیوان دوم - ردیف ی

## دیوان سوم ۔ ردیف ی

## دیوان چہارم۔ ردیف ی

## دیوان پنجم ۔ ردیف ی

## دیوان ششم ۔ ردیف ی

## ملنے کے پتے

انجمن ترقی اردو (ہند) سلطان جہاں منزل علی گڑھ
ادارۂ تحقیقاتِ اردو - پٹنہ ۴
دانش محل، امین الدّولہ پارک، لکھنؤ (یو۔پی)
حیدر اینڈ سنز - بازار پتھلی کمان حیدرآباد ۲
دارالاشاعت اسلامیہ، ۸۷ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ ۱۳
مکتبۂ تجلّی، دیوبند۔ سہارن پور (یو۔پی)
اسٹار پبلیکیشنز - دریا گنج - دہلی - ۶

سال اشاعت ۱۹۶۷ء

کتابت دیوان چند مونگا

مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس جامع مسجد دہلی

سلسلہ مطبوعات علمی مجلس دِلّی — ۲

# کلّیاتِ میر

(مکمّل چھ دیوان)

# دیوان اوّل



---

غزلیں ۱۸۱۸ — اشعار ۱۳۵۸۵

# سپاس

کلیات میر (۱) میں میر تقی میر کے چھ دواوین غزلیات شامل ہیں۔ اس کی اشاعت کی طرف آج سے چند سال قبل محبی نثار احمد فاروقی نے متوجہ کیا تھا اور کلیات میر شائع کردہ فورٹ ولیم کالج کے ایک کم یاب نسخے سے استفادہ کا موقع بہم پہنچایا تھا جس کے لیے میں شکر گذار ہوں۔ یہ جلد شاید ابھی کچھ دنوں اور پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ پاتی، اگر محترمی مالک رام صاحب اپنے مشفقانہ تقاضوں سے کام نہ لیتے، اس لیے ان کی تکمیل کا سہرا ان کے سر سمجھنا چاہیے۔ اسی طرح محترمی قاضی عبدالودود صاحب قبلہ نے میر کے مختصر مگر مستند حالات زندگی عنایت فرما کر اور محترمی آل احمد سرور صاحب نے "میر کے مطالعہ کی اہمیت" پر نظر ثانی اور اضافہ کے ساتھ اپنے مضمون یا زیر طبع مقدمہ کو مرحمت فرما کر اس جلد کی تزئین و تکمیل میں مخلصانہ تعاون فرمایا ہے، جس کے لیے میں تہ دل سے شکر گذار ہوں حضرت فراقؔ گورکھپوری اور جناب غلام ربانی تاباںؔ کا بھی شکر گذار ہوں جنھوں نے حوصلہ افزائی اور اپنے مخلصانہ مشوروں سے نوازا۔ اس کی تصحیح کے سلسلہ میں عزیزم نسیم احمد عباسی (دہلی یونی ورسٹی لائبریری) نے جس ادب دوستی اور دیدہ ریزی سے کام لیا، وہ بھی لائق ستایش ہے۔ یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ یہ نسخہ اغلاط سے پاک صاف ہے مگر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ غلطیاں کم سے کم ہو جائیں اور اس میں جس حد تک ہمیں کامیابی ہوئی ہے اس کا صحیح علم و اندازہ آپ اس کے مطالعہ اور مقابلہ کے بعد ہی لگا سکیں گے۔ اس سلسلہ میں عزیزم نورالحسن نقوی کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے دواوین میر کے قلمی نسخوں سے مقابلے کی مخلصانہ پیشکش کی۔

اور آخر میں ڈاکٹر عابد رضا بیدار کا جن کی رفاقت تمام مراحل کو سہل بناتی چلی گئی۔

مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دیوانِ اوّل

## ۱

تھا مستعار حُسن سے اُس کے جو نوُر تھا
خورشید میں بھی اُس ہی کا ذرّہ ظہوُر تھا

ہنگامہ گرم کُن جو دلِ ناصبور تھا
پیدا ہر ایک نالے سے شورِ نشوُر تھا

پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دوُر تھا

آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم
یک شعلہ برقِ خرمنِ صد کوہِ طوُر تھا

مجلس میں رات ایک ترے پرتوے بغیر
کیا شمع کیا پتنگ ہر اک بے حضوُر تھا ۵

مُنعم کے پاس قاقم و سنجاب تھا تو کیا
اُس رِند کی بھی رات گزر گئی جو عوُر تھا

ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر
اُس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضروُر تھا

کل پانو ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا
یک سر وہ استخوان شکستوں سے چوُر تھا قطعہ

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سرِ پُر غروُر تھا

تھا وہ تو رشکِ حُورِ بہشتی ہمیں میں میرؔ
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصوُر تھا ۱۰

## ۲

کیا مَیں بھی پریشانیِ خاطر سے قریں تھا
آنکھیں تو کہیں تھیں دلِ غم دیدہ کہیں تھا

کِس رات نظر کی ہے سوُئے چشمکِ انجم
آنکھوں کے تلے اپنے تو وہ ماہ جبیں تھا

آیا تو سہی وہ کوئی دم کے لیے لیکن — ہونٹھوں پہ مرے جب نفسِ باز پسیں تھا

اب کوفتِ ہجراں کی جہاں تن پہ رکھا ہاتھ — جو درد و الم تھا سو کہے تو، کہ وہیں تھا

۱۵ جانا نہیں کچھ، جز غزل آ کر کے جہاں میں — کُل میرے تصرّف میں یہی قطعہ زمیں تھا

نام آج کوئی یاں نہیں لیتا ہے اُنھوں کا — جن لوگوں کے کل مُلک یہ سب زیرِ نگیں تھا

مسجد میں امام آج ہوا آ کے وہاں سے
کل تک تو یہی میر خرابات نشیں تھا

۳

نکلے ہے چشمہ جو کوئی جوش زناں پانی کا — یاد دِہ ہے وہ کسو چشم کی گریانی کا

لُطف اگر یہ ہے بُتاں صندلِ پیشانی کا — حُسن کیا صبح کے پھر چہرۂ نورانی کا

۲۰ کُفر کچھ چاہیئے اسلام کی رونق کے لیے — حُسن زنّار ہے تسبیحِ سلیمانی کا

درہمی حال کی ہے سارے مرے دیواں میں — سَیر کر تو، بھی یہ مجموعہ پریشانی کا

جان گھبراتی ہے اندوہ سے تن میں کیا کیا — تنگ احوال ہے اِس یوسفِ زندانی کا

کھیل لڑکوں کا سمجھتے تھے محبّت کے تئیں — ہے بڑا حیف ہمیں اپنی بھی نادانی کا

وہ بھی جانے کہ لہو رو کے لکھا ہے مکتوب — ہم نے سر نامہ کیا کاغذِ افشانی کا

۲۵ اس کا منھ دیکھ رہا ہوں سو وہی دیکھوں ہوں — نقش کا سا ہے سماں میری بھی حیرانی کا

بُت پرستی کو تو اسلام نہیں کہتے ہیں
مُعتقد کون ہے میر ایسی مسلمانی کا

۴

جامۂ مستیِ عشق اپنا مگر کم گھیر تھا — دامنِ تر کا مرے دریا ہی کا سا پھیر تھا

دیر میں کعبے گیا میں خانقہ سے اب کی بار — راہ سے میخانے کی اس راہ میں کچھ پھیر تھا

بُلبلوں نے کیا گُل افشاں میر کا مرقد کیا
دُور سے آیا نظر تو پھولوں کا اِک ڈھیر تھا

۵

۳۰ اس عہد میں الٰہی محبّت کو کیا ہُوا — چھوڑا وفا کو اُن نے مروّت کو کیا ہُوا

اُمیدوارِ وعدۂ دیدار مر چلے | آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا
کب تک تظلم آہ بھلا مرگ کے تئیں | کچھ پیش آیا واقعہ رحمت کو کیا ہوا
اس کے گئے پر ایسے گئے دل سے ہم نشیں | معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا
بخشش نے مجھ کو ابرِ کرم کی کیا خجل | اے چشم جوشِ اشکِ ندامت کو کیا ہوا
جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف | اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا ۳۵

تھی صعبِ عاشقی کی ہدایت ہی میرؔ پر
کیا جانیے کہ حالِ نہایت کو کیا ہوا

۶

شبِ ہجر میں کم تظلم کیا | کہ ہمسایگاں پر ترحم کیا
کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات؟ | کلی نے یہ سن کر تبسم کیا
زمانے نے مجھ جرعہ کش کو ندان | کیا خاک و خشتِ سرِ خم کیا
جگر ہی میں یک قطرہ خوں ہے سرشک | پلک تک گیا تو تلاطم کیا ۴۰

کسو وقت پاتے نہیں گھر اُسے
بہت میرؔ نے آپ کو گم کیا

۷

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا | دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا
عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند | یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا
حرف نہیں جاں بخشی میں اس کی خوبی اپنی قسمت کی | ہم سے جو پہلے کہہ بھیجا سو مرنے کا پیغام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی | چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا ۴۵
سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں | بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا
سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی | کوسوں اُس کی اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا
کس کا کعبہ کیسا قبلہ کون حرم ہے کیا احرام | کوچے کے اُس کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا
شیخ جو ہے مسجد میں ننگا رات کو تھا میخانے میں | جبہ، خرقہ، کرتا، ٹوپی، مستی میں انعام کیا
کاش اب برقع منھ سے اٹھا دے ورنہ پھر کیا حاصل ہے | آنکھ مندے پر اُن نے گو دیدار کو اپنے عام کیا ۵۰

یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا

صبحِ چمن میں اُس کو کہیں تکلیفِ ہوا لے آئی تھی
رُخ سے گُل کو مول لیا قامت سے سرو غلام کیا

ساعدِ سیمیں دونوں اُس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دیے
بھولے اُس کے قول و قسم پر ہائے خیالِ خام کیا

کام ہوئے ہیں سارے ضائع ہر ساعت کی سماجت سے
استغنا کی چوگنی اُن نے جوں جوں میں ابرام کیا

۵۵ ایسے آہوئے رم خوردہ کی وحشت کھونی مشکل تھی
سحر کیا، اعجاز کیا، جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا

میرؔ کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو اُن نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

## ۸

چمن میں گُل نے جو کل دعویٔ جمال کیا
جمالِ یار نے مُنھ اُس کا خوب لال کیا

فلک نے آہ تری رہ میں ہم کو پیدا کر
برنگِ سبزۂ نورستہ پائمال کیا

رہی تھی دم کی کشاکش گلے میں کچھ باقی
سو اُس کی تیغ نے جھگڑا ہی انفصال کیا

۶۰ مری اب آنکھیں نہیں کھُلتیں ضعف سے ہمدم
نہ کہہ کہ نیند میں ہے تو یہ کیا خیال کیا

بہارِ رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو
چمن کو یُمنِ قدم نے ترے نہال کیا

جواب نامہ سیاہی کا اپنی ہے وہ زلف
کسو نے حشر کو ہم سے اگر سوال کیا

لگا نہ دِل کو کہیں کیا سُنا نہیں تو نے
جو کچھ کہ میرؔ کا اس عاشقی نے حال کیا

## ۹

دیکھے گا جو تجھ رُو کو سو حیران رہے گا
وابستہ ترے مو کا پریشان رہے گا

۶۵ وعدہ تو کیا اُس سے دمِ صبح کا لیکن
اُس دم تئیں مجھ میں بھی اگر جان رہے گا

مُنعم نے بنا ظلم کی رکھ گھر تو بنایا
پر آپ کوئی رات ہی مہمان رہے گا

چھوٹوں کہیں ایذا سے، لگا ایک ہی جلّاد
تا حشر مرے سر پہ یہ احسان رہے گا

چھٹے رہیں گے دشتِ محبت میں سر و تیغ
محشر تئیں خالی نہ یہ میدان رہے گا

جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا

۷۰ دل دینے کی ایسی حرکت اُن نے نہیں کی، جب تک جیے گا میرؔ پشیمان رہے گا

۱۰

تا گور کے اوپر وہ گل اندام نہ آیا — ہم خاک کے آسودوں کو آرام نہ آیا

بے ہوش مے عشق ہوں کیا میرا بھروسا — آیا جو بخود صبح تو میں شام نہ آیا

کس دل سے ترا تیر نگہ پار نہ گزرا — کس جان کو یہ مرگ کا پیغام نہ آیا

دیکھا نہ اسے دور سے بھی منتظروں نے — وہ رشک مہ عید لب بام نہ آیا

سو بار بیاباں میں گیا محمل لیلیٰ — مجنوں کی طرف ناقہ کوئی گام نہ آیا ۷۵

اب کے جو ترے کوچے سے جاؤں گا تو سنیو — پھر جیتے جی اس راہ وہ بدنام نہ آیا

نے خون ہو آنکھوں سے بہا ٹک نہ ہوا داغ
اپنا تو یہ دل میر کسو کام نہ آیا

۱۱

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا — کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

شرمندہ ترے رخ سے ہے رخسار پری کا — چلتا نہیں کچھ آگے ترے کبک دری کا

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت — اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا ۸۰

زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی — اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا

ہر زخم جگر داور محشر سے ہمارا — انصاف طلب ہے تری بے داد گری کا

اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھو — آئینے کو لپکا ہے پریشاں نظری کا

صد موسم گل ہم کو تہ بال ہی گزرے — مقدور نہ دیکھا کبھو بے بال و پری کا

اس رنگ سے جھمکے ہے پلک پر کہ کہے تو — ٹکڑا ہے مرا اشک عقیق جگری کا ۸۵

کل سیر کیا ہم نے سمندر کو بھی جا کر — تھا دست نگر پنجۂ مژگاں کی تری کا

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام — آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغ سحری کا

۱۲

منھ تکا ہی کرے ہے جس تس کا — حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا

۹۰ شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہوں — دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
تھے بُرے مغبچوں کے تیور لیک — شیخ میخانے سے بھلا کھسکا
داغ آنکھوں سے کھل رہے ہیں سب — ہاتھ دستہ ہوا ہے نرگس کا
بحر کم ظرف ہے بسانِ حباب — کاسہ لیس اب ہوا ہے تو جس کا
فیض اے ابر چشم تر سے اٹھا — آج دامن وسیع ہے اس کا
تاب کس کو جو حال میرؔ سنے
۹۵ حال ہی اور کچھ ہے مجلس کا

۱۳

وہ اک روش سے کھولے ہوئے بال ہو گیا — سنبل چمن کا مفت میں پامال ہو گیا
الجھاؤ پڑ گیا جو ہمیں اس کے عشق میں — دل سا عزیز جان کا جنجال ہو گیا
کیا امتدادِ مدتِ ہجراں بیاں کروں — ساعت ہوئی قیامت و مہ سال ہو گیا
دعویٰ کیا تھا گل نے ترے رخ سے باغ میں — سیلی لگی صبا کی سو منھ لال ہو گیا
قامت خمیدہ، رنگ شکستہ، بدن نزار
۱۰۰ تیرا تو میرؔ غم میں عجب حال ہو گیا

۱۴

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا — جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا
پودا ستم کا جس نے اس باغ میں لگایا — اپنے کیے کا ان نے ثمرہ شتاب دیکھا
دل کا نہیں ٹھکانا بابت جگر کی گم ہے — تیرے بلا کشوں کا ہم نے حساب دیکھا
آباد جس میں تجھ کو دیکھا تھا ایک مدت — اس دل کی مملکت کو اب ہم خراب دیکھا
لیتے ہی نام اس کا سوتے سے چونک اٹھے ہو
۱۰۵ ہے خیر میرؔ صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

۱۵

دل ہم پہنچا بدن میں تب سے سارا تن جلا — آ پڑی یہ ایسی چنگاری کہ پیراہن جلا
سرکشی ہی ہے جو دکھلاتی ہے اس مجلس میں داغ — ہو سکے تو شمع ساں دیجے رگِ گردن جلا

بدرساں اب آخر آخر چھا گئی مجھ پر یہ آگ ورنہ پہلے تھا مرا جوں ماہ نو دامن جلا
کب تلک دھونی لگائے جوگیوں کی سی رہوں بیٹھے بیٹھے در پہ تیرے تو مرا آسن جلا
گرمی اس آتش کے پرکالے سے رکھے چشم تب جب کوئی میری طرح سے دیوے سب تن من جلا ۱۱۰
ہو جو منت سے تو کیا وہ شب نشینی باغ کی کاٹ اپنی رات کو خار و خس گلخن جلا
شب کٹتے ہی آنسوؤں کے نور آنکھوں کا گیا بجھ ہی جاتے ہیں دیے جس وقت سب روغن جلا
شعلہ افشانی نہیں یہ کچھ نئی اس آہ سے دوں لگی ہے ایسی بھی کہ سارا بن جلا

آگ سی اک دل میں سلگے ہے کبھو بھڑکی تو میر
دے گی میری ہڈیوں کا ڈھیر جوں ایندھن جلا

۱۶

حال دل میر کا رو رو کے سب اے ماہ سنا شب کو القصہ عجب قصۂ جاں کاہ سنا ۱۱۵
نابلد ہو کے رہ عشق میں پہنچوں تو کہیں ہمرہ خضر کو یاں کہتے ہیں گمراہ سنا
کوئی ان طوروں سے گزرے ہے ترے غم میں مری گاہ تو نے نہ سنا حال مرا گاہ سنا

خواب غفلت میں ہیں یاں سب تو عبث جاگا میر
بے خبر دیکھا انھیں میں جنھیں آگاہ سنا

۱۷

جب جنوں سے ہمیں توسل تھا اپنی زنجیر پا ہی کا غل تھا
بسترا تھا چمن میں جوں بلبل نالہ سرمایۂ توکل تھا ۱۲۰
یک نگہ کو وفا نہ کی گویا موسم گل صفیر بلبل تھا
ان نے پہچان کر ہمیں مارا منھ نہ کرنا ادھر تجاہل تھا
شہر میں جو نظر پڑا اس کا کشتۂ ناز یا تغافل تھا
اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار یاد ایام جب تحمل تھا
جا پھنسا دام زلف میں آخر دل نہایت ہی بے تامل تھا ۱۲۵
یوں گئی قد کے خم ہوئے جیسے عمر اک رہرو سر پل تھا
خوب دریافت جو کیا ہم نے وقت خوش میر نکہت گل تھا

## ١٨

آگے جمالِ یار کے معذور ہو گیا — گُل اِک چمن میں دیدۂ بے نور ہو گیا

اِک چشم منتظر ہے کہ دیکھے ہے کب سے راہ — جُوں زخم تیری دُوری میں ناسور ہو گیا

١٣٠ قسمت تو دیکھ شیخ کو جب لہر آئی تب — دروازہ شیرہ خانے کا معمور ہو گیا

پہنچا قریبِ مرگ کے وہ صیدِ ناقبول — جو تیری صیدگاہ سے ٹک دور ہو گیا

دیکھا یہ ناؤ نوش کہ نیشِ فراق سے — سینہ تمام خانۂ زنبور ہو گیا

اُس ماہِ چاردہ کا چھپے عشق کیونکہ آہ — اب تو تمام شہر میں مشہور ہو گیا

شاید کسو کے دِل کو لگی اُس گلی میں چوٹ — میری بغل میں شیشۂ دِل چور ہو گیا

١٣٥ دیکھا جو مَیں نے یار تو وہ میرؔ ہی نہیں
تیرے غمِ فراق میں رنجور ہو گیا

## ١٩

فرہاد ہاتھ تیشے پہ ٹک رہ کے ڈالتا — پتھر تلے کا ہاتھ ہی اپنا نکالتا

بگڑا اگر وہ شوخ تو سنیو کہ رہ گیا — خورشید اپنی تیغ و سپر ہی سنبھالتا

بے سر تبھی سے گو کہ ہے میدانِ عشق کا — پھرتا تھا جن دنوں میں تو گیندیں اچھالتا

بن سر کے پھوڑے بنتی نہ تھی کوہکن سے ٹیس — خُسرو سے سنگ سینہ کو کس طور ٹالتا

١٤٠ چھاتی سے ایک بار لگاتا جو وہ تو میرؔ
برسوں یہ زخم سینے کا ہم کو نہ سالتا

## ٢٠

گُل شرم سے بہ جائے گا گلشن میں ہو کر آب سا — بُرقع سے گر نکلا کہیں چہرہ ترا مہتاب سا

گل برگ کا یہ رنگ ہے مرجاں کا ایسا ڈھنگ ہے — دیکھو نہ جھمکے ہے پڑا وہ ہونٹ لعلِ ناب سا

وہ مایۂ جاں تو کہیں پیدا نہیں جوں کیمیا — میں شوق کی افراط سے بیتاب ہوں سیماب سا

دِل تاب ہی لایا نہ ٹک تا یاد رہتا ہم نشیں — اب عیش روزِ وصل کا ہے جی میں بھولا خواب سا

١٤٥ سناہٹے میں جان کے ہوش و حواس و دم نہ تھا — اسباب سارا لے گیا آیا تھا اِک سیلاب سا

ہم سرکشی سے مدتوں مسجد سے بچ بچ کر چلے — اب سجدے ہی میں گزرے ہے قد جو ہوا محراب سا

تھی عشق کی وہ ابتدا جو موج سی اٹھی کبھو — اب دیدۂ تر کو جو تم دیکھو تو ہے گرداب سا

بہکے جو ہم مست آ گئے سو بار مسجد سے اٹھا — واعظ کو مارے خوف کے کل لگ گیا جلاب سا

رکھ ہاتھ دل پر میر کے دریافت کر کیا حال ہے
رہتا ہے اکثر یہ جواں کچھ ان دنوں بیتاب سا

۲۱

مر رہتے جو گل بن تو سارا یہ خلل جاتا — نکلا ہی نہ جی ورنہ کانٹا سا نکل جاتا ۱۵۰

پیدا ہے کہ پنہاں تھی آتش نفسی میری — میں ضبط نہ کرتا تو سب شہر یہ جل جاتا

میں گریۂ خونیں کو روکے ہی رہا ورنہ — اک دم میں زمانے کا یاں رنگ بدل جاتا

بن پوچھے کرم سے وہ جو بخش نہ دیتا تو — پرسش میں ہماری ہی دن حشر کا ڈھل جاتا

استادہ جہاں میں تھا میدان محبت میں — واں رستم اگر آتا تو دیکھ کے ٹل جاتا

وہ سیر کا وادی کے مائل نہ ہوا ورنہ — آنکھوں کو غزالوں کی پاؤں تلے مل جاتا ۱۵۵

بے تاب و تواں یوں میں کاہے کو تلف ہوتا — یاقوتی ترے لب کی ملتی تو سنبھل جاتا

اس سیم بدن کو تھی کب تاب تعب اتنی — وہ چاندنی میں شب کی ہوتا تو پگھل جاتا

مارا گیا تب گزرا بوسے سے ترے لب کے
کیا میر بھی لڑکا تھا باتوں میں بہل جاتا

۲۲

سنیو جب وہ کبھو سوار ہوا — تا بہ روح الامیں شکار ہوا

اس فریب بندہ کو نہ سمجھے آہ! — ہم نے جانا کہ ہم سے یار ہوا ۱۶۰

نالہ ہم خاکساروں کا آخر — خاطر عرش کا غبار ہوا

مر چلے بے قرار ہو کر ہم — اب تو تیرے تئیں قرار ہوا

وہ جو خنجر بکف نظر آیا
میر سو جان سے نثار ہوا

۲۳

مانند شمع مجلس شب اشک بار پایا — القصہ میر کو ہم بے اختیار پایا

۱۶۵ احوال خوش انھوں کا ہم بزم ہیں جو تیرے — افسوس ہے کہ ہم نے واں کا نہ بار پایا

چیتے جو ضعف ہو کر زخم رسا سے اس کے — سینے کو چاک دیکھا دل کو فگار پایا

شہر دل ایک مدت اجڑا بسا غموں میں — آخر اجاڑ دینا اس کا قرار پایا

اتنا نہ تجھ سے ملتے نے دل کو کھو کے روتے — جیسا کیا تھا ہم نے ویسا ہی یار پایا

کیا اعتباریاں کا پھر اس کو خوار دیکھا — جس نے جہاں میں آکر کچھ اعتبار پایا

آہوں کے شعلے جس جا اٹھتے تھے میرؔ سے شب

۱۷۰ واں جا کے صبح دیکھا مشت غبار پایا

## ۲۴

مارا زمیں میں گاڑا تب اس کو صبر آیا — اس دل نے ہم کو آخر یوں خاک میں ملایا

اس گل زمیں سے اب تک اگتے ہیں سرو جس جا — مستی میں جھکتے جس پر تیرا پڑا ہے سایا

یکساں ہے قتل گہ اور اس کی گلی تو مجھ کو — واں خاک میں ہیں لوٹا یاں لوہو میں نہایا

پوجے سے اور پتھر ہوتے ہیں یہ صنم تو — اب کس طرح اطاعت ان کی کروں خدایا

۱۷۵ تا چرخ نالہ پہنچا لیکن اثر نہ دیکھا — کرنے سے اب دعا کے میں ہاتھ ہی اٹھایا

تیرا ہی منھ تکے ہے کیا جانیے کہ تو خط — کیا باغ سبز تو نے آئینے کو دکھایا

شادابی و لطافت ہرگز ہوئی نہ اس میں — تیری مسوں پہ گرچہ سبزے نے زہر کھایا

آخر کو مر گئے ہیں اس کی ہی جستجو میں — جی کے تئیں بھی کھویا لیکن اسے نہ پایا

لگتی نہیں ہے دارو، ہیں سب طبیب حیراں — اک روگ میں بسا ہا جی کو کہاں لگایا

۱۸۰ کہہ ہیچ اس کے منھ کو جی میں ڈرا یہاں تو — بارے وہ شوخ اپنی خاطر میں کچھ نہ لایا

ہونا تھا مجلس آرا اگر غیر کا تجھے تو — مانند شمع مجھ کو کاہے کے تئیں جلایا

تھی یہ کہاں کی یاری آئینہ رو کہ تو نے

دیکھا جو میرؔ کو تو نے ہیچ منھ بنایا

## ۲۵

شکوہ کروں میں کب تک اُس اپنے مہرباں کا — القصہ رفتہ رفتہ دشمن ہوا ہے جاں کا

گریے پہ رنگ آیا، قید قفس سے شاید — خوں ہو گیا جگر میں اب داغ گلستاں کا

لے جھاڑو ٹوکرا ہی آتا ہے صبح ہوتے — جاروب کش مگر ہے خورشید اس کے ہاں کا ۱۸۵

دی آگ رنگِ گل نے واں اے صبا چمن کو — یاں ہم جلے قفس میں سن حال آشیاں کا

ہر صبح میرے سر پر اک حادثہ نیا ہے — پیوند ہو زمیں کا شیوہ اس آسماں کا

ان صید افگنوں کا کیا ہو شکار کوئی — قطعہ — ہوتا نہیں ہے آخر کام ان کے امتحاں کا

تب تو مجھے کیا تھا تیروں سے صید اپنا — اب کرتے ہیں نشانہ ہر میرے استخواں کا

فتراک جس کا اکثر لوہو میں تر رہے ہے — وہ قصد کب کرے ہے اس صیدِ ناتواں کا ۱۹۰

کم فرصتی جہاں کے مجمع کی کچھ نہ پوچھو — احوال کیا کہوں میں اس مجلسِ رواں کا

سجدہ کریں ہیں سن کر اوباش سارے اس کو — سید پسر وہ پیارا ہے گا امام بانکا

ناحق شناسی ہے یہ زاہد نہ کر برابر — طاعت سے سو برس کی سجدہ اس آستاں کا

جس دن کہ اس کے منہ سے برقع اٹھے گا سنیو — اس روز سے جہاں میں خورشید پھر نہ جھانکا

ناحق یہ ظلم کرنا انصاف کہہ پیارے — ہے کون سی جگہ کا، کس شہر کا، کہاں کا ۱۹۵

سودائی ہو تو رکھے بازارِ عشق میں پا — سر مفت بیچتے ہیں یہ کچھ چلن ہے واں کا

سو گالی ایک چشمک اتنا سلوک تو ہے — اوباش خانہ جنگ اس خوش چشم بد زباں کا

یا روئے یا رلایا اپنی تو یوں ہی گزری — قطعہ — کیا ذکرِ ہم صفیراں، یارانِ شادماں کا

قیدِ قفس میں ہیں تو خدمت ہے نالگی کی — گلشن میں تھے تو ہم کو منصب تھا روضہ خواں کا

پوچھو تو میر سے کیا کوئی نظر پڑا ہے
چہرہ اتر رہا ہے کچھ آج اس جواں کا ۲۰۰

## ۲۶

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا — دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

قسم جو کھائیے تو طالعِ زلیخا کی — عزیزِ مصر کا بھی صاحب اک غلام لیا

خراب رہتے تھے مسجد کے آگے میخانے — نگاہِ مست نے ساقی کی انتقام لیا

وہ کج روش نہ ملا راستے میں مجھ سے کبھی — نہ سیدھی طرح سے ان نے مرا سلام لیا

مزا دکھا دیں گے بے رحمی کا تری صیاد — گر اضطرابِ اسیری نے زیرِ دام لیا ۲۰۵

مرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں — تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

اگرچہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعروں میں میرؔ
پہ میرے شور نے روئے زمیں تمام لیا

## ۲۷

سیر کے قابل ہے دلِ صد پارہ اُس نخچیر کا
جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوست پیکاں تیر کا

سب کھلا باغِ جہاں الّا یہ حیران و خفا
جس کو دل سمجھے تھے ہم سو غنچہ تھا تصویر کا

۲۱۰ بوئے خوں سے جی رُکا جاتا ہے اے بادِ بہار
ہو گیا ہے چاک دل شاید کسو دل گیر کا

کیونکہ نقاشِ ازل نے نقشِ ابرو کا کیا
کام ہے اک تیرے منھ پر کھینچنا شمشیر کا

رہ گزر سیلِ حوادث کا ہے بے بنیاد دہر
اس خرابے میں نہ کرنا قصد تم تعمیر کا

بس طبیب اُٹھ جا مری بالیں سے مت دے دردِ سر
کام یاں آخر ہوا اب فائدہ تدبیر کا

نالہ کش ہیں عہدِ پیری میں بھی تیرے در پہ ہم
قدِ خم گشتہ ہمارا حلقہ ہے زنجیر کا

۲۱۵ جو ترے کوچے میں آیا پھر وہیں گاڑا اُسے
تشنۂ خوں میں تو ہوں اُس خاکِ دامن گیر کا

خون سے میرے ہوئی یک دم خوشی تم کو تو لیک
مفت میں جاتا رہا جی ایک بے تقصیر کا

لختِ دل سے جوں چھڑی پھولوں کی گوندھی ہے ولے
فائدہ کچھ اے جگر اس آہِ بے تاثیر کا

گورِ مجنوں سے نہ جاویں گے کہیں ہم بے نوا
عیب ہے ہم میں جو چھوڑیں ڈھیر اپنے پیر کا

کس طرح سے مانیے یارو، کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اُڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میرؔ کا

## ۲۸

۲۲۰ شب دردو غم سے عرصہ مرے جی پہ تنگ تھا
آیا شبِ فراق تھی یا روزِ جنگ تھا

کثرت میں دردو غم کی نہ نکلی کوئی طپش
کوچہ جگر کے زخم کا شاید کہ تنگ تھا

لایا مرے مزار پہ اُس کو یہ جذبِ عشق
جس بے وفا کو نام سے بھی میرے ننگ تھا

دیکھا ہے صید گہ میں ترے صید کا جگر
باآنکہ چھن رہا تھا پہ ذوقِ خدنگ تھا

دِل سے مرے لگا نہ ترا دل ہزار حیف
یہ شیشہ ایک عمر سے مشتاقِ سنگ تھا

مت کر عجب جو میرؔ ترے غم میں مر گیا
۲۲۵ جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

## ٢٩

دل میں بھرا از بسکہ خیالِ شراب تھا — مانند آئینے کے مرے گھر میں آب تھا

موجیں کرے ہے بحرِ جہاں میں ابھی تو تو — جانے گا بعدِ مرگ کہ عالم حباب تھا

اُگتے تھے دستِ بلبل و دامانِ گل بہم — صحنِ چمن نمونۂ یوم الحساب تھا

ٹک دیکھ آنکھیں کھول کے اُس دم کی حسرتیں — جس دم یہ سوجھے گی کہ یہ عالم بھی خواب تھا

دل جو نہ تھا تو رات زخود رفتگی میں میر
گہ انتظار و گاہ مجھے اضطراب تھا ٢٣٠

## ٣٠

کیا طرح ہے آشنا گاہے گہے نا آشنا — یا تو بیگانے ہی رہیے ہو جیے یا آشنا

پائمالِ صد جفا ناحق نہ ہو اے عندلیب — سبزۂ بیگانہ بھی تھا اس چمن کا آشنا

کون سے یہ بحرِ خوبی کی پریشاں زلف ہے — آتی ہے آنکھوں میں میرے موجِ دریا آشنا

بلبلیں پائیز میں کہتی تھیں ہوتا کاش کے — قطعہ یک مژہ رنگِ فراری اس چمن کا آشنا

کو گل و لالہ کہاں سنبل سمن ہم نسترن — خاک سے یکساں ہوئے ہیں ہائے کیا کیا آشنا ٢٣٥

کیا کروں کس سے کہوں، اتنا ہی بیگانہ ہے یار — قطعہ سارے عالم میں نہیں پاتے کسی کا آشنا

جس سے میں چاہی وساطت اُن نے یہ مجھ سے کہا — ہم تو کہتے گر میاں ہم سے وہ ہوتا آشنا

یوں سنا جاہے کہ کرتا ہے سفر کا عزم جزم — قطعہ ساتھ اب بیگانہ وضعوں کے ہمارا آشنا

شعرِ صائب کا مناسب ہے ہماری اور سے — سامنے اُس کے پڑھے گر یہ کوئی جا آشنا

تا بجاں ما ہمرہیم و تا بمنزل دیگراں — فرق باشد جانِ ما از آشنا تا آشنا ٢٤٠

داغ ہے تاباں علیہ الرحمہ کا چھاتی پہ میر
ہو نجات اُس کو بچارا ہم سے بھی تھا آشنا

## ٣١

گل کو محبوب ہم قیاس کیا — فرق نکلا بہت جو باس کیا

دل نے ہم کو مثالِ آئینہ — ایک عالم کا روشناس کیا

کچھ نہیں سوجھتا ہمیں اُس بن — شوق نے ہم کو بے حواس کیا

۲۴۵ عشق میں ہم ہوئے نہ دیوانے — قیس کی آبرو کا پاس کیا
دور سے چرخ کے نکل نہ سکے — ضعف نے ہم کو مورِ طاس کیا
صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی — کیا پتنگے نے التماس کیا

ایسے وحشی کہاں ہیں اے خوباں
میرؔ کو تم عبث اداس کیا

## ۳۲

منت آبروے زاہدِ علامہ لے گیا — اک مغبچہ اتار کے عمامہ لے گیا
۲۵۰ داغِ فراق و حسرتِ وصل آرزوے شوق — میں ساتھ زیرِ خاک بھی ہنگامہ لے گیا
پہنچا نہ پہنچا آہ گیا سو گیا غریب — وہ مرغِ نامہ بر جو مرا نامہ لے گیا

اُس راہزن کے ڈھنگوں سے دیوے خدا پناہ
اک مرتبہ جو میرؔ جی کا جامہ لے گیا

## ۳۳

اے تو کہ یاں سے عاقبتِ کار جائے گا — غافل نہ رہ کہ قافلہ اک بار جائے گا
موقوف حشر پہ ہے سو آتی بھی وے نہیں — کب درمیاں سے وعدۂ دیدار جائے گا
۲۵۵ چھوٹا جو میں قفس سے تو سب نے مجھے کہا — بے چارہ کیونکہ تا سرِ دیوار جائے گا
دے گی نہ چین لذتِ زخم اُس شکار کو — جو کھا کے تیرے ہاتھ کی تلوار جائے گا
آوے گی اک بلا ترے سر سن لے اے صبا — زلفِ سیہ کا اُس کی اگر تار جائے گا
باہر نہ آنا چاہ سے یوسفؑ جو جانتا — لے کارواں مرے تئیں بازار جائے گا
تدبیر میرے عشق کی کیا فائدہ طبیب — اب جان ہی کے ساتھ یہ آزار جائے گا
۲۶۰ آئے بن اُس کے حال ہوا جائے ہے تغیر — کیا حال ہو گا پاس سے جب یار جائے گا

کوچے کے اُس کے رہنے سے باز آ و گرنہ میرؔ
اک دن تجھے وہ جان سے بھی مار جائے گا

## ۳۴

کیا کہوں کیسا ستم غفلت سے مجھ پر ہو گیا — قافلہ جاتا رہا میں صبح ہوتے سو گیا

بے کسی مدت تلک برسا کی اپنی گور پر ۔۔۔ جو ہماری خاک پر سے ہو کے گزرا رو گیا

کچھ خطرناکی طریقِ عشق میں پنہاں نہیں ۔۔۔ کھپ گیا وہ راہرو اس راہ ہو کر جو گیا

مدعا جو ہے سو وہ پایا نہیں جاتا کہیں ۔۔۔ ایک عالم جستجو میں جی کو اپنے کھو گیا ۲۶۵

میر ہر یک موج میں ہے زلف ہی کا سا دماغ
جب سے وہ دریا پہ آ کر بال اپنے دھو گیا

## ۳۵

مت ہو دشمن اے فلک مجھ پائمالِ راہ کا ۔۔۔ خاک افتادہ ہوں میں بھی اک فقیر اللہ کا

سیکڑوں طرحیں نکالیں یار کے آنے کی لیک ۔۔۔ عذر ہی جا ہے چلا اس کے دلِ ناخواہ کا

گر کوئی پیرِ مغاں مجھ کو کرے تو دیکھے پھر ۔۔۔ میکدہ سارے کا سارا صرف ہے اللہ کا

کاش تیرے غم رسیدوں کو بلاویں حشر میں ۔۔۔ ظلم ہے یک خلق پر آشوب اُن کی آہ کا ۲۷۰

جو سنا ہشیار اُس میخانے میں تھا بے خبر ۔۔۔ شوق ہی باقی رہا ہم کو دلِ آگاہ کا

باندھ مت لٹنے کا تار اے ناقباحت فہم چشم ۔۔۔ اس سے پایا جائے ہے سر رشتہ جی کی چاہ کا

شیخ مت کر ذکر ہر ساعت قیامت کا کہ ہے ۔۔۔ عرصۂ محشر نمونہ اس کی بازی گاہ کا

شہر میں کس منہ سے آوے سامنے تیرے کہ شوخ ۔۔۔ جھائیوں سے بھر رہا ہے سارا چہرہ ماہ کا

سر فرو لاتی نہیں ہمت مری ہر اک کے پاس
ہوں گدائے آستاں میں میر حضرت شاہ کا ۲۷۵

## ۳۶

ایسی گلی اک شہرِ اسلام نہیں رکھتا ۔۔۔ جس کوچے میں وہ بت صد بدنام نہیں رکھتا

آزار نہ دے اپنے کانوں کے تئیں سن اے گل ۔۔۔ آغاز مرے غم کا انجام نہیں رکھتا

ناکامیٔ صد حسرت خوش لگتی نہیں ورنہ ۔۔۔ اب جی سے گزر جانا کچھ کام نہیں رکھتا

ہو خشک تو بہتر ہے وہ ہاتھ بہاراں میں ۔۔۔ مانندِ سبو نرگس جو جام نہیں رکھتا

بن اس کی ہم آغوشی بیتاب ہیں سینے میں ۔۔۔ مدت سے بغل میں دل آرام نہیں رکھتا ۲۸۰

ہیں داڑھی تری واعظ سید تو ہیں منڈواتا ۔۔۔ پر کیا کروں ساتھ اپنے حجام نہیں رکھتا

وہ مفلس ان آنکھوں کیونکر کے بسر آوے ۔۔۔ جو اپنی گرہ میں اک بادام نہیں رکھتا

کیا بات کروں اس سے بل جائے جو وہ کہیں تو — اس نا کسی سے رُوبے مُوشنام نہیں رکھتا

یُوں تو رہ و رسم اُس کو اس شہر میں سب سے ہے
اِک میرؔ ہی سے خط و پیغام نہیں رکھتا

۳۷

۲۸۵ خوبی کا اس کی بس کہ طلب گار ہو گیا — گُل باغ میں گلے کا مرے ہار ہو گیا

کس کو نہیں ہے شوق ترا پر نہ اس قدر — میں تو اسی خیال میں بیمار ہو گیا

میں نو دمیدہ بال چمن زاد طیر تھا — پر گھر سے اُٹھ چلا سو گرفتار ہو گیا

ٹھہرا گیا نہ ہو کے حریف اُس کی چشم کا — سینے کو توڑ تیر نگہ پار ہو گیا

ہے اُس کے حرفِ زیرلبی کا سبھوں میں ذکر — کیا بات تھی کہ جس کا یہ بستار ہو گیا

۲۹۰ تو وہ متاع ہے کہ پڑی جس کی تجھ پہ آنکھ — وہ جی کو بیچ کر بھی خریدار ہو گیا

کیا کہیے آہ، عشق میں خوبی نصیب کی — دل دار اپنا تھا سو دل آزار ہو گیا

آٹھوں پہر لگا ہی پھرے ہے تمھارے ساتھ — کچھ ان دِنوں میں غیر بہت یار ہو گیا

کب رو ہے اُس سے بات کے کرنے کا مجھ کو میرؔ
نا کردہ جرم، میں تو گنہ گار ہو گیا

۳۸

تیر جو اُس کمان سے نکلا — جگرِ مرغِ جان سے نکلا

۲۹۵ نکلی تھی تیغ بے دریغ اُس کی — میں ہی اک امتحان سے نکلا

گو کٹے سر، کہ سوزِ دل جوں شمع — اب تو میری زبان سے نکلا

آ گئے اے نالہ ہے خدا کا نام — بس تو مرہ آسمان سے نکلا

چشم و دل سے جو نکلا ہجراں میں — نہ کبھو بحر و کان سے نکلا

مر گیا جو اسیرِ قیدِ حیات — تنگنائے جہان سے نکلا

۳۰۰ دل سے مت جا کہ حیف اُس کا وقت — جو کوئی اِس مکان سے نکلا

اُس کی شیریں لبی کی حسرت میں — شہد پانی ہو شان سے نکلا

نامرادی کی رسم میرؔ سے ہے، طور یہ اس جہان سے نکلا

## ۳۹

گرمی سے میں تو آتشِ غم کی پگھل گیا — راتوں کو روتے روتے ہی جوں شمع گل گیا

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر — تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا

گرمیٔ عشق مانعِ نشو و نما ہوئی — میں وہ نہال تھا کہ اگا اور جل گیا ۳۰۵

مستی میں چھوڑ دیر کو کعبے چلا تھا میں — لغزش بڑی ہوئی تھی ولیکن سنبھل گیا

ساقی نشے میں تجھ سے لنڈھا شیشۂ شراب — چل اب کہ دخترِ تاک کا جوبن تو ڈھل گیا

ہر ذرہ خاک تیری گلی کی ہے بے قرار — یاں کون سا ستم زدہ ماٹی میں رل گیا

عریاں تنی کی شوخی سے دیوانگی میں میر
مجنوں کے دشتِ خار کا داماں بھی چل گیا

## ۴۰

۳۱۰ سنا ہے حال ترے کشتگاں بچاروں کا — ہوا نہ گور گڑھا ان ستم کے ماروں کا ۳۱۰

ہزار رنگ کھلے گل چمن کے ہیں شاہد — کہ روزگار کے سر خون ہے ہزاروں کا

ملا ہے خاک میں کس کس طرح کا عالم یاں — نکل کے شہر سے ٹک سیر کر مزاروں کا

عرق فشانی سے اس زلف کی ہراساں ہوں — بھلا نہیں ہے بہت ٹوٹنا بھی تاروں کا

علاج کرتے ہیں سودائے عشق کا میرے — خلل پذیر ہوا ہے دماغ یاروں کا

تری ہی زلف کو محشر میں ہم دکھا دیں گے — جو کوئی مانگے گا نامہ سیاہ کاروں کا ۳۱۵

نگاہِ مست کے مارے ترے خراب ہیں شوخ — نہ ٹھور ہے نہ ٹھکانا ہے ہوشیاروں کا

کریں ہیں دعویٔ خوش چشمی آہوانِ دشت — ٹک ایک دیکھنے چل ملک ان گنواروں کا

تڑپ کے مرنے سے دل کے کہ مغفرت ہو اسے — جہاں میں کچھ تو رہا نام بے قراروں کا

تڑپ کے خرمنِ گل پر کبھی گر اے بجلی — جلانا کیا ہے مرے آشیاں کے خاروں کا

تمھیں تو زہد و ورع پر بہت ہے اپنے غرور — خدا ہے شیخ جی ہم بھی گناہ گاروں کا ۳۲۰

اٹھے ہے گرد کی جا نالہ گور سے اس کی
غبارِ میر بھی عاشق ہے نے سواروں کا

دل بجھا نہ محبت کو کچھ اُن نے کیا یہ خیال کیا ۴۱ خون ہو بہہ سب آ بھی گیا عشقِ حسن و جمال کیا

آنکھیں کفک سے اُس کی لگا کر خاک برابر ہم بھی ہوئے — مہندی کے رنگ اُن پاؤں نے تو بہتوں کو پامال کیا

یوں نکلے ہے فلک ادھر سے ناز کناں جو جاتے تو — خاک سے سبزہ میری اُگا کر اُن نے مجھ کو نہال کیا

۲۲۵ آگے جواب سے اُن لوگوں کے بارے معافی اپنی ہوئی — ہم بھی فقیر ہوئے تھے لیکن ہم نے ترکِ سوال کیا

حال نہیں ہے عشق سے مجھ میں کس سے تیرا اب حال کہوں
آپ ہی چاہ کر اُس ظالم کو یہ اپنا میں حال کیا

## ۴۲

گزرا بنائے چرخ سے نالہ پگاہ کا — خانہ خراب ہوجیو اس دل کی چاہ کا

آنکھوں میں جی مرا ہے اُدھر دیکھتا نہیں — مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا

صد خانماں خراب ہیں ہر ہر قدم پہ دفن — کُشتہ ہوں یار میں تو ترے گھر کی راہ کا

۲۳۰ یک قطرہ خون ہو کے پلک سے ٹپک پڑا — قِصّہ یہ کچھ ہوا دلِ غُفراں پناہ کا

تلوار مارنا تو تمھیں کھیل ہے ولے — جاتا رہے نہ جان کسو بے گُناہ کا

بدنام و خوار و زار و نزار و شکستہ حال — احوال کچھ نہ پوچھیے اس روسیاہ کا

ظالم زمیں سے لوٹتا دامن اُٹھا کے چل — ہوگا کمیں میں ہاتھ کسو دادخواہ کا

اے تاج شہ نہ سر کو فرو لاؤں تیرے پاس — ہے معتقد فقیر نمد کی کُلاہ کا

۲۳۵ بیمار تو نہ ہووے جیے جب تلک کہ میر
سونے نہ دے گا شور تری آہ آہ کا

## ۴۳

دِل سے شوقِ رُخِ نکو نہ گیا — جھانکنا تاکنا کبھو نہ گیا

ہر قدم پر تھی اُس کی منزل لیک — سر سے سودائے جُستجو نہ گیا

سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں — لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

دِل میں کتنے مسودے تھے ولے — ایک پیش اُس کے رُوبرو نہ گیا

۲۴۰ سبحہ گرداں ہی میر ہم تو رہے
دستِ کوتاہ تا سبو نہ گیا

گُل و بلبل بہار میں دیکھا ۴۴ ایک تجھ کو ہزار میں دیکھا

جل گیا دِل سفید ہیں آنکھیں — یہ تو کچھ انتظار میں دیکھا

آبلے کا بھی ہونا دامن گیر — تیرے کوچے کے خار میں دیکھا

تیرہ عالم ہُوا یہ روزِ سیاہ — اپنے دِل کے غبار میں دیکھا

جن بلاؤں کو میرؔ سُنتے تھے
اُن کو اِس روزگار میں دیکھا ۳۴۵

۴۵

کئی دن سلوک و داع کا مرے درپئے دِلِ زار تھا
کبھو درد تھا کبھو داغ تھا کبھو زخم تھا کبھو وار تھا

دمِ صبح بزمِ خوشِ جہاں شبِ غم سے کم نہ تھی مہرباں
کہ چراغ تھا سو تو دُود تھا جو پتنگ تھا سو غبار تھا

دلِ خستہ جو لوہو ہو گیا تو بھلا ہُوا کہ کہاں تلک
کبھو سوزِ سینہ سے داغ تھا کبھو درد و غم سے فگار تھا

دلِ مضطرب سے گزر گئی شبِ وصل اپنی ہی فکر میں
نہ دماغ تھا نہ فراغ تھا نہ شکیب تھا نہ قرار تھا

جو نگاہ کی بھی پلک اُٹھا تو ہمارے دل سے لوہو بہا
کہ وہیں وہ ناوکِ بے خطا کسو کے کلیجے کے پار تھا ۳۵۰

یہ تمھاری اِن دنوں دوستاں مژہ جس کے غم میں ہے خونچکاں
وہی آفتِ دلِ عاشقاں کسو وقت ہم سے بھی یار تھا

نہیں تازہ دل کی شکستگی یہی درد تھا یہی خستگی
اُسے جب سے ذوقِ شکار تھا اِسے زخم سے سروکار تھا

کبھو جائے گی جو اُدھر صبا تو یہ کہیو اُس سے کہ بے وفا
مگر ایک میرؔ شکستہ پا ترے باغِ تازہ میں خار تھا

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا — موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا ۴۶

داغ ہوں رشکِ محبت سے کہ اتنا بے تاب — کس کی تسکیں کے لیے گھر سے تو باہر نکلا ۳۵۵

جیتے جی آہ ترے کوچے سے کوئی نہ پھرا　　جو ستم دیدہ رہا جا کے سو مر کر نکلا

دل کی آبادی کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ　　جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر نکلا

اشکِ تر، قطرۂ خوں، لختِ جگر، پارۂ دل　　قطعہ　　ایک سے ایک عدد آنکھ سے بہتر نکلا

کنج کاوی جو کی سینے کی غمِ ہجراں نے　　اس دفینے میں سے اقسامِ جواہر نکلا

ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میرؔ

۳۶۰　　پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

رہے خیال تنک ہم بھی روسیاہوں کا　　۴۷　　لگے ہو خون بہت کرنے بے گناہوں کا

نہیں ستارے یہ سوراخ پڑ گئے ہیں تمام　　فلک حریف ہوا تھا ہماری آہوں کا

گلی میں اس کی پھٹے کپڑوں پر مرے مت جا　　لباسِ فقر ہے واں فخر بادشاہوں کا

تمام زلف کے کوچے ہیں مار پیچ اس کی　　تجھی کو آوے دلا چلنا ایسی راہوں کا

۳۶۵　　اسی جو خوبی سے لائے تجھے قیامت ہیں　　تو حرفِ کن نے کیا گوش داد خواہوں کا

تمام عمر رہیں خاکِ زیرِ پا اس کی　　جو زور کچھ چلے ہم عجز دستگاہوں کا

کہاں سے تہ کریں پیدا یہ ناظمانِ حال　　کہ پوچ بافی ہی ہے کام ان جلاہوں کا

حساب کا ہے کا روزِ شمار میں مجھ سے　　شمار ہی نہیں ہے کچھ مرے گناہوں کا

تری جو آنکھیں ہیں تلوار کے تلے بھی ادھر

فریب خوردہ ہے تو میرؔ کن نگاہوں کا

## ۴۸

۳۷۰　　اس کا خرام دیکھ کے جایا نہ جائے گا　　اے کبک پھر بحال بھی آیا نہ جائے گا

ہم کشتگانِ عشق ہیں ابرو و چشمِ یار　　سر سے ہمارے تیغ کا سایا نہ جائے گا

ہم رہروانِ راہِ فنا ہیں برنگِ عمر　　جاویں گے ایسے کھوج بھی پایا نہ جائے گا

پھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہے گا دل　　تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا

اپنے شہیدِ ناز سے بس ہاتھ اٹھا کہ پھر　　دیوانِ حشر میں اسے لایا نہ جائے گا

۳۷۵　　اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہے چاک　　پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا

ہم بے خودانِ محفلِ تصویر اب گئے　　آئندہ ہم سے آپ میں آیا نہ جائے گا

گو بیستوں کو ٹال دے آگے سے کوہکن    سنگِ گرانِ عشق اُٹھایا نہ جائے گا

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں میرؔ باز آ

نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

۴۹

ایسا ترا رہ گذر نہ ہوگا    ہر گام پہ جس میں سر نہ ہوگا

کیا اُن نے نشے میں مجھ کو مارا    اتنا بھی تو بے خبر نہ ہوگا    ۳۸۰

دھوکا ہے تمام بحر دُنیا    دیکھے گا کہ ہونٹھ تر نہ ہوگا

آئی جو شکست آئینے پر    رُوے دلِ یار ادھر نہ ہوگا

دشنوں سے کسی کا اتنا ظالم    ٹکڑے ٹکڑے جگر نہ ہوگا

اب دل کے تئیں دیا تو سمجھا    محنت زدوں کے جگر نہ ہوگا

دُنیا کی نہ کر تو خواستگاری    قطعہ    اس سے کبھوٗ بہرہ ور نہ ہوگا    ۳۸۵

آخانہ خرابی اپنی مت کر    قحبہ ہے یہ اس سے گھر نہ ہوگا

ہو اس سے جہاں سیاہ تد بھی    نالے میں مرے اثر نہ ہوگا

پھر نوحہ گری کہاں جہاں میں

ماتم زدہ میرؔ اگر نہ ہوگا

۵۰

غم اُس کو ساری رات سنایا تو کیا ہوا    یا روز اُٹھ کے سر کو پھرایا تو کیا ہوا

اُن نے تو مجھ کو جھوٹے بھی پوچھا نہ ایک بار    میں نے اُسے ہزار جتایا تو کیا ہوا    ۳۹۰

خواہاں نہیں وہ کیوں ہی میں اپنی طرف سے یوں    دل دے کے اُس کے ہاتھ بکایا تو کیا ہوا

اب سعی کر سپہر کہ میرے مُوئے گئے    اس کا مزاج مہر پہ آیا تو کیا ہوا

مت رنجہ کر کسی کو کہ اپنے تو اعتقاد    دل ڈھائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا

میں صیدِ ناتواں بھی تجھے کیا کروں گا یاد    ظالم اک اور تیر لگایا تو کیا ہوا

کیا کیا دُعائیں مانگی ہیں خلوت میں شیخ یوں    ظاہر جہاں سے ہاتھ اُٹھایا تو کیا ہوا    ۳۹۵

وہ فکر کر کہ چاکِ جگر پاوے التیام    ناصح جو تُو نے جامہ سِلایا تو کیا ہوا

جیتے تو میرؔ اُن نے مجھے داغ ہی رکھا    پھر گور پر چراغ جلایا تو کیا ہوا

## ۵۱

گرچہ سردار مزوں کا ہے امیری کا مزا — چھوڑ لذت کے تئیں ہے تو فقیری کا مزا

اے کہ آزاد ہے ٹک چکھ نمکِ مُرغِ کباب — تا تُو جانے کہ یہ ہوتا ہے اسیری کا مزا

ہم تو گمراہ جوانی کے مزوں پر ہیں میرؔ
۴۰۰ حضرتِ خضر کو ارزانی ہو پیری کا مزا

## ۵۲

دِل جو تھا اِک آبلہ پھوٹا گیا — رات کو سینہ بہت کوٹا گیا

طائرِ رنگِ حنا کی سی طرح — دِل نہ اس کے ہاتھ سے چھوٹا گیا

مَیں نہ کہتا تھا کہ مُنھ کر دل کی اور — اب کہاں وہ آئینہ ٹوٹا گیا

دِل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے — یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

میرؔ کس کو اب دماغِ گفتگو
۴۰۵ عُمر گذری ریختہ چھوٹا گیا

## ۵۳

یادِ ایام کہ یاں ترکِ شکیبائی تھا — ہر گلی شہر کی یاں کوچۂ رسوائی تھا

اِتنی گذری جو ترے ہجر میں سو اس کے سبب — صبرِ مرحوم عجب مونسِ تنہائی تھا

تیرے جلوے کا مگر رُو تھا سحر گلشن میں — نرگس اک دیدۂ حیرانِ تماشائی تھا

یہی زُلفوں کی تری بات تھی یا کاکل کی
میرؔ کو خُوب کیا سیر تو سودائی تھا

## ۵۴

۴۱۰ اے دوست کوئی مجھ سا رسوا نہ ہُوا ہوگا — دشمن کے بھی دشمن پر ایسا نہ ہُوا ہوگا

اب اشکِ حنائی سے جو تر نہ کرے مژگاں — وہ تجھ کفِ رنگیں کا مارا نہ ہُوا ہوگا

ٹک گورِ غریباں کی کر سیر کہ دُنیا میں — ان ظلم رسیدوں پر کیا کیا نہ ہُوا ہوگا

ہے قاعدۂ کلّی یہ کوے محبت میں — دِل گُم جو ہُوا ہوگا پیدا نہ ہُوا ہوگا

اس کہنہ خرابے میں آبادی نہ کر مُنعم — یک شہر نہیں یاں جو صحرا نہ ہُوا ہوگا

آنکھوں سے تری ہم کو ہے چشم کہ اب ہووے — جو فتنہ کہ دنیا میں برپا نہ ہوا ہوگا ۴۱۵

سبزہ مرتبۂ گل کو حاصل کرے ہے آخر — یک قطرہ نہ دیکھا جو دریا نہ ہوا ہوگا

صد نشتر مژگاں کے لگنے سے نہ نکلا خوں
آگے تجھے میر ایسا سودا نہ ہوا ہوگا

## ۵۵

عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا — اس جنس کا یاں ہم نے خریدار نہ پایا

حق ڈھونڈھنے کا آپ کو آتا نہیں ورنہ — عالم ہے سبھی یار کہاں یار نہ پایا

غیروں ہی کے ہاتھوں میں رہے دست نگاریں — کب ہم نے ترے ہاتھ سے آزار نہ پایا ۴۲۰

جاتی ہے نظر خس پہ گہ چشم پریدن — یاں ہم نے پر کاہ بھی بے کار نہ پایا

تصویر کے مانند لگے در ہی سے گذری — مجلس میں تری ہم نے کبھو بار نہ پایا

سوراخ ہے سینے میں ہر اک شخص کے تجھ سے — کس دل کے ترا تیر نگہ پار نہ پایا

مربوط ہیں تجھ سے بھی یہی ناکس و نااہل — اس باغ میں ہم نے گل بے خار نہ پایا

دم بعد جنوں مجھ میں نہ محسوس تھا یعنی — جامے میں مرے یاروں نے اک تار نہ پایا ۴۲۵

آئینہ بھی حیرت سے محبت کی ہوئے ہم — پر سیر ہو اس شخص کا دیدار نہ پایا

وہ کھینچ کے شمشیر ستم رہ گیا جو میر
خوں ریزی کا یاں کوئی سزاوار نہ پایا

## ۵۶

کیا مرے آنے پہ تو اے بت مغرور گیا — کبھی اس راہ سے نکلا تو تجھے گھور گیا

لے گیا صبح کے نزدیک مجھے خواب اے وائے — آنکھ اس وقت کھلی قافلہ جب دور گیا

گور سے نالے نہیں اٹھتے تو نے اگتی ہے — جی گیا پر نہ ہمارا سر پر شور گیا ۴۳۰

چشم خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا — ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسور گیا

ناتواں ہم ہیں کہ ہیں خاک گلی کی اس کی — اب تو بے طاقتی سے دل کا بھی مقدور گیا

لے کہیں منھ پہ نقاب اپنے کہ اے غیرت صبح — شمع کے چہرۂ رخشاں سے تو اب نور گیا

نالۂ میر نہیں رات سے سنتے ہم لوگ — کیا ترے کوچے سے اے شوخ وہ رنجور گیا

۴۳۵ خواہ مجھ سے لڑ گیا اب خواہ مجھ سے مل گیا | کیا کہوں اے ہم نشیں میں تجھ سے حاصل دل گیا

اپنے ہی دل کو نہ ہو وا شد تو کیا حاصل نسیم | گو چمن میں غنچۂ پژمردہ تجھ سے کھل گیا

دل سے آنکھوں میں لہو آتا ہے شاید رات کو | کش مکش میں بے قراری کی یہ پھوڑا چھل گیا

قیس کا کیا کیا گیا اُودھر دل نہ دیں ہوش و صبر | جس طرف صحرا سے لیلےٰ کا چلا محمل گیا

رشک کی جا گہ ہے مرگ اُس کشتۂ حسرت کی میرؔ
نعش کے ہمراہ جس کی گور تک قاتل گیا

## ۵۸

۴۴۰ تا بہ مقدور انتظار کیا | دل نے اب زور بے قرار کیا

دشمنی ہم سے کی زمانے نے | کہ جفا کار تجھ سا یار کیا

یہ توہّم کا کارخانہ ہے | یاں وہی ہے جو اعتبار کیا

ایک ناوک نے اس کی مژگاں کے | طائر سدرہ تک شکار کیا

صد رگِ جاں کو تاب دے باہم | تیری زلفوں کا ایک تار کیا

۴۴۵ ہم فقیروں سے بے ادائی کیا | آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

سخت کافر تھا جن نے پہلے میرؔ
مذہبِ عشق اختیار کیا

## ۵۹

شب تھا نالاں عزیز کوئی تھا | مرغِ خوش خواں عزیز کوئی تھا

تھی تمھارے ستم کی تاب اُس تک | صبر، جو یاں عزیز کوئی تھا

شب کو اُس کا خیال تھا دل میں | گھر میں مہماں عزیز کوئی تھا

۴۵۰ چاہ سے جا نہ تھی زلیخا کی | ماہِ کنعاں عزیز کوئی تھا

اب تو اُس کی گلی میں خوار ہے لیک
میرِؔ بے جاں عزیز کوئی تھا

پھوٹا کیے پیالے لنڈھتا پھرا قرابا ۶۰ مستی میں میری تھا یاں اک شور اور شرابا

حکمت ہے کچھ جو گردوں یکساں پھرا کرے ہے      چلتا نہیں وگرنہ شام و سحر عرابا
باہم ہوا کریں ہیں دن رات نیچے اوپر      یہ نرم شانے لونڈے ہیں مخملِ دوخوابا
ان صحبتوں میں آخر جانیں ہی جاتیاں ہیں      نے عشق کو ہے صرفہ نے حسن کو محابا      ۴۵۵
ہر چند ناتواں ہیں پر آگیا جو جی میں      دیں گے ملا زمیں سے تیرا فلک قلابا
وے دن گئے کہ آنکھیں دریا سی بہتیاں تھیں      سوکھا پڑا ہے اب تو مدّت سے یہ دوآبا
منھ دھوتے وقت اُس کے اکثر دکھائی دے ہے      خورشید لے رہا ہے اِک روز آفتابا
اب شہر ہر طرف سے میدان ہو گیا ہے      پھیلا تھا اس طرح کا کاہے کو یاں خرابا

دل تفتگی کی اپنی ہجراں میں شرح کیا دوں
چھاتی تو میرؔ میری جل کر ہوئی ہے تابا      ۴۶۰

۶۱

دکھ اب فراق کا ہم سے سہا نہیں جاتا      پھر اس پہ ظلم یہ ہے کچھ کہا نہیں جاتا
ہوئی ہے اِتنی ترے عکسِ زلف کی حیراں      کہ موجِ بحر سے مطلق بہا نہیں جاتا
نہیں گزرتی گھڑی کوئی مجھ خراب پر آہ      کہ جس میں غم سے ترے جی ڈھا نہیں جاتا
ستم کچھ آج گلی میں تری نہیں مجھ پر      کب آکے خون میں مَیں یاں نہا نہیں جاتا

خراب مجھ کو کیا اضطرابِ دل نے میرؔ
کہ ٹک بھی اُس کنے اُس بن رہا نہیں جاتا      ۴۶۵

۶۲

۶۷

گُل میں اس کی سی جو بُو آئی تو آیا نہ گیا　　ہم کو بِن دوش ہوا باغ سے لایا نہ گیا

آہ جو نکلی مرے مُنھ سے تو افلاک کے پاس　　اُس کے آشوب کے عُہدے سے بر آیا نہ گیا

۵۱۵　گل نے ہر چند کہا باغ میں رہ پر اُس بِن　　جی جو اُچٹا تو کسو طرح لگایا نہ گیا

سر نشینِ رہِ مے خانہ ہُوں میں کیا جانوں　　رسمِ مسجد کے تئیں شیخ کہ آیا نہ گیا

حیف وے جن کے وہ اس وقت میں پہنچا جس وقت　　اُن کنے حالِ اشاروں سے بتایا نہ گیا

خطرِ راہِ محبّت کہیں جُوں حرف رمٹے　　جس سے اُس طرف لو قاصد بھی چلایا نہ گیا

خوفِ آشوب سے غوغاے قیامت کے لیے　　خُونِ خوابیدۂ عُشّاق جگایا نہ گیا

تیر مت عذر گریباں کے پھٹے رہنے کا کر
۵۲۰　زخمِ دل چاکِ جگر تھا کہ سِلایا نہ گیا

۶۸

اِدھر آکر شکار افگن ہمارا　　مُشبّک کر گیا ہے تن ہمارا

گریباں سے رہا کوتہ تو پھر ہے　　ہمارے ہاتھ میں دامن ہمارا

گئے جُوں شمع اُس مجلس میں جتنے　　سبھوں پر حال ہے روشن ہمارا

بلا جس چشم کو کہتے ہیں مردم　　وہ ہے عینِ بلا مسکن ہمارا

۵۲۵　ہوا رونے سے رازِ دوستی فاش　　ہمارا گریہ تھا دُشمن ہمارا

بہت چاہا تھا ابرِ تر نے لیکن　　نہ منّت کش ہُوا گُلشن ہمارا

چمن میں ہم بھی زنجیری رہے ہیں　　سُنا ہوگا کبھو شیون ہمارا

کیا تھا ریختہ پردہ سخُن کا　　سو ٹھہرا ہے یہی اب فن ہمارا

نہ بہکے مے کدے میں تیر کیونکر
گرو ستّو جا ہے پیراہن ہمارا

۶۹

۵۳۰　گلیوں میں اب تلک تو مذکور ہے ہمارا　　افسانۂ محبت مشہور ہے ہمارا

مقصود کو تو دیکھیں کب تک پہنچتے ہیں ہم　　بالفعل اب ارادہ تا گور ہے ہمارا

کیا آرزو تھی جس سے سب چشم ہو گئے ہیں | ہر زخم تنو جگہ سے ناسور ہے ہمارا

تیں آہ عشق بازی چوپڑ عجب بچھائی | کچی پڑیں ہیں نردیں گھر دور ہے ہمارا

تا چند پشت پا پر شرم و حیا سے آنکھیں | احوال کچھ بھی تم کو منظور ہے ہمارا

بے طاقتی کریں تو تم بھی معاف رکھیو | کیا کیجیے کہ دل بھی مجبور ہے ہمارا ۵۳۵

ہیں مشت خاک لیکن جو کچھ ہیں میر ہم ہیں
مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا

۷۰

سحر گہ عید میں دور سبو تھا | پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا

غلط تھا آپ سے غافل گزرنا | نہ سمجھے ہم کہ اس قالب میں تو تھا

چمن کی وضع نے ہم کو کیا داغ | کہ ہر غنچہ دل پر آرزو تھا

گل و آئینہ کیا خورشید و مہ کیا | جدھر دیکھا تدھر تیرا ہی رو تھا ۵۴۰

کرو گے یاد باتیں تو کہو گے | کہ کوئی رفتۂ بسیار گو تھا

جہاں پر ہے فسانے سے ہمارے | دماغ عشق ہم کو بھی کبھو تھا

مگر دیوانہ تھا گل بھی کسو کا | کہ پیراہن میں سو جاگہ رفو تھا

کہیں کیا بال تیرے کھل گئے تھے | کہ جھونکا باد کا کچھ مشک بو تھا

نہ دیکھا میر آوارہ کو لیکن
غبار اک ناتواں سا کو بکو تھا ۵۴۵

۷۱

راہ دور عشق میں روتا ہے کیا | آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

قافلے میں صبح کے اک شور ہے | یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا

سبز ہوتی ہی نہیں یہ سر زمیں | تخم خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا

یہ نشان عشق ہیں جاتے نہیں | داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا

غیرت یوسف ہے یہ وقت عزیز
میر اس کو رائگاں کھوتا ہے کیا ۵۵۰

## ۷۲

روتا ٹک اک تھمتا تو غم بیکراں سہا — دس دن رہے جہان میں ہم سو رہا دہا

پہلو میں اک گرہ سی تہ خاک ساتھ ہے — شاید کہ مر گئے پہ بھی خاطر میں کچھ رہا

آنکھوں نے پاسداری محبت کی خوب کی — آنسو جو آتے آتے رہے تو لہو بہا

آئے تھے اک امید پہ تیری گلی میں ہم — سو آہ اس طرح سے چلے لوہو میں نہا

کس کس طرح سے میر نے کاٹا ہے عمر کو
اب آخر آخر ان نے یہ ریختہ کہا ۵۵۵

## ۷۳

بیکسانہ جی گرفتاری سے شیون میں رہا — اک دل غم خوار رکھتے تھے سو گلشن میں رہا

بخیۂ گل کی طرح دیوانگی میں ہاتھ کو — گر نکالا میں گریباں سے تو دامن میں رہا

شمع ساں جلتے رہے لیکن نہ توڑا یار سے — رشتۂ الفت تمامی عمر گردن میں رہا

ڈر سے اس شمشیر زن کے جوہر آئینہ ساں — سر سے لے کر پا تلک میں غرق آہن میں رہا

۵۶۰ ہم نہ کہتے تھے کہ مت دیر و حرم کی راہ چل — اب یہ دعویٰ حشر تک شیخ و برہمن میں رہا

مدتے پہ دل ہی رہے اس چہرے کے خال سیاہ — ڈر ہمیں ان چوٹوں کا روز روشن میں رہا

آہ کس انداز سے گذرا بیاباں سے کہ میر
جی ہر اک نخچیر کا اس صید افگن میں رہا

## ۷۴

غمزے نے اس کے چوری میں دل کی ہنر کیا — اس خانماں خراب نے آنکھوں میں گھر کیا

رنگ اڑ چلا چمن میں گلوں کا تو کیا نسیم — ہم کو تو روزگار نے بے بال و پر کیا

۵۶۵ نافع جو تھیں مزاج کو اول سو عشق میں — آخر انھیں دواؤں نے ہم کو ضرر کیا

کیا جانوں بزم عیش کہ ساقی کی چشم دیکھ — میں صحبت شراب سے آگے سفر کیا

جس دم کہ تیغ عشق کھنچی بوالہوس کہاں — سن لیجیو کہ ہم ہی نے سینہ سپر کیا

دل زخمی ہو کے تجھ تئیں پہنچا تو کم نہیں — اس نیم کشتہ نے بھی قیامت جگر کیا

ہے کون آپ میں جو ملے تجھ سے مست ناز — ذوق خبر ہی نے تو ہمیں بے خبر کیا

وہ دشتِ خوف ناک رہا ہے مرا وطن　　سُن کر جسے خضر نے سفر سے حذر کیا　۵۷۰
کچھ کم نہیں ہیں شعبدہ بازوں سے مے گسار　　دارُو پلا کے شیخ کو آدم سے خر کیا
ہیں چاروں طرف خیمے کھڑے گردباد کے　　کیا جانیے جنوں نے ارادہ کدھر کیا
لکنت تری زبان کی ہے سحر جس سے شوخ　　یک حرفِ نیم گفتہ نے دل پر اثر کیا

بے شرم محض ہے وہ گنہگار جن نے میر
ابرِ کرم کے سامنے دامان تر کیا

۷۵

نا کسی سے پاس میرے یار کا آنا گیا　　بس گیا میں جان سے اب اُس سے یہ جانا گیا　۵۷۵
کچھ نہ دیکھا پھر بجز یک شعلۂ پُر پیچ و تاب　　شمع تک تو ہم نے دیکھا تھا کہ پروانا گیا
ایک ہی چشمک تھی فرصت صحبتِ احباب کی　　دیدۂ تر ساتھ لے مجلس سے پیمانا گیا
گل کھلے صد رنگ تو کیا بے پری سے اے نسیم　　مدتیں گزریں کہ وہ گلزار کا جانا گیا

دُور تجھ سے میر نے ایسا تعب کھینچا کہ شوخ
کل جو میں دیکھا اُسے مطلق نہ پہچانا گیا

۷۶

ہاتھ سے تیرے اگر میں ناتواں مارا گیا　　سب کہیں گے یہ کہ کیا اک نیم جاں مارا گیا　۵۸۰
اِک نگہ سے بیش کچھ نقصان آیا اُس کے تئیں　　اور میں بے چارا تو اے مہرباں مارا گیا
وصل و ہجراں یہ جو دو منزل ہیں راہِ عشق کی　　دل غریب اِن میں خدا جانے کہاں مارا گیا
دل نے سر کھینچا دیارِ عشق میں اے بوالہوس　　وہ سراپا آرزو آخر جواں مارا گیا

کب نیازِ عشق نازِ حسن سے کھینچے ہے ہاتھ
آخر آخر میر سر بر آستاں مارا گیا

۷۷

محبت کا جب روز بازار ہوگا　　بکیں گے سر اور کم خریدار ہوگا　۵۸۵
نہ خالی رہے گی مری جا گہ، گر میں　　نہوں گا تو اندوہ بسیار ہوگا
یہ منصور کا خونِ ناحق کہ حق تھا　　قیامت کو کس کس سے خوں دار ہوگا

عجب شیخ جی کی ہے شکل و شمائل ملے گا تو صورت سے بیزار ہوگا

کھنچے عہدِ خط میں بھی دل تیری جانب کبھو تو قیامت طرح دار ہوگا

۵۹۰ زمیں گیر ہو عجز سے تو کہ اِک دن یہ دیوار کا سایہ دیوار ہوگا

نہ پوچھ اپنی مجلس میں ہے میرؔ بھی یاں!
جو ہوگا تو جیسے گنہگار ہوگا

## ۷۸

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا لہو آتا ہے جب نہیں آتا

ہوش جاتا نہیں رہا لیکن جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

صبر تھا ایک مونسِ ہجراں سو وہ مدت سے اب نہیں آتا

۵۹۵ دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا

عشق کو حوصلہ ہے شرط ارنہ بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا

جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہمدم پر سخن تا بلب نہیں آتا

دور بیٹھا غبارِ میرؔ اُس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

## ۷۹

کب تک تو امتحاں میں مجھ سے جدا رہے گا جیتا ہوں تو تجھی میں یہ دل لگا رہے گا

۶۰۰ یاں ہجر اور ہم میں بگڑی ہے کب کی صحبت زخمِ دل و نمک میں کب تک مزا رہے گا

تو برسوں میں ملے ہے یاں فکر یہ رہے ہے جی جائے گا ہمارا اِک دم کو یا رہے گا

غافل نہ رہیو ہرگز نادان داغِ دل سے بھڑکے گا جب یہ شعلہ تب گھر جلا رہے گا

مرنے پہ اپنے مت جا سالک طلب میں اس کی گو سر کو کھو رہے گا پر اُس کو پا رہے گا

عمرِ عزیز ساری دل ہی کے غم میں گزری بیمارِ عاشقی یہ کس دن بھلا رہے گا

۶۰۵ دیدار کا تو وعدہ محشر میں دیکھ کر کہ بیمارِ غم میں تیرے تب تک تو کیا رہے گا

کیا ہے جو اُٹھ گیا ہے پر بستۂ وفا ہے
قیدِ حیات میں ہے تو میرؔ آ رہے گا

۸۰

جو یہ دل ہے تو کیا سر انجام ہوگا — تہِ خاک بھی خاک آرام ہوگا
مرا جی تو آنکھوں میں آیا یہ سُنتے — کہ دیدار بھی ایک دِن عام ہوگا
نہ ہوگا وہ دیکھا جسے کبک تو نے — وہ اک باغ کا سرو اندام ہوگا
نہ نکلا کر اِتنا بھی بے پردہ گھر سے — بہت اس میں ظالم تو بدنام ہوگا ۶۱۰
ہزاروں کی یاں لگ گئیں چھت سے آنکھیں — تو اے ماہ کِس شب لبِ بام ہوگا

جگر چاکی، ناکامی، دُنیا ہے آخر
نہیں آئے جو میر کچھ کام ہوگا

۸۱

خواب میں تو نظر جمال پڑا — پر مرے جی ہی کے خیال پڑا
وہ نہانے لگا تو سایۂ زُلف — بحر میں تو کہے کہ جال پڑا
مَیں نے تو سر دیا پر اے جلّاد — کِس کی گردن پہ یہ وبال پڑا ۶۱۵
شیخ قلّاش ہے جو بیچے لاؤ — یاں ہمارا رہے ہے مال پڑا

خُوبرو اب نہیں ہیں گندم گوں
میر ہندوستاں میں کال پڑا

۸۲

نہ پُوچھ خوابِ زلیخا نے کیا خیال لیا — کہ کاروان کا کنعاں کے جی نکال لیا
رہِ طلب میں گرے ہوتے سر کے بھل ہم بھی — شکستہ پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا
رہا ہوں برسوں سے ہم دوش پر کبھو ان نے — گلے میں ہاتھ مرا پیار سے نہ ڈال لیا ۶۲۰

بُتاں کی میر ستم وہ نگاہ ہے جس نے
خُدا کے واسطے بھی خلق کا وبال لیا

۸۳

نقّاش دیکھ تو میں کیا نقشِ یار کھینچا — اُس شوخِ کم نما کا نت انتظار کھینچا
رسمِ قلمروِ عشق مت پُوچھ کچھ کہ ناحق — ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا

تھا بد شراب ساقی کتنا کہ رات مے سے — میں نے جو ہاتھ کھینچا اُن نے کٹار کھینچا

۶۲۵ مستی میں شکل ساری نقاش سے کھنچی پر — آنکھوں کو دیکھ اُس کی آخر خمار کھینچا

جی کھنچ رہے ہیں اودھر عالم کا ہوگا بلوا — گر شانے تو نے اُس کی زلفوں کا تار کھینچا

تھا شب کسے کسلئے تیغ کشیدہ کف میں — پر میں نے بھی بغل میں سے بے اختیار کھینچا

پھر تلے ہے میر تو، جو پھاڑے ہوئے گریباں
کس کس ستم زدے نے دامان یار کھینچا

۸۴

یہ حسرت ہے مروں اُس میں لیے لبریز پیمانہ — مہکتا ہو نپٹ جو پھول سی دارو سے مے خانا

۶۳۰ نہ ٹوٹے زنجیر کے غل ہیں نہ ٹوٹے جر گئے غزالوں کے — مرے دیوان پن تک ہی رہا معمور ویرانا

مرا سر نزع میں زانو پہ رکھ کر یوں لگا کہنے — کہ اے بیمار میرے تجھ پہ جلد آساں ہو مرجانا

نہ ہو کیوں ریختہ بے شورش و کیفیت و معنی
گیا ہو میر دیوانہ، رہا سودا سو مستانا

۸۵

بارہا گور دل جھنکا لایا — اب کے شرطِ وفا بجا لایا

قدر رکھتی نہ تھی متاعِ دل — سارے عالم میں مَیں دکھا لایا

۶۳۵ دل کہ یک قطرہ خوں نہیں ہے بیش — ایک عالم کے سر بلا لایا

سب پہ جس بار نے گرانی کی — اُس کو یہ ناتواں اٹھا لایا

دل مجھے اُس گلی میں لے جا کر — اور بھی خاک میں ملا لایا

ابتدا ہی میں مر گئے سب یار — عشق کی کون انتہا لایا

اب تو جاتے ہیں بت کدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

۸۶

۶۴۰ کیا عجب پل میں اگر ترک ہو اُس سے جاں کا — ہو جو زخمی کبھو برہم زدنِ مژگاں کا

کہ تھمنے پلکوں کے گرے پڑتے ہیں لاکھوں آنسو — ڈھول ڈالا ہے مری آنکھوں نے اب طوفاں کا

جلوۂ ماہ تہِ ابرِ تُنک بھول گیا / اُن نے سوتے میں دوپٹّے سے جو منھ کو ڈھانکا

لہو لگنے ہے ٹپکنے جو پلک ماروں ہوں / اب تو یہ رنگ ہے اس دیدۂ اشک افشاں کا

ساکنِ کو کو ترے کب ہے تماشے کا دماغ / آئی فردوس بھی چل کر نہ ادھر کو جھانکا

اُٹھ گیا ایک تو اک مرنے کو آ بیٹھے ہے / قاعدہ ہے یہی مدت سے ہمارے یاں کا ۶۴۵

کارِ اسلام ہے مشکل ترے خال و خط سے / رہزنِ دیں ہے کوئی دزد کوئی ایماں کا

چارۂ عشق بجز مرگ نہیں کچھ سواے میر
اس مرض میں ہے عبث فکر تمھیں درماں کا

۸۷

ہر دم طرف ہے ویسے مزاجِ کرخت کا / ٹکڑا مرا جگر ہے کہو سنگِ سخت کا

سبزانِ تازہ رو کی جہاں جلوہ گاہ تھی / اب دیکھیے تو واں نہیں سایہ درخت کا

جوں برگ ہائے لالہ پریشان ہو گیا / مذکور کیا ہے اب جگرِ لخت لخت کا ۶۵۰

دلّی میں آج بھیکھ بھی ملتی نہیں انھیں / تھا کل تلک دماغ جنھیں تاج و تخت کا

خاکِ سیہ سے میں جو برابر ہوا ہوں میر
سایہ پڑا ہے مجھ پہ کسو تیرہ بخت کا

۸۸

ہم عشق میں نہ جانا غم ہی سدا رہے گا / دس دن جو ہے یہ مہلت سو یاں دہا رہے گا

برقع اُٹھے پہ اس کے ہوگا جہان روشن / خورشید کا نکلنا کیونکر چھپا رہے گا

اک وہم سی رہی ہے اپنی نمود تن میں / آتے ہو اب تو آؤ پھر ہم میں کیا رہے گا ۶۵۵

مذکورِ یار ہم سے مت ہم نشیں کیا کر / دل جو بجا نہیں ہے پھر اس میں جا رہے گا

دل ہی کے غم میں گزری اپنی تو عمر ساری / بیمارِ عاشقی یہ کس دن بھلا رہے گا

اُس گل بغیر جیسے ابرِ بہار عاشق / نالاں جدا رہے گا، روتا جدا رہے گا

وابستہ ہے تغافل غم کہنا اس سے حاصل / تم دردِ دل کہو گے وہ سر جھکا رہے گا

اب جھمکی اس کی تم نے دیکھی کبھو جو یارو / برسوں تلک اسی میں پھر دل سدا رہے گا ۶۶۰

کس کس کو میر اُن نے کہہ کر دیا ہے بوسہ / وہ ایک ہے مفتّن یوں ہی چھپا رہے گا

بھلا ہوگا کچھ اک احوال اس سے یا برا ہوگا — مآل اپنا ترے غم میں خدا جانے کہ کیا ہوگا

تفحص فائدہ ناصح تدارک تجھ سے کیا ہوگا — وہی پاوے گا میرا دردِ دل جس کا لگا ہوگا

کسو کو شوق یارب بیش اس سے اور کیا ہوگا — قلم ہاتھ آگئی ہوگی تو سو سو خط لکھا ہوگا

۶۶۵ دکانیں حسن کی آگے ترے تختہ ہوئی ہوں گی — جو تو بازار میں ہوگا تو یوسف کب بکا ہوگا

معیشت ہم فقیروں کی سی اخوانِ زماں سے کر — کوئی گالی بھی دے تو کہہ بھلا بھائی بھلا ہوگا

خیال اس بے وفا کا ہم نشیں اتنا نہیں اچھا — گماں رکھتے تھے ہم بھی یہ کہ ہم سے آشنا ہوگا

قیامت کر کے اب تعبیر جس کو کرتی ہے خلقت — وہ اس کوچے میں اک آشوب سا شاید ہوا ہوگا

عجب کیا ہے ہلاکِ عشق میں فرہاد و مجنوں کے — محبت روگ ہے کوئی کہ کم اس سے جیا ہوگا

۶۷۰ نہ ہو کیوں غیرتِ گلزار وہ کوچہ خدا جانے — لہو اس خاک پر کن کن عزیزوں کا گرا ہوگا

بہت ہمسائے اس گلشن کے زنجیری رہا ہوں میں — کبھو تم نے بھی میرا شور نالوں کا سنا ہوگا

نہیں جز عرش جاگہ راہ میں لینے کو دم اس کے — قفس سے تن کے مرغِ روح میر جب رہا ہوگا

کہیں ہیں میر کو مارا گیا شب اس کے کوچے میں
کہیں وحشت میں شاید بیٹھے بیٹھے اٹھ گیا ہوگا

۹۰

یاں نام یار کس کا وردِ زباں نہ پایا — پر مطلقاً کہیں ہم اس کا نشاں نہ پایا

۶۷۵ وضعِ کشیدہ اس کی رکھتی ہے داغ سب کو — نیوتا کسو سے ہم وہ ابرو کماں نہ پایا

پایا نہ یوں کہ کریے اس کی طرف اشارت — یوں تو جہاں میں ہم نے اس کو کہاں نہ پایا

یہ دل کہ خون ہووے برجا نہ تھا وگرنہ — وہ کون سی جگہ تھی اس کو جہاں نہ پایا

فتنے کی گرچہ باعث آفاق میں وہی تھی — لیکن کمر کو اس کی ہم درمیاں نہ پایا

محرومِ سجدہ آخر جانا پڑا جہاں سے — جوشش جباہ سے ہم وہ آستاں نہ پایا

ایسی ہے میر کی بھی مدت سے رونی صورت
۶۸۰ چہرے پہ اس کے کس دن آنسو رواں نہ پایا

۹۱ پھر شب نہ لطف تھا نہ وہ مجلس میں نور تھا — اس روئے دل فروز ہی کا سب میں ظہور تھا

کیا کیا عزیز خلق بدن ٹائے کر گئے | تشریف تم کو یاں تئیں لانا ضرور تھا
کیونکر تو میری آنکھ سے ہو دل تلک گیا | یہ بحرِ موج خیز تو عسر العبور تھا
شاید مُٹھے میں اُس سے یہ سفاکیاں ہوئیں | زخمی جو اُس کے ہاتھ کا نکلا سو چور تھا

جیتے جی پاس ہو کے نہ نکلا کسو کے میر
۶۸۵ وہ دور گرد بادیۂ عشق دور تھا

## ۹۲

ہے حال جائے گریہ جانِ پُر آرزو کا | روئے نہ ہم کبھو ٹک دامن پکڑ کسو کا
جاتی نہیں اُٹھائی اپنے پہ یہ خشونت | اب رہ گیا ہے آنا میرا کبھو کبھو کا
اس آستاں سے کس دن پُر شور سر نہ پٹکا | اُس کی گلی میں جا کر کس رات میں نہ کوکا
شاید کہ مُند گئی ہے قمری کی چشمِ گریاں | کچھ ٹوٹ سا چلا ہے پانی چمن کی جو کا
۶۹۰ اپنے تڑپنے کی تو تدبیر پہلے کر لوں | تب فکر میں کروں گا زخموں کے بھی رفو کا
دانتوں کی نظم اُس کے ہنسنے میں جن نے دیکھی | پھر موتیوں کی لڑ پر اُن نے کبھو نہ تھوکا
یہ عیش گہ نہیں ہے یاں رنگ اور کچھ ہے | ہر گُل ہے اس چمن میں ساغر بھرا لہو کا
بلبل غزل سرائی آگے ہمارے مت کر | سب ہم سے سیکھتے ہیں انداز گفتگو کا
گلیاں بھری پڑی ہیں اے باد زخمیوں سے | مت کھول پیچ ظالم اُس زلفِ مشکبو کا

وے پہلی التفاتیں ساری فریب نکلیں
۶۹۵ دینا نہ تھا دل اس کو میں میر آہ چوکا

## ۹۳

میں بھی دنیا میں ہوں اک نالہ پریشاں یک جا | دل کے سو ٹکڑے مرے پر سبھی نالاں یک جا
پند گویوں نے بہت سینے کی تدبیریں لیں | آہ ثابت بھی نہ نکلا یہ گریباں یک جا
تیرا کوچہ ہے ستم گار وہ کافر جاگہ | کہ جہاں مارے گئے کتنے مسلماں یک جا
سر سے باندھا ہے کفن عشق میں تیرے یعنی | جمع ہم نے بھی کیا ہے سر و ساماں یک جا
کیوں نہ گل پڑتے ہیں ترے پانو نسیمِ سحری | اُس کے کوچے میں ہے صد گنجِ شہیداں یک جا ۷۰۰
تو بھی رونے کو ملا دل ہے ہمارا بھی بھرا | ہو جیے اے ابر بیاباں میں گریاں یک جا

بیٹھ کر میرؔ جہاں خوب نہ رویا ہووے
ایسی کوچے میں نہیں ہے ترے جاناں یک جا

## ۹۴

فلک کا منہ نہیں اس فتنے کے اٹھانے کا
ستم شریک ترا ناز ہے زمانے کا

ہمارے ضعف کی حالت سے دل قوی رکھیو
کہیں خیال نہیں یاں بحال آنے کا

۷۰۵ تری ہی راہ میں مارے گئے سبھی آخر
سفر تو ہم کو ہے درپیش جی سے جانے کا

بسانِ شمع جو مجلس سے ہم گئے تو گئے
سراغ کچھو نہ پھر تو نشان پانے کا

چمن میں دیکھ نہیں سکتی ٹک کہ چھپتا ہے
جگر میں برق کے کانٹا مجھ آشیانے کا

ٹک آ تو تا سرِ بالیں نہ کر تعلل کیا
تجھے بھی شوخ یہی وقت ہے بہانے کا

سرا ہا اُن نے ترا ہاتھ جن نے دیکھا زخم
شہید ہوں میں تری تیغ کے لگانے کا

شریفِ مکہ رہا ہے تمام عمر اے شیخ
۷۱۰ یہ میرؔ اب جو گدا ہے شراب خانے کا

## ۹۵

کل شبِ ہجراں تھی لب پر نالہ بیمارانہ تھا
شام سے تا صبح دم بالیں پہ سر یک جا نہ تھا

شہرۂ عالم اسے یُمنِ محبت نے کیا
ورنہ مجنوں ایک خاک افتادۂ ویرانہ تھا

منزل اُس مہ کی رہا جو مدتوں اے ہم نشیں
اب وہ دل گویا کہ اک مدت کا ماتم خانہ تھا

اک نگاہ آشنا کو بھی وفا کرتا نہیں
وا ہوئیں مژگاں کہ سبزہ سبزۂ بیگانہ تھا

۷۱۵ روز و شب گزرے ہے پیچ و تاب میں رہتے تجھے
اے دلِ صد چاک کس کی زلف کا تو شانہ تھا

یادِ ایامے کہ اپنے روز و شب کی جائے باش
یا درِ بازِ بیاباں یا درِ مے خانہ تھا

جس کو دیکھا ہم نے اس وحشت کدے میں دہر کے
یا سڑی یا خبطی یا مجنون یا دیوانہ تھا

بعد خوں ریزی کے مدت بے حنا رنگیں رہا
ہاتھ اُس کا جو مرے لوہو میں گستاخانہ تھا

غیر کے کہنے سے مارا اُن نے ہم کو بے گناہ
یہ نہ سمجھا وہ کہ واقع میں بھی کچھ تھا یا نہ تھا

۷۲۰ صبح ہوتے وہ بناگوش آج یاد آیا مجھے
جو گرا دامن پہ آنسو گوہرِ یک دانہ تھا

شب فروغِ بزم کا باعث ہوا تھا حسنِ دوست
شمع کا جلوہ غبارِ دیدۂ پروانہ تھا

رات اُس کی چشمِ میگوں خواب میں دیکھی تھی میں — صبح سوتے سے اٹھا تو سامنے پیمانہ تھا

رحم کچھ پیدا کیا شاید کہ اس بے رحم نے — گوش اُس کا شب ادھر تا آخرِ افسانہ تھا

میرؔ بھی کیا مست طافح تھا شرابِ عشق کا
لب پہ عاشق کے ہمیشہ نعرۂ مستانہ تھا

## ۹۶

پیغامِ غمِ جگر کا گلزار تک نہ پہنچا — نالہ مرا چمن کی دیوار تک نہ پہنچا ۷۲۵

اُس آئینے کے مانند زنگار جس کو کھاوے — کام اپنا اُس کے غم میں دیدار تک نہ پہنچا

جوں نقشِ پا ہے غربت حیرانِ کار اُس کی — آوارہ ہو وطن سے جو یار تک نہ پہنچا

لبریز شکوہ تھے ہم لیکن حضور تیرے — کارِ شکایت اپنا گفتار تک نہ پہنچا

اے چشمِ نم رسیدہ پانی چوانے کوئی — وقتِ اخیر اُس کے بیمار تک نہ پہنچا

یہ بختِ سبز دیکھو باغِ زمانہ میں سے — پژمردہ گُل بھی اپنی دستار تک نہ پہنچا ۷۳۰

مستوری و خوبروئی دونوں نہ جمع ہوویں — قطعہ — خوبی کا کام کس کی اظہار تک نہ پہنچا

یوسف سے لے کے تا گُل پھر گُل سے لے کے تا شمع — یہ حُسن کس کو لے کر بازار تک نہ پہنچا

افسوس میرؔ وے جو ہونے شہید آئے
پھر کام اُن کا اس کی تلوار تک نہ پہنچا

## ۹۷

اُس کا خیال چشم سے شب خواب لے گیا — قسمے کہ عشق جی سے مرے تاب لے گیا

کن نیندوں اب تو سوتی ہے اے چشمِ گریہ ناک — مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا ۷۳۵

آوے جو مصطبے میں تو سُن لو کہ راہ سے — واعظ کو ایک جامِ مئے ناب لے گیا

نے دل رہا بجا ہے نہ صبر و حواس و ہوش — آیا جو سیلِ عشق سب اسباب لے گیا

میرے حضور شمع نے گریہ جو سر کیا — رویا میں اس قدر کہ مجھے آب لے گیا

احوال اس شکارِ زبوں کا ہے جائے رحم — جس ناتواں کو مفت نہ قصاب لے گیا

مُنہ کی جھلک سے یار کے بیہوش ہو گئے
شب ہم کو میرؔ پرتوِ مہتاب لے گیا ۷۴۰

۹۸

کب تلک یہ ستم اٹھائیے گا — ایک دن یوں ہی جی سے جائیے گا

شکلِ تصویرِ بے خودی کب تک — کسو دن آپ میں بھی آئیے گا

سب سے مل چل کہ حادثے سے پھر — کہیں ڈھونڈا بھی تو نہ پائیے گا

نہ موئے ہم اسیری میں تو نسیم — کوئی دن اور باؤ کھائیے گا

۷۴۵ کہیے گا اس سے قصۂ مجنوں — یعنی پردے میں غم سنائیے گا

اس کے پابوس کی توقع پر — اپنے تئیں خاک میں ملائیے گا

اس کے پاؤں کو جا لگی ہے حنا — خوب سے ہاتھ اسے لگائیے گا

شرکتِ شیخ و برہمن سے میر — قطعہ — کعبہ و دیر سے بھی جائیے گا

اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدی مسجد
کسی ویرانے میں بنائیے گا

۹۹

۷۵۰ دل پہنچا ہلاکی کو نپٹ کھینچ کسالا — لے یار مرے سلمہ اللہ تعالیٰ

کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث — برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا

معمور شرابوں سے کبابوں سے ہے سب دیر — مسجد میں ہے کیا شیخ، پیالا نہ نوالا

گزرے ہے لہو واں سرِ ہر خار سے اب تک — جس دشت میں پھوٹا ہے مرے پاؤں کا چھالا

گر قصد ادھر کا ہے تو ٹک دیکھ کے آنا — یہ دیر ہے زہاد نہ ہو خانۂ خالا

۷۵۵ جس گھر میں ترے جلوے سے ہو چاندنی کا فرش — واں چادرِ مہتاب ہے مکڑی کا سا جالا

دشمن نہ کدورت سے مرے سامنے ہو جو — قطعہ — تلوار کے لڑنے کو مرے کیجو حوالا

ناموس مجھے صافیِ طینت کی ہے ورنہ — رستم نے مری تیغ کا حملہ نہ سنبھالا

دیکھے ہے مجھے دیدۂ پرخشم سے وہ میر
میرے ہی نصیبوں میں تھا یہ زہر کا پیالا

۱۰۰

پل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا — اک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفان رو چکا

۷۶۰ افسوس میرے مُردے پر آتا نہ کر کہ اب
پچھتانا یوں ہی سا ہے جو ہونا تھا ہو چکا

لگتی نہیں پلک سے پلک انتظار میں
آنکھیں اگر یہی ہیں تو پھر نیند سو چکا

یک چشمکِ پیالہ ہے ساقی بہارِ عمر
جھپکی لگی کہ دور یہ آخر ہی ہو چکا

ممکن نہیں کہ گل کرے ویسی شگفتگی
اس سرزمیں میں تخمِ محبت میں بو چکا

پایا نہ دل بہایا ہوا سیلِ اشک کا
میں پنجۂ مژہ سے سمندر بلو چکا

ہر صبح حادثے سے یہ کہتا ہے آسماں
۷۶۵ دے جامِ خونِ میر کو گر منھ وہ دھو چکا

## ۱۰۱

دیر و حرم سے گزرے اب دل ہے گھر ہمارا
ہے ختم اس آبلے پر سیر و سفر ہمارا

پلکوں سے تیری ہم کو کیا چشم داشت یہ تھی
ان برچھیوں نے بانٹا باہم جگر ہمارا

دنیا و دیں کی جانب میلان ہو تو کہیے
کیا جانیے کہ اُس بن دل ہے کدھر ہمارا

ہیں تیرے آئینے کی تمثال ہم نہ پوچھو
اس دشت میں نہیں ہے پیدا اثر ہمارا

جوں صبح اب کہاں ہے طولِ سخن کی فرصت
قصہ ہی کوئی دم کو ہے مختصر ہمارا ۷۷۰

کوچے میں اُس کے جاکر بنتا نہیں پھر آنا
خوں ایک دن گرے گا اس خاک پر ہمارا

ہے تیرہ روز اپنا لڑکوں کی دوستی سے
اِس دن ہی کو کہے تھا اکثر پدر ہمارا

سیلاب ہر طرف سے آئیں گے بادیے میں
جوں ابر روتے ہوگا جس دم گذر ہمارا

نشو و نما ہے اپنی جوں گردباد انوکھی
بالیدہ خاکِ رہ سے ہے یہ شجر ہمارا

یوں دور سے کھڑے ہو کیا معتبر ہے رونا
دامن سے باندھ دامن اے ابرِ تر ہمارا ۷۷۵

جب پاس رات رہنا آتا ہے یاد اُس کا
تھمتا نہیں ہے رونا دو دو پہر ہمارا

اِس کارواں سرا میں کیا میر بار کھولیں
یاں کوچ لگ رہا ہے شام و سحر ہمارا

## ۱۰۲

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دِل کے جانے کا نہایت غم رہا

حُسن تھا تیرا بہت عالم فریب
خط کے آنے پر بھی اِک عالم رہا

۷۸۰ دل نہ پہنچا گوشۂ داماں تلک — قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رہا

سنتے ہیں لیلیٰ کے خیمے کو سیاہ — اُس میں مجنوں کا مگر ماتم رہا

جامۂ احرامِ زاہد پر نہ جا — تھا حرم میں لیک نامحرم رہا

زلفیں کھولیں تو تُو ٹک آیا نظر — عُمر بھر یاں کامِ دل برہم رہا

اُس کے لب سے تلخ ہم سنتے رہے — اپنے حق میں آبِ حیواں سم رہا

۷۸۵ میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی — ایک مُدت تک وہ کاغذ نم رہا

صبحِ پیری شام ہونے آئی میرؔ
تو نہ چیتا یاں بہت دن کم رہا

۱۰۳

چوری میں دل کی وہ ہُنر کر گیا — دیکھتے ہی آنکھوں میں گھر کر گیا

دہر میں مَیں خاک بسر ہی رہا — عُمر کو اس طور بسر کر گیا

دل نہیں ہے منزلِ سینہ میں اب — یاں سے وہ بیچارہ سفر کر گیا

۷۹۰ حَیف جو وہ نُسخۂ دِل کے اُپر — سَرسَری سی ایک نظر کر گیا

کِس کو مرے حال سے تھی آگہی — نالۂ شب سب کو خبر کر گیا

گو نہ چلا، تا مژہ تیرِ نگاہ — اپنے جگر سے تو گذر کر گیا

مجلسِ آفاق میں پروانہ ساں
میرؔ بھی شام اپنی سحر کر گیا

۱۰۴

واں وہ تو گھر سے اپنے پی کر شراب نکلا — یاں شرم سے عرق میں ڈوب آفتاب نکلا

۷۹۵ آیا جو واقعے میں درپیش عالمِ مرگ — یہ جاگنا ہمارا دیکھا تو خواب نکلا

دیکھا جو اوس پڑتے گلشن میں ہم تو آخر — گُل کا وہ روے خنداں چشمِ پُر آب نکلا

پردے ہی میں چلا جا خورشید تو ہے بہتر — اک حشر ہے جو گھر سے وہ بے حجاب نکلا

کچھ دیر ہی لگی نہ دل کو تو تیر لگتے — اس صیدِ ناتواں کا کیا جی شتاب نکلا

ہر حرفِ غم نے میرے مجلس کے تیئں رُلایا — گویا غبارِ دل کا پڑھتا کتاب نکلا

روئے عرق فشاں کو بس پونچھ گرم مت ہو — اُس گُل میں کیا رہے گا جس کا گلاب نکلا ۸۰۰
مُطلق نہ اعتنا کی احوال پر ہمارے — نامے کا نامے ہی میں سب پیچ و تاب نکلا
شانِ تغافل اپنے تو خط کی کیا لکھیں ہم — قاصد مُوا تب اُس کے مُنہ سے جواب نکلا

کس کی نگہ کی گردش تھی میرؔ رو بہ مسجد
محراب میں سے زاہد مست و خراب نکلا

## ۱۰۵

دامانِ کوہ میں جو میں ڈاڑھ مار رویا — اِک ابرواں سے اُٹھ کر بے اختیار رویا
پڑتا نہ تھا بھروسا عہدِ وفائے گُل پر — مُرغِ چمن نہ سمجھا میں تو ہزار رویا ۸۰۵
ہر گُل زمین یاں کی رونے ہی کی جگہ تھی — مانندِ ابر ہر جا میں زار زار رویا
تھی مصلحت کہ رُک کر ہجراں میں جان دیجے — دل کھول کر نہ غم میں میں ایک بار رویا

اِک عجزِ عشق اس کا اسبابِ صد الم تھا
کل میرؔ سے بہت میں ہو کر دوچار رویا

## ۱۰۶

اُس چہرے کی خُوبی سے عبث گُل کو جتایا — یہ کون شگوفہ سا چمن زار میں لایا
وہ آئینہ رُخسار دمِ باز پس آیا — جب حِس نہ رہا ہم کو تو دیدار دکھایا ۸۱۰
کچھ ماہ میں اُس میں نہ تفاوت ہوا ظاہر — سو بار نکالا اِسے اور اُس کو چھپایا
اِک عمر مجھے خاک میں ملتے ہوئے گذری — کوچے میں ترے آن کے لوہو میں نہایا
سمجھا تو مجھے مرگ کے نزدیک پس از دیر — رحمت ہے مرے یار بہت دُور سے آیا
یہ باغ رہا ہم سے وے جا نہ سکے ہم — بے بال و پری نے بھی ہمیں خُوب اُڑایا
میں صیدِ رمیدہ ہوں بیابانِ جنوں کا — رہتا ہے مرا موجبِ وحشت مرا سایا ۸۱۵
یا قافلہ در قافلہ ان رستوں میں تھے لوگ — یا ایسے گئے یاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا
رو میں نے رکھا ہے درِ ترسا بچگاں پر — رکھیو تو مری شرم بڑھاپے میں خُدایا
ٹالا نہیں کچھ مجھ کو پتنگ آج اُڑاتے — بہتوں کے تئیں باؤ کا رُخ اُن نے بتایا
ایسے بُتِ بے مہر سے ملتا ہے کوئی بھی — دل میرؔ کو بھاری تھا جو پتھر سے لگایا

۱۰۷

۸۲۰ دل جو زیرِ غبار اکثر تھا　　کچھ مزاج ان دنوں مکدّر تھا

اُس پہ تکیہ کیا تو تھا لیکن　　رات دن ہم تھے اور بستر تھا

سرسری تم جہان سے گذرے　　ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

دل کی کچھ قدر کرتے رہیو تم　　یہ ہمارا بھی ناز پرور تھا

بعدِ یک عمر جو ہوا معلوم　　دل اُس آئینہ رُو کا پتھر تھا

۸۲۵ بارے سجدہ ادا کیا تہِ تیغ　　کب سے یہ بوجھ میرے سر پر تھا

کیوں نہ ابرِ سیہ سفید ہوا　　جب تلک عہدِ دیدۂ تر تھا

اب خرابا ہوا جہان آباد　　ورنہ ہر اک قدم پہ یاں گھر تھا

قطعہ

بے زری کا نہ کر گلہ غافل　　رہ تسلّی کہ یوں مقدّر تھا

اتنے منعم جہان میں گذرے　　وقتِ رحلت کے کس کنے زر تھا

۸۳۰ صاحبِ جاہ و شوکت و اقبال　　اک ازاں جملہ اب سکندر تھا

تھی یہ سب کائنات زیرِ نگیں　　ساتھ مور و ملخ سا لشکر تھا

لعل و یاقوت ہم زر و گوہر　　چاہیے جس قدر میسر تھا

آخرِ کار جب جہاں سے گیا　　ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا

عیبِ طولِ کلام مت کریو　　کیا کروں میں سخن سے خوگر تھا

خوش رہا جب تلک رہا جیتا

۸۳۵ میر معلوم ہے قلندر تھا

۱۰۸

ترا رُخِ مخطط قرآن ہے ہمارا　　بوسہ بھی لیں تو کیا ہے ایمان ہے ہمارا

گر ہے یہ بے قراری تو رہ چکا بغل میں　　دو روز دل ہمارا مہمان ہے ہمارا

ہیں اس خراب دل سے مشہورِ شہر خوباں　　اُس ساری بستی میں گھر ویران ہے ہمارا

مشکل بہت ہے ہم سا پھر کوئی ہاتھ آنا　　یوں مارنا تو پیارے آسان ہے ہمارا

۸۴۰ ادریس و خضر و عیسیٰ قاتل سے ہم چھڑائے　　ان خوں گرفتگاں پر احسان ہے ہمارا

| | |
|---|---|
| ہم وے ہیں سن رکھو تم مر جائیں رک کے یک جا | کیا کوچہ کوچہ پھرنا عنوان ہے ہمارا |
| ہیں صید گہ کے میری صیاد کیا نہ دھڑکے | کہتے ہیں صید جو ہے بے جان ہے ہمارا |
| کرتے ہیں باتیں کس کس ہنگامے کی یہ زاہد | دیوانِ حشر گویا دیوان ہے ہمارا |
| ماہیتِ دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطے | یک قطرہ خون یہ دل طوفان ہے ہمارا |
| کیا خانداں کا اپنے تجھ سے کہیں تقدس | روح القدس اک ادنیٰ دربان ہے ہمارا ۸۴۵ |
| کرتا ہے کام وہ دل جو عقل میں نہ آوے | گھر کا مشیر کتنا نادان ہے ہمارا |

بنجر زمین دل کی ہے میر ملک اپنی
پُر داغ سینہ مُہرِ فرمان ہے ہمارا

۱۰۹

| | |
|---|---|
| کیا مصیبت زدہ دل مائلِ آزار نہ تھا | کون سے درد و ستم کا یہ طرفدار نہ تھا |
| آدمِ خاکی سے عالم کو جلا ہے ورنہ | آئینہ تھا یہ ولے قابلِ دیدار نہ تھا |
| دھوپ میں جلتی ہیں غربت وطنوں کی لاشیں | تیرے کوچے میں مگر سایۂ دیوار نہ تھا ۸۵۰ |
| صد گلستاں تہِ یک بال تھے اس کے جب تک | طائرِ جاں قفسِ تن کا گرفتار نہ تھا |
| حیف سمجھا ہی نہ وہ قاتلِ ناداں ورنہ | بے گنہ مارنے قابل یہ گنہگار نہ تھا |
| عشق کا جذب ہوا باعثِ سودا ورنہ | یوسفِ مصر زلیخا کا خریدار نہ تھا |
| نرم تر موم سے بھی ہم کو کوئی دیتی قضا | سنگ چھاتی کا تو یہ دل ہمیں درکار نہ تھا |

رات حیران ہوں کچھ چپ ہی مجھے لگ گئی میر ۸۵۵
دردِ پنہاں تھے بہت پر لبِ اظہار نہ تھا

۱۱۰

| | |
|---|---|
| جی اپنا میں نے تیرے لیے خوار ہو دیا | آخر کو جستجو نے تری مجھ کو کھو دیا |
| بے طاقتی سکوں نہیں رکھتی ہے ہمنشیں | رونے نے ہر گھڑی کے مجھے تو ڈبو دیا |
| اے ابر اس چمن میں نہ ہوگا گلِ امید | یاں تخمِ یاس اشک کو میں بھر کے بو دیا |

پوچھا جو میں نے دردِ محبت سے میر کو
رکھ ہاتھ اُن نے دل پہ ٹک اک اپنے رو دیا

۱۱۱

۸۶۰ خط مُنھ پہ آئے جاناں خوبی پہ جان دے گا | ناچار عاشقوں کو رُخصت کے پان دے گا

سارے رئیس اعضا ہیں معرضِ تلف میں | یہ عشق بے محابا کس کو امان دے گا

پاے پُر آبلہ سے میں گم شدہ گیا ہوں | ہر خار بادیے کا میرا نشان دے گا

داغ اور سینے میں کچھ بگڑی ہے عشق دیکھیں | دل کو جگر کو کس کو اب درمیان دے گا

نالہ ہمارا ہر شب گذرے ہے آسماں سے | فریاد پر ہماری کس دن تو کان دے گا

۸۶۵ مت رنج سے ہمارے پیارے حنا لگاؤ | پابوس پر تمھارے سر سو جوان دے گا

گھر چشم کا ڈبو مت دل کے گئے پہ رو رو
کیا میرؔ ہاتھ سے تو یہ بھی مکان دے گا

۱۱۲

ہوتا ہے یاں جہاں میں ہر روز و شب تماشا | دیکھا جو خوب تو ہے دُنیا عجب تماشا

ہر چند شورِ محشر اب بھی ہے در پہ لیکن | نکلے گا یار گھر سے ہو وے گا جب تماشا

بھڑکے ہے آتشِ غم منظور ہے جو تجھ کو | جلنے کا عاشقوں کے آ دیکھ اب تماشا

۸۷۰ طالع جو میرؔ خواری محبوب کو خوش آئی
پر غم یہ ہے مخالف دیکھیں گے سب تماشا

۱۱۳

کل چمن میں گُل و سمن دیکھا | آج دیکھا تو باغ، بن دیکھا

کیا ہے گلشن میں جو قفس میں نہیں | عاشقوں کا جلا وطن دیکھا

ذوقِ پیکانِ تیر میں تیرے | مدتوں تک جگر نے چھن دیکھا

گھر کے گھر جلتے تھے پڑے تیرے | داغِ دل دیکھے بس چمن دیکھا

۸۷۵ ایک چشمک، دو صد سنانِ مژہ | اُس نکیلے کا بانکپن دیکھا

حسرت اُس کی جگہ تھی خوابیدہ
میرؔ کا کھول کر کفن دیکھا

۱۱۴ طپش کی یاں تئیں دل نے کہ درد شانہ ہوا | جدا جو پہلو سے وہ دلبر یگانہ ہوا

جہاں کو فتنے سے خالی کبھو نہیں پایا — ہمارے وقت میں تو آفت زمانہ ہوا
خلش نہیں کسو خواہش کی رات سے شاید — سرشک یاس کے پردے میں دل روانہ ہوا
ہم اپنے دل کی چلے دل ہی میں لیے یاں سے — ہزار حیف سرِ حرف اس سے وا نہ ہوا ۸۸۰

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کی میر
سمندِ ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا

## ۱۱۵

کیا دن تھے وے کہ یاں بھی دلِ آرمیدہ تھا — رو آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ تھا
قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا — بیچارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا
اک وقت ہم کو تھا سرِ گریہ کہ دشت میں — جو خارِ خشک تھا سو وہ طوفاں رسیدہ تھا
جس صیدگاہِ عشق میں یاروں کا جی گیا — مرگ اس شکارگہ کا شکارِ رمیدہ تھا ۸۸۵
مت پوچھ کس طرح سے کٹی رات ہجر کی — ہر نالہ میری جان کو تیغِ کشیدہ تھا
حاصل نہ پوچھ گلشنِ مشہد کا بوالہوس — یاں پھل ہر اک درخت کا حلقِ بریدہ تھا

دل بے قرارِ گریۂ خونیں تھا رات میر
آیا نظر تو بسمل در خوں طپیدہ تھا

## ۱۱۶

کثرتِ داغ سے دل رشکِ گلستاں نہ ہوا — میرا دل خواہ جو کچھ تھا وہ کبھو یاں نہ ہوا
جی تو ایسے کئی صدقے کیے تجھ پر لیکن — حیف یہ ہے کہ تنک تو بھی پشیماں نہ ہوا ۸۹۰
آہ میں کب کی کہ سرمایۂ دوزخ نہ ہوئی — کون سا اشک مرا منبعِ طوفاں نہ ہوا
گو توجہ سے زمانے کی جہاں میں مجھ کو — قطعہ — جاہ و ثروت کا میسر سر و ساماں نہ ہوا
شکر صد شکر کہ میں ذلت و خواری کے سبب — کسی عنوان میں ہم چشمِ عزیزاں نہ ہوا
برق مت خوشے کی اور اپنی بیاں کر صحبت — شکر کر یہ کہ مرا واں دل سوزاں نہ ہوا
دل بے رحم گیا شیخ لیے زیرِ زمیں — مر گیا پر یہ کہن گبر مسلماں نہ ہوا ۸۹۵

کون سی رات زمانے میں گئی جس میں میر
سینۂ چاک سے میں دست و گریباں نہ ہوا

۱۱۷

تیرے قدم سے جا لگی جس پہ مرا ہے سر لگا
گو کہ مرے ہی خون کی دست گرفتہ ہو حنا

سنگ مجھے بجاں قبول اس کے عوض ہزار بار
تا بہ کجا یہ اضطراب دل نہ ہوا ستم ہوا

کس کی ہوا کہاں کا گل، ہم تو قفس میں ہیں اسیر
سیر چمن کی روز و شب تجھ کو مبارک اے صبا

۹۰۰ کن نے بدی ہے اتنی دیر موسمِ گل میں ساقیا
دے بھی مئے دو آتشہ زور ہی سرد ہے ہوا

فصلِ خزاں تلک تو میں اتنا نہ تھا خراب گرد
مجھ کو جنون ہو گیا موسمِ گل میں کیا بلا

جانِ بلب رسیدہ سے اتنا ہی کہنے پائے ہم
جاوے اگر تو یار تک کہیو ہماری بھی دعا

بوئے کبابِ سوختہ آتی ہے کچھ دماغ میں
ہووے نہ ہووے اے نسیم رات کسی کا دل جلا

میں تو کہا تھا تیرے تئیں آہ سمجھ نہ ظلم کر
آخرِ کارِ بے وفا جی ہی گیا نہ میرؔ کا

۱۱۸

۹۰۵ قابو خزاں سے ضعف کا گلشن میں بن گیا
دوش ہوا پہ رنگِ گل و یاسمن گیا

برگشتہ بخت دیکھ کہ قاصد سفر سے میں
بھیجا تھا اس کے پاس سو میرے وطن گیا

خاطر نشاں اے صید فگن ہو گی کب تری
تیروں کے مارے میرا کلیجا تو چھن گیا

یادش بخیر دشت میں مانندِ عنکبوت
دامن کے اپنے تار جو خاروں پہ تن گیا

مارا تھا کس لباس میں عریانی نے مجھے
جس سے تہِ زمین بھی میں بے کفن گیا

۹۱۰ آئی اگر بہار تو اب ہم کو کیا صبا
ہم سے تو آشیاں بھی گیا اور چمن گیا

سرسبز ملکِ ہند میں ایسا ہوا کہ میرؔ
یہ ریختہ لکھا ہوا تیرا دکن گیا

۱۱۹

لختِ جگر تو اپنے یک لخت رو چکا تھا
اشکِ فقط کا جھمکا آنکھوں سے لگ رہا تھا

دامن میں آج دیکھا پھر لخت میں لے آیا
ٹکڑا کوئی جگر کا پلکوں میں رہ گیا تھا

اس قیدِ جیب سے میں چھوٹا جنوں کی دولت
ورنہ گلا یہ میرا جوں طوق میں پھنسا تھا

۹۱۵ مشتِ نمک کی خاطر اس واسطے ہوں حیراں
کل زخمِ دل نہایت دل کو مرے لگا تھا

اے گردِ بادِ مست دے ہر آن عرضِ وحشت
میں بھی کسو زمانے اس کام میں بلا تھا

بن کچھ کہے سنا ہے عالم سے میں نے کیا کیا
پر تو نے یوں نہ جانا اے بے وفا کہ کیا تھا

روتی ہے شمع اتنا ہر شب کہ کچھ نہ پوچھو
میں سوزِ دل کو اپنے مجلس میں کیوں کہا تھا

سر مار کر ہوا تھا میں خاک اس گلی میں
قطعہ سینے پہ مجھ کو اس کا مذکور نقش پا تھا

سو بخت تیرہ سے ہوں پامالیٔ صبا میں
اس دن کے واسطے میں کیا خاک میں ملا تھا ۹۲۰

یہ سرگزشت میری افسانہ جو ہوئی ہے
قطعہ مذکور اس کا اس کے کوچے میں جا بجا تھا

سن کر کسی سے وہ بھی کہنے لگا تھا کچھ کچھ
بیدرد کتنے بولے ہاں اس کو کیا ہوا تھا

کہنے لگا کہ جانے میری بلا عزیزاں
احوال تھا کسی کا کچھ میں بھی سن لیا تھا

آنکھیں مری کھلیں جب جی میرؔ کا گیا تب
دیکھے سے اس کو ورنہ میرا بھی جی جلا تھا

## ۱۲۰

سرِ دورِ فلک بھی دیکھوں اپنے روبرو ٹوٹا
کہ سنگِ محتسب سے پایۂ خم دست سبو ٹوٹا ۹۲۵

کہاں آتے میسر تجھ سے مجھ کو خود نما اتنے
ہوا یوں اتفاق آئینہ میرے روبرو ٹوٹا

کفِ چالاک میں تیری جو تھا سررشتہ جانوں کا
گریباں سے مرے ہر اک ترا ٹانکا رفو ٹوٹا

طراوت تھی چمن میں سرو گویا اشکِ قمری سے
ادھر آنکھیں مندیں اس کی کہ یدھر آبِ جو ٹوٹا

خطر کر تو نہ ٹک چل اے صبا اس لٹ سے اتنا
بلا آوے گی تیرے سر جو اس کا ایک مو ٹوٹا

وہ بے کس کیا کرے کہہ تو رہی دل ہی کی دل ہی میں
نپٹ بے جا ترا دل میرؔ سے اے آرزو ٹوٹا ۹۳۰

## ۱۲۱

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا

کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے
چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا

آنکھیں چرائیو نہ ٹک ابرِ بہار سے
میری طرف بھی دیدۂ خوں بار دیکھنا

اے ہمسفر نہ آبلے کو پہنچے چشمِ تر
لاگا ہے میرے پانو میں آ خار دیکھنا

ہونا نہ چار چشم دل اس ظلم پیشہ سے
ہشیار زینہار خبر دار دیکھنا ۹۳۵

صیاد دل ہے داغِ جدائی سے رشکِ باغ — تجھ کو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا
گر زمزمہ یہی ہے کوئی دن تو ہم صفیر — اس فصل ہی میں ہم کو گرفتار دیکھنا
بلبل ہمارے گل پہ نہ گستاخ کر نظر — ہو جائے گا گلے کا کہیں ہار دیکھنا
شاید ہماری خاک سے کچھ ہو بھی اے نسیم — غربال کر کے کوچۂ دلدار دیکھنا

۹۴۰
اس خوش نگہ کے عشق سے پرہیز کیجو میر
جاتا ہے لے کے جی ہی یہ آزار دیکھنا

## ۱۲۲

غلط ہے عشق میں اے بوالہوس اندیشہ راحت کا — رواج اس ملک میں ہے درد و داغ و رنج و کلفت کا
زمیں اک صفحۂ تصویر بے ہوشاں سے مانا ہے — یہ مجلس جب سے ہے اچھا نہیں کچھ رنگ صحبت کا
جہاں جلوے سے اس محبوب کے یکسر لبالب ہے — نظر پیدا اگر اول پھر تماشا دیکھ قدرت کا
ہنوز آوارۂ لیلیٰ ہے جانِ رفتہ مجنوں کی — موئے پر بھی رہا ہوتا نہیں وابستہ الفت کا
۹۴۵ حریفِ بے جگر ہے صبر ورنہ کل کی صحبت میں — نیاز و ناز کا جھگڑا گِرو تھا ایک جرأت کا
نگاہِ یاس بھی اس صید افگن پر غنیمت ہے — نہایت تنگ ہے اے صیدِ بسمل وقت فرصت کا
خرابی دل کی اس حد ہے کہ یہ سمجھا نہیں جاتا — کہ آبادی بھی یاں تھی یا کہ ویرانہ تھا مدت کا
نگاہِ مست نے اس کی لٹائی خانقہ ساری — پڑا ہے برہم اب تک کارخانہ زہد و طاعت کا

قدم ٹک دیکھ کر رکھ میر سر دل سے نکالے گا
پلک سے شوخ تر کانٹا ہے صحرائے محبت کا

## ۱۲۳

۹۵۰ جو اس شور سے میر روتا رہے گا — تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا
میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں — جسے ابر ہر سال روتا رہے گا
مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح — تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہے گا
بس اے گریہ آنکھیں تری کیا نہیں ہیں — کہاں تک جہاں کو ڈبوتا رہے گا
مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے — جرس کے بھی جو ہوش کھوتا رہے گا
۹۵۵ تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے — ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

بس اے میر مژگاں سے پونچھ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پروتا رہے گا

۱۲۴

نئی طرزوں سے مے خانے میں رنگ مے جھلکتا تھا — گلابی روتی تھی واں جام ہنس ہنس کر چھلکتا تھا
ترے اس خاک اڑانے کی دھمک سے اے مری وحشت — کلیجا ریگ صحرا کا بھی دس دس گز تھلکتا تھا

گئی تسبیح اس کی نزع میں کب میر کے دل سے
اسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا

۱۲۵

تجھ سے ہر آن مرے پاس کا آنا ہی گیا — کیا گلہ کیجے غرض اب وہ زمانا ہی گیا ۹۶۰
چشم بن اشک ہوئی یا نہ ہوئی یکساں ہے — خاک میں جب وہ ملا موتی کا دانا ہی گیا
بر مجنوں میں خرد مند کوئی جا نہ سکا — عاقبت سر کو قدم کر یہ دوانا ہی گیا
ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم — عمر گذری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تیرا نہ بہانا ہی گیا

۱۲۶

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا — اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں آگے درد تھا ۹۶۵
اک گرد راہ تھا پئے محمل تمام راہ — کس کا غبار تھا کہ یہ دنبالہ گرد تھا
دل کی شکستگی نے ڈرائے رکھا ہمیں — واں چیں جبیں پر آئی کہ یاں رنگ زرد تھا
مانند حرف صفحۂ ہستی سے اٹھ گیا — دل بھی مرا جریدۂ عالم میں فرد تھا
تھا پشتہ ریگ بادیہ اک وقت کارواں — یہ گردباد کوئی بیاباں نورد تھا
گزری مدام اس کی جوانان مست میں — پیر مغاں بھی طرفہ کوئی پیر مرد تھا ۹۷۰

عاشق ہیں ہم تو میر کے بھی ضبط عشق کے
دل جل گیا تھا اور نفس لب پہ سرد تھا

۱۲۷

گئے قیدی ہو ہم آواز جب صیاد آ ٹوٹا — یہ ویراں آشیانے دیکھنے کو ایک میں چھوٹا

مرا رنگ اُڑ گیا جس وقت، سنگِ محتسب آ گے بغل سے گر پڑا مینا و ساغر چور ہو پھوٹا
مرا وعدہ ہی آ پہنچا ترے آنے کے وعدے تک ہوا میں ہوت سے سچا رہا اے شوخ تو جھوٹا
کفِ جاناں سے کیا امکاں رہائی میر کوئی ہو
٩٧٥ اچنبھا ہے جو اُس کے ہاتھ سے رنگِ حنا چھوٹا

## ١٢٨

بُرقع اُٹھا تھا رُخ سے مرے بدگمان کا دیکھا تو اور رنگ ہے سارے جہان کا
مت مانیو کہ ہوگا یہ بے درد اہلِ دیں گر آوے شیخ پہن کے جامہ قران کا
خوبی کو اُس کے چہرے کی کیا پہنچے آفتاب ہے اِس میں اُس میں فرق زمین آسمان کا
ابلہ ہے وہ جو ہووے خریدارِ گُل رُخاں اس سودے میں صریح ہے نقصان جان کا
٩٨٠ کچھ اور گانے ہیں جو رقیب اُس کے رو بہ رو دشمن ہیں میری جان کے یہ جی ہے تان کا
تسکین اُس کی تب ہوئی جب چُپ مجھے لگی مت پوچھ کچھ سلوک مرے بدزبان کا
یاں بلبل اور گل پہ تو عبرت سے آنکھ کھول قطعہ گلگشت سرسری نہیں اس گلستان کا
گل یادگارِ چہرۂ خوباں ہے بے خبر مُرغِ چمن نشاں ہے کسو خوش زبان کا
تو برسوں میں کہے ہے ملوں گا میں میر سے
یاں کچھ کا کچھ ہے حال ابھی اُس جوان کا

## ١٢٩

٩٨٥ مغاں مجھ مست بن پھر خندۂ ساغر نہ ہووے گا مے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا
کیا ہے خوں مرا پامال یہ سُرخی نہ چھوٹے گی اگر قاتل تو اپنے پا تو سو پانی سے دھووے گا
کوئی رہتا ہے جیتے جی ترے کوچے کے آنے سے
تبھی آسودہ ہوگا میر صاحب جی کو کھووے گا

مجھے زنہار خوش آتا نہیں کعبے کا ہمسایا ١٣٠ صنم خانہ ہی یاں اے شیخ تو نے کیوں نہ بنوایا
نہ ہے اے عشق کی نیرنگ سازی غیر کو اُن نے جلایا بات کہتے واں ہمیں مرنے کو فرمایا
بھری ہے آگ تیرے دیدۂ دل میں میر ایسی تو
٩٩٠ کہ کہتے رو بہ رو اس شوخ کے قاصد کا منھ آیا

نقش بیٹھے ہے کہاں خواہشِ آزادی کا — ننگ ہے نام رہائی، تری صیادی کا

داد دے ورنہ ابھی جان پہ کھیلوں ہوں میں — دل جلانا نہیں دیکھا کبھی فریادی کا

شہر کی سی رہی رونق اسی کے جیتے جی — مر گیا قیس جو تھا خانہ خداوادی کا

شیخ کیا صورتیں رہتی تھیں بھلا جب تھا دیر — رو بہ ویرانی ہوا اس کعبے کی آبادی کا

ریختہ رتبے کو پہنچایا ہوا اس کا ہے
معتقد کون نہیں میر کی استادی کا

۹۹۵

۱۳۲

کام پل میں مرا تمام کیا — غرض اس شوخ نے بھی کام کیا

سرو و شمشاد خاک میں مل گئے — تو نے گلشن میں کیوں خرام کیا

سعیِ طوفِ حرم نہ کی ہرگز — قطعہ — آستاں پر ترے مقام کیا

تیرے کوچے کے رہنے والوں نے — یہیں سے کعبے کو سلام کیا

اس کے عیارپن نے میرے تئیں — خادم و بندہ و غلام کیا

۱۰۰۰

حالِ بد میں مرے بتنگ آکر — آپ کو سب میں نیک نام کیا

ہو گیا دل مرا تبرک جب — قطعہ — درد نے قطعۂ پیام کیا

"دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے — کام عشاق کا تمام کیا

کوئی عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتلِ عام کیا"

عشق خوباں کو میر میں اپنا
قبلہ و کعبہ و امام کیا

۱۰۰۵

۱۳۳

رات پیاسا تھا میرے لوہو کا — ہوں دوانہ ترے سگِ کو کا

شعلۂ آہ جوں توں اب مجھ کو — فکر ہے اپنے ہر بنِ مو کا

ہے مرے یار کی مسوں کا رشک — کشتہ ہوں سبزۂ لبِ جو کا

بوسہ دینا تجھے نہ کر موقوف — ہے وظیفہ یہی دعاگو کا

۱۔ حضرت الیمن علی تمام۔

۱۰۱۰ شورِ قلقل کے ہوتی تھی مانع
ریش قاضی پہ رات میں تھوکا

عطر آگیں ہے بادِ صبح، مگر
کھل گیا پیچ زلفِ خوشبو کا

ایک دو ہوں تو سحرِ چشم کہوں
کارخانہ ہے واں تو جادو کا

میرؔ ہر چند میں نے چاہا لیک قطعہ
نہ چھپا عشقِ طفلِ بد خو کا

نام اُس کا لیا اِدھر اودھر
اُڑ گیا رنگ ہی مرے رو کا

## ۱۳۴

۱۰۱۵ آیا تھا خانقہ میں وہ نورِ دیدگاں کا
تہ کر گیا مصلّے عزلت گزیدگاں کا

آخر کو خاک ہونا درپیش ہے سبھوں کو
ٹک دیکھ منھ کدھر ہے قامت خمیدگاں کا

جو خار دشت میں ہے سو چشم آبلہ سے
دیکھا ہوا ہے تیرے محنت کشیدگاں کا

اب زیرِ خاک رہنا مشکل ہے کشتگاں کو
آرام کھو چلا تو ان آرمیدگاں کا

تیرِ بلا کا ہر دم اب میرؔ ہے نشانہ
پتھر جگر ہے اُس کے آفت رسیدگاں کا

## ۱۳۵

۱۰۲۰ صحرا میں سیلِ اشک مرا جا بجا پھرا
مجنوں بھی اُس کی موج میں مدت بہا پھرا

طالع جو خوب تھے نہ ہوا جاہ کچھ نصیب
سر پر مرے کروڑ برس تک ہما پھرا

آنکھیں برنگِ نقشِ قدم ہو گئیں سفید
نامے کے انتظار میں، قاصد بھلا پھرا

ٹک بھی نہ مڑ کے میری طرف تو نے کی نگاہ
اِک عمر تیرے پیچھے میں ظالم لگا پھرا

دَیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکے گا میرؔ
اِیدھر تو اُس سے بت پھرے اُودھر خدا پھرا

## ۱۳۶

۱۰۲۵ کس شام سے اٹھا تھا مرے دل میں درد سا
سو ہو چلا ہوں پیشتر از صبح سرد سا

بیٹھا ہوں جوں غبار ضعیف اب وگرنہ میں
پھرتا رہا ہوں گلیوں میں آوارہ گرد سا

قصدِ طریقِ عشق کیا سب نے بعدِ قیس
لیکن ہوا نہ ایک بھی اُس رہ نورد سا

حاضر یراق بے مزگی کس گھڑی نہیں     معشوق کچھ ہمارا ہے عاشق نبرد سا

کیا میر ہے یہی جو ترے در پہ تھا کھڑا
نمناک چشم و خشک لب و رنگ زرد سا

### ۱۳۷

ترے عشق میں آگے سودا ہوا تھا     پر اتنا بھی ظالم نہ رسوا ہوا تھا   ۱۰۳۰
خزاں التفات اس پہ کرتی عجب تھی     یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا
کہاں تھا تو اس طور آنے سے میرے     گلی میں تری کل تماشا ہوا تھا
گریباں سے تب ہاتھ اٹھایا تھا میں نے     مری اور دامانِ صحرا ہوا تھا

زہے طالع اے میر اُن نے یہ پوچھا
کہاں تھا تو اب تک تجھے کیا ہوا تھا

### ۱۳۸

آہ کے تئیں دلِ حیران و خفا کو سونپا     میں نے یہ غنچۂ تصویر صبا کو سونپا   ۱۰۳۵
تیرے کوچے میں مری خاک بھی پامال ہوئی     تھا وہ بے درد مجھے جن نے وفا کو سونپا

اب تو جاتا ہی ہے کعبے کو تو بت خانے سے
جلد پھر پہنچیو اے میر! خدا کو سونپا

### ۱۳۹

گلہ نہیں ہے ہمیں اپنی جاں گدازی کا     جگر پہ زخم ہے اُس کی زباں درازی کا
سمندِ ناز نے اُس کے جہاں کیا پامال     وہی ہے اب بھی اُسے شوق تُرک تازی کا
ستم ہیں قہر ہیں لونڈے شراب خانے کے     اتار لیتے ہیں عمامہ ہر نمازی کا   ۱۰۴۰
اُلٹ پلٹ مری آہِ سحر کی کیا ہے کم     اگر خیال تمھیں ہووے نیزہ بازی کا
بتاؤ ہم سے کوئی آن تم سے کیا بگڑتی     نہیں ہے تم کو سلیقہ زمانہ سازی کا
خُدا کو کام تو سونپے ہیں میں نے سب لیکن     رہے ہے خوف مجھے واں کی بے نیازی کا
چلو ہو راہ موافق کہے مخالف کے     طریق چھوڑ دیا تم نے دل نوازی کا
کسو کی بات نے آگے مرے نہ پایا رنگ     دلوں میں نقش ہے میری سخن طرازی کا   ۱۰۴۵

بساں خاک ہو پامالِ راہِ خلق اے میرؔ
رکھے ہے دل میں اگر قصد سرفرازی کا

## ۱۴۰

کیا کہیے کہ خوباں نے اب ہم میں ہے کیا رکھا — اِن چشم سیاہوں نے بہتوں کو سُلا رکھا
جلوہ ہے اُسی کا سب گلشن میں زمانے کے — گُل پھول کو ہے اُن نے پردہ سا بنا رکھا
جُوں برگِ خزاں دیدہ سب زرد ہوئے ہم تو — گرمی نے ہمیں دل کی آخر کو جلا رکھا
۱۰۵۰ کہیے جو تمیز اُس کو کچھ اچھے بُرے کی ہو — دل جس کسو کا پایا چٹ اُن نے اُڑا رکھا
تھی مسلکِ اُلفت کی مشہور خطرناکی — میں دیدہ و دانستہ کس راہ میں پا رکھا
خورشید و قمر پیارے رہتے ہیں چُھپے کوئی — رُخساروں کو گو تُو نے برقع سے چُھپا رکھا
چشمک ہی نہیں تازی شیوے یہ اُسی کے ہیں — جھمکی سی دکھا دے کر عالم کو لگا رکھا
لگنے کے لیے دل کے چھڑکا تھا نمک میں نے — سو چھاتی کے زخموں نے کل دیر مزا رکھا
۱۰۵۵ کشتے کو اُس ابرو کے کیا میل ہو ہستی کی — ہیں طاق بلند اُوپر جینے کو اُٹھا رکھا

قطعی ہے دلیل اے میرؔ اُس تیغ کی بے آبی
رحم اُن نے مرے حق میں مطلق نہ روا رکھا

## ۱۴۱

کام میرا بھی ترے غم میں کہوں ہو جائے گا — جب یہ کہتا ہوں تو کہتا ہے کہ ہوں ہو جائے گا
خُوں کم کر اب کہ کشتوں کے تو پُشتے لگ گئے — قتل کرتے کرتے تیرے تئیں جنوں ہو جائے گا
اُس شکار انداز خونیں کا نہیں آیا مزاج — ورنہ آہوے حرم صیدِ زبوں ہو جائے گا
۱۰۶۰ بزمِ عشرت میں ملامت ہم نگوں بختوں کے تئیں — جُوں حبابِ بادہ ساغر سرنگوں ہو جائے گا

کیا کہوں میں میرؔ اُس عاشق ستم محبوب کو
طور پر اُس کے کسو دن کوئی خوں ہو جائے گا

## ۱۴۲

سینہ دشنوں سے چاک تا نہ ہُوا — دل جو عقدہ تھا سخت وا نہ ہُوا
سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں — دل سے اِک داغ ہی جُدا نہ ہُوا

ظلم و جور و جفا ستم بیداد — عشق میں تیرے ہم پہ کیا نہ ہوا
ہم تو ناکام ہی جہاں میں رہے — یاں کبھو اپنا مدعا نہ ہوا ۱۰۶۵

میر افسوس وہ کہ جو کوئی
اُس کے دروازے کا گدا نہ ہوا

۱۴۳

یار عجب طرح نگہ کر گیا — دیکھنا وہ دل میں جگہ کر گیا
تنگ قبائی کا سماں یار کی — پیرہنِ غنچہ کو تہ کر گیا
جاتا ہے اس بزم سے آیا تو کیا — کوئی گھڑی گو کہ تو رہ کر گیا

وصفِ خط و خال میں خوباں کے میر
نامۂ اعمال سیہ کر گیا ۱۰۷۰

۱۴۴

آہِ سحر نے سوزشِ دل کو مٹا دیا — اس باد نے ہمیں تو دیا سا بجھا دیا
سمجھی نہ بادِ صبح کہ آ کر اُٹھا دیا — اس فتنۂ زمانہ کو ناحق جگا دیا
پوشیدہ رازِ عشق چلا جائے تھا سو آج — بے طاقتی نے دل کی وہ پردہ اُٹھا دیا
اس موجِ خیز دہر میں ہم کو قضا نے آہ — پانی کے بلبلے کی طرح سے مٹا دیا
تھی لاگ اُس کی تیغ کو ہم سے سو عشق نے — دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا ۱۰۷۵
سب شورِ ما و من کو لیے سر میں مر گئے — یاروں کو اس فسانے نے آخر سُلا دیا
آوارگانِ عشق کا پوچھا جو میں نشاں — مُشتِ غبار لے کے صبا نے اُڑا دیا
اجزا بدن کے جتنے تھے پانی ہو بہ گئے — آخر گدازِ عشق نے ہم کو بہا دیا
کیا کچھ نہ تھا ازل میں نہ طالع جو تھے درست — ہم کو دلِ شکستہ قضا نے دلا دیا
گویا محاسبہ مجھے دینا تھا عشق کا — اس طور دل سی چیز کو میں نے لگا دیا ۱۰۸۰
مدت رہے گی یاد ترے چہرے کی جھلک — جلوے کو جس نے ماہ کے جی سے بھلا دیا
ہم نے تو سادگی سے کیا جی کا بھی زیاں — دل جو دیا تھا سو تو دیا سر جدا دیا
بوئے کبابِ سوختہ آئی دماغ میں — شاید جگر بھی آتشِ غم نے جلا دیا

تکلیف دردِ دل کی عبث ہمنشیں نے کی | دردِ سخن نے میرے سبھوں کو رلا دیا

اُن نے تو تیغ کھینچی تھی پر جی چلا کے میرؔ
ہم نے بھی ایک دَم میں تماشا دکھا دیا

## ب

### ۱۴۵

رکھتا ہے ہم سے وعدہ ملنے کا یار ہر شب | سو جاتے ہیں و لیکن بخت کنار ہر شب
مُدت ہوئی کہ اب تو ہم سے جدا رکھے ہے | اُس آفتاب رُو کو یہ روزگار ہر شب
دیکھیں ہیں راہ کس کی یارب کہ اختروں کی | رہتی ہیں باز آنکھیں چندیں ہزار ہر شب
دھو کے ترے کسو دن میں جان سے رہوں گا | کرتا ہے ماہ میرے گھر سے گذار ہر شب
دل کی کدُورت اپنی یک شب بیاں ہوئی تھی | رہتا ہے آسماں پر تب سے غبار ہر شب
کِس سے لگا ہے تازہ تیرِ نگاہ اُس کا | اِک آہ میرے دِل کے ہوتی ہے پار ہر شب
مجلس میں میں نے اپنا سوزِ جگر کہا تھا | رُوتی ہے شمع تب سے بے اختیار ہر شب

مایوس وصل اس کے کیا سادہ مردماں ہیں
گذرے ہے مَیرؔ اُن کو اُمیدوار ہر شب

### ۱۴۶

اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پُرآب روز و شب | ٹپکا کرے ہے آنکھوں سے خونناب روز و شب
اِک وقت رونے کا تھا ہمیں بھی خیال سا | آتی تھی آنکھوں سے چلی سَیلاب روز و شب
اُس کے لیے نہ پھرتے تھے ہم خاک چھانتے | رہتا تھا پاس وہ دُرِ نایاب روز و شب
قدرت تو دیکھ عشق کی مجھ سے ضعیف کو | رکھتا ہے شاد بے خور و بے خواب روز و شب
سجدہ اس آستاں کا نہیں یوں ہوا نصیب | رگڑا ہے سر میانۂ محراب روز و شب
اب رسم ربط اُٹھ ہی گئی ورنہ پیش ازیں | بیٹھے ہی رہتے تھے بہم احباب روز و شب

دل کس کے رُو و مُو سے لگایا ہے مَیرؔ نے
پاتے ہیں اُس جوان کو بیتاب روز و شب

رویا کیے ہیں غم سے ترے ہم تمام شب / پڑتی رہی ہے زور سے شبنم تمام شب

مرنے سے دل کے آج بچا ہوں تو اب جیا / چھاتی ہی میں رہا ہے مرا دم تمام شب

یہ اتصال اشک جگر سوز کا کہاں / روتی ہے یوں تو شمع بھی کم کم تمام شب

شکوہ عبث ہے میر کہ کڑھتے ہیں سارے دن / قطعہ / یا دل کا حال رہتا ہے درہم تمام شب

گذرا کسے جہاں میں خوشی سے تمام روز
کس کی کٹی زمانے میں بے غم تمام شب

۱۴۸

ہوتا نہ پاے سرو جو جوے چمن میں آب / تو کون قمریوں کے چواتا دہن میں آب

اس پر لہو کے پیاسے ہیں تیرے لبوں کے رشک / اک نام کو رہی ہے عقیق یمن میں آب

شب سوز دل کہا تھا میں مجلس میں شمع سے / روئی ہے یاں تلک کہ بھرا ہے لگن میں آب

دل لے گیا تھا زیر زمیں میں بھرا ہوا / آتا ہے ہر مسام سے میرے کفن میں آب

دریا میں قطرہ قطرہ ہے آب گہر کہیں
ہے میر موج زن ترے ہر یک سخن میں آب

۱۴۹

کس کی مسجد کیسے مے خانے کہاں کے شیخ و شاب / ایک گردش میں تری چشم سیہ کے سب خراب

تو کہاں اس کی کمر کیدھر نہ کریو اضطراب / اے رگ گل دیکھیو کھاتی ہے جو تو پیچ و تاب

موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے / کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہے حباب

تو ہو اور دنیا ہو ساقی میں ہوں مستی ہو مدام / پر بط صہبا نکالے اڑ چلے رنگ شراب

ہے ملاحت تیرے باعث شور پر تجھ سے نمک / ٹک تو رہ پیری چلی آتی ہے اے عہد شباب

کب تھی یہ بے جرأتی شایان آہوے حرم / ذبح ہوتا تیغ سے یا آگ میں ہوتا کباب

کیا ہو رنگ رفتہ کیا قاصد ہو جس کو خط دیا / جز جواب صاف اس سے کب کوئی لایا جواب

واے اس جینے پر اے مستی کہ دور چرخ میں / قطعہ / جام مے پر گردش آوے اور مے خانہ خراب

چوب حرفی بن الف بے میں نہیں پہچانتا / ہوں میں ابجد خواں شناسائی کو مجھ سے کیا حساب

۱۱۲۰ مت ڈھلک مژگاں سے اب تو اے سرشکِ آب دار قطعہ مُفت میں جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

کچھ نہیں بحرِ جہاں کی موج پر مت بھول میرؔ

دُور سے دریا نظر آتا ہے لیکن ہے سراب

۱۵۰

دیکھ خورشید تجھ کو اے محبوب عرقِ شرم میں گیا ہے ڈوب

آئی کنعاں سے بادِ مصر و لے نہ گئی تا بہ کلبۂ یعقوب

بن عصا شیخ یک قدم نہ رکھے راہ چلتا نہیں یہ خر بے چوب

۱۱۲۵ اس لیے عشق میں نے چھوڑا تھا تو بھی کہنے لگا بُرا کیا خوب

پی ہو مے تو لہو پیا ہوں میں محتسب آنکھوں پر ہے کچھ آشوب

میرؔ شاعر بھی زور کوئی تھا

دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب

## ت

۱۵۱

روزانہ ملوں یار سے یا شب ہو ملاقات کیا فکر کروں میں کہ کسو ڈھب ہو ملاقات

نے بخت کی یاری ہے نہ کچھ جذب ہے کامل وہ آپھی ملے تو ملے پھر جب ہو ملاقات

۱۱۳۰ دوری میں کروں نالۂ و فریاد کہاں تک یک بار تو اس شوخ سے یارب ہو ملاقات

جاتی ہے غشی بھی کبھو آتے ہیں بخود بھی کچھ لطف اٹھے یار سے اگر اب ہو ملاقات

وحشت ہے بہت میرؔ کو مل آئیے چل کر

کیا جانیے پھر یاں سے گئے کب ہو ملاقات

۱۵۲

سب ہوئے نادم پئے تدبیر ہو جاناں سمیت تیر تو نکلا مرے سینے سے لیکن جاں سمیت

تنگ ہو جاوے گا عرصہ خفتگانِ خاک پر گر ہمیں زیرِ زمیں سونپا دلِ نالاں سمیت

۱۱۳۵ باغ کر دکھلائیں گے دامانِ دشتِ حشر کو ہم بھی واں آئے اگر مژگانِ خوں افشاں سمیت

قیس و فرہاد اور وامق عاقبت جی سے گئے — سب کو مارا عشق نے مجھ خانماں ویراں سمیت

اُٹھ گیا پردہ نصیحت گر کے لگ پڑنے سے میر
پھاڑ ڈالا میں گریباں رات کو داماں سمیت

۱۵۳

پلکوں پہ تھے پارۂ جگر رات — ہم آنکھوں میں لے گئے بسر رات
اک دن تو وفا بھی کرتے وعدہ — گذری ہے امیدوار ہر رات
مکھڑے سے اٹھائیں ان نے زلفیں — جانا بھی نہ ہم گئی کدھر رات — ۱۱۴۰
تو پاس نہیں ہوا تو روتے — رہ رہ گئی ہے پہر پہر رات
کیا دن تھے کہ خون تھا جگر میں — رو اُٹھتے تھے بیٹھ دوپہر رات
واں تم تو بناتے ہی رہے زلف — عاشق کی بھی یاں گئی گذر رات
ساقی کے جو آنے کی خبر تھی — گذری ہمیں ساری بے خبر رات
کیا سوزِ جگر کہوں میں ہمدم — آیا جو سخن زباں پر رات — ۱۱۴۵
صحبت یہ رہی کہ شمع روئی — لے شام سے تا دمِ سحر رات
کھلتی ہے جب آنکھ شب کو تجھ بن — کٹتی نہیں آتی پھر نظر رات
دن وصل کا یوں کٹا کہے تو — کاٹے ہے جدائی کی مگر رات
کل تھی شبِ وصل اک ادا پر — ق — اس کی گئے ہوتے ہم تو مر رات
جاگے تھے ہمارے بخت خفتہ — پہنچا تھا بہم وہ اپنے گھر رات — ۱۱۵۰
کرنے لگا پشت چشم نازک — سوتے سے اٹھا جو چونک کر رات
تھی صبح جو منہ کو کھول دیتا — ہر چند کہ تب تھی اک پہر رات

پر زلفوں میں منہ چھپا کے پوچھا
اب ہووے گی میر کس قدر رات

۱۵۴

چھٹتا ہی نہیں ہو جسے آزارِ محبت — مایوس ہوں میں بھی کہ ہوں بیمارِ محبت
امکاں نہیں جیتے جی ہو اس قید سے آزاد — مر جائے تبھی چھوٹے گرفتارِ محبت — ۱۱۵۵

تقصیر نہ خوباں کی نہ جلاد کا کچھ جرم / تھا دشمنِ جانی مرا اقرارِ محبت

ہر جنس کے خواہاں ملے بازارِ جہاں میں / لیکن نہ ملا کوئی خریدارِ محبت

اس راز کو رکھ جی ہی میں رہتا جی بچے تیرا / زنہار جو کرتا ہو تو اظہارِ محبت

ہر نقشِ قدم پر ترے سر بیچے ہیں عاشق / ٹک سیر تو کر آج تو بازارِ محبت

۱۱۶۰ کچھ مست ہیں ہم دیدۂ پُر خونِ جگر سے / آیا ہی ہے ساغر سر شارِ محبت

بیکار نہ رہ عشق میں تو رونے سے ہرگز / یہ گریہ ہی ہے آبِ رخِ کارِ محبت

مجھ سا ہی ہو مجنوں بھی یہ کب مانے ہے عاقل / ہر سر نہیں اے میرؔ سزاوارِ محبت

۱۵۵

جی میں ہے یادِ رخ و زلفِ سیہ فام بہت / رونا آتا ہے مجھے ہر سحر و شام بہت

دستِ صیاد تلک بھی نہ میں پہنچا جیتا / بے قراری نے لیا مجھ کو تہِ دام بہت

۱۱۶۵ ایک دو چشمک ادھر گردشِ ساغر کہ مدام / سر چڑھی رہتی ہے یہ گردشِ ایام بہت

دل خراشی و جگر چاکی و خوں افشانی / ہوں تو ناکام پہ رہتے ہیں مجھے کام بہت

پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ / غالباً زیرِ زمیں میرؔ ہے آرام بہت

۱۵۶

کیا کہیں اپنی اس کی شب کی بات / کہیے ہووے جو کچھ بھی ڈھب کی بات

اب تو چپ لگ گئی ہے حیرت سے / پھر کھلے گی زبان جب کی بات

۱۱۷۰ نکتہ دانانِ رفتہ کی نہ کہو / بات وہ ہے جو ہووے اب کی بات

کس کا روئے سخن نہیں ہے ادھر / ہے نظر میں ہماری سب کی بات

ظلم ہے قہر ہے قیامت ہے / غصے میں اس کے زیرِ لب کی بات

کہتے ہیں آگے تھا بتوں میں رحم / ہے خدا جانیے یہ کب کی بات

گو کہ آتشِ زباں تھے آگے میرؔ / اب کی کہیے گئی وہ تب کی بات

۱۵۷

ہر صبح دم کروں ہوں الحاح ما انابت — تو بھی مری دعا سے ملتی نہیں اجابت ۱۱۷۵

مت لے حساب طاقت اے ضعف مجھ سے ظالم — لائق نہیں ہے تیرے یہ کون سی ہے بابت

کیا کیا لکھا ہے میں نے وہ میر کیا کہے گا
گم ہووے نامہ بر سے یارب مری کتابت

## ٹ

۱۵۸

نہ پایا دل ہوا روز سیہ سے جس کا جا الٹ پٹ — کسو کی زلف ڈھونڈی مو بہ مو کاکل کو سب لٹ لٹ

تو کن نیندوں پڑا سوتا تھا دروازے کو مونڈے شب — میں چوکھٹ پر تری کرتا رہا سر کو پٹک کھٹ کھٹ

چٹیں لگتی ہیں دل پر بلبلوں کے باغباں تو جو — چمن میں توڑتا ہے ہر سحر کلیوں کے تئیں چٹ چٹ ۱۱۸۰

ترے ہجراں کی بیماری میں میر ناتواں کو شب
ہوا ہے خواب سونا آہ اس کروٹ سے اس کروٹ

## ج

۱۵۹

آئے ہیں میر منھ کو بنائے خفا سے آج — شاید بگڑ گئی ہے کچھ اس بے وفا سے آج

وا شد ہوئی نہ دل کو فقیروں کے بھی ملے — کھلتی نہیں گرہ یہ کسو کی دعا سے آج

جینے میں اختیار نہیں ورنہ ہمنشیں — ہم چاہتے ہیں موت تو اپنی خدا سے آج

ساقی ٹک ایک موسم گل کی طرف بھی دیکھ — ٹپکا پڑے ہے رنگ چمن میں ہوا سے آج ۱۱۸۵

تھا جی میں اس سے ملیے تو کیا کیا نہ کہیے میر
پر کچھ کہا گیا نہ غم دل حیا سے آج

## چ

کاش اٹھیں ہم بھی گنہگاروں کے بیچ — ۱۶۰ — ہوں جو رحمت کے سزاواروں کے بیچ

جی سدا ان ابروؤں ہی میں رہا | کی بسر ہم عمر تلواروں کے بیچ
چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر | منھ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ
۱۱۹۰ ہیں عناصر کی یہ صورت بازیاں | شعبدے کیا کیا ہیں ان چاروں کے بیچ
جب سے لے نکلا ہے تو یہ جنسِ حسن | پڑ گئی ہے دھوم بازاروں کے بیچ
عاشقی و بےکسی و رفتگی | جی رہا کب ایسے آزاروں کے بیچ
جو سرشک اس ماہ بن جھمکے ہے شب | وہ چمک کاہے کو ہے تاروں کے بیچ
اُس کے آتش ناک رخساروں بغیر | لوٹیے یوں کب تک انگاروں کے بیچ
۱۱۹۵ بیٹھنا غیروں میں کب ہے ننگِ یار | پھول گل ہوتے ہی ہیں خاروں کے بیچ

یارو مت اُس کا فریبِ مہر کھاؤ
میر بھی تھے اُس کے ہی یاروں کے بیچ

۱۶۱

فائدہ مصر میں یوسف رہے زنداں کے بیچ | بھیج دے کیوں نہ زلیخا اُسے کنعاں کے بیچ
تو نہ تھا مردنِ دشوار میں عاشق کے آہ | حسرتیں کتنی گرہ تھیں رمق اک جان کے بیچ
چشمِ بد دور کہ کچھ رنگ ہے اب گریہ پر | خون جھمکے ہے پڑا دیدۂ گریاں کے بیچ
۱۲۰۰ حال گلزارِ زمانہ کا ہے جیسے کہ شفق | رنگ کچھ اور ہی ہو جاتے ہے اک آن کے بیچ
تاک کی چھاؤں میں جوں مست پڑے سوتے ہوں | اینڈتی ہیں نگہیں سایۂ مژگاں کے بیچ
جی لیا بوسۂ رخسارِ مخطط دے کر | عاقبت اُن نے ہمیں زہر دیا پان کے بیچ
دعویٔ خوش دہنی اُس سے اسی منھ پر گل | سر تو ٹک ڈال کے دیکھ اپنے گریبان کے بیچ

کان رکھ رکھ کے بہت دردِ دلِ میر کو تم
سنتے تو ہو پہ کہیں درد نہ ہو کان کے بیچ

۱۶۲

۱۲۰۵ کر نہ تاخیر تو اک شب کی ملاقات کے بیچ | دن نہ پھر جائیں گے مشتاق کے اک رات کے بیچ
حرف زن مت ہو کسو سے تو کہ اے آفتِ شہر | جاتے رہتے ہیں ہزاروں کے سر اک بات کے بیچ
میری طاعت کو قبول آہ کہاں تک ہوگا | سبحہ اک ہاتھ میں ہے جام ہے اک ہات کے بیچ

سُرمگیں چشم پہ اُس شوخ کی زنہار نہ جا — ہے سیاہی مژہ میں وہ نگہ گھات کے بیچ
بیٹھیں ہم اُس سگِ کوچہ کے برابر کیوں کر — کرتے ہیں ایسی معیشت تو مساوات کے بیچ
تابِ طاقت کو تو رخصت ہوئے مدت گزری — ق — پندگو یوں ہی نہ کر اب خلل اوقات کے بیچ ۱۲۱۰
زندگی کس کے بھروسے پہ محبت میں کروں — ایک دل غم زدہ ہے سو بھی ہے آفات کے بیچ

بے مے و مغبچہ اک دم نہ رہا تھا کہ رہا
اب تلک میر کا تکیہ ہے خرابات کے بیچ

۱۶۳

ساتھ ہو اک بے کسی کے عالمِ ہستی کے بیچ — باز خواہ خوں ہے میرا گو اسی بستی کے بیچ
عرش پر ہے ہم نمد پوشانِ اُلفت کا دماغ — اوجِ دولت کا سا ہے یاں فقر کی پستی کے بیچ

ہم سیہ کاروں کا ہنسنا وہ ہے مے خانے کی اور
۱۲۱۵ آ گئے ہیں میر مسجد میں چلے مستی کے بیچ

# ح

۱۶۴

ہونے لگا گذار غمِ یار بے طرح — رہنے لگا ہے دل کو اب آزار بے طرح
اب کچھ طرح نہیں ہے کہ ہم غم زدے ہوں شاد — کہنے لگا ہے منھ سے ستم گار بے طرح
جاں بر تمھارے ہاتھ سے ہو گا نہ اب کوئی — رکھنے لگے ہو ہاتھ میں تلوار بے طرح
فتنہ اُٹھے گا ورنہ نکل گھر سے تو شتاب — بیٹھے ہیں آ کے طالبِ دیدار بے طرح

لوہو میں شور بور ہے داماں و جیبِ میر
۱۲۲۰ بپھرا ہے آج دیدۂ خوں بار بے طرح

۱۶۵

خاطر کرے ہے جمع وہ ہر بار ایک طرح — کرتا ہے چرخ مجھ سے نئے یار ایک طرح
میں اور قیس و کوہ کن اب جو زباں پہ ہیں — مارے گئے ہیں سب یہ گنہ گار ایک طرح
منظور اس کو پردے میں ہیں بے حجابیاں — کس سے ہوا دوچار وہ عیار ایک طرح

سب طرحیں اُس کی اپنی نظر میں تھیں کیا کہیں | پر ہم بھی ہو گئے ہیں گرفتار ایک طرح
۱۲۲۵ گھر اُس کے جا کے آتے ہیں پامال ہو کے ہم | کریے مکاں ہی اب سرِ بازار ایک طرح
گہ گل ہے گاہ رنگ گہے باغ کی ہے بو | قطعہ آتا نہیں نظر وہ طرح دار ایک طرح
نیرنگِ حسنِ دوست سے کر آنکھیں آشنا | ممکن نہیں وگرنہ ہو دیدار ایک طرح

ہر طرح تو ذلیل ہی رکھتا ہے میر کو
ہوتا ہے عاشقی میں کوئی خوار ایک طرح

## د

### ۱۶۶

کیا ہے یہ جو گل ہے آجاتی ہے آندھی کوئی زرد | یا بگولا جو کوئی سر کھینچے ہے صحرا نورد
۱۲۳۰ شوق میں یہ محملِ لیلیٰ کے ہو کر بے قرار | اک نہاد وادیِ مجنوں سے اُٹھ چلتی ہے گرد
وجہِ دم سردی نہیں میں جانتا رونے کے بعد | مینھ برسا ہے کہیں شاید ہوا آتی ہے سرد
مار رکھا بارے اُن پیرِ مغاں نے شیخ کو | مل گیا اُس پیرزن کو غیب سے اک پیرِ مرد

ایک شب پہلو کیا تھا گرم اُن نے تیرے ساتھ
رات کو رہتا ہے اکثر میر کے پہلو میں درد

### ۱۶۷

آوے گی میری قبر سے آواز میرے بعد | اُبھریں گے عشق دل سے ترے راز میرے بعد
۱۲۳۵ جینا مرا تو تجھ کو غنیمت ہے نا سمجھ | کھینچے گا کون پھر یہ ترے ناز میرے بعد
شمعِ مزار اور یہ سوزِ جگر مرا | ہر شب کریں گے زندگی ناساز میرے بعد
حسرت ہے اُس کے دیکھنے کی دل میں بے قیاس | اغلب کہ میری آنکھیں رہیں باز میرے بعد
کرتا ہوں میں جو نالے سرانجام باغ میں | منھ دیکھو پھر کریں گے ہم آواز میرے بعد
بن گُل موا ہی میں تو پہ تو جا کے لوٹیو | صحنِ چمن میں اے پرِ پرواز میرے بعد

بیٹھا ہوں میر مرنے کو اپنے میں مستعد
۱۲۴۰
پیدا نہ ہوں گے مجھ سے بھی جانباز میرے بعد

## ۱۶۸

نہ پڑھا خط کو یا پڑھا قاصد — آخرش کار کیا کہا قاصد
کوئی پہنچا نہ خط مرا اس تک — میرے طالع ہیں نارسا قاصد
سرنوشتِ لبوں سے زرد ہو خاک — راہ کھوٹی نہ کر تو جا قاصد
گر پڑا خط تو تجھ پہ حرف نہیں — یہ بھی میرا ہی تھا لکھا قاصد
یہ تو ڈھونا ہمیشہ ہے تجھ کو — پھر کبھو پھر کبھو بھلا قاصد ۱۲۴۵
اب غرض خامشی ہی بہتر ہے — کیا کہوں تجھ سے ماجرا قاصد
شب کتابت کے وقت روئے ہیں — جو لکھا تھا سو بہ گیا قاصد
کہنہ قصہ لکھا کروں تا کے — بھیجا کب تک کروں نیا قاصد
ہے طلسمات اُس کا کوچہ تو — جو گیا سو وہیں رہا قاصد
یاد پر ہے برات جس کا جواب — اُس کو گذرے ہیں سال ہا قاصد ۱۲۵۰

نامۂ میر کو اڑاتا ہے
کاغذِ باد کر گیا قاصد

## ۱۶۹

ہوں رہ گذر میں تیرے ہر نقشِ پا ہے شاہد — اُڑتی ہے خاک میری بادِ صبا ہے شاہد
طوفِ حرم میں بھی میں بھولا نہ تجھ کو اے بت — آتا ہے یاد تو ہی میرا خدا ہے شاہد
شرمندۂ اثر کچھ باطن مرا نہیں ہے — وقتِ سحر ہے شاہد دستِ دعا ہے شاہد
نالے میں اپنے پنہاں میں بھی ہوں ساتھ تیرے — شاہد ہے گردِ محمل، شورِ درا ہے شاہد ۱۲۵۵

اینا ہے میر پر جو .. تو کہوں ہی گا میں
بارے یہ کہہ کہ تیری خاطر میں کیا ہے شاہد

## ۱۷۰

اے گلِ نو دمیدہ کی مانند — ہے تو کس آفریدہ کی مانند
ہم امیدِ وفا پہ تیری ہوئے — غنچۂ دیر چیدہ کی مانند
خاک کو میری سیر کر کے پھرا — وہ غزالِ رمیدہ کی مانند

۱۲۶۰ سر اٹھاتے ہی ہو گئے پامال — سبزۂ نو دمیدہ کے مانند
نہ کٹے رات ہجر کی جو نہ ہو — نالہ تیغ کشیدہ کے مانند
ہم گرفتارِ حال ہیں اپنے — طائرِ پر بریدہ کے مانند
دل تڑپتا ہے اشکِ خونیں میں — صید در خوں طپیدہ کے مانند
تجھ سے یوسف کو کیونکہ نسبت دیں — کب شنیدہ ہو دیدہ کے مانند

میر صاحب بھی اُس کے ہاں تھے لیک
۱۲۶۵ بندۂ زر خریدہ کے مانند

۱۷۱

قفس تو یاں سے گئے پر مدام ہے صیاد — چمن کی صبح کوئی دم کو شام ہے صیاد
بہت ہیں ہاتھ ہی تیرے نہ کر قفس کی فکر — مرا تو کام انھیں میں تمام ہے صیاد
چمن میں میں نہیں ایسا پھنسا کہ یوں چھوٹوں — مجھے تو ہر رگِ گل تارِ دام ہے صیاد
یہی گلوں کو تنک دیکھوں اتنی مہلت ہو — چمن میں اور تو کیا مجھ کو کام ہے صیاد

ابھی کہ وحشی ہے اس کش مکش کے بیچ ہے میر
۱۲۷۰ خدا ہی اُس کا ہے جو تیرا رام ہے صیاد

۱۷۲

میرے سنگِ مزار پر فرہاد — رکھ کے تیشہ کہے ہے یا اُستاد!
ہم سے بن مرگ کیا جدا ہو ملال — جان کے ساتھ ہے دلِ ناشاد
مونْد آنکھیں سفر عدم کا کر — بس ہے دیکھا نہ عالمِ ایجاد
فکرِ تعمیر میں نہ رہ مُنعم — زندگانی کی کچھ بھی ہے بُنیاد
۱۲۷۵ خاک بھی سر پہ ڈالنے کو نہیں — کس خرابے میں ہم ہوئے آباد
سُنتے ہو ٹک سنو کہ پھر مجھ بعد — نہ سُنو گے یہ نالہ و فریاد
لگتی ہے کچھ سموم سی تو نسیم — خاک کس دل جلے کی کی برباد
بھولا جا ہے غمِ بتاں میں جی — غرض آتا ہے پھر خدا ہی یاد
تیرے قیدِ قفس کا کیا شکوہ — نالے اپنے سے اپنے سے فریاد

ہر طرف ہیں اسیر ہم آواز | باغ ہے گھر ترا تو اے صیاد ۱۲۸۰

ہم کو مرنا یہ ہے کہ کب ہوں کہیں | اپنی قیدِ حیات سے آزاد

ایسا وہ شوخ ہے کہ اُٹھتے صبح | جانا سو جائے اُس کی ہے معتاد

نہیں صورت پذیر نقش اُس کا | یُوں ہی تصدیع کھینچے ہے بہزاد

خوب ہے خاک سے بزرگوں کی | قطعہ | چاہنا تو مرے تئیں امداد

پر مروّت کہاں کی ہے اے میر | تو ہی مجھ دل جلے کو کر ارشاد ۱۲۸۵

نامرادی ہو جس پہ پروانہ
وہ جلاتا پھرے چراغ مُراد

## ر

### ۱۷۳

اُدھر تلک ہی چرخ کے مشکل ہے ٹک گذر | اے آہ پھر اثر تو ہے برچھی کی چوٹ پر

دھڑکا تھا دل طپیدنِ شب سے سو آج صُبح | دیکھا وہی کہ آنسوؤں میں چو پڑا جگر

ہم تو اسیرِ کنجِ قفس ہو کے مر چلے | اے اشتیاقِ سیرِ چمن تیری کیا خبر

مت عَیب کر جو ڈھونڈوں ہوں اس کو کہ مدعی | یہ جی بھی یُوں ہی جائے گا رہتا ہے تو کدھر ۱۲۹۰

آتی ہی بوجھیو تو بلا اپنے سر صبا | وے مُشک فام زُلفیں پریشان ہوئیں اگر

جاتی نہیں ہے دل سے تری یادِ زُلف و رُو | رُوتے ہی مجھ کو گذرے ہے کیا شام کیا سحر

کیا جانوں کس کے تئیں لبِ خنداں کہے ہے خلق | میں نے جو آنکھیں کھول کے دیکھیں سو چشم تر

اے سیل ٹک سنبھل کے قدم بادیے میں رکھ | ہر سمت کو ہے تشنہ لبی کا مری خطر

کرتا ہے کون منع کہ سج اپنی تو نہ دیکھ
لیکن کبھی تو میر کے کر حال پر نظر ۱۲۹۵

### ۱۷۴

غیروں سے وے اشارے ہم سے چھپا چھپا کر | پھر دیکھنا اِدھر کو آنکھیں ملا ملا کر

ہر گام سدِّ رہ تھی بُت خانے کی محبت | کعبے تلک تو پہنچے لیکن خُدا خُدا کر

نخچیر گہ میں تجھ سے جو نیم کُشتہ چھوٹا | حسرت نے اس کو آخر مارا لٹا لٹا کر

اک لطف کی نگہ بھی ہم نے نہ چاہی اس سے
رکھا ہمیں تو اُن نے آنکھیں دکھا دکھا کر

۱۳۰۰ ناصح مرے جنوں سے آگہ نہ تھا کہ ناحق
گو دڑ کیا گریباں سارا سلا سلا کر

اِک رنگ پان ہی اُس کا دل خوں کرے جہاں ہے
پھبتا ہے اُس کو کرنا باتیں چبا چبا کر

جوں شمع صبح گاہی یک بار بجھ گئے ہم
اُس شعلہ خو نے ہم کو مارا جلا جلا کر

اس حرفِ ناشنو سے صحبت بگڑ ہی جا ہے
ہر چند لاتے ہیں ہم باتیں بنا بنا کر

میں منع میرؔ تجھ کو کرتا نہ تھا ہمیشہ
کھوئی نہ جان تو نے دل کو لگا لگا کر

## ۱۷۵

۱۳۰۵ نہ ہو ہرزہ درا اِتنا، خموشی اے جرس بہتر
نہیں اس قافلے میں اہلِ دل ضبطِ نفس بہتر

نہ ہونا ہی بھلا تھا سامنے اُس چشمِ گریاں کے
نظر اے ابرِ تر آ بھی نہ آوے گا برس بہتر

سدا ہو خار خار باغباں گل کا جہاں مانع
سمجھ اے عندلیب اُس باغ سے کنجِ قفس بہتر

بُرا ہے امتحاں لیکن نہ سمجھے تو تو کیا کریے
شہادت گاہ میں لے چل سب اپنے بوالہوس بہتر

سیہ کردوں گا گلشن دودِ دل سے باغباں میں بھی
جلا آتش میں میرے آشیاں کے خار و خس بہتر

۱۳۱۰ کیا داغوں نے رشکِ باغ اے صد آفریں الفت
یہ سینہ ہم کو بھی ایسا ہی تھا درکار بس بہتر

قدم تیرے چھوئے تھے جن نے وہ اب ہاتھ ہی سر ہے
مرے حق میں نہ ہونا ہی تھا یاں تک دسترس بہتر

عبث پوچھے ہے مجھ سے میرؔ میں صحرا کو جاتا ہوں
خرابی ہی یہ دل رکھا ہے جو تو نے تو بس بہتر

## ۱۷۶

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
اے انتظار تجھ کو کسی کا ہو انتظار

ساقی تو ایک بار تو توبہ مری تڑا
توبہ کروں جو پھر تو ہے توبہ ہزار بار

۱۳۱۵ کیا زمزمہ کروں ہوں خوشی تجھ سے ہم صفیر
آیا جو میں چمن میں تو جاتی رہی بہار

کس ڈھب سے راہِ عشق چلوں ہے یہ ڈر مجھے
پھوٹیں کہیں نہ آبلے ٹوٹیں کہیں نہ خار

کوچے کی اُس کے راہ بتلائی بعدِ مرگ
دل میں صبا رکھے تھی مری خاک سے غبار

اے پائے خم کی گردش ساغر ہو دست گیر
مرہون دردِ سر ہو کہاں تک مرا خمار

وسعت جہاں کی چھوڑ جو آرام چاہے میر
آسودگی رکھے ہے بہت گوشۂ مزار

## ۱۷۷

یہ عشق بے اجل کش ہے بس اے دل اب توکل کر — اگرچہ جان جاتی ہے چلی لیکن تغافل کر ۱۳۲۰
سفر ہستی کا مت کر سرسری جوں باد اے رہرو — یہ سب خاک آدمی تھے ہر قدم پر ٹک تأمل کر
سن اے بے درد گل چیں غارت گلشن مبارک ہے — پہ ٹک گوش مروت جانب فریاد بلبل کر
نہ وعدہ تیرے آنے کا نہ کچھ امید طالع سے — دل بیتاب کو کس منہ سے کہیے ٹک تحمل کر
یہ کیا جانوں کہ کیوں رونے لگا رونے سے رہ کر میں — مگر یہ جانتا ہوں سینہ گھر آتا ہے پھر کھل کر
مرے پاس اس کی خاک پا کو بیماری میں رکھا تھا — نہ آیا سر مرا بالیں پہ اودھر جو گیا ڈھل کر ۱۳۲۵
تجلی جلوہ ہیں کچھ بام و در غم خانے کے میرے — وہ رشک ماہ آیا ہم نشیں بس اب دیا گل کر
تری خاموشی سے قمری ہوا شور جنوں رسوا — ہلا ٹک طوق گردن کو بھی ظالم باغ میں غل کر

گداز عاشقی کا میر کے شب ذکر آیا تھا
جو دیکھا شمع مجلس کو تو پانی ہو گئی گھل کر

## ۱۷۸

کر رحم ٹک کب تک ستم مجھ پر جفا کار اس قدر — یک سینہ خنجر سیکڑوں یک جان و آزار اس قدر
بھاگے مری صورت سے وہ عاشق ہیں اُس کی شکل پر — میں اُس کا خواہاں یاں تلک وہ مجھ سے بیزار اس قدر ۱۳۳۰
منزل پہنچنا یک طرف نے صبر ہے نے ہے سکوں — یکسر قدم میں آبلے پھر راہ پُرخار اس قدر
ہے جائے ہر منزل میں تری آ در گذر کر بے وفا — کر رحم ٹک اپنے اُپر مت ہو دل آزار اس قدر
جز کشمکش ہووے تو کیا عالم سے ہم کو فائدہ — یہ بے فضا ہے اک قفس ہم ہیں گرفتار اس قدر
غیر اور بغل گیری تری عید اور ہم سے بھاگنا — قطعہ ہم یار ہوں یوں غم زدے خوش ہوویں اغیار اس قدر

طاقت نہیں ہے بات کی کہتا تھا نعرہ ماریے
۱۳۳۵ کیا جانتا تھا میر ہو جاوے گا بیمار اس قدر

## ۱۷۹

قیامت تھا سماں اُس خشمگیں پر — کہ تلواریں چلیں ابرو کی چیں پر

نہ دیکھا آخر اس آئینہ رُو کو　　نظر سے بھی نگاہِ واپسیں پر
گئے دن عجز و نالہ کے کہ اب ہے　　دماغِ نالہ چرخِ ہفتمیں پر
ہوا ہے ہاتھ گُلدستہ ہمارا　　کہ داغِ خوں بہت ہے آستیں پر
۱۳۴۰　خُدا جانے کہ کیا خواہش ہے جی کو　　قطعہ　نظر اپنی نہیں ہے مہرِ وکیں پر
پرافشانی قفس ہی کی بہت ہے　　کہ پروازِ چمن قابل نہیں پر
جگر میں اپنے باقی رُو سکے رُوتے　　قطعہ　اگرچہ کچھ نہیں اے ہم نشیں، پر
کبھو جو آنکھ سے چلتے ہیں آنسو　　تو بھر جاتا ہے پانی سب زمیں پر

قدم دشتِ محبت میں نہ رکھ میرؔ
کہ سر جاتا ہے گام اوّلیں پر

۱۸۰

۱۳۴۵　دل، دماغ و جگر یہ سب اک بار　　کام آئے فراق میں اے یار
کیوں نہ ہو ضعف غالب اعضا پر　　مر گئے ہیں قشون کے سردار
گُل پژمردہ کا نہیں ممنون　　ہم اسیرِ دل کا گوشۂ دستار
مت نکل گھر سے ہم بھی راضی ہیں　　دیکھ لیں گے کبھو سرِ بازار
سیکڑوں حرف ہیں گرہ دل میں　　پر کہاں پائیے لبِ اظہار
۱۳۵۰　سیر کر دشتِ عشق کا گلشن　　غنچے ہو ہو رہے ہیں سو سو خار
روزِ محشر ہے رات ہجراں کی　　ایسی ہم زندگی سے ہیں بیزار
بحثِ نالہ بھی کیجیو بُلبل　　پہلے پیدا تو کر لبِ گفتار
چاکِ دل پر ہیں چشمِ صد خوباں　　کیا کروں یک انار و صد بیمار
شکر کر داغِ دل کا اے غافل　　کس کو دیتے ہیں دیدۂ بیدار
۱۳۵۵　گو غزل ہو گئی قصیدہ سی　　عاشقوں کا ہے طُولِ حرف شعار
ہر سحر لگ چلی تو ہے تو نسیم　　اے سیہ مستِ ناز ٹک ہشیار
شانہ سانے ہزار نکلیں گے　　جو گیا اُس کی زُلف کا اک تار
واجب القتل اس قدر تو ہوں　　قطعہ　کہ مجھے دیکھ کر کہے ہے پکار

یہ تو آیا نہ سامنے میرے | لاؤ میری میاں سپر تلوار

آ زیارت کو قبرِ عاشق پر | قطعہ اِک طرح کا ہے یاں بھی جوشِ بہار ۱۳۶۰

نکلے ہے میری خاک سے نرگس | یعنی اب تک ہے حسرتِ دیدار

میر صاحب زمانہ نازک ہے | قطعہ دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار

سہل سی زندگی پہ کام کے تئیں | اپنے اوپر نہ کیجیے دشوار

چار دن کا ہے مجہلہ یہ سب | سب سے رکھیے سلوک ہی ناچار

کوئی ایسا گناہ اور نہیں | یہ کہ کیجے ستم کسی پر بار ۱۳۶۵

واں جہاں خاک کے برابر ہے | قطعہ قدرِ ہفت آسمانِ ظلم شعار

یہی درخواست پاسِ دل کی ہے | نہیں روزہ نماز کچھ درکار

درِ مسجد پہ حلقہ زن ہو تم | کہ رہو بیٹھ خانۂ خمار

جی میں آوے سو کیجیو پیارے | لیک ہوجیو نہ درپئے آزار

حاصلِ دو جہان ہے یک حرف

ہو مری جان آگے تم مختار ۱۳۷۰

۱۸۱

لبوں پر ہے ہر لحظہ آہِ شرر بار | جلا ہی پڑتا ہے ہمارا تو گھر بار

ہوئیں کس ستم دیدہ کے پاس یک جا | نگاہیں شرر ریز پلکیں جگر بار

کہو کوئی دیکھے اسے سیر کیونکر | کہ ہے اس تنِ نازک اوپر نظر بار

حلاوت سے اپنی جو آگاہ ہو تو | چپک جائیں باہم وے لعلِ شکر بار

سبک کر دیا دل کی بے طاقتی نے | نہ جاتا تھا اس کی طرف ہم کو ہر بار ۱۳۷۵

گدھا سا لدا پھرتا ہے شیخ ہر سو | کہ جبہ ہے یک بار و عمامہ سر بار

مرے نخلِ ماتم پہ ہے سنگ باراں | نہایت کو لایا عجب یہ شجر بار

ہمیں بار اس در پہ کثرت سے کیا ہو | لگا ہی رہے ہے سلاطیں تو در بار

یہ آنکھیں گئیں ایسی ہو کر در افشاں | کہ دیکھے سے آیا ترا ابرِ گوہر بار

کب اس عمر میں آدمی شیخ ہو گا | کتابیں رکھیں ساتھ گو ایک خر بار ۱۳۸۰

جہاں تیر رہنے کی جا گہ نہیں ہے
چلا چاہیئے یاں سے اسباب کر بار

## ۱۸۲

غصے سے اٹھ چلے ہو تو دامن کو جھاڑ کر — جاتے رہیں گے ہم بھی گریبان پھاڑ کر
دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے — پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اجاڑ کر
یا رب رہ طلب میں کوئی کب تلک پھرے — تسکین دے کہ بیٹھ رہوں پانو گاڑ کر
۱۳۸۵ منظور ہو نہ پاس ہمارا تو حیف ہے — آئے ہیں آج دور سے ہم تجھ کو تاڑ کر
غالب کہ دیوے قوت دل اس ضعیف کو — تنکے کو جو دکھاتے ہے پل میں پہاڑ کر
نکلیں گے کام دل کے کچھ اب اہل ریش سے — کچھ ڈھیر کر چکے ہیں یہ آگے اکھاڑ کر

اس فن کے پہلوانوں سے کشتی رہی ہے میر
بہتوں کو ہم نے زیر کیا ہے پچھاڑ کر

## ۱۸۳

مرتے ہیں تیری نرگس بیمار دیکھ کر — جاتے ہیں جی سے کس قدر آزار دیکھ کر
۱۳۹۰ افسوس وے کہ منتظر اک عمر تک رہے — پھر مر گئے ترے تئیں یک بار دیکھ کر
ناخواندہ خط شوق لگے چاک کرنے تو — قاصد تو کہیو ٹک کہ جفا کار دیکھ کر
کوئی جو دم رہا ہے سو آنکھوں میں ہے پھر اب — کر لو ٹک ایک وعدۂ دیدار دیکھ کر
دیکھیں جدھر وہ رشک پری پیش چشم ہے — حیران رہ گئے ہیں یہ اسرار دیکھ کر
جاتا ہے آسماں لیے کوچے سے یار کے — آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر
۱۳۹۵ تیرے خرام ناز پہ جاتے ہیں جی چلے — رکھ ٹک قدم زمیں پہ ستم گار دیکھ کر
طالع نے چشم پوشی کی یاں تک کہ ہم نشیں — چھپتا ہے مجھ کو دور سے اب یار دیکھ کر

جی میں تھا اس سے ملیے تو کیا کیا نہ کہیے میر
پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھ کر

## ۱۸۴

دیکھ اس کو ہنستے سب کے دم سے گئے اکھڑ کر — ٹھہرے ہے آرسی بھی دانتوں میں پکڑ کر

کیا کیا نیاز طینت اے ناز پیشہ تجھ بن — مرتے ہیں خاک رہ سے گوڑے رگڑ رگڑ کر

قد کش چمن کے اپنی خوبی کو نیو چلے ہیں — پایا پھل اس سے آخر کیا سرو نے اکڑ کر ۱۴۰۰

وہ سر چڑھا ہے اتنا اپنی فروتنی سے — کھویا ہمیں نے اس کو ہر لحظہ پانو پڑ کر

پائے ثبات بھی ہے نام آوری کو لازم — مشہور ہے نگیں جو بیٹھا ہے گھر میں گڑ کر

دوری میں دلبروں کی کٹتی ہے کیونکہ سب کی — آدھا نہیں رہا ہوں تجھ سے تو میں بچھڑ کر

اب کیسا زہد و تقویٰ دارو ہے اور ہم ہیں — بنت العنب کے اپنا سب کچھ گیا گھسڑ کر

دیکھو نہ چشم کم سے معمورۂ جہاں کو — بنتا ہے ایک گھر یاں سو صورتیں بگڑ کر ۱۴۰۵

اس پشت لب کے اوپر دانے عرق کے یوں ہیں — یاقوت سے رکھے ہیں جوں موتیوں کو جڑ کر

ناسازگاری اپنے طالع کی کیا کہیں ہم — آیا کبھو نہ یاں ٹک غیروں سے یار لڑ کر

اپنے مزاج میں بھی ہے میرؔ ضد نہایت
پھر مر ہی کے اٹھیں گے بیٹھیں گے ہم جو اڑ کر

## ۱۸۵

کہتا ہے کون تجھ کو یاں یہ نہ کر، تو وہ کر — پر ہو سکے جو پیارے دل میں بھی ٹک جگہ کر

وہ تنگ پوش اک دن دامن کشاں گیا تھا — رکھی ہیں جانمازیں اہل ورع نے تہ کر ۱۴۱۰

کیا قصر دل کی تم سے ویرانی نقل کریے — ہو ہو گئے ہیں ٹیلے سارے مکان ڈھہ کر

ہم اپنی آنکھوں کب تک یہ رنگ عشق دیکھیں — آنے لگا ہے لوہو رخسار پر تو بہہ کر

رنگ شکستہ اپنا بے لطف بھی نہیں ہے — یاں کی تو صبح دیکھی اک آدھ رات رہ کر

برسوں عذاب دیکھے قرنوں تعب اٹھائے — یہ دل حزیں ہوا ہے کیا کیا جفائیں سہہ کر

ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا — اسرار عاشقی کا پچھتائے یار کہہ کر

طاعت کوئی کرے ہے جب ابر زور جھومے — گر ہو سکے تو زاہد اس وقت میں گنہ کر

کیوں تو نے آخر آخر اس وقت منھ دکھایا
دی جان میرؔ نے جو حسرت سے اک نگہ کر

## ۱۸۶

شیخی کا اب کمال ہے کچھ اور — حال ہے اور قال ہے کچھ اور

وعدے برسوں کے کن نے دیکھے ہیں | دم میں عاشق کا حال ہے کچھ اور

۱۴۲۰ سہل مت بوجھ یہ طلسم جہاں | ہر جگہ یاں خیال ہے کچھ اور

تو رگ جاں سمجھتی ہوگی نسیم | اس کے گیسو کا بال ہے کچھ اور

نہ ملیں گو کہ ہجر میں مر جائیں | عاشقوں کا وصال ہے کچھ اور

کوزپشتی پہ شیخ کی مت جاؤ | اس پہ بھی احتمال ہے کچھ اور

اس میں اس میں بڑا تفاوت ہے | کبک کی چال ڈھال ہے کچھ اور

میر تلوار چلتی ہے تو چلے

۱۴۲۵ خوش خراموں کی چال ہے کچھ اور

۱۸۷

دل جو اپنا ہوا تھا زخمی چور | ضبط گریہ سے پڑ گئے ناسور

صبح اس سرد مہر کے آگے | قرص خورشید ہو گیا کافور

ہم ضعیفوں کو پائمال نہ کر قطعہ | دولت حسن پر نہ ہو مغرور

عرش پر بیٹھتا ہے کہتے ہیں | گرد اسے ہے غبار خاطر مور

شکوۂ آبلہ ابھی سے میر

۱۴۳۰ ہے پیارے ہنوز دلی دور

۱۸۸

غیروں سے مل چلے تم مست شراب ہو کر | غیرت سے رہ گئے ہم یک سو کباب ہو کر

اس روئے آتشیں سے برقع سرک گیا تھا | گل بہہ گیا چمن میں خجلت سے آب ہو کر

کل رات مند گئی تھیں بہتوں کی آنکھیں غش سے | دیکھا کیا نہ کر تو سرمست خواب ہو کر

پردہ رہے گا کیونکر خورشید خاوری کا | نکلے ہے صبح وہ بھی اب بے نقاب ہو کر

۱۴۳۵ یک قطرہ آب میں نے اس دور میں پیا ہے | نکلا ہے چشم تر سے وہ خون ناب ہو کر

آ بیٹھتا تھا صوفی ہر صبح میکدے میں | شکر خدا کہ نکلا واں سے خراب ہو کر

شرم و حیا کہاں تک ہیں میر کوئی دن کے

اب تو ملا کرو تم ٹک بے حجاب ہو کر

## ۱۸۹

ہو آدمی اے چرخ ترکِ گردشِ ایام کر | خاطر سے ہی مجھ مست کی تائیدِ دورِ جام کر

دنیا ہے بے صرفہ نہ ہو رونے میں یا کڑھنے میں تو | نالے کو ذکرِ صبح کر گریے کو وردِ شام کر

مستِ جنوں رہ روز و شب شہرہ ہو شہر و دشت میں | مجلس میں اپنی نقلِ خوش زنجیر کا بادام کر ۱۴۴۰

جتنی ہو ذلت خلق میں اتنی ہے عزت عشق میں | ناموس سے آ درگزر بے ننگ ہو کر نام کر

مر رہ کہیں بھی میر جا سرگشتہ پھرنا تا کجا
ظالم کسو کا سن کہا، کوئی گھڑی آرام کر

## ۱۹۰

رہنے کا پاس نہیں ایک بھی تار آخر کار | ہاتھ سے جائے گا سررشتۂ کار آخر کار

لوحِ تربت پہ مری پہلے یہ لکھیو کہ اسے | یار دشمن ہو گیا جان سے مار آخر کار

مشتِ خاک اپنی جو پامال ہے یاں اس پہ نہ جا | سر کو کھینچے گا فلک تک یہ غبار آخر کار ۱۴۴۵

چشم وا دیکھ کے اس باغ میں کیجو نرگس | آنکھوں سے جاتی رہے گی یہ بہار آخر کار

اوّلِ کارِ محبت تو بہت سہل ہے میر
جی سے جاتا ہے ولے صبر و قرار آخر کار

## ۱۹۱

خط میں ہے کیا سماں پسینے پر | موتی گویا جڑے ہیں مینے پر

کوئی ہوتا ہے دل طپش سے برا | ایک دم کے لہو نہ پینے پر

دل سے میرے شکستیں الجھی ہیں | سنگ باراں ہے آبگینے پر ۱۴۵۰

چاک سینے سے کھل گئے ٹانکے | کیا رفو کم ہوا ہے سینے پر

جورِ دلبر سے کیا ہوں آزردہ
میر اس چار دن کے جینے پر

## ۱۹۲

ہم بھی پھرتے ہیں یک حشم لے کر | دستۂ داغ و فوجِ غم لے کر

دست کش نالہ پیش رو گریہ | آہ چلتی ہے یاں علم لے کر

۱۲۵۵ مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے — یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
اس کے اوپر کہ دل سے تھا نزدیک — غمِ دوری چلے ہیں ہم لے کر
بارہا صید گہ سے اس کی گئے — داغِ یاس آہوے حرم لے کر
ضعف یاں تک کھنچا کہ صورت گر — رہ گئے ہاتھ میں قلم لے کر
دل پہ کب اکتفا کرے ہے عشق — جائے گا جان بھی یہ غم لے کر
۱۲۶۰ شوق اگر ہے یہی تو اے قاصد — ہم بھی آتے ہیں اب رقم لے کر

میر صاحب ہی چوکے اے بدعہد
ورنہ دینا تھا دل قسم لے کر

## ۱۹۳

داڑھی سفید شیخ کی تو مت نظر میں کر — بگلا شکار ہووے تو لگتے ہیں ہاتھ پر
اے ابر خشک مغز سمندر کا منھ نہ دیکھ — سیراب تیرے ہونے کو کافی ہے چشمِ تر
آخر عدم سے کچھ بھی نہ اکھڑا امامیاں — مجھ کو تھا دستِ غیب پکڑنی تری کمر
سوتا تھا بے خبر تو نشے میں جو رات کو
۱۲۶۵ سو بار میر نے تری اٹھ اٹھ کے لی خبر

## ۱۹۴

پشتِ پا ماری بس کہ دنیا پر — زخم پڑ پڑ گیا مرے پا پر
ڈوبے اچھلے ہے آفتاب ہنوز — کہیں دیکھا تھا تجھ کو دریا پر
گرد مے ہوں آؤ شیخِ شہر — ابر جھوما ہی جا ہے صحرا پر
دلِ پرخوں تو تھا گلابی شراب — جی ہی اپنا چلا نہ صہبا پر
۱۲۷۰ یاں جہاں میں کہ شہرِ کوراں ہے — سات پردے ہیں چشمِ بینا پر
فرصتِ عیش اپنی یوں گزری — کہ مصیبت پڑی تمنا پر
طارمِ تاک سے لہو ٹپکا — سنگ باراں ہوا ہے مینا پر

میر کیا بات اس کے ہونٹوں کی
جینا دوبھر ہوا مسیحا پر

۱۹۵

جھوٹے بھی پوچھتے نہیں ٹک حال آن کر — انجان اتنے کیوں ہوئے جاتے ہو جان کر

وے لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے — پیدا کیے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر ۱۲۷۵

جھمکے دکھا کے باعثِ ہنگامہ ہی رہے — پر گھر سے در پہ آئے نہ تم بات مان کر

کہتے نہ تھے کہ جان سے جاتے رہیں گے ہم — اچھا نہیں ہے آ، نہ ہمیں امتحان کر

کم گو جو ہم ہوئے تو ستم کچھ نہ ہو گیا — اچھی نہیں یہ بات مت اتنی زبان کر

ہم وے ہیں جن کے خوں سے تری راہ سب ہے گل — مت کر خراب ہم کو تو اوروں میں سان کر

ناکشتۂ وفا مجھے جانے تمام خلق — تربت پہ میری خون سے میرے نشان کر ۱۲۸۰

ناز و عتاب و خشم کہاں تک اٹھائیے — یارب کبھو تو ہم پہ اسے مہربان کر

افسانے ما و من کے سنیں میر کب تلک
چل اب کہ سوویں منھ پہ دوپٹے کو تان کر

۱۹۶

آزار دیکھے کیا کیا ان پلکوں سے اٹک کر — جی لے گئے یہ کانٹے دل میں کھٹک کھٹک کر

سرو و تدرو دونوں پھر آپ میں نہ آئے — گلزار میں چلا تھا وہ شوخ ٹک لٹک کر

کب آنکھ کھول دیکھا تیرے تئیں سرہانے — ناچار مر گئے ہم سر کو پٹک پٹک کر ۱۲۸۵

حاصل بجز کدورت اس خاکداں سے کیا ہے — خوش وہ کہ اٹھ گئے ہیں داماں جھٹک جھٹک کر

یہ مشتِ خاک یعنی انساں ہی ہے رہ کش — ورنہ اٹھائی کن نے اس آسماں کی ٹکّر

دل کام چاہتا ہے اب اس کے گیسوؤں سے — واں مر گئے ہیں کتنے برسوں اٹک اٹک کر

ٹک منھ سے اس کے دی شب برقع سرک گیا تھا — جاتی رہی نظر سے مہتاب سی چھٹک کر

دھولا چکے تھے مل کر کل لونڈے میکدے کے — پر سرگراں ہو واعظ جاتا رہا سٹک کر ۱۲۹۰

کل رقصِ شیخ مطلق دل کو لگا نہ میرے — آیا وہ جیسے شرعی کتنا مٹک مٹک کر

منزل کی میر اس کی کب راہ تجھ سے نکلے
یاں خضر سے ہزاروں مر مر گئے بھٹک کر

# ڑ

## ۱۹۷

آشوب دیکھ چشم تری سر رہے ہیں جوڑ — پلکوں کی صف سے بھیڑیں گئیں منھ کو موڑ موڑ

لاکھوں جتن کیے نہ ہوا ضبط گریہ لیک — سنتے ہی نام آنکھ سے آنسو گرے کڑوڑ

۱۴۹۵ زخم دروں سے میرے نہ ٹک بے خبر رہو — اب ضبط گریے سے ہے ادھر ہی کو سب نچوڑ

گرمی سے برشگال کی پروا ہے کیا ہمیں — برسوں رہی ہے جان کے رکنے کی یاں مروڑ

بلبل کی اور چشم مروت سے دیکھ ٹک — بے دردیوں چمن میں کسو پھول کو نہ توڑ

کچھ کوہکن ہی سے نہیں تازہ ہوا یہ کام — بہتیرے عاشقی میں موئے سر کو پھوڑ پھوڑ

بے طاقتی سے میر لگے چھوٹنے پران
ظالم خیال دیکھنے کا اس کے اب تو چھوڑ

# ز

## ۱۹۸

۱۵۰۰ ہوتا نہیں ہے باب اجابت کا وا ہنوز — بسمل پڑی ہے چرخ پہ میری دعا ہنوز

دن رات کو کھنچا ہے قیامت کا اور میں — پھرتا ہوں منھ پہ خاک ملے جابجا ہنوز

خط کاڑھ لا کے تم تو منڈا بھی چلے ولے — ہوتی نہیں ہماری تمھاری صفا ہنوز

غنچے چمن چمن کھلے اس باغ دہر میں — دل ہی مرا ہے جو نہیں ہوتا ہے وا ہنوز

احوال نامہ بر سے مر اس کے کہہ اٹھا — بیٹھا ہے وہ ستم زدہ مہجور کیا ہنوز

۱۵۰۵ غنچہ نہ بوجھ دل ہے کسی مجھ سے زار کا — کھلتا نہیں جو سعی سے تیری صبا ہنوز

توڑا تھا کس کا شیشۂ دل تونے سنگ دل — ہے جل خراش کوچے میں تیرے صدا ہنوز

چلو میں اس کے میرا لہو تھا سو پی چکا — اڑتا نہیں ہے طائر رنگ حنا ہنوز

بے بال و پر اسیر ہوں کنج قفس میں میر
جاتی نہیں ہے سر سے چمن کی ہوا ہنوز

## ۱۹۹

ضبط کرتا نہیں کنارہ ہنوز — ہے گریبان پارہ پارہ ہنوز

آتشِ دل نہیں بجھی شاید — قطرۂ اشک ہے شرارہ ہنوز ۱۵۱۰

اشک جھمکا ہے جب نکلا تھا — چرخ پر صبح کا ستارہ ہنوز

لب پہ آئی ہے جان کب کی ہے — اس کی موقوف یک اشارہ ہنوز

عمر گذری دوائیں کرتے میرؔ
دردِ دل کا ہوا نہ چارہ ہنوز

## ۲۰۰

مر گیا میں پہ میرے باقی ہیں آثار ہنوز — تر ہیں سب سر کے لہو سے در و دیوار ہنوز

دل بھی پُر داغ چمن ہے پر اسے کیا کیجے — جی سے جاتی ہی نہیں حسرتِ دیدار ہنوز ۱۵۱۵

بے کیے عمر ہوئی ابرِ بہاری کو دلے — لہو برسائے ہیں دیدۂ خوں بار ہنوز

بد نہ لے جائیو پوچھوں ہوں تجھی سے یہ طبیب — یہ ہوا کوئی بھی اس درد کا بیمار ہنوز

بارہا چل چکی تلوار تری چال پہ شوخ — تو نہیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز

ایک دن حال فشاں ٹک ہوئے تھے خوش ہو کر — ہیں غمِ دل کی اسیری میں گرفتار ہنوز

کوئی تو آبلہ پا دشتِ جنوں سے گزرا — ڈوبا ہی جائے ہے لوہو میں سرِ خار ہنوز ۱۵۲۰

منتظرِ قتل کے وعدے کا ہوں اپنے یعنی — جیتا مرنے کو رہا ہے یہ گنہ گار ہنوز

اڑ گئے خاک ہو کتنے ہی ترے کوچے سے — باز آتے نہیں پر تیرے ہوادار ہنوز

ایک بھی زخم کی جا جس کے نہ ہو تن پہ کہیں — قطعہ کوئی دیتا ہے سنا ویسے کو آزار ہنوز

ٹک تو انصاف کر اے دشمنِ جانِ عاشق — میان سے نکلی پڑے ہے تری تلوار ہنوز

میرؔ کو ضعف میں میں دیکھ کہا کچھ کہیے! — قطعہ ہے تجھے کوئی گھڑی قوتِ گفتار ہنوز ۱۵۲۵

ابھی اک دم میں زباں چلنے سے رہ جاتی ہے — دردِ دل کیوں نہیں کرتا ہے تو اظہار ہنوز

آنسو بھر لا کے بہت حزن سے یہ کہنے لگا — کیا کہوں تجھ کو کچھ اس پہ نہیں بار ہنوز

آنکھوں میں آن رہا جی جو نکلتا ہی نہیں
دل میں میرے ہے گرہ حسرتِ دیدار ہنوز

## ٢٠١

مجھ کو پوچھا بھی نہ یہ کون ہے غمناک ہنوز
ہو چکے حشر میں پھرتا ہوں جگر چاک ہنوز

١٥٣٠ اشک کی لغزشِ مستانہ پہ مت کیجو نظر
دامنِ دیدۂ گریاں ہے مرا پاک ہنوز

بھر نظر دیکھنے پاتا نہیں میں نزع میں بھی
منھ کے تئیں پھیرے ہی لیتا ہے وہ بےباک ہنوز

بعد مرنے کے بھی آرام نہیں میر مجھے
اس کے کوچے میں ہے پامال مری خاک ہنوز

## ٢٠٢

ہو چکا خونِ جگر رونا نہیں کچھ کم ہنوز
ہیں مژہ دستورِ سابق ہی یہ میرے نم ہنوز

دل جلوں پر روتے ہیں جن کو ہے کچھ سوزِ جگر
شمع رکھتی ہے ہماری گور پر ماتم ہنوز

١٥٣٥ وضع یکساں اس زمانے میں نہیں رہتی کہیں
قد ترا چوگاں رہا ہے کس طرح سے خم ہنوز

آ رہا ہے جی مرا آنکھوں میں اک پل ادھر ہوں
پر نہیں جاتا کسی کے دیکھنے کا غم ہنوز

وہ جو عالم اس کے اوپر تھا سو خط نے کھو دیا
مبتلا ہے اس بلا میں میر اک عالم ہنوز

# س

## ٢٠٣

اے ابرِ تر تو اور کسی سمت کو برس
اس ملک میں ہماری ہے یہ چشمِ تر ہی بس

حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی کل صبا
اک برگِ گل گرا نہ جہاں تھا مرا قفس

١٥٤٠ مژگاں بھی بہ گئیں مرے رونے سے چشم کی
سیلاب موج مارے تو ٹھہرے ہے کوئی خس

مجنوں کا دل ہوں محملِ لیلیٰ سے ہوں جدا
تنہا پھروں ہوں دشت میں جوں نالۂ جرس

اے گریہ اس کے دل میں اثر خوب ہی کیا
روتا ہوں جب میں سامنے اس کے تو دے ہے ہنس

اس کی زباں کے عہدے سے کیونکر نکل سکوں
کہتا ہوں ایک میں تو سناتا ہے مجھ کو دس

حیراں ہوں میر نزع میں اب کیا کروں بھلا
احوالِ دل بہت ہے مجھے فرصت اک نفس

## ۲۰۴

کیونکہ نکلا جائے بحرِ غم سے مجھ بے دل کے پاس — آ کے ڈوبی جاتی ہے کشتی مری ساحل کے پاس ۱۵۴۵

ہے پریشاں دشت میں کس کا غبارِ ناتواں — گرد کچھ گستاخ آتی ہے چلی محمل کے پاس

گرم ہوگا حشر کو ہنگامۂ دعویٰ بہت — کاشکے مجھ کو نہ لے جاویں مرے قاتل کے پاس

دور اس سے جوں ہوا دل پر بلا ہے مضطرب — اس طرح تڑپا نہیں جاتا کسو بسمل کے پاس

بوئے خوں آتی ہے بادِ صبح گاہی سے مجھے — نکلی ہے بے درد شاید ہو کسو گھائل کے پاس

آہ نالے مت کیا کر اس قدر بیتاب ہو

اے ستم کش میرؔ ظالم ہے جگر بھی دل کے پاس ۱۵۵۰

## ۲۰۵

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس — آہ افسوس صد ہزار افسوس

ہم تو ملتے تھے جب اہا ہا ہا — نہ رہا وہ ہیں روزگار افسوس

یوں گنواتا ہے دل کوئی مجھ کو — یہی آتا ہے بار بار افسوس

قتل کر تو ہمیں کرے گا خوشی — یہ توقع تھی تجھ سے یار افسوس

رخصتِ سیرِ باغ تک نہ ہوئی — یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس ۱۵۵۵

خوب بد عہد تو نہ مل لیکن — میرے تیرے تھا یہ قرار افسوس

خاک پر میرؔ تیری ہو تا وے

نہ ہوا اتنا اقتدار افسوس

# ش

## ۲۰۶

ہر جزر و مدسے دست و بغل اٹھتے ہیں خروش — کس کا ہے راز بحر میں یارب کہ یہ ہیں جوش

ابروئے کج ہے موج کوئی چشم ہے حباب — موتی کسی کی بات ہے سیپی کسی کا گوش

ان مغبچوں کے کوچے ہی سے میں کیا سلام — کیا مجھ کو طوفِ کعبہ سے میں رند درد نوش ۱۵۶۰

حیرت سے ہووے پرتوِ مہ نورِ آئینہ — تو چاندنی میں نکلے اگر ہو سفید پوش

کل ہم نے سیر باغ میں دل ہاتھ سے دیا قطعہ اک سادہ گل فروش کا آکر سبد بدوش
جاتا رہا نگاہ سے جوں موسم بہار آج اس بغیر داغ جگر ہیں سیاہ پوش
شب اس دلِ گرفتہ کو وا کر بزور مے قطعہ بیٹھے تھے شیرہ خانے میں ہم کتنے ہرزہ کوش
۱۵۶۵ آئی صدا کہ یاد کرو دورِ رفتہ کو عبرت بھی ہے ضرور ٹک اے جمع تیز ہوش
جمشید جس نے وضع کیا جام کیا ہوا وے صحبتیں کہاں گئیں کیدھر وے نائے و نوش
جز لالہ اس کے جام سے پاتے نہیں نشاں ہے کوکنار اس کی جگہ اب سبو بدوش
جھومے ہے بید جائے جوانان مے گسار بالائے خم ہے خشتِ سرِ پیرِ مے فروش
میر اس غزل کو خوب کہا تھا ضمیر نے
پر اے زباں دراز بہت ہو چکی خموش

۲۰۷

۱۵۷۰ دل تو افگار ہے جگر ہے ریش اک مصیبت ہے میرے تئیں درپیش
پان تو لیتا جا فقیروں کے برگِ سبز است تحفۂ درویش
فکر کر زادِ آخرت کا بھی
میر اگر تو ہے عاقبت اندیش

# ص

شیخ ہو دشمنِ زنِ رقاص ۲۰۸ کیوں نہ القاص لایحبّ القاص

# ض

۲۰۹

سال میں ابرِ بہاری تجھ سے اک باری ہے فیض چشمِ نم دیدہ سے عاشق کی سدا جاری ہے فیض

# ط

۱۵۷۵ سب سے آئینہ نمط رکھتے ہیں خوباں اختلاط ۲۱۰ ہوتے ہیں یہ لوگ بھی کتنے پریشاں اختلاط
تنگ آیا ہوں میں رشکِ تنگ پوشی سے تری اس تنِ نازک سے یہ جامے کو چسپاں اختلاط

# ظ

غیر مجھ کو جو کہتے ہیں محظوظ ۲۱۱ تجھ سے ملتے ہیں رہتے ہیں محظوظ

# ع

سب پہ روشن ہے کہ شب مجلس میں جب آتی ہے شمع ۲۱۲ اس بھبھوکے سے کو بیٹھا دیکھ جل جاتی ہے شمع

# غ

۲۱۳

ہم اور تیری گلی سے سفر دروغ دروغ — کہاں دماغ ہمیں اس قدر دروغ دروغ
تم اور ہم سے محبت تمھیں خلاف خلاف — ہم اور الفتِ خوبِ دگر دروغ دروغ ۱۵۸۰
غلط غلط کہ رہیں تم سے ہم تنک غافل — تم اور پوچھو ہماری خبر دروغ دروغ
فروغ کچھ نہیں دعوے کو صبح صادق کے — شبِ فراق کو کب ہے سحر دروغ دروغ

کسو کے کہنے سے مت بدگماں ہو میر سے تو
وہ اور اس کو کسو پر نظر دروغ دروغ

شیخ سچ خوب ہے بہشت کا باغ ۲۱۴ جائیں گے گر وفا کرے گا دماغ

# ف

آج کل کاہے کو بتلاتے ہو گستاخی معاف ۲۱۵ راستی یہ ہے کہ وعدے ہیں تمھارے سب خلاف ۱۵۸۵

آہ برچھی سی لگی تھی تیر سی دل کی طپش — ہجر کی شب مجھ پہ گزری غیرتِ روزِ مصاف
ایک دن میں نے لکھا تھا اس کو اپنا دردِ دل — آج تک جاتا نہیں سینے سے خامے کے شگاف
پانو پر سے اپنے میرا سر اٹھانے مت مجھکو — تیغ باندھی ہے میاں تم نے کمر میں خوش غلاف
صف الٹ جا عاشقوں کی گر ترے ابرو ہلیں — ایک دم تلوار کے چلنے میں ہو دے ملک صاف
شیخ مت روکش ہو مستوں کا تو اس سبحے اوپر — لیتے استنجے کو ڈھیلا تیری ٹل جاتی ہے ناف ۱۵۹۰

عشق کے بازار میں سودا نہ کچھ تو تو میر
سر کو جب واں بیچ چکتے ہیں تو یہ ہے ستا لاف

## ۲۱۶

غالب ہے تیرے عہد میں بیداد کی طرف
ہر خوں گرفتہ جائے ہے جلاّد کی طرف

کن نے لیا ہے تم سے مچلاکا کہ داد دو
ٹک کان ہی رکھا کرو فریاد کی طرف

ہر تارِ زلف قیمتِ فردوس ہے ترا
کرتا ہے کون طرّۂ شمشاد کی طرف

۱۵۹۵ ہم نے تو پرفشانی نہ جانی کہ ایک بار
پرواز کی چمن سے سو صیاّد کی طرف

حیران کارِ عشق ہے شیریں کا نقش میر
کچھ یوں ہی دیکھتا نہیں فرہاد کی طرف

## ۲۱۷

جو دیکھو مرے شعرِ تر کی طرف
تو مائل نہ ہو پھر گہر کی طرف

کوئی دادِ دل آہ کس سے کرے
ہر اک ہے سو اس فتنہ گر کی طرف

محبت نے شاید کہ دی دل کو آگ
دھواں سا ہے کچھ اس نگر کی طرف

۱۶۰۰ لگیں ہیں ہزاروں ہی آنکھیں ادھر
اک آشوب ہے اس کے گھر کی طرف

بہت رنگ ملتا ہے دیکھو کبھو
ہماری طرف سے سحر کی طرف

بجز کس کو اس تابِ رخ نے رکھا
کرے کون شمس و قمر کی طرف

نہ سمجھا گیا ابر کیا دیکھ کر
ہوا تھا مری چشمِ تر کی طرف
قطعہ

ٹپکتا ہے پلکوں سے خوں متصّل
نہیں دیکھتے ہم جگر کی طرف

۱۶۰۵ مناسب نہیں حالِ عاشق سے صبر
رکھے ہے یہ دارو ضرر کی طرف

کسے منزلِ دل کش دہر میں
نہیں میلِ خاطر سفر کی طرف

رگِ جاں کب آتی ہے آنکھوں میں میر
گئے ہیں مزاج اس کمر کی طرف

## ق

## ۲۱۸

درد ہی خود ہے خود دوا ہے عشق
شیخ کیا جانے تو کہ کیا ہے عشق

تو نہ ہووے تو نظمِ کل اُٹھ جائے　　سچے ہیں شاعراں خدا ہے عشق

# ک

۲۱۹

بے چین مجھ کو چاہتا ہر دم ہے زیرِ خاک　　چھاتی پہ بعد مرگ بھی دل جم ہے زیرِ خاک ۱۶۱۰

آسودگی جو چاہے تو مرنے پہ دل کو رکھ　　آشفتگیٔ طبع بہت کم ہے زیرِ خاک

تنہا تو اپنی گور میں رہنے پہ بعدِ مرگ　　مت اضطراب کریو کہ عالم ہے زیرِ خاک

رویا تھا نزع میں میں اُسے یاد کر بہت　　اب تک مری ہر ایک مژہ نم ہے زیرِ خاک

کیا آسماں پہ کھینچے کوئی میرؔ آپ کو
جانا جہاں سے سب کو مسلّم ہے زیرِ خاک

۲۲۰

اب وہ نہیں کہ شورش رہتی تھی آسماں تک　　آشوبِ نالہ اب تو پہنچا ہے لامکاں تک ۱۶۱۵

بہہ بھی گیا بدن کا سب ہو کے گوشت پانی　　اب کارد لے عزیزاں پہنچی ہے استخواں تک

تصویر کی سی شمعیں خاموش جلتے ہیں ہم　　سوز دروں ہمارا آتا نہیں زباں تک

روتے پھرے ہیں لوہو ایک عمر اس گلی میں　　باغ و بہار ہی ہے جاوے نظر جہاں تک

آنکھیں جو روتے روتے جاتی رہیں بجا ہے　　انصاف کر کہ کوئی دیکھے ستم کہاں تک

بے لطف تیرے کیونکر تجھ تک پہنچ سکیں ہم　　ہیں سنگِ راہ اپنی رکتے یہاں سے واں تک ۱۶۲۰

ہم بے نصیب سر کو پتھر سے کیوں نہ پھوڑیں　　پہنچا کبھو نہ جبہہ اس سنگِ آستاں تک

مانندِ طیرِ نو پر اُٹھے جہاں گئے ہم　　دشوار ہے ہمارا آنا پھر آشیاں تک

تن کام میں ہمارے دیتا نہیں وہی کچھ
حاضر ہیں میرؔ ہم تو اپنی طرف سے جاں تک

۲۲۱

ہے بعد مرے مرگ کے آثار سے اب تک　　سوکھا نہیں لوہو در و دیوار سے اب تک

رنگینیٔ عشق اس کی ملے پر ہوئی معلوم　　صحبت نہ ہوئی تھی کسی خونخوار سے اب تک ۱۶۲۵

کب سے متحمل ہے جفاؤں کا دل زار — زنہار وفا ہو نہ سکی یار سے اب تک
ابرو ہی کی جنبش سے یہ ستھراؤ کیے ہیں — مارا نہیں ان نے کوئی تلوار سے اب تک
وعدہ بھی قیامت کا بھلا کوئی ہے وعدہ — پر دل نہیں خالی غم دیدار سے اب تک
مدت ہوئی گھٹ گھٹ کے ہمیں شہر میں مرتے — واقف نہ ہوا کوئی اس اسرار سے اب تک
۱۶۳۰ برسوں ہوئے دل سوختہ بلبل کو موئے لیک — اک دود سا اُٹھتا ہے چمن زار سے اب تک
کیا جانیے ہوتے ہیں سخن لطف کے کیسے — پوچھا نہیں ان نے تو ہمیں پیار سے اب تک
اس باغ میں اغلب ہے کہ سرزد نہ ہوا ہو — یوں نالہ کسو مرغ گرفتار سے اب تک
خط آئے پہ بھی دن ہے سیہ تم سے ہمارا — جاتا نہیں اندھیر یہ سرکار سے اب تک
نکلا تھا کہیں وہ گل نازک شب مہ میں — سو کوفت نہیں جاتی ہے رخسار سے اب تک

دیکھا تھا کہیں سایہ ترے قد کا چمن میں
۱۶۳۵
ہیں میر جی آوارہ پری وار سے اب تک

## ۲۲۲

میر گم کردہ چمن زمزمہ پرداز ہے ایک — جس کی لے دام سے تا گوش گل آواز ہے ایک
کچھ ہوا ہے مرغ قفس لطف نہ جاوے اس سے — نوحہ یا نالہ ہر اک بات کا انداز ہے ایک
ناتوانی سے نہیں بال فشانی کا دماغ — ورنہ تا باغ قفس سے مری پرواز ہے ایک
گوش کو ہوش تنک کھول کہ شور جہاں — سب کی آواز کے پردے میں سخن ساز ہے ایک

چاہے جس شکل سے تمثال صفت اس میں در آ
۱۶۴۰
عالم آئینے کے مانند در باز ہے ایک

## ۲۲۳

بالیں پہ میری آوے گا تو گھر سے جب تلک — کر جاؤں گا سفر ہی میں دنیا سے تب تلک
آتا دن اور دل سے طپش کرلے کاوشیں — یہ مجملہ تمام ہی ہے آج شب تلک
نقاش کیونکہ کھینچ چکا تو شبیہ یار — کھینچوں ہوں ایک ناز ہی اس کا میں اب تلک
شب کو تہ اور قصہ مری جان کا دراز — القصہ اب کہا کروں تجھ سے میں کب تلک
۱۶۴۵ باقی یہ داستان ہے اور کل کی رات ہے — گر جان میری میر نہ آپہنچے لب تلک

## ۲۲۴

شوق ہے تو ہے اس کا گھر نزدیک
دوریٔ رہ ہے راہ بر نزدیک

آہ کرنے میں دم کو سادھے رہ
کہتے ہیں دل سے ہے جگر نزدیک

ڈوبیں دریا و کوہ و شہر و دشت
تجھ سے سب کچھ ہے چشمِ تر نزدیک

حرفِ دوری ہے گرچہ انشا لیک
دیجو خط جا کے نامہ بر نزدیک

دور اب بیٹھتے ہیں مجلس میں
ہم جو تم سے تھے بیشتر نزدیک ۱۶۵۰

خبر آتی ہے سو بھی دور سے یاں
آؤ یک بار بے خبر نزدیک

توشۂ آخرت کا فکر رہے
جی سے جانے کا ہے سفر نزدیک

دورِ پھرنے کا ہم سے وقت گیا
پوچھ کچھ حال بیٹھ کر نزدیک

مر بھی رہ میرؔ شب بہت رویا
ہے مری جان اب سحر نزدیک

## ۲۲۵

کہیں پہنچو بھی مجھ بے پا و سر تک
کہ پہنچا شمع ساں داغ اب جگر تک ۱۶۵۵

کچھ اپنی آنکھ میں یاں کا نہ آیا
خزف سے لے کے دیکھا دُرِّ تر تک

جسے شب آگ سا دیکھا سلگتے
اُسے پھر خاک ہی پایا سحر تک

ترا مُنھ چاند سا دیکھا ہے شاید
کہ انجم رہتے ہیں ہر شب ادھر تک

جب آیا آہ تب اپنے ہی سر پر
گیا یہ ہاتھ کب اُس کی کمر تک

ہم آوازِ دل کو سیر اب کی مبارک
پر و بال اپنے بھی ایسے تھے پر تک ۱۶۶۰

کھنچی کیا کیا خرابی زیرِ دیوار
ولے آیا نہ وہ ٹک گھر سے در تک

گلی تک تیری لایا تھا ہمیں شوق
کہاں طاقت کہ اب پھر جائیں گھر تک

یہی دردِ جدائی ہے جو اس شب
تو آتا ہے جگر مژگانِ تر تک قطعہ

دکھائی دیں گے ہم میت کے رنگوں
اگر رہ جائیں گے جیتے سحر تک

کہاں پھر شور شیون جب گیا میرؔ
یہ ہنگامہ ہے اُس ہی نوحہ گر تک ۱۶۶۵

۲۲۶

دست و پا مارے وقتِ بسمل تک ۔ ہاتھ پہنچا نہ پائے قاتل تک
کعبہ پہنچا تو کیا ہوا اے شیخ ۔ سعی کر ٹک پہنچ کسی دل تک
در پئے محمل اس کے جیسے جرس ۔ میں بھی نالاں ہوں ساتھ منزل تک
بجھ گئے ہم چراغ سے باہر ۔ کہیو اے باد شمعِ محفل تک

نہ گیا میر اپنی کشتی سے
ایک بھی تختہ پارہ ساحل تک ۱۶۷۰

۲۲۷

جاتے ہیں سے خرابی کو سیل آسماں تلک ۔ طوفاں ہے میرے اشکِ ندامت سے یاں تلک
شاید کہ دیوے رخصتِ گلشن ہوں بے قرار ۔ میرے قفس کو لے تو چلو باغباں تلک
قیدِ قفس سے چھوٹ کے دیکھا جلا ہوا ۔ پہنچے نہ اُڑتے اُڑتے کا شکے ہم آشیاں تلک
اتنا ہوں ناتواں کہ دردِ دل سے لب گلہ ۔ آتا ہے ایک عمر میں میری زباں تلک

بس ترکِ عشق کر کہ ہوا گو نہ گیر میر
ہوتا پھروں خراب جہاں ہیں کہاں تلک ۱۶۷۵

۲۲۸

کب دسترس ہے لعل کو تیرے سخن تلک ۔ رسوائیاں گئی ہیں عقیقِ یمن تلک
آزادگی یہ چھوڑ قفس ہم نہ جا سکے ۔ حسنِ سلوکِ ضعف سے صحنِ چمن تلک
تر دستیاں ہوں دست و گریباں ہاتھ کی ۔ زیرِ زمیں بھی پہنچیں گی چاکِ کفن تلک

مارا گیا خرامِ بتاں پر سفر میں میر
اے کبک کہنا جائیو اُس کے وطن تلک

# گ

۲۲۹

۱۶۸۰ جب سے خط ہے سیاہ خال کی تھانگ ۔ تب سے لٹتی ہے ہند چاروں دانگ

بات ازل کی چلی ہی جاتی ہے — ہے مگر عوج بن عنق کی ٹانگ

بن جو کچھ بن سکے جوانی میں — رات تو تھوڑی ہے بہت ہے سانگ

عشق کا شور کوئی چھپتا ہے — نالۂ عندلیب ہے گل بانگ

اس ذقن میں بھی سبزی ہے خط کی — دیکھو جیدھر کنوئیں پڑی ہے بھانگ

کس طرح ان سے کوئی گرم ملے — سیم تن پگھلے جاتے ہیں جوں رانگ ۱۶۸۵

چلی جاتی ہے حسب قدر بلند — دور تک اس پہاڑ کی ہے ڈانگ

تفرہ باطل تھا طور پر اپنے — ورنہ جلتے یہ دوڑ ہم بھی پھلانگ

میں نے کیا اس غزل کو سہل کیا — قافیے ہی تھے اس کے اوٹ پٹانگ

میر بندوں سے کام کب نکلا
مانگنا ہے جو کچھ خدا سے مانگ

# ل

۲۳۰

فصل خزاں میں سیر جو کی ہم نے جائے گل — چھانی چمن کی خاک نہ تھا نقش پائے گل ۱۶۹۰

اللہ رے عندلیب کی آواز دل خراش — جی ہی نکل گیا جو کہا ان نے ہائے گل

مقدور تک شراب سے رکھ انکھڑیوں میں رنگ — یہ چشمک پیالہ ہے ساقی ہوائے گل

یہ دیکھ سینہ داغ سے رشک چمن ہے یاں — بلبل ستم ہوا نہ جو تو نے بھی کھائے گل

بلبل ہزار جی سے خریدار اس کی ہے — اے گل فروش کریو سمجھ کر بہائے گل

نکلا ہے ایسی خاک سے کس سادہ رو کی یہ — قابل درود بھیجنے کے ہے صفائے گل ۱۶۹۵

بارے سرشک سرخ کے داغوں سے رات کو — بستر پہ اپنے سوتے تھے ہم بھی بچھائے گل

آ عندلیب صلح کریں جنگ ہو چکی — لے اے زباں دراز تو سب کچھ سوائے گل

گل چیں سمجھ کے چنیو کہ گلشن میں میر کے
لخت جگر پڑے ہیں نہیں برگ ہائے گل

گل کی جفا بھی جانی دیکھی وفائے بلبل ۲۳۱ یک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

۱۷۰۰ کر سیر جذب الفت گل چیں نے کل چمن میں — توڑا تھا شاخ گل کو نکلی صدائے بلبل
کھٹکے ہیں خار ہو کر ہر شب دل چمن میں — اتنے لب و دہن پر یہ نالہائے بلبل
یک رنگیوں کی راہیں طے کر کے مر گیا ہے — گل میں رنگیں نہیں یہ ہیں نقش پائے بلبل
آئی بہار و گلشن گل سے بھرا ہے لیکن — ہر گوشۂ چمن میں خالی ہے جائے بلبل
پیغام بے غرض بھی سنتے نہیں ہیں خوباں — پہنچی نہ گوش گل تک آخر دعائے بلبل

۱۷۰۵ یہ دل خراش نالے ہر شب کے میرؔ تیرے
کر دیں گے بے نمک ہی شور نوائے بلبل

## ۲۳۲

کیسا چمن اسیری میں کس کو ادھر خیال — پرواز خواب ہو گئی ہے بال و پر خیال
مشکل ہے مٹ گئے ہوئے نقشوں کی پھر نمود — جو صورتیں بگڑ گئیں ان کا نہ کر خیال
مو کو عبث ہے تاب کلی یوں ہی تنگ ہے — اس کا دہن ہے وہم و گمان و کمر خیال
رخسار پر ہمارے ڈھلکنے کو اشک کے — دیکھے ہے جو کوئی سو کرے ہے گہر خیال

۱۷۱۰ کس کو دماغ شعر و سخن ضعف میں کہ میرؔ
اپنا رہے ہے اب تو ہمیں بیشتر خیال

## ۲۳۳

سیر کر عندلیب کا احوال — ہیں پریشاں چمن میں کچھ پر و بال
تپ غم تو گئی طبیب ولے — پھر نہ آیا کبھو مزاج بحال
سبزۂ نورستہ رہگذار کا ہوں — سر اٹھایا کہ ہو گیا پامال
کیوں نہ دیکھوں چمن کو حسرت سے — آشیاں تھا مرا بھی یاں پر سال
۱۷۱۵ سرد مہری کی بس کہ گل رو نے — اوڑھی ابر بہار نے بھی شال
ہجر کی شب کو یاں تئیں تڑپا — کہ ہوا صبح ہوتے میرا وصال
ہم تو یہ گزرے کج روی تیری — نہ سنبھلے گی پر اے فلک یہ چال

دیدۂ تر پہ شب رکھا تھا میرؔ
لکۂ ابر ہے مرا رومال

۲۳۴

جانیں ہیں فرش رہ تری مست حال چال چل — اے رشکِ حور آدمیوں کی سی چال چل

اک آن میں بدلتی ہے صورت جہان کی — جلد اس نگار خانے سے کر انتقال چل ۱۷۲۰

سالک بہر طریق بدن ہے وبالِ جاں — یہ بوجھ تیرے ساتھ جو ہے اس کو ڈال چل

آوارہ میرے ہونے کا باعث وہ زلف ہے — کافر ہوں اس میں ہووے اگر ایک بال چل

دنیا ہے میر حادثہ گاہِ مقرری
یاں سے تو اپنا پانو شتابی نکال چل

۲۳۵

شرط یہ ابر میں ہم میں ہے کہ رو دیں گے کل — صبح کہ اٹھتے ہی عالم کو ڈبو دیں گے کل

آج آوارہ ہو لے بال اسیرانِ قفس — یہ گل و باغ و خیابان نہ ہوویں گے کل ۱۷۲۵

وعدۂ وصل رہا ہے شب آئندہ پہ میر
بختِ خوابیدہ جو ٹک جاگتے سوویں گے کل

۲۳۶

مندا ہے اختلاط کا بازار آج کل — لگتا نہیں ہے دل کا خریدار آج کل

اس مہلت دو روزہ میں خطرے ہزار ہیں — اچھا ہے رہ سکو جو خبردار آج کل

اوباشوں ہی کے گھر تجھے پانے لگے ہیں لوگ — مارا پڑے گا کوئی طلب گار آج کل

ملنے کی رات داخلِ ایام کیا نہیں — برسوں ہوئے کہاں تئیں اے یار آج کل ۱۷۳۰

گل زار ہو رہے ہے مرے منھ سے کہئے یار — اک رنگ پر ہے دیدۂ خوں بار آج کل

تا شام اپنا کام کھنچے کیونکہ دیکھیے — پڑتی نہیں ہے جی کو جفاکار آج کل

کعبے تلک تو سنتے ہیں ویرانہ و خراب — آباد ہے سو خانۂ خمار آج کل

ٹھوکر دلوں کو لگنے لگی ہے خرام میر — لاوے گی اک بلا تری رفتار آج کل

ایسا ہی مغبچوں میں جتاتا ہے شیخ جی — تو جا رہے ہیں جبہ و دستار آج کل ۱۷۳۵

حیران میں ہی حال کی تدبیر میں نہیں — ہر اک کو شہر میں ہے یہ آزار آج کل

اچھا نہیں ہے میر کا احوال ان دنوں — غالب کہ ہو چکے گا یہ بیمار آج کل

۲۳۷

کرو تم یاد گر ہم کو ہے تم میں بھی اکثر دل — مثل مشہور ہے یہ تو کہ ہے دنیا میں دل بہ دل

بھلا تم نقدِ دل لے کر ہمیں دشمن گنو اب تو
کبھو کچھ ہم بھی کر لیں گے حسابِ دوستاں در دل

۲۳۸

۱۲۴۰ رہتا نہیں ہے کوئی گھڑی اب تو یار دل — آزردہ دل ستم زدہ دل بے قرار دل

## م

۲۳۹

کیا کہوں کیا رکھتے تھے تجھ سے ترے بیمار چشم — تجھ کو بالیں پر نہ دیکھا کھولی سو سو بار چشم

ہجر میں پاتا نہیں گریے کے سر رشتے کو میں — ہر سحر اٹھ باندھ دے ہے آنسوؤں کا تار چشم

گوئیا ناسور زخمِ دل تھی یہ اے ہمنشیں — پیش از یں کیا کیا ہمیں دکھلاتی تھی خوں بار چشم

سیکڑوں ہوں کشتنی تو لاویں کچھ تابِ نگاہ — ایک دو کا کام کب ہے اس سے ہو ناچار چشم

۱۲۴۵ جرم کیا غیروں کا طالع چشم پوشی کرتے ہیں — دیکھ کر احوال میرا موند لے ہے یار چشم

روز و شب والہنے سے پیدا ہے میر آثارِ شوق
ہے کسو نظارگی کا رخنۂ دیوار چشم

۲۴۰

کیا بلبلِ اسیر ہے بے بال و پر کہ ہم — گل کب رکھے ہے ٹکڑے جگر اس قدر کہ ہم

خورشیدِ صبح نکلے ہے اس نور سے کہ تو — شبنم گرہ میں رکھتی ہے یہ چشمِ تر کہ ہم

جیتے ہیں تو دکھاویں گے دعوائے عندلیب — گل بن خزاں میں اب کے وہ رہتی ہے مر کہ ہم

۱۲۵۰ یہ تیغ ہے یہ طشت ہے یہ ہم ہیں کشتنی — کھیلے ہے کون ایسی طرح جان پر کہ ہم

تلواریں تم لگاتے رہو ہم ہیں گے دم بخود — دنیا میں یہ کرے ہے کوئی درگذر کہ ہم

اس جستجو میں اور خرابی تو کیا کہیں — اتنی نہیں ہوئی ہے صبا در بدر کہ ہم

جیتے ہیں اور روتے ہیں لختِ جگر ہے میر — کرتے سنا ہے یوں کوئی قیمہ جگر کہ ہم

## ۲۴۱

آئے ہو تو طبیباں تدبیر گر کرو تم — ایسا نہ ہو کہ میرے جی کا ضرر کرو تم

رنگ شکستہ میرا بے لطف بھی نہیں ہے — ایک آدھ رات کو تو یاں بھی سحر کرو تم ۱۷۵۵

تھی چشم داشت مجھ کو اے دلبراں یہ تم سے — دل کو مرے اڑا کر آنکھوں میں گھر کرو تم

اس بزم خوش کے محرم نا آشنا ہیں سارے — کس کو کہوں کہ واں تک میری خبر کرو تم

ہے پیچ دار از بس راہ وصال و ہجراں — ان دو ہی منزلوں میں برسوں سفر کرو تم

یہ ظلم ہے تو ہم بھی اس زندگی سے گزرے — سوگند ہے تمھیں اب جو درگزر کرو تم

رو سے سخن کہاں تک غیروں کی او ستمگر — ہم بھی تو آدمی ہیں ٹک منھ ادھر کرو تم ۱۷۶۰

ہو عاشقوں میں اس کے تو آؤ میر صاحب — قطعہ — گردن کو اپنی مو سے باریک تر کرو تم

کیا لطف ہے وگرنہ جس دم وہ تیغ کھینچے
سینہ سپر کریں ہم قطع نظر کرو تم

## ۲۴۲

جاناں کہ شغل رکھتے ہو تیر و کماں سے تم — پر مل چلا کرو بھی کبھو خستہ جاں سے تم

ہم اپنی چاک جیب کو سی رہتے یا نہیں — پھاٹتے ہیں پانو سینے کو آئے کہاں سے تم

اب دیکھتے ہیں ہم تو وہ بات ہی نہیں — کیا کیا وگرنہ کہتے تھے اپنی زباں سے تم ۱۷۶۵

تنکے بھی تم ٹھہرتے کہیں دیکھے ہیں تنک — چشم وفا رکھو نہ خساں جہاں سے تم

جاؤ نہ دل سے منظر تن میں ہے جا یہی — پچھتاؤ گے اٹھو گے اگر اس مکاں سے تم

قصہ مرا سنو گے تو جاتی رہے گی نیند — آرام چشم مت رکھو اس داستاں سے تم

کھل جائیں گی پھر آنکھیں جو مر جائے گا کوئی — آتے نہیں ہو باز مرے امتحاں سے تم

جلتے تھے کل تم آج نہیں پاتے اتنا ہم — ہر دم چلے ہی جاتے ہو آب رواں سے تم ۱۷۷۰

رہتے نہیں ہو بن گئے میر اس گلی میں رات
کچھ راہ بھی نکالو سگ و پاسباں سے تم

## ۲۴۳

کرتے نہیں ہیں دوری سے اب اس کی باک ہم — نزدیک اپنے کب کے ہوئے ہیں ہلاک ہم

## ۲۳۷

کرو تم یاد گر ہم کو ہے تم میں بھی اکثرِ دل  مثل مشہور ہے یہ تو کہ ہے دُنیا میں دل بہ دل

بھلا تم نقدِ دل لے کر ہمیں دشمن گنو اب تو
کبھو کچھ ہم بھی کر لیں گے حسابِ دوستاں دردِل

## ۲۳۸

۱۷۴۰ رہتا نہیں ہے کوئی گھڑی اب تو یارِ دل  آزردہ دل ستم زدہ دِل بے قرار دِل

# م

## ۲۳۹

کیا کہوں کیا رکھتے تھے تجھ سے ترے بیمار چشم  تجھ کو بالیں پر نہ دیکھا کھولی سو سو بار چشم

ہجر میں پاتا نہیں گریے کے سر رشتے کو میں  ہر سحر اُٹھ باندھتی ہے آنسوؤں کا تار چشم

گوئیا ناسورِ زخمِ دِل تھی یہ اے ہمنشیں  پیش ازیں کیا کیا ہمیں دکھلاتی تھی خوں بار چشم

سیکڑوں ہوں کشتنی تو لاویں کچھ تابِ نگاہ  ایک دو کا کام کب ہے اس سے ہونا چار چشم

۱۷۴۵ جُرم کیا غیروں کا طالع چشم پوشی کرتے ہیں  دیکھ کر احوال میرا موند لے ہے یار چشم

روز و شب وا ہونے سے پیدا ہے میر آثارِ شوق
ہے کسو نظارگی کا رخنۂ دیوار چشم

## ۲۴۰

کیا بُلبُلِ اسیر ہے بے بال و پر کہ ہم  گُل کب رکھے ہے ٹکڑے جگر اس قدر کہ ہم

خورشیدِ صبح نکلے ہے اس نور سے کہ تو  شبنم گرہ میں رکھتی ہے یہ چشم تر کہ ہم

جیتے ہیں تو دکھاویں گے دعواے عندلیب  گُل بن خزاں میں اب کے وہ رہتی ہے مر کہ ہم

۱۷۵۰ یہ تیغ ہے یہ طشت ہے یہ ہم ہیں کشتنی  کھیلے ہے کون ایسی طرح جان پر کہ ہم

تلواریں تم لگاتے ہو ہم ہیں گے دم بخود  دُنیا میں یہ کرے ہے کوئی درگذر کہ ہم

اس جستجو میں اور خرابی تو کیا کہیں  اتنی نہیں ہوئی ہے صبا دربدر کہ ہم

جیتے ہیں اور روتے ہیں لختِ جگر ہے میر  کرتے سنا ہے یوں کوئی قیمہ جگر کہ ہم

## ۲۴۱

آئے ہو تو طبیباں تدبیر گر کرو تم
ایسا نہ ہو کہ میرے جی کا ضرر کرو تم

رنگِ شکستہ میرا بے لطف بھی نہیں ہے
ایک آدھ رات کو تو یاں بھی سحر کرو تم ۱۷۵۵

تھی چشم داشت مجھ کو اے دلبراں یہ تم سے
دل کو مرے اڑا کر آنکھوں میں گھر کرو تم

اس بزمِ خوش کے محرم ناآشنا ہیں سارے
کس کو کہوں کہ واں تک میری خبر کرو تم

ہے پیچ دار از بس راہِ وصال و ہجراں
ان دو ہی منزلوں میں برسوں سفر کرو تم

یہ ظلم ہے تو ہم بھی اس زندگی سے گزرے
سوگند ہے تمھیں اب جو درگزر کرو تم

ردِّ سخن کہاں تک غیروں کی اور آخر
ہم بھی تو آدمی ہیں ٹک منھ ادھر کرو تم ۱۷۶۰

ہو عاشقوں میں اُس کے تو آؤ میر صاحب
قطعہ گردن کو اپنی مو سے باریک تر کرو تم

کیا لطف ہے دگرنہ جس دم وہ تیغ کھینچے
سینہ سپر کریں ہم قطعِ نظر کرو تم

## ۲۴۲

جانا کہ شغل رکھتے ہو تیر و کماں سے تم
پر مل چلا کرو بھی کسو خستہ جاں سے تم

ہم اپنی چاک جیب کو سی رہتے یا نہیں
پھاٹے ہیں پانو پینے کو آئے کہاں سے تم

اب دیکھتے ہیں خوب تو وہ بات ہی نہیں
کیا کیا وگرنہ کہتے تھے اپنی زباں سے تم ۱۷۶۵

تنکے بھی تم ٹھہرتے کہیں دیکھے ہیں تنک
چشمِ وفا رکھو نہ خسانِ جہاں سے تم

جاؤ نہ دل سے منظرِ تن میں ہے جا یہی
پچھتاؤ گے اٹھوگے اگر اس مکاں سے تم

قصہ مرا سنوگے تو جاتی رہے گی نیند
آرام چشم مت رکھو اس داستاں سے تم

کھل جائیں گی پھر آنکھیں جو مر جائے گا کوئی
آتے نہیں ہو باز مرے امتحاں سے تم

جلنے تھے کل تم آج نہیں پاتے اتنا ہم
ہر دم چلے ہی جاتے ہو آبِ رواں سے تم ۱۷۷۰

رہتے نہیں ہو بن گئے میر اس گلی میں رات
کچھ راہ بھی نکالو سگ و پاسباں سے تم

## ۲۴۳

کرتے نہیں ہیں دوری سے اب اُس کی باک ہم
نزدیک اپنے کب کے ہوئے ہیں ہلاک ہم

بیٹھے ہم اپنے طور پہ مستوں میں جب اٹھے — جوں ابرِ تر لیے اٹھے دامن کو پاک ہم

آہستہ اے نسیم کہ اطرافِ باغ کے — مشتاقِ پرفشانی ہیں اک مشتِ خاک ہم

۱۷۷۵ شمع و چراغ و شعلہ و آتش شرار و برق — رکھتے ہیں دل جلے یہ بہم سب تپاک ہم

مستی ہیں ہم کو ہوش نہیں نشأتین کا — گلشن میں اینڈتے ہیں پڑے زیرِ تاک ہم

جوں برق تیرے کوچے سے ہنستے نہیں گئے — مانندِ ابر جب اٹھے تب گریہ ناک ہم

مدت ہوئی کہ چاکِ قفس ہی سے اب تو میر
دکھلا رہے ہیں گل کو دلِ چاک چاک ہم

## ۲۴۴

نہ پھر رکھیں گے تیری رہ میں پا ہم — گئے گزرے ہیں آخر ایسے کیا ہم

۱۷۸۰ کھنچے گی کب وہ تیغِ ناز یارب! — رہے ہیں دیر سے سر کو جھکا ہم

نہ جانا یہ کہ کہتے ہیں کسے پیار — رہیں بے لطفیاں ہی یاں تو باہم

سبب کیا خال و زلف و خط سے دیکھیں — ہوئے ہیں کتنے یہ کافر فراہم

مرض ہی عشق کا بے ڈول ہے کچھ — بہت کرتے ہیں اپنی سی دوا ہم

کہیں پیوند ہوں یارب زمیں کے — پھریں گے اس سے یوں کب تک جدا ہم

۱۷۸۵ ہوس تھی عشق کرنے میں ولیکن — بہت نادم ہوئے دل کو لگا ہم

کب آ گئے کوئی مرتا تھا کسی پر — جہاں میں کر گئے رسمِ وفا ہم

تعارف کیا رہا اہلِ چمن سے — ہوئے اک عمر کے پیچھے رہا ہم

موا جس کے لیے اس کو نہ دیکھا
نہ سمجھے میر کا کچھ مدعا ہم

## ۲۴۵

اگر راہ میں اس کی رکھا ہے گام — گئے گزرے خضر علیہ السلام

۱۷۹۰ دہن یار کا دیکھ چپ لگ گئی — سخن یاں ہوا ختم حاصل کلام

مجھے دیکھ منہ پر پریشاں کی زلف — غرض یہ کہ جا تو ہوئی اب تو شام

سرِ شام سے رہتی ہیں کاہشیں — ہمیں شوق اس ماہ کا ہے تمام

قیامت ہی یاں چشم و دل سے رہی قطعہ چلے بس تو واں جا کے کریے قیام
نہ دیکھے جہاں کوئی آنکھوں کی اور نہ لیوے کوئی جس جگہ دِل کا نام

جہاں میرؔ زیر و زبر ہو گیا ۱۷۹۵
خراماں ہوا تھا وہ محشر خرام

۲۴۶

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم لیک لگ چلنے میں بلا ہیں ہم
کام کیا آتے ہیں گے معلومات یہ تو سمجھے ہی نہ کہ کیا ہیں ہم
اے بتاں! اس قدر جفا ہم پر عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم
سرمہ آلودہ مت رکھا کر چشم دیکھ اس وضع سے خفا ہیں ہم
ہے نمک سود سب تن مجروح تیرے کشتوں میں میرزا ہیں ہم ۱۸۰۰
خوف ہم کو نہیں جنوں سے کچھ یوں تو مجنوں کے بھی چچا ہیں ہم
آستاں پر ترے ہی گزری عمر اسی دروازے کے گدا ہیں ہم

کوئی خواہاں نہیں ہمارا میرؔ
گوئیا جنسِ ناروا ہیں ہم

۲۴۷

حذر کہ آہِ جگر تفتگاں بلا ہے گرم ہمیشہ آگ ہی برسے ہے یاں ہوا ہے گرم
ہزار حیف کہ درگیر صحبت اُس سے نہیں جگر کی آگ نے ہنگامہ کر رکھا ہے گرم ۱۸۰۵
کہاں ہے تیغ و سپر آفتاب کی بارے وہ سرد مہر ہمارا بھی اب ہوا ہے گرم
نہ اِتنی دارُو پی ظالم کہ اس خمار میں ہوں مزاج گرم ہے پھر اور یہ ہوا ہے گرم

گیا جہان سے خورشید ساں اگرچہ میرؔ
ولیک مجلسِ دنیا میں اس کی جا ہے گرم

۲۴۸

کرتے ہیں گفتگو سحر اُٹھ کر صبا سے ہم لڑنے لگے ہیں ہجر میں اس کے ہوا سے ہم
ہوتا نہ دِل کا تا یہ سرانجام عشق میں لگتے ہی جی کے مر گئے ہوتے بلا سے ہم ۱۸۱۰

چھوٹا نہ اس کا دیکھنا ہم سے کبھو طرح — پایانِ کار مارے لیے اس ادا سے ہم

داغوں ہی سے بھری رہی چھاتی تمام عمر — یہ پھول گل چنا کیے باغِ وفا سے ہم

غافل نہ اپنی دیدہ درائی سے ہم کو جان — سب دیکھتے ہیں پر نہیں کہتے حیا سے ہم

دو چار دن تو اور بھی آ تو کراہتے — اب ہو چکے ہیں رونکی تیری جفا سے ہم

آئینے کی مثال پس از صد شکست میر
۱۸۱۵ کھینچا بغل میں یار کو دستِ دعا سے ہم

## ن

### ۲۴۹

بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں — ایک مدت سے وہ مزاج نہیں

درد اگر یہ ہے تو مجھے بس ہے — اب دوا کی کچھ احتیاج نہیں

ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن — مرضِ عشق کا علاج نہیں

شہرِ خوبی کو خوب دیکھا میر
جنسِ دل کا کہیں رواج نہیں

### ۲۵۰

۱۸۲۰ وحشت میں ہوں بلا گر وادی پر اپنی آؤں — مجنوں کی محنتیں سب میں خاک میں ملاؤں

ہنس کر کبھو بلایا تو برسوں تک رلایا — اس کی ستم ظریفی کس کے تئیں دکھاؤں

فریادی ہوں تو ٹپکے لوہو مری زباں سے — نالے کو بلبلوں کے خاطر میں بھی نہ لاؤں

پوچھو نہ دل کے غم کو ایسا نہ ہووے یاراں — مانندِ روضہ خواں کے مجلس کے تئیں رلاؤں

اک دم تو چونک بھی پڑ شور و فغاں سے میرے — اے بختِ خفتہ کب تک تیرے تئیں جگاؤں

۱۸۲۵ از خویش رفتہ ہر دم فکرِ وصال میں ہوں — کتنا میں کھویا جاؤں یا رب کہ تجھ کو پاؤں

عریاں تنی کی شوخی وحشت میں کیا بلا تھی — تہ گرد کی نہ بیٹھی تا تن کے تئیں چھپاؤں

اگلے خطوں نے میر کے مطلق اثر نہ بخشا — قاصد کے بدلے اب کے جادو مگر چلاؤں

دلِ تفتگی نے مارا مجھ کو کہاں مژہ دے — اک قطرہ آب تا میں اس آگ کو بجھاؤں

آسودگی تو معلوم اے میر جیتے جی یاں — آرام تب ہی پاؤں جب جی سے ہاتھ اٹھاؤں

## ۲۵۱

سوزشِ دل سے مفت گلتے ہیں　　داغ جیسے چراغ جلتے ہیں　　۱۸۳۰

اس طرح دل گیا کہ اب تک ہم　　بیٹھے روتے ہیں ہاتھ ملتے ہیں

بھری آتی ہیں آج یوں آنکھیں　　جیسے دریا کہیں ابلتے ہیں

دمِ آخر ہے بیٹھ جا مت جا　　صبر کر ٹک کہ ہم بھی چلتے ہیں

تیرے بے خود جو ہیں سو کیا چیتیں　　ایسے ڈوبے کہیں اچھلتے ہیں

فتنہ در سر بتانِ حشر خرام　　ہائے رے کس ٹھسک سے چلتے ہیں　　۱۸۳۵

نظر اٹھتی نہیں کہ جب خوباں　　سوتے سے اٹھ کے آنکھ ملتے ہیں

اس سرِ زلف کا خیال نہ چھوڑ　　سانپ کے سر ہی یاں کچلتے ہیں

تھے جو اغیار سنگ سینے کے　　اب تو کچھ ہم کو دیکھ ٹلتے ہیں

شمع رو موم کے بنے ہیں مگر　　گرم ٹک ملیے تو پگھلتے ہیں

میر صاحب کو دیکھیے جو بنے　　۱۸۴۰

اب بہت گھر سے کم نکلتے ہیں

## ۲۵۲

آیا کمال نقص مرے دل کی تاب میں　　جاتا ہے جی چلا ہی مرا اضطراب میں

دوزخ کیا ہے سینہ مرا سوزِ عشق سے　　اس دل جلے ہوئے کے سبب ہوں عذاب میں

مت کر نگاہِ خشم یہی موت ہے مری　　ساقی نہ زہر دے تو مجھے تو شراب میں

بیدار شورِ حشر نے سب کو کیا ولے　　ہیں خونِ خفتہ اس کے شہیدوں کے خواب میں

دل لے کے رو بھی ٹک نہیں دیتے کہیں گے کیا　　خوبانِ بد معاملہ یوم الحساب میں　　۱۸۴۵

جاکر وو طبیب پہ بھی میں گرا دمے　　جز آہ ان نے کچھ نہ کیا میرے باب میں

عیش و خوشی ہے شیب میں ہو گو پہ وہ کہاں　　قطعہ　　لذت جو ہے جوانی کے رنج و عتاب میں

دیں عمرِ خضر موسمِ پیری میں تو نہ لے　　مرنا ہی اس سے خوب ہے عہدِ شباب میں

آ نکلے تھے جو حضرتِ میر اس طرف کہیں　　قطعہ　　میں نے کیا سوال یہ ان کی جناب میں

حضرت سنو تو میں بھی تعلق کروں کہیں　　فرمانے لاگے رو کے یہ اس کے جواب میں　　[illegible]

تو جہان لیک تجھ سے بھی آئے جو کل تھے یاں
ہیں آج صرف خاک جہانِ خراب میں

۲۵۳

بے روئے و زلفِ یار ہے رونے سے کام یاں — دامن ہے منھ پہ ابر نمط صبح و شام یاں
آوازہ ہی جہاں میں ہمارا سنا کرو — عنقا کے طور زیست ہے اپنی بنام یاں
وصفِ دہن سے اس کے نہ آگے قلم چلے — یعنی کیا ہے خامے نے ختم کلام یاں
۱۰۰۰ غالب یہ ہے کہ موسمِ خط واں قریب ہے — آنے لگا ہے متصل اس کا پیام یاں
مت کھا فریبِ عجز عزیزانِ حال کا — پنہاں کیے ہیں خاک میں یاروں نے دام یاں
کوئی ہوا نہ دست بسر شہرِ حسن میں — شاید نہیں ہے رسمِ جوابِ سلام یاں

ناکام رہنے ہی کا تمہیں غم ہے آج میر
بہتوں کے کام ہو گئے ہیں کل تمام یاں

۲۵۴

نہ گیا خیالِ زلفِ سیہ جفا شعاراں — نہ ہوا کہ صبح ہووے شبِ تیرہ روزگاراں
نہ کہا تھا اے رفوگر ترے ٹانکے ہوں گے ڈھیلے — نہ سیا گیا یہ آخر دلِ چاکِ بے قراراں
ہوئی عید سب نے پہنے طرب و خوشی کے جامے — نہ ہوا کہ ہم بھی بدلیں یہ لباسِ سوگواراں
خطرِ عظیم میں ہیں مری آہ و اشک سے سب — کہ جہان رہ چکا پھر جو یہی ہے باد و باراں
کہیں خاکِ کو کو اس کی تو صبا نہ دیجو جنبش — کہ بھرے ہیں اُس زمیں میں جگرِ جگر فگاراں
رکھے تاجِ زر کو سر پہ چمنِ زمانہ میں گل — نہ شگفتہ ہو تو اتنا کہ خزاں ہے یہ بہاراں
نہیں تجھ کو چشمِ عبرت یہ نمود میں ہے ورنہ — کہ گئے ہیں خاک میں مل کئی تجھ سے تاجداراں
تو جہاں سے دل اٹھا یاں نہیں رسمِ دردمندی — کسی نے بھی یوں نہ پوچھا ہوئے خاک یاں ہزاراں

یہ سنا تھا میر ہم نے کہ فسانہ خواب لا ہے
تری سرگزشت سن کر گئے اور خواب یاراں

۲۵۵

اس کے کوچے سے جو اٹھ اہلِ وفا جاتے ہیں — تا نظر کام کرے رو بقفا جاتے ہیں

متصل روتے ہی رہیے تو بجھے آتشِ دل ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں

وقتِ خوش اُن کا جو ہم بزم ہیں تیرے ہم تو در و دیوار کو احوال سنا جاتے ہیں ۱۸۷۰

جائے گی طاقتِ پا آہ تو کریے گا کیا اب تو ہم حال کبھو تم کو دکھا جاتے ہیں

ایک بیمار جدائی ہوں میں آپھی تس پر پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ہیں

غیر کی تیغ زباں سے تری مجلس میں تو ہم آکے روز ایک نیا زخم اٹھا جاتے ہیں

عرضِ وحشت نہ دیا کر تو بگولے اتنی اپنی وادی پہ کبھو یار بھی آ جاتے ہیں

میر صاحب بھی ترے کوچے میں شب آتے ہیں لیک
جیسے دریوزہ گری کرنے گدا جاتے ہیں ۱۸۷۵

## ۲۵۶

کبھو قاصد جو وہ پوچھے ہمیں کیا کرتے ہیں جان و ایمان و محبت کو دعا کرتے ہیں

عشق آتش بھی جو دیوے تو نہ دم ماریں ہم شمع تصویر ہیں خاموش جلا کرتے ہیں

جائے ہی نا مرضِ دل تو نہیں اس کا علاج اپنے مقدور تلک ہم تو دوا کرتے ہیں

اس کے کوچے میں نہ کر شورِ قیامت کا ذکر شیخ یاں ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہیں

بےکسی سے تو تری بزم میں ہم بہرے بنے نیک و بد کوئی کہے بیٹھے سنا کرتے ہیں ۱۸۸۰

رخصتِ جنبشِ لب عشق کی حیرت سے نہیں مدتیں گذریں کہ ہم چپ ہی رہا کرتے ہیں

تو پری شیشے سے نازک ہے نہ کر دعوئ مہر دل ہیں پتھر کے انھوں کے جو وفا کرتے ہیں

تجھ سے لگ جا کے یہ یوں جاتے رہیں مجھ سے حیف دیدہ و دل نے نہ جانا کہ دغا کرتے ہیں

فرصتِ خواب نہیں ذکرِ بتاں میں ہم کو رات دن رام کہانی سی کہا کرتے ہیں

مجلسِ حال میں موزوں حرکت شیخ کی دیکھ خیرِ شرعی بھی دم رقص مزا کرتے ہیں ۱۸۸۵

یہ زمانہ نہیں ایسا کہ کوئی زیست کرے چاہتے ہیں جو برا اپنا بھلا کرتے ہیں

محض ناکارہ بھی مت جان ہمیں تو کہ کہیں ایسے ناکام بھی بیکار پھرا کرتے ہیں

تجھ بن اس جان مصیبت زدہ غم دیدہ پہ ہم کچھ نہیں کرتے تو افسوس کیا کرتے ہیں

کیا کہیں میر جی ہم تم سے معاش اپنی غرض
غم کو کھایا کریں ہیں لوہو پیا کرتے ہیں

۲۵۷

۱۸۹۰ مستوجبِ ظلم و ستم و جور و جفا ہوں — ہر چند کہ جلتا ہوں پہ سرگرمِ وفا ہوں

آتے ہیں مجھے خوب سے دونوں ہنرِ عشق — رونے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں

اس گلشنِ دنیا میں شگفتہ نہ ہوا میں — ہوں غنچۂ افسردہ کہ مردودِ صبا ہوں

ہم چشم ہے ہر آبلۂ پا کا مرا اشک — از بس کہ تری راہ میں آنکھوں سے چلا ہوں

دامن نہ جھٹک ہاتھ سے میرے کہ ستم گر — ہوں خاکِ سرِ راہ کوئی دم میں ہوا ہوں

۱۸۹۵ دل خواہ جلا اب تو مجھے اے شبِ ہجراں — میں سوختہ بھی منتظرِ روزِ جزا ہوں

گو طاقت و آرام و خور و خواب گئے سب — بارے یہ غنیمت ہے کہ جیتا تو رہا ہوں

اتنا ہی مجھے علم ہے کچھ میں بھی بہر چیز — معلوم نہیں خوب مجھے بھی کہ میں کیا ہوں

تب گرمِ سخن کہنے لگا ہوں میں کہ اک عمر — جوں شمع سرِ شام سے تا صبح جلا ہوں

سینہ تو کیا فضلِ الٰہی سے سبھی چاک
ہے وقتِ دعا میرؔ کہ اب دل کو لگا ہوں

۲۵۸

۱۹۰۰ جنسِ گراں کو تجھ سے جو لوگ چاہتے ہیں — وے روگ اپنے جی کو ناحق بساہتے ہیں

اس میکدے میں ہم بھی مدت سے ہیں ولیکن — خمیازہ کھینچتے ہیں ہر دم جماہتے ہیں

ناموسِ دوستی سے گردن بندھی ہے اپنی — جیتے ہیں جب تلک ہم تب تک نباہتے ہیں

سہل اس قدر نہیں ہے مشکل پسندی میری — جو تجھ کو دیکھتے ہیں مجھ کو سراہتے ہیں

وے دن گئے کہ راتیں نالوں سے کاٹتے تھے
بے ڈول میرؔ صاحب اب کچھ کراہتے ہیں

۲۵۹

۱۹۰۵ یہ ترک ہو کے خشن کج اگر کلاہ کریں — تو بوالہوس نہ کبھو چشم کو سیاہ کریں

تمھیں بھی چاہیے ہے کچھ تو پاس چاہت کا — ہم اپنی اور سے یوں کب تلک نباہ کریں

رکھا ہے اپنے تئیں روک روک کر، ورنہ — سیاہ کر دیں زمانے کو ہم جو آہ کریں

جو اس کی اور کو جانا ملے تو ہم بھی ضعیف — ہزار سجدے ہر اک گام سر بہ راہ کریں

ہوائے میکدہ یہ ہے تو فوتِ وقت ہے ظلم — نماز چھوڑ دیں اب کوئی دن گناہ کریں

ہمیشہ کون تکلف سے ہے خوب رویوں کا — گزار ناز سے ادھر بھی گاہ گاہ کریں — ۱۹۱۰
اگر اٹھیں گے اسی حال سے تو کہیو 'تو' — جو روز حشر تجھی کو نہ عذر خواہ کریں
بری بلا ہیں ستم کشتۂ محبت ہم — جو تیغ برسے تو سر کو نہ کچھ پناہ کریں

اگرچہ سہل ہیں پر دیدنی ہیں ہم بھی میرؔ
ادھر کو یار تامل سے گر نگاہ کریں

## ۲۶۰

راضی ہوں گو کہ بعد از صد سال و ماہ دیکھوں — اکثر نہیں تو تجھ کو میں گاہ گاہ دیکھوں
جی انتظار کش ہے آنکھوں میں رہ گذر پر — آ جا نظر کہ کب تک میں تیری راہ دیکھوں — ۱۹۱۵
آنکھیں جو کھل رہی ہیں مرنے کے بعد میری — حسرت یہ تھی کہ اس کو میں اک نگاہ دیکھوں
یہ دل وہ جا ہے جس میں دیکھا تھا تجھ کو بستے — کن آنکھوں سے اب اجڑا اس گھر کو آہ دیکھوں
دیکھوں تو چاند اب کا گذرے ہے مجھ کو کیسا — دل ہے کہ تیرے منھ پر بے مہر ماہ دیکھوں
چشم و دل و جگر یہ سارے ہوئے پریشاں — کس کس کی تیرے غم میں حالت تباہ دیکھوں
آنکھیں تو تو نے دی ہیں اے جرم بخش عالم — کیا تیری رحمت آگے اپنے گناہ دیکھوں — ۱۹۲۰
مرنا ہے یا تماشا ہر اک کی ہے زباں پر — قطعہ — اس مجہلے کو چل کر میں خواہ نخواہ دیکھوں
دیکھوں ہوں آنکھ اٹھا کر جس کو تو یہ کہے ہے — ہوتا ہے قتل کیونکر یہ بے گناہ دیکھوں

ہوں میں نگاہ بسمل گو اک مژہ تھی فرصت
تا میر روئے قاتل تا قتل گاہ دیکھوں

## ۲۶۱

مشہور ہیں دلوں کی مرے بے قراریاں — جاتی ہیں لامکاں کو دل شب کی زاریاں
چہرے پہ جیسے زخم ہے ناخن کا ہر خراش — اب دیدنی ہوئی ہیں مری دستکاریاں — ۱۹۲۵
سو بار ہم نے گل کے گئے پر چمن کے بیچ — بھر دی ہیں آب چشم سے راتوں کو کیاریاں
کشتے کی اس کے خاک بھری جسم زار پر — خالی نہیں ہیں لطف سے لوہو کی دھاریاں
تربت سے عاشقوں کے نہ اٹھا کبھو غبار — جی سے گئے و لیے نہ گئیں رازداریاں
اب کس کس اپنی خواہش مردہ کو روئیے — تھیں ہم کو اس سے سیکڑوں امیدواریاں

۱۹۲۰ پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ — مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں

کیا جانتے تھے ایسے دن آجائیں گے شتاب — روتے گزرتیاں ہیں ہمیں راتیں ساریاں

گل نے ہزار رنگ سخن سر کیا و لے — دل سے گئیں نہ باتیں تری پیاری پیاریاں

جاؤ گے بھول عہد کو فرہاد و قیس کے — گر پہنچیں ہم شکستہ دلوں کی بھی باریاں

بچ جاتا ایک رات جو کٹ جاتی اور میر
کاٹیں تھیں کوہ کن نے بہت راتیں بھاریاں

## ۲۶۲

۱۹۲۵ گر کچھ ہو درد آئینہ یوں چرخ زشت میں — ان صورتوں کو صرف کرے خاک و خشت میں

رکھتا ہے سوز عشق سے دوزخ میں روز و شب — لے جائے گا یہ سوختہ دل کیا بہشت میں

آسودہ کیونکہ ہوں میں کہ مانند گرد باد — آوارگی تمام ہے میری سرشت میں

کب تک خراب سعی طواف حرم رہوں — دل کو اٹھا کے بیٹھ رہوں گا کنشت میں

ماتم کے ہوں زمین پہ خرمن تو کیا عجب — ہوتا ہے نیل چرخ کی اس سبز کشت میں

۱۹۳۰ سرمست ہم ہیں آنکھوں کے دیکھے سے یار کی — کب یہ نشہ ہے دختر رز تجھ پلشت میں

نامے کو چاک کر کے کرے نامہ بر کو قتل
کیا یہ لکھا تھا میر مری سرنوشت میں

## ۲۶۳

درد و اندوہ میں ٹھہرا جو رہا میں ہی ہوں — رنگ رو جس کے کبھو منھ نہ چڑھا میں ہی ہوں

بدکہا میں نے رقیبوں کو تو تقصیر ہوئی — کیوں ہے بخشو بھی بھلا سب میں برا میں ہی ہوں

اپنے کوچے میں فغاں جس کی سنو ہو ہر رات — وہ جگر سوختہ و سینہ جلا میں ہی ہوں

۱۹۳۵ خار کو جن نے لڑی موتی کی کر دکھلایا — اس بیابان میں وہ آبلہ پا میں ہی ہوں

لطف آنے کا ہے کیا بس نہیں اب تاب جفا — اتنا عالم ہے بھرا جاؤ نہ کیا میں ہی ہوں

اس ادا کو تو ٹک اک سیر کرو انصاف کرو — قطعہ — وہ برا ہے گا بھلا دوستو یا میں ہی ہوں

میں یہ کہتا تھا کہ دل جن نے لیا کون ہے وہ — یک بیک بول اٹھا اس طرف آ میں ہی ہوں

جب کہا میں نے کہ تو ہی ہے تو پھر کہنے لگا — کیا کرے گا تو مرا دیکھوں تو جا میں ہی ہوں

۱۹۴۰ سنتے ہی ہنس کے ٹک اک سوچو کیا تو ہی تھا — جن نے شب رو کے سب احوال کہا میں ہی ہوں

میر آوارۂ عالم جو سنا ہے تو نے — خاک آلودہ وہ اے باد صبا میں ہی ہوں

کاسہ سر کو لیے مانگتا دیدار پھرے
میر وہ جان سے بیزار گدا میں ہی ہوں

## ۲۶۴

نکلے ہے جنسِ حسن کسی کاروان میں — یہ وہ نہیں متاع کہ ہو ہر دکان میں

جاتا ہے اک ہجوم غمِ عشق جی کے ساتھ — ہنگامہ لے چلے ہیں ہم اس بھی جہان میں

یارب کوئی تو واسطہ سرگشتگی کا ہے — یک عشق بھر رہا ہے تمام آسمان میں ۱۹۵۵

ہم اس سے آہ سوزِ دل اپنا نہ کہہ سکے — تھے آتشِ دروں سے پھپھولے زبان میں

غم کھینچنے کو کچھ تو توانائی چاہیے — قطعہ — سو یاں نہ دل میں تاب نہ طاقت ہے جان میں

غافل نہ رہیو ہم سے کہ ہم وے نہیں رہے — ہوتا ہے اب تو حال عجب ایک آن میں

وے دن گئے کہ آتشِ غم دل میں تھی نہاں — سوزش رہے ہے اب تو ہر اک استخوان میں

دل نذر و دیدہ پیش کش اے باعثِ حیات — سچ کہہ کہ جی لگے ہے ترا کس مکان میں ۱۹۶۰

کھینچا نہ کر تو تیغ کہ اک دن نہیں ہیں ہم — ظالم قباحتیں ہیں بہت امتحان میں

پھاڑا ہزار جا سے گریبان صبر میر
کیا کہہ گئی نسیم سحر گل کے کان میں

## ۲۶۵

نہاں رکھ غنچہ ساں اپنے دہن میں — بندھی مٹھی چلا جا اس چمن میں

نہ کھول اے یار میرا گور میں منھ — کہ حسرت ہے مری جاگہ کفن میں

رکھا کر ہاتھ دل پر آہ کرتے — نہیں رہتا چراغ ایسی پون میں ۱۹۶۵

جلے دل کی مصیبت اپنے سن کر — لگی ہے آگ سارے تن بدن میں

نہ تجھ بن ہوش میں ہم آئے ساقی — مسافر ہی رہے اکثر وطن میں

خردمندی ہوئی زنجیر ورنہ — گزرتی خوب تھی دیوانہ پن میں

کہاں کے شمع و پروانے گئے مر — بہت آتش بجاں تھے اس چمن میں

کہاں عاجز سخن قادر سخن ہوں — ہمیں ہے شبہ یاروں کے سخن میں ۱۹۷۰

گداز عشق میں بہہ بھی گیا میر
یہی دھوکا سا ہے اب پیرہن میں

## ۲۶۶

جن کے لیے اپنے تو یوں جان نکلتے ہیں
اس راہ میں وے جیسے انجان نکلتے ہیں

کیا تیر ستم اس کے سینے میں بھی ٹوٹے تھے
جس زخم کو چیروں ہوں پیکان نکلتے ہیں

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

۱۹۷۵ کس کا ہے قماش ایسا گودڑ بھرے ہیں سارے
دیکھو نہ جو لوگوں کے دیوان نکلتے ہیں

گہ لوہو ٹپکتا ہے گہ لخت دل آنکھوں سے
قطعہ یا ٹکڑے جگر ہی کے ہر آن نکلتے ہیں

کریے تو گلہ کس سے جیسی تھی ہمیں خواہش
اب ویسے ہی یہ اپنے ارمان نکلتے ہیں

جاگہ سے بھی جاتے ہو منھ سے بھی خشن ہو کر
قطعہ وے حرف نہیں ہیں جو شایان نکلتے ہیں

سو کاہے کو اپنی تو جوگی کی سی پھیری ہے
برسوں میں کبھو ایدھر ہم آن نکلتے ہیں

ان آئینہ رویوں کے کیا میر بھی عاشق ہیں
۱۹۸۰ جب گھر سے نکلتے ہیں حیران نکلتے ہیں

## ۲۶۷

تو گلی میں اس کی جا آئے لے اے صبا نہ چنداں
کہ گڑے ہوئے پھر اکھڑیں دل چاک دردمنداں

ترے تیر ناز کے جو یہ ہدف ہوئے ہیں ظالم
مگر آہنی تو سے ہیں جگر نیازمنداں

کبھو زلف سے بتاں کی نہ ہوا رہا میں ہرگز
یہی ہیں شکار خستہ یہی عنبریں کمنداں

تجھی کوندکو ندا اتنا تو زمیں سے جائیے بل بل
نہیں دیکھے برق تو نے دم خندہ اس کے دنداں

۱۹۸۵ میں صفا کیا دل اتنا کہ دکھائی دیوے منھ بھی
وے معنت اس آئینے کو نہیں لیتے خودپسنداں

کھلیں آنکھیں میں جو دیکھا سو غم اور چشم گریاں
کسے کہتے ہیں نہ جانا دل شاد و روے خنداں

تو نہ بولی شکار تو تھا و لے میر قتل گہ میں
ترے خوں سے ہیں حنائی کف پاے صیدبنداں

## ۲۶۸

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہیں
اس غم کدے میں آہ دل خوش کہیں نہیں

کرتا ہے ابر دعوئے دریا دلی عبث — دامن نہیں مرا تو مری آستیں نہیں

آگے تو لعل تو خطِ خوباں کے دم نہ مار — ہر چند اے مسیح ترے باتیں ہیں نہیں ۱۹۹۰

یہ دل دماغ اس کے کیونکہ کروں دل نشیں کہ آہ — کہتا ہوں جس طرح سے کہے ہے نہیں نہیں

ماتھا گیا ہے صرف سجود در بتاں — مانند ماہِ نو کے مری اب جبیں نہیں

گھر گھر ہے ملک عشق میں دوزخ کی تاب تب — بھڑکا نہ ہم کو شیخ یہ آتش یوں ہیں نہیں

فکر بلند سے میں کیا آسماں اسے
ہر یک سے میر خوب ہو یہ وہ زمیں نہیں

۲۶۹

دعوے کو یار آگے معیوب کر چکے ہیں — اس ریختے کو ورنہ ہم خوب کر چکے ہیں ۱۹۹۵

مرنے سے تم ہمارے خاطر نچنت رکھیو — اس کام کا بھی ہم کچھ اسلوب کر چکے ہیں

حسن کلام کھینچے کیوں کر نہ دامن دل — اس کام کو ہم آخر محبوب کر چکے ہیں

ہنگامۂ قیامت تازہ نہیں جو ہوگا — ہم اس طرح کے کتنے آشوب کر چکے ہیں

رنگ پریدۂ قاصد، بادِ سحر، کبوتر — کس کس کے ہم حوالے مکتوب کر چکے ہیں

تنکا نہیں رہا ہے کیا اب نثار کریے — آگے ہی ہم تو گھر کو جاروب کر چکے ہیں ۲۰۰۰

کیا جانیے کہ کیا ہے اے میر وجہ ضد کی
سو بار ہم تو اس کو محجوب کر چکے ہیں

۲۷۰

جو حیدری نہیں اسے ایماں ہی نہیں — ہو گر شریف مکہ مسلماں ہی نہیں

وہ ترک صید پیشہ مرا قصد کیا کرے — دبلے پنے سے تن میں مرے جان ہی نہیں

خال و خط ایسے فتنے نگاہیں یہ آفتیں — کچھ اک بلا وہ زلف پریشاں ہی نہیں

ہیں جزو خاک ہم تو غبار ضعیف سے — سر کھینچنے کا ہم کنے ساماں ہی نہیں ۲۰۰۵

دیکھی ہو جس نے صورت دلکش وہ ایک آن — پھر صبر اس سے ہو سکے امکاں ہی نہیں

خورشید و ماہ و گل سبھی ادھر رہے ہیں دیکھ — اس چہرے کا اک آئینہ حیراں ہی نہیں

یکساں ہے تیرے آگے جو دل اور آرسی — کیا خوب و زشت کی تجھے پہچان ہی نہیں

سجدہ اس آستاں کا نہ جس کے ہوا نصیب — وہ اپنے اعتقاد میں انسان ہی نہیں

کیا تجھ کو بھی جنوں تھا کہ جامے میں تیرے میر
۲۰۱۰ سب کچھ بجا ہے ایک گریباں ہی نہیں

## ۲۷۱

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہیں — اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہیں

عجز و نیاز اپنا اپنی طرف ہے سارا — اس مشتِ خاک کو ہم مسجود جانتے ہیں

صورت پذیر ہم بن ہرگز نہیں وے معنی — اہلِ نظر ہمیں کو معبود جانتے ہیں

عشق ان کی عقل کو ہے جو ماسوا ہمارے — ناچیز جانتے ہیں نابود جانتے ہیں

۲۰۱۵ اپنی ہی سیر کرنے ہم جلوہ گر ہوئے تھے — اس رمز کو و لیکن معدود جانتے ہیں

یارب کسے ہے ناسور ہر غنچہ اس چمن کا — راہِ وفا کو ہم تو مسدود جانتے ہیں

یہ ظلم بے نہایت دشوار تر کہ خوباں — بدوضعیوں کو اپنی محمود جانتے ہیں

کیا جانے داب صحبت از خویش رفتگاں کا — مجلس میں شیخ صاحب کچھ کود جانتے ہیں

مرکر بھی ہاتھ آوے تو میر مفت ہے وہ
جی کے زیاں کو بھی ہم سود جانتے ہیں

## ۲۷۲

۲۰۲۰ تلوار غرق خوں ہے آنکھیں گلابیاں ہیں — دیکھیں تو تیری کب تک یہ بد شرابیاں ہیں

جب لے نقاب منھ پر تب دید کر کہ کیا کیا — در پردہ شوخیاں ہیں پھر بے حجابیاں ہیں

چاہے ہے آج ہو لیں ہفت آسماں تلے اوپر — دل کے مزاج میں بھی کتنی شتابیاں ہیں

جی نکھرے دل تپے ہے سر بھی گرا پڑے ہے — خانہ خراب تجھ بن کیا کیا خرابیاں ہیں

مہمان میر مت ہو خوانِ فلک پہ ہرگز
خالی یہ مہر و مہ کی دونوں رکابیاں ہیں

## ۲۷۳

۲۰۲۵ سن گوشِ دل سے اب تو سمجھ بے خبر کہیں — مذکور ہو چکا ہے مرا حال ہر کہیں

اب فائدہ سراغ سے بلبل کے باغباں — اطراف باغ ہوں گے پڑے مشتِ پر کہیں

عاشق ترے ہوئے تو ستم کچھ نہ ہو گیا — مرنا پڑا ہے ہم کو خدا سے تو ڈر کہیں

کچھ کچھ کہوں گا روز یہ کہتا تھا دل میں میں — قطعہ — آشفتہ طبع میر کو پایا اگر کہیں

سو کل ملا مجھے وہ بیاباں کی سمت کو — جاتا تھا اضطراب زدہ سا ادھر کہیں

لگ چل کے میں برنگ صبا یہ اسے کہا — کاے خانماں خراب ترا بھی ہے گھر کہیں — ۲۰۳۰

آشفتہ جا بہ جا جو پھرے ہے تو دشت میں — جا کہ نہیں ہے شہر میں تجھ کو مگر کہیں

خول بستہ اپنی کھول مژہ پوچھتا بھی گر — رکھ ٹک تو اپنے حال کو مد نظر کہیں

آسودگی سی جنس کو کرتا ہے کون سوخت — جانے ہے نفع کوئی بھی جی کا ضرر کہیں

موتی سے تیرے اشک ہیں غلطاں کسو طرف — یاقوت کے سے ٹکڑے ہیں لخت جگر کہیں

تا کے یہ دشت گردی و کب تک یہ خستگی — اس زندگی سے کچھ تجھے حاصل بھی مر کہیں — ۲۰۳۵

کہنے لگا وہ ہو کے پر آشفتہ یک بیک — مسکن کرے ہے دہر میں مجھ سا بشر کہیں

آوارگوں کا ننگ ہے سننا نصیحتیں — مت کہیو ایسی بات تو بار دگر کہیں

تعیین جا کو بھول گیا ہوں پہ یہ ہے یاد — کہتا تھا ایک روز یہ اہل نظر کہیں

بیٹھے اگرچہ نقش ترا تو بھی دل اٹھا — کرتا ہے جا سے باش کوئی رہ گذر کہیں

کتنے ہی آئے لے کے سر پر خیال پر — ایسے گئے کہ کچھ نہیں ان کا اثر کہیں — ۲۰۴۰

اب کچھ ہمارے حال پہ تم کو نظر نہیں — ۲۷۴ — یعنی تمھاری ہم سے وے آنکھیں نہیں رہیں

اس بزم کے چراغ بجھے سے تھے جو یار میر
ان کے فروغ باغ میں گل ہیں کہیں کہیں

## ۲۷۵

پلکوں سے تیرے شائق ہم سر جو پٹکتے ہیں — ہر دم جگر و دل میں کچھ کانٹے سے کھٹکتے ہیں

میں پھاڑ گریباں کو درویش ہوا آخر — وے ہاتھ سے دامن کو اب تک بھی جھٹکتے ہیں

یاد آئے ہے جب شب کو وہ چہرۂ مہتابی — آنسو مری پلکوں سے تارے سے چمکتے ہیں — ۲۰۴۵

کی راہبری میری صحرائے محبت میں — یاں حضرت خضر آ بھی مدت سے بھٹکتے ہیں

جاتے نہ کوئی دیکھا اس تیغ کے منھ اوپر — واں میان سے وہ ملے ہے یاں یار سسکتے ہیں

کیا تم کو اچنبھا ہے سختی کا محبت میں — دشوار ہی ہوتا ہے دل جن کے اٹکتے ہیں

تو طرۂ جاناں سے چاہے ہے ابھی مقصد
برسوں سے پڑے ہم تو اے میرؔ لٹکتے ہیں

۲۷۶

۲۰۵۰ سب خوبیاں ہیں شیخ مشیخت پناہ میں — پر ایک حیلہ سازی ہے اس دستگاہ میں
مانندِ شمع ہم نے حضور اپنے یار کے — کارِ وفا تمام کیا ایک آہ میں
میں صید جو ہوا تو ندامت اسے ہوئی — یک قطرہ خون بھی نہ گرا صیدگاہ میں
پہنچے نہیں کہیں کہ نہیں واں سے اٹھ چلے — القصہ ایک عمر سے ہم ہیں گے راہ میں
نکلا تھا آستین سے کل غنچے کا ہاتھ — بہتوں کے خرقے چاک ہوئے خانقاہ میں
۲۰۵۵ بختِ سیہ تو دیکھ کہ ہم خاک میں ملے — سرمے کی جائے ہو تری چشمِ سیاہ میں

بیٹھے تھے میرؔ یار کے دیدار کو سو ہم
اپنا یہ حال کر کے اُٹھے یک نگاہ میں

۲۷۷

کیا جو عرض کہ دل سا شکار لایا ہوں — کہا کہ ایسے تو میں مفت مار لایا ہوں
کہے تو نخلِ صنوبر ہوں اس چمن میں میں — کہ سر سے پاؤں تلک دل ہی بار لایا ہوں
جہاں میں گریہ نہ پہنچا بہم مجھے دل خواہ — پہ نوح کے سے تو طوفاں ہزار لایا ہوں
۲۰۶۰ نہ تنگ کر اسے اے فکرِ روزگار کہ میں — دل اس ستم کے لیے مستعار لایا ہوں
پھر اختیار ہے آگے ترا یہ ہے مجبور — کہ دل کو تجھ تئیں بے اختیار لایا ہوں
یہ بھی جو میرے گلے کا ہے ہار تو ہی لے — ترے گلے کے لیے میں یہ ہار لایا ہوں

چلا نہ اٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو میرؔ
ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہوں

۲۷۸

جفائیں دیکھ لیاں بے وفائیاں دیکھیں — بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں
۲۰۶۵ تری گلی سے سدا اے کشندۂ عالم — ہزاروں آتی ہوئی چارپائیاں دیکھیں
گیا نظر سے جو وہ گرمِ طفلِ آتش باز — ہم اپنے چہرے پہ اڑتی ہوائیاں دیکھیں

ترے وصال کے ہم شوق میں ہو آوارہ — عزیز دوست سبھوں کی جدائیاں دیکھیں
ہمیشہ مائلِ آئینہ ہی تجھے پایا — جو دیکھیں ہم نے یہی خود نمائیاں دیکھیں
شہاں کہ کحلِ جواہر تھی خاکِ پا جن کی — انھیں کی آنکھوں میں پھرتے سلائیاں دیکھیں

بنی نہ اپنی تو اس جنگ جو سے ہرگز میر
لڑائیں جب سے ہم آنکھیں لڑائیاں دیکھیں ۲۰۷۰

## ۲۷۹

خوش قداں جب سوار ہوتے ہیں — سرو و قمری شکار ہوتے ہیں
تیرے بالوں کے وصف میں میرے — شعر سب پیچ دار ہوتے ہیں
آؤ یادِ بتاں پہ بھول نہ جاؤ — یہ تغافل شعار ہوتے ہیں
دیکھ لیویں گے غیر کو تجھ پاس — صحبتوں میں بھی یار ہوتے ہیں
صدقے ہو لیویں ایک دم تیرے — پھر تو تجھ پر نثار ہوتے ہیں ۲۰۷۵
ہفت اقلیم ہر گلی ہے کہیں — دلّی سے بھی دیار ہوتے ہیں
رفتہ رفتہ یہ طفل خوش ظاہر — فتنۂ روزگار ہوتے ہیں

اس کے نزدیک کچھ نہیں عزت
میر جی یوں ہی خوار ہوتے ہیں

## ۲۸۰

وے جو حسن و جمال رکھتے ہیں — سارے تیرا خیال رکھتے ہیں
شب جو وہ مہ کبھو رہے ہے یاں — مدتوں یاد سال رکھتے ہیں ۲۰۸۰
ان لبوں کا جواب وہ ہے لعل — ہم تجھی سے سوال رکھتے ہیں
گل ترے روزگارِ خوبی میں — منھ طمانچوں سے لال رکھتے ہیں
دہن تنگ کے ترے مشتاق — آرزوئے محال رکھتے ہیں
خاکِ آدم ہی ہے تمام زمین — پاؤں کو ہم سنبھال رکھتے ہیں
یہ جو سر کھینچے تو قیامت ہے — دل کو ہم پائمال رکھتے ہیں ۲۰۸۵
اہلِ دل چشم سب تری جانب — آئینے کی مثال رکھتے ہیں

گفت گو ناقصوں سے ہے ورنہ
میرؔ جی بھی کمال رکھتے ہیں

## ۲۸۱

صبر و طاقت کو کروں یا خوش دلی کا غم کروں
اس میں حیراں ہوں بہت کس کس کا میں ماتم کروں

موسمِ حیرت ہے دل بھر کر تو رونا مل چکا
اتنے بھی آنسو بہم پہنچیں کہ مژگاں نم کروں

۲۰۹۰ ہوں سیہ مستِ سرِ زلفِ صنم معذور رکھ
شیخ اگر کعبے سے آوے گفتگو درہم کروں

ریزۂ الماس یا مشتِ نمک ہے کیا برا
جو میں اپنے ایسے زخمِ سینہ کو مرہم کروں

گرچہ کس گنتی میں ہوں پر ایک دم مجھ تک تو آ
یا ادھر ہوں یا ادھر کب تک شمارِ دم کروں

بس بہت رسوا ہوا میں اب نہیں مقدور کچھ
وہ طرح ڈھونڈھوں ہوں جس میں ربط تجھ سے کم کروں

گو دھواں اٹھنے لگا دل سے مرے پر پیچ و تاب
میرؔ اس پر قطعِ رابطہ زلف خم در خم کروں

## ۲۸۲

۲۰۹۵ کیا میں نے رو کر فشارِ گریباں
رگِ ابر تھا تار تارِ گریباں

کہیں دستِ چالاک ناخن نہ لاگے
کہ سینہ ہے قربِ جوارِ گریباں

نشاں اشکِ خونیں کے اڑتے چلے ہیں
خزاں ہو چلی ہے بہارِ گریباں

جنوں تیری منت ہے مجھ پر کہ تو نے
نہ رکھا مرے سر پہ بارِ گریباں

زیارت کروں دل سے خستہ جگر کی
کہاں ہوگی یا رب مزارِ گریباں

۲۱۰۰ کہیں جائے یہ دورِ دامن بھی جلدی
کہ آخر ہوا روزگارِ گریباں

پھروں میرؔ عریاں نہ دامن کا غم ہو
نہ باقی رہے خار خارِ گریباں

## ۲۸۳

بارہا وعدوں کی راتیں آئیاں
طالعوں نے صبح کر دکھلائیاں

عشق میں ایذائیں سب سے پائیاں
رہ گئے آنسو تو آنکھیں آئیاں

خلقِ حق ہم کو بھی وہ ہیں چاہیے
جوں ہماری ہوتی ہیں پرچھائیاں

اُس مژہ برہم زدہ نے بارہا
عاشقوں میں برچھیاں چلوائیاں ۲۱۰۵

نونہال آگے ترے ہیں جیسی ہوں
ڈالیاں ٹوٹی ہوئیں مرجھائیاں

ایک بھی چشمک نہ اُس مہ کی سی کی
آنکھیں تاروں نے بہت جھمکائیاں

ایک نے صورت نہ پکڑی پیشِ یار
دل میں شکلیں سیکڑوں ٹھہرائیاں

تربیت اپنی اس گلی میں کم نہیں
ہر جگہ ہر بار ماریں کھائیاں

بوسہ لینے کا کیا جس دم سوال
اُن نے باتیں ہی ہمیں بتلائیاں ۲۱۱۰

روکشی کو اُس کی مُنھ بھی چاہیے
ماہ کے چہرے پہ ہیں سب جھائیاں

مضطرب ہو کر کیا سب میں شتاب
دل نے آخر خفتیں دلوائیاں

چل چمن میں یہ بھی ہے کوئی روش
ناز تا کے چند بے پروائیاں

شوقِ قامت میں ترے اے نونہال
گُل کی شاخیں لیتی ہیں انگڑائیاں

پاس تجھ کو بھی نہیں ہے میر اب
دُور پہنچی ہیں مری رُسوائیاں ۲۱۱۵

## ۲۸۴

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں
اب ہم نے بھی کسو سے آنکھیں لڑائیاں ہیں

ٹک سن کہ سو برس کی ناموسِ خامشی کھو
دو چار دل کی باتیں اب مُنھ پہ آئیاں ہیں

ہم مُرے ہیں خوں گرفتہ ظالم جنھوں نے تیری
ابرو کی جنبش اوپر تلواریں کھائیاں ہیں

آئینہ ہو کے صورت معنی سے ہے لبالب
رازِ نہانِ حق میں کیا خود نمائیاں ہیں

کعبے میں میر ہم پر یاں سرگراں ہے زاہد
یا بت کدے میں ہم نے دھولیں لگائیاں ہیں ۲۱۲۰

## ۲۸۵

میں کون ہوں اے ہم نفساں، سوختہ جاں ہوں
اک آگ مرے دل میں ہے جو شُعلہ فشاں ہوں

لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر
میں ورنہ وہی خلوتیٔ رازِ نہاں ہوں

جلوہ ہے مجھی سے لبِ دریائے سُخن پر
صد رنگ مری موج ہے میں طبعِ رواں ہوں

پنجہ ہے مرا پنجۂ خورشید میں ہر صبح
میں شانہ صفت سایہ روِ زلفِ بتاں ہوں

دیکھا ہے مجھے جن نے سو دیوانہ ہے میرا — میں باعثِ آشفتگیِ طبعِ جہاں ہوں

تکلیف نہ کر آہ مجھے جنبشِ لب کی — میں صد سخن آغشتہ بہ خوں زیرِ زباں ہوں

ہوں زرد غمِ تازہ نہالانِ چمن سے — اس باغِ خزاں دیدہ میں میں برگِ خزاں ہوں

رکھتی ہے مجھے خواہشِ دل بسکہ پریشاں — درپے نہ ہو اس وقت خدا جانے کہاں ہوں

اک وہم نہیں بیش مری ہستیِ موہوم — اس پر بھی تری خاطرِ نازک پہ گراں ہوں

خوش باشی و تنزیہ و تقدیس تھی مجھے میرؔ

۲۱۳۰ اسباب پڑے یوں کہ کئی روز سے یاں ہوں

## ۲۸۶

اب آنکھوں میں خوں دم بہ دم دیکھتے ہیں — نہ پوچھو جو کچھ رنگ ہم دیکھتے ہیں

جو بے اختیاری یہی ہے تو قاصد — ہمیں آکے اس کے قدم دیکھتے ہیں

گہے داغ رہتا ہے دل گہ جگر خوں — ان آنکھوں سے کیا کیا ستم دیکھتے ہیں

اگر جان آنکھوں میں اس بن ہے تو ہم — ابھی اور بھی کوئی دم دیکھتے ہیں

۲۱۳۵ لکھیں حال کیا اس کو حیرت سے ہم تو — گہے کاغذ و گہ قلم دیکھتے ہیں

وفا پیشگی قیس تک تھی بھی کچھ کچھ — اب اس طور کے لوگ کم دیکھتے ہیں

کہاں تک بھلا روؤگے میرؔ صاحب

اب آنکھوں کے گرد اک ورم دیکھتے ہیں

## ۲۸۷

بہت ہی اپنے تئیں ہم تو خوار پاتے ہیں — وہ کوئی اور ہیں جو اعتبار پاتے ہیں

تری گلی میں میں رویا تھا دل جلا یک شب — ہنوز واں سے دلِ داغدار پاتے ہیں

۲۱۴۰ نہ ہوویں شیفتہ کیوں اضطراب پر عاشق — کہ جی کو کھو کے دلِ بے قرار پاتے ہیں

گلہ عبث ہے تری آستانہ بوسی کا — مسیح و خضر بھی واں کم ہی بار پاتے ہیں

تڑپھ ہے قیس کے دل میں تہِ زمیں اس سے — قطعہ غزالِ دشت نشانِ مزار پاتے ہیں

وگرنہ خاک ہوئے کتنے ہی محبت میں — کسی کا بھی کہیں مشتِ غبار پاتے ہیں

شتابی آوے اجل تیر جا وے یہ رونا — کہ میرے شور سے تصدیع یار پاتے ہیں

## ۲۸۸

عام حکمِ شراب کرتا ہوں | محتسب کو کباب کرتا ہوں ۲۱۴۵
ٹک تو رہ اے بنائے ہستی تو | تجھ کو کیسا خراب کرتا ہوں
کوئی بجھتی ہے یہ بھڑک میں عبث | قطعہ تشنگی پر عتاب کرتا ہوں
سر تلک آبِ تیغ میں ہوں غرق | اب تئیں آب آب کرتا ہوں

جی میں پھرتا ہے میرؔ وہ میرے
جاگتا ہوں کہ خواب کرتا ہوں

## ۲۸۹

ہم تو مطرب پسر کے جاتے ہیں | گو رقیباں کچھ اور گاتے ہیں ۲۱۵۰
خاک میں لوٹتے تھے کل تجھ بن | آج لوہو میں ہم نہاتے ہیں
اے عدم ہونے والو تم تو چلو | ہم بھی اب کوئی دم میں آتے ہیں
ایک کہتا ہوں ہیں تو منھ پہ رقیب | تیری پشتی سے سو سناتے ہیں

دیدہ و دل شتاب گم ہوں میرؔ
سر پہ آفت ہمیشہ لاتے ہیں

## ۲۹۰

آتا ہے دل میں حال بد اپنا بھلا کہوں | پھر آپھی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں ۲۱۵۵
پروانہ پھر نہ شمع کی خاطر جلا کرے | گر بزم میں یہ اپنا ترا ماجرا کہوں
مت کر خرام سر پہ اُٹھاوے گا خلق کو | بیٹھا اگر گلی میں ترا نقشِ پا کہوں
دل اور دیدہ باعثِ ایذا و نورِ عین | کس کے تئیں برا کہوں کس کو بھلا کہوں
آدے سموم جاوے صبا باغ سے سدا | گر شمّہ اپنے سوزِ جگر کا میں جا کہوں

جاتا ہوں میرؔ دشتِ جنوں کو میں اب یہ کہہ ۲۱۶۰
مجنوں کہیں ملے تو تری بھی دعا کہوں؟

## ۲۹۱

مرے آگے نہ شاعر نام پاویں | قیامت کو مگر عرصے میں آویں

پری سمجھے تجھے وہم و گماں سے — کہاں تک اور ہم اب دل چلاویں
مزاج اپنا غیورانہ بس پڑا ہے — ترے غم میں کسے خاطر میں لاویں
پھرے ہے شیخ مجلس ہی میں رقصاں — ادھر آ نکلے تو ہم بھی نچاویں
۲۱۶۵ نظر اے ابر اب مت آ مبادا — کہیں میری بھی آنکھیں ڈبڈباویں
قدم بوسی تلک مختار ہیں غیر — زیادہ لگ چلیں تو سر میں کھاویں
نہ آیا وہ تو کیا ہم نیم جاں بھی — قطعہ — بغیر اس کے ملے دنیا سے جاویں
چلی ہے تو تو اے جان الم ناک — ٹک اک رہ جا کہ ہم رخصت ہو آویں

چلا مقدور سے غم میر آگے
زمیں پھٹ جائے یا رب ہم سماویں

## ۲۹۲

۲۱۷۰ مثال سایہ محبت میں جال اپنا ہوں — تمھارے ساتھ گرفتار حال اپنا ہوں
سرشک سرخ کو جاتا ہوں جو پیے ہر دم — لہو کا پیاسا علی الاتصال اپنا ہوں
اگرچہ نشہ ہوں سب میں خم جہاں ہیں لیک — برنگ مے عرق انفعال اپنا ہوں
مری نمود نے مجھ کو کیا برابر خاک — میں نقش پا کی طرح پائمال اپنا ہوں
ہوئی ہے زندگی دشوار مشکل آساں کر — پھروں چلوں تو ہوں پر میں وبال اپنا ہوں
۲۱۷۵ ترا ہے وہم کہ یہ ناتواں ہے جامے میں — وگرنہ میں نہیں اب اک خیال اپنا ہوں

بلا ہوئی ہے مری گو کہ طبع روشن میر
ہوں آفتاب ولیکن زوال اپنا ہوں

## ۲۹۳

کھوویں ہیں نیند میری مصیبت بیانیاں — تم بھی تو ایک رات سنو یہ کہانیاں
کیا آگ دے کے طور کو کی ترک سرکشی — اس شعلے کی وہی ہیں شرارت کی بانیاں
صحبت رکھا کیا وہ سفیہ و ضلال سے — دل ہی میں خوں ہوا کیں مری نکتہ دانیاں
۲۱۸۰ ہم سے تو کینے ہی کی ادائیں چلی گئیں — بے لطفیاں یہی یہی نامہربانیاں
تلوار کے تلے ہی گیا عہد انبساط — مر مر کے ہم نے کاٹی ہیں اپنی جوانیاں

گالی سوائے مجھ سے سخن مت کیا کرو — اچھی لگے ہیں مجھ کو تری بدزبانیاں
غیروں ہی کے سخن کی طرف گوش یار تھے — اس حرف ناشنو نے ہماری نہ مانیاں
یہ بے قراریاں نہ کبھو اُن نے دیکھیاں — جاں کاہیاں ہماری بہت سہل جانیاں

مارا مجھے بھی سان کے غیروں میں اُن نے میر ۲۱۸۵
کیا خاک میں ملائیں مری جاں فشانیاں

## ۲۹۴

تا پھونکیے نہ خرقۂ طامات کے تئیں — حسن قبول کیا ہو مناجات کے تئیں
کیفیتیں اُٹھے ہیں یہ کب خانقاہ میں — بدنام کر رکھا ہے خرابات کے تئیں
ڈر ہے خرام ناز سے خوباں کے ہمنشیں — ٹھوکر سے یہ اُٹھاتے ہیں آفات کے تئیں
ہم جانتے ہیں یا کہ دلِ آشنا زدہ — کہیے سو کس سے عشق کے حالات کے تئیں
خوبی کو اُس کے ساعدِ سیمیں کی دیکھ کر — صورت گروں نے کھینچ رکھا ہات کے تئیں ۲۱۹۰
مانتے بھی حرف ناشنوی غیر کے لیے — رکھ کان ٹک سنا بھی کرو بات کے تئیں
سیّد ہو یا چمار ہو اس جا وفا ہے شرط — کب عاشقی میں پوچھتے ہیں ذات کے تئیں
آخر کے یہ سلوک ہم اب تیرے دیکھ کر — کرتے ہیں یاد پہلی ملاقات کے تئیں

آنکھوں نے میر صاحب و قبلہ ورم کیا
حضرت بکا کیا نہ کرو رات کے تئیں

## ۲۹۵

نہ اِک یعقوبؑ رویا اس اَلم میں — کنواں اندھا ہوا یوسفؑ کے غم میں ۲۱۹۵
کہوں کب تک دم آنکھوں میں ہے میری — نظر آوے ہی گا اب کوئی دم میں

دیا عاشق نے جی تو عیب کیا ہے
یہی میر اک ہنر ہوتا ہے ہم میں

## ۲۹۶

چاہتے ہیں یہ بتاں ہم پہ کہ بیداد کریں — کس سے ہو سکے ہے کس سے کہیں کس کنے فریاد کریں
ایک دم پر ہے بِنا تیری سو آیا کہ نہیں — وہ کچھ اس زندگی میں کر کہ سبھی یاد کریں

۲۲۰۰ کعبہ ہوتا ہے دوانوں کا مری گور سے دشت — مجھ سے دو اور گڑیں یاں تو سب آباد کریں
ہم تو راہب نہیں ہیں واقفِ رسمِ سجدہ — ہیں کدھر شیخِ حرم کچھ ہمیں ارشاد کریں

ریختہ خوب ہی کہتا ہے جو انصاف کرو
چاہیے اہلِ سخن میرؔ کو استاد کریں

## ۲۹۷

ہجراں کی کوفت کھینچے بے دم سے ہو چلے ہیں — سر مار مار یعنی اب ہم بھی سو چلے ہیں
جوئیں رہیں گی جاری گلشن میں ایک مدت — سائے میں ہر شجر کے ہم زور رو چلے ہیں
۲۲۰۵ لبریز اشک آنکھیں ہر بات میں رہا کیں — رو رو کے کام اپنے سب ہم ڈبو چلے ہیں
پچھتائیے نہ کیونکر جی اس طرح سے دے کر — یہ گوہرِ گرامی ہم مفت کھو چلے ہیں

قطعِ طریق مشکل ہے عشق کا نہایت
وے میرؔ جانتے ہیں اس راہ جو چلے ہیں

## ۲۹۸

جب دردِ دل کا کہنا میں دل میں ٹھانتا ہوں — کہتا ہے بن سنے ہی میں خوب جانتا ہوں
شاید نکل بھی آوے دل گم جو ہو گیا ہے — اس کی گلی میں بیٹھا میں خاک چھانتا ہوں

اس دردِ سر کا لٹکا سر سے لگا ہے میرؔ
۲۲۱۰ سو سر کا ہووے صندل میں میرؔ مانتا ہوں

## ۲۹۹

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہے کیا نہیں — تم تو کرو ہو صاحبی بندے میں کچھ رہا نہیں
بوئے گل اور رنگِ گل دونوں ہیں دلکش اے نسیم — لیک بقدرِ یک نگاہ دیکھیے تو وفا نہیں
شکوہ کروں ہوں بخت کا اتنے غضب نہ ہو بتاں — مجھ کو خدانخواستہ تم سے تو کچھ گلا نہیں
نالے کیا نہ کر سنا نوحے مرے پہ عندلیب — بات میں بات عیب ہے میں نے تجھے کہا نہیں
۲۲۱۵ چشمِ سفید و اشکِ سرخ آہ دلِ حزیں ہے یاں — شیشہ نہیں ہے مے نہیں ابر نہیں ہوا نہیں
ایک فقط ہے سادگی تس پہ بلائے جاں ہے تو — عشوہ کرشمہ کچھ نہیں آن نہیں ادا نہیں
آب و ہوائے ملکِ عشق تجربہ کی ہے میں بہت — کر کے دوائے دردِ دل کوئی بھی پھر جیا نہیں

ہوئے زمانہ کچھ سے کچھ چھوٹے ہے دل لگا مرا      شوخ کسی ہی آن میں تجھ سے تو میں جدا نہیں

نازِ بتاں اٹھا چکا دَیر کو میرؔ ترک کر
کعبے میں جا کے رہ میاں تیرے مگر خدا نہیں

## ۳۰۰

خوبرو سب کی جان ہوتے ہیں      آرزوے جہاں ہوتے ہیں ۲۲۲۰
گوشِ دیوانہ تک تو جا نالے      اس میں گُل کو بھی کان ہوتے ہیں
کبھو آتے ہیں آپ میں تجھ بن      گھر میں ہم میہمان ہوتے ہیں
دشت کے پھوٹے مقبروں پہ نہ جا      روضے سب گلستان ہوتے ہیں
غمزۂ چشمِ خوش قدانِ زمیں      فتنۂ آسمان ہوتے ہیں
کیا رہا ہے مشاعرے میں اب  قطعہ  لوگ کچھ جمع آن ہوتے ہیں ۲۲۲۵
میرؔ و مرزا رفیع و خواجہ میرؔ
کتنے اک یہ جوان ہوتے ہیں

## ۳۰۱

تجھ عشق میں تو مرنے کو تیار بہت ہیں      یہ جرم ہے تو ایسے گنہگار بہت ہیں
اک زخم کو ہیں ریزۂ الماس سے چیرا      دل پر ابھی جراحتِ نوکار بہت ہیں
کچھ انکھڑیاں ہی اس کی نہیں اک بلا کہ بس      دل زینہار دیکھ خبردار بہت ہیں
بیگانہ خو رقیب سے وسواس کچھ نہ کر      فرمائے ٹک زباں سے تو پھر یار بہت ہیں ۲۲۳۰
کوئی تو زمزمہ کرے میرؔ اسا دل خراش
یوں تو قفس میں اور گرفتار بہت ہیں

## ۳۰۲

جنوں میرے کی باتیں دشت اور گلشن میں جب چلیاں      نہ چوبِ گل نے دم مارا نہ چھڑیاں بید کی ہلیاں
گریباں شورِ محشر کا اڑایا دھجیاں کر کر      فغاں پر ناز کرتا ہوں کہ بل بے تیری ننھ بلیاں
تفاوت کچھ نہیں شیرین و شکر اور یوسف میں      سبھی معشوق اگر پوچھے کوئی مصری کی ہیں ڈلیاں
ترے غمزے نے جور و ظلم سے آنکھیں غزالوں کی      بیاباں میں دکھا مجنوں کو پاؤں کے تلے ملیاں ۲۲۳۵

چمن کو آج مارا ہے یہاں تک رشکِ گُل رو نے　　کہ بُلبُل سر پٹکتی ہے نہیں مُنہ کھولتیں کلیاں
مری آہِ سحر کی برچھیاں سختی کی تڑ پھوں پر　　نگاہیں کر کے گر پڑتی ہے بجلی کی بھی اُچھلیاں
صنم کی زُلف میں کُوچہ ہے سر بستہ ہر اک مُو پر　　نہ دیکھی ہوں گی تو نے خضر یہ ظلمات میں گلیاں
دوانہ ہو گیا تو میرؔ آخر ریختہ کہہ کہہ
نہ کہتا تھا میں اے ظالم کہ یہ باتیں نہیں بھلیاں

۳۰۴

۲۲۴۰　ایسے محروم گئے ہم تو گرفتارِ چمن　　کہ موئے قید میں دیوار بہ دیوارِ چمن
سینے پر داغ کا احوال میں پوچھوں گی نسیم　　یہ بھی تحفہ کبھو ہووے گا سزاوارِ چمن
باغباں باغ اجاڑے ہی اگر دینا تھا　　تھے زِ داغ سے ہم بھی تو خریدارِ چمن
وے گنہگار ہمیں ہیں کہ جنھیں کہتے ہیں　　عاشقِ زارِ چمن مُرغِ گرفتارِ چمن
خون ٹپکے ہے پڑا نوک سے ہر یک کی ہنوز　　کس ستم دیدہ کی مژگاں ہیں یہ خارِ چمن
۲۲۴۵　باغباں ہم سے خشونت سے نہ پیش آیا کر　　عاقبت نالہ کشاں بھی تو ہیں دلدارِ چمن
کم نہیں ہے دلِ پُر داغ بھی اے مُرغِ اسیر　　گل میں کیا ہے جو ہُوا ہے تو طلبگارِ چمن
گُل پر ایسی تو پڑی اُوس خزاں میں کہ نسیم　　سرد ہی ہو گئی واں گرمیِ بازارِ چمن
کیا جزا ٹھہرتی ہے دیکھیے کل حشر کو میرؔ
داغ ہر ایک مرے دل پہ ہے خوں دارِ چمن

۳۰۵

بزم میں جو ترا ظہور نہیں　　شمعِ روشن کے مُنہ پہ نور نہیں
۲۲۵۰　کتنی باتیں بنا کے لاؤں لیک　　یاد رہتی ترے حضور نہیں
فکر مت کر ہمارے جینے کا　قطعہ　تیرے نزدیک کچھ یہ دُور نہیں
پھر جئیں گے جو تجھ سا ہے جاں بخش　　ایسا جینا ہمیں ضرور نہیں
عام ہے یار کی تجلّی میرؔ
خاص موسیٰ و کوہِ طور نہیں

دامن پہ تیرے گرد کا کیونکر اثر نہیں ۳۰۵ ہم دل جلوں کی خاک جہاں ہے کدھر نہیں

آتنا رقیب خانہ برانداز سے سلوک — جب آ نکلتے ہیں تو سُنتے ہیں کہ گھر نہیں ۲۲۵۵

دامان و جیب و دیدہ و مژگان و آستیں — اب کون سا رہا ہے کہ ان میں سے تر نہیں

ہر نقش پا ہے شوخ ترا رشکِ یاسمن — کم گوشۂ چمن سے ترا رہ گزر نہیں

آتا ہی تیرے کوچے میں ہوتا جو میر یاں
کیا جانیے کدھر کو گیا کچھ خبر نہیں

## ۳۰۶

ساقی کی باغ پر جو کچھ کم نگاہیاں ہیں — مانند جام خالی گل سب جماہیاں ہیں

تیغ جفائے خوباں بے آب تھی کہ ہمدم — زخم بدن ہمارے تفسیدہ ماہیاں ہیں ۲۲۶۰

مسجد سے مے کدے پر کاش ابر روز برسے — واں رو سفیدیاں ہیں یاں رو سیاہیاں ہیں

جس کی نظر پڑی ہے ان نے مجھے بھی دیکھا — جب سے وہ شوخ آنکھیں میں نے سراہیاں ہیں

غالب تو یہ ہے زاہد رحمت سے دور ہووے — درکار واں گنہ ہیں یاں بے گناہیاں ہیں

یہ ناز و سرگرانی اللہ رے کہ ہر دم — نازک مزاجیاں ہیں یا کج کلاہیاں ہیں

شاہد ہوں میر کس کو اہل محلہ سے ہیں
محضر پہ خوں کے میرے سب کی گواہیاں ہیں ۲۲۶۵

## ۳۰۷

تجھے بھی یار اپنا یوں تو ہم ہر بار کہتے ہیں — ولے کم ہیں بہت سے لوگ جن کو یار کہتے ہیں

جہاں کے مصطبے میں مست طافح ہی نظر آئے — نہ تھا اس دور میں آیا جسے ہشیار کہتے ہیں

سمجھ کر ذکر کر آسودگی کا مجھ سے اے ناصح! — وہ میں ہی ہوں کہ جس کو عافیت بیزار کہتے ہیں

مسافر ہووے جی اس کا خراماں دیکھ کر تجھ کو — جسے میرے وطن میں کبک خوش رفتار کہتے ہیں

معاذ اللہ دخل کفر ہو اسلام میں کیوں ہی — غلط اور پوچ تھا معقول بعضے یار کہتے ہیں ۲۲۷۰

علم کو کب ہے وجہ تسمیہ لازم سمجھ دیکھو — مسلمانی میں کیا زنار ہے زنار کہتے ہیں

تری آنکھوں کو آتی دیکھنے میں تو عجب مت کر — کہ بہتر ہے عیادت اور انھیں بیمار کہتے ہیں

عجب ہوتے ہیں شاعر بھی میں اس فرقے کا عاشق ہوں — کہ بے دھڑکے بھری مجلس میں یہ اسرار کہتے ہیں

مزے ان کے مٹا لیکن نہ یہ سمجھیں تو بہتر ہے — کہ خوباں بھی بہت اپنے تئیں عیار کہتے ہیں

سگ کو میر میں اُس شیرِ حق کا ہوں کہ جس کو سب
نبیؐ کا خویش و بھائی حیدرِ کرار کہتے ہیں ۲۲۷۵

## ۳۰۸

ایک پرواز کو بھی رخصتِ صیاد نہیں — ورنہ یہ کنجِ قفس بیضۂ فولاد نہیں

شیخ عزلت تو تہِ خاک بھی پہنچے گی بہم — مفت ہے سیر کہ یہ عالمِ ایجاد نہیں

داد لے چھوڑوں ہوں صیاد سے ابھی لیکن — ضعف سے میرے تئیں طاقتِ فریاد نہیں

کیوں ہی معذور بھی رکھیو تو سمجھ دل میں شیخ — یہ قدح خوار مرے قابلِ ارشاد نہیں

کیا کہوں میر فراموش کیا اُن نے تجھے
میں تو تقریب بھی کی پر تو اُسے یاد نہیں ۲۲۸۰

## ۳۰۹

آ جائیں ہم نظر جو کوئی دم بہت ہے یاں — مہلت ہمیں بسانِ شرر کم بہت ہے یاں

یک لحظہ سینہ کوبی سے فرصت ہمیں نہیں — یعنی کہ دل کے جانے کا ماتم بہت ہے یاں

حاصل ہے کیا سوائے ترائی کے دہر میں — اُٹھ آسماں تلے سے کہ شبنم بہت ہے یاں

مائل بغیر ہونا تجھ ابرو کا عیب ہے — تھی زور یہ کماں ولے خم چم بہت ہے یاں

ہم رہروانِ راہِ فنا دیر رہ چکے — وقفہ بسانِ صبح کوئی دم بہت ہے یاں ۲۲۸۵

اس بت کدے میں معنی کا کس سے کریں سوال — آدم نہیں ہے صورتِ آدم بہت ہے یاں

عالم میں لوگ ملنے کی گوں اب نہیں رہے — ہر چند ایسا ویسا تو عالم بہت ہے یاں

ویسا چمن سے سادہ نکلتا نہیں کوئی — رنگینی ایک اور خم و چم بہت ہے یاں

اعجازِ عیسوی سے نہیں بحث عشق میں — تیری ہی بات جانِ مجسّم بہت ہے یاں

میرے ہلاک کرنے کا غم ہے عبث تمھیں — تم شاد زندگانی کرو غم بہت ہے یاں ۲۲۹۰

دل مت لگا رخِ عرق آلودِ یار سے — آئینے کو اُٹھا کہ زمیں نم بہت ہے یاں

شاید کہ کام صبح تک اپنا کھنچے نہ میر
احوال آج شام سے درہم بہت ہے یاں

## ۳۱۰

آہ وہ عاشق ستم ترکِ جفا کرتا نہیں — اور مطلق اب دماغ اپنا وفا کرتا نہیں

بات میں غیروں کو چپ کردوں ولیکن کیا کروں
وہ سخن نشنو تنک میرا کہا کرتا نہیں

روز بد تر جیسے بیمار اجل ہے دل کا حال
یہ سمجھ کر ہم نشیں اب میں دوا کرتا نہیں ۲۲۹۵

گو گیا باب اجابت بحر میں تیغا ہوا
ورنہ کس شب آپ کو میں بد دعا کرتا نہیں

بے کسان عشق اس کے آہ کس کے پاس جائیں
گو رہن کوئی صلا میں لب کو وا کرتا نہیں

چھوٹنا ممکن نہیں اپنا قفس کی قید سے
مرغ سیر آہنگ کو کوئی رہا کرتا نہیں

چرخ کی بھی کج ادائی ہم ہی پر جاتی ہے پیش
ناز کو اس سے تو اک دم بھی جدا کرتا نہیں

دیکھ اسے بے دید ہو آنکھوں نے کیا دیکھا بھلا
دل بھی بد کرتا ہے مجھ سے تو بھلا کرتا نہیں ۲۳۰۰

کیا کہوں پہنچا کہاں تک میر اپنا کار شوق
یاں سے کس دن اک نیا قاصد چلا کرتا نہیں

## ۳۱۱

لیتے ہیں سانس یوں ہم جوں تار کھینچتے ہیں
اب دل گرفتگی سے آزار کھینچتے ہیں

سینہ سپر کیا تھا جن کے لیے بلا کا
وے بات بات میں اب تلوار کھینچتے ہیں

مجلس میں تیری ہم کو کب غیر خوش لگے ہے
ہم بیچ اپنے اس کے دیوار کھینچتے ہیں

بے طاقتی نے ہم کو چاروں طرف سے کھویا
تصدیع گھر میں بیٹھے ناچار کھینچتے ہیں ۲۳۰۵

منصور کی حقیقت تم نے سنی ہی ہوگی
حق جو کہے ہے اس کو یاں دار کھینچتے ہیں

شکوہ کروں تو کس سے کیا شیخ کیا برہمن
ناز اس بلائے جاں کے سب یار کھینچتے ہیں

ناوک سے میر اس کے دل بستگی تھی مجھ کو
پیکاں جگر سے میرے دشوار کھینچتے ہیں

## ۳۱۲

سمجھا تنک نہ اپنے تو سود و زیاں کو میں
مانا کیا خدا کی طرح ان بتاں کو میں

لاویں اسے بھی بعد مرے میری لاش پر
یہ کہہ رکھا ہے اپنے ہر اک مہرباں کو میں ۲۳۱۰

گردش فلک کی کیا ہے جو دور قدح میں ہے
دیتا رہوں گا چرخ مدام آسماں کو میں

جی جاوے تو قبول ترا غم نہ جائیو
رکھتا نپٹ عزیز ہوں اس میہماں کو میں

عاشق ہے یا مریض ہے پوچھو تو میر سے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کو میں

## ۳۱۳

کر نالہ کشی کب تئیں اوقات گزاریں — فریاد کریں کس سے کہاں جاکے پکاریں

۲۳۱۵ ہر دم کا بگڑنا تو کچھ اب چھوٹا ہے اُن سے — شاید کسو ناکام کا بھی کام سنواریں

دل میں جو کبھو جوشِ غم اُٹھتا ہے تو تا دیر — آنکھوں سے چلی جاتی ہیں دریا کی سی دھاریں

کیا ظلم ہے اس خونیٔ عالم کی گلی میں — جب ہم گئے دو چار نئی دیکھیں مزاریں

جس جا کہ خس و خار کے اب ڈھیر لگے ہیں — یاں ہم نے انھیں آنکھوں سے دیکھیں ہیں بہاریں

کیونکر کہ رہے شرم مری شہر میں جب آہ — ناموس کہاں اتریں جو دریا پہ اتاریں

۲۳۲۰ وے ہونٹ کہ ہے شورِ مسیحائی کا جن کی — دم لیویں نہ دو چار کو تا جی سے نہ ماریں

منظور ہے کب سے سرِ شوریدہ کا دینا — چڑھ جائے نظر کوئی تو یہ بوجھ اُتاریں

بالیں پہ سر اک عمر سے ہے دستِ طلب کا — جو ہے سو گدا کس کنے جا ہاتھ پساریں

ان لوگوں کے تو گرد نہ پھر سب ہیں لباسی — سو گز بھی جو یہ پھاڑیں تو اک گز بھی نہ جاویں

ناچار ہو رخصت جو منگا بھیجی، تو بولا

میں کیا کروں جو میرؔ جی جاتے ہیں سدھاریں

## ۳۱۴

یوں ہی حیران و خفا جوں غنچۂ تصویر ہوں — عمر گزری پر نہ جانا میں کہ کیوں دلگیر ہوں

اتنی باتیں مت بنا مجھ شیفتے سے ناصحا! — پند کے لائق نہیں میں قابلِ زنجیر ہوں

سرخ رہتی ہیں مری آنکھیں لہو رونے سے شیخ — مے اگر ثابت ہو مجھ پر واجب التعزیر ہوں

نے فلک پر راہ مجھ کو نے زمیں پر رو مجھے — ایسے کس محروم کا میں شورِ بے تاثیر ہوں

جو مرے حصے میں آوے تیغ جمدھر سیل و کارد — یہ فضولی ہے کہ میں ہی کشتۂ شمشیر ہوں

۲۳۳۰ کھول کر دیوان میرا دیکھ قدرت مدعی — گرچہ ہوں میں نوجواں پر شاعروں کا پیر ہوں

اس قدر بے ننگ خبطوں کو نصیحت شیخ جی

باز آؤ ورنہ اپنے نام کو میں میرؔ ہوں

## ۳۱۵

کیسے ہے کوہ کن کر فکر میری خستہ حالی میں — الٰہی شکر کرتا ہوں تری درگاہِ عالی میں

میں وہ پژمردہ سبزہ ہوں کہ ہو کر خاک سے سر زد | یکایک آگیا اس آسماں کی پائمالی میں
تو سچ کہہ رنگِ پاں ہے یہ کہ خونِ عشق بازاں ہے | سخن رکھتے ہیں رکتے شخص تیرے لبِ کی لالی میں
برا کہنا بھی میرا خوش نہ آیا اس کو تو ورنہ | تسلی یہ دلِ ناشاد ہوتا ایک گالی میں ۲۳۳۵
مرے استاد کو فردوسِ اعلیٰ میں ملے جا گہ | پڑھایا کچھ نہ غیر از عشق مجھ کو خورد سالی میں
نگاہِ چشمِ پر خشمِ بتاں پر مت نظر رکھنا | ملا ہے زہر اے دل اس شرابِ پرتگالی میں
شرابِ خون بن تڑپھوں سے دل لبریز رہتا ہے | بھرے ہیں سنگ ریزے میں کے اس مینائے خالی میں

خلاف ان اور خوباں کے سدا یہ جی میں رہتا ہے
یہی تو میر اک خوبی ہے معشوقِ خیالی میں

۳۱۶

آہ اور اشک ہی سدا ہے یاں | روز برسات کی ہوا ہے یاں ۲۳۴۰
جس جگہ ہو زمینِ تفتہ سمجھ | کہ کوئی دل جلا گڑا ہے یاں
گو کدورت سے وہ نہ دیوے رو | آرسی کی طرح صفا ہے یاں
رند مفلس جگر میں آہ نہیں | جانِ محزوں ہے اور کیا ہے یاں
کیسے کیسے مکان ہیں ستھرے | قطعہ اک ازاں جملہ کربلا ہے یاں
اک سسکتا ہے ایک مرتا ہے | ہر طرف ظلم ہو رہا ہے یاں ۲۳۴۵
صد تمنا شہید ہیں یک جا | سینہ کوبی ہے تعزیا ہے یاں
دیدنی ہے غرض یہ صحبت شوخ | روز و شب طرفہ ماجرا ہے یاں
خانۂ عاشقاں ہے جائے خوب | جائے رونے کی جا بجا ہے یاں
کوہ و صحرا بھی کر نہ جائے باش | قطعہ آج تک کوئی بھی رہا ہے یاں
ہے خبر شرط میر سنتا ہے | تجھ سے آگے یہ کچھ ہوا ہے یاں ۲۳۵۰

موت مجنوں کو بھی یہیں آئی
کوہ کن کل ہی مر گیا ہے یاں

۳۱۷

جہاں اب خارزاریں ہو گئی ہیں | یہیں آگے بہاریں ہو گئی ہیں

جنوں میں خشک ہو رگ ہائے گردن　　گریباں کی سی تاریں ہو گئی ہیں

سنا جاتا ہے شہرِ عشق کے گرد　　مزاریں ہی مزاریں ہو گئی ہیں

۲۳۵۵　اسی دریائے خوبی کا ہے یہ شوق　　کہ موجیں سب کناریں ہو گئی ہیں

انھیں گلیوں میں جب روتے تھے ہم میرؔ
کئی دریا کی دھاریں ہو گئی ہیں

## ۳۱۸

خوش نہ آئی تمھاری چال ہمیں　　یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں

حال کیا پوچھ پوچھ جاتے ہو　　کبھو پاتے بھی ہو بحال ہمیں

وہ دہاں وہ کمر ہی ہے مقصود　　اور کچھ اب نہیں خیال ہمیں

۲۳۶۰　اُس مہِ چاردہ کی دوری نے　　دس ہی دن میں کیا ہلال ہمیں

نظر آتے ہیں ہوتے جی کے وبال　　حلقہ حلقہ تمھارے بال ہمیں

تنگی اس جا کی نقل کیا کریے　　یاں سے واجب ہے انتقال ہمیں

صَرف للہ خُم کے خُم کرتے　　نہ کیا چرخ نے کلال ہمیں

مغ بچے مال مست ہم درویش　　کون کرتا ہے مشت مال ہمیں

۲۳۶۵　کب تلک اس تنگنا میں کھینچیے رنج　　یاں سے یارب تو ہی نکال ہمیں

ترکِ سبزانِ شہر کریے اب　　بس بہت کر چکے نہال ہمیں

وجہ کیا ہے کہ میرؔ منھ پہ ترے
نظر آتا ہے کچھ ملال ہمیں

## ۳۱۹

نہ کیونکہ شیخ توکّل کو اختیار کریں　　زمانہ ہو وے مساعد تو روزگار کریں

گیا وہ زمزمۂ صبحِ فصلِ گل بلبل　　دعا نہ پہنچے چمن تک ہم اب ہزار کریں

۲۳۷۰　تمام صید ہیں سرِ تیر جمع ہیں لیکن　　نصیب اُس کے کہ جس کو ترا شکار کریں

تسلّی تو ہو دلِ بے قرار خوباں سے　　یہ کاش ملنے نہ ملنے کا کچھ قرار کریں

ہمیں تو نزع میں شرمندہ آ کے اُن نے کیا　　رہا ہے ایک رمق جی سو کیا نثار کریں

رہی سہی بھی گئی عمر تیرے پیچھے یار / یہ کہہ کے آہ ترا کب تک انتظار کریں

کریں ہیں حادثے ہر روز وار آخر تو / سنانِ آہ دلِ شب کے ہم بھی پار کریں

یہ قتلِ غیر ہے کیا کام ہم نشیناں آج / جو دشمنی نہ کرے وہ تو اس کو یار کریں ۲۳۷۵

ہوا ہوں خاکِ رہ اس واسطے کہ خوباں میر
گزار گور پہ میری بھی ایک بار کریں

## ۳۲۰

یہ غلط کہ میں پیا ہوں قدح شراب تجھ بن / نہ گلے سے میرے اُترا کبھو قطرہ آب تجھ بن

یہی بستی عاشقوں کی کبھو سیر کرنے چل تو / کہ محلے کے محلے پڑے ہیں خراب تجھ بن

میں لہو پیوں ہوں غم میں عوضِ شراب ساقی / شبِ میغ ہو گئی ہے شبِ ماہتاب تجھ بن

گئی عمر میری ساری جیسے شمع باؤ کے بیچ / یہی رونا جلنا گلنا یہی اضطراب تجھ بن ۲۳۸۰

سبھی آتشیں ہیں نالے سبھی زمہریری آہیں / مری جان پر رہا ہے غرض اک عذاب تجھ بن

ترے غم کا شکرِ نعمت کروں کیا اے مغبچے میں / نہ ہوا کہ میں نہ کھایا جگرِ کباب تجھ بن

نہیں جیتے جی تو ممکن ہمیں تجھ بغیر سونا / مگر آنکھ مر کے لیجے تہِ خاک خواب تجھ بن

برے حال ہو کے مرتا جو درنگ میر کرتا
یہ بھلا ہوا ستم گر کہ ہوا شتاب تجھ بن

## ۳۲۱

تکلیفِ باغ کن نے کی تجھ خوش دہاں کے تئیں / دیتا ہے آگ رنگ ترا گلستاں کے تئیں ۲۳۸۵

تنکا بھی اب رہا نہیں شرمندگی ہے جو / گر پڑ کے برق پاوے مرے آشیاں کے تئیں

آئے عدم سے ہستی میں تس پر نہیں قرار / ہے ان مسافروں کا ارادہ کہاں کے تئیں

ستا ہے سے باغ سے کچھ اُٹھتے ہیں نسیم / مرغِ چمن نے خوب ستھا ہے فغاں کے تئیں

اِک گردش اے فلک کہ ہوا تنائے راہ سے / کنعاں کی اور راہ غلط کارواں کے تئیں

تو اک زباں پہ چپکی نہیں رہتی عندلیب / رکھتا ہے منہ میں غنچۂ گل سو زباں کے تئیں ۲۳۹۰

ہم تو ہوئے تھے میر سے اُس دن ہی ناامید
جس دن سنا کہ ان نے دیا دل بتاں کے تئیں

## ۳۲۲

مؤے سہتے سہتے جفا کاریاں — کوئی ہم سے سیکھے وفاداریاں

ہماری تو گزری اسی طور عمر — یہی نالہ کرنا یہی زاریاں

فرشتہ جہاں کام کرتا نہ تھا — مری آہ نے برچھیاں ماریاں

۲۳۹۵ گیا جان سے اک جہاں لیک شوخ — نہ تجھ سے گئیں یہ دل آزاریاں

کہاں تک یہ تکلیفِ مالایطاق — ہوئیں مدتوں نازبرداریاں

خط و کاکل و زلف و انداز و ناز — ہوئیں دامِ رہ صد گرفتاریاں

کیا درد و غم نے مجھے ناامید — کہ مجنوں کو یہ ہی تھیں بیماریاں

تری آشنائی سے ہی حد ہوئی — بہت کی تھیں دنیا میں ہم یاریاں

نہ بھائی ہماری تو قدرت نہیں!

۲۴۰۰ کھنچیں میر تجھ سے ہی یہ خواریاں

## ۳۲۳

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں — وقت ملنے کا مگر داخلِ ایام نہیں

مثلِ عنقا مجھے تم دور سے سن لو ورنہ — ننگ ہستی ہے مری جائے بجز نام نہیں

خطرِ راہِ وفا بلکہ بہت دور کھنچا — عمر گزری کہ بہم نامہ و پیغام نہیں

رازپوشی محبت کے تئیں چاہیے ضبط — سو تو بیتابیٔ دل بن ۔ مجھے آرام نہیں

بے قراری جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے

۲۴۰۵ کچھ تو ہے میر کہ اک دم تجھے آرام نہیں

## ۳۲۴

کیا ظلم کیا تعدّی کیا جور کیا جفائیں — اس چرخ نے کیاں ہیں ہم سے بہت ادائیں

دیکھا کہاں وہ نسخہ اک روگ میں بساہا — جی پھر کبھو نہ پنپا بہتیری کیں دوائیں

اک رنگ گل نے رہنا یاں یوں نہیں کیا ہے — اس گلشنِ جہاں میں ہیں مختلف ہوائیں

ہے فرش عرش تک بھی قلبِ حزیں کا اپنے — اس تنگ گھر میں ہم نے دیکھی ہیں کیا فضائیں

۲۴۱۰ شب نالہ آسماں تک جی سخت کرکے پہنچا — تھیں ہم کشتۂ یاس اکثر مری دعائیں

رنگ کش تو ہو ترا پر آئینے میں کہاں یہ — رعنائیاں، ادائیں، رنگینیاں، صفائیں

ہے امرِ سہل چاہت لیکن نباہ مشکل — پتھر کرے جگر کو تب تو کرے وفائیں

نازِ بتانِ سادہ ہے اللہ اللہ اے میر

ہم خط سے مٹ گئے پر اُن کے نہیں ہے بھائیں

## ۳۲۵

آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں — تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں

برق کم حوصلہ ہے، ہم بھی تو — دلکِ بے قرار رکھتے ہیں ۲۴۱۵

غیر ہی موردِ عنایت ہے — ہم بھی تو تم سے پیار رکھتے ہیں

نہ نگہ نے پیام، نے وعدہ — نام کو ہم بھی یار رکھتے ہیں

ہم سے خوش زمزمہ کہاں یوں تو — لب و لہجہ ہزار رکھتے ہیں

چوٹٹے دل کے ہیں بتاں مشہور — قطعہ — بس یہی اعتبار رکھتے ہیں

پھر بھی کرتے ہیں میر صاحب عشق

ہیں جواں اختیار رکھتے ہیں ۲۴۲۰

## ۳۲۶

گزر جان سے اور ڈر کچھ نہیں — رہِ عشق میں پھر خطر کچھ نہیں

ہے اب کام دل جس پہ موقوف تو — وہ نالہ کہ جس میں اثر کچھ نہیں

ہوا مائل اس سرو کا دل مرا — بجز جور جس سے ثمر کچھ نہیں

نہ کر اپنے محووں کا ہرگز سراغ — گئے گزرے بس اب خبر کچھ نہیں

تری ہو چکی خشک مژگاں کی سب — لہو اب جگر میں مگر کچھ نہیں ۲۴۲۵

حیا سے نہیں پشتِ پا پردہ چشم — مرا حال مدِ نظر کچھ نہیں

کروں کیونکہ انکارِ عشق آہ میں — یہ رونا بھلا کیا ہے گر کچھ نہیں

کمر اس کی رشکِ رگِ جاں ہے میر

غرض اس سے باریک تر کچھ نہیں

نالۂ قیدِ قفس سے چھوٹ اب اک دم نہیں ۳۲۷ گوشِ گل سے بیتے تھے جا کے سو وہ موسم نہیں

ہم پہ کھینچی تیغ تو غیروں کو ٹک لگنے نہ دے ۔۔۔ وے اگر ہوویں گے اس کے درمیاں تو ہم نہیں

بُت برہمن کوئی نامحرم نہیں اللہ کا
ہے حرم میں شیخ لیکن میرؔ وہ محرم نہیں

## ۳۲۸

تری ابرو و تیغِ تیز تو ہم دم ہیں یہ دونوں ۔۔۔ ہوئے ہیں دل جگر بھی سامنے رُستم ہیں یہ دونوں

نہ کچھ کاغذ میں ہے نہ نے قلم کو درد نالوں کا ۔۔۔ لکھوں کیا عشق کے حالات نامحرم ہیں یہ دونوں

لہو آنکھوں سے بہتے وقت رکھ لیتا ہوں ہاتھوں کو ۔۔۔ جراحت ہیں اگر وے دونوں تو مرہم ہیں یہ دونوں

۲۴۳۵ کسو چشمے پہ دریا کے دیا اوپر نظر رکھیے ۔۔۔ ہمارے دیدۂ نم دیدہ کیا کچھ کم ہیں یہ دونوں

لبِ جاں بخش اُس کے مارے ہی رکھتے ہیں عاشق کو ۔۔۔ اگرچہ آبِ حیواں ہیں ولیکن سم ہیں یہ دونوں

نہیں ابرو ہی مائل جھک رہی ہے تیغ بھی ایدھر ۔۔۔ ہمارے کشت و خوں میں مُتفق باہم ہیں یہ دونوں

کھلے سینے کے داغوں پر ٹھہر رہتے ہیں کچھ آنسو ۔۔۔ چمن میں مہرورزی کے گُل و شبنم ہیں یہ دونوں

کبھو دل رُکنے لگتا ہے جگر گاہے تڑپتا ہے ۔۔۔ غمِ ہجراں میں چھاتی کے ہماری جَم ہیں یہ دونوں

خدا جانے کہ دُنیا میں ملیں اس سے کہ عقبیٰ میں
۲۴۴۰ مکاں تو میرؔ صاحب شہرۂ عالم ہیں یہ دونوں

## ۳۲۹

لب ترے لعلِ ناب ہیں دونوں ۔۔۔ پر تمامی عتاب ہیں دونوں

رونا آنکھوں کا روئیے کب تک ۔۔۔ پھوٹنے ہی کے باب ہیں دونوں

ہے تکلّف نقاب وے رُخسار ۔۔۔ کیا چھپیں آفتاب ہیں دونوں

تن کے معمورے میں یہی دل و چشم ۔۔۔ گھر تھے دو سو خراب ہیں دونوں

۲۴۴۵ کچھ نہ پوچھو کہ آتشِ غم سے ۔۔۔ جگر و دل کباب ہیں دونوں

سو جگہ اُس کی آنکھیں پڑتی ہیں ۔۔۔ جیسے مستِ شراب ہیں دونوں

پانو میں وہ نشہ طلب کا نہیں ۔۔۔ اب تو سرمستِ خواب ہیں دونوں

ایک سب آگ ایک سب پانی ۔۔۔ دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

بحث کاہے کو لعل و مرجاں سے ۔۔۔ اُس کے لب ہی جواب ہیں دونوں

آگے دریا تھے دیدۂ ترِ میرؔ
اب جو دیکھو سراب ہیں دونوں ۲۴۵۰

## و

### ۳۳۰

فلک نے گر کیا رخصت مجھے سیرِ بیاباں کو — نکالا سر سے میرے جائے مو خارِ مغیلاں کو

وہ ظالم بھی تو سمجھے کہہ رکھا ہے ہم نے یاراں کو — کہ گورستان سے گاڑیں جدا ہم اہلِ ہجراں کو

نہیں یہ بیدِ مجنوں گردشِ گردونِ گرداں نے — بنایا ہے شجر کیا جانیے کس مو پریشاں کو

ہوئے تھے جیسے مر جاتے پر اب تو سخت حسرت ہے — کیا دشوار نادانی سے ہم نے کارِ آساں کو

کہیں نسلِ آدمی کی اٹھ نہ جاوے اس زمانے میں — کہ موتی آبِ حیواں جانتے ہیں آبِ انساں کو ۲۴۵۵

تجھے گر چشمِ عبرت ہے تو آندھی اور بگولے سے — تماشا کر غبار افشانیٔ خاکِ عزیزاں کو

ہوائے ابر میں گرمی نہیں جو تو نہ ہو ساقی — دمِ افسردہ کر دے منجمد رشحاتِ باراں کو

جلیں ہیں کب کی مژگاں آنسوؤں کی گرم جوشی سے — اس آبِ چشم کی جوشش نے آتش دی نیستاں کو

غرورِ ناز سے آنکھیں نہ کھولیں اس جفا جو نے — ملا پاؤں تلے جب تک نہ چشمِ صد غزالاں کو

نہ سی چشمِ طمع خوانِ فلک پر خام دستی سے — کہ جامِ خون دے ہے ہر سحر یہ اپنے مہماں کو ۲۴۶۰

ہے ناواقفِ شادی اگر ہم بزمِ عشرت میں — دہانِ زخمِ دل سمجھے جو دیکھا روئے خنداں کو

نہیں ریگِ رواں مجنوں کے دل کی بے قراری نے — کیا ہے مضطرب ہر ذرۂ گردِ بیاباں کو

کسی کے واسطے رسوائے عالم ہو پہ جی میں رکھ — کہ مارا جائے جو ظاہر کرے اس رازِ پنہاں کو

گری پڑتی ہے بجلی ہی تبھی سے خرمنِ گل پر — ٹک اک ہنس میرے رونے پر کہ دیکھے تیرے دنداں کو

غرورِ ناز قاتل کو لیے جا ہے کوئی پوچھے — چلا تو سونپ کر کس کے تئیں اس صیدِ بے جاں کو ۲۴۶۵

وہ تخمِ سوختہ تھے ہم کہ سرسبزی نہ کی حاصل — ملایا خاک میں دانہ نمط حسرت سے دہقاں کو

ہوا ہوں غنچۂ پژمردہ آخر فصل کا تجھ بن — نہ دے برباد حسرت کشتۂ سر در گریباں کو

غم و اندوہ و بیتابی، الم، بے طاقتی، حرماں — کہوں اے ہم نشیں تا چند غم ہائے فراواں کو

بہت روئے جو ہم یہ آستیں رکھ منہ پہ اے بجلی — نہ چشمِ کم سے دیکھ اس یادگارِ چشمِ گریاں کو

مزاج اس وقت ہے اک مطلعِ تازہ پہ کچھ مائل — کہ بے فکرِ سخن بنتی نہیں ہرگز سخن داں کو ۲۴۷۰

## ۳۳۱

نسیم مصر کب آئی سوادِ شہرِ کنعاں کو
کہ بھر جھولی نہ یاں سے لے گئی گل ہائے حرماں کو

زبانِ نوحہ گر ہوں میں قضا نے کیا ملایا تھا
مری طینت میں یارب سودۂ دل ہائے نالاں کو

کوئی کانٹا سر رہ کا ہماری خاک پر بس ہے
گلِ گلزار کیا درکار ہے گورِ غریباں کو

یہ کیا جانوں ہوا سینے میں کیا اس دل کو اب ناصح
سحر خوں بستہ تو دیکھا تھا میں نے اپنی مژگاں کو

۲۲۷۵ گل و سنبل ہیں نیرنگِ قضا مت سرسری گزرے
کہ بگڑے زلف و رخ کیا کیا بناتے اس گلستاں کو

صدا ئے آہ جیسے تیر جی کے پار ہوتی ہے
کسو بیدرد نے کھینچا کسو کے دل سے پیکاں کو

کریں بال ملک فرشِ رہ اس ساعت کہ محشر میں
لہو ڈوبا کفن لا دیں شہیدِ نازِ خوباں کو

کیا سیر اس خرابے کا بہت اب چل کے سو رہیے
کسو دیوار کے سایے میں منھ پر لے کے داماں کو

بہائے سہل پر بیتے ہیں کس محبوب کی کف سے
قلم اس جرم پر کرنا ہے دستِ گل فروشاں کو

تری ہی جستجو میں گم ہوا ہے کہہ کہاں کھویا
۲۲۸۰ جگر خوں گشتہ دل آزردہ میر اس خانہ ویراں کو

## ۳۳۲

قد کھینچے ہے جس وقت تو ہے طرفہ بلا تو
کہتا ہے ترا سایہ پری سے کہ ہے کیا تو

گر اپنی روش راہ چلا یار تو اے کبک
رہ جائے گا دیوارِ گلستان سے لگا تو

بے گل نہیں بلبل تجھے بھی چین پہ دیکھیں
مر رہتے ہیں ہم ایک طرف باغ میں یا تو

خوش رو ہے بہت اے گلِ تر تو بھی و لیکن
انصاف ہے منھ تیرے ہی ویسا ہے بھلا تو

۲۲۸۵ کیا جانیے اے گوہرِ مقصد تو کہاں ہے
ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملا تو

اس جینے سے اب دل کو اٹھا بیٹھیں گے ہم بھی
ہے تجھ کو قسم ظلم سے مت ہاتھ اٹھا تو

منظر میں بدن کے بھی یہ اک طرفہ مکاں تھا
افسوس کہ ٹک دل میں ہمارے نہ رہا تو

تھے چاک گریبان گلستاں میں گلوں کے
نکلا ہے مگر کھولے ہوئے بندِ قبا تو

بے ہوشی سی آتی ہے تجھے اس کی گلی میں
گر ہو سکے اے میر! تو اس راہ نہ جا تو

خط لکھ کے کوئی سادہ نہ اس کو ملول ہو ۳۳۳ ہم تو ہوں بدگمان جو قاصد رسول ہو

چاہوں تو بھر کے کولی اُٹھا لوں ابھی تمھیں — کیسے ہی بھاری ہو مرے آگے تو پھول ہو

سُرمہ جو نور بخشے ہے آنکھوں کو خلق کی — شاید کہ راہِ یار کی ہی خاک دھول ہو

جا دیں نثار ہونے کو ہم کس بساط پر — اک نیم جاں رکھیں ہیں سو وہ جب قبول ہو

ہم ان دنوں میں لگ نہیں پڑتے ہیں صبح و شام — ورنہ دعا کریں تو جو چاہیں حصول ہو

دل لے کے لونڈے دلّی کے کب کا پچا گئے — اب اُن سے کھائی پی ہوئی شے کیا وصول ہو ۲۴۹۵

ناکام اس لیے ہو کہ چاہو ہو سب کچھ آج

تم بھی تو میرؔ صاحب و قبلہ عجول ہو

## ۳۳۴

کہتے ہو اتحاد ہے ہم کو — ہاں کہو اعتماد ہے ہم کو

شوق ہی شوق ہے نہیں معلوم — اس سے کیا دل نہاد ہے ہم کو

خط سے نکلے ہے بے وفائی حسن — اس قدر تو سواد ہے ہم کو

آہ کس ڈھب سے روئیے کم کم — شوق حد سے زیادہ ہے ہم کو ۲۵۰۰

شیخ و پیرِ مغاں کی خدمت میں — دل سے اک اعتقاد ہے ہم کو

سادگی دیکھ عشق میں اس کی — خواہشِ جانِ شاد ہے ہم کو

بدگمانی سے جس سے تس سے آہ — قصدِ شور و فساد ہے ہم کو

دوستی ایک سے بھی تجھ کو نہیں — اور سب سے عناد ہے ہم کو

نامرادانہ زیست کرتا تھا

میرؔ کا طور یاد ہے ہم کو ۲۵۰۵

## ۳۳۵

مبادا کینے پہ اُس بُت کی طبع آئی ہو — پھر ایک لب ہے وہی گو اُدھر خدائی ہو

مدد نہ اتنی بھی کی بخت ناموافق نے — کہ مدعی سے اسے ایک دن لڑائی ہو

ہنوز طفل ہے وہ ظلم پیشہ کیا جانے — لگاوے تیغ سلیقے سے جو لگائی ہو

لبوں سے تیرے تھا آگے ہی لعل سرخ و زرد — قسم ہے میں نے اگر بات بھی چلائی ہو

خدا کرے کہ نصیب اپنے ہو نہ آزادی — کدھر کے ہو جیے جو بے بال و پر رہائی ہو ۲۵۱۰

مزے کو عشق کی ذلت کے جانتا ہے وہی
کسو کی جن نے کبھو لات مکی کھائی ہو

اُس آفتاب سے تو فیض سب کو پہنچے ہے
یقین ہے کہ کچھ اپنی ہی نارسائی ہو

کبھو ہے چھیڑ کبھو گالی ہے کبھو چشمک
بیان کریے جو ایک اُس کی بےادائی ہو

دیارِ حسن میں غالب کہ خستہ جانوں نے
دوا کے واسطے بھی مہر ٹک نہ پائی ہو

۲۵۱۵ ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے
اگر نصیب ترے کوچے کی گدائی ہو

جو کوئی دم ہو تو لوہو سا پی کے رہ جاؤں
غموں کی دل میں بھلا کب تلک سمائی ہو

مغاں سے راہ تو ہو جائے رفتہ رفتہ شیخ
ترا بھی قصد اگر ترکِ پارسائی ہو

کہیں تو ہیں کہ عبث میر نے دیا جی کو
خدا ہی جانے کہ کیا جی میں اس کے آئی ہو

## ۳۳۶

اے چرخ مت حریفِ اندوہِ بےکساں ہو
کیا جانے منھ سے نکلے نالے کے کیا سماں ہو

۲۵۲۰ کب تک گرہ رہے گا سینے میں دل کی مانند
اے اشکِ شوق اک دم رخسار پر رواں ہو

ہم دور ماندگاں کی منزل رساں مگر اب
یا ہو صدا جرس کی یا گردِ کارواں ہو

مسند نشین ہو گر عرصہ ہے تنگ اس پر
آسودہ وہ کسو کا جو خاکِ آستاں ہو

تا چند کوچہ گردی جیسے صبا زمیں پر
اے آہِ صبح گاہی آشوبِ آسماں ہو

گر ذوقِ سیر ہے تو آوارہ اس چمن میں
مانندِ عندلیبِ گم کردہ آشیاں ہو

۲۵۲۵ یہ جان تو کہ یہ اک آوارہ دست بردل
خاکِ چمن کے اوپر برگِ خزاں جہاں ہو

کیا ہے حباب ساں یاں آ دیکھ اپنی آنکھوں
گر پیرہن میں میرے پیرا ب تجھے گماں ہو

از خویش رفتہ ہر دم رہتے ہیں ہم جو اُس بن
کہتے ہیں لوگ اکثر اس وقت تم کہاں ہو

پتھر سے توڑ ڈالوں آئینے کو ابھی میں
گر روئے خوبصورت تیرا نہ درمیاں ہو

اس تیغ زن سے کہیو قاصد مری طرف سے
اب تک بھی نیم جاں ہوں گر قصدِ امتحاں ہو

۲۵۳۰ ہم سایہ اس چمن کے رکتے شکستہ پر ہیں
اتنے لیے کہ شاید اک بادِ گل فشاں ہو

میر اس کو جان کر تو بے شبہ بلیورہ پر
صحرا میں جو نمد پو بیٹھا کوئی جواں ہو

## ۳۲۷

گرچہ کب دیکھتے ہو پر دیکھو ۔ آرزو ہے کہ تم ادھر دیکھو
عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے ۔ آہ تم بھی تو اک نظر دیکھو
یوں عرق جلوہ گر ہے اس منھ پر ۔ جس طرح اوس پھول پر دیکھو
ہر خراش جبیں جراحت ہے ۔ ناخن شوق کا ہنر دیکھو ۲۵۳۵
تھی ہمیں آرزو لب خنداں ۔ سو عوض اس کے چشم تر دیکھو
رنگ رفتہ بھی دل کو کھینچے ہے ۔ ایک شب اور یاں سحر دیکھو
دل ہوا ہے طرف محبت کا ۔ خون کے قطرے کا جگر دیکھو
پہنچے ہیں ہم قریب مرنے کے ۔ یعنی جاتے ہیں دور اگر دیکھو

لطف مجھ میں بھی ہیں ہزاروں میرؔ
دیدنی ہوں جو سوچ کر دیکھو ۲۵۴۰

## ۳۲۸

آرام ہو چکا مرے جسم نزار کو ۔ رکھے خدا جہاں میں دل بے قرار کو
پانی پہ جیسے غنچۂ لالہ پھرے بہا ۔ دیکھا میں آنسوؤں میں دل داغ دار کو
برسا تو میرے دیدۂ خوں بار کے حضور ۔ پر اب تک انفعال ہے ابر بہار کو
ہنستا ہی میں پھروں جو مرا کچھ ہو اختیار ۔ پر کیا کروں میں دیدۂ بے اختیار کو
آیا جہاں میں دوست بھی ہوتے ہیں یک دگر ۔ مجھ سے جو دشمنی ہی رہی میرے یار کو ۲۵۴۵
سو بار یوں تو غیروں سے کرتے ہو ہنس کے بات ۔ کچھ منھ بنا رہو ہو ہماری ہی بار کو
سرگشتگی سوائے نہ دیکھا جہاں میں کچھ ۔ اک عمر خضر سیر کیا اس دیار کو
کس کس کی خاک اب کی ملانی ہے خاک میں ۔ جاتی ہے پھر نسیم اسی رہ گزار کو
لے وہ کوئی جو آج پیے ہے شراب عیش ۔ خاطر میں رکھیو کل کے بھی رنج و خمار کو
خوباں کا کیا جگر جو کریں مجھ کو اپنا صید ۔ پہچانتا ہے سب کوئی تیرے شکار کو ۲۵۵۰
جیتے جی فکر خوب ہے ورنہ یہ بد بلا ۔ رکھے گا حشر تک تہ و بالا مزار کو
گر ساتھ لے گڑا تو دل مضطرب تو میرؔ ۔ آرام ہو چکا ترے مشت غبار کو

## ٣٣٩

اچھی لگے ہے تجھ بن گل گشتِ باغ کس کو
صحبت رکھے گلوں سے اتنا دماغ کس کو

بے سوز داغِ دل پر گر جی جلے بجا ہے
اچھا لگے ہے اپنا گھر بے چراغ کس کو

٢٠٠٠ صد چشم داغ و آہیں دل پر مرے میں ہوں
دکھلا رہا ہے لالہ تو اپنا داغ کس کو

گل چین عیش ہوتے ہم بھی چمن میں جا کر
آہ و فغاں سے اپنی لیکن فراغ کس کو

اُس کی بلا سے جو ہم اے میرؔ گم بھی ہوویں
ہم سے غریب کا ہو فکرِ سراغ کس کو

## ٣٤٠

دن گزرتا ہے مجھے فکر ہی میں تا کیا ہو
رات جاتی ہے اسی غم میں کہ فردا کیا ہو

سب ہیں دیدار کے مشتاق پر اس سے غافل
حشر برپا ہو کہ فتنہ اٹھے آیا کیا ہو

٢٠٠٥ خاک حسرت زدگاں پر تو گزر بے وسواس
ان ستم کشتوں سے اب عرضِ تمنا کیا ہو

گر بہشت آوے تو آنکھوں میں مری پھیکی لگے
جن نے دیکھا ہو تجھے مجھ تماشا کیا ہو

شوق جاتا ہے ہمیں یار کے کوچے کو لیے
جا کے معلوم ہو کیا جانیے اس جا کیا ہو

ایک رونا ہی نہیں آہ و غم و نالہ و درد
ہجر میں زندگی کرنے کے تئیں کیا کیا ہو

خاک میں لوٹوں کہ لوہو میں نہاؤں میں میرؔ
یار مستغنی ہے اُس کو مری پروا کیا ہو

## ٣٤١

٢٠١٠ ویسا کہاں ہے ہم سے جیسا کہ آگے تھا تو
اوروں سے مل کے پیارے کچھ اور ہو گیا تو

چالیں تمام بے ڈھب باتیں فریب ہیں سب
حاصل کہ اے شکر لب اب وہ نہیں رہا تو

جاتے نہیں اُٹھائے یہ شور ہر سحر کے
یا اب چمن میں بلبل ہم ہی رہیں گے یا تو

آ ابر ایک دو دم آپس میں رکھیں صحبت
کڑھنے کو ہوں میں آندھی رونے کو ہے بلا تو

تقریب پر بھی تو تو پہلو تہی کرے ہے
دس بار عید آئی کب کب گلے ملا تو

٢٠١٥ تیرے دہن سے اُس کو نسبت ہو کچھ تو کہیے
گل گو کرے ہے دعویٰ خاطر میں کچھ نہ لا تو

دل کیونکہ راست آوے دعوائے آشنائی
دریائے حسن وہ مہ کشتی بہ کف گدا تو

هر فرد یاس ابھی سے دفتر ہے تجھ گلے کا — ہے قہر جب کہ ہوگا حرفوں سے آشنا تو
عالم ہے شوق کشتہ خلقت ہے تیری رفتہ — جانوں کی آرزو تو آنکھوں کا مدعا تو
منہ کر ہے جس طرف کو سو ہی تری طرف ہے — پر کچھ نہیں ہے پیدا کیدھر ہے اے خدا تو
آئی بخود نہیں ہے باد بہار اب تک — دو گام تھا چمن میں ٹک ناز سے چلا تو ۲۵۷۰
کم میری اور آنا کم آنکھ کا ملانا — کرنے سے یہ ادائیں ہے مدعا کہ جا تو
گفت و شنود اکثر میری تری رہے ہے — ظالم معاف رکھیو میرا کہا سنا تو

کہہ سانجھ کے موئے کو اے میر روئیں کب تک
جیسے چراغ مفلس اک دم میں جل بجھا تو

## ۳۴۲

خوبی یہی نہیں ہے کہ انداز و ناز ہو — معشوق کا ہے حسن اگر دل نواز ہو
سجدے کا کیا مضائقہ محراب تیغ میں — پر یہ تو ہو کہ نعش پہ میری نماز ہو ۲۵۸۰
اک دم تو ہم میں تیغ کو تو بے دریغ کھینچ — تا عشق میں ہوس میں تنک امتیاز ہو
نزدیک سوز سینہ سے رکھ اپنے قلب کو — وہ دل ہی کیمیا ہے جو گرم گداز ہو
ہے فرق ہی میں خیر نہ کر آرزوے وصل — رل بیٹھیے جو اس سے تو شکوہ دراز ہو
جوں توں کے اس کی چاہ کا پردا کیا ہے میں — اے چشم گریہ ناک نہ افشاے راز ہو
جوں چشم بسملی نہ مندی آوے گی نظر — جو آنکھ میرے خونی کے چہرے پہ باز ہو ۲۵۸۵

ہم سے تو غیر عجز کبھو کچھ بنا نہ میر
خوش حال وہ فقیر کہ جو بے نیاز ہو

## ۳۴۳

نالہ مرا اگر سبب شور و شر نہ ہو — پھر مر بھی جائیے تو کسو کو خبر نہ ہو
دل پر ہوا سو آہ کے صدمے سے ہو چکا — ڈرتا ہوں یہ کہ اب کہیں ٹکڑے جگر نہ ہو
برچھی سی پار عرش کے گزری نہ عاقبت — آہ سحر میں میری کہاں تک اثر نہ ہو
سمجھا ہوں تیری آنکھ چھپانے سے خوش نگاہ — مد نظر یہ ہے کہ کسی کی نظر نہ ہو ۲۵۹۰
کھینچے ہے دل کو زلف سے گاہے نگہ سے گاہ — قطعہ — حیراں نہ ہووے کوئی تو اس طرز پر نہ ہو

سو دل سے بھی نہ کام چلے اُس کے عشق میں — اک دل رکھوں ہوں میں تو کدھر ہو کدھر نہ ہو

جس راہ ہو کے آج میں پہنچا ہوں تجھ تلک — قطعہ — کافر کا بھی گزار الٰہی ادھر نہ ہو

یک جا نہ دیکھی آنکھوں سے ایسی تمام راہ — جس میں بجائے نقشِ قدم چشمِ تر نہ ہو

۲۵۹۰ ہر یک قدم پہ لوگ ڈرانے لگے مجھے — ہاں یاں کسو شہیدِ محبت کا سر نہ ہو

چلیو سنبھل کے سب یہ شہیدانِ عشق ہیں — تیرا گزار تا کہ کسو نعش پر نہ ہو

دامن کشاں ہی جا کہ طپش پر طپش ہے فن — زنہار کوئی صدمے سے زیر و زبر نہ ہو

مضطر ہو اختیار کی وہ شکل دل میں میں — اُس راہ ہو کے جاؤں یہ صورت جدھر نہ ہو

لیکن عبث نگاہ جہاں کریے اُس طرف — امکان کیا کہ خون مرے تا کمر نہ ہو

۲۶۰۰ حیراں ہوں میں کہ ایسی یہ مشہد ہے کون سی — مجھ سے خراب حال کو جس کی خبر نہ ہو

آتا ہے یہ قیاس میں اب تجھ کو دیکھ کر، — ظالم جفا شعار ترا اِدھر گزر نہ ہو

اُٹھ جائے رسم نالہ و آہ و فغاں سب
اس تیرہ روزگار میں تو میر اگر نہ ہو

۳۴۴

ہم سے تو تم کو ضد سی پڑی ہے خواہ نخواہ رُلاتے ہو
آنکھ اُٹھا کر جب دیکھے ہیں اوروں میں ہنستے جاتے ہو

جب ملنے کا سوال کروں ہوں، زلف و رُخ دکھلاتے ہو
برسوں مجھ کو یوں ہی گزرے، صبح و شام بتاتے ہو

۲۶۰۵ بکھری رہیں ہیں منھ پر زلفیں، آنکھ نہیں کھُل سکتی ہے
کیونکہ چھپے مے خوارئ شب جب ایسے رات کے ماتے ہو

سرو تہ و بالا ہوتا ہے، درہم برہم شاخِ گُل
ناز سے قد کش ہو کے چمن میں ایک بلا تم لاتے ہو

صبح سے یاں پھر جان و دل پر روز قیامت رہتی ہے
رات کبھو آ رہتے ہو تو یہ دن ہم کو دکھلاتے ہو

جن نے تم کو نہ دیکھا ہووے اس سے آنکھیں مارو تم

ایک نگاہِ مفتیں کر تم سَو سَو فتنے اُٹھاتے ہو

چشم تو ہے اک دید کی جا، پر کب تکلیف کے لائق ہے
دل جو ہے دِل چسپ مکاں تم اس میں کب کب آتے ہو

راحت پہنچی ٹک تم سے تو رنج اٹھایا برسوں تک
سر سہلاتے ہو جو کبھو تو بھیجا بھی کھا جاتے ہو ۲۶۱۰

ہو کے گدا اے کوے محبت زور صدا یہ نکالی ہے
اب تو میر جی راتوں کو تم ہر در پر چلّاتے ہو

## ۳۴۵

وہی جانے جو حیا کشتہ وفا رکھتا ہو
اور رسوائی کا اندیشہ جُدا رکھتا ہو

کام لے یار سے جو جذبِ رسا رکھتا ہو
یا کوئی آئینہ سا دستِ دعا رکھتا ہو

عشق کو نفع نہ بیتابی کرے ہے نہ شکیب
کر لیے تدبیر جو یہ درد دوا رکھتا ہو

میں نے آئینہ صفت ورنہ کیا بند عرض
اُس کو مشکل ہے جو آنکھوں میں حیا رکھتا ہو ۲۶۱۵

ہائے اس زخمیِ شمشیرِ محبت کا جگر
درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو

اس سے تشبیہ تو دیتے ہیں یہ ناشاعر لیک
سیب کچھ اُس ذقن آگے جو مزا رکھتا ہو

آوے ہے پہلے قدم سر ہی کا جانا درپیش
دیکھتا ہو جو رہِ عشق میں پا رکھتا ہو

ایسے تو حال کے کہنے سے بھلی خاموشی
کہیے اس سے جو کوئی اپنا کہا رکھتا ہو

کیا کرے وصل سے مایوس دلِ آزردہ جو
زخم ہی یار کا چھاتی سے لگا رکھتا ہو ۲۶۲۰

کب تلک اُس کے اسیرانِ بلا خانہ خراب قطعہ
ظُلم کی تازہ جو ہر روز بِنا رکھتا ہو

ایک دم کھول کے زُلفوں کی کمندعک تئیں
مُدّتوں تک دلِ عاشق کو لگا رکھتا ہو

گُل ہو، مہتاب ہو، آئینہ ہو، خورشید ہو میر
اپنا محبوب وہی ہے جو ادا رکھتا ہو

## ۳۴۶

مت پُوچھو کچھ اپنی باتیں کہیے تو تم کو ندامت ہو
قد قامت یہ کچھ ہے تمھارا لیکن قہرِ قیامت ہو

۲۶۲۵ ربطِ اخلاص اے دیدہ و دل بھی دُنیا میں ایک سے ہوتا ہے
لگ پڑتے ہو جس سے تس سے تم بھی کوئی ملامت ہو
آج سحر ہوتے ہی کچھ خورشید ترے مُنھ آن چڑھا
روک سکے ہے کون اُسے سر جس کے ایسی شامت ہو
چاہ کا دعویٰ سب کرتے ہیں مانیے کیونکر بے آثار
اشک کی سُرخی، زردی مُنھ کی عشق کی کچھ تو علامت ہو
سرو و گُل اچّھے ہیں دونوں رونق ہیں گلزار کی ایک
چاہیے رُو اُس کا سا رُو ہو، قامت ویسا قامت ہو
رل بیٹھے اُس نائی کے سے کوئی گھڑی جو زاھد تو
جتنے بال ہیں سارے سر میں ویسی ہی اُس کی حجامت ہو
۲۶۳۰ ہو جو ارادہ یاں رہنے کا رہ سکیے تو رہیے آپ
ہم تو چلے جاتے ہیں ہر دم کس کو قصدِ اقامت ہو
کس مُدّت سے دُوری میں تیری خاکِ رہ سے برابر ہوں
کریے رنجہ قدم ٹک مجھ تک جو کچھ پاسِ قدامت ہو
مُنھ پر اُس کی تیغِ ستم کے سیدھا جانا ٹھہرا ہے
جینا پھر کج دار و مریز اس طور میں ہو ٹک یا مت ہو
شور و شغب کو راتوں کے ہمسائے تمھارے کیا رو دیں
ایسے رفتے کتنے اُٹھیں گے میرؔ جی تم جو سلامت ہو

## ۳۴۷

شیخ جی آؤ مصلّےٰ گروِ جام کرو | جنسِ تقویٰ کے تئیں صرفِ مے جام کرو
---|---
۲۶۳۵ فرشِ مستاں کرو سجادۂ بے تہ کے تئیں | مے کی تعظیم کرو شیشے کا اکرام کرو
دامنِ پاک کو آلودہ رکھو بادے سے | آپ کو مُغبچوں کے قابلِ دشنام کرو
نیک نامی و تقادت کو دُعا جلد کہو | دین و دل پیشِ کشِ سادۂ خودکام کرو
ننگِ ناموس سے اب گزرو جوانوں کی طرح | پرفشانی کرو اور ساقی سے ابرام کرو

خوب اگرچہ جرعۂ مے نوش نہیں کر سکتے
خاطرِ جمع مے شام سے یہ کام کرو

اُٹھ کھڑے ہو جو جھکے گردنِ مینائے شراب
خدمتِ بادہ گساراں ہی سر انجام کرو ۲۶۴۰

مطرب آکر جو کرے چنگ نوازی تو تم
پیرہن مستوں کی تقلید سے انعام کرو

خنکی اتنی بھی تو لازم نہیں اس موسم میں
پاسِ جوشِ گل و دل گرمیٔ ایام کرو

سایۂ گل میں لبِ جو پہ گلابی رکھو
ہاتھ میں جام کو لو آپ کو بدنام کرو

آہ تا چند رہو خانقہ و مسجد میں
ایک تو صبح گلستاں میں بھی شام کرو

رات تو ساری گئی سنتے پریشاں گوئی
میر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو ۲۶۴۵

## ۳۴۸

کون کہتا ہے نہ غیروں پہ تم امداد کرو
ہم فراموش ہوؤں کو بھی کبھو یاد کرو

ہیں کہاں مجھ سے وفا پیشہ نہ بیداد کرو
نہ کرو ایسا کہ پھر میرے تئیں یاد کرو

ایسے ہم پیشہ کہاں ہوتے ہیں اے غم زدگاں
مرگِ مجنوں پہ کڑھو ماتمِ فرہاد کرو

اے اسیرانِ تہِ دام نہ تڑپھو اتنا
تا نہ بدنام کہیں چنگلِ صیاد کرو

گو کہ حیرانیٔ دیدار ہے اے آہ و سرشک
کوئی روشن کرو آنکھیں کوئی دل شاد کرو ۲۶۵۰

کیا ہوا ہے ابھی تو ہستی ہی کو بھولے ہو
آخرِ کارِ محبت کو ٹک اِک یاد کرو

اوّلِ عشق ہی میں میر جی تم رونے لگے
خاک ابھی منھ کو ملو نالہ و فریاد کرو

## ۳۴۹

دل صاف ہو تو جلوہ گہ یار کیوں نہ ہو
آئینہ ہو تو قابلِ دیدار کیوں نہ ہو

عالم تمام اُس کا گرفتار کیوں نہ ہو
وہ ناز پیشہ ایک ہے عیار کیوں نہ ہو

مستغنیانہ تو جو کرے پہلے ہی سلوک
عاشق کو فکرِ عاقبتِ کار کیوں نہ ہو ۲۶۵۵

رحمت غضب میں نسبتِ برق و سحاب ہے
جس کو شعور ہو تو گنہ گار کیوں نہ ہو

دشمن تو اک طرف کہ سبب رشک کا ہے یاں
در کا شگاف و رخنۂ دیوار کیوں نہ ہو

آیاتِ حق ہیں سارے یہ ذرّاتِ کائنات
انکار تجھ کو ہووے سو اقرار کیوں نہ ہو

ہر دم کی تازہ مرگِ جدائی سے تنگ ہوں — ہونا جو کچھ ہے آہ سو یک بار کیوں نہ ہو

۲۶۶۰ موئے سفید ہم کو کہے ہے کہ غافلاں — اب صبح ہونے آئی ہے بیدار کیوں نہ ہو

نزدیک اپنے ہم نے تو سب کر رکھا ہے سہل
پھر میرؔ اس میں مردنِ دشوار کیوں نہ ہو

## ۳۵۰

عاشق ہوئے تو گو غمِ بسیار کیوں نہ ہو — ناسور چشم ہو مژہ خوں بار کیوں نہ ہو

کامل ہوا اشتیاق تو اتنا نہیں ہے دور — حشر دگر پہ وعدۂ دیدار کیوں نہ ہو

گل گشت کا بھی لطف دلِ خوش سے ہے نسیم — پیشِ نظر وگرنہ چمن زار کیوں نہ ہو

۲۶۶۵ مخصوصِ دل ہے کیا مرضِ عشقِ جاں گداز — اے کاش اس کو اور کچھ آزار کیوں نہ ہو

آوے جو کوئی آئینہ بازارِ دہر میں — بار متاعِ دل کا خریدار کیوں نہ ہو

مقصود درد دل ہے نہ اسلام ہے نہ کفر — پھر ہر گلے میں سبحہ و زنار کیوں نہ ہو

شاید کہ آوے پرسشِ احوال کو کبھو — عاشق بھلا سا ہووے تو بیمار کیوں نہ ہو

تلوار کے تلے بھی ہیں آنکھیں تری اُدھر
تو اس ستم کا میرؔ سزاوار کیوں نہ ہو

## ۳۵۱

۲۶۷۰ ایسا ہے ماہ گو کہ وہ سب نور کیوں نہ ہو — ویسا ہی پھول فرض کیا حور کیوں نہ ہو

کھویا ہمارے ہاتھ سے آئینے نے اسے — ایسا جو پاوے آپ کو مغرور کیوں نہ ہو

حق برطرف ہے منکرِ دیدارِ یار کے — جو شخص ہووے آنکھوں سے معذور کیوں نہ ہو

گیسوئے مشک بو کو اسے ضد ہے کھولنا — پھر زخمِ دل فگاروں کا ناسور کیوں نہ ہو

صورت تو تیری صفحۂ خاطر پہ نقش ہے — ظاہر میں اب ہزار تو مستور کیوں نہ ہو

۲۶۷۵ صافی شست سے ہے غرض مشق تیر سے — سینہ کسو کا خانۂ زنبور کیوں نہ ہو

مجنوں جو دشت گرد تھا ہم شہر گرد ہیں — آوارگی ہماری بھی مذکور کیوں نہ ہو

تلوار کھینچتا ہے وہ اکثر نشے کے بیچ — زخمی جو اس کے ہاتھ کا ہو چور کیوں نہ ہو

خالی نہیں بغل کوئی دیوان سے مرے — افسانہ عشق کا ہے یہ مشہور کیوں نہ ہو

مجھ کو تو یہ قبول ہوا عشق میں کہ میر
پاس اس کے جب گیا تو کہا "دور کیوں نہ ہو"

## ۳۵۲

ہردم وہ شوخ دست بہ شمشیر کیوں نہ ہو — کچھ ہم نے کی ہے ایسی ہی تقصیر کیوں نہ ہو ۲۶۸۰
اب تو جگر کو ہم نے بلا کا ہدف کیا — انداز اس نگاہ کا پھر تیر کیوں نہ ہو
جانا تو ہے کہیں کو تو اے کاروانِ مصر! — کنعاں ہی کی طرف کو یہ شبگیر کیوں نہ ہو
حیراں ہیں اس قدر کہ اگر اب کی جائیے — پھر منھ ترا نہ دیکھیے تصویر کیوں نہ ہو
تو نے تو رفتہ رفتہ کیا ہم کو ننگِ خلق — وحشت دلا کہاں تئیں زنجیر کیوں نہ ہو
جوں گل کسو شگفتہ طبیعت کا ہے نشاں — غنچہ بھی کوئی خاطرِ دل گیر کیوں نہ ہو ۲۶۸۵

ہو وے ہزار وحشت اُسے تو بھی یار ہے
اغیار تیرے ساتھ جو ہوں میر کیوں نہ ہو

## ۳۵۳

دیکھتا ہوں دھوپ ہی میں جلنے کے آثار کو — لے گئی ہیں دور تڑپیں سایۂ دیوار کو
بارے صحت ہے وگرنہ کون کہتا ہے طبیب — جلد اٹھاؤ میرے دروازے سے اس بیمار کو
مے سے جو مستِ بے خودی ہیں عیش کرتے ہیں مدام — میکدے میں دہر کے مشکل ہے ٹک ہشیار کو
نقشِ شیریں یادگارِ کوہکن ہے اس میں خوب — ورنہ کیا ہے بیستوں دیکھا ہے میں کہسار کو ۲۶۹۰
کس قدر الجھیں ہیں میرے تار دامن کے کہ اب — پانو میں گڑکر نہیں چھٹنے کی فرصت خار کو

ہے غبار میر اس کے رہ گزر میں یک طرف
کیا ہوا دامن کشاں آتے بھی یاں تک یار کو

## ۳۵۴

جو میں نہ ہوں تو کرو ترک ناز کرنے کو — کوئی تو چاہیے جی بھی نیاز کرنے کو
نہ دیکھو غنچۂ نرگس کی اور کھلتے میں — جو دیکھو اس کی مژہ نیم باز کرنے کو
نہ سوئے نیند بھر اس تنگنا میں تا نہ موئے — کہ آہ جا نہ تھی پاں کے دراز کرنے کو ۲۶۹۵
جو بے دماغی یہی ہے تو بن چکی اپنی — دماغ چاہیے ہر اک سے ساز کرنے کو

وہ گرمِ ناز ہو تو خلق پر ترحّم کر | پکارے آپ اجل احتراز کرنے کو
جو آنسو آویں تو پی جا کہ تا رہے پردہ | بلا ہے چشمِ تر افشائے راز کرنے کو
سمندِ ناز سے تیرے بہت ہے عرصہ تنگ | تنک تو ترک کر اُس تُرکِ تاز کرنے کو
۲۷۰۰ بسانِ زر ہے مرا جسمِ زار سارا زرد | اثر تمام ہے دل کے گُداز کرنے کو
ہنوز لڑکے ہو تم قدر میری کیا جانو | شعور چاہیئے ہے امتیاز کرنے کو
اگرچہ گُل بھی نمود اُس کے رنگ کرتا ہے | ولیک چاہیئے ہے مُنھ بھی ناز کرنے کو

زیادہ حد سے تھی تابوتِ میر پر کثرت
ہُوا نہ وقت مساعد نماز کرنے کو

## ۳۵۵

کرتے بیاں جو ہوتے خریدار ایک دو | دیکھا کریں ہیں ساتھ ترے یار ایک دو
۲۷۰۵ قیدِ حیات قید کوئی سخت ہے کہ روز | مر رہتے ہیں گے اُس کے گرفتار ایک دو
کس کس پہ اُس کو ہووے نظر یاں ہر ایک شب | جی دیں ہیں اُس کی چشم کے بیمار ایک دو
تو تو دُچار ہو کے گیا کب کا یاں ہنوز | گزریں ہیں اپنی جان سے ناچار ایک دو
ابرو سے تیغ زن کی تمھارے تو کیا چلی | کرڈے ہے جس کا لاگتے ہی وار ایک دو
ٹک چشم میں بھی سُرمے کا دُنبالہ کھینچیے | اس مست کے بھی ہاتھ میں تلوار ایک دو

کیا کیا عزیز دوست ملے میر خاک میں
۲۷۱۰ کچھ اِس گلی میں ہم ہی نہیں خوار ایک دو

## ۳۵۶

حالِ دلِ میر کا اے اہلِ وفا مت پُوچھو | اِس ستم کُشتہ پہ جو گُزری جفا مت پُوچھو
صُبح سے اور بھی پاتا ہوں اُسے شام کو تند | کام کرتی ہے جو کچھ میری دُعا مت پوچھو
اُستخواں توڑے مرے اس کی گلی کے سگ نے | جس خرابی سے میں واں رات رہا مت پُوچھو
ہوش و صبر و خرد و دین و حواس و دل و تاب | اُس کے اک آنے میں کیا کیا نہ گیا مت پوچھو
۲۷۱۵ اشتعالک سی محبت نے کہ دہ بست پُھنکا | شہرِ دل کیا کہوں کس طور جلا مت پوچھو
وقتِ قتل آرزوے وصل جو لگے پوچھنے لوگ | میں اشارت کی اُدھر اُن نے کہا مت پوچھو

خواہ مارا اُنھیں نے میرؔ کو خواہ آپ مُوا
جانے دو یارو جو ہونا تھا ہُوا مت پوچھو

۳۵۷

نالۂ شب نے کیا ہے جو اثر مت پوچھو — ٹکڑے ٹکڑے ہُوا جاتا ہے جگر مت پوچھو
پوچھتے کیا ہو مرے دل کا تم احوال کہ ہے — جیسے بیمارِ اجل روز بتر مت پوچھو
مرنے میں بند زباں ہونا اشارت ہے، ندیم — یعنی ہے دور کا درپیش سفر مت پوچھو ۲۷۲۰
کیا پھرے وہ وطن آوارہ گیا اب سو گیا — دل گم کردہ کی کچھ خیر خبر مت پوچھو
لذّتِ زہرِ غمِ فرقتِ دل داراں سے — ہونٹ منھ میں جنھوں کے شہد و شکر مت پوچھو
دل خراشی و جگر چاکی و سینہ کاوی — اپنے ناحق میں ہیں سب اور ہنر مت پوچھو

جوں توں کر حالِ دل اِک بار تو میں عرض کیا
میرؔ صاحب جی بس اب بارِ دگر مت پوچھو

۳۵۸

اس کی طرزِ نگاہ مت پوچھو — جی ہی جانے ہے آہ مت پوچھو ۲۷۲۵
کہیں پہنچو گے بے رہی میں بھی — گم رہاں یوں یہ راہ مت پوچھو
تو گرفتارِ دامِ زلفِ اُس کا — ہے یہی روسیاہ مت پوچھو
ہیں گی برگشتہ وے صفِ مژگاں — پھر گئی ہے سپاہ مت پوچھو
تھا کرم پر اُسی کے شربِ مدام — میرے اعمال آہ مت پوچھو — قطعہ
تم بھی اے مالکانِ روزِ جزا — بخش دو اب گناہ مت پوچھو ۲۷۳۰

میرؔ عاشق کو کچھ کہے ہی بنے
خواہ وہ پوچھو خواہ مت پوچھو

۳۵۹

محرماں بے دمی کا میری سبب مت پوچھو — ایک دم چھوڑ دو یوں ہی مجھے اب مت پوچھو
گریۂ شمع کا اے ہم نفساں ہیں تھا حریف — گزری ہے رات کی صحبت بھی عجب مت پوچھو
سر پُر شور سے میرے نہ کرو کوئی سوال — حشر تھی داخلِ خدّامِ ادب مت پوچھو

۲۷۳۵ لب پہ شیون مژہ پر خون و نگہ میں اک یاس — دن گیا ہجر کا جس ڈھنگ سے شب مت پوچھو

میر صاحب نئی یہ طرز ہوا اس کی تو کہوں
موجب آزردگی کا وجہ غضب مت پوچھو

## ۳۶۰

فرصت نہیں تنک بھی کہیں اضطراب کو — کیا آفت آ گئی مرے اس دل کی تاب کو

میری ہی چشم تر کی کرامات ہے یہ سب — پھرتا تھا ورنہ ابر تو محتاج آب کو

گزری ہے شب خیال میں خوباں کے جاگتے — آنکھیں لگا کے اس سے میں ترسوں ہوں خواب کو

۲۷۴۰ خط آ گیا پر اس کا تغافل نہ کم ہوا — قاصد مرا خراب پھرے ہے جواب کو

تیور میں جب سے دیکھے ہیں ساقی خمار کے — پیتا ہوں رکھ کے آنکھوں پہ جام شراب کو

اب تو نقاب منھ پہ لے ظالم کہ شب ہوئی — شرمندہ سارے دن تو کیا آفتاب کو

کہنے سے میر اور بھی ہوتا ہے مضطرب
سمجھاؤں کب تک اس دل خانہ خراب کو

## ۳۶۱

کیا ہے گر بدنامی و حالت تباہی بھی نہ ہو — عشق کیسا جس میں اتنی روسیاہی بھی نہ ہو

۲۷۴۵ لطف کیا آزردہ ہو کر آپ سے ملنے کے بیچ — ٹک تری جانب سے جب تک عذر خواہی بھی نہ ہو

چاہتا ہے جی کہ ہم تو ایک جا تنہا ملیں — ناز بے جا بھی نہ ہووے کم نگاہی بھی نہ ہو

مجمع ترکاں ہے کوئی دیکھیو جا کر کہیں — جس کا میں کشتہ ہوں اس میں وہ سپاہی بھی نہ ہو

ناز برداری تری کرتے تھے اک امید پر — راستی ہم سے نہیں تو کج کلاہی بھی نہ ہو

یہ دعا کی تھی تجھے کن نے کہ بہر قتل میر
محضر خونیں پہ تیرے اک گواہی بھی نہ ہو

## ۳۶۲

۲۷۵۰ اجرت میں نامے کی ہم دیتے ہیں جاں تلک تو — اب کار شوق اپنا پہنچا ہے یاں تلک تو

آغشتہ میرے خوں سے اے کاش جا کے پہنچے — کوئی پر شکستہ ٹک گلستاں تلک تو

واماندگی نے مارا اثنائے رہ میں ہم کو — معلوم ہے پہنچنا اب کارواں تلک تو

افسانہ غم کا لب تک آیا ہے مدّتوں میں　　سو جائیو نہ پیارے اس داستاں تلک تو
آوارہ خاک میری ہو کِس قدر الٰہی　　پہنچوں غبار ہو کر میں آسماں تلک تو

اے کاش خاک ہی ہم رہتے کہ میرؔ اس میں
ہوتی ہمیں رسائی اُس آستاں تلک تو　　۲۷۵۵

## ہ

### ۳۶۳

سو ظلم کے رہتے ہیں سزاوار ہمیشہ　　ہم بے گنہ اُس کے ہیں گنہ گار ہمیشہ
ایک آن گزر جائے تو کہنے میں کچھ آوے　　در پیش ہے یاں مُردنِ دُشوار ہمیشہ
دُشمن کو نہ کیوں شربِ مُدام آوے میسّر　　رہتی ہے اُدھر ہی نگہِ یار ہمیشہ
یوسف سے کئی آن کے تیرے سرِ بازار　　بِک جاتے ہیں باتوں میں خریدار ہمیشہ
ہے دامنِ گُل چینِ چمن جیب ہمارا　　دُنیا میں رہے دیدۂ خوں بار ہمیشہ　　۲۷۶۰
جو ین ترے دیکھے سوادِ رُخ میں ہے یعنی　　رہتی ہے اُسے حسرتِ دیدار ہمیشہ

جینا ہے تو بے طاقتی و بے خودی ہے میرؔ
مُردہ ہے غرض عشق کا بیمار ہمیشہ

### ۳۶۴

جگر لوہو کو ترسے ہے میں سچ کہتا ہوں دل خستہ　　دلیل اُس کی نمایاں ہے مری آنکھیں ہیں خوں بستہ
چمن میں دل خراش آواز آتی ہے چلی شاید　　پسِ دیوارِ گلشن نالہ کش ہے کوئی پر بستہ
ترے کوچے میں یکسر عاشقوں کے خارِ مژگاں ہیں　　جو تو گھر سے کبھو نکلے تو رکھیو پانو آہستہ　　۲۷۶۵
مرے آگے نہیں ہنستا تو آ اک صُلح کرتا ہوں　　بھلا میں رو دُوں وو دریا تبسّم کر تو یک پستہ
تعجب ہے مجھے یہ سرو کو آزاد کہتے ہیں　　سراپا دل کی صورت جس کی ہو وہ کیا ہو وارستہ
تری گُل گشت کی خاطر بنا ہے باغ داغوں سے　　پرِ طاؤس سینہ ہے تمامی دستِ گُل دستہ

بجا ہے گر فلک پر فخر سے پھینکے کُلاہ اپنی
کہے جو اس زمیں میں میرؔ یک مصراعِ برجستہ

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم — اب جو ہیں خاک انتہا ہے یہ

بُودِ آدم نمودِ شبنم ہے — ایک دو دم میں پھر ہوا ہے یہ

شکر اُس کی جفا کا ہو نہ سکا — دل سے اپنے ہمیں گلا ہے یہ

شور سے اپنے حشر ہے پردہ — یوں نہیں جانتا کہ کیا ہے یہ

۲۷۷۵ بس ہوا ناز ہو چکا اغماض — ہر گھڑی ہم سے کیا ادا ہے یہ

نعشیں اُٹھتی ہیں آج یاروں کی — آن بیٹھو تو خوش نما ہے یہ

دیکھ بے دم مجھے لگا کہنے — ہے تو مُردہ سا پر بلا ہے یہ

میں تو چپ ہوں وہ ہونٹ چاٹے ہے — کیا کہوں ریجھنے کی جا ہے یہ

ہے رے بیگانگی کبھو اُن نے — نہ کہا یہ کہ آشنا ہے یہ

۲۷۸۰ تیغ پر ہاتھ دم بہ دم کب تک — اک لگا چک کہ مُدعا ہے یہ

میر کو کیوں نہ مُغتنم جانے
اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

## ۳۶۶

دلِ پُر خوں ہے یہاں تجھ کو گماں ہے شیشہ — شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ

شیشہ بازی تو تنک دیکھنے آ آنکھوں کی — ہر پلک پر مرے اشکوں سے رواں ہے شیشہ

روسفیدی ہے نقابِ رُخِ شورِ مستی — ریشِ قاضی کے سبب پنبہ دہاں ہے شیشہ

۲۷۸۵ منزلِ مستی کو پہنچے ہے انھیں سے عالم — نشئہ مے بلد و سنگ نشاں ہے شیشہ

درمیاں حلقۂ مستاں کے شب اُس کی جا تھی — دَورِ ساغر میں مگر پیرِ مُغاں ہے شیشہ

جا کے پوچھا جو میں یہ کارگہ مینا میں — قطعہ — دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ

کہنے لاگے کہ کدھر پھرتا ہے بہکا اے مست — ہر طرح کا جو تو دیکھے ہے کہ یاں ہے شیشہ

دل ہی سارے تھے یہ اک وقت میں جو کر کے گداز — شکل شیشے کی بنائے ہیں کہاں ہے شیشہ

۲۷۹۰ جُھک گیا دیکھ کے میں میر اُسے مجلس میں
چشمِ بد دُور طرح دار جواں ہے شیشہ

## ۳۶۷

جی چاہے مل کسو سے یا سب سے تو جُدا رہ — پر ہو سکے تو پیارے ٹک دل کا آشنا رہ

کل بے تکلّفی میں لُطف اُس بدن کا دیکھا
نِکلا نہ کر قبا سے اے گُل بس اب ڈھپارہ

عاشق غیور جی دے اور اُس طرف نہ دیکھے
وہ آنکھ جو چُھپاوے تو تو بھی ٹک کھنچا رہ

پہنچیں گے آگے دیکھیں کس درجہ کو ابھی تو
اُس ماہ چار دہ کا سِن دس ہے یا کہ بارہ

کھینچا کرے ہے ہر دم کیا تیغ بوالہوس پر
اس ناسزا سے خوں کے اتنا نہ سر چڑھا رہ ۲۷۹۵

مُستظہرِ محبت تھا کوہ کن وگرنہ
یہ بُوجھ کس سے اُٹھتا ایک اور ایک گیارہ

یہ مُشتِ خاک یاں کی چاہے ہے اِک تامّل
بن سوچے راہ مت چل ہر گام پر کھڑا رہ

شاید کہ سر بلندی ہووے نصیب تیرے
جوں گردِ راہ سب کے پاؤں سے تو لگا رہ

اُس خطِ سبز نے کچھ رویت نہ رکھی تیری
کیا ایسی زندگانی جا خضر زہر کھا رہ

حد سے زیادہ واعظ یہ کُودنا اُچھلنا
کاہے کو جلتے ہیں ہم اے خرس اب بِچارہ ۲۸۰۰

میں تو ہیں وہم دونوں کیا ہے خیال تجھ کو
جھاڑ آستین مجھ سے ہاتھ آپ سے اُٹھا رہ

جیسے خیالِ مُفلس جاتا ہے سو جگہ تو
مجھ بے نوا کے بھی گھر ایک آدھ رات آ رہ

دوڑے بہت ولیکن مطلب کو کون پہنچا
آیندہ تو بھی ہم سا ہو کر شکستہ پا رہ

جب ہوش میں تو آیا اُودھر ہی جاتے پایا
اس سے تو میرؔ چندے اس کُوچے ہی میں جا رہ

## ۳۶۸

اب حال اپنا اس کے ہے دل خواہ
کیا پُوچھتے ہو الحمدللہ ۲۸۰۵

مر جاؤ کوئی پروا نہیں ہے
کتنا ہے مغرور اللہ اللہ

پیرِ مُغاں سے بے اعتقادی
استغفر اللہ استغفر اللہ

کہتے ہیں اُس کے تو مُنھ لگے گا
ہو یُوں ہی یارب جوں ہے یہ افواہ

حضرت سے اس کی جانا کہاں ہے
اب مر رہے گا یاں بندہ درگاہ

سب عقل کھوئے ہے راہِ محبت
ہو خضر دل میں کیسا ہی گُم راہ ۲۸۱۰

مُجرم ہوئے ہم دل دے کے ورنہ
کس کو کسُو سے ہوتی نہیں چاہ

کیا کیا نہ دیکھیں تم نے پچائیں
اچھا رجھایا اے مہربان آہ

گزرے ہے دیکھیں کیونکر ہماری
اس بے وفا سے نَے رسم نَے راہ

تھی خواہشِ دل رکھنا حمائل　قطعہ　گردن میں اس کی ہر گاہ و بیگاہ

۲۸۱۵ اس پر کہ تھا وہ شہ رگ سے اقرب　ہرگز نہ پہنچا یہ دستِ کوتاہ

ہے ماسوا کیا جو میرؔ کہیے　قطعہ　آگاہ سارے اُس سے ہیں آگاہ

جلوے ہیں اُس کے شانیں ہیں اُس کی　کیا روز کیا خور کیا رات کیا ماہ

ظاہر کہ باطن اول کہ آخر

اللہ اللہ، اللہ اللہ

## ۳۶۹

جو ہوشیار ہو سو آج ہو شراب زدہ　زمینِ مے کدہ یک دست ہے گی آب زدہ

۲۸۲۰ بنے یہ کیونکہ ملے تو ہی یا ہمیں سمجھیں　ہم اضطراب زدہ اور تو حجاب زدہ

کرے ہے جس کو ملامت جہاں وہ میں ہی ہوں　اجل رسیدہ جفا دیدہ، اضطراب زدہ

جدا ہو رخ سے تری زلف میں نہ کیوں دل جائے　پناہ لیتے ہیں سائے کی آفتاب زدہ

لگا نہ ایک بھی میرؔ اُس کی بیتِ ابرو کو

اگرچہ شعر تھے سب میرے انتخاب زدہ

## ۳۷۰

جز جرمِ عشق کوئی بھی ثابت کیا گناہ　ناحق ہماری جان لی اچھے ہو واہ واہ

۲۸۲۵ اب کیسا چاک چاک ہو دل اُس کے ہجر میں　گھتواں تو لختِ دل سے نکلتی ہے میری آہ

شامِ شبِ وصال ہوئی یاں کہ اُس طرف　ہونے لگا طلوع ہی خورشیدِ رو سیاہ

گزرا میں اس سلوک سے دیکھا نہ کر مجھے　برچھی سی لاگ جا ہے جگر میں تری نگاہ

بیتابیوں کو سونپ نہ دینا کہیں مجھے　اے صبر میں نے آن کے لی ہے تری پناہ

خوں بستہ بارے رہنے لگی اب تو یہ مژہ　آنسو کی بوند جس سے ٹپکتی تھی گاہ گاہ

ناحق الجھ پڑا ہے یہ مجھ سے طریقِ عشق

۲۸۳۰ جاتا تھا میرؔ میں تو چلا اپنی راہ راہ

## ۳۷۱

کہتے ہیں اُڑ بھی گئے جل کے پرِ پروانہ　کچھ سُنی سوختگاں تم خبرِ پروانہ

سعی اتنی یہ ضروری ہے اُٹھی بزم سے لگ ۔۔۔ اے جگر تفتگی ہے اثر پروانہ

کس گنہ کا ہے پس از مرگ یہ عذرِ جاں سوز ۔۔۔ پانو پر شمع کے پاتے ہیں سر پروانہ

آ پڑا آگ میں اے شمع یہیں سے تو سمجھ ۔۔۔ کس قدر داغ ہوا تھا جگر پروانہ

بزمِ دُنیا کی تو دل سوزی سُنی ہوگی میر

کس طرح شام ہوئی یاں سحر پروانہ ۲۸۳۵

## ۳۷۲

ہم سے کچھ آگے زمانے میں ہوا کیا کیا کچھ ۔۔۔ تو بھی ہم غافلوں نے آکے کیا کیا کیا کچھ

دل جگر جان یہ بھسمنت ہوئے سینے میں ۔۔۔ گھر کو آتش دی محبت نے جلا کیا کیا کچھ

کیا کہوں تجھ سے کہ کیا دیکھا ہے تجھ میں میں نے ۔۔۔ عشوۂ و غمزۂ و انداز و ادا کیا کیا کچھ

دل گیا، ہوش گیا، صبر گیا، جی بھی گیا ۔۔۔ شغل میں غم کے ترے ہم سے گیا کیا کیا کچھ

آہ مت پوچھ ستم گار کہ تجھ سے تھی ہمیں ۔۔۔ چشمِ لطف و کرم و مہر و وفا کیا کیا کچھ ۲۸۴۰

نام ہیں خستہ و آوارہ و بدنام مرے ۔۔۔ قطعہ ایک عالم نے غرض مجھ کو کہا کیا کیا کچھ

طُرفہ صحبت ہے کہ سُنتا نہیں تو ایک مری ۔۔۔ واسطے تیرے سُنا میں نے سُنا کیا کیا کچھ

حسرتِ وصل و غمِ ہجر و خیالِ رُخ دوست ۔۔۔ مر گیا میں پہ مرے جی میں رہا کیا کیا کچھ

دردِ دل، زخمِ جگر، کلفتِ غم، داغِ فراق ۔۔۔ آہ عالم سے مرے ساتھ چلا کیا کیا کچھ

چشمِ نم ناک و دلِ پُر، جگرِ صد پارہ ۔۔۔ دولتِ عشق سے ہم پاس بھی تھا کیا کیا کچھ ۲۸۴۵

تجھ کو کیا بننے بگڑنے سے زمانے کے کہ یاں ۔۔۔ خاک کن کن کی ہوئی صرف بنا کیا کیا کچھ

قبلہ و کعبہ خداوند و ملاذ و مشفق ۔۔۔ قطعہ مضطرب ہو کے میں نے لکھا کیا کیا کچھ

پر کہوں کیا رقمِ شوق کی اپنے تاثیر ۔۔۔ ہر سرِ حرف پہ وہ کہنے لگا کیا کیا کچھ

ایک محروم چلے میر ہمیں عالم سے

ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ

## ۳۷۳

کیا موافق ہو دوا عشق کے بیمار کے ساتھ ۔۔۔ جی ہی جاتے نظر آئے ہیں اس آزار کے ساتھ ۲۸۵۰

رات مجلس میں تری ہم بھی کھڑے تھے چُپکے ۔۔۔ جیسے تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ

مر گئے پر بھی کھلی رہ گئیں آنکھیں اپنی — کون اس طرح مُوا حسرتِ دیدار کے ساتھ

شوق کا کام کھنچا دور کہ اب مہر مثال — چشمِ مشتاق لگی جائے ہے طومار کے ساتھ

راہ اس شوخ کی عاشق سے نہیں رُک سکتی — جان جاتی ہے چلی خوبیٔ رفتار کے ساتھ

۲۸۵۵ وے دن اب سالتے ہیں راتوں کو برسوں گزرے — جن دنوں دیر رہا کرتے تھے ہم یار کے ساتھ

ذکرِ گل کیا ہے صبا اب کہ خزاں میں ہم نے — دل کو ناچار لگایا ہے خس و خار کے ساتھ

کس کو ہر دم ہے لہو رونے کا ہجراں میں دماغ — دل کو اک ربط سا ہے دیدۂ خونبار کے ساتھ

میری اس شوخ سے صحبت ہے بعینہ ویسی — جیسے بن جائے کسو سادے کو عیار کے ساتھ

دیکھیے کس کو شہادت سے سرافراز کریں — لاگ تو سب کو ہے اس شوخ کی تلوار کے ساتھ

بے کلی اس کی نہ ظاہر تھی جو تو اے بلبل

۲۸۶۰ دم کشِ میرؔ ہوئی اس لبِ گفتار کے ساتھ

# ی

## ۳۷۴

دل کو تسکین نہیں اشکِ دمادم سے بھی — اس زمانے میں گئی ہے برکت غم سے بھی

ہم نشیں کیا کہوں اس رشکِ مہِ تاباں بن — صبحِ عید اپنی ہے بدتر شبِ ماتم سے بھی

کاش اے جانِ الم ناک نکل جاوے تو — اب تو دیکھا نہیں جاتا یہ ستم ہم سے بھی

آخر کار محبت میں نہ نکلا کچھ کام — سینہ چاک و دلِ پژمردہ مژہ نم سے بھی

۲۸۶۵ آہ ہر غیر سے تا چند کہوں جی کی بات — عشق کا راز تو کہتے نہیں محرم سے بھی

دُوریٔ کوچے میں اے غیرتِ فردوس تری — کام گزرا ہے مرا گریۂ آدم سے بھی

ہمت اپنی ہی تھی یہ میرؔ کہ جوں مرغِ خیال

اک پر افشانی میں گزرے سرِ عالم سے بھی

## ۳۷۵

تابِ دل صرفِ جدائی ہو چکی — یعنی طاقت آزمائی ہو چکی

چھوٹتا کب ہے اسیرِ خوش زباں — جیتے جی اپنی رہائی ہو چکی

آگئے ہو مسجد کے نکلی اس کی راہ　　شیخ سے اب پارسائی ہو چکی　۲۸۷۰
درمیاں ایسا نہیں اب آئینہ　　میری اس کی اب صفائی ہو چکی
ایک بوسہ مانگتے لڑنے لگے　　اتنے ہی میں آشنائی ہو چکی
بیچ میں ہم ہی نہ ہوں تو لطف کیا　　رحم کر اب بے وفائی ہو چکی

آج پھر تھا بے حمیت میر واں
کل لڑائی سی لڑائی ہو چکی

### ۳۷۶

آخر ہماری خاک بھی برباد ہو گئی　　اُس کی ہوا میں ہم پہ تو بیداد ہو گئی　۲۸۷۵
مُدّت ہوئی نہ خط ہے نہ پیغام ہے مگر　　اک رسم تھی وفا کی پر افتاد ہو گئی

دل کس قدر شگفتہ ہوا تھا کہ رات میر
آئی جو بات لب پہ سو فریاد ہو گئی

### ۳۷۷

یہ چشم آئینہ دارِ رُو تھی کسو کی　　نظر اس طرف بھی کبھو تھی کسو کی
سحر پائے گُل بے خودی ہم کو آئی　　کہ اس سُست پیماں میں بو تھی کسو کی
یہ سرگشتہ جب تک رہا اس چمن میں　　برنگِ صبا جستجو تھی کسو کی　۲۸۸۰
نہ ٹھہری ٹک اک جانِ برلب رسیدہ　　ہمیں مدعا گفتگو تھی کسو کی
جلایا شب اک شعلۂ دل نے ہم کو　　کہ اُس تند سرکش میں خو تھی کسو کی
نہ تھے تجھ سے نازک میانانِ گلشن　　بہت تو کمر جیسے مُو تھی کسو کی

دمِ مرگ دُشوار دی جان اُن نے
مگر میر کو آرزو تھی کسو کی

### ۳۷۸

ہے غزل میر یہ شفائی کی　　ہم نے بھی طبع آزمائی کی　۲۸۸۵
اس کے ایفائے عہد تک نہ جیے　　عُمر نے ہم سے بے وفائی کی
وصل کے دن کی آرزو ہی رہی　　شب نہ آخر ہوئی جُدائی کی

اسی تقریب اُس گلی میں رہے     منتیں ہیں شکستہ پائی کی

دل میں اُس شوخ کے نہ کی تاثیر     آہ نے آہ نارسائی کی

۲۸۹۰   کاسۂ چشم لے کے جوں نرگس     ہم نے دیدار کی گدائی کی

زور و زر کچھ نہ تھا تو بارے میر

کس بھروسے پہ آشنائی کی

## ۳۷۹

آہ میری زبان پر آئی     یہ بلا آسمان پر آئی

عالمِ جاں سے تو نہیں آیا     ایک آفت جہان پر آئی

پیری آفت ہے پھر نہ تھا گویا     یہ بلا جس جوان پر آئی

۲۸۹۵   ہم بھی حاضر ہیں کھینچیے شمشیر     طبع گر امتحان پر آئی

آتشِ رنگِ گل سے کیا کہیے     برق تھی آشیان پر آئی

طاقتِ دل برنگِ نکہتِ گل     پھیر اپنے مکان پر آئی

ہو جہاں میر اور غم اُس کا

جس سے عالم کی جان پر آئی

## ۳۸۰

بات شکوے کی ہم نے گاہ نہ کی     بلکہ دی جان اور آہ نہ کی

۲۹۰۰   گل و آئینہ ماہ و خور کن نے     چشم اس چہرے پر سیاہ نہ کی

کعبے سو بار وہ گیا تو کیا     جس نے یاں ایک دل میں راہ نہ کی

واہ اے عشق اس ستمگر نے     جاں فشانی پہ میری واہ نہ کی

جس سے تھی چشم ہم کو کیا کیا میر

اس طرف اُن نے اک نگاہ نہ کی

## ۳۸۱

کل میر نے کیا کیا کی مے کے لیے بے تابی     آخر کو گرو رکھا سجادۂ محرابی

۲۹۰۵   جاگا ہے کہیں وہ بھی شب مرتکب مے ہو     یہ بات سجھاتی ہے ان آنکھوں کی بے خوابی

کیا شہر میں گنجایش مجھ بے سروپا کو ہو — اب بڑھ گئے ہیں میرے اسباب کم اسبابی
دن رات مری چھاتی جلتی ہے محبت میں — کیا اور نہ تھی جاگہ یہ آگ جو یاں دابی
سو ملک پھرا لیکن پائی نہ وفا اک جا — جی کھا گئی ہے میرا اس جنس کی نایابی
خوں بستہ نہ کیوں پلکیں ہر لحظہ رہیں میری — جاتے نہیں آنکھوں سے لب یار کے عنابی
جنگل ہی ہرے تنہا رونے سے نہیں میرے — کوہوں کی کمر تک بھی جا پہنچی ہے سیرابی ۲۹۱۰
تھے ماہ وشاں کل جو ان کوٹھوں پہ جلوے میں — ہے خاک سے آج ان کی ہر صحن میں مہتابی

کل میر جو یاں آیا طور اُس کا بہت بھایا
وہ خشک لبی تس پر جامہ گلے میں آبی

## ۳۸۲

ہمیں آمدِ میر کل بھا گئی — طرح اُس میں مجنوں کی سب پا گئی
کہاں کا غبار آہ دل میں یہ تھا — مری خاک بدلی سی سب چھا گئی
کیا پاس بلبل خزاں نے نہ کچھ — گل و برگ بے درد پھیلا گئی ۲۹۱۵
ہوئی سامنے یوں تو ایک ایک کے — ہمیں سے وہ کچھ آنکھ شرما گئی
جگر منہ تک آتے نہیں بولتے — غرض ہم بھی کرتے ہیں کیا کیا گئی
نہ ہمرہ کوئی نا کسی سے گیا — مری لاش تا گور تنہا گئی
گھٹا شمع ساں کیوں نہ جاؤں چلا — تب غم جگر کو مرے کھا گئی
کوئی رہنے والی ہے جانِ عزیز — گئی گر نہ امروز فردا گئی ۲۹۲۰

کیے دست و پا گم جو میر آ گیا
وفا پیشہ مجلس اُسے پا گئی

## ۳۸۳

یک سو کشادہ روئی پہ چیں نہیں جبیں بھی — ہم چھوڑی مہر اُس کی کاش اس کو ہووے کیں بھی
آنسو تو تیرے دامن پونچھے ہے وقت گریہ — ہم نے نہ رکھی مُنھ پر اے ابر آستیں بھی
کرتا نہیں عبث تو پارہ گلو فغاں سے — گزرے ہے پار دل کے اک نالۂ حزیں بھی
ہوں احتضار میں میں آئینہ رو شتاب آ — جاتا ہے ورنہ غافل پھر دم تو واپسیں بھی ۲۹۲۵

سینے سے تیر اُس کا جی کو تو لیتا نکلا
پر ساتھوں ساتھ اُس کے نکلی اک آفریں بھی

ہر شب تری گلی میں عالم کی جان جا ہے
آگے ہُوا ہے اب تک ایسا ستم کہیں بھی

شوخیِ جلوہ اس کی تسکین کیونکے بخشے
آئینوں میں دلوں کے جو ہے بھی پھر نہیں بھی

گیسو ہی کچھ نہیں ہے سنبل کی آفت اُس کا
ہیں برقِ خرمنِ گل رخسارِ آتشیں بھی

۲۹۳۰ تکلیفِ نالہ مت کر اے دردِ دل کہ ہوں گے
رنجیدہ راہ چلتے آزردہ ہم نشیں بھی

کس کس کا داغ دیکھیں یارب غمِ بتاں میں
رخصت طلب ہے جاں بھی ایمان اور دیں بھی

زیرِ فلک جہاں تک آسودہ میرؔ ہوتے
ایسا نظر نہ آیا اک قطعۂ زمیں بھی

## ۳۸۴

گئی چھاؤں اس تیغ کی سر سے جب کی
جلے دھوپ میں یاں تلک ہم کہ تب کی

پڑی خرمنِ گل پہ بجلی سی آخر
مرے خوش نگہ کی نگاہ اک غضب کی

۲۹۳۵ کوئی بات نکلے ہے دشوار منھ سے
ٹک اک تو بھی تو سن کسی جاں بلب کی

تو شملہ جو رکھتا ہے خر ہے وگرنہ
ضرورت ہے کیا شیخ دُم اک وجب کی

یکایک بھی آ سر پہ وا ماندگاں کے
بہت دیکھتے ہیں تری راہ کب کی

دماغ و جگر دل مخالف ہوئے ہیں
ہوئی متفق اب اُدھر رائے سب کی

تجھے کیونکہ ڈھونڈھوں کہ سوتے ہی گزری
تری راہ میں اپنے پائے طلب کی

۲۹۴۰ دل عرش سے گزرے ہے ضعف میں بھی
یہ زور آوری دیکھو زاریِ شب کی

عجب کچھ ہے گر میرؔ آوے میسّر
گلابی شراب اور غزل اپنے ڈھب کی

## ۳۸۵

کیسے قدم سے اُس کی گلی میں صبا گئی
یوں پھونک کر کے خاک مری سب اُڑا گئی

کچھ تھی طپش جگر کی تو باز سے مزاج داں
پر دل کی بے قراری مری جان کھا گئی

کس پاس جا کے بیٹھوں خرابی میں اب میں ہائے
مجنوں کو موت کیسی شتابی سے آ گئی

۲۹۴۵ کون اس ہوا میں زخمی نہیں میری آہ کا
بجلی رہی تھی سو بھی تو سینہ دکھا گئی

سودا جو اُس کے سر سے گیا زُلفِ یار کا
تو تو بڑی ہی میرؔ کے سر سے بلا گئی

### ۳۸۶

خبر نہ تھی تجھے کیا میرے دل کی طاقت کی
نگاہِ چشم اُدھر تو نے کی قیامت کی

اُنھوں میں ہیں جو کہ ترے محوِ سجدہ رہتے ہیں
نہیں ہے قدر ہزاروں برس کی طاعت کی

اُٹھائی ننگ سمجھ تم نے بات کے کہتے
وفا و مہر جو تھی رسم ایک مُدت کی

رکھیں اُمیدِ رہائی اسیرِ کاکُل و زُلف
مری تو باتیں ہیں زنجیرِ صرفِ اُلفت کی ۲۹۵۰

رہے ہے کوئی خرابات چھوڑ مسجد میں
ہوا منائی اگر شیخ نے کرامت کی

سوال میں نے جو انجامِ زندگی سے کیا
قدِ خمیدہ نے سوئے زمیں اشارت کی

نہ میری قدر کی اس سنگدل نے میرؔ کبھو
ہزار حیف کہ پتھّر سے میں محبّت کی

### ۳۸۷

فکر ہے ماہ کے جو شہر بدر کرنے کی
ہے سزا تجھ پہ یہ گستاخ نظر کرنے کی

کہہ حدیث آنے کی اُس کے جو کیا شادی مرگ
نامہ بر کیا چلی تھی ہم کو خبر کرنے کی ۲۹۵۵

کیا جلی جاتی ہے خوبی ہی میں اپنی اے شمع
کہہ پتنگے کے بھی کچھ شام و سحر کرنے کی

اب کی برسات ہی کے ذمّے تھا عالم کا وبال
میں تو کھائی تھی قسم چشم کے تر کرنے کی

پھُول کچھ لیتے نہ نکلے تھے دلِ صد پارہ
طرز سیکھی ہے مرے ٹکڑے جگر کرنے کی

ان دنوں نکلے ہے آغشتہ بہ خوں راتوں کو
دُھن ہے نالے کو کسو دل میں اثر کرنے کی

عشق میں تیرے گزرتی نہیں بن سر پٹکے
صُورت اک یہ رہی ہے عمر بسر کرنے کی ۲۹۶۰

کاروانی ہے جہاں عُمرِ عزیز اپنی میرؔ
رہ ہے درپیش سدا اُس کو سفر کرنے کی

### ۳۸۸

خرابی کچھ نہ پُوچھو ملکتِ دل کی عمارت کی
غموں نے آج کل سنیو وہ آبادی ہی غارت کی

نگاہِ مست سے جب چشم نے اس کی اشارت کی
حلاوت مے کی اور بُنیاد مے خانے کی غارت کی

سحر گہ میں نے پوچھا گُل سے حالِ زارِ بُلبُل کا — پڑے تھے باغ میں یک مُشت پر اودھر اشارت کی

۲۹۶۵ جلایا جس تجلّی جلوہ گر نے طور کو ہم دم! — اُسی آتش کے پرکالے نے ہم سے بھی شرارت کی

نزاکت کیا کہوں خورشید رُو کی کل شبِ مہ میں — گیا تھا سائے سائے باغ تک تس پر حرارت کی

ترے کوچے کے شوقِ طوف میں جیسے بگولا تھا
بیاباں میں غبارِ میر کی ہم نے زیارت کی

## ۳۸۹

میں نے جو بے کسانہ مجلس میں جان کھوئی — سر پر مرے کھڑی ہو شب شمع زور روئی

آتی ہے شمع شب کو آگے ترے یہ کہہ کر — مُنھ کی گئی جو لُوئی تو کیا کرے گا کوئی

۲۹۷۰ بے طاقتی سے آگے کچھ پوچھتا بھی تھا سو — رونے نے ہر گھڑی کے وہ بات ہی ڈبوئی

بُلبُل کی بے کلی نے شب بے دماغ رکھا — سونے دیا نہ ہم کو ظالم نہ آپ سوئی

اُس ظلم پیشہ کی یہ رسمِ قدیم ہے گی — غیروں پہ مہربانی یاروں سے کینہ جوئی

نوبت جو ہم سے گاہے آتی ہے گفتگو کی — مُنھ میں زباں نہیں ہے اُس بدزباں کے گوئی

اُس مہ کے جلوے سے کچھ تا میر یاد دیوے
اب کے گھروں میں ہم نے سب چاندنی ہے بوئی

## ۳۹۰

۲۹۷۵ الم سے یاں تئیں میں مشقِ ناتوانی کی — کہ میری جان نے تن پر مرے گرانی کی

چمن کا نام سُنا تھا ولے نہ دیکھا ہائے — جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی

ملائی خوب مری خوں میں خاکِ بسمل گاہ — یہ تھوڑی منتیں ہیں مجھ پہ سخت جانی کی

بہ تنگ ہوں میں ترے اختلاط سے پیری — قسم ہے اپنی مجھے اُس گئی جوانی کی

چلا ہے کھینچنے تصویر میرے بُت کی آج — خدا کے واسطے صورت تو دیکھو مانی کی

۲۹۸۰ تری گلی کے ہر اک سگ نے استخواں توڑے — ہماری لاش کی شب خوب پاسبانی کی

رکھے ہیں میر ترے مُنھ سے بے وفا خاطر
تری جفا کی تغافل کی بدگمانی کی

## ۳۹۱

کیجیے کیا میر صاحب بندگی بے چارگی — لاعلاجی سے جو رہتی ہے مجھے آوارگی

کیسی کیسی صحبتیں آنکھوں کے آگے سے گئیں    دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا یک بارگی

رُوئے گل پر روز و شب کس شوق سے رہتا ہے باز    رخنۂ دیوار ہے یا دیدۂ نظارگی

اشکِ خونیں آنکھ میں بھر لا کے پی جاتا ہوں میں    محتسب رکھتا ہے مجھ پر تہمتِ مے خوارگی ۲۹۸۵

مست فریبِ سادگی کھا ان سیہ چشموں کا میرؔ
ان کی آنکھوں سے ٹپکتی ہے بڑی عیارگی

## ۳۹۲

گیسو سے اُس کے میں نے کیوں آنکھ جا لگائی    جو اپنے اچھے جی کو ایسی بلا لگائی

تھا دل جو پکا پھوڑا البسیارئ الم سے    دکھتا گیا وہ چنداں جوں جوں دوا لگائی

ذوقِ جراحت اس کا کس کو نہیں ہے لیکن    بخت اس کے جس کے اُن نے تیغِ جفا لگائی

دَم بھی نہ لینے پایا پانی بھی پھر نہ مانگا    جس تشنہ لب کو اُن نے تلوار آ لگائی ۲۹۹۰

تھا صیدِ ناتواں میں لیکن لہو سے میرے    پانوں پہ اُن نے اپنے بھر کر حنا لگائی

بالعکس آج اُس کے سارے سلوک دیکھے    کیا جانوں دشمنوں نے کل اُس سے کیا لگائی

جو آنسو پی گیا میں آخر کو میرؔ اُن نے
چھاتی جلا جگر میں اِک آگ جا لگائی

## ۳۹۳

وہ دن سے کچھ بنی تھی سو پھر شب بگڑ گئی    صحبت ہماری یار سے بے ڈھب بگڑ گئی

واشد کچھ آگے آہ سی ہوتی تھی دل کے تئیں    اقلیمِ عاشقی کی ہوا اب بگڑ گئی ۲۹۹۵

گرمی نے دِل کی ہجر میں اُس کے جلا دیا    شاید کہ احتیاط سے یہ تب بگڑ گئی

خط نے نکل کے نقش دلوں کے اٹھا دیے    صورت بُتوں کی اچھی جو تھی سب بگڑ گئی

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم
کاہے کو میرؔ کوئی دبے جب بگڑ گئی

## ۳۹۴

کچھ موج ہوا پیچاں اے میرؔ نظر آئی    شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی

دِلّی کے نہ تھے کوچے اوراقِ مصوّر تھے    جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی ۳۰۰۰

مغرور بہت تھے ہم آنسو کی سرایت پر    سو صبح کے ہونے کو تاثیر نظر آئی
گل بار کرے ہے گا اسبابِ سفر شاید    غنچے کی طرح بلبل دل گیر نظر آئی

اس کی تو دل آزاری بے ہیچ ہی تھی یارو
کچھ تم کو ہماری بھی تقصیر نظر آئی

## ۳۹۵

ہو گئی شہر شہر رسوائی    اے مری موت تو بھلی آئی
یک بیاباں برنگِ صوتِ جرس    مجھ پہ ہے بے کسی و تنہائی ۳۰۰۵
نہ کھنچے تجھ سے ایک جا نقاش    اس کی تصویر وہ ہے ہرجائی
سر رکھوں اس کے پاؤں پر لیکن    دستِ قدرت یہ میں کہاں پائی

میر جب سے گیا ہے دل تب سے
میں تو کچھ ہو گیا ہوں سودائی

## ۳۹۶

تو گلے ملتا نہیں ہم سے تو کیسی خرمی    عید آئی یاں ہمارے بر میں جامہ ماتمی
۳۰۱۰ جی بھرا رہتا ہے اب آٹھوں پہر مانندِ ابر    سینکڑوں طوفاں بغل میں ہیں یہ مژگاں ماتمی
حشر کو زیر و زبر ہوگا جہاں سچ ہے ولے    ہے قیامت شیخ جی اس کارگہ کی برہمی
تجھ سوا محبوب آتش طبع اے ساقی نہیں    ہو پرستاروں میں تیرے گر پری ہو آدمی
سامنے ہو جائیں کے ظالم تو دونوں ہیں پیسے    وہ دمِ شمشیر تیرا یہ ہماری بے دمی
اس قیامت جلوے سے بہتر ہے ہم سے جی اٹھیں    مر گئے تو مر گئے ہم اس کی کیا ہوگی کمی

کچھ پریشانی سی ہے سنبل کی جو الجھے ہے میر
۳۰۱۵ یک جہاں برہم کرے زلفوں کی اس کی درہمی

## ۳۹۷

اب ضعف سے ڈہتا ہے بیتابی شتابی کی    اس دل کے تڑپنے نے کیا خانہ خرابی کی
ان درس گہوں میں وہ آیا نہ نظر ہم کو    کیا نقل کروں خوبی اس چہرہ کتابی کی
بھنتے میں دل اک جانب سکتے ہیں جگر یک سو    ہے مجلسِ مشتاقاں دکان کبابی کی

تلخ اس لبِ مے گوں سے سب سنتے ہیں کس خاطر
تہ دار نہیں ہوتی گفتار شرابی کی

یک بو کشی بلبل ہے موجب صد مستی
پُر زور ہے کیا دارو غنچے کی گلابی کی ۳۰۲۰

اب سوزِ محبت سے سارے جو پھپھولے ہیں
ہے شکل مرے دل کی سب شیشہ حبابی کی

نشمردہ میرے منھ سے یاں حرف نہیں نکلا
جو بات کہ میں نے کی سو میرؔ حسابی کی

## ۳۹۸

مجھ سا بیتاب ہووے جب کوئی
بے قراری کو جانے تب کوئی

ہاں خدا مغفرت کرے اس کو
صبر مرحوم تھا عجب کوئی

جان دے گو مسیح پر اس سے
بات کہتے ہیں تیرے لب کوئی ۳۰۲۵

بعد میرے ہی ہو گیا سنسان
سونے پایا تھا ورنہ کب کوئی

اس کے کوچے میں حشر تھے مجھ تک
آہ و نالہ کرے نہ اب کوئی

اور محزوں بھی ہم سنے تھے ولے
میرؔ سا ہو سکے ہے کب کوئی

قطعہ

کہ تلفظ طرب کا سن کے کہے
شخص ہوگا کہیں طرب کوئی

## ۳۹۹

آگے ہمارے عہد سے وحشت کو جا نہ تھی
دیوانگی کسو کی بھی زنجیرِ پا نہ تھی ۳۰۳۰

بیگانہ سا لگے ہے چمن اب خزاں میں ہائے
ایسی گئی بہار مگر آشنا نہ تھی

کب تھا یہ شورِ نوحہ ترا عشق جب نہ تھا
دل تھا ہمارا آگے تو ماتم سرا نہ تھی

وہ اور کوئی ہوگی سحر جب ہوئی قبول
شرمندۂ اثر تو ہماری دعا نہ تھی

آگے بھی تیرے عشق سے کھینچے تھے درد و رنج
لیکن ہماری جان پر ایسی بلا نہ تھی

دیکھے دیارِ حسن کے میں کارواں بہت
لیکن کسو کے پاس متاعِ وفا نہ تھی ۳۰۳۵

آئی پری سی پردۂ مینا سے جام تک
آنکھوں میں تیری دخترِ رز کیا حیا نہ تھی

اس وقت سے کیا ہے مجھے تو چراغِ وقف
مخلوق جب جہاں میں نسیم و صبا نہ تھی

پژمردہ اس قدر ہیں کہ ہے شبہ ہم کو میرؔ
تن میں ہمارے جان کبھو تھی بھی یا نہ تھی

چھن گیا سینہ بھی کلیجا بھی ۔۔۔ یار کے تیر جان لے جا بھی

۳۰۴۰ ۔۔۔ کیوں تری موت آئی ہے گی عزیز ۔۔۔ سامنے سے مرے اُرے جا بھی

حال کہہ چُپ رہا ہو میں بولا ۔۔۔ کس کا قصّہ تھا ہاں کہے جا بھی

میں کہا میرؔ جاں بلب ہے شوخ ۔۔۔ تو نے کوئی خبر کو بھیجا بھی

قطعہ

کہنے لاگا نہ واہی بک اِتنا

کیوں ہوا ہے سٹری ابے جا بھی

## ۴۰۱

گرم ہیں شور سے تجھ حُسن کے بازار کئی ۔۔۔ رشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار کئی

۳۰۴۵ ۔۔۔ کب تلک داغ دکھاوے گی اسیری مجھ کو ۔۔۔ مر گئے ساتھ کے میرے تو گرفتار کئی

وے ہی چالاکیاں ہاتھوں کی ہیں جو اوّل تھیں ۔۔۔ اب گریباں میں مرے رہ گئے ہیں تار کئی

خوفِ تنہائی نہیں کر تو جہاں سے تو سفر ۔۔۔ ہر جگہ راہِ عدم میں ملیں گے یار کئی

اضطراب و قلق و ضعف میں کس طور جیوں ۔۔۔ جان واحد ہے مری اور ہیں آزار کئی

کیوں نہ ہوں خستہ بھلا میں کہ ستم کے تیرے ۔۔۔ تیر ہیں پار کئی وار ہیں سو فار کئی

اپنے کوچے میں نکلیو تو سنبھالے دامن

۳۰۵۰ ۔۔۔ یادگارِ مژہ میرؔ ہیں واں خار کئی

## ۴۰۲

میری پرسش پہ تری طبع اگر آوے گی ۔۔۔ صورتِ حال تجھے آپھی نظر آوے گی

محو اُس کا نہیں ایسا کہ جو چیتے گا شتاب ۔۔۔ اُس کے بے خودی کی بہت دیر خبر آوے گی

کتنے پیغام چمن کو ہیں سو دل ہی میں ہیں گرہ ۔۔۔ کبھو دن ہم تئیں بھی بادِ سحر آوے گی

ابر مت گورِ غریباں پہ برس غافل آہ! ۔۔۔ ان دل آرزدوں کے جی میں بھی لہر آوے گی

میرؔ میں جیتوں میں آؤں گا اُسی دن جس دن

۳۰۵۵ ۔۔۔ دل نہ تڑپے گا مرا چشم نہ بھر آوے گی

## ۴۰۳

کیا کروں شرح خستہ جانی کی ۔۔۔ مَیں نے مر مر کے زندگانی کی

حالِ بد گفتنی نہیں میرا — تم نے پوچھا تو مہربانی کی

سب کو جاناہے یُوں تو پر اے صبر — آتی ہے اک تری جوانی کی

تشنہ لب مرگئے ترے عاشق — نہ ملی ایک بوند پانی کی ۳۰۶۰

بیت بحثی سمجھ کے کر بلبل — دھوم ہے میری خوش زبانی کی

جس سے کھوئی تھی نیند میر نے کل
ابتدا پھر وہی کہانی کی

## ۴۰۴

ہے یہ بازارِ جنوں منڈی ہے دیوانوں کی — یاں دکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی

کیونکہ کہیے کہ اثر گریۂ مجنوں کو نہ تھا — گرد نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی

یہ بگولہ تو نہیں وحشتِ محبت میں سے — جمع ہو خاک اڑی کتنے پریشانوں کی

خانقہ کا تو نہ کر قصد ٹک اے خانہ خراب — یہی اک رہ گئی ہے بستی مسلمانوں کی ۳۰۶۵

سیل اشکوں سے بہے صرصرِ آہوں سے اڑے — مجھ سے کیا کیا نہ خرابی ہوئی ویرانوں کی

دل دویں کیسے کہ اس رہزنِ دل لے اب — یہ پڑی ہے کہ خدا خیر کرے جانوں کی

کتنے دل سوختہ ہم جمع ہیں اے غیرتِ شمع! — کر قدم رنجہ کہ مجلس ہے یہ پروانوں کی

سرگذشتیں نہ مری سُن کہ اچٹتی ہے نیند — خاصیت یہ ہے مری جان ان افسانوں کی

شے کدے سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں میر
ہو نہ لغزش کہیں مجلس ہے یہ بیگانوں کی ۳۰۷۰

## ۴۰۵

ملا غیر سے جا جفا کیا نکالی — اکت سے کے آخر ادا کیا نکالی

طبیبوں نے تجویز کی مرگ عاشق — مناسب مرض کی دوا کیا نکالی

نہیں اس گزرگہ سے آتی ادھر اب — نئی راہ کوئی صبا کیا نکالی

دِلا اس کے گیسو سے کیوں لگ چلا تو — یہ اک اپنے جی کی بلا کیا نکالی

رجھا ہی دیا واہ ... قدر دانی — وفا کی ہماری جزا کیا نکالی ۳۰۷۵

دمِ صبح جوں آفتاب آج ظالم — نکلتے ہی تیغ جفا کیا نکالی

لگے در بدر میر چلاتے پھرنے
گدا تو ہوئے پر صدا کیا نکالی

۴۰۶

رہی نگفتہ مرے دل میں داستاں میری — نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری
برنگِ صوتِ جرس تجھ سے دور ہوں تنہا — خبر نہیں ہے تجھے آہ کارواں میری
۳۰۸۰ ترے نہ آج کے آنے میں صبح کے مجھ پاس — ہزار جائے گئی طبعِ بدگماں میری
وہ نقش پائے ہوں میں مٹ گیا ہو جو رہ میں — نہ کچھ خبر ہے نہ سدھ ہے گی رہرواں میری
شب اُس کے کوچے میں جاتا ہوں اس توقع پر — کہ ایک دوست ہے واں خواب پاسباں میری
اُسی سے دور رہا اصلِ مدعا جو تھا — گئی یہ عمرِ عزیز آہ رائگاں میری
ترے فراق میں جیسے خیالِ مفلس کا — گئی ہے فکرِ پریشاں کہاں کہاں میری
۳۰۸۵ رہا میں درپسِ دیوارِ باغ مدت لیک — گئی گلوں کے نہ کانوں تلک فغاں میری
ہوا ہوں گریۂ خونیں کا جب سے دامن گیر — نہ آستین ہوئی پاک دوستاں میری
دیا دکھائی مجھے تو اُسی کا جلوہ میر
پڑی جہان میں جاکر نظر جہاں میری

۴۰۷

اب کے بھی سیرِ باغ کی جی میں ہوس رہی — اپنی جگہ بہار میں کنجِ قفس رہی
میں پا شکستہ جا نہ سکا قافلے تلک — آتی اگرچہ دیر صدائے جرس رہی
۳۰۹۰ لطفِ قبائے تنگ پہ گل کا بجا ہے ناز — دیکھی نہیں ہے ان نے تری چولی چس رہی
دن رات میری آنکھوں سے آنسو چلے گئے — برسات اب کے شہر میں سارے برس رہی
خالی شگفتگی سے جراحت نہیں کوئی — ہر زخم یاں ہے جیسے کلی ہو بکس رہی
دیوانگی کہاں کہ گریباں سے تنگ ہوں — گردن مری ہے طوق میں گویا کہ پھنس رہی
جوں صبح اس چمن میں نہ ہم کھل کے ہنس سکے
فرصت رہی جو میر بھی سو ایک نفس رہی

۳۰۹۵ آج کل بے قرار ہیں ہم بھی ۴۰۸ بیٹھ جا چلنے ہار ہیں ہم بھی

آن میں کچھ ہیں، آن میں کچھ ہیں — تحفۂ روزگار ہیں ہم بھی
منعِ گریہ نہ کر تو اے ناصح — اس میں بے اختیار ہیں ہم بھی
درپئے جان ہے قراولِ مرگ — کسو کے تو شکار ہیں ہم بھی
نالے کریو سمجھ کے اے بلبل — باغ میں یک کنار ہیں ہم بھی
مدعی کو شراب ہم کو زہر — عاقبت دوست دار ہیں ہم بھی ۳۱۰۰
گر زِ خود رفتہ ہیں ترے نزدیک — اپنے تو یادگار ہیں ہم بھی

میر نام اک جواں سنا ہوگا
اسی عاشق کے یار ہیں ہم بھی

## ۴۰۹

غفلت میں گئی آہ مری ساری جوانی — اے عمرِ گذشتہ میں تری قدر نہ جانی
تھی آبلۂ دل سے ہمیں تشنگی میں چشم — پھوٹا تو نہ آیا نظر اک بوند بھی پانی
مدت سے ہیں اک مشت پر آوارہ چمن میں — نکلی ہے یہ کس کی ہوسِ بال فشانی ۳۱۰۵
بھاتی ہے مجھے اک طلبِ بوسہ میں یہ آن — مکنت سے الجھ جا کے اسے بات نہ آنی
یہ جان اگر سبید مولہ کہیں دیکھے — باقی ہے کسو موئے پریشاں کی نشانی
دیکھیں تو سہی کب تئیں نبھتی ہے یہ صحبت — ہم جی سے ترے دوست ہیں تو دشمنِ جانی
مجنوں بھی نہ رسوائے جہاں ہوتا نہ وہ آپ — مکتب میں جو کم آتی پہ لیلیٰ تھی دِوانی
اک شخص مجھی سا تھا کہ وہ تجھ پہ تھا عاشق — قطعہ — وہ اس کی وفا پیشگی وہ اس کی جوانی ۳۱۱۰

یہ کہہ کے جو رویا تو لگا کہنے نہ کہہ میر
سنتا نہیں میں ظلم رسیدوں کی کہانی

## ۴۱۰

کل بارے ہم سے اس سے ملاقات ہو گئی — دو دو بچن کے ہونے میں اک بات ہو گئی
کن کن مصیبتوں سے ہوئی صبح شامِ ہجر — سو زلفیں ہی بناتے اسے رات ہو گئی
گردشِ نگاہِ مست کی موقوف ساقیا — مسجد تو شیخ جی کی خرابات ہو گئی
ڈر ظلم سے کہ اس کی جزا بس شتاب ہے — آیا عمل میں یاں کہ مکافات ہو گئی ۳۱۱۵

خورشید سا پیالۂ مے بے طلب دیا — پیرِ مغاں سے رات کرامات ہو گئی
کتنا خلافِ وعدہ ہوا ہو گا وہ کہ یاں — نومیدی و امید مساوات ہو گئی
آ شیخ گفتگوئے پریشاں پہ تو نہ جا — مستی میں اب تو قبلۂ حاجات ہو گئی
ٹک شہر سے نکل کے مرا گریہ سیر کر — گویا کہ کوہ و دشت پہ برسات ہو گئی

۳۱۲۰ اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ہلے اُس کے رُو بَرُو
رنجش کی وجہ میرؔ وہ کیا بات ہو گئی

## ۴۱۱

بغیر دل کہ یہ قیمت ہے سارے عالم کی — کسو سے کام نہیں رکھتی جنس آدم کی
کوئی ہو محرمِ شوخی ترا تو میں پوچھوں — کہ بزمِ عیش جہاں کیا سمجھ کے برہم کی
ہمیں تو باغ کی تکلیف سے معاف رکھو — کہ سیر و گشت نہیں رسم اہلِ ماتم کی
تنک تو لطف سے کچھ کہہ کہ جاں بلب ہوں میں — رہی ہے بات مری جان اب کوئی دم کی
۳۱۲۵ گزرنے کو تو کج و واکج اپنی گزرے ہے — جفا جوان نے بہت کی تو کچھ وفا کم کی
گھرے ہیں درد و الم میں فراق کے ایسے — کہ صبحِ عید بھی یاں شام ہے محرم کی

قفس میں میرؔ نہیں جوشِ داغ سینے پر
ہوس نکالی ہے ہم نے بھی گُل کے موسم کی

## ۴۱۲

غم سے یہ راہ میں نے نکالی نجات کی — سجدہ اس آستاں کا کیا پھر وفات کی
نسبت تو دیتے ہیں ترے لب سے پر ایک دن — ناموس یوں ہی جائے گی آبِ حیات کی
۳۱۳۰ صد حرف زیرِ خاک تہِ دل چلے گئے — مہلت نہ دی اجل نے ہمیں ایک بات کی
ہم تو ہی اس زمانے میں حیرت سے چپ نہیں — اب بات جا چکی ہے سبھی کائنات کی
پژمردہ اس کلی کے تئیں واشدن سے کیا — آہِ سحر نے دل پہ عبث التفات کی
حور و پری فرشتہ بشر مار ہی رکھا — دُزدیدہ تیرے دیکھنے نے جس پہ گھات کی
اس لبِ شکر کے ہیں گے جہاں ذائقہ شناس — اس جا دُعا پہنچتی نہیں ہے نبات کی
۳۱۳۵ عرصہ ہے تنگ چال نکلتی نہیں ہے ادھر — جو چال پڑتی ہے سو وہ بازی کی مات کی

برقع اٹھا تھا یار کے منہ کا سو میر کل
سنتے ہیں آفتاب نے جوں توں کے رات کی

## ۴۱۳

اب دل کو آہ کرنی ہی صبح و مسا لگی
پژمردہ اس کلی کے تئیں بھی ہوا لگی

کیونکر بجھاؤں آتش سوزان عشق کو
اب تو یہ آگ دل سے جگر کو بھی جا لگی

دل کو گئے ہی یاں سے بنے اب کہ ہر سحر
کوچے میں تیری زلف کے آنے صبا لگی

بیتابی و شکیب و سفر حاصل کلام
اس دل مریض غم کو نہ کوئی دوا لگی ۳۱۴۰

ڈر مجھ نفس سے غیر کہ پھر جی ہی سے گیا
جس کو کہو ستم زدہ کی بد دعا لگی

لگ جائے چپ نہ تجھ کو تو تو کہیو عندلیب
گر بے کلی سے نے کی ہمیں تکلیف نا لگی

کشتے کا اس کے زخم نہ ظاہر ہوا کہ میر
کس جاتے اس شہید کے تیغ جفا لگی

## ۴۱۴

کس حسن سے کہوں میں اس کی خوش اختری کی
اس ماہرو کے آگے کیا تاب مشتری کی

رکھتا نہ تھا قدم یاں جوں باد بے تامل
سیر اس جہاں کی رہرو پر تو نے سرسری کی ۳۱۴۵

جیہا بحال سگ میں اک عمر صرف کی ہے
مت پوچھ اُن نے مجھ سے جو آدمی گری کی

پائے گل اس چمن میں چھوڑا گیا نہ ہم سے
سر پر ہمارے اب کے منت ہے بے پری کی

پیشہ تو ایک ہی تھا اس کا ہمارا لیکن
مجنوں کے طالعوں نے شہرت میں یاوری کی

گریے سے داغ سینہ تازہ ہوئے ہیں سارے
یہ کشت خشک تو نے اے چشم پھر ہری کی

یہ دور تو موافق ہوتا نہیں مگر اب
رکھیے بنائے تازہ اس چرخ چنبری کی ۳۱۵۰

خوباں تمھاری خوبی تا چند نقل کریے
ہم رنجہ خاطر دل کی کیا خوب دلبری کی

ہم سے جو میر اڑ کر افلاک چرخ میں ہیں
ان خاک میں ملوں کی کاہے کو ہمسری کی

## ۴۱۵

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے

گور کس دل جلے کی ہے یہ فلک　　شعلہ اک صبح یاں سے اٹھتا ہے

۳۱۵۵　خانۂ دل سے زینہار نہ جا　　کوئی ایسے مکاں سے اٹھتا ہے

نالہ سر کھینچتا ہے جب میرا　　شور اک آسماں سے اٹھتا ہے

لڑتی ہے اس کی چشمِ شوخ جہاں　　ایک آشوب واں سے اٹھتا ہے

سدھ لے گھر کی بھی شعلۂ آواز　　دود کچھ آشیاں سے اٹھتا ہے

بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو　　جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے

۳۱۶۰　یوں اٹھے آہ اس گلی سے ہم　　جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے

عشق اک میر بھاری پتھر ہے
کب یہ تجھ ناتواں سے اٹھتا ہے

## ۳۱۶

گل کہتے ہیں اس کا سا دہن ہے　　سنا کہیے کہ یہ بھی اک سخن ہے

ٹپکتے درد ہیں آنسو کی جا گہ　　الٰہی چشم یا زخمِ کہن ہے

خبر لے پیرِ کنعاں کی کہ کچھ آج　　نپٹ آوارہ بوئے پیرہن ہے

۳۱۶۵　نہیں دامن میں لالہ بے ستوں کے　　کوئی دل داغِ خونِ کوہ کن ہے

شہادت گاہ ہے باغِ زمانہ　　کہ ہر گل اس میں اک خونیں کفن ہے

کروں کیا حسرتِ گل کو وگرنہ　　دلِ پر داغ بھی اپنا چمن ہے

جو دے آرام ٹک آوارگی میر
تو شامِ غربت اک صبحِ وطن ہے

## ۳۱۷

گل گشت کی ہوس تھی سو تو بگیر آئے　　آئے جو ہم چمن میں ہو کر اسیر آئے

۳۱۷۰　فرصت ہیں یک نفس کی کیا دردِ دل سنو گے　　آئے تو تم ولیکن وقتِ اخیر آئے

دلی میں اب کی آ کر ان یاروں کو نہ دیکھا　　کچھ وے گئے شتابی کچھ ہم بھی دیر آئے

کیا خوبی اس چمن کی موقوف ہے کسو پر　　گل گر گئے عدم کو سکھڑے نظیر آئے

شکوہ نہیں جو اس کو پروا نہ ہو ہماری　　دروازے سے جس کے ہم سے کتنے فقیر آئے

عمر دراز کیوں کر مختار خضر ہے یاں | ایک آدھ دن میں ہم تو جینے سے سیر آئے
نزدیک تھی قفس میں پروازِ روح اپنی | غنچے ہو گلبنوں پر جب ہم صفیر آئے ۳۱۷۵
یوں بیٹھے بیٹھے ناگہ گردن لگے ہلانے | سر شیخ جی کے گویا مجلس میں پیر آئے
قامت خمیدہ اس کی جیسے کماں تھی لیکن | قرباں گہِ وفا میں مانند تیر آئے

بن جی دیے نہیں ہے امکان یاں سے جانا
بسمل گہِ جہاں میں اب ہم تو میر آئے

## ۴۱۸

کب سے نظر لگی تھی دروازۂ حرم سے | پردہ اُٹھا تو لڑیاں آنکھیں ہماری ہم سے
صورت گر اجل کا کیا ہاتھ تھا کہے تو | کھینچی وہ تیغِ ابرو فولاد کے قلم سے ۳۱۸۰
سوزش گئی نہ دل کی رونے سے روز و شب کے | جلتا ہوں اور دریا بہتے ہیں چشمِ نم سے
طاعت کا وقت گزرا مستی میں آبِ رز کی | اب چشم داشت اس کے یاں ہے فقط کرم سے
کڑھیے نہ رویئے تو اوقات کیونکہ گذرے | رہتا ہے مشغلہ سا بارے غم و الم سے
مشہور ہے سماجت میری کہ تیغ برسی | پر میں نہ سر اُٹھایا ہرگز ترے قدم سے
بات احتیاط سے کر ضائع نہ کر نفس کو | بالیدگی دل ہے مانندِ شیشہ دم سے ۳۱۸۵
کیا کیا تعب اُٹھائے کیا کیا عذاب دیکھے | تب دل ہوا ہے اتنا خوگر ترے ستم سے
ہستی میں ہم نے آکر آسودگی نہ دیکھی | کھلتیں نہ کاش آنکھیں خوابِ خوشِ عدم سے
پامال کرکے ہم کو پچھتاؤ گے بہت تم | کم یاب ہیں جہاں میں سر دینے والے ہم سے

دل وہ ہو میر صاحب اس بدمعاش کو تم
خاطر تو جمع کر لو ٹک قول سے قسم سے

## ۴۱۹

گئے جی سے چھوٹے بتوں کی جفا سے | یہی بات ہم چاہتے تھے خُدا سے ۳۱۹۰
وہ اپنی ہی خوبی پہ رہتا ہے نازاں | مرد یا جیو کوئی اُس کی بلا سے
کوئی ہم سے کھلتے ہیں بند اس قبا کے | یہ عقدے کھلیں گے کسو کی دعا سے
پشیمان توبہ سے ہوگا عدم میں | کہ غافل چلا شیخ لطفِ ہوا سے

نہ رکھی مری خاک بھی اس گلی میں — کدورت سے مجھے ہے نہایت صبا سے
۳۱۹۵ جگر سوئے مژگاں کھنچا جائے ہے کچھ — مگر دیدۂ تر ہیں لوہو کے پیاسے
اگر چشم ہے تو وہی عین حق ہے — تعصب تجھے ہے عجب ماسوا سے
طبیب سبک عقل ہر گز نہ سمجھا — ہوا دردِ عشق آہ دونا دوا سے
ٹک اے مدعی چشم انصاف وا کر — کہ بیٹھے ہیں یہ قافیے کس ادا سے

نہ شکوہ شکایت نہ حرف و حکایت
کہو میر جی آج کیوں ہو خفا سے

## ۴۲۰

۳۲۰۰ رہا ہونا نہیں امکان ان ترکیب والوں سے — کہ بل دے باندھتے ہیں پیچ پگڑی کے بھی بالوں سے
تجھے نسبت جو دیتے ہیں شرار و برق و شعلے سے — تسلی کرتے ہیں ناچار شاعران مثالوں سے
بلا کا شکر کر لے دل کہ اب معلوم ہوتی ہے — حقیقت عافیت کی اُس گلی کے رہنے والوں سے
نہیں اے ہم نفس اب جی میں طاقت دوریٔ گل کی — جگر ٹکڑے ہوا جاتا ہے آخر شب کے نالوں سے
نہیں خالی اثر سے تصفیہ دل کا محبت میں — کہ آئینے کو ربطِ خاص ہے صاحب جمالوں سے
۳۲۰۵ کہاں یہ قامتِ دلکش کہاں پاکیزگی ایسی — ملے ہیں ہم بہت گلزار کے نازک نہالوں سے
ہدف اس کا ہوئے مدت ہوئی سینے کو پر اب تک — گُتھا نکلے ہے لختِ دل مرا تیروں کے بھالوں سے
ہوا پیرانہ سر عاشق ہو زاہد مضحکہ سب کا — کہن سالی میں ملتا ہے کوئی بھی خورد سالوں سے

رگِ گل کوئی کہتا ہے کوئی اے میر مو اُس کو
کمر اُس شوخ کی بندھتی نہیں ان خوش خیالوں سے

## ۴۲۱

کبکوں نے تیری چال جو دیکھی ٹھٹھک گئے — دل ساکنانِ باغ کے تجھ سے اٹک گئے
اندوہِ وصل و ہجر نے عالم کھپا دیا — ان دو ہی منزلوں میں بہت یار تھک گئے
مطلق اثر نہ اُس کے دلِ نرم میں کیا — ہر چند نالہ ہائے حزیں عرش تک گئے
افراطِ گریہ سے ہوئیں آبادیاں خراب — سیلاب میرے اشک کے اتر و دکھن بھی بھک گئے
وے میگسار ظرف جنھیں خم کشی کے تھے — بھر کر نگاہ تو نے جو کی دو ہیں چھک گئے

چند لے پھر چھاتی ہماری جلا کرے
اب داغ کھاتے کھاتے کلیجے تو پک گئے

عشاق پر جو شے صفِ مژگاں پھریں تو تیر
جوں اشک کتنے چو گئے کتنے ٹپک گئے ۲۲۱۵

## ۴۲۲

زندگی ہوتی ہے اپنی غم کے مارے دیکھیے
مونڈلیں آنکھیں ادھر سے تم نے پیارے دیکھیے

لختِ دل کب تک الٰہی چشم سے ٹپکا کریں
خاک میں تا چند ایسے لعل پارے دیکھیے

ہو چکا روزِ جزا اب اے شہیدانِ وفا
چونکتے ہیں خونِ خفتہ کب تمھارے دیکھیے

راہِ دورِ عشق میں اب تو رکھا ہم نے قدم
رفتہ رفتہ پیش کیا آتا ہے بارے دیکھیے

سینۂ مجروح بھی قابل ہوا ہے سیر کے
ایک دن تو آن کر یہ زخم سارے دیکھیے ۲۲۲۰

خنجرِ بیداد کو کیا دیکھتے ہو دمبدم
چشم سے انصاف کی سینے ہمارے دیکھیے

ایک خوں ہو بہہ گیا دو روتے ہی روتے گئے
دیدہ و دل ہو گئے ہیں سب کنارے دیکھیے

شست و شو کا اُس کی پانی جمع ہو کر مہ بنا
اور مُنھ دھونے کے چھینٹوں سے ستارے دیکھیے

رہ گئے سوتے کے سوتے کارواں جاتا رہا
ہم تو میرؔ اس رہ کے خوابیدہ ہیں ہارے دیکھیے

## ۴۲۳

کس طور ہمیں کوئی فریبندہ لبھالے
آخر ہیں تری آنکھوں کے ہم دیکھنے والے ۲۲۲۵

سو ظلم اٹھائے تو کبھو دور سے دیکھا
ہرگز نہ ہوا یہ کہ ہمیں پاس بلا لے

اس شوخ کی سر تیز پلک ہیں کہ وہ کانٹا
گڑ جائے اگر آنکھ میں سر دل سے نکالے

عشق ان کو ہے جو یار کو اپنے دمِ رفتن
کرتے نہیں غیرت سے خدا کے بھی حوالے

وے دن گئے جو ضبط کی طاقت تھی ہمیں بھی
اب دیدۂ خوں بار نہیں جاتے سنبھالے

احوال بہت تنگ ہے اے کاش محبت
اب دستِ تلطّف کو مرے سر سے اٹھا لے ۲۲۳۰

دعوائے قیامت کا مرے خوف اسے کیا
اک لطف میں وہ مجھ سے تنک رو کو منا لے

کہتے ہیں حجابِ رخِ دلدار ہے ہستی
دیکھیں گے اگر یوں ہے بھلا جان بھی جا لے

میرؔ اس سے نہ مل آہ کہ ڈرتے ہیں مبادا
بے باک ہے وہ شوخ کہیں مار نہ ڈالے

## ۴۲۴

برنگِ بوئے گُل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے — کہ ہمراہِ صبا ٹک سیر کرتے پھر ہوا ہوتے

۳۲۳۵ سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو — وگرنہ ہم خدا تھے گر دلِ بے مدعا ہوتے

فلک اے کاش ہم کو خاک ہی رکھتا کہ اس میں ہم — غبارِ راہ ہوتے یا کسو کی خاکِ پا ہوتے

الٰہی کیسے ہوتے ہیں جنھیں ہے بندگی خواہش — ہمیں تو شرم دامن گیر ہوتی ہے خدا ہوتے

تو ہے کس ناحیے سے اے دیارِ عشق کیا جانوں — ترے باشندگاں ہم کاش سارے بے وفا ہوتے

اب ایسے ہیں کہ صانع کے مزاج اوپر بہم پہنچے — جو خاطر خواہ اپنے ہم ہوئے ہوتے تو کیا ہوتے

کہیں جو کچھ ملامت گر بجا ہے میر کیا جانیں

۳۲۴۰ انھیں معلوم تب ہوتا کہ ویسے سے جدا ہوتے

## ۴۲۵

چمن یار تیرا ہوا خواہ ہے — گُل اک دل ہے جس میں تری چاہ ہے

سراپا میں اُس کے نظر کر کے تم — جہاں دیکھو اللہ اللہ ہے

تری آہ کس سے خبر پائیے — وہی بے خبر ہے جو آگاہ ہے

مرے لب پہ رکھ کان آواز سن — کہ اب تک بھی یک ناتواں آہ ہے

۳۲۴۵ گذر سر سے تب عشق کی راہ چل — کہ ہر گام یاں اک خطرگاہ ہے

کبھو وادیِ عشق دکھلائیے — بہت خضر بھی دل میں گمراہ ہے

جہاں سے تو رختِ اقامت کو باندھ — یہ منزل نہیں بے خبر راہ ہے

نہ شرمندہ کر اپنے منھ سے مجھے — کہا میں نے کب یہ کہ تو ماہ ہے

یہ وہ کارواں گاہِ دل کش ہے میر

کہ پھر یاں سے حسرت ہی ہمراہ ہے

## ۴۲۶

۳۲۵۰ ڈھب ہیں تیرے سے باغ میں گُل کے — بو گئی کچھ دماغ میں گُل کے

جائے روغن دیا کرے ہے عشق — خونِ بلبل چراغ میں گُل کے

دل تسلی نہیں صبا ورنہ — جلوے سب ہیں گے داغ میں گُل کے

اس حدیقے کے عیش پرست جا        مے نہیں ہے ایاغ میں گُل کے

سیر کر میر اس چمن کی شتاب
ہے خزاں بھی سُراغ میں گُل کے

۴۲۷

عشق میں نے خوف و خطر چاہیئے        جان کے دینے کو جگر چاہیئے ۳۲۵۵

قابلِ آغوش ستم دیدگاں        اشکِ سا پاکیزہ گہر چاہیئے

حال یہ پہنچا ہے کہ اب ضعف سے        اُٹھتے پلک ایک پہر چاہیئے

کم ہے شناسائے زرِ داغِ دل        اس کے پرکھنے کو نظر چاہیئے

عشق کے آثار ہیں اے بوالہوس        داغ بہ دِل دست بسر چاہیئے

شرط سلیقہ ہے ہر اک امر میں        عیب بھی کرنے کو ہُنر چاہیئے ۳۲۶۰

خوف قیامت کا یہی ہے کہ میر
ہم کو جیا بارِ دگر چاہیئے

۴۲۸

ہستی اپنی حباب کی سی ہے        یہ نمائش سراب کی سی ہے

نازکی اس کے لب کی کیا کہیئے        پنکھڑی ایک گلاب کی سی ہے

چشمِ دل کھول اُس بھی عالم پر        یاں کی اوقات خواب کی سی ہے

بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں        حالت اب اضطراب کی سی ہے ۳۲۶۵

نقطۂ خال سے ترا ابرو        بیت اک انتخاب کی سی ہے

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز        اُسی خانہ خراب کی سی ہے

آتشِ غم میں دِل بُھنا شاید        دیر سے بُو کباب کی سی ہے

دیکھیے ابر کی طرح اب کے        میری چشمِ پُرآب کی سی ہے

میر اُن نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے ۳۲۷۰

شمع صفت جب کبھو مرجائیں گے ۴۲۹ ساتھ لیے داغِ جگر جائیں گے

تند نہ ہو ہم تو موئے پھرتے ہیں  کیا تری ان باتوں سے ڈر جائیں گے
کھل گئے رخسار اگر یار کے  شمس و قمر جی سے اتر جائیں گے
خالی نہ چھوڑیں گے ہم اپنی جگہ  گریہی رونا ہے تو بھر جائیں گے
راہ دم تیغ پہ ہو کیوں نہ میر
۳۲۷۵ جی پہ رکھیں گے تو گذر جائیں گے

## ۴۳۰

اب جو اک حسرت جوانی ہے  عمر رفتہ کی یہ نشانی ہے
رشک یوسف ہے آہ وقت عزیز  عمر اک بار کاروانی ہے
گریہ ہر وقت کا نہیں بے ہیچ  دل میں کوئی غم نہانی ہے
ہم قفس زاد قیدی ہیں ورنہ  تا چمن ایک پرفشانی ہے
۳۲۸۰ اس کی شمشیر تیز سے ہمدم  مر رہیں گے جو زندگانی ہے
غم و رنج و الم نکویاں سے  سب تمھاری ہی مہربانی ہے
خاک تھی موج زن جہاں میں اور  ہم کو دھوکا یہ تھا کہ پانی ہے
یاں ہوئے میر تم برابر خاک
واں وہی ناز و سرگرانی ہے

## ۴۳۱

قیامت ہیں یہ چسپاں جامے والے  گلوں نے جن کی خاطر خرقے ڈالے
۳۲۸۵ وہ کالا چور ہے خال رخ یار  کہ سو آنکھوں میں دل ہو تو چرا لے
نہیں اٹھتا دل محزوں کا ماتم  خدا ہی اس مصیبت سے نکالے
کہاں تک دور بیٹھے بیٹھے کہیے  کبھو تو پاس ہم کو بھی بلا لے
دلا بازی نہ کر ان گیسوؤں سے  نہیں آساں کھلانے سانپ کالے
طپش نے دل جگر کی مار ڈالا  بغل میں دشمن اپنے ہم نے پالے
۳۲۹۰ نہ مہکے بوے گل اے کاش یک چند  ابھی زخم جگر سارے ہیں آلے
بکسے قید قفس میں یاد گل کی  پڑے ہیں اب تو جینے ہی کے لالے

سنایا میرؔ غم کش کو کنھوں نے
کہ پھر اب عرش تک جاتے ہیں نالے

## ۴۳۲

اب ظلم ہے اس خاطر تا غیر بھلا مانے — پس ہم نہ برا مانیں تو کون برا مانے
سرمایۂ صد آفت دیدار کی خواہش ہے — دل کی تو سمجھ لیجیے گر چشم کہا مانے
مسدودی ہی اے قاصد بہتر ہے رہِ نامہ — کیا کیا نہ لکھیں ہم تو جو یار لکھا مانے ۳۳۹۵
ٹک حالِ شکستہ کی سننے ہی میں سب کچھ ہے — پر وہ تو سخن رس ہے اس بات کو کیا مانے

بے طاقتیٔ دل نے سائل بھی کیا ہم کو
پر میرؔ فقیروں کی یاں کون صدا مانے

## ۴۳۳

دل کے معمورے کی مت کر فکر فرصت چاہیے — ایسے ویرانے کے اب بسنے کو مدت چاہیے
عشق و مے خواری نبھے ہے کوئی درویشی کے بیچ — اس طرح کے خرج لاحاصل کو دولت چاہیے
عاقبت فرہاد مر کر کام اپنا کر گیا — آدمی ہووے کسی پیشے میں جرأت چاہیے ۳۴۰۰
ہو طرف مجھ پہلواں شاعر کا کب عاجز سخن — سامنے ہونے کو صاحب فن کے قدرت چاہیے
عشق میں وصل و جدائی سے نہیں کچھ گفتگو — قرب و بعد اس جا برابر ہے محبت چاہیے
نازکی کو عشق میں کیا دخل ہے اے بوالہوس — یاں صعوبت کھینچنے کو جی میں طاقت چاہیے

تنگ مت ہو ابتدائے عاشقی میں اس قدر
خیریت ہے میرؔ صاحب دل سلامت چاہیے

## ۴۳۴

بے یار شہر دل کا ویران ہو رہا ہے — دکھلائی دے جہاں تک میدان ہو رہا ہے ۳۴۰۵
اس منزلِ جہاں کے باشندے رفتنی ہیں — ہر اک کے ہاں سفر کا سامان ہو رہا ہے
اچھا لگا ہے شاید آنکھوں میں یار اپنی — آئینہ دیکھ کر کچھ حیران ہو رہا ہے
گل دیکھ کر چمن میں تجھ کو کھلا ہی جا ہے — یعنی ہزار جی سے قربان ہو رہا ہے
حالِ زبون اپنا پوشیدہ کچھ نہ تھا تو — سنتا نہ تھا کہ یہ صید بے جان ہو رہا ہے

٣٣١٠ ظالم اُدھر کی سُدھ سے جوں شمعِ صبحگاہی — ایک آدھ دم کا عاشق مہماں ہو رہا ہے
قرباں گہِ محبت وہ جا ہے جس میں ہر سو — دشوار جان دینا آساں ہو رہا ہے
ہر شب گلی میں اُس کی روتے تو رہتے ہو تم
اک روز میر صاحب طوفان ہو رہا ہے

## ۴۳۵

تیری گلی سے جب ہم عزمِ سفر کریں گے — ہر ہر قدم کے اوپر پتھر جگر کریں گے
آزردہ خاطروں سے کیا فائدہ سخن کا — تم حرف سر کرو گے ہم گریہ سر کریں گے
٣٣١٥ عذرِ گناہِ خوباں بدتر گنہ سے ہوگا — کرتے ہوئے تلافی بے لطف تر کریں گے
سر جائے گا ولیکن آنکھیں اُدھر ہی ہوں گی — کیا تیری تیغ سے ہم قطعِ نظر کریں گے
اپنی خبر بھی ہم کو اب دیر پہنچتی ہے — کیا جانے یار اُس کو کب تک خبر کریں گے
گر دل کی تاب و طاقت یہ ہے تو ہمنشیں ہم — شامِ غمِ جدائی کیونکر سحر کریں گے
یہ ظلم بے نہایت دیکھو تو خوبرویاں — کہتے ہیں جو ستم ہے ہم تجھ ہی پر کریں گے
٣٣٢٠ اپنے بھی جی ہے آخر انصاف کر کہ کب تک — تو یہ ستم کرے گا ہم درگذر کریں گے
صناعِ طرفہ ہیں ہم عالم میں ریختے کے
جو میر جی لگے گا تو سب ہنر کریں گے

## ۴۳۶

آنکھیں لڑا لڑا کر کب تک لگا رکھیں گے — اس پردے ہی میں خوباں ہم کو سُلا رکھیں گے
ذکرِ دہن میں اس کی کچھ بن نہ آئی آخر — اب یہ خیال ہم بھی دل سے اٹھا رکھیں گے
مشتِ نمک کو میں نے بیکار کم رکھا ہے — چھاتی کے زخم میرے مدت مزا رکھیں گے
٣٣٢٥ سبزانِ شہر اکثر درپے ہیں آبرو کے — اب زہر پاس اپنے ہم بھی منگا رکھیں گے
آنکھوں میں دلبروں کی مطلق نہیں مروت — یہ پاسِ آشنائی منظور کیا رکھیں گے
جیتے ہیں جب تلک ہم آنکھیں بھی لڑتیاں ہیں — دیکھیں تو جورِ خوباں کب تک روا رکھیں گے
اب چاند بھی لگا ہے تیرے سے جلوے کرنے — شبہا اے ماہ چندے تجھ کو چھپا رکھیں گے
مژگان و چشم و ابرو سب ہیں ستم کے مائل — ان آفتوں سے دل ہم کیونکر بچا رکھیں گے

دیوانِ میرؔ صاحب ہر اک کی ہے بغل میں
دو چار شعر ان کے ہم بھی لکھا رکھیں گے ۳۳۳۰

## ۴۳۷

تجھ سے دوچار ہوگا جو کوئی راہ جلتے — پھر عمر چاہیئے گی اس کو بحال آتے
گر دل کی بے قراری ہوتی ہی جواب ہے — تو ہم ستم رسیدہ کاہے کو جینے پاتے
وے دن گئے کہ اُٹھ کر جاتے تھے اُس گلی میں — اب سعی چاہیئے ہے بالیں سے سر اُٹھاتے
کب تھی ہمیں تمنّا اے ضعف یہ کہ تڑپیں — پر زیرِ تیغ اُس کی ہم ٹک تو سر ہلاتے
گر جانتے کہ یوں ہی برباد جائیں گے تو — کاہے کو خاک میں ہم اپنے تئیں ملاتے ۳۳۳۵
شاید کہ خونِ دل کا پہنچا ہے وقت آخر — تھم جاتے ہیں کچھ آنسو راتوں کو آتے آتے
اس سمت کو پلٹتی تیری نگہ تو ساقی — حالِ خرابِ مجلس ہم شیخ کو دکھاتے
جی دینا دل وہی سے بہتر تھا صد مراتب — اے کاش جان دیتے ہم بھی نہ دل لگاتے

شب کو تو نہ اور قصہ ان کا دراز ورنہ
احوال میرؔ صاحب ہم تجھ کو سب سناتے

## ۴۳۸

ہو عاجز کہ جسم اس قدر زور سے — نہ نکلا کبھو عہدۂ مور سے ۳۳۴۰
بہت دور کوئی رہا ہے مگر — کہ فریاد میں ہے جرس شور سے
مری خاک تفتہ پر اے ابرِ تر — قسم ہے تجھے ٹک برس زور سے
ترے دل جلے کو رکھا جس گھڑی — دھواں سا اُٹھا کچھ لبِ گور سے
نہ پوچھو کہ بے اعتباری سے ہیں — ہوا اس گلی میں بستر چور سے

جو ہو میرؔ بھی اس گلی میں صبا
بہت پوچھیو تو مری اور سے ۳۳۴۵

## ۴۳۹

مت ہو مغرور اے کہ تجھ میں زور ہے — یاں سلیماں کے مقابل مور ہے
مر گئے پر بھی ہے صولت فقر کی — چشمِ شیر اپنا چراغ گور ہے

جب سے کاغذ باد کا ہے شوق اُسے — ایک عالم اس کے اوپر ڈور ہے
رہنمائی شیخ سے مت چشم رکھ — وائے وہ جس کا عصا کش کور ہے
۳۳۵۰ لے ہی جاتی ہے زرِ گل کو اُڑا — صبح کی بھی باؤ بادی چور ہے
دل کھنچے جاتے ہیں سارے اس طرف — کیونکہ کہیے حق ہمارا اُور ہے

تھا بلا ہنگامہ آرا میرؔ بھی
اب تلک گلیوں میں اس کا شور ہے

۴۴۰

غیر سے اب یار ہوا چاہیے — ملتجی ناچار ہوا چاہیے
جس کے تئیں ڈھونڈوں ہوں وہ سب میں ہے — کس کا طلبگار ہوا چاہیے
۳۳۵۵ تاکہ وہ ٹک آن کے پوچھے کبھو — اس لیے بیمار ہوا چاہیے
زلف کسو کی ہو کہ ہو خال و خط — دل کو گرفتار ہوا چاہیے
تیغ بلند اس کی ہوئی بوالہوس — مرنے کو تیار ہوا چاہیے
مصطبۂ بے خودی ہے یہ جہاں — جلد خبردار ہوا چاہیے
مول ہے بازار کا ہستی کے یہ — دل کے خریدار ہوا چاہیے
۳۳۶۰ کچھ نہیں خورشید صفت سرکشی — سایۂ دیوار ہوا چاہیے
کر نہ تعلق کہ یہ منزل نہیں — آہ سبک بار ہوا چاہیے

گو سفری اب نہیں ظاہر میں میرؔ
عاقبتِ کار ہوا چاہیے

۴۴۱

یاں سرکشاں جو صاحبِ تاج و لوا ہوئے — پامال ہو گئے تو نہ جانا کہ کیا ہوئے
دیکھی نہ ایک چشمک گل بھی چمن میں آہ — ہم آخرِ بہار قفس سے رہا ہوئے
۳۳۶۵ پچھتاؤ گے بہت جو گئے ہم جہان سے — آدم کی قدر ہوتی ہے ظاہر جدا ہوئے
تجھ بن دماغِ صحبتِ اہلِ چمن نہ تھا — گل وا ہوئے ہزار ولے ہم نہ وا ہوئے
مرثیے کیے میرؔ ہم نے فراغت کی عشق میں — ذمے ہمارے بوجھ تھا بارے ادا ہوئے

## ۴۴۲

اس اسیری کے نہ کوئی اے صبا پالے پڑے / اک نظر گل دیکھنے کے بھی ہمیں لالے پڑے

حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش / رفتہ رفتہ دلبروں کے کان میں بالے پڑے

مت نگاہِ مست کو تکلیف کر ساقی زیاد / ہر طرف تو ہیں گلی کوچوں میں متوالے پڑے ۳۳۷۰

کیونکہ طے ہو دشتِ شوق آخر کو مانندِ سرشک / میرے پاؤں میں تو پہلے ہی قدم چھالے پڑے

جوش مارا اشکِ خونیں نے مرے دل سے زبس / گھر میں ہمسایوں کے شب لوہو کے پرنالے پڑے

ہیں بعینہٖ ویسے جوں پردا کرے ہے عنکبوت / روتے روتے بس کہ میری آنکھوں میں جالے پڑے

گرمجوشی سے مرے گریے کی شب آنکھوں کی راہ
گوشۂ دامن میں میرؔ آتش کے پرکالے پڑے

## ۴۴۳

رنج کھینچے تھے داغ کھائے تھے / دل نے صدمے بڑے اٹھائے تھے ۳۳۷۵

پاسِ ناموسِ عشق تھا ورنہ / کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

وہی سمجھا نہ ورنہ ہم نے تو / زخم چھاتی کے سب دکھائے تھے

اب جہاں آفتاب میں ہم ہیں / یاں کبھو سرو و گل کے سائے تھے

کچھ نہ سمجھے کہ تجھ سے یاروں نے / کس توقع پہ دل لگائے تھے

فرصتِ زندگی سے مت پوچھو / سانس بھی ہم نہ لینے پائے تھے ۳۳۸۰

میرؔ صاحب رلا گئے سب کو
کل وے تشریف یاں بھی لائے تھے

## ۴۴۴

گرے بحرِ بلا مژگانِ تر سے / نگاہیں اٹھ گئیں طوفان پر سے

ہمیں غش آگیا تھا وہ بدن دیکھ / بڑی کلول ٹلی ہے جان پر سے

لیا دل اس مخطط رو نے میرا / اٹھاؤں میں اسے قرآن پر سے

کہاں ہیں آدمی عالم میں پیدا / خدائی صدقے کی انسان پر سے ۳۳۸۵

تفنگ اس کی پلی آواز پر لیک / گئی ہے میرؔ گولی کان پر سے

خوب ہے اے ابر اک شب آؤ باہم روئیے ۴۴۵ پر نہ اتنا بھی کہ ڈوبے شہر کم کم روئیے

وقتِ خوش دیکھا نہ اک دم سے زیادہ دہر میں — خندۂ صبحِ چمن پر مثلِ شبنم روئیے
شادی و غم میں جہاں کی ایک سے دس کا ہے فرق — عید کے دن ہنسیے تو دس دن محرم روئیے
۳۳۹۰ دیکھا ماتم خانۂ عالم کو ہم مانندِ ابر — ہر جگہ پر جی میں یوں آیا دمادم روئیے
ہو جدا فردوس سے یعنی گلی سے یار کی — مدتوں تک کیجیے غم مثلِ آدم روئیے
اب ہے یوں کریے مقرر اٹھیے جب کہسار سے — وادیِ مجنوں پہ بھی سا ابر اک دم روئیے

عشق میں تقریب گریہ گو نہیں درکار میر
ایک مدت صبر ہی کا رکھیے ماتم روئیے

۴۴۶

نیلا نہیں سپہر تجھے اشتباہ ہے — دودِ جگر سے میرے یہ چھت سب سیاہ ہے
۳۳۹۵ ابر و بہار و بادہ سبھوں میں ہے اتفاق — ساقی جو تو بھی مل چلے تو واہ واہ ہے
سرمے لگے ایسی آنکھیں تمھاری نہیں لگیں — احوال پر ہمارے تمھیں کب نگاہ ہے
کس کس طرح سے ہاتھ نچاتا ہے وعظ میں — دیکھا جو شیخ شہر عجب دست گاہ ہے

ہے رو سے عجز میر تری خاک راہ پر
یعنی کہ کام اس کا کچھ اب رو براہ ہے

۴۴۷

نہیں وہ قیدِ الفت میں گرفتاری کو کیا جانے — تکلف برطرف بے مہر ہے یاری کو کیا جانے
۳۴۰۰ دہی اک مندرس نالہ مبارک مرغِ گلشن کو — وہ اس ترکیب نو کی نالہ و زاری کو کیا جانے
ستم ہے تیری خوئے خشمگیں پر ٹک بھی دلجوئی — دل آزاری کی باتیں کر تو دلداری کو کیا جانے
گلہ اپنی جفا کا سن کے مت آزردہ ہو ظالم — نہیں تہمت ہے تجھ پر تو جفاکاری کو کیا جانے

ترا ابرام اس کی سادگی پر میر میں مانا
بھلا ایسا جو ناداں ہو وہ عیاری کو کیا جانے

۴۴۸

جوشِ دل آئے بہم دیدۂ گریاں ہوئے — کتنے اک اشک ہوئے جمع کہ طوفاں ہوئے

کیا چھپیں شہرِ محبت میں ترے خانہ خراب    گھر کے گھر ان کے ہیں اس بستی میں ویران ہوئے    ۳۴۰۵

کس نے لی رخصتِ پرواز پس از مرگ نسیم    مشتِ پر باغ میں آتے ہی پریشان ہوئے

سبزۂ و لالہ و گل ابر و ہوا ہے، مے دے    ساقی ہم توبہ کے کرنے سے پشیمان ہوئے

دعوئ خوش دہنی گرچہ اُسے تھا لیکن    دیکھ کر منھ کو ترے گل کے تئیں کان ہوئے

جامِ خوں بِن نہیں ملتا ہے ہمیں صبح کو آب    جب سے اِس چرخِ سیہ کاسہ کے مہمان ہوئے

اپنے جی ہی نے نہ چاہا کہ پئیں آبِ حیات
یوں تو ہم میرؔ اسی چشمے پہ بے جان ہوئے    ۳۴۱۰

## ۴۴۹

یارب کوئی ہو عشق کا بیمار نہ ہووے    مر جائے ولے اس کو یہ آزار نہ ہووے

زنداں میں پھنسے، طوق پڑے، قید میں مر جائے    پر دامِ محبت میں گرفتار نہ ہووے

اس واسطے کانپوں ہوں کہ ہے آہ بہت سرد    یہ بلوئے کلیجے کے کہیں پار نہ ہووے

صد نالۂ جانکاہ ہیں وابستہ چمن سے    کوئی بال شکستہ پسِ دیوار نہ ہووے

پژمردہ بہت ہے گُلِ گلزار ہمارا    شرمندۂ یک گوشۂ دستار نہ ہووے    ۳۴۱۵

مانگے ہے دعا خلق تجھے دیکھ کے ظالم    یارب کسو کو اس سے سروکار نہ ہووے

ہوں دوست جو کہتا ہوں سن اے جان کے دشمن    قطعہ    بہتر تو تجھے ترک ہے تا خوار نہ ہووے

خوباں برے ہوتے ہیں اگرچہ ہیں نکو رو    بے جرم کہیں ان کا گنہگار نہ ہووے

باندھے نہ پھرے خوں پر اپنی تو کمر کو    یہ جانِ سبک تن پہ ترے بار نہ ہووے

چلتا ہے رہِ عشق ہی اس پر بھی چلے تو    پر ایک قدم چل کہیں زنہار نہ ہووے    ۳۴۲۰

صحرائے محبت ہے قدم دیکھ کے رکھ میرؔ
یہ سیرِ سرِ کوچہ و بازار نہ ہووے

## ۴۵۰

برقعے کو اٹھا چہرے سے وہ بُت اگر آوے    اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آوے

اے ناقۂ لیلیٰ دو قدم راہ غلط کر    مجنونِ زخود رفتہ کبھو راہ پر آوے

ٹک بعد مرے میرے طرف داروں کنے تو    کوئی بھیجیو ظالم کہ تسلی تو کر آوے

۳۳۲۵ کیا ظرف ہے گردونِ تنک حوصلہ کا جو — آشوبِ فغاں کے مرے عہدے سے برآوے

ممکن نہیں آرام دے بیتابی جگر کی — قطعہ — جب تک نہ پلک پر کوئی ٹکڑا نظر آوے

مت ممتحنِ باغ ہو اے غیرتِ گلزار — گل کیا کہ جسے آگے ترے بات کر آوے

کھلنے میں ترے منھ کے کلی پھاڑے گریباں — ہلنے میں ترے ہونٹوں کے گل برگ تر آوے

ہم آپ سے جاتے رہے ہیں ذوقِ خبر میں — اے جانِ بلب آمدہ رہ تا خبر آوے

کہتے ہیں ترے کوچے سے میر آنے کہے ہے
جب جانیے وہ خانہ خراب اپنے گھر آوے ۳۳۳۰

## ۴۵۱

ہے جی میں غزل در غزل اے طبع یہ کہیے — شاید کہ نظیری کے بھی عہدے سے بر آوے

جب نام ترا لیجیے تب چشم بھر آوے — اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے

تلوار کا بھی مارا خدا رکھے ہے ظالم — یہ تو ہو کوئی گورِ غریباں میں در آوے

مے خانہ وہ منظر ہے کہ ہر صبح جہاں شیخ — دیوار پہ خورشید کا مستی سے سر آوے

۳۳۳۵ کیا جانیں وے مرغانِ گرفتارِ چمن کو — جن تک کہ بصد ناز نسیمِ سحر آوے

تو صبح قدم رنجہ کرے ٹک تو ہے ورنہ — کس واسطے عاشق کی شبِ غم بسر آوے

ہر سو سرِ تسلیم رکھے صید حرم ہیں — وہ صید فگن تیغ بکف تا کدھر آوے

دیواروں سے سر مارتے پھرنے کا گیا وقت — اب تو ہی مگر آپ کبھو در سے در آوے

واعظ نہیں کیفیتِ مے خانہ سے آگاہ — یک جرعہ بدل ورنہ یہ مندیل دھر آوے

۳۳۴۰ صناع ہیں سب خوار ازاں جملہ ہوں میں بھی — ہے عیب بڑا اس میں جسے کچھ ہنر آوے

اے وہ کہ تو بیٹھا ہے سرِ راہ پہ زنہار — قطعہ — کہیو جو کبھو میر بلاکش ادھر آوے

مت دشتِ محبت میں قدم رکھ کہ خضر کو
ہر گام پہ اس رہ میں سفر سے حذر آوے

## ۴۵۲

لگوائے پتھرے اور برا بھی کہا کیے — تم نے حقوقِ دوستی کے سب ادا کیے

کھینچا تھا آہ شعلہ فشاں نے جگر سے سر — برسوں تئیں پڑے ہوئے جنگل جلا کیے

غنچے نے ساری طرز ہماری ہی اخذ کی — ہم جو چمن میں برسوں گرفتہ رہا کیے ۳۴۴۵

تدبیرِ عشق میں بھی نہ کرتے قصور یار — جو اس مرض میں تونے کہے ہم دوا کیے

جوں نے نہ تیرے کشتے کے لب سے ہی فغاں — ہر چند بند بند بھی اس کے جدا کیے

کیا حرفِ دل نشیں ہو مرا جیسے خط مدام — اغیارِ رُو سیاہ ترے منھ لگا کیے

پھر شام آشنا نہ کبھو نکلے گل رخاں — ہر صبح ان سے برسوں تئیں ہم ملا کیے

بے عیب ذات ہے گی خدا ہی کی اے بتاں — تم لوگ خوبرُو جو کیے بے وفا کیے ۳۴۵۰

اب خاک سی اڑنے ہے منھ اوپر دگرنہ میرؔ
اس چشمِ گریہ ناک سے دریا بہا کیے

## ۴۵۳

کروں جو آہ زمین و زماں جل جاوے — سپہرِ نیلی کا یہ سائبان جل جاوے

دی آگ دل کو محبت نے جب سے پھرتا ہوں — میں جس طرح کسو کا خانمان جل جاوے

دوا پذیر نہیں اے طبیب تبِ غم کی — بدن میں ٹک رہے تو استخواں جل جاوے

نہ آوے سوزِ جگر منھ پر شمع ساں اے کاش — بیان کرنے سے آگے زبان جل جاوے ۳۴۵۵

ہمارے نالے بھی آتش ہی کے ہیں پرکالے — سنے تو بلبلِ نالاں کی جان جل جاوے

ہزار حیف کہ دل خار و خس سے باندھے کوئی — خزاں میں برق گرے آشیان جل جاوے

متاعِ سینہ سب آتش ہے فائدہ کس کا — خیال یہ ہے مبادا دکان جل جاوے

نہ پوچھ کچھ لبِ ترسا بچے کی کیفیت — کہوں تو دخترِ رز کی فلان جل جاوے

نہ بول میرؔ سے مظلومِ عشق ہے وہ غریب
مبادا آہ کرے سب جہان جل جاوے ۳۴۶۰

## ۴۵۴

گذارِ خوش نگاہاں جس میں ہے میرا بیاباں ہے — سوادِ تربتِ مجنوں تو چراگاہِ غزالاں ہے

کرے ہے خندۂ دنداں نما تو میں بھی رووُں گا — چمکتی زور ہے بجلی مقرر آج باراں ہے

چمن پر نوحہ و زاری سے کس گل کا یہ ماتم ہے — جو شبنم ہے تو گریاں ہے جو بلبل ہے تو نالاں ہے

ہر اک مژگاں پہ میری اشک کے قطرے جھمکتے ہیں — تماشا مفت خوباں ہے لبِ دریا چراغاں ہے

کیا کٹا جا بجا رنگیں لہو تجھ ہجر میں رو کر
گریباں میرؔ کا دیکھا مگر گلچیں کا داماں ہے (۳۴۶۵)

## ۴۵۵

اپنا شعار پوچھو تو مہرباں وفا ہے — پر اس کے جی میں ہم سے کیا جانیے کہ کیا ہے
بالیں پہ میری آ کر ٹک دیکھ شوقِ دیدار — سارے بدن کا جی اب آنکھوں میں آ رہا ہے
بے اس کے رک کے مرتے گرمئ عشق ہیں تو — کرتے ہیں آہ جب تک تب تک ہی کچھ ہوا ہے
شکوہ ہے رونے کا یہ بے گانگی سے تیری — مژگاں تر و گرنہ آنکھوں میں آشنا ہے
(۳۴۷۰) مت کر زمینِ دل میں تخمِ امید ضائع — بوٹا جو یاں اُگا ہے سو اُگتے ہی جلا ہے
شرمندہ ہوتے ہیں گے خورشید و ماہ دونوں — خوبی نے تیرے منھ کی ظالم قِراں کیا ہے
اے شمعِ بزمِ عاشق روشن ہے یہ کہ تجھ بن — آنکھوں میں میری عالم تاریک ہو گیا ہے
جیتے ہی جی تلک ہیں سارے علاقے سو تو — عاشق ترا مجرّد و فارغ ہی ہو چکا ہے

صد سحر دیک رقیمہ خط میرؔ جی کا دیکھا
قاصد نہیں چلا ہے جادو مگر چلا ہے

## ۴۵۶

(۳۴۷۵) حرم کو جائیے یا دیر میں بسر کریے — تری تلاش میں اک دل کدھر کدھر کریے
کٹے ہے دیکھیے یوں عمر کب تلک اپنی — کہ سنیے نام ترا اور چشم تر کریے
وہ مستِ ناز تو مچلا ہے کیا جتائیے حال — جو بے خبر ہو بھلا اس کے تئیں خبر کریے
ہوا ہے دن تو جدائی کا سو تعب سے شام — شبِ فراق کس امید پر سحر کریے
جہاں کا دید بجز ماتمِ نظارہ نہیں — کہ دیدنی ہی نہیں جس پہ یاں نظر کریے
(۳۴۸۰) جیوں سے جاتے ہیں ناچار آہ کیا کیا لوگ — کبھو تو جانبِ عشاق بھی گذر کریے

ستم اٹھانے کی طاقت نہیں ہے اب اس کو
جو دل میں آوے تو ٹک رحم میرؔ پر کریے

## ۴۵۷

مشہور چمن میں تری گل پیرہنی ہے — قرباں ترے ہر عضو پہ نازک بدنی ہے

عریانیٔ آشفتہ کہاں جائے پس از مرگ — کشتہ ہے ترا اور یہی بے کفنی ہے

سمجھے ہے نہ پروانہ نہ تھامے ہے زباں شمع — وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے

لیتا ہی نکلتا ہے مرا لختِ جگر اشک — آنسو نہیں گویا کہ یہ ہیرے کی کنی ہے ۳۴۸۵

بلبل کی کفِ خاک بھی اب ہوگی پریشاں — جامے کا ترے رنگ ستم گر چمنی ہے

کچھ تو ابھر اے صورتِ شیریں کہ دکھاؤں — فرہاد کے ذمے بھی عجب کوہ کنی ہے

ہوں گرمِ سفر شامِ غریباں سے خوشی ہوں — اے صبحِ وطن تو تو مجھے بے وطنی ہے

ہر چند گدا ہوں میں ترے عشق میں لیکن — قطعہ — ان بوالہوسوں میں کوئی مجھ سا بھی غنی ہے

ہر اشک مرا ہے دُرِ شہوار سے بہتر — ہر لختِ جگر رشکِ عقیقِ یمنی ہے ۳۴۹۰

بگڑی ہے نپٹ میرؔ طپش اور جگر میں
شاید کہ مرے جی ہی پر اب آن بنی ہے

## ۴۵۸

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے — پر ہم جو نہ ہوں گے تو بہت یاد کرو گے

زنہار اگر خستہ دلاں بیستوں جاؤ — ٹک پاس ہنرمندیٔ فرہاد کرو گے

غیروں پہ اگر کھینچو گے شمشیر تو خوباں — اک اور مری جان پہ بیداد کرو گے

جاگہ نہیں یاں روئیے جس پر نہ کھڑے ہو — قطعہ — کچھ شور ہی شہر پہ تو مجھے یاد کرو گے ۳۴۹۵

اس دشت میں اے راہ رواں ہر قدم اوپر — مانندِ جرس نالہ و فریاد کرو گے

گر دیکھو گے تم طرزِ کلام اس کی نظر کر
اے اہلِ سخن میرؔ کو استاد کرو گے

## ۴۵۹

خوش سرانجام تھے وے جلد جو ہشیار ہوئے — ہم تو اے ہم نفساں دیر خبردار ہوئے

جنسِ دل دونوں جہاں جس کی بہا تھی اس کا — یک نگہ مول ہوا تم نہ خریدار ہوئے

عشق وہ ہے کہ جو تھے خلوتیِ منزلِ قدس — وے بھی رسوائے سرِ کوچہ و بازار ہوئے ۳۵۰۰

سیرِ گلزار مبارک ہو صبا کو ہم تو — ایک پرواز نہ کی تھی کہ گرفتار ہوئے

اس ستم گار کے کوچے کے ہوادار ہیں ہم — نام فردوس کا ہم لے کے گنہگار ہوئے

وعدہ محشر تو موہوم نہ سمجھے ہم آہ — کس توقع پہ ترے طالب دیدار ہوئے

میر صاحب سے خدا جانے ہوئی کیا تقصیر
جس سے اس ظلم نمایاں کے سزاوار ہوئے

۴۶۰

۳۵۰۵ ترا اے ناتوانی جو کوئی عالم میں رسوا ہے — توانائی کا منھ دیکھا نہیں ان نے کہ کیسا ہے
نیاز ناتواں کیا ناز سرو قد سے بر آوے — مثل مشہور ہے یہ تو کہ دست زیر بالا ہے
ابھی اک عمر رونا ہے نہ کھوؤ اشک آنکھوں تم — کرو کچھ سوجھتا اپنا تو بہتر ہے کہ دنیا ہے
کیا اے سایۂ دیوار تونے مجھ سے رو پنہاں — مرے اب دھوپ میں جلنے ہی کا آثار پیدا ہے
بھلے کو اپنے سب دوڑے ہیں یہ اپنا برا چاہے — چلن اس دل کا تم دیکھو تو دنیا سے نرالا ہے
۳۵۱۰ رہوں ٹک دور ہی پھرنے دو کوچوں میں مجھے لڑکو — کرو گے تنگ اسے تم اور تو نزدیک صحرا ہے

گلستاں میں کل گل کا مجھ سے یوں لگا کہنے
تو اپنی فصد کر جلدی کہ تجھ کو میر سودا ہے

۴۶۱

گذار ابر اب بھی جب کبھو ایدھر کو ہوتا ہے — ہماری بیکسی پر زار باراں دیر روتا ہے
ہوا مذکور نام اس کا کہ آنسو بہہ چلے منھ پر — ہمارے کام سارے دیدۂ تر ہی ڈبوتا ہے
بجا ہے سینہ کوبی سنگ سے دل خون ہوتے ہیں — جو ہمدم ایسے جاتے ہیں تو ماتم سخت ہوتا ہے
۳۵۱۵ نہ کی نشو و نما کاہل نہ کام اپنا کیا حاصل — فلک کوئی بھی دل سے تخم کہ بے وقت بوتا ہے
ہلانا ابروؤں کا لے ہے زیر تیغ عاشق کو — پلک کا مارنا برچھی کلیجے میں چبھوتا ہے
کہاں اے اشک آب زندگی ہے تو کہ یاں تجھ بن — ہر اک پاکیزہ گوہر جی سے اپنے ہاتھ دھوتا ہے
لگا مرنے کو میرے دیکھ کر وہ ناسمجھ کہنے — جوانی کی ہے نیند اس کو کہ اس غفلت سے سوتا ہے
پریشاں گرد سا گاہے جو مل جاتا ہے صحرا میں — اسی کی جستجو میں خضر بھی اوقات کھوتا ہے

نہ رکھو کان نظم شاعران حال پر اتنے
۳۵۲۰ چلو ٹک میر کو سننے کہ موتی سے پروتا ہے

ہم تو اس کے ظلم سے ہمدم چلے — ۴۶۲ — رہ سکے ہے تو تو رہ یاں ہم چلے

ٹوٹے جوں لالہ ستاں سے ایک پھول — ہم لیے یاں سے داغ یک عالم چلے

جنبش ابرو تو واں رہتی نہیں — کب تلک تلواریاں ہر دم چلے

زخم جگر کے آیا آخر ہو گئے — اشک خونیں کچھ مژہ پر جم چلے

دیکھیے بخت زبوں کیا کیا دکھائے — تم تو خوباں ہم سے ہو برہم چلے

بھاگنے پر بیٹھے تھے گویا غزال — تیری آنکھیں دیکھتے ہی رم چلے

مجھ سے ناشایستہ کیا دیکھا کہ میر
آتے آتے کچھ جو آنسو تھم چلے

۴۶۳

غیر نے ہم کو ذبح کیا نے طاقت ہے نے یارا ہے — اس کتے نے کرکے دلیری صید حرم کو مارا ہے

باغ کو تجھ بن اپنے بھائیں آتش دی ہے بہار نے — ہر غنچہ اخگر ہے ہم کو ہر گل ایک انگارا ہے

جب تجھ بن لگتا ہے تڑپنے جائے ہے نکلا ہاتھوں سے — ہے جو گرہ سینے میں اس کو دل کہیے یا پارا ہے ۳۵۳۰

راہ حدیث جو ٹک بھی نکلی کون سکھائے ہم کو پھر — لڑنے تن پر کس کو دے وہ شوخ بڑا عیارا ہے

کام اس کا ہے خوں افشانی ہر دم تیری فرقت میں — چشم کو میری آکر دیکھو اب لوہو کا فوارا ہے

بال کھلے وہ شب کو شاید بستر ناز پہ سوتا تھا — آئی نسیم صبح جو ایدھر پھیلا عنبر سارا ہے

کس دن دامن کھینچ کے ان نے یار سے اپنا کام لیا
مدت گزری دیکھتے ہم کو میر بھی اک ناکارا ہے

۴۶۴

بند قبا کو خوباں جس وقت وا کریں گے — خمیازہ کش جو ہوں گے ملنے کے کیا کریں گے ۳۵۳۵

رونا یہی ہے مجھ کو تیری جفا سے ہر دم — یہ دل دماغ دونوں کب تک وفا کریں گے

ہے دین سر کا دینا گردن پہ اپنے خوباں — جیتے ہیں تو تمھارا یہ قرض ادا کریں گے

درویش ہیں ہم آخر دو اک نگہ کی رخصت — گوشے میں بیٹھے پیارے تم کو دعا کریں گے

آخر تو روزے آئے دو چار روز ہم بھی — ترسا بچوں میں جاکر دارو پیا کریں گے

عالم مرے ہے تجھ پر آئی اگر قیامت — تیری گلی کے ہر سو محشر ہوا کریں گے ۳۵۴۰

دامان دشت سوکھا ابروں کی بے تہی سے — جنگل میں رونے کو اب ہم بھی چلا کریں گے

لائی تری گلی تک آوارگی ہماری — ذلت کی اپنی اب ہم عزت کیا کریں گے

احوالِ میر کیونکر آخر ہو ایک شب میں
اک عمر ہم یہ قصہ تم سے کہا کریں گے

۴۶۵

ہم ہوئے، تم ہوئے، کہ میر ہوئے — اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

جن کی خاطر کی استخواں شکنی — سو ہم ان کے نشانِ تیر ہوئے ۳۵۴۵

نہیں آتے کسو کی آنکھوں میں — ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے

آگے یہ بے ادائیاں کب تھیں — ان دنوں تم بہت شریر ہوئے

اپنے روتے ہی روتے صحرا کے — گوشے گوشے میں آب گیر ہوئے

ایسی ہستی عدم میں داخل ہے — قطعہ — نے جواں ہم نہ طفلِ شیر ہوئے

ایک دم تھی نمود بود اپنی — یا سفیدی کی یا اخیر ہوئے ۳۵۵۰

یعنی مانندِ صبح دنیا میں — ہم جو پیدا ہوئے سو پیر ہوئے

مت مل اہلِ دول کے لڑکوں سے
میر جی ان سے مل فقیر ہوئے

۴۶۶

توجہ تیری اے حیرت مری آنکھوں پہ کیا کم ہے — جو میں ہر اک مژہ دیکھوں کہ یہ تر ہے کہ یہ نم ہے

کرے ہے مو پریشاں غم وفا تو تعزیہ تو لے — حیا کر حق صحبت کی کہ اس بے کس کا ماتم ہے

دورنگی دہر کی پیدا ہے یاں سے دل اٹھا اپنا — کسو کے گھر میں شادی ہے کہیں ہنگامۂ غم ہے ۳۵۵۵

کہیں آشفتگاں سے میر مقصد ہووے ہے حاصل
جو زلفیں اس کی درہم ہیں مرا بھی کام برہم ہے

۴۶۷

جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ہے — درد بے اختیار اٹھتا ہے

اب تلک بھی مزارِ مجنوں سے — ناتواں اک غبار اٹھتا ہے

ہے بگولا غبار کس کا میر
کہ جو ہو بے قرار اٹھتا ہے

۴۶۸

کیا مرے سرو رواں کا کوئی مائل ایک ہے
سینکڑوں ہم خوں گرفتہ ہیں وہ قاتل ایک ہے ۲۵۶۰

راہ سب کو ہے خدا سے جان اگر پہنچا ہے تو
ہوں طریقے مختلف کتنے ہی منزل ایک ہے

اس مرے بت نے سبھوں کو حق سے توڑا پا کیا
کام ہیں اپنے بھی وہ معبود باطل ایک ہے

کیا عرب میں کیا عجم میں ایک لیلیٰ کا ہے شور
مختلف ہوں گو عبارات ان کا محمل ایک ہے

ایک سے ہے خرمن غم دانۂ اشک ایک سے
دیدہ و دل الغرض دونوں کا حاصل ایک ہے

اس شکار افگن کے کوچے سے نہیں جاتا ہے ظلم
ایک اگر جی سے گیا تو نیم بسمل ایک ہے ۲۵۶۵

چشم و ابرو ناز و خوبی زلف و کاکل خال و خط
دیکھیے کیا ہو بلائیں اتنی ہیں دل ایک ہے

کام کچھ دنیا کی آسانی میں ہو تو میر کر
مردن دشوار بھی در پیش منزل ایک ہے

۴۶۹

جب تک کڑی اٹھائی گئی ہم کڑے رہے
ایک ایک سخت بات پہ برسوں اڑے رہے

اب کیا کریں نہ صبر ہے دل کو نہ جی میں تاب
کل اس گلی میں آٹھ پہر غش پڑے رہے

وہ گل کو خوب کہتی تھی میں اس کے رو کے تئیں
بلبل سے آج باغ میں جھگڑے بڑے رہے ۲۵۷۰

فرہاد و قیس ساتھ کے سب کب کے چل بسے
دیکھیں نباہ کیونکہ ہو اب ہم چھڑے رہے

کس کے تئیں نصیب گل تازہ تر ہوئے
ہم سے ہزاروں اس کی گلی میں گڑے رہے

برسوں تلک نہ آنکھ ملی ہم سے یار کی
پھر گو کہ ہم بصورت ظاہر اڑے رہے

یعنی کہ اپنے عشق کے حیران کار میر
دیوار کے سے نقش در اوپر کھڑے رہے

۴۷۰

شش جہت سے اس میں ظالم بوئے خوں کی راہ ہے
تیرا کوچہ ہم سے تو کہہ کس کی بسمل گاہ ہے ۲۵۷۵

ایک بجھنے کا نہیں مژگاں تلک بوجھل ہیں سب
کاروان لخت دل ہر اشک کے ہمراہ ہے

ہم جوانوں کو نہ چھوڑا اس سے سب پکڑے گئے
یہ دو سالہ دختر رز کس قدر شتاہ ہے

پا برہنہ خاک سر میں مو پریشاں سینہ چاک
حال میرا دیکھنے آ تیرے ہی دلخواہ ہے

اس جنوں پر میرؔ کوئی بھی پھرے ہے شہر میں
جادۂ صحرا سے کر سازش جو تجھ سے راہ ہے

## ۴۷۱

۳۵۸۰ مشکل ہے ہو نا روکش، رخسار کی جھلک کے — ہم تو بشر ہیں اُس جا پَر جلتے ہیں ملک کے
مرتا ہے کیوں تو ناحق یاری برادری پر — دُنیا کے سارے ناتے ہیں جیتے جی تلک کے
کہتے ہیں گور میں بھی ہیں تین روز بھاری — جاویں کدھر الٰہی مارے ہوئے فلک کے
لاتے نہیں نظر میں غلطانی گہر کو — ہم مُعتقد ہیں اپنے آنسو ہی کی ڈھلک کے

کل اک مژہ نچوڑے طوفانِ نوح آیا
فکر فشار میں ہوں میرؔ آج ہر پلک کے

## ۴۷۲

۳۵۸۵ تاچند ترے غم میں یُوں زار رہا کیجے — اُمید عیادت پر بیمار رہا کیجے
نے اب ہے جگر کاوی نے سینہ خراشی ہے — کچھ جی میں یہ آئے ہے بیکار رہا کیجے
کیفیت چشماں اب معلوم ہُوئی اُس کی — یہ مست ہیں وہ خونی ہُشیار رہا کیجے
دل جاوے تو اب جاوے ہو خون تو جگر ہووے — ایک جان ہے کس کس کے غمخوار رہا کیجے

ہے زیست کوئی یہ بھی جو میرؔ کرے ہے تو
ہر آن میں مرنے کو تیار رہا کیجے

## ۴۷۳

۳۵۹۰ طاقت نہیں ہے جی میں، نے اب جگر رہا ہے — پھر دل ستم رسیدہ اک ظلم کر رہا ہے
مارا ہے کس کو ظالم اس بے سلیقگی سے — دامن تمام تیرا لوہو میں بھر رہا ہے
پہنچا تھا تیغ کھینچے مجھ تک جو بولے دشمن — کیا مارتا ہے اس کو یہ آپ ہی مر رہا ہے
آنے کہا ہے میرے خوش قد نے رات گزرے — ہنگامۂ قیامت اب صبح پر رہا ہے

چل ہم نشیں کہ دیکھیں آوارہ میرؔ کو ٹک
خانہ خراب وہ بھی آج اپنے گھر رہا ہے

۳۵۹۵ اقرار دل کا یہ کا ہے کو ڈھنگ تھا آگے — ۴۷۴ — ہمارے چہرے کے اوپر بھی رنگ تھا آگے

اُٹھائیں تیرے لیے بدزبانیاں اُن کی　　جنھوں کی ہم کو خوشامد سے ننگ تھا آگے
ہماری آہوں سے سینے پہ ہو گیا بازار　　ہر ایک زخم کا کوچہ جو تنگ تھا آگے
رہا تھا شمع سے مجلس میں دوش کتنا فرق　　کہ جل بجھی تھی یہ ہم پر پتنگ تھا آگے

کیا خراب تغافل نے اُس کے ورنہ میرؔ
ہر ایک بات پہ دشنام و سنگ تھا آگے

## ۴۷۵

تجھ بن خراب و خستہ زبوں خوار ہو گئے　　کیا آرزو تھی ہم کو کہ بیمار ہو گئے　۳۶۰۰
خوبی بخت دیکھ کہ خوباں سب بے وفا　　بے ہیچ میرے درپئے آزار ہو گئے
ہم نے بھی سیر کی تھی چمن کی پر اے نسیم　　اٹھتے ہی آشیاں سے گرفتار ہو گئے
وہ تو گلے لگا ہوا سوتا تھا خواب میں　　بخت اپنے سو گئے کہ جو بیدار ہو گئے
اپنی یگانگی ہی کیا کرتے ہیں بیاں　　اغیار روسیاہ بہت یار ہو گئے
لائی تھی شیخوں پر بھی خرابی تری نگاہ　　بے طالعی سے اپنی وے ہشیار ہو گئے　۳۶۰۵

کیسے ہیں وے کہ جیتے ہیں صد سال ہم تو میرؔ
اس چار دن کی زیست میں بیزار ہو گئے

## ۴۷۶

تنگ آئے ہیں دل اس جی سے اُٹھا بیٹھیں گے　　بھوکوں مرتے ہیں کچھ اب یار بھی کھا بیٹھیں گے
اب کے بگڑے گی اگر اُن سے تو اس شہر سے جا　　کسو ویرانے میں تکیہ ہی بنا بیٹھیں گے
معرکہ گرم تو ٹک ہونے دو خونریزی کا　　پہلے تلوار کے نیچے ہمیں جا بیٹھیں گے
ہو گا ایسا بھی کوئی روز کہ مجلس سے کبھو　　ہم تو ایک آدھ گھڑی اُٹھ کے جدا بیٹھیں گے　۳۶۱۰
جا نہ اظہار محبت پہ ہوسناکوں کی　　وقت کے وقت یہ سب منہ کو چھپا بیٹھیں گے
دیکھیں وہ غیرت خورشید کہاں جاتا ہے　　اب سر راہ دم صبح سے آ بیٹھیں گے
بھیڑ ٹلتی ہی نہیں آگے سے اس ظالم کے　　گردنیں یار کسی روز کٹا بیٹھیں گے
کب تلک گلیوں میں سودائی سے پھرتے رہیے　　دل کو اس زلف مسلسل سے لگا بیٹھیں گے
شعلہ افشاں اگر ایسی ہی رہی آہ تو میرؔ　　گھر کو ہم اپنے کسو رات جلا بیٹھیں گے　۳۶۱۵

۴۷۷

نالہ تا آسمان جاتا ہے | شور سے جیسے بان جاتا ہے
دل عجب جائے ہے ولیکن مفت | ہاتھ سے یہ مکان جاتا ہے
کیا خرابی ہے مے کدے کی سہل | محتسب اک جہان جاتا ہے
جب سرِ راہ آوے ہے وہ شوخ | ایک عالم کا جان جاتا ہے
۳۶۲۴ اس سخن ناشنو سے کیا کہیے | غیر کی بات مان جاتا ہے
عشق کے داغ کا عبث ہے علاج | کوئی اب یہ نشان جاتا ہے
گو وہ ہرجائی آئے اپنی اور | سو طرف ہی گمان جاتا ہے

میر گو عمرِ طبعی کو پہنچا
عشق میں جوں جوان جاتا ہے

۴۷۸

مر ہی جاویں گے بہت ہجر میں ناشاد رہے | بھول تو ہم کو گئے ہو یہ تمھیں یاد رہے
۳۶۲۵ ہم سے دیوانے رہیں شہر میں سبحان اللہ | دشت میں قیس رہے کوہ میں فرہاد رہے
کچھ بھی نسبت نہ تھی جب دیر سے تب کیا تھا اے شیخ | ہم حرم میں بھی رہے تو ترے داماد رہے
دور اتنی تو نہیں شامِ اجل دوری میں | تا سحر ایسی ہی جو زاری و فریاد رہے

سر تو کٹوا ہی چکے میر تڑپنے سے تو بچیں
جو ٹک اک پاؤں رکھے چھاتی پہ جلاد رہے

۴۷۹

جب رونے بیٹھتا ہوں تب کیا کسر رہے ہے | رومال دو دو دن تک جوں ابرِ تر رہے ہے
۳۶۳۰ آہِ سحر کی میری برچھی کے وسوسے سے | خورشید کے منھ اوپر اکثر سپر رہے ہے
آگہ تو رہیے اس کی طرزِ رہ و روش سے | آنے میں اس کے لیکن کس کو خبر رہے ہے
ان روزوں اتنی غفلت اچھی نہیں ادھر سے | اب اضطراب ہم کو دو دو پہر رہے ہے
آبِ حیات کی سی ساری روش ہے اس کی | پر جب وہ اٹھ چلے ہے ایک آدھ مر رہے ہے
تلوار اب لگا ہے بے ڈول پاس رکھنے | خون آج کل کسو کا وہ شوخ کر رہے ہے

ڈرے ہے کبھو جو آتے دیکھا ہے میں نے اُس کو — تب سے اِدھر ہی اکثر میری نظر رہے ہے ۳۶۳۵

آخر کہاں تلک ہم اک روز ہو چکیں گے — برسوں سے وعدۂ شب ہر صبح پر رہے ہے

میرؔ اب بہار آئی صحرا میں چل جنوں کر!

کوئی بھی فصلِ گُل میں نادان گھر رہے ہے

## ۴۸۰

نالے کا آج دل سے پھر لب تلک گزر ہے — ٹک گوش رکھیو ایدھر ساتھ اس کے کچھ خبر ہے

اے حبِ جاہ والو! جو آج تاجور ہے — کل اُس کو دیکھیو تم نے تاج ہے نہ سر ہے

اب کی ہوائے گل میں سیرابی ہے نہایت — جوئے چمن پہ سبزہ مژگانِ چشمِ تر ہے ۳۶۴۰

اے ہم صفیر! بے گُل کس کو دماغِ نالہ — مدت ہوئی ہماری منقار زیرِ پر ہے

شمعِ اخیرِ شب ہوں سُن سرگزشت میری — پھر صبح ہوتے تک تو قصہ ہی مختصر ہے

اب رحم پر اسی کے موقوف ہے کہ یاں تو — نے اشک میں سرایت نے آہ میں اثر ہے

تو ہی زمام اپنی ناقے تڑا کہ مجنوں — مُدت سے نقشِ پا کے مانند راہ پر ہے

ہم مستِ عشق واعظ! بے ہیچ بھی نہیں ہیں — غافل جو بے خبر ہیں کچھ اُن کو بھی خبر ہے ۳۶۴۵

اب پھر ہمارا اُس کا محشر میں ماجرا ہے — دیکھیں تو اس جگہ کیا انصافِ دادگر ہے

آفت رسیدہ ہم کیا سر کھینچیں اس چمن میں — جوں نخلِ خشک ہم کو نے سایہ نے ثمر ہے

کر میرؔ اس زمیں میں اور اک غزل تو موزوں

ہے حرف زن قلم بھی اب طبع بھی ادھر ہے

## ۴۸۱

ڈھونڈھا نہ پایئے جو اس وقت میں سو زر ہے — پھر چاہ جس کی مطلق ہے ہی نہیں ہُنر ہے

ہر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یاں — یہ کارگاہ ساری دُکانِ شیشہ گر ہے ۳۶۵۰

ڈھایا جنوں نے اس کو ان پر خرابی آئی — جانا گیا اسی سے دل بھی کسو کا گھر ہے

تجھ بن شکیب کب تک بے فائدہ ہوں نالاں — مجھ نالہ کش کے تو اے فریاد رس کدھر ہے

صید افگنو ہمارے دل کو جگر کو دیکھو — اک تیر کا ہدف ہے اک تیغ کا سپر ہے

اہلِ زمانہ رہتے اک طور پر نہیں ہیں — ہر آن مرتبے سے اپنے انہیں سفر ہے

۲۶۵۵ کافی ہے مہر قاتل محضر پہ خوں کے میرے
پھر جس جگہ یہ جاوے اس جا ہی معتبر ہے

تیری گلی سے بچ کر کیوں مہر و مہ نہ نکلیں
ہر کوئی جانتا ہے اس راہ میں خطر ہے

وے دن گئے کہ آنسو روتے تھے میر اب تو
آنکھوں میں لخت دل ہے یا پارۂ جگر ہے

۴۸۲

شب شمع پر پتنگ کے آنے کو عشق ہے
اس دل جلے کے تاب کے لانے کو عشق ہے

سر مار مار سنگ سے مردانہ جی دیا
فرہاد کے جہان سے جانے کو عشق ہے

۲۶۶۰ اٹھیو سمجھ کے جا سے کہ مانندِ گرد باد
آوارگی سے تیری زمانے کو عشق ہے

بس اے سپہر اسی سے تیری تو روز و شب
یاں غم ستانے کو ہے جلانے کو عشق ہے

بیٹھی جو تیغِ یار تو سب تجھ کو کھا گئی
اے سینے! تیرے زخم اٹھانے کو عشق ہے

اِک دم میں تو نے پھونک دیا دو جہاں کے تئیں
اے عشق تیرے آگ لگانے کو عشق ہے

سودا ہو تب ہو میر کو تو کریے کچھ علاج
اس تیرے دیکھنے کے دِوانے کو عشق ہے

۴۸۳

۲۶۶۵ جب سے اُس بے وفا نے بال رکھے
صید بندوں نے جال ڈال رکھے

ہاتھ کیا آوے وہ کمر ہے ہیچ
یوں کوئی جی میں کچھ خیال رکھے

رہروِ راہ خوفناکِ عشق
چاہیے پاؤں کو سنبھال رکھے

پہنچے ہر اک نہ درد کو میرے
وہ ہی جانے جو ایسا حال رکھے

ایسے زر دوست ہو تو خیر ہے اب
ملیے اُس سے جو کوئی مال رکھے

۲۶۷۰ بحث ہے ناقصوں سے کاش فلک
مجھ کو اس زمرے سے نکال رکھے

سمجھے اندازِ شعر کو میرے
میر کا سا اگر کمال رکھے

۴۸۴

یاں جو وہ نونہال آتا ہے
جی میں کیا کیا خیال آتا ہے

اس کے چلنے کی آن کا بے حال | مدتوں میں بحال آتا ہے
پر تو گزرا قفس ہی میں دیکھیں | اب کی کیسا یہ سال آتا ہے
شیخ کی تو نماز پر مت جا | بوجھ سر کا سا ڈال آتا ہے ۳۶۷۵

آرسی کے بھی گھر میں شرم سے میرؔ
کم ہی وہ بے مثال آتا ہے

۴۸۵

پیری میں کیا جوانی کے موسم کو روئیے | اب صبح ہونے آئی ہے اک دم تو سوئیے
رخسار اس کے ہائے رے جب دیکھتے ہیں ہم | آتا ہے جی میں آنکھوں کو ان میں گڑو دیئے
اخلاص دل سے چاہئے سجدہ نماز میں | بے فائدہ ہے ورنہ جو یوں وقت کھوئیے
کس طور آنسوؤں میں نہاتے ہیں غم کشاں | اس آبِ گرم میں تو نہ انگلی ڈبوئیے ۳۶۸۰
مطلب کو تو پہنچتے نہیں اندھے کے سے طور | ہم مارتے پھرے ہیں یونہیں پتے ٹوئیے
اب جان جسم خاکی سے تنگ آ گئی بہت | کب تک اس ایک ٹوکری مٹی کو ڈھوئیے

آلودہ اُس گلی کی جو ہوں خاک سے تو میرؔ
آبِ حیات سے بھی نہ وے پانو دھوئیے

۴۸۶

شب گئے تھے باغ میں ہم ظلم کے مارے ہوئے | جان کو اپنی گلِ مہتاب انگارے ہوئے
گور پر میری پس از مدت قدم رنجہ کیا | خاک میں مجھ کو ملا کر مہرباں بارے ہوئے ۳۶۸۵
آستینیں رکھتے رکھتے دیدۂ خونبار پر | حلقِ بسمل کی طرح لوہو کے فوارے ہوئے
وعدے ہیں سارے غلاف حرف ہیں یکسر فریب | تم لڑکپن میں کہاں سے ایسے عیارے ہوئے
پھرتے پھرتے عاقبت آنکھیں ہماری مند گئیں | سو گئے بیہوش تھے ہم راہ کے ہارے ہوئے
پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ | اُن سے بھی تو پوچھتے تم اتنے کیوں پیارے ہوئے
تم جو ہم سے مل چلے ٹک رشک سب کرنے لگے | مہرباں جتنے تھے اپنے مدعی سارے ہوئے ۳۶۹۰
آج میرے خون پر اصرار ہر دم ہے تمھیں | آئے ہو کیا جانیے تم کس کے سنکارے ہوئے
لیتے کروٹ ہل گئے جو کان کے موتی ترے | شرم سے سر در گریباں صبح کے تارے ہوئے

استخواں ہی رہ گئے تھے یاں دم خوں ریز میر
دانتے پڑ کر نیمچے اس شوخ کے آرے ہوئے

## ۴۸۷

کرے کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے — زمیں سخت ہے آسماں دور ہے

۳۶۹۵ جرس راہ میں جملہ تن شور ہے — مگر قافلے سے کوئی دور ہے

تمنائے دل کے لیے جان دی — سلیقہ ہمارا تو مشہور ہے

نہ ہو کس طرح فکر انجام کار — بھروسا ہے جس پر سو مغرور ہے

پلک کی سیاہی میں ہے وہ نگاہ — کسو کا مگر خون منظور ہے

دل اپنا نہایت ہے نازک مزاج — گرا گر یہ شیشہ تو پھر چور ہے

۳۷۰۰ کہیں جو تسلی ہوا ہو یہ دل — وہی بے قراری بدستور ہے

نہ دیکھا کہ لوہو تھنبا ہو کبھو — مگر چشم خوں بار ناسور ہے

تنک گرم تو سنگ ریزے کو دیکھا — نہاں اس میں بھی شعلہ طور ہے

بہت سعی کریے تو مر رہیے میر
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

## ۴۸۸

اب میر جی تو اچھے زندیق ہی بن بیٹھے — پیشانی پہ دے قشقہ زنار پہن بیٹھے

۳۷۰۵ آزردہ دل الفت ہم چپکے ہی بہتر ہیں — سب رو اٹھے گی مجلس جو کر کے سخن بیٹھے

عریاں پھریں کب تک اے کاش کہیں آکر — تہ گرد بیاباں کی بالائے بدن بیٹھے

پیکان خدنگ اس کا یوں سینے کے اودھر ہے — جوں مار سیہ کوئی کاڑھے ہوئے پھن بیٹھے

جز خط کے خیال اس کے کچھ کام نہیں ہم کو — سبزی پیئے ہم اکثر رہتے ہیں مگن بیٹھے

شمشیر ستم اس کی اب گو کہ چلے ہر دم — شوریدہ سر اپنے سے ہم باندھ کفن بیٹھے

بس ہو تو ادھر اودھر یوں پھرنے نہ دیں تجھ کو
۳۷۱۰ ناچار ترے ہم یہ دیکھیں ہیں چلن بیٹھے

## ۴۸۹

نہ تنہا داغ تو سینے پہ میرے اک چمن نکلے — ہر اک لخت جگر کے ساتھ سو زخم کہن نکلے

گماں کب تھا یہ پروانے پر اتنا شمع روئے گی — کہ مجلس میں سے جس کے اشک کے بھر بھر لگن نکلے

کہاں تک ناز برداری کروں شام غریباں کی — کہیں گردِ سفر سے جلد بھی صبحِ وطن نکلے

جنوں ان شورشوں پر ہاتھ کی چالاکیاں ایسی — میں ضامن ہوں اگر ثابت بدن سے پیرہن نکلے

حرم میں میر جتنا بُت پرستی پر ہے تو مائل
خدا ہی ہو تو اتنا بُت کدے میں برہمن نکلے ۳۷۱۵

## ۴۹۰

قصد گر امتحان ہے پیارے — اب تلک نیم جان ہے پیارے

سجدہ کرنے میں سر کٹیں ہیں جہاں — سو ترا آستان ہے پیارے

گفتگو ریختے میں ہم سے نہ کر — یہ ہماری زبان ہے پیارے

کام میں قتل کے مرے تن دے — اب تلک مجھ میں جان ہے پیارے

چھوڑ جاتے ہیں دل کو تیرے پاس — یہ ہمارا نشان ہے پیارے ۳۷۲۰

شکلیں کیا کیا کیاں ہیں جن نے خاک — یہ وہی آسمان ہے پیارے

قطعہ

جا چکا دل تو یہ یقینی ہے — کیا اب اس کا بیان ہے پیارے

پر تبسم کے کرنے سے تیرے — کنجِ لب پر گمان ہے پیارے

میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

## ۴۹۱

کل وعدہ گاہ میں سے جوں توں کے ہم کو لائے — ہونٹوں پہ جان آئی پر آہ وے نہ آئے ۳۷۲۵

زخموں پہ زخم جھیلے داغوں پہ داغ کھائے — یک قطرہ خونِ دل نے کیا کیا ستم اٹھائے

اس کی طرف کو ہم نے جب نامہ بر چلائے — ان کا نشاں نہ پایا خط راہ میں سے پائے

خوں بستہ جب تلک تھیں دریا رکے کھڑے تھے — آنسو گرے کروڑوں پلکوں کے ٹک ہلائے

اس جنگ جو کے زخمی اچھے نہ ہوتے دیکھے — گل جب چمن میں آئے وے زخم سب دکھائے

بڑھتیں نہیں پلک سے تا ہم تلک بھی پہنچیں — پھرتی ہیں وے نگاہیں پلکوں کے سائے سائے ۳۷۳۰

پر کی بہار میں جو محبوب جلوہ گر تھے — سو گردشِ فلک نے سب خاک میں ملائے

ہر قطعۂ چمن پر ٹک گاڑ کر نظر کر — بگڑیں ہزار شکلیں تب پھول یہ بنائے

یک حرف کی بھی مہلت ہم کو نہ دی اجل نے — تھا جی میں آہ کیا کیا پر کچھ نہ کہنے پائے

چھاتی سراہ اُن کی پائیز میں جنھوں نے — خار و خس چمن سے ناچار دل لگائے

۲۷۳۵ آگے بھی تجھ سے تھا یاں تصویر کا سا عالم — بیدردیِ فلک نے وے نقش سب مٹائے

مُدت ہوئی تھی بیٹھے جوش و خروش دل کو — ٹھوکر نے اُس نگہ کی آشوب پھر اُٹھائے

اعجازِ عشق ہی سے جیتے رہے وگرنہ — کیا حوصلہ کہ جس میں آزار یہ سمائے

دل گرمیاں اُنھوں کی غیروں سے جب تب تھیں — مجلس میں جب گئے ہم غیرت نے جی جلائے

جیتے تو میرؔ ہر شب اس طرز عمر گذری
پھر گور پر ہماری بے شمع گو کہ آئے

## ۴۹۲

۲۷۴۰ قبرِ عاشق پر مقرر روز آنا کیجیے — جو گیا ہو جان سے اس کو بھی جانا کیجیے

رات دارو پیجیے غیروں میں بے لیت و لعل — یاں سحر سر دُکھنے کا ہم سے بہانا کیجیے

ٹک تمھارے ہونٹھ کے ہلنے سے یاں ہوتا ہے کام — اتنی اُتنی بات جو ہووے تو مانا کیجیے

گوشۂ چشم بتاں یا کنج لب اس وقت میں — جا کہیں ہو تو دِل اپنے کا ٹھکانا کیجیے

سیکھنے غیروں کے ہاں چھپ چھپ کے علم تیر پھر — سارے عالم میں ہمارے تئیں نشانا کیجیے

۲۷۴۵ رفتہ رفتہ قاصدوں کو رفتگی اس سے ہوئی — جی میں ہے اب کی مقرر اپنا جانا کیجیے

نکلے ہے آنکھوں سے تو گرد کدورت جائے اشک — تا کُجا تیری گلی میں خاک چھانا کیجیے

آبشار آنے لگے آنسو کے پلکوں سے تو میرؔ
کب تلک یہ آب چادر مُنھ پہ تانا کیجیے

## ۴۹۳

مہوشاں پوچھیں نہ ٹک ہجراں میں گر مر جائیے — اب کہو اس شہرِ ناپُرساں سے کیدھر جائیے

کام دل کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں کیونکر بنے — آئیے تا چند نا اُمید پھر کر جائیے

۲۷۵۰ مُضطرب اس آستاں سے اٹھ کے کچھ پایا نہ رو — مُنھ رہا ہے کیا جو پھر اب اس کے در پر جائیے

بعدِ طوفِ قیس ہو جیے زائرِ فرہاد بھی — دشت سے اُٹھیے تو کوہوں میں مُقرر جائیے

شوق تھا جو یار کے کوچے ہمیں لایا تھا میر
پاؤں میں طاقت کہاں اتنی کہ اب گھر جائیے

## ۴۹۴

غالب کہ یہ دل خستہ شب ہجر میں مر جائے
یہ رات نہیں وہ جو کہانی میں گذر جائے

ہے طرفہ مفتن نگہ اس آئینہ رو کی
اک پل میں کرے سیکڑوں خوں اور مکر جائے

نے بت کدہ ہے منزل مقصود نہ کعبہ
جو کوئی تلاشی ہو ترا آہ کدھر جائے ۲۷۵۵

ہر صبح تو خورشید ترے منھ پہ چڑھے ہے
ایسا نہ ہو یہ سادہ کہیں جی سے اتر جائے

یاقوت کوئی ان کو کہے ہے کوئی گل برگ
ٹک ہونٹھ ہلا تو بھی کہ اک بات ٹھہر جائے

ہم تازہ شہیدوں کو نہ آ دیکھنے نازاں
دامن کی تری زہ کہیں لوہو میں نہ بھر جائے

گر یے کو مرے دیکھ ٹک اک شہر کے باہر
اک سطح ہے پانی کا جہاں تک کہ نظر جائے

مت بیٹھ بہت عشق کے آزردہ دلوں میں
نالہ کسو مظلوم کا تاثیر نہ کر جائے ۲۷۶۰

اس ورطے سے تختہ جو کوئی پہنچے کنارے
تو میر وطن میرے بھی شاید یہ خبر جائے

## ۴۹۵

ہم نے جانا تھا سخن ہوں گے زباں پر کتنے
پر قلم ہاتھ جو آئی لکھے دفتر کتنے

میں نے اس قطعۂ صناع سے سر کھینچا ہے
کہ ہر اک کوچے میں جس کے تھے ہنرور کتنے

کشور عشق کو آباد نہ دیکھا ہم نے
ہر گلی کوچے میں اوجڑ پڑے تھے گھر کتنے

آہ نکلی ہے یہ کس کی ہوس سیر بہار
آتے ہیں باغ میں آوارہ ہوئے پر کتنے ۲۷۶۵

دیکھیو پنجۂ مژگاں کی ٹک آتش دستی
ہر سحر خاک میں ملتے ہیں در تر کتنے

کب تلک یہ دل صد پارہ نظر میں رکھیے
اس پر آنکھیں ہی سیے رہتے ہیں دلبر کتنے

عمر گذری کہ نہیں دودۂ آدم سے کوئی
جس طرف دیکھیے عرصے میں ہیں اب خر کتنے

تو ہے بیچارہ گدا میر ترا کیا مذکور
مل گئے خاک میں یاں صاحب افسر کتنے

## ۴۹۶

آہ جس وقت سر اٹھاتی ہے
عرش پر برچھیاں چلاتی ہے ۲۷۷۰

نازبردارِ لب ہے جاں جب سے
تیرے خط کی شمبر کو پاتی ہے

اے شبِ ہجر راست کہہ تجھ کو
بات کچھ صبح کی بھی آتی ہے

چشمِ بد دور چشمِ تر اے میرؔ
آنکھیں طوفان کو دکھاتی ہے

## ۴۹۷

طاقت نہیں ہے دل میں نے جی بجا رہا ہے
کیا نازکر رہے ہو اب ہم میں کیا رہا ہے

۳۷۷۵ جیب اور آستیں سے رونے کا کام گذرا
سارا نچوڑ اب تو دامن پر آ رہا ہے

اب چیت گر نہیں کچھ تازہ ہوا ہوں بیکل
آیا ہوں جب بخود میں جی اس میں جا رہا ہے

کاہے کا پاس اب تو رسوائی دُور پہنچی
رازِ محبت اپنا کس سے چھپا رہا ہے

گردِ رہ اُس کی یارب کس اور سے اُٹھے گی
سَو سو غزال ہر سُو آنکھیں لگا رہا ہے

بندے سے تو طرحدار دیں طرح کش تمھارے
پھر چاہتے ہو کیا تم اب اک خدا رہا ہے

۳۷۸۰ دیکھ اس دہن کو ہر دم اے آرسی کہ یوں ہی
خوبی کا در کسو کے منہ پر بھی وا رہا ہے

وے لطف کی نگاہیں پہلے فریب ہیں سب
کس سے وہ بے مروّت پھر آشنا رہا ہے

اتنا خزاں کرے ہے کب زرد رنگ پریاں
تو بھی کسو نگہ سے اے گُل جدا رہا ہے

رہتے ہیں داغ اکثر نان و نمک کی خاطر
جینے کا اس سمیں میں اب کیا مزا رہا ہے

اب چاہتا نہیں ہے بوسہ جو تیرے لب سے
جینے سے میرؔ شاید کچھ دِل اُٹھا رہا ہے

## ۴۹۸

۳۷۸۵ تڑپنا بھی دیکھا نہ بسمل کا اپنے
میں کشتہ ہوں انداز قاتل کا اپنے

نہ پوچھو کہ احوال ناگفتہ بہ ہے
مصیبت کے مارے ہوئے دل کا اپنے

دِل زخم خوردہ کے اور اک لگائی
مداوا کیا خوب گھائل کا اپنے

ٹک ابرو کو میری طرف کیجے مائل
کبھو دل بھی رکھ لیجے مائل کا اپنے

ہُما دفترِ قیس آخر ابھی یاں
سخن ہے جنوں کے اوائل کا اپنے

۳۷۹۰ بنائیں رکھیں میں نے عالم میں کیا کیا
ہوں بندہ خیالاتِ باطل کا اپنے

مقامِ فنا واقعے میں جو دیکھا
اثر بھی نہ تھا گورِ منزل کا اپنے

## ۴۹۹

جب تک کہ ترا گذر نہ ہووے — جلوہ مری گور پر نہ ہووے
لے تیغ و سپر کو تو جدھر ہو — خورشید کا مُنھ اُدھر نہ ہووے
رونے کی ہے جا کہ آہ کریے — پھر دل میں ترے اثر نہ ہووے
بیمار رہے ہیں اس کی آنکھیں — دیکھو کسو کی نظر نہ ہووے ۳۷۹۵
رُکتی نہیں تیغ نالہ ہرگز — جب تک کہ جگر سپر نہ ہووے
کر بے خبر اک نگہ سے ساقی — لیکن کسو کو خبر نہ ہووے
خستے ترے موے عنبریں کے — کیونکر جیتیں صبر گر نہ ہووے

رکھ دیکھ کے راہ عشق میں پا
یاں میر کسو کا سر نہ ہووے

## ۵۰۰

رات گزرے ہے مجھے نزع میں روتے روتے — آنکھیں پھر جائیں گی اب صبح کے ہوتے ہوتے ۳۸۰۰
کھول کر آنکھ اُڑا دید جہاں کا غافل — خواب ہو جائے گا پھر جاگنا سوتے سوتے

جم گیا خوں کفِ قاتل پہ ترا میر زبس
اُن نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوتے دھوتے

## ۵۰۱

یعقوب کے نہ کلبۂ احزاں تلک گئے — سو کاروانِ مصر سے کنعاں تلک گئے
بارے نسیمِ ضعف سے کل ہم اسیر بھی — سناہٹے میں جی کے گلستاں تلک گئے
رہنے نہ دیں گے دشت میں مجنوں کو چین سے — گر ہم جنوں کے مارے بیاباں تلک گئے ۳۸۰۵
کو موسمِ شباب کہاں گل کسے دماغ — بلبل وہ چہچہے انھیں یاراں تلک گئے
کچھ آبلے دیے تھے رہ آوردِ عشق نے — سو رفتہ رفتہ خارِ مغیلاں تلک گئے
پھاڑا تھا جیب پی کے مئے شوق میں نے میر — مستانہ چاک لوٹتے داماں تلک گئے

## ۵۰۲

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے
اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے

۲۸۱۰ ہوتا نہیں ہے اُس لبِ نوخط پہ کوئی سبز
عیسیٰ و خضر کیا سبھی یک بار مر گئے

یوں کانوں کان گل نے نہ جانا چمن میں آہ
سر کو پٹک کے ہم پسِ دیوار مر گئے

صد کاروان وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاعِ دل کے خریدار مر گئے

مجنوں نہ دشت میں ہے نہ فرہاد کوہ میں
تھا جن سے لطفِ زندگی وے یار مر گئے

افسوس وے شہید کہ جو قتل گاہ میں
لگتے ہی اُس کے ہاتھ کی تلوار مر گئے

۲۸۱۵ تجھ سے دوچار ہونے کی حسرت کے مبتلا
جب جی ہوئے وبال تو ناچار مر گئے

گھبرا نہ میرؔ عشق میں اس سہل زیست پر
جب بس چلا نہ کچھ تو مرے یار مر گئے

## ۵۰۳

تمام اس کے قد میں سناں کی طرح ہے
رنگیلی نپٹ اس جواں کی طرح ہے

بُرے ہونا احوال کو سن کے میرے
بھلا تو ہی کہہ یہ کہاں کی طرح ہے

اُڑی خاک گاہے رہی گاہ ویراں (قطعہ)
خراب و پریشاں یہاں کی طرح ہے

تعلق کرو میرؔ اس پر جو چاہو
۲۸۲۰ مری جان یہ کچھ جہاں کی طرح ہے

## ۵۰۴

محمل کے ساتھ اس کے بہت شور میں کیے
نالوں نے میرے ہوش جرس کے اڑا دیے

فصّادِ خوں فساد پہ ہے مجھ سے ان دنوں
نشتر نہ تو لگا دے تو میرا لہو پیے

صوتِ جرس کی طرز بیاباں میں ہائے میرؔ
تنہا چلا ہوں میں دلِ پُر شور کو لیے

## ۵۰۵

کہاں تک غیر جاسوسی کے لینے کو لگا آوے
الٰہی اس بلا سے ناگہاں پر بھی بلا آوے

۲۸۲۵ رکا جاتا ہے جی اندر ہی اندر آج گرمی سے
بلا سے چاک ہی ہو جاوے سینہ ٹک ہوا آوے

ترا آنا ہی اب مرکوز ہے ہم کو دمِ آخر — یہ جی صدقے کیا تھا پھر نہ آوے تن میں یا آوے

یہ رسمِ آمد و رفتِ دیارِ عشق تازہ ہے — ہنسی وہ جائے میری اور رونا یوں چلا آوے

اسیری نے چمن سے میری دل گرمی کو دھو ڈالا — وگرنہ برق جا کر آشیاں میرا جلا آوے

امید رحم اُن سے سخت نافہمی ہے عاشق کی — یہ بُت سنگیں دلی اپنی نہ چھوڑیں گر خدا آوے

یہ فنِ عشق ہے آوے اُسے طینت میں جس کی ہو — تو زاہد پیر نابالغ ہے بے تہ تجھ کو کیا آوے ۳۸۳۰

ہمارے دل میں آنے سے تکلف غم کو بیجا ہے — یہ دولت خانہ ہے اُس کا وہ جب چاہے چلا آوے

برنگِ بوئے غنچہ عمر اک ہی رنگ میں گذرے
میسر میرؔ صاحب گر دلِ بے مدعا آوے

## ۵۰۶

گو سنگ اس کو آوے ہے عاشق کے نام سے — ہے میرؔ کام میرے تئیں اپنے کام سے

دُردِ صفر ہی خوب ہیں جس میں صاف مے — کیا مے کشوں کو اوّل ماہِ صیام سے

پڑھتے نہیں نماز جنازے پر اُس کے میرؔ ۳۸۳۵
دل میں غبار جس کے ہو خاکِ امام سے

## ۵۰۷

اچنبھا ہے اگر چپکا رہوں مجھ پر عتاب آوے — وگر قصہ کہوں اپنا تو سنتے اُس کو خواب آوے

بھرا ہے دل مرا جامِ لبالب کی طرح ساقی — گلے تک خوب رووں میں جو مینا سے شراب آوے

بغل پروردۂ طوفاں ہوں میں یہ موج ہے میری — بیاباں میں اگر رووں تو شہروں میں بھی آب آوے

لپیٹا ہے دلِ سوزاں کو اپنے میرؔ نے خط میں
الٰہی نامہ بر کو اُس کے لے جانے کی تاب آوے

## ۵۰۸

حصولِ کام کا دل خواہ یاں ہوا بھی ہے — سماجت اتنی بھی سب سے کوئی خدا بھی ہے ۳۸۴۰

مؤئے ہی جاتے ہیں ہم دردِ عشق سے یارو — کسو کے پاس اس آزار کی دوا بھی ہے

اُداسیاں تھیں مری خانقہ میں قابلِ سیر — صنم کدے میں تو ٹک آ کے دل لگا بھی ہے

یہ کہیے کیونکہ کہ خوباں سے کچھ نہیں مطلب — لگے جو پھرتے ہیں ہم کچھ تو مدعا بھی ہے

ترا ہے وہم کہ میں اپنے پیرہن میں ہوں — نگاہ غور سے کر مجھ میں کچھ رہا بھی ہے

جو کھولوں سینۂ مجروح تو نمک چھڑکے — جراحت اس کو دکھانے کا کچھ مزا بھی ہے

کہاں تلک شب و روز آہ دردِ دل کہیے — ہر ایک بات کو آخر کچھ انتہا بھی ہے

ہوس تو دل میں ہمارے جگہ کرے لیکن — کہیں ہجوم سے اندوہِ غم کے جا بھی ہے

غم فراق ہے دنبالہ گردِ عیشِ وصال — فقط مزا ہی نہیں عشق میں بلا بھی ہے

قبول کریے تری رہ میں جی کو کھو دینا — جو کچھ بھی پائیے تجھ کو تو آشنا بھی ہے

۳۸۵۰ جگر میں سوزنِ مژگاں کے تئیں کڈھب گڑو — کسو کے زخم کو تو نے کبھو سیا بھی ہے

گذار شہرِ وفا میں سمجھ کے کر مجنوں
کہ اس دیار میں میرؔ شکستہ پا بھی ہے

## ۵۰۹

بس کہ دیوانگیٔ حال میں چالاک ہوئے — سو گریبان مرے ہاتھ سے یاں چاک ہوئے

سر دگر پانو پہ قاتل کے کٹائی گردن — اپنے ذمے سے تو صد شکر کہ ہم پاک ہوئے

پائمالی سے فراغت ہی نہیں میرؔ ہمیں
کوے دلبر میں عبث آن کے ہم خاک ہوئے

## ۵۱۰

۳۸۵۵ صید افگنوں سے ملنے کی تدبیر کریں گے — اس دل کے تئیں پیش کشِ تیر کریں گے

فریادِ اسیرانِ محبت نہیں بے ہیچ — یہ نالے کسو دل میں بھی تاثیر کریں گے

دیوانگی کی شورشیں دکھلائیں گے بلبل — آتی ہے بہار اب ہمیں زنجیر کریں گے

وا اس سے سرِ حرف تو ہو گو کہ یہ سر جائے — ہم حلق بریدہ ہی سے تقریر کریں گے

رسوائی عاشق سے تسلی نہیں خوباں — مر جاوے گا تو نعش کو تشہیر کریں گے

۳۸۶۰ یارب وہ بھی دن ہووے گا جو مصر سے چل کر — کنعاں کی طرف قافلے شب گیر کریں گے

شب دیکھی ہے زلف اس کی بجز دامِ اسیری — کیا یار اب اس خواب کی تعبیر کریں گے

غصے میں تو ہووے گی توجہ تیری ایدھر — ہر کام میں ہم جان کے تقصیر کریں گے

نکلا نہ مناجاتوں سے کام کچھ اپنا — اب کوئی خراباتی جواں پیر کریں گے

بازیچہ نہیں میرؔ کے احوال کا لکھنا
اس قصّے کو ہم کہتے ہی تحریر کریں گے

## ۵۱۱

دل کی طرف کچھ آہ سے دل کا لگاؤ ہے — ٹک آپ بھی تو آئیے یاں زور باؤ ہے ۳۸۶۵

اُٹھتا نہیں ہے ہاتھ ترا تیغ جور سے — ناحق کشی کہاں تئیں یہ کیا سبھاؤ ہے

باغ نظر ہے چشم کے منظر کا سب جہاں — ٹک ٹھہرو یاں تو جانو کہ کیسا دکھاؤ ہے

تقریب ہم نے ڈالی ہے اُس سے جوئے کی اب — جو بن پڑے ہے ٹک تو ہمارا ہی داؤ ہے

ٹپکا کرے ہے آنکھ سے لوہو ہی روز و شب — چہرے پہ میرے چشم ہے یا کوئی گھاؤ ہے

ضبطِ سرشکِ خونیں سے جی کیونکہ شاد ہو — اب دل کی طرف لوہو کا سارا بہاؤ ہے ۳۸۷۰

اب سب کے روزگار کی صورت بگڑ گئی — لاکھوں میں ایک دو کا کہیں کچھ بناؤ ہے

چھاتی کے میری سارے نمودار ہیں یہ زخم — پردہ رہا ہے کون سا اب کیا چھپاؤ ہے

عاشق کہیں جو ہو گے تو جانو گے قدرِ میرؔ
اب تو کسی کے چاہنے کا تم کو چاؤ ہے

## ۵۱۲

جہاں میں روز ہے آشوب اس کی قامت سے — اُٹھے ہے فتنہ ہر اک شوخ تر قیامت سے

مُوا ہوں ہو کے دلِ افسردہ رنجِ کلفت سے — اُگے ہے سبزۂ پژمردہ میری تربت سے ۳۸۷۵

جہاں ملے تہاں کافر ہی ہونا پڑتا ہے — خدا پناہ میں رکھے بتوں کی صحبت سے

تسلّی اُن نے نہ کی ایک دو سخن سے کبھو — جو کوئی بات کہی بھی تو آدھی لکنت سے

پلک کے مارتے ہم تو نظر نہیں آتے — سخن کرو ہو عبث تم ہماری فرصت سے

امیر زادوں سے دلّی کے مل نہ تا مقدور — کہ ہم فقیر ہوئے ہیں اُنھیں کی دولت سے

یہ جہل دیکھ کہ ان سمجھے میں اُٹھا لایا — گراں وہ بار جو تھا بیش اپنی طاقت سے ۳۸۸۰

رہا نہ ہوگا بخود صانعِ ازل بھی تب — بنایا ہوگا جب اس منھ کو دستِ قدرت سے

وہ آنکھیں پھیرے ہی لیتا ہے دیکھتے کیا ہو — معاملت ہے ہمیں دل کی بے مروّت سے

جو سوچے ٹک تو وہ مطلوب ہم ہی نکلے میرؔ — خراب پھرتے تھے جس کی طلب میں مدّت سے

## ۵۱۳

رمق ایک جانِ وبال ہے کوئی دم جو ہے تو عذاب ہے
دلِ داغ گشتہ کباب ہے جگرِ گداختہ آب ہے

۳۸۸۵ مری خلق محوِ کلام سب مجھے چھوڑتے ہیں خموش کب
مرا حرف رشکِ کتاب ہے، مری بات لکھنے کا باب ہے

جو وہ لکھتا کچھ بھی تو نامہ بر کوئی رہتی منہ میں ترے نہاں
تری خامشی سے یہ نکلے ہے کہ جوابِ خط کا جواب ہے

رہے حالِ دل کا جو ایک سا تو رجوع کرتے کہیں بھلا
سو تو یہ کبھو ہمہ داغ ہے کبھو نیم سوز کباب ہے

کہیں گے کہو تمھیں لوگ کیا یہی آرسی یہی تم سدا
نہ کسو کی تم کو ہے ٹک حیا نہ ہمارے منہ سے حجاب ہے

چلو مے کدے میں بسر کریں کہ رہی ہے کچھ برکت وہیں
لبِ ناں تو واں کا کباب ہے، دمِ آب واں کا شراب ہے

۳۸۹۰ نہیں کھلتیں آنکھیں تمھاری ٹک کہ مآل پر بھی نظر کرو
یہ جو وہم کی سی نمود ہے اسے خوب دیکھو تو خواب ہے

گئے وقت آتے ہیں ہاتھ کب ہوئے ہیں گنوا کے خراب سب
تجھے کرنا ہووے سو کر تو اب کہ یہ عمر برق شتاب ہے

کبھو لطف سے نہ سخن کیا کبھو بات کہہ نہ لگا لیا
یہی لحظہ لحظہ خطاب ہے وہی لحظہ لحظہ عتاب ہے

تو جہاں کے بحرِ عمیق میں سرِ پُر ہوا نہ بلند کر
کہ یہ پنج روزہ جو بود ہے کسو موج پر کا حباب ہے

رکھو آرزوئے خام کی کرو گفتگو خطِ جام کی
کہ سیاہ کاروں سے حشر میں نہ حساب ہے نہ کتاب ہے

مرا شور سن کے جو لوگوں نے کیا پوچھنا تو کہے ہے کیا
۳۸۹۵
جسے میر کہتے ہیں صاحبو یہ وہی تو خانہ خراب ہے

## ۵۱۴

سینہ ہے چاک جگر پارہ ہے دل سب خوں ہے
تس پہ یہ جان بلب آمدہ بھی محزوں ہے

اس سے آنکھوں کو ملا جی ہیں رہے کیونکر تاب
چشم اعجاز، مژہ سحر، نگہ افسوں ہے

آہ یہ رسمِ وفا ہووے بر افتاد کہیں
اس ستم پر بھی مرا دل اسی کا ممنوں ہے

کبھو اس دشت سے اٹھتا ہے جو ایک ابر تنک
گرد نمناک پریشاں شدۂ مجنوں ہے

۳۹۰۰ کیونکہ بے بادہ لبِ جو پہ چمن میں یہ رہے
عکسِ گل آب میں تکلیفِ مےِ گلگوں ہے

پار بھی ہو نہ کلیجے کے تو پھر کیا بلبل
مصرعِ نالہ جگر کاوی ہے گو موزوں ہے

شہر کتنا جو کوئی ان میں سرِ شک افشاں ہو
روکشِ گریۂ غم حوصلۂ ہاموں ہے

خون ہر ایک زخمِ شوق سے ٹپکے تھا دلے
وہ نہ سمجھا کہ مرے نامے کا کیا مضموں ہے

میر کی بات پہ ہر وقت یہ جھنجھلایا نہ کر
سڑی ہے، خبطی ہے، وہ شیفتہ ہے، مجنوں ہے

کہنا ترے منھ پر تو نپٹ بے ادبی ہے — زاہد جو صفت تجھ میں ہے سو زن جلبی ہے ۲۹۰۵

اس دشت میں اے سیل سنبھل ہی کے قدم رکھ — ہر سمت کو یاں دفن مری تشنہ لبی ہے

ہر اک سے کہا نیند میں پر کوئی نہ سمجھا — شاید کہ مرے حال کا قصہ عربی ہے

عزلت سے نکل شیخ کہ تیرے لیے تیار — کوئی ہفت گزی میخ کوئی دہ وجبی ہے

اے چرخ نہ تو روزِ سیہ میر پہ لانا
بیچارہ وہ اک نعرہ زنِ نیم شبی ہے

۵۱۶

دو سونپ دودِ دل کو میرا کوئی نشاں ہے — ہوں میں چراغِ کشتہ بادِ سحر کہاں ہے ۲۹۱۰

بیٹھا جگر سے اپنے کھینچوں ہوں اُس کے پیکاں — جینے کی اور سے تو خاطر مری نشاں ہے

روشن ہے جل کے مرنا پروانے کا و لیکن — اے شمع کچھ تو کہہ تو تیرے بھی تو زباں ہے

بھڑکے ہے آتشِ گل اے ابرِ تر ترحّم — گوشے میں گلستاں کے میرا بھی آشیاں ہے

ہم زمزمہ تو ہو کے مجھ نالہ کش سے چپ رہ — اے عندلیب گلشن تیرا لب و دہاں ہے

کس دور میں اُٹھایا مجھ سینہ سوختہ کو — پیوند ہو زمیں کا جیسا یہ آسماں ہے ۲۹۱۵

پیرِ مُغاں سعادت تیری جو ایسا آوے
یہ میر مے کشوں میں اک طرز کا جواں ہے

۵۱۷

ہمسایۂ چمن یہ نپٹ زار کون ہے — نالان و مضطرب پسِ دیوار کون ہے

مژگاں بھی پھر گئیں تری بیمار چشم دیکھ — دکھ درد میں سوائے خدا یار کون ہے

نالے جو آج سنتے ہیں سو ہیں جگر خراش — کیا جانیے قفس میں گرفتار کون ہے

آیا نہ آشیانۂ بلبل میں کام بھی — مجھ سا تو خار باغ میں بے کار کون ہے ۲۹۲۰

بازارِ دہر میں ہے عبث میر عرضِ مہر
یاں ایسی جنس کا تو خریدار کون ہے

۵۱۸

مجھ سوز بعد مرگ سے آگاہ کون ہے — شمعِ مزارِ میر بجز آہ کون ہے

بے کس ہوں مضطرب ہوں مسافر ہوں بے وطن — دوری راہ بن مرے ہمراہ کون ہے
لبریز جس کے حسن سے مسجد ہے اور دیر — ایسا بتوں کے بیچ وہ اللہ کون ہے
۲۹۲۵ رکھیو قدم سنبھل کے کہ تو جانتا نہیں — مانند نقش پایہ سر راہ کون ہے

ایسا اسیر خستہ جگر میں سنا نہیں
ہر آہ میر جس کی ہے جاں کاہ کون ہے

دیکھا کروں تجھی کو منظور ہے تو یہ ہے — ۵۱۹ آنکھیں نہ کھولوں تجھ بن مقدور ہے تو یہ ہے
نزدیک تجھ سے سب ہے کیا قتل کیا جلانا — ہم غمزدوں سے ملنا اک دور ہے تو یہ ہے
رونے میں ان کٹیں ہیں آہ و فغاں سے راتیں — گر شغل ہے تو یہ ہے مذکور ہے تو یہ ہے
۲۹۳۰ چاک جگر کو میرے برجا ہے جو کہو تم — گر زخم ہے تو یہ ہے ناسور ہے تو یہ ہے
کہتا ہے کوئی عاشق کوئی کہے ہے خبطی — دنیا سے بھی نرالا رنجور ہے تو یہ ہے

کیا جانوں کیا کسل ہے واقع میں میر کے تئیں
دو چار روز سے جو مشہور ہے تو یہ ہے

کوئی ہوا نہ روکش ٹک میری چشم تر سے — ۵۲۰ کیا کیا نہ ابر آکر یاں زور زور برسے
وحشت سے میری یارو خاطر نہ جمع رکھیو — پھر آوے یا نہ آوے تو پر اٹھا جو گھر سے
اب جوں سرشک ان سے پھرنے کی چشم مت رکھ — جو خاک میں ملے ہیں گر کر تری نظر سے
دیدار خواہ اس کے کم ہوں تو شور کم ہو — ہر صبح اک قیامت اٹھتی ہے اس کے در سے
داغ ایک ہو جلا بھی خوں ایک ہو بہا بھی — اب بحث کیا ہے دل سے کیا گفتگو جگر سے
دل کس طرح نہ کھینچیں اشعار ریختے کے — بہتر کیا ہے میں نے اس عیب کو ہنر سے
انجام کار بلبل دیکھا ہم اپنی آنکھوں — آوارہ تھے چمن میں دو چار ٹوٹے پر سے
بے طاقتی نے دل کی آخر کو مار رکھا — آفت ہمارے جی کی آئی ہمارے گھر سے
دل کش یہ منزل آخر دیکھا تو آہ نکلی — سب یار جا چکے تھے آئے جو ہم سفر سے

آوارہ میر شاید واں خاک ہو گیا ہے
یک گرد اٹھ چلی ہے گاہ اس کی رہگذر سے

وعدہ وعید پیارے کچھ تو قرار ہووے — ۵۲۱ دل کی معاملت ہے کیا کوئی خوار ہووے

فتراک سے نہ باندھے دیکھے نہ تو تڑپنا — کس آرزو پہ کوئی تیرا شکار ہووے

ازبس لہو پیا ہے میں تیرے غم میں گل رو — تربت سے میری شاید حشر بہار ہووے ۳۹۴۵

میں مست مر گیا ہوں کرنا عجب نہ ساقی — گر سنگِ شیشہ میرا سنگِ مزار ہووے

اے غیر میرؔ تجھ کو گر جوتیاں نہ مارے
سیّد نہ ہووے پھر تو کوئی چمار ہووے

۵۲۲

رہی نہ پختگی عالم میں دَورِ خامی ہے — ہزار حیف کمینوں کا چرخ حامی ہے

نہ اُٹھ تو گھر سے اگر چاہتا ہے ہوں مشہور — نگیں جو بیٹھا ہے گڑ کر تو کیسا نامی ہے

ہوئی ہیں فکریں پریشان میرؔ یاروں کی
حواسِ خمسہ کرے جمع سو نظامی ہے ۳۹۵۰

۵۲۳

انجامِ دلِ غم کش کوئی عشق میں کیا جانے — کیا جانیے کیا ہوگا آخر کو خدا جانے

واں آرسی ہے وہ ہے یاں سنگ ہے چھاتی ہے — گذرے ہے جو کچھ ہم پر سو اُس کی بلا جانے

ناصح کو خبر کیا ہے لذّت سے غمِ دل کی — ہے حق بہ طرف اُس کے چکھے تو مزا جانے

میں خطِ جبیں اپنا یارو کسے دکھلاؤں — قسمت کے لکھے کے تئیں یاں کون مٹا جانے

بے طاقتیِ دل نے ہم کو نہ کیا رسوا — ہے عشق سزا اس کو جو کوئی چھپا جانے ۳۹۵۵

اس مرتبہ ناسازی نبھتی ہے دلا کوئی — کچھ خُلق بھی پیدا کر تا خلق بھلا جانے

لے جائے میرؔ اُس کے دروازے کی مٹی بھی
اس دردِ محبّت کی جو کوئی دوا جانے

۵۲۴

ہنستے ہو روتے دیکھ کر غم سے — چھیڑ رکھی ہے تم نے کیا ہم سے

مُند گئی آنکھ ہے اندھیرا پاک — روشنی ہے سو یاں مرے دم سے

تم جو دل خواہِ خلق ہو ہم کو — دشمنی ہے تمام عالم سے ۳۹۶۰

در ہی آ گئی مزاجوں میں، — آخر ان گیسوانِ درہم سے

سب نے جانا کہیں یہ عاشق ہے — بہ گئے اشک دیدۂ نم سے
منت یوں ہاتھ سے نہ کھو ہم کو — کہیں پیدا بھی ہوتے ہیں ہم سے
اکثر آلات جور اس سے ہوئے — قطعہ — آفتیں آئیں اس کے مقدم سے
۳۹۶۵ دیکھو وے پلکیں برچھیاں چلیاں — تیغ نکلی اس ابروئے خم سے
کوئی بیگانہ گر نہیں موجود — قطعہ — منہ چھپانا یہ کیا ہے پھر ہم سے
وجہ پردے کی پوچھیے بارے — ملیے اس کے کسو جو محرم سے

دل پہ ہے خون میر ہی نہ رہو
ہو بھی جاتا ہے جرم آدم سے

## ۵۲۵

نالۂ عجز نقص الفت ہے — رنج و محنت کمال راحت ہے
۳۹۷۰ عشق ہی گریۂ ندامت ہے — ورنہ عاشق کو چشم خفت ہے
تا دم مرگ غم خوشی کا نہیں — دل آزردہ گر سلامت ہے
دل میں ناسور پھر جدھر چلا ہے — ہر طرف کوچۂ جراحت ہے
رونا آتا ہے دم بدم شاید — کسو حسرت کی دل سے رخصت ہے
فتنے رہتے ہیں اس کے سائے میں — قد و قامت ترا قیامت ہے
۳۹۷۵ نہ تجھے رحم نے اسے ٹک صبر — دل پہ میرے عجب مصیبت ہے
تو تو ناداں ہے نپٹ ناصح — قطعہ — کب مؤثر تری نصیحت ہے
دل پہ جب میرے آکے یہ ٹھہرا — کہ مجھے خوش دلی اذیت ہے
رنج و محنت سے باز کیونکہ رہوں — وقت جاتا رہے تو حسرت ہے
کیا ہے پھر کوئی دم کو کیا جانو — دم غنیمت میاں جو فرصت ہے
۳۹۸۰ تیرا شکوہ مجھے نہ میرا تجھے — قطعہ — چاہیے یوں جو فی الحقیقت ہے
تجھ کو مسجد ہے مجھ کو مے خانہ — واعظا! اپنی اپنی قسمت ہے
ایسے ہنس مکھ کو شمع سے تشبیہ — شمع مجلس کی رونی صورت ہے
باطل السحر دیکھ باطل تھے — تیری آنکھوں کا سحر آفت ہے

ابرِ تر کے حضور پھوٹ بہا — دیدۂ تر کو میرے رحمت ہے

کیا ہوا اگر غزل قصیدہ ہوئی — عاقبت توسۂ محبت ہے ۳۹۸۵

تربتِ میر پر ہیں اہلِ سخن — قطعہ — ہر طرف حرف ہے حکایت ہے

تو بھی تقریب فاتحہ سے چل

بخدا واجب الزیارت ہے

## ۵۲۶

پھر اس سے طرح کچھ جو دعوے کی سی ڈالی ہے — کیا تازہ کوئی گل نے اب شاخ نکالی ہے

سچ پوچھو تو کب ہے گا اس کا سا دہن غنچہ — تسکیں کے لیے ہم نے اک بات بنالی ہے

دیہی کو نہ کچھ پوچھو اک بھرت کا ہے گڑوا — ترکیب سے کیا کہیے سانچے میں کی ڈھالی ہے ۳۹۹۰

ہم قدِ خمیدہ سے آغوش ہوئے سارے — پر فائدہ تجھ سے تو آغوش وہ خالی ہے

عزت کی کوئی صورت دکھلائی نہیں دیتی — چپ رہیے تو چشمک ہے کچھ کہیے تو گالی ہے

دو گام کے چلنے میں پامال ہوا عالم — کچھ ساری خدائی سے وہ چال نرالی ہے

ہے گی تو دو سالہ پر ہے دخترِ رز آفت — کیا پیرِ مغاں نے بھی اک چھوکری پالی ہے

خونریزی میں ہم سوں کی جو خاک برابر ہیں — کب سر تو فرو لایا ہمت تری عالی ہے ۳۹۹۵

جب سر چڑھے ہوں ایسے تب عشق کریں سو بھی — جوں توں یہ بلا سر سے فرہاد نے ٹالی ہے

ان منچوں میں زاہد پھر سر زدہ مست آتا — مندیل تری اب کے ہم نے تو بچالی ہے

کیا میر تو روتا ہے پامالیِ دل ہی کو

ان لونڈوں نے تو دلی سب سر پہ اٹھالی ہے

## ۵۲۷

نازِ چمن وہی ہے بلبل سے گو خزاں ہے — ٹہنی جو زرد بھی ہے سو شاخِ زعفراں ہے

گر اس چمن میں وہ بھی اک ہی لبِ دہاں ہے — لیکن سخن کا تجھ سے غنچے کو منہ کہاں ہے ۴۰۰۰

ہنگامِ جلوہ اس کے مشکل ہے ٹھہرے رہنا — چتون ہے دل کی آفت چشمک بلائے جاں ہے

پتھر سے توڑنے کے قابل ہے آرسی تو — پر کیا کریں کہ پیارے منہ تیرا درمیاں ہے

باغ و بہار ہے وہ میں کشتِ زعفراں ہوں — جو لطف اک ادھر ہے تو یاں بھی اک سماں ہے

ہر چند ضبط کریے چھپتا ہے عشق کوئی — گذرے ہے دل پہ جو کچھ چہرے ہی سے عیاں ہے

۴۰۰۵ اس فن میں کوئی بے تہ کیا ہو مرا معارض — اوّل تو میں سند ہوں پھر یہ مری زباں ہے

عالم میں آب و گل کا ٹھہراؤ کس طرح ہو — گر خاک ہے اُڑے ہے ور آب ہے رواں ہے

چرچا رہے گا اس کا تا حشر مے کشاں میں — خونریزی کی ہماری رنگین داستاں ہے

از خویش رفتہ اُس بن رہتا ہے میر اکثر
کرتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

## ۵۲۸

تیرا خرام دیکھے تو جا سے نہ ہل سکے — کیا جی تدرو کا جو ترے آگے چل سکے

۴۰۱۰ اس دل جلے کی تاب کے لانے کو عشق ہے — فانوس کی سی شمع جو پردے میں جل سکے

کہتا ہے کون تجھ کو کہ اے سینہ رک نہ جا — اتنا تو ہو کہ آہ جگر سے نکل سکے

گر دوپہر کو اُس کو نکلنے دے نازکی — حیرت سے آفتاب کی پھر نہ ڈھل سکے

کیا اس غریب کو ہو سر سایۂ ہما — جو اپنی بے دماغی سے مکھی نہ جھل سکے

ہے جائے حیف بزم جہاں مل لے اے پتنگ — اپنے اوپر جو کوئی گھڑی ہاتھ مل سکے

۴۰۱۵ کس کو ہے آرزو نے افاقت فراق میں — ایسا تو ہو کہ کوئی گھڑی جی سنبھل سکے

مت ابر چشم کم سے مری چشم تر کو دیکھ — چشمہ ہے یہ وہ جس سے کہ دریا ابل سکے

کہتا ہے وہ تو ایک کی دس میر کم سخن
اُس کی زباں کے عہدے سے کیونکر نکل سکے

## ۵۲۹

تغییر قافیے سے یہ طرحی غزل کہوں — تا جس میں زور کچھ تو طبیعت کا چل سکے

خورشید تیرے چہرے کے آگو نہ آ سکے — اُس کو جگر بھی شرط ہے جو تاب لا سکے

۴۰۲۰ ہم گرم رو ہیں راہ فنا کے شرر صفت — ایسے نہ جائیں گے کہ کوئی کھوج پا سکے

غافل نہ رہیو آہ ضعیفوں سے سرکشاں — طاقت ہے اُس کو یہ کہ جہاں کو جلا سکے

میرا جو بس چلے تو منادی کیا کروں — تا اب سے دل نہ کوئی کسو سے لگا سکے

تدبیر جیب پارہ نہیں کرتی فائدہ — ناصح جگر کا چاک سلا جو سلا سکے

اس کا کمال چرخ پہ سر کھینچتا نہیں — اپنے تئیں جو خاک میں کوئی ملا سکے
یہ تیغ ہے یہ طشت ہے یہ تو ہے بوالہوس — کھانا تجھے حرام ہے جو زخم کھا سکے ۴۰۲۵
اس رشکِ آفتاب کو دیکھے تو شرم سے — ماہِ فلک نہ شہر میں منھ کو دکھا سکے
کیا دل فریب جائے ہے آفاق ہم نشیں — قطعہ — دو دن کو یاں جو آئے سو برسوں نہ جا سکے
مشعر ہے اس پہ مردنِ دشوارِ رفتگاں — یعنی جہاں سے دل کو نہ آساں اٹھا سکے

بدلوں گا اس غزل کے بھی میں قافیے کو میر
پھر فکر گو نہ عہدے سے اس کے بر آسکے

## ۵۳۰

کیا غم میں ویسے خاک فتادہ سے ہو سکے — دامن پکڑ کے یار کا جو ٹک نہ رو سکے ۴۰۳۰
ہم ساری ساری رات رہے گریہ ناک لیک — مانندِ شمع داغ جگر کا نہ دھو سکے
رونا تو ابر کا سا نہیں یار جانتے — اتنا تو روئیے کہ جہاں کو ڈبو سکے
برسوں ہی منتظر سرِ رہ پر ہمیں ہوئے — اس قسم کا تو صبر کسو سے نہ ہو سکے

رہتی ہے ساری رات مرے دم سے چہل میر
نالہ رہے تو کوئی محلے میں سو سکے

## ۵۳۱

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گذر گئے — بس اے تبِ فراق کہ گرمی میں مر گئے ۴۰۳۵
منزل نہ کر جہاں کو کہ ہم نے سفر سے آہ — جن کا کیا سراغ سنا وے گذر گئے
مشتِ نمک سے بھی تو کبھو یاد کر ہمیں — اب داغ کھاتے کھاتے فلک جی تو بھر گئے
ناصح نہ روویں کیونکہ محبت کے جی کو ہم — اے خانماں خراب ہمارے تو گھر گئے
تلوار آپ کھینچیے حاضر ہے یاں بھی سر — بس عاشقی کی ہم نے جو مرنے سے ڈر گئے
کردیں گے آسمان و زمیں ایک حشر کو — اس معرکے میں یار جی ہم بھی اگر گئے ۴۰۴۰
یہ راہ و رسمِ دل شدگاں گفتنی نہیں — قطعہ — جانے دے میر صاحب و قبلہ جدھر گئے
روزِ وداع اس کی گلی تک تھے ہم بھی ساتھ — جب درد مند ہم کو وے معلوم کر گئے
گر یک نگاہِ یاس کی ٹپ دے سے رو دیا — پھر ہم ادھر کو آئے میاں وے ادھر گئے

## ۵۳۲

دن کو نہیں ہے چین نہ ہے خواب شب مجھے — مرنا پڑا ضرور ترے غم میں اب مجھے

۴۰۴۵ ہنگامہ میری نعش پہ تیری گلی میں ہے — لے جائیں گے جنازہ کشاں یاں سے کب مجھے

ننگ ہوا دمیری اہل محلہ سے حیا ہیو — تجھ بن خراب کرتے رہے ہیں یہ سب مجھے

طوفاں بجائے اشک ٹپکتے تھے چشم سے — اے ابر تر دماغ تھا رونے کا جب مجھے

وہ حرف اس کے منہ کے تو لکھ بھیجیو شتاب — قاصد چلا ہے چھوڑ کے تو جاں بلب مجھے

کچھ ہے جواب جو میں کہ دل حشر کو سوال — قطعہ — مارا تھا تو نے جان سے کہہ کس سبب مجھے

۴۰۵۰ غیر از خموش رہنے کہ ہونٹھوں کے سو کہنے — لیکن نہیں ہے یار جھگڑنے کا ڈھب مجھے

پوچھا تمھارا جاتے کہیں اُن نے میرؔ کو
آتا ہے اُس کی بات کا اب تک عجب مجھے

## ۵۳۳

کاتب کہاں دماغ جواب شکوہ ٹھانیے — بس ہے یہ ایک حرف کہ مشتاق جانیے

غیروں کا ساتھ موجب صد وہم ہے بتاں — اس امر میں خدا بھی کہے تو نہ مانیے

شب خواب کا لباس ہے عریاں تنی میں یہ — جب سوئیے تو چادر مہتاب تانیے

۴۰۵۵ اپنا یہ اعتقاد ہے تجھ جستجو میں یار — قطعہ — لے اِس سرے سے اُس سرے تک خاک چھانیے

پھر یا نصیب یہ بھی ہے طالع کی یاوری — مر جائیں ہم تو اس پہ بھی ہم کو نہ جانیے

لوٹے ہے خاک و خوں میں غیروں کے ساتھ میرؔ
ایسے تو نیم کشتہ کو ان میں نہ سانیے

## ۵۳۴

مرے اُس رک کے مر جانے سے وہ غافل ہے کیا جانے — گذرنا جان سے آساں بہت مشکل ہے کیا جانے

کوئی سر سنگ سے مارو کسی کا واپسیں دم ہو — وہ آئینے میں اپنے ناز پر مائل ہے کیا جانے

۴۰۶۰ نظر مطلق نہیں ہجراں میں اس کو حال پر میرے — مرا دل اُس کے غم میں گویا اس کا دل ہے کیا جانے

جنونی، خبطی، دیوانہ، سڑا، کوئی عشق کو سمجھے — فلاطوں سے نہیں یاں بحث وہ عاقل ہے کیا جانے

تڑپنا نقش پا سے ناقہ پر جانے ہے اک مجنوں — بیاباں میں وہ لیلیٰ کا کدھر محمل ہے کیا جانے

پڑھایا اس کو بہتیرا کہ مت لا رازِ دل منھ پر — پہ طفلِ اشک کو دیکھا تو نا قابل ہے کیا جانے

طرف ہونا مرا مشکل ہے میرؔ اس شعر کے فن میں
یوں ہی سودا کبھو ہوتا ہے سو جاہل ہے کیا جانے

## ۵۳۵

کب تلک جی رکے خفا ہووے — آہ کریے کہ ٹک ہوا ہووے ۴۰۶۵
جی ٹھہر جائے یا ہوا ہووے — دیکھیے ہوتے ہوتے کیا ہووے
کاہشِ دل کی کیجیے تدبیر — جان میں کچھ بھی جو رہا ہووے
چپ کا باعث ہے بے تمنائی — کہیے کچھ بھی تو مدعا ہووے
بے کلی مارے ڈالتی ہے نسیم! — دیکھیے اب کے سال کیا ہووے
مر گئے ہم تو مر گئے تو جی — دل گرفتہ تری بلا ہووے ۴۰۷۰
عشق کیا ہے ورے سے آ ناصح! — جانے وہ جس کا دل لگا ہووے
پھر نہ شیطاں سجودِ آدم سے — شاید اس سجدے میں خدا ہووے

نہ سنا رات ہم نے اک نالہ
غالباً میرؔ مر رہا ہووے

## ۵۳۶

کچھ تو کہہ وصل کی پھر رات چلی جاتی ہے — دن گذر جائیں ہیں پر بات چلی جاتی ہے
رہ گئے گاہ تبسم پہ گہے بات ہی پر — بارے اے ہم نشیں اوقات چلی جاتی ہے ۴۰۷۵
ٹک تو وقفہ بھی کر اے گردشِ دوراں کہ یہ جان — عمر کے حیف ہے کیا سات چلی جاتی ہے
یاں تو آتی نہیں شطرنجِ زمانے کی چال — اور واں بازی ہوئی بات چلی جاتی ہے
روز آنے پہ نہیں نسبتِ عشقی موقوف — عمر بھر ایک ملاقات چلی جاتی ہے
خرقہ مندیل و ردا مست لیے جاتے ہیں — شیخ کی ساری کرامات چلی جاتی ہے
ہے موذن جو بڑا مرغِ مصلی اس کی — قطعہ مستوں سے ترک ہی کی بات چلی جاتی ہے ۴۰۸۰
پاؤں ٹکتا نہیں مسجد سے دمِ آخر بھی — مرنے پر آیا ہے پر لات چلی جاتی ہے
ہر سحر مد پئے آرام سے آشاماں ہے — مکر و طامات کی اک گھات چلی جاتی ہے

ایک ہم ہی سے تفاوت ہے سلوکوں میں میرؔ
یوں تو اوروں کی مدارات چلی جاتی ہے

۵۳۷

منصف جو تو ہے کب تئیں یہ دُکھ اُٹھائیے — کیا کیجے میری جان اگر مر نہ جائیے
۴۰۸۵ اظہارِ رازِ عشق کیے بن رہے نہ اشک — اس طفلِ ناسمجھ کو کہاں تک پڑھائیے
تم نے جو اپنے دل سے بھلایا ہمیں تو کیا — اپنے تئیں تو دل سے ہمارے بھلائیے
فکرِ معاش یعنی غمِ زیست تا بہ کے — مر جائیے کہیں کہ ٹک آرام پائیے
جاتے ہیں کیسی کیسی لیے دل میں حسرتیں — ٹک دیکھنے کو جاں بلبوں کے بھی آئیے
لوٹوں ہوں جیسے خاک چمن پر میں اے سپہر — گل کو بھی میری خاک پہ وو ہیں لٹائیے
پہنچا تو ہوگا سمعِ مبارک میں حالِ میرؔ
۴۰۹۰ اس پر بھی جی میں آوے تو دل کو لگائیے

۵۳۸

نہیں وسواس جی گنوانے کے — ہائے رے ذوق دل لگانے کے
میرے تغییرِ حال پر مت جا — اتفاقات ہیں زمانے کے
دمِ آخر ہی کیا نہ آنا تھا — اور بھی وقت تھے بہانے کے
اس کدورت کو ہم سمجھتے ہیں — ڈھب ہیں یہ خاک میں ملانے کے
۴۰۹۵ بس ہیں دو برگِ گل قفس میں صبا — نہیں بھوکے ہم آب و دانے کے
مرنے پر بیٹھے ہیں سنو صاحب — بندے ہیں اپنے جی چلانے کے
اب گریباں کہاں کہ اے ناصح — چڑھ گیا ہاتھ اس دِوانے کے
چشمِ نجمِ سپہر جھپکے ہے — صدقے اس انکھڑیاں لڑانے کے
دل و دیں ہوش و صبر سب ہی گئے — آگے آگے تمھارے آنے کے
۴۱۰۰ کب تو سوتا تھا گھر مرے آ کر — جاگے طالع غریب خانے کے
مژہ ابرو نگہ سے اس کی میرؔ — قطعہ — کشتہ ہیں اپنے دل لگانے کے
تیر و تلوار و سیل یک جا ہیں — سارے اسباب مار جانے کے

## ۵۳۹

کم فرصتیٔ گل جو کہیں کوئی نہ مانے
ایسے گئے ایامِ بہاراں کہ نہ جانے

تھے شہر میں اے رشکِ پری جتنے سیانے
سب ہو گئے ہیں شور ترا سن کے دوانے

ہمراہِ جوانی گئے ہنگامے اُٹھانے
اب ہم بھی نہیں وے رہے نے وے ہیں زمانے ۴۱۰۵

پیری میں جو باقی نہیں جامے میں تو کیا دور
پھٹنے لگے ہیں کپڑے جو ہوتے ہیں پرانے

مرتے ہی سُنے ہم نے کسل مندِ محبت
اس درد میں کس کس کو کیا نفع دوا نے

ہے کس کو میسر تری زُلفوں کی اسیری
شانے کے نصیبوں میں تھے یوں ہاتھ بندھانے

ٹک آنکھ بھی کھولی نہ زخود رفتہ نے اس کے
ہر چند کیا شور قیامت نے سرہانے

لوہے کے توے ہیں جگرِ اہلِ محبت
رہتے ہیں ترے تیرِ ستم ہی کے نشانے ۴۱۱۰

کا ہے کو یہ انداز تھا اعراضِ بتاں کا
ظاہر ہے کہ منہ پھیر لیا ہم سے خدا نے

ان ہی چمنوں میں کہ جنھوں میں نہیں اب چھانو
کن کن روشوں ہم کو پھرایا ہے ہوا نے

کب کب مری عزت کے لیے بیٹھے ہو ٹک پاس
آئے بھی جو ہو تو مجھے مجلس سے اُٹھانے

پایا ہے نہ ہم نے دلِ گم گشتہ کو اپنے
خاک اس کی سرِ راہ کی کوئی کب تئیں چھانے

کچھ تم کو ہمارے جگروں پر بھی نظر ہے
آتے جو ہو ہر شام و سحر تیر لگانے ۴۱۱۵

مجروح بدن سنگ سے طفلاں کے نہ ہوتے
کم جاتے جو اس کوچے میں پر ہم تھے دوانے

آنے میں تعلّل ہی کیا عاقبتِ کار
ہم جی سے گئے پر نہ گئے اس کے بہانے

گلیوں میں بہت ہم تو پریشاں سے پھرے ہیں
اوباش کسو روز لگا دیں گے ٹھکانے

## ۵۴۰

تن ہجر میں اس یار کے رنجور ہوا ہے
بے طاقتیٔ دل کو بھی مقدور ہوا ہے

پہنچا نہیں کیا سمعِ مبارک میں مرا حال
یہ قصّہ تو اس شہر میں مشہور ہوا ہے ۴۱۲۰

بے خوابی تری آنکھوں پہ دیکھوں ہوں مگر رات
افسانہ مرے حال کا مذکور ہوا ہے

کل صبح ہی مستی میں سرِ راہ نہ آیا
یاں آج مرا شیشۂ دل چور ہوا ہے

کیا سوجھے اُسے جس کے ہو یوسف ہی نظر میں
یعقوب بجا آنکھوں سے معذور ہوا ہے

پُر شور سے ہے عشق مغنی پسراں کے
یہ کاسۂ سر کاسۂ طنبور ہوا ہے

۴۱۲۵ تلوار لیے پھرنا تو اب اُس کا سُنا میں
نزدیک مرے کب کا یہ سر دُور ہوا ہے

خورشید کی محشر میں طپش ہو گی کہاں تک
کیا ساتھ مرے داغوں کے محشور ہوا ہے

اے رشکِ سحر بزم میں لے مُنھ پہ نقاب اب
اک شمع کا چہرہ ہے سو بے نُور ہوا ہے

اس شوق کو ٹک دیکھ کہ چشم نگراں ہے
جوں زخم جگر کا مرے ناسُور ہوا ہے

۵۴۱

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجے
ہر سر حرف پہ فریاد نہایت کیجے

۴۱۳۰ گو کہ سر خاک قدم پر ترے لوٹے اس میں
اپنا شیوہ ہی نہیں یہ کہ شکایت کیجے

ہم جگر سوختوں کے جی میں جو آوے تو ابھی
دو نیم دل ہو گئے فلک تجھ میں سرایت کیجے

عشق میں آپ کے گذری نہ ہماری تو مگر
عوض جور و جفا ہم پہ عنایت کیجے

مت چلا عشق کی رہ کی کہ کہے ہے یاں خضر
آپ ہی گمراہ ہیں ہم کس کو ہدایت کیجے

کس کے کہنے کو ہے تاثیر کہ اک میرؔ ہی سے
رمز و ایماؤ اشارات و کنایت کیجے

۵۴۲

۴۱۳۵ دل جو پُر بے قرار رہتا ہے
آج کل مجھ کو مار رہتا ہے

تیرے بن دیکھے میں مُکدّر ہو دل
آنکھوں پر اب غبار رہتا ہے

جبر یہ ہے کہ تیری خاطر دل
روز بے اختیار رہتا ہے

دل کو مت بھول جانا میرے بعد
مجھ سے یہ یادگار رہتا ہے

دَور میں چشم مست کے تیری
فتنہ بھی ہوشیار رہتا ہے

۴۱۴۰ بسکہ تیرا ہُوا بلا گرداں
سر کو میرے دوار رہتا ہے

ہر گھڑی رنجش ایسی باتوں میں
کوئی اخلاص و پیار رہتا ہے

تجھ بن آئے ہیں تنگ جینے سے
مرنے کا انتظار رہتا ہے

دل کو گو ہاتھ میں رکھو اب تم
کوئی یہ بے قرار رہتا ہے

غیر مت کھا فریبِ خلق اُس کا — کوئی دم میں وہ مار رہتا ہے
دلبرو دل چُراتے ہو ہر دم — یوں کہیں اعتبار رہتا ہے ۴۱۴۵
کیوں نہ ہووے عزیز دلہا میرؔ
کس کے کوُچے میں خوار رہتا ہے

۵۴۳

دہر بھی میرؔ طرفہ مقتل ہے — جو ہے سو کوئی دم کو فیصل ہے
کثرتِ غم سے دل لگا رکنے — حضرتِ دل میں آج دنگل ہے
روز کہتے ہیں چلنے کو خوباں — لیکن اب تک تو روزِ اوّل ہے
چھوڑ مت نقدِ وقت نسیہ پر — آج جو کچھ ہے سو کہاں کل ہے ۴۱۵۰
بند ہو تجھ سے یہ کھُلا نہ کبھو — دل ہے یا خانۂ مُقفّل ہے
سینہ چاکی بھی کام رکھتی ہے — یہی گر جیب تلک مُعطّل ہے
اب کے ہاتھوں میں شوق کے تیرے — قطعہ دامنِ بادیہ کا آنچل ہے
ٹک گریباں میں سر کو ڈال کے دیکھ — دل بھی کیا لق و دق جنگل ہے
ہجر باعث ہے بدگمانی کا — قطعہ غیرتِ عشق ہے تو کب کل ہے ۴۱۵۵
مر گیا کوہ کن اسی غم میں
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

۵۴۴

جاں گدازانہ اتنی کہاں آوازِ عود و چنگ ہے — دل کے سے نالوں کا ان پردوں میں کچھ آہنگ ہے
رو و خال و زلف ہی ہیں سنبل و سبزہ و گل — آنکھیں ہوں تو یہ چمن آئینۂ نیرنگ ہے
بیستوں کھودے سے کیا آخر ہوئے سب کارِ عشق — بعد ازاں اے کوہ کن سر ہے ترا اور سنگ ہے
آہ ان خوش قامتوں کو کیونکہ بر میں لایئے — جن کے ہاتھوں سے قیامت پر بھی عرصہ تنگ ہے ۴۱۶۰
عشق میں وہ گھر ہے اپنا جس میں سے مجنوں یکایک — ناخلف سارے قبیلے کا ہمارے ننگ ہے
چشمِ کم سے دیکھ مت قمری تو اس خوش قد کو ٹک — آہ بھی سروِ گلستانِ شکستِ رنگ ہے
ہم سے تو جایا نہیں جاتا کہ یکسر دل میں واں — دو قدم اُس کی گلی کی راہ سو فرسنگ ہے

ایک بوسے پر تو کی ہے صلح پر اے زود رنج — تجھ کو مجھ کو اتنی اتنی بات اوپر جنگ ہے

۴۱۶۵ پانو ہیں چوٹ آنے کے پیارے بہانے جانے دے — پیش رفت آگے ہمارے کب یہ عذرِ لنگ ہے

فکر کو نازک خیالوں کے کہاں پہنچے ہیں یار — قطعہ ورنہ ہر مصرع یہاں معشوقِ شوخ و شنگ ہے

سرسری کچھ سن لیا پھر واہ وا کر اُٹھ گئے — شعر یہ کم فہم سمجھے ہیں خیالِ بنگ ہے

صبر بھی کرتے بلا پر میر صاحب جی کبھو
جب نہ تب رونا ہی کڑھنا یہ بھی کوئی ڈھنگ ہے

## ۵۴۵

خنجر بہ کف وہ جب سے سفاک ہو گیا ہے — ملک ان ستم زدوں کا سب پاک ہو گیا ہے

۴۱۷۰ جس سے اسے لگاؤں روکھا ہی ہو ملے ہے — سینے میں جل کر از بس دل خاک ہو گیا ہے

کیا جانوں لذتِ درد اس کی جراحتوں کی — یہ جانوں ہوں کہ سینہ سب چاک ہو گیا ہے

صحبت ہے اس جہاں کی کوئی خلاص ہوگا — اس فاحشہ پہ سب کو امساک ہو گیا ہے

دیوار کہنہ ہے یہ مت بیٹھ اس کے سایے — اُٹھ چل کہ آسماں تو کاواک ہو گیا ہے

شرم و حیا کہاں کی ہر بات پر ہے شمشیر — اب تو بہت وہ ہم سے بے باک ہو گیا ہے

زیرِ فلک بھلا تو روئے ہے آپ کو میر
۴۱۷۵ کس کس طرح کا عالم یاں خاک ہو گیا ہے

## ۵۴۶

ساقی گھر چاروں اور آیا ہے — دے بھی مے ابر زور آیا ہے

غارتِ دل کرے ہے ابر سیاہ — بے طرح گھر میں چور آیا ہے

آج تیری گلی سے ظالم میر
لوہو میں شور بور آیا ہے

## ۵۴۷

فقیرانہ آئے صدا کر چلے — کہ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

۴۱۸۰ جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم — سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی — کہ مقدور تک تو دوا کر چلے

وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے — ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے

کوئی ناامیدانہ کرتے نگاہ — سو تم ہم سے مُنھ بھی چھپا کر چلے

بہت آرزو تھی گلی کی تری — سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے

دکھائی دیے یوں کہ بےخود کیا — ہمیں آپ سے بھی جُدا کر چلے ۱۸۵

جبیں سجدے کرتے ہی کرتے گئی — قطعہ — حقِ بندگی ہم ادا کر چلے

پرستش کی یاں تک کہ اے بُت تجھے — نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے

جھڑے پھول جس رنگ گُلبن سے یوں — قطعہ — چمن میں جہاں کے ہم آ کر چلے

نہ دیکھا غمِ دوستاں شکر ہے — ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

گئی عمر در بندِ فکرِ غزل — قطعہ — سو اس فن کو ایسا بڑا کر چلے ۱۹۰

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

## ۵۴۸

اپنا سرِ شوریدہ تو وقفِ خمِ چوگان ہے — آ بلہوس گر ذوق ہے یہ گو ہے یہ میدان ہے

عالم مری تقلید سے خواہش تری کرنے لگا — میں تو پشیماں ہو چکا لوگوں کو اب ارمان ہے

ہر چند بیش از بیش ہے دعویٰ تو رونے کا تجھے — پر دیدۂ نمناک بھی اے ابرِ تر طوفان ہے

اس بے دمی میں بھی کبھو دل بھر کے اُٹھے ہے دم ترا — آ ٹک شتابی بے وفا اب تک تو مجھ میں جان ہے ۱۹۵

ہر لحظہ خنجر درمیاں ہر دم زباں زیرِ زباں — وہ طور وہ اسلوب ہے یہ عہد یہ پیمان ہے

اس آرزوے وصل نے مشکل کیا جینا مرا — ورنہ گذرنا جان سے اتنا نہیں آسان ہے

بس بے وقاری ہو چکی گلیوں میں خواری ہو چکی
اب پاس کر ٹک میرؔ کا دو چار دن مہمان ہے

## ۵۴۹

خوب تھے وے دن کہ ہم تیرے گرفتاروں میں تھے — غمزدوں، اندوہ گینوں، ظُلم کے ماروں میں تھے

دشمنی جانی ہے اب تو ہم سے غیروں کے لیے — اک سماں سا ہو گیا وہ بھی کہ ہم یاروں میں تھے ۲۰۰

مت تجنتر سے گذر قمری ہماری خاک پر — ہم بھی اک سروِ رواں کے ناز برداروں میں تھے

مر گئے لیکن نہ دیکھا تو نے اُدھر آنکھ اُٹھا | آہ کیا کیا لوگ ظالم تیرے بیماروں میں تھے
گرچہ جرمِ عشق غیروں پر بھی ثابت تھا و لے | قتل کرنا تھا ہمیں ہم ہی گنہگاروں میں تھے

اک رہا مژگاں کی صف میں ایک کے ٹکڑے ہوئے
دل جگر جو میرؔ دونوں اپنے غم خواروں میں تھے

## ۵۵۰

۴۲۰۵ جس جگہ دورِ جام ہوتا ہے | واں یہ عاجز مدام ہوتا ہے
ہم تو اک حرف کے نہیں ممنون | کیسا خط و پیام ہوتا ہے
تیغ ناکاموں پہ نہ ہر دم کھینچ | اک کرشمے میں کام ہوتا ہے
پوچھ مت آہ عاشقوں کی معاش | روز اُن کا بھی شام ہوتا ہے
زخم بن، غم بن اور غصہ بن | اپنا کھانا حرام ہوتا ہے
شیخ کی سی ہی شکل ہے شیطان | جس پہ شب احتلام ہوتا ہے

میرؔ صاحب بھی اُس کے ہاں تھے پر
۴۲۱۰ جیسے کوئی غلام ہوتا ہے

## ۵۵۱

بے تابیوں میں تنگ ہم آئے ہیں جان سے | وقتِ شکیب خوش کہ گیا درمیان سے
ہم خامشوں کا ذکر تھا شب اُس کی بزم میں | نکلا نہ حرفِ خیر کسو کی زبان سے
آبِ خضر سے بھی نہ گئی سوزشِ جگر | کیا جانیے یہ آگ ہے کس دودمان سے
۴۲۱۵ جز عشق جنگ و ہر سے مت پڑھ کہ خوش ہیں ہم | اس قصے کی کتاب میں اس داستان سے
آنے کا اس چمن میں سبب بے کلی ہوئی | جوں برق ہم تڑپ کے گرے آشیان سے
اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ عاشق ہے تو کہیں | القصہ خوش گذرتی ہے اس بدگمان سے

داغوں سے ہے چمن جگر میرؔ دہر میں
اُن نے بھی گل چنے بہت اس گلستان سے

## ۵۵۲

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے | اس گریباں ہی سے اب ہاتھ اٹھایا ہم نے

حسرتِ لطفِ عزیزانِ چمن جی میں رہی  
سر پہ دیکھا نہ گُل و سرو کا سایا ہم نے ۴۲۲۰

جی میں تھا عرش پہ جا باندھیے تکیہ لیکن  
بسترا خاک ہی میں اب تو بچھایا ہم نے

بعد یک عمر کہیں تم کو جو تنہا پایا  
ڈرتے ڈرتے ہی کچھ احوال سُنایا ہم نے

یاں فقط ریختہ ہی کہنے نہ آئے تھے ہم  
چار دن یہ بھی تماشا سا دکھایا ہم نے

بارے کل باغ میں جا مُرغِ چمن سے مِل کر  
خوبیِ گُل کا مزا خوب اُڑایا ہم نے

تازگی داغ کی ہر شام کو بے ہیچ نہیں  
آہ کیا جانیے دِیا کس کا بُجھایا ہم نے ۴۲۲۵

دشت و کہسار میں سر مار کے چندے تجھ بن  
قیس و فرہاد کو پھر یاد دلایا ہم نے

بے کلی سے دلِ بیتاب کی مَر گُذرے تھے  
سو تہِ خاک بھی آرام نہ پایا ہم نے

یہ ستم تازہ ہوا اور کہ پائیز میں میرؔ  
دل خس و خار سے ناچار لگایا ہم نے

## ۵۵۳

ظالم کہیں تو مِل کبھو دارو پیے ہوئے  
پھرتے ہیں ہم بھی ہاتھ میں سر کو لیے ہوئے

آ دُگے ہوش میں تو ٹک اِک سُدھ بھی لیجیو  
اب تو نشے میں جاتے ہو زخمی کیے ہوئے ۴۲۳۰

جی ڈوبتا ہے اُس گہرِ تر کی یاد میں  
پایانِ کارِ عشق میں ہم مرجیے ہوئے

سی چاکِ دل کہ چشم سے ناصح لہو تھمے  
ہوتا ہے کیا ہمارے گریباں سیے ہوئے

کافر ہوئے بُتوں کی محبت میں میرؔ جی  
مسجد میں آج آئے تھے قشقہ دیے ہوئے

## ۵۵۴

کرو توکّل کہ عاشقی میں نہ یوں کروگے تو کیا کروگے  
الم جو یہ ہے تو دردمندو کہاں تلک تم دوا کروگے

جگر میں طاقت کہاں ہے اتنی کہ دردِ ہجراں سے مرتے رہیے  
ہزاروں وعدے وصال کے تھے کوئی بھی جیتے وفا کروگے ۴۲۳۵

جہاں کی مَسلخ تمام حیرت نہیں ہے تِس پر نگہ کی فرصت  
نظر پڑے گی بسانِ بسمل کبھو جو مژگاں کو وا کروگے

اخیر الفت یہی نہیں ہے کہ جل کے آخر ہوئے پتنگے  
ہوا جو یاں کی یہ ہے تو یارو غبار ہو کر اُڑا کروگے

بلا ہے ایسا طپیدنِ دل کہ صبر اس پر ہے سخت مشکل  
دماغ اتنا کہاں رہے گا کہ دستِ بر دل رہا کروگے

عدم میں ہم کو یہ غم رہے گا کہ اوروں پر اب ستم رہے گا  
تمہیں تو لَت ہے ستانے ہی کی کسو پر آخر جفا کروگے

۴۲۴۴ اگرچہ اب تو خفا ہو لیکن موئے گئے پر کبھو ہمارے  جو یاد ہم کو کروگے پیارے تو ہاتھ اپنے مَلا کروگے
سحر کو محرابِ تیغ قاتل کبھو جو یاں وہ اِدھر ہو مائل  تو ایک سجدہ بسانِ بسمل مری طرف سے ادا کروگے

غمِ محبت سے میرؔ صاحب بہ تنگ ہیں میں فقیر ہو تم
جو وقت ہوگا کبھو مساعد تو میرے حق میں دعا کروگے

## ۵۵۵

بو کہ ہو سوئے باغ نکلے ہے  باؤ سے اِک دماغ نکلے ہے
ہے جو اندھیر شہر میں خورشید  دن کو لے کر چراغ نکلے ہے
۴۲۴۵ جو بکاری ہی سے رہے گا شیخ  اب تو لے کر چماغ نکلے ہے
دے ہے جنبش جو واں کی خاک کو باؤ  قطعہ  جگر داغ داغ نکلے ہے
ہر سحر حادثہ مری خاطر  بھر کے خوں کا ایاغ نکلے ہے
اُس گلی کی زمینِ تفتہ سے  دل جلوں کا سُراغ نکلے ہے

شاید اُس زلف سے لگی ہے میرؔ
باؤ میں اک دماغ نکلے ہے

## ۵۵۶

۴۲۵۰ ہے خاک جیسے ریگِ رواں سب نہ آب ہے  دریائے موج خیز جہاں کا سراب ہے
روزِ شمار میں بھی محاسب ہے گر کوئی  تو بے حساب کچھ نہ کر آخر حساب ہے
اس شہر دل کو تو بھی جو دیکھے تو اب کہے  کیا جانیے کہ بستی یہ کب کی خراب ہے
مُنھ پر لیے نقاب تو اے ماہ کیا چھپے  آشوبِ شہر حُسن ترا آفتاب ہے
کس رشکِ گل کی باغ میں زلفِ سیہ کھلی  مَوجِ ہوا میں آج نپٹ پیچ و تاب ہے
۴۲۵۵ کیا دل مجھے بہشت میں لے جائے گا بھلا  جس کے سبب یہ جان پہ میری عذاب ہے
سن کان کھول کر کہ تنک جلد آنکھ کھول  غافل! یہ زندگانی فسانہ ہے خواب ہے
رہ آشنائے لطفِ حقیقت کے بحر کا  ہے رشکِ زلف و چشم جو موجِ حباب ہے

آتش ہے سوز سینہ ہمارا مگر کہ میرؔ
نامے سے عاشقوں کے کبوتر کباب ہے

## ۵۵۷

کیا کیا بیٹھے بگڑ بگڑ تم پر ہم تم سے بنائے گئے
چپکے باتیں اٹھائے گئے سرگاڑے وہیں آئے گئے

اٹھے نقاب جہاں سے یارب جس سے تکلف بیچ میں ہے
جب نکلے اس راہ سے ہو کر منھ تم ہم سے چھپائے گئے ۴۲۶۰

کب کب تم نے سچ نہیں مانیں جھوٹی باتیں غیروں کی
تم ہم کو یوں ہی جلائے گئے وے تم کو وہیں لگائے گئے

صبح وہ آفت اٹھ بیٹھا تھا تم نے نہ دیکھا صد افسوس
کیا کیا فتنے سر جوڑے پلکوں کے سائے سائے گئے

اللہ رے یہ دیدہ درائی ہوں نہ مکدر کیونکہ ہم
آنکھیں ہم سے ملائے گئے پھر خاک میں ہم کو ملائے گئے

آگ میں غم کی ہو کے گداز اں جسم ہوا سب پانی سا
یعنی بن ان شعلہ رخوں کے خوب ہی ہم بھی تائے گئے

ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بھی حد ایک آخر ہوتی ہے
کشتے اس کی تیغ ستم کے گورتیئں کب لائے گئے ۴۲۶۵

خضر جو مل جاتا ہے گاہے آپ کو بھولا خوب نہیں
کھوئے گئے اس راہ کے ورنہ کل ہے کو پھر پائے گئے

مرنے سے کیا میر جی صاحب ہم کو ہوش تھے کیا کریے
جی سے ہاتھ اٹھائے گئے پر اس سے دل نہ اٹھائے گئے

## ۵۵۸

ادھر سے ابر اٹھ کر جو گیا ہے — ہماری خاک پر بھی رو گیا ہے

مصائب اور تھے پر دل کا جانا — عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے

مقامر خانۂ آفاق وہ ہے — کہ جو آیا ہے یاں کچھ کھو گیا ہے ۴۲۷۰

کچھ آؤ زلف کے کوچے میں درپیش — مزاج اپنا ادھر اب تو گیا ہے

سرہانے میرؔ کے کوئی نہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

۵۵۹

عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دل پُر خوں کی اک گلابی سے

جی ڈہا جائے ہے سحر سے آہ
رات گزرے گی کس خرابی سے

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اُس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے ۴۲۷۵

بُرقع اُٹھتے ہی چاند سا نکلا
داغ ہوں اُس کی بے حجابی سے

کام تھے عشق میں بہت پر میرؔ
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

۵۶۰

دن دوری چمن میں جو ہم شام کریں گے
تا صبح دو صد نالہ سرانجام کریں گے

ہوگا ستم و جور سے تیرے ہی کنایہ
وہ شخص جہاں شکوۂ ایام کریں گے

آمیزش بے جا ہے تجھے جن سے ہمیشہ
وے لوگ ہی آخر تجھے بدنام کریں گے ۴۲۸۰

نالوں سے مرے رات کے غافل نہ رہا کر
اک روز یہی دل میں ترے کام کریں گے

گر دل ہے یہی مضطرب الحال تو اے میرؔ
ہم زیر زمیں بھی بہت آرام کریں گے

۵۶۱

کیا خط لکھوں میں رونے سے فرصت نہیں ہی
لکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت یہی یہی

---

سبھوں کے خط لیے پوشیدہ قاصد آج جاتا ہے
چلا ہے یار کے کوچے کو پھر مجھ سے چھپاتا ہے

# دیوانِ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دیوان دوم

۵۶۲

ہر ذی حیات کا ہے سبب جو حیات کا
نکلے ہے جی ہی اس کے لیے کائنات کا ۴۲۸۵

بکھری ہے زلف اس رخِ عالم فروز پر
ورنہ بناؤ ہووے نہ دن اور رات کا

در پردہ وہ ہی معنی مقوّم نہ ہوں اگر
صورت نہ پکڑے کام فلک کے ثبات کا

ہیں مستحیل خاک سے اجزاے نوخطاں
کیا سہل ہے زمیں سے نکلنا نبات کا

مستہلک اس کے عشق کے جانیں ہیں قدرِ مرگ
عیسےٰ و خضر کو ہے مزا کب وفات کا

اشجار ہو ویں خامہ و آبِ سیہ بحار
لکھنا نہ تو بھی ہو سکے اس کی صفات کا ۴۲۹۰

اس کے فروغِ حسن سے جھمکے ہے سب میں نور
شمعِ حرم ہو یا کہ دیا سومنات کا

بالذّات ہے جہاں میں وہ موجود ہر جگہ
ہے دید چشمِ دل کے کھلے عینِ ذات کا

ہر صفحے میں ہے محوِ کلام اپنا دس جگہ
مصحف کو کھول دیکھ ٹک انداز بات کا

ہم مذنبوں میں صرف کرم سے ہے گفتگو
مذکور ذکر یاں نہیں صوم و صلوٰت کا

کیا میرؔ تجھ کو نامہ سیاہی کا فکر ہے
ختمِ رسل سا شخص ہے ضامن نجات کا ۴۲۹۵

۵۶۳

جلوہ نہیں ہے نظم میں حسنِ قبول کا
دیواں میں شعر گر نہیں نعتِ رسولؐ کا

حق کی طلب ہے کچھ تو محمدؐ پرست ہو
ایسا وسیلہ ہے بھی خدا کے حصول کا

مطلوب ہے زمان و مکان و جہان سے
محبوب ہے ملک کا فلک کا عقول کا

احمد کو ہم نے جان رکھا ہے وہی احد
مذہب کچھ اور ہو گا کسی بوالفضول کا

جن مردماں کو آنکھیں دیاں ہیں خدا نے وے
سرمہ کریں ہیں رہ کی تری خاک و دھول کا ۴۳۰۰

مقصود ہے علیؑ کا دلی کا سبھی کا تو
ہے قصد سب کو تیری رضا کے حصول کا

تھی گفتگوئے باغِ فدک جب فساد کی  قطعہ  جانے ہے جس کو علم ہے دیں کے اصول کا
دعویٰ جو حق شناسی کا رکھیے سو اس قدر  پھر جان بوجھ کر یہ تلف حق بتول کا
پروائے حشر کیا ہے تجھے میرؔ شاد رہ
ہے عذرخواہِ جرم جو وہ تجھ ملول کا

۵۶۴

۴۳۰۵ جو معتقد نہیں ہے علیؓ کے کمال کا  ہر بال اُس کے تن پہ ہے موجب وبال کا
عزت علیؓ کی قدر علیؓ کی بہت ہے وفر  مورد ہے ذوالجلال کے عز و جلال کا
پایا علیؓ کو جا کے محمدؐ نے اس جگہ  جس جا نہ تھا لگاؤ گمان و خیال کا
رکھنا قدم پہ اُس کے قدم کب ملک سے ہو  مخلوق آدمی نہ ہوا ایسی چال کا
شخصیت ایسی کس کی تھی ختمِ رسل کے بعد  تھا مشورت شریکِ حقِ لایزال کا
۴۳۱۰ توڑا بتوں کو دوشِ نبیؐ پر قدم کو رکھ  چھوڑا نہ نام کعبہ میں کفر و ضلال کا
راہِ خدا میں اُن نے دیا اپنے بھی تئیں  یہ جود، منھ تو دیکھو کسو آشمال کا
نسبت نہ بندگی کی ہوئی جس کی واں درست  رونا مجھے ہے حشر میں اُس کی ہی چال کا
فکرِ نجات میرؔ کو کیا مدح خواں ہے وہ
اولاد کا علیؓ کی محمدؐ کی آل کا

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا ۵۶۵ کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزا جانا

۴۳۱۵ ہم جاہ و حشم یاں کا کیا کہیے کہ کیا جانا  خاتم کو سلیماں کی انگشتر پا جانا
یہ بھی ہے ادا کوئی خورشید نمط پیارے  منھ صبح دکھا جانا پھر شام چھپا جانا
کب بندگی میری سی بندہ کرے گا کوئی  جانے ہے خدا اِس کو میں تجھ کو خدا جانا
تھا ناز بہت ہم کو دانست پر اپنی بھی  آخر وہ بُرا نکلا ہم جس کو بھلا جانا
گردن کشی کیا حاصل مانند بگولے کی  اس دشت میں سر گاڑے جوں سیل چلا جانا
۴۳۲۰ اس گریۂ خونیں کا ہو ضبط تو بہتر ہے  اچھا نہیں چہرے پر لوہو کا بہا جانا
یہ نقش دلوں پر سے جانے کا نہیں اس کو  عاشق کے حقوق آکر ناحق بھی مٹا جانا
ڈھب دیکھنے کا ایدھر ایسا ہی تمھارا تھا  جاتے تو ہو پر ہم سے ٹک آنکھ ملا جانا

اُس شمع کی مجلس میں جانا ہمیں پھر واں سے — اک زخم زباں تازہ ہر روز اُٹھا جانا
اُسے شور قیامت ہم سنتے ہی نہ رہ جاویں — اس راہ سے نکلے تو ہم کو بھی جگا جانا
کیا پانی کے مول آکر مالک نے گہر بیچا — ہے سخت گراں سستا یوسفؑ کا بکا جانا ۴۳۲۵
ہے میری تری نسبت روح اور جسد کی سی — کب آپ سے میں تجھ کو اے جان جدا جانا
جاتی ہے گزر جی پر اُس وقت قیامت سی — یاد آوے ہے جب تیرا یک بارگی آ جانا
برسوں سے مرے اُس کی رہتی ہے یہی صحبت — تیغ اُس کو اُٹھانا تو سر مجھ کو جھکا جانا

کب میرؔ بسر آئے تم ویسے فریبی سے
دل کو تو لگا بیٹھے لیکن نہ لگا جانا

## ۵۶۶

پائے خطاب کیا کیا دیکھے عتاب کیا کیا — دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا ۴۳۳۰
کاٹے ہیں خاک اُڑا کر جوں گردباد برسوں — گلیوں میں ہم ہوئے ہیں اُس بن خراب کیا کیا
کچھ گُل سے ہیں شگفتہ کچھ سرو سے ہیں قدکش — اس کے خیال میں ہم دیکھے ہیں خواب کیا کیا
انواعِ جرم میرے پھر بے شمار و بے حد — روزِ حساب لیں گے مجھ سے حساب کیا کیا
اک آگ لگ رہی ہے سینوں میں کچھ نہ پوچھو — جل جل کے ہم ہوئے ہیں اُس بن کباب کیا کیا
افراطِ شوق میں تو رویت رہی نہ مطلق — کہتے ہیں میرے منھ پر اب شیخ و شاب کیا کیا ۴۳۳۵
پھر پھر گیا ہے آکر منھ تک جگر ہمارے — گزرے ہیں جان و دل پر یاں اضطراب کیا کیا
آشفتہ اُس کے گیسو جب سے ہوئے ہیں منھ پر — تب سے ہمارے دل کو ہے پیچ و تاب کیا کیا

کچھ سوجھتا نہیں ہے مستی میں میرؔ جی کو
کرتے ہیں پوچ گوئی پی کر شراب کیا کیا

## ۵۶۷

دامن وسیع تھا تو کاہے کو چشم تر سا — رحمت خدا کی تجھ کو اے ابر زور برسا
شاید کباب کر کر کھایا کبوتر اُن نے — نامہ اُڑا پھرے ہے اُس کی گلی میں پر سا ۴۳۴۰
وحشی مزاج ازبس مانوسِ بادیہ ہیں — اُن کے جنوں میں جنگل اپنا ہوا ہے گھر سا
جس ہاتھ میں رہا کی اُس کی کمر ہمیشہ — اس ہاتھ مارنے کا سر پر بندھا ہے کر سا

سب پیچ کی یہ باتیں ہیں شاعروں کی ورنہ — باریک اور نازک مو کب ہے اُس کمر سا

طرزِ نگاہ اُس کی دل لے گئی سبھوں کے — کیا مومن و برہمن کیا گبر اور ترسا

۴۳۴۵ — تم واقفِ طریقِ بے طاقتی نہیں ہو — یاں راہ دو قدم ہے اب دور کا سفر سا

کچھ بھی معاش ہے یہ کی اُن نے ایک چشمک — جب مدتوں ہمارا جی دیکھنے کو ترسا

ٹک ترکِ عشق کریے لاغر بہت ہوئے ہم — آدھا نہیں رہا ہے اب جسم رنج فرسا

واعظ کو یہ جلن ہے شاید کہ فربہی سے — رہتا ہے حوض ہی میں اکثر پڑا مگر سا

اندازسے ہے پیدا سب کچھ خبر ہے اس کو
گو میرؔ بے سر و پا ظاہر ہے بے خبر سا

## ۵۶۸

۴۳۵۰ — تیغِ ستم سے اُس کی مرا سر جدا ہوا — شکرِ خدا کہ حقِ محبت ادا ہوا

قاصد کو دے کے خط نہیں کچھ بھیجنا ضرور — جاتا ہے اب تو جی ہی ہمارا چلا ہوا

وہ تو نہیں کہ اشک تھمے ہی نہ آنکھ سے — نکلے ہے کوئی لختِ دل اب سو جلا ہوا

حیرانِ رنگِ باغ جہاں تھا بہت رکا — تصویر کی کلی کی طرح دل نہ وا ہوا

عالم کی بے فضائی سے تنگ آ گئے تھے ہم — جاگہ سے دل گیا جو ہمارا بجا ہوا

۴۳۵۵ — درپئے ہمارے جی کے ہوا غیر کے لیے — انجامِ کار مدعی کا مدعا ہوا

اُس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھیے — جیسے کسو کا کوئی نگر ہو لٹا ہوا

بدتر ہے زیست مرگ سے ہجرانِ یار میں — بیمارِ دل بھلا نہ ہوا تو بھلا ہوا

کہتا تھا میرؔ حال تو جب تک تو تھا بھلا
کچھ ضبط کرتے کرتے ترا حال کیا ہوا

## ۵۶۹

رفتار و طور و طرز و روش کا یہ ڈھب ہے کیا — پہلے سلوک ایسے ہی تیرے تھے اب ہے کیا

۴۳۶۰ — ہم دل زدہ نہ رکھتے تھے تم سے یہ چشم داشت — کرتے ہو قہر لطف کی جاگہ غضب ہے کیا

عزت بھی بعدِ ذلتِ بسیار چھیڑ ہے — مجلس میں جب خفیف کیا پھر ادب ہے کیا

آئے ہم آپ میں تو نہ پہچانے پھر گئے — اس راہِ صعبِ عشق میں یارو تعب ہے کیا

حیراں ہیں اس دہن کے عزیزانِ خوردہ بیں — یہ بھی مقام ہائے! تامّل طلب ہے کیا

آنکھیں جو ہو ویں تیری تو تو عین کر رکھے — عالم تمام گردہ نہیں تو یہ سب ہے کیا

اُس آفتاب بن نہیں کچھ سوجھتا ہمیں — گریہ ہی اپنے دن ہیں تو تاریک شب ہے کیا ۴۲۶۵

تم نے ہمیشہ جور و ستم بے سبب کیے — اپنا ہی ظرف تھا جو نہ پوچھا سبب ہے کیا

کیونکر تمھاری بات کرے کوئی اعتبار — ظاہر میں کیا کہو ہو سخن زیرِ لب ہے کیا

اس مہ بغیر میر کا مرنا عجب ہوا

ہر چند مرگِ عاشقِ مسکیں عجب ہے کیا

## ۵۷۰

جھمکے دکھا کے طور کو جن نے جلا دیا — آئی قیامت ان نے جو پردا اٹھا دیا

اس فتنے کو جگا کے پشیماں ہوئی نسیم — کیا کیا عزیز لوگوں کو اُن نے سُلا دیا ۴۲۷۰

اب بھی دماغِ رفتہ ہمارا ہے عرش پر — گو آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا

جانی نہ قدر اس گہرِ شب چراغ کی — دل ریزۂ خزف کی طرح میں اٹھا دیا

تقصیر جان دینے میں ہم نے کبھو نہ کی — جب تیغ وہ بلند ہوئی سر جھکا دیا

گرمی چراغ کی سی نہیں وہ مزاج میں — اب دل فسردگی سے ہوں جیسے بجھا دیا

وہ آگ ہو رہا ہے خدا جانے غیر نے — میری طرف سے اُس کے تئیں کیا لگا دیا ۴۲۷۵

اتنا کہا تھا فرش تری رہ کے ہم ہوں کاش — سو تو نے مار مار کے آ کر بچھا دیا

اب گھٹتے گھٹتے جان میں طاقت نہیں رہی — ٹک لگ چلی صبا کہ دیا سا بڑھا دیا

تنگی لگا ہے کرنے دم اپنا بھی ہر گھڑی — کڑھنے نے دل کے جی کو ہمارے کھپا دیا

کی چشم تو نے باز کہ کھولا درِ ستم — کس مدعیِ خلق نے تجھ کو جگا دیا

کیا کیا زیان میر نے کھینچے ہیں عشق میں

دل ہاتھ سے دیا ہے جدا سر جدا دیا ۴۲۸۰

## ۵۷۱

بہتوں کو آگے تھا یہی آزار عشق کا — جیتا رہا ہے کوئی بھی بیمار عشق کا

بے پردگی بھی چاہ کا ہوتا ہے لازمہ — کھلتا ہی ہے ندان یہ اسرار عشق کا

زندانی سیکڑوں مرے آگے رہا ہوئے　　چھوٹا نہ میں ہی تھا جو گنہگار عشق کا

خواہانِ مرگ میں ہی ہوا ہوں مگر نیا　　جی بیچے ہی پھرے ہے خریدار عشق کا

۴۳۸۵　منصور نے جو سر کو کٹایا تو کیا ہوا　　ہر سر کہیں ہوا ہے سزاوار عشق کا

جاتا رہی تمنا ہمہ حسرت جہان سے　　ہوتا ہے جس کسو سے بہت پیار عشق کا

پھر بعد میرے آج تلک سر نہیں بکا　　ناک عمر سے کساد ہے بازار عشق کا

لگ جاوے دل کہیں تو اُسے جی ہی میں رکھ　　رکھتا نہیں شگون کچھ اظہار عشق کا

چھوٹا جو مر کے قیدِ عبارات میں پھنسا　　القصّہ کیا رہا ہو گرفتار عشق کا

۴۳۹۰　مشکل ہے عمر کاٹنی تلوار کے تلے　　قطعہ　سر میں خیال گو کہ رکھیں یار عشق کا

واں رستموں کے دعوے کو دیکھا ہے ہوتے قطع　　پورا جہاں لگا ہے کوئی وار عشق کا

کھوئے رہا نہ جان کو ناآزمودہ کار
ہوتا نہ میر کاش طلب گار عشق کا

## ۵۷۲

ستم سے گو یہ ترے کشتۂ وفا نہ رہا　　رہے جہان میں تو دیر میں رہا نہ رہا

کب اس کا نام لیے غش نہ آگیا مجھ کو　　دلِ ستم زدہ کس وقت اُس میں جا نہ رہا

۴۳۹۵　ملانا آنکھ کا ہر دم فریب تھا دیکھا　　پھر ایک دم میں وہ بے قید آشنا نہ رہا

موئے تو ہم پہ دلِ پُر کو خوب خالی کر　　ہزار شکر کسو سے ہمیں گلا نہ رہا

ادھر کھلی مری چھاتی ادھر نمک چھڑکا　　جراحت اس کو دکھانے کا اب مزا نہ رہا

ہوا ہوں تنگ بہت کوئی دن میں سن لیجو　　کہ جی سے ہاتھ اُٹھا کر وہ اٹھ گیا نہ رہا

ستم کا اس کے بہت میں نزار ہوں ممنون　　قطعہ　جگر تمام ہوا خون و دل بجا نہ رہا

۴۴۰۰　اگرچہ رہ گئے تھے استخوان و پوست ولے　　لگائی ایسی کہ تسمہ بھی پھر لگا نہ رہا

حمیت اس کے تئیں کہتے ہیں جو میر میں تھی
گیا جہاں سے پہ تیری گلی میں آ نہ رہا

## ۵۷۳

کرتے ہی نہیں ترکِ بتاں طورِ جفا کا　　شاید ہمیں دکھلاویں گے دیدار خدا کا

ہے ابر کی چادر شفقی جوشش سے گل کے — مے خانے کے ہاں دیکھیے یہ رنگ ہوا کا
بہتیری گرو جنس کلالوں کے پڑی ہے — کیا ذکر ہے واعظ کے مصلّے و ردا کا
مر جائیے گا باتوں میں کوئی غمزدہ یوں ہی — ہر لحظہ نہ ہو ممتحن ارباب وفا کا ۴۴۰۵
تدبیر تھی تسکین کے لیے لوگوں کی ورنہ — معلوم تھا مدت سے ہمیں نفع دوا کا
ہاتھ آئینہ رویوں سے اٹھا بیٹھیں کیونکر — بالعکس اثر پاتے تھے ہم اپنی دعا کا
آنکھ اس کی نہیں آئینے کے سامنے ہوتی — حیرت زدہ ہوں یار کی میں شرم و حیا کا
برسوں سے تو یوں ہے کہ گھٹا جب امنڈ آئی — تب دیدۂ تر سے بھی ہوا ایک جھڑا کا
آنکھ اس سے نہیں اٹھنے کی صاحب نظروں کی — جس خاک پہ ہوگا اثر اس کی کف پا کا ۴۴۱۰

تلوار کے سائے ہی میں کاٹے ہے تو اے میر
کس دل زدہ کو ہوئے ہے یہ ذوق فنا کا

## ۵۷۴

رہتا ہے ہڈیوں سے مری جو ہما لگا — کچھ درد عاشقی کا اسے بھی مزا لگا
غافل نہ سوز عشق سے رہ پھر کباب ہے — گر لائحہ اس آگ کا ٹک دل کو جا لگا
دیکھا ہمیں جہاں وہ تہاں آگ ہو گیا — بھڑکا رکھا ہے لوگوں نے اس کو لگا لگا
مہلت تنک بھی ہو تو سخن کچھ اثر کرے — میں اٹھ گیا کہ غیر ترے کانوں آ لگا ۴۴۱۵
اب آپ چشم ہی ہے ہمارا محیط خلق — دریا کو ہم نے کب کا کنارے رکھا لگا
ہر چند اس کی تیغ ستم تھی بلند لیک — وہ طور بد ہمیں تو قیامت بھلا لگا
مجلس میں اس کی بار نہ مجھ کو ملی کبھو — دروازے ہی سے گرچہ بہت میں رہا لگا
بوسہ لبوں کا مانگتے ہی منہ بگڑ گیا — کیا اتنی میری بات کا تم کو برا لگا

عالم کی سیر میر کی صحبت میں ہو گئی
طالع سے میرے ہاتھ یہ بے دست و پا لگا ۴۴۲۰

## ۵۷۵

خط سے وہ زور صفائے حسن اب کم ہو گیا — چاہ یوسف تھا ذقن سو چاہ رستم ہو گیا
سینہ کوبی سنگ سے دل خون ہونے میں رہی — حق بجانب تھا ہمارے سخت ماتم ہو گیا

ایک سا عالم نہیں رہتا ہے اس عالم کے بیچ — اب جہاں کوئی نہیں، یاں ایک عالم ہو گیا
آنکھ کے اٹھتے تری آشوب سا برپا ہوا — زلف کے درہم ہوئے اک جمع برہم ہو گیا
۴۴۲۵ اس لبِ جاں بخش کی حسرت نے مارا جان سے — آبِ حیواں یمنِ طالع سے مرے سم ہو گیا
وقت تب تک تھا تو سجدہ مسجدوں میں کفر تھا — فائدہ اب جب کہ قد محراب سا خم ہو گیا
عشق ان شہری غزالوں کا جنوں کو اب کھنچا — وحشتِ دل بڑھ گئی آرامِ جاں رم ہو گیا
جی کھنچے جاتے ہیں فرطِ شوق سے آنکھوں کی اور — جن نے دیکھا ایک دم اس کو سو بے دم ہو گیا
ہم نے جو کچھ اس سے دیکھا سو خلافِ چشم داشت — اپنا عزرائیل وہ جانِ مجسم ہو گیا

۴۴۳۰ کیا کہوں کیا طرحیں بدلیں چاہ نے آخر کو میر
تھا گرہ جو درد چھاتی میں سو اب غم ہو گیا

## ۵۷۶

کبھی ہو کیوں تو ناز سے پھر گرم رہ ہوا — برسوں سے صوفیوں کا مصلیٰ تو تہ ہوا
معلوم تیرے چہرۂ پرنور کا سا لطف — بالفرض آسماں پہ گیا پھول مہ ہوا
پوچھ اس سے دردِ ہجر کو جس کا بہ نازکی — جاگہ سے اپنے عضو کوئی بے جگہ ہوا
ہم پلہ اپنا کون ہے اس معرکے کے بیچ — کس کے ترازو یار کا تیرِ نگہ ہوا

۴۴۳۵ ایسا فقیر ہونا بھلا کیا ضرور تھا
دونوں جہاں میں میر عبث روسیہ ہوا

## ۵۷۷

مذکور میری شوخگی کا جو چل پڑا — مجلس میں سن سپند بیک اچھل پڑا
پہنچے ہے کوئی اس تنِ نازک کے لطف کو — گل گو چمن میں جامے سے اپنے نکل پڑا
میں جو کہا کہ آگ سی سلگے ہے دل کے بیچ — کہنے لگا کہ یوں ہی کوئی دن تو جل پڑا
بل کیوں نہ کھائیے کہ لگا رہنے اب تو واں — بالوں میں اور پیچ میں پگڑی کے بل پڑا
۴۴۴۰ تھے اختلال اگرچہ مزاجوں میں کب سے لیک — ہلنے میں اس پلک کے نہایت خلل پڑا
رہنا نہیں ہے آنکھ سے آنسو ترے لیے — دیکھی جو اچھی شے تو یہ لڑکا مچل پڑا
سر اس کے پاؤں سے نہیں اٹھتے رہتے ہے میر ÷ گر خوش غلاف میچہ اس کا آنکل پڑا

دل فرطِ اضطراب سے سیماب سا ہوا — چہرہ تمام زرد زرِ ناب سا ہوا

شاید جگر گداختہ یک لخت ہو گیا — کچھ آبدیدہ رات سے خوں ناب سا ہوا

وے دن گئے کہ اشک سے چھڑکاؤ سا کیا — اب لوٹنے لگے گئے ہیں تو تالاب سا ہوا ۴۴۴۵

اک دن کیا تھا یار نے قدِ ناز سے بلند — خجلت سے سرو جیسے چمن آب سا ہوا

کیا اور کوئی روئے کہ اب جوشِ اشک سے — حلقہ ہماری چشم کا گرداب سا ہوا

قصہ تو مختصر تھا وے طول کو کھنچا — ایجازِ دل کے شوق سے اطناب سا ہوا

عمامہ ہے موذنِ مسجد کہ بارِ سر — قد تو ترا خمیدہ ہو محراب سا ہوا

بات اب تو سن کہ جانے سخن حسن میں ہوئی — خطِ پشتِ لب کا سبزۂ سیراب سا ہوا ۴۴۵۰

چل باغ میں بھی سوتے سے اٹھ کر کبھو کہ گل — تک تک کے راہ دیدۂ بے خواب سا ہوا

سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اسی گھڑی
جب سن کے تیرا نام وہ بیتاب سا ہوا

## ۵۷۸

دیکھ آرسی کو یار ہوا محو ناز کا — خانہ خراب ہوجیو آئینہ ساز کا

ہوتا ہے کون دست بسر واں غرور سے — گالی ہے اب جواب سلامِ نیاز کا

ہم تو سمندِ ناز کے پامال ہو چکے — اس کو وہی ہے شوق ابھی ترک تاز کا ۴۴۵۵

ہے کیمیا گراں محبت میں قدر خاک — پر وقر کچھ نہیں ہے دلِ بے گداز کا

اس لطف سے نہ غنچۂ نرگس کھلا کبھو — کھلنا تو دیکھ اس مژۂ نیم باز کا

کوتاہ تھا فسانہ جو مر جاتے ہم شتاب — جی پر وبال سب ہے یہ عمرِ دراز کا

مارا نہ اپنے ہاتھ سے مجھ کو ہزار حیف — کشتہ ہوں یار میں تو ترے امتیاز کا

ہلتی ہے یوں پلک کہ گڑی دل میں جائے ہے — انداز دیدنی ہے مرے دل نواز کا ۴۴۶۰

پھر میر آج مسجدِ جامع کے تھے امام
داغِ شراب دھوتے تھے کل جانماز کا

## ۵۷۹

غم ابھی کیا محشرِ مشہور کا — شور سا ہے تو ولیکن دور کا

حق تو سب کچھ ہی ہے تو نا حق نہ بول | بات کہنے سے سر کٹا منصور کا
بیچ سے کب کا گیا اب ذکر کیا | اُس ولیِ مرحوم کا مغفور کا
۴۴۶۵ طرفہ آتش خیز سنگستاں ہے دل | مقتبس یاں سے ہے شعلہ طور کا
مر گئے پر خاک ہے سب کبر و ناز | قطعہ | مت جھکو سر گو کسو مغرور کا
ٹھیکری کو قدر ہے اس کو نہیں | ٹوٹے جب کاسہ سرِ فغفور کا
ہو کھڑا وہ تو پری سی ہے کھڑی | قطعہ | منہ کھلے تو جیسے چہرہ حور کا
دیکھ لے کیونکر ملک جھپکے نہ ہوں | آنکھ کے آگے یہ ٹکڑا نور کا

چشم بہنے سے کبھو رہتی نہیں
۴۴۷۰ کچھ علاج اے میر اس ناسور کا

## ۵۸۰

نظر میں طور رکھ اس کم نما کا | بھروسا کیا ہے عمرِ بے وفا کا
گلوں کے پیرہن میں چاک سارے | کھلا تھا کیا کہیں بند اس قبا کا
پرستش اب اسی بت کی ہے ہر سو | رہا ہوگا کوئی بندہ خدا کا
بلا ہیں قادر انداز اس کی آنکھیں | کیا یکہ جنازہ جس کو تاکا
۴۴۷۵ بچا ہے عمر سے اب ایک حسرت | گیا وہ شور سر کا درد پا کا
مداوا خاطروں سے تھا وگرنہ | بدایت مرتبہ تھا انتہا کا
لگا تھا روگ جب سے یہ تبھی سے | اثر معلوم تھا ہم کو دوا کا
مروت چشم رکھنا سادگی ہے | نہیں شیوہ یہ اپنے آشنا کا
کہیں اس زلف سے کیا لگ چلی ہے | پڑے ہے پاؤں بیچ سب کچھ صبا کا
۴۴۸۰ نہ جا تو دور صوفی خانقہ سے | ہمیں تو پاس ہے ابر و ہوا کا
نہ جانوں میر کیوں ایسا ہے چپکا | قطعہ | نمونہ ہے یہ آشوب و بلا کا

کرو دن ہی سے رخصت ورنہ شب کو
نہ سونے دے گا شور اس بے نوا کا

وہ ترکِ مست کسو کی خبر نہیں رکھتا | ۵۸۱ | کہ میں شکارِ زبوں ہوں جگر نہیں رکھتا

بلا سے آنکھ جو پڑتی ہے اُس کی دس جاگہ — ہمارا حال تو مدِّ نظر نہیں رکھتا

رہے نہ کیونکر یہ دل باختہ سدا تنہا — کہ کوئی آوے کہاں میں تو گھر نہیں رکھتا ۴۴۸۵

جنھوں کے دم میں ہے تاثیر اور ہے ہیں لوگ — ہمارا نالۂ جانکاہ اثر نہیں رکھتا

کہیں ہیں اب کی بہت رنگ اُڑ چلا گُل کا — ہزار حیف کہ میں بال و پر نہیں رکھتا

تو کوئی زور ہی نسخہ ہے اے مفرّحِ دل — کہ طبعِ عشق میں ہرگز ضرر نہیں رکھتا

خُدا کی اور سے ہے سب یہ اعتبار ورنہ — جو خوب دیکھو تو میں کچھ ہنر نہیں رکھتا

غلط ہے دعویِ عشق اس فضول کا بے ریب — جو کوئی خشک لب اور چشم تر نہیں رکھتا ۴۴۹۰

جُدا جُدا پھرے ہے میر سب سے کس خاطر
خیال ملنے کا اس کے اگر نہیں رکھتا

## ۵۸۲

گیا میں جان سے وہ بھی جو ٹک آتا تو کیا ہوتا — قدم دو ساتھ میری نعش کے جاتا تو کیا ہوتا

پھرا تھا دور اس سے مدتوں میں کوہ و صحرا میں — بُلا کر پاس اپنے مجھ کو بٹھلاتا تو کیا ہوتا

ہوئے آخر کو سارے کام ضائع ناشکیبی سے — کوئی دن اور تابِ ہجر دل لاتا تو کیا ہوتا

دمِ بسمل ہمارے زیرِ لب کچھ کچھ کہا سب نے — جو وہ بے رحم بھی کچھ منھ سے فرماتا تو کیا ہوتا ۴۴۹۵

کہے سے غیر کے وہ توڑ بیٹھا وہیں یاروں سے — کئے جاتا اگر ٹک چاہ کا ناتا تو کیا ہوتا

کبھو سرگرمِ بازی ہمدموں سے یاں بھی آ جاتا — ہمیں یک چند اگر وہ اور بہلاتا تو کیا ہوتا

گئے لے میر کو کل قتل کرنے اُس کے در پر سے
جو وہ بھی گھر سے باہر اپنے ٹک آتا تو کیا ہوتا

## ۵۸۳

میں غش کیا جو خط لے اودھر نامہ بر چلا — یعنی کہ فرطِ شوق سے جی بھی ادھر چلا

سدھ لے گئی تری بھی کوئی زلفِ مشک بو — گیسوے پیچ دار جو منھ پر بکھر چلا ۴۵۰۰

لڑکا ہی تھا نہ قاتل ناکردہ خوں ہنوز — کپڑے گلے کے سارے مرے خوں میں بھر چلا

لے مایۂ حیات گیا جس کنے سے تو — آفت رسیدہ پھر وہ کوئی دم میں مر چلا

طیاری آج رات کہیں رہنے کی سی ہے — کس خانماں خراب کے اے مہ تو گھر چلا

دیکھو گے کوئی گوشہ نشیں ہو چکا غریب
تیرِ مژہ اس ابروکماں کا اگر چلا

۴۵۰۵ بے مے رہا بہار میں ساری ہزار حیف
لطف ہوا سے شیخ بہت بے خبر چلا

ہم سے تکلف اُس کا چلا جائے ہے وہی
قطعہ
کل راہ میں ملا تھا سو منھ ڈھانپ کر چلا

یہ چھیڑ دیکھ ہنس کے رخِ زرد پر مرے
کہتا ہے میرؔ رنگ تو اب کچھ نکھر چلا

## ۵۸۴

وہ شوخ ہم کو پانوں تلے ہے ملا کیا
اس دل نے کس بلا میں ہمیں مبتلا کیا

چھاتی کبھو نہ ٹھنڈی کی لگ کر گلے سے آہ
دل اس سے دور سینے میں اکثر جلا کیا

۴۵۱۰ کس وقت شرحِ حال سے فرصت ہمیں ہوئی
کس دن نیا نہ قاصد ادھر سے چلا کیا

ہم تو گمان دوستی رکھتے تھے پر یہ دل
دشمن عجب طرح کا بغل میں پلا کیا

کیا لطف ہے جیے جو برے حال کوئی میرؔ
جینے سے تو نے ہاتھ اٹھایا بھلا کیا

## ۵۸۵

اس موج خیز دہر میں تو ہے حباب سا
آنکھیں کھلیں تری تو یہ عالم ہے خواب سا

بُرقع اٹھا کے دیکھے ہے منھ سے کبھو ادھر
بارے ہوا ہے ان دنوں رفعِ حجاب سا

۴۵۱۵ وہ دل کہ تیرے ہوتے رہے تھا بھرا بھرا
اب اس کو دیکھیے تو ہے اک گھر خراب سا

دس روز آگے دیکھا تھا جیسا سو اب نہیں
دل رہ گیا ہے سینے میں جل کر کباب سا

اس عمر میں یہ ہوش کہ کہنے کو نرم گرم
بگڑا رہے ہے ساختہ مستِ شراب سا

ہے یہ فریبِ شوق کہ جاتے ہیں خط چلے
واں سے وگرنہ کب کا ہوا ہے جواب سا

کیا سطرِ موجِ اشک روانی کے ساتھ ہے
مشتاقِ گریہ ابر ہے چشم پر آب سا

۴۵۲۰ دوزخ ہوا ہے ہجر میں اس کے جہاں ہمیں
سوزِ دروں سے جان پہ ہے اک عذاب سا

مدت ہوئی کہ دل سے قرار و سکوں گئے
رہتا ہے اب تو آٹھ پہر اضطراب سا

امواج آب سا ہے ولیکن اٹھے ہے خاک
ہے میرؔ بحر بے تہِ ہستی سراب سا

کب لطف زبانی کچھ اس غنچہ دہن کا تھا　　برسوں ملے پر ہم سے صرفہ ہی سخن کا تھا

اسباب مہیا تھے سب مرنے ہی کے لیکن　　اب تک نہ موئے ہم جو اندیشہ کفن کا تھا

بلبل کو سوا پایا کل پھولوں کی دوکاں پر　　اس مرغ کے بھی جی میں کیا شوق چمن کا تھا ۴۵۲۵

بے ڈول قدم تیرا پڑتا تھا لڑکپن میں　　رونا ہمیں اول ہی اس تیرے چلن کا تھا

مرغانِ قفس سارے تسبیح میں تھے گل کی　　ہر چند کہ ہر اک کا ڈھلکا ہوا منکا تھا

سب سطح ہے پانی کا آئینے کا سا تختہ　　دریا میں کہیں شاید عکس اس کے بدن کا تھا

خوگر نہیں ہم یوں ہی کچھ ریختہ کہنے سے　　معشوق جو اپنا تھا باشندہ دکن کا تھا

بھولے نہیں تم جس دن سج نکلے تھے اک پیچا　　اس دن ہی تمھیں دیکھے ماتھا مرا ٹھنکا تھا ۴۵۳۰

رہ میر غریبانہ جاتا تھا چلا روتا
ہر گام گلہ لب پر یارانِ وطن کا تھا

۵۸۷

یہ روش ہے دلبروں کی نہ کبھو سے ساز کرنا　　کوئی خاک سے ہو یکساں وہی ان کو ناز کرنا

کوئی عاشقوں بتاں کی کرے نقل کیا معیشت　　انھیں ناز کرتے رہنا انھیں جی نیاز کرنا

رہیں بند میری آنکھیں شب و روز ضعف ہی میں　　نہ ہوا مجھے میسر کبھو چشم باز کرنا

یہ بھی طرفہ ماجرا ہے کہ اسی کو چاہتا ہوں　　مجھے چاہیے ہے جس سے بہت احتراز کرنا ۴۵۳۵

نہیں کچھ رہا تو لڑکا تجھے پر ضرور ہے اب　　ہوس اور عاشقی میں ٹک اک امتیاز کرنا

کوئی عاشقوں کی جھپٹ کنھوں نے اٹھائی بھی ہے　　انھیں بات ہو جو تھوڑی اسے بھی دراز کرنا

یہی میر کھینچے قشقہ درِ دیر پر تھے ساجد
نہیں اعتماد قابل انھوں کا نماز کرنا

۵۸۸

ایک آن اس زمانے میں یہ دل نہ وا ہوا　　کیا جانیے کہ میر زمانے کو کیا ہوا

دکھلاتے کیا ہو دستِ حنائی کا مجھ کو رنگ　　ہاتھوں سے میں تمھارے بہت ہوں جلا ہوا ۴۵۴۰

سوزش وہی تھی چھاتی میں مرنے تلک مرے　　اچھا ہوا نہ داغ جگر کا لگا ہوا

سر ہی چڑھا رہے ہے ہر اک بادہ خوار کے — ہے شیخ شہر یا کوئی ہے جن پڑھا ہوا

ظاہر کو گو درست رکھا مر کے میں ولے — دل کا لگاؤ کوئی رہا ہے چھپا ہوا

از خویش رفتہ ہیں ہی نہیں اس کی راہ میں — آتا نہیں ہے پھر کے ادھر کا گیا ہوا

۴۵۴۵ یوں پھر اٹھا نہ جائے گا اے ابر دشت سے — گر کوئی رونے بیٹھ گیا دل بھرا ہوا

لے کر جواب خط کا نہ قاصد پھرا کبھو — کیا جانئے سرنوشت میں کیا ہے لکھا ہوا

گو ہیں غبارے مہندی کے رنگوں فلک ولے — چھوٹے نہ اس سے اس کا لگایا بندھا ہوا

اٹھتے تعب فراق کے جی سے کہاں تلک — دل جو بجا رہا نہ ہمارا بجا ہوا

دامن سے منھ چھپائے جنوں کب رہا چھپا — سو جا ہے سامنے ہے گریباں پھٹا ہوا

۴۵۵۰ دیکھا نہ ایک گل کو بھی چشمک زنی میں ہائے — جب کچھ رہا نہ باغ میں تب میں رہا ہوا

کیا جانیے ملاپ کسے کہتے ہیں یہ لوگ — برسوں ہوئے کہ ہم سے تو وہ ہے لڑا ہوا

بحر بلا سے کوئی نکلتا مرا جہاز — بارے خدائے عزّ و جل ناخدا ہوا

اس بحر میں اک اور غزل تو بھی میر کہہ
دریا تھا لو تو تیری روانی کو کیا ہوا

## ۵۸۹

اس کام و جان و دل سے جو کوئی جدا ہوا — دیکھا پھر اس کو خاک میں ہم نے ملا ہوا

۴۵۵۵ کر ترک گرچہ بیٹھے ہیں پر ہے وہی تلاش — رہتا نہیں ہے ہاتھ ہمارا اٹھا ہوا

کھینچا بغل میں میں جو اسے مست پا کے رات — کہنے لگا کہ آپ کو بھی اب نشا ہوا

نے صبر ہے نہ ہوش ہے نے عقل ہے نہ دین — آتا ہے اس کے پاس سے عاشق لٹا ہوا

اٹھتا ہے میرے دل سے کبھو جوش سا تو پھر — جاتا ہے دونوں آنکھوں سے دریا بہا ہوا

جوں صید نیم کشتہ تڑپتا ہے ایک سا — کیا جانئے کہ دل کو مرے کیا بلا ہوا

۴۵۶۰ خط آئے پر جو گرم وہ پرکار مل چلا — میں سادگی سے جانا کہ اب آشنا ہوا

ہم تو لگے کنارے ہوئے غیر ہم کنار — ایکوں کی عید ایکوں کے گھر میں دہا ہوا

جل برق مجھ کو ہنستے نہ دیکھا کسو نے آہ — پایا تو ابر سا کہیں روتا کھڑا ہوا

جس شعر پر سماع تھا کل خانقاہ میں — وہ آج میں سنا تو ہے میرا کہا ہوا

پایا مجھے رقیب نے آ اس کی زیر تیغ — دل خواہ بارے مدعی کا مدعا ہوا

بیمار مرگ سا تو نہیں روز اب بتر

دیکھا تھا ہم نے میر کو کچھ تو بھلا ہوا ۴۵۶۵

## ۵۹۰

کل دل آزردہ گلستاں سے گزر ہم نے کیا — گل لگے کہنے کہو منھ نہ ادھر ہم نے کیا

کر گئی خواب سے بیدار تمھیں صبح کی باؤ — بے دماغ اتنے جو ہو ہم پہ مگر ہم نے کیا

سیدھے تلوار کے منھ پر تری ہم آئے چلے — کیا کریں اس دل خستہ کو سپر ہم نے کیا

نیمچہ ہاتھ میں مستی سے لہو سی آنکھیں — سج تری دیکھ کے اے شوخ حذر ہم نے کیا

پانو کے نیچے کی مٹی بھی نہ ہوگی ہم سی — کیا کہیں عمر کو اس طرح بسر ہم نے کیا ۴۵۷۰

کھا گیا ناخن سر تیز جگر دل دونوں — رات کی سینہ خراشی میں ہنر ہم نے کیا

کام ان ہونٹوں سے وہ لے جو کوئی ہم سا ہو — دیکھتے دیکھتے ہی آنکھوں میں گھر ہم نے کیا

جیسے حسرت لیے جاتا ہے جہاں سے کوئی — آہ یوں کوچۂ دلبر سے سفر ہم نے کیا

بارے کل ٹھہر گئے ظالم خوں خوار سے ہم — منصفی کیجے تو کچھ کم نہ جگر ہم نے کیا

اس رخ و زلف کی تسبیح ہے یاں اکثر میر

ورد اپنا یہی اب شام و سحر ہم نے کیا ۴۵۷۵

## ۵۹۱

اس قدر آنکھیں چھپاتا ہے تو اے مغرور کیا — ٹک نظر ادھر نہیں کہ اس سے ہے منظور کیا

وصل و ہجراں سے نہیں ہے عشق میں کچھ گفتگو — لاگ دل کی چاہیے ہے یاں قریب و دور کیا

ہو خرابی اور آبادی کی عاقل کو تمیز — ہم دوانے ہیں ہمیں ویران کیا معمور کیا

اٹھ نہیں سکتا ترے در سے شکایت کیا مری — حال میں اپنے ہوں عاجز میں مجھے مقدور کیا

سب ہیں یکساں جب فنا یک بارگی طاری ہوئی — ٹھیکرا اس مرتبے میں کیا سر فغفور کیا ۴۵۸۰

لطف اس کے حرف و سخن پہلے جو تھے بہر فریب — مدتیں جاتی ہیں ان باتوں کا اب مذکور کیا

دیکھ بھیگی آنکھ میری ہنس کے بولا کل وہ شوخ — یہ نہیں اب تک ہوا منھ کا ترے ناسور کیا

میں تو دیکھوں ہوں تمھارے منھ کو تم نے دل لیا — تم مجھے رہتے ہو اکثر مجلسوں میں گھور کیا

ابر سا روتا جو میں نکلا تو بولا طنز سے — آرسی جا دیکھ گھر برسنے ہے مُنھ پر نور گیا

سنگِ بالیں میرؔ کا جو باٹ کا روڑا ہُوا
۴۵۸۵ سخت کر جی کو گیا اس جا سے وہ رنجور گیا

## ۵۹۲

جوں ابرِ قبلہ دِل ہے نہایت ہی بھر رہا — رونا مرا سنو گے کہ طوفان کر رہا
شب مے کدے سے وارِدِ مسجد ہُوا تھا میں — پر شُکر ہے کہ صُبح تئیں بے خبر رہا
مِل جس سے ایک بار نہ پھر تو ہُوا دوچار — رُک رُک کے وہ سِتم زدہ ناچار مر رہا
تسکینِ دِل ہو تب کہ کبھو آ گیا بھی ہو — برسوں سے اس کا آنا یہی صُبح پر رہا
۴۵۹۰ اس زُلف و رُخ کو بھولے مجھے مُدّتیں ہُوئیں — لیکن مرا نہ گریۂ شام و سحر رہا
رہتے تو تھے مکاں پہ ولے آپ میں نہ تھے — اُس بِن ہمیں ہمیشہ وطن میں سفر رہا
اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ پُوچھے ہے بار بار — کچھ وجہ بھی کہ آپ کا مُنھ ہے اُتر رہا
اک دم میں یہ عجب کہ مرے سر پہ پھر گیا — جو آبِ تیغ برسوں تری تا کمر رہا

کاہے کو میں نے میرؔ کو چھیڑا کہ اُن نے آج
یہ دردِ دِل کہا کہ مجھے دردِ سر رہا

## ۵۹۳

۴۵۹۵ دِل دفعتہً جُنوں کا مُہیّا سا ہو گیا — دیکھی کہاں وہ زُلف کہ سودا سا ہو گیا
ٹک جوش سا اُٹھا تھا مرے دِل سے رات کو — دیکھا تو ایک پل ہی میں دریا سا ہو گیا
بے رونقیِ باغ ہے جنگل سے بھی پرے — گُل سُوکھ تیرے ہجر میں کانٹا سا ہو گیا
جلوہ ترا تھا جب تئیں باغ و بہار تھا — اب دِل کو دیکھتے ہیں تو صحرا سا ہو گیا

کل تک تو ہم وے ہنستے چلے آئے تھے یہیں
مرنا بھی میرؔ جی کا تماشا سا ہو گیا

## ۵۹۴

۴۶۰۰ دل کی واشد کے لیے کل باغ میں مَیں ٹک گیا — سُن گلہ بُلبُل سے گُل کا اور بھی جی رُک گیا
عشق کی سوزش نے دل میں کچھ نہ چھوڑا کیا کہیں — لگ اُٹھی یہ آگ ناگاہی کہ گھر سب پھک گیا

ہم نہ کہتے تھے کہ غافل خاک ہو پیش از فنا
دیکھ اب پیری میں قد تیرا کدھر کو جھک گیا

خدمت معقول ہی سب شیخ کرتے رہے
شیخ آیا ئے کدے کی اور جب تب ٹُھک گیا

میر اس قاضی کے لونڈے کے لیے آخر مُوا
سب کو قضیہ اس کے جینے کا تھا بارے چُک گیا

## ۵۹۵

پھرتا ہے زندگی کے لیے آہ خوار کیا
اس وہم کی نمود کا ہے اعتبار کیا ۴۶۰۵

کیا جانیں ہم اسیرِ قفس زاد اے نسیم!
گُل کیسے باغ کہتے ہیں کس کو بہار کیا

آنکھیں برنگ نقشِ قدم ہو گئیں سفید
پھر اور کوئی اس کا کرے انتظار کیا

سیکھی ہے طرح سینہ فگاری کی سب مری
لائے تھے ساتھ چاک دلِ ایسا انار کیا

سرکش کسو سے ایسی کہ [illegible]
ہم اس کی خاک راہ ہیں ہم سے غبار کیا

نے وہ نگہ چھپی ہے نہ [illegible]
کیا جانیے کہ دل کو ہے یہ خار خار کیا ۴۶۱۰

لیتا ہے ابر اب تئیں اس نا نچھے سے آب
روئے ہیں ہم بھی برسوں تئیں زار زار کیا

عاشق کے دل سے کم نہ کسی کی چشم داشت
ہے برق پارہ یہ اسے آوے قرار کیا

صحبت رہی بگڑتی ہی اُس کینہ ور سے آہ
ہم جانتے نہیں ہیں کہ ہوتا ہے پیار کیا

مارا ہو ایک دو کو تو ہو مدعی کوئی
کشتوں کا اُس کے روزِ جزا میں شمار کیا

مدت سے جرگہ جرگہ سر تیرہ ہیں غزال
کم ہو گیا ہے یاروں کا ذوقِ شکار کیا ۴۶۱۵

پاتے ہیں اپنے حال میں مجبور سب کو ہم
کہنے کو اختیار ہے پر اختیار کیا

آخر زمانہ سازی سے [illegible] میر
یہ اختیار تم نے کیا روزگار کیا

## ۵۹۶

غنچہ ہی وہ دہان ہے گویا
ہونٹھ پر رنگ پان ہے گویا

میرے مرنے سے بھی وہ چونکے ہے
اب تلک مجھ میں جان ہے گویا

چاہیے جیتے گزرے اُس کا نام
منھ میں جب تک زبان ہے گویا ۴۶۲۰

سربسر کیں ہے لیک وہ پُرکار
دیکھو تو مہربان ہے گویا

حیرت روئے گل سے مرغ چمن | چپ ہے یوں بے زبان ہے گویا
مسجد ایسی بھری بھری کب ہے | مے کدہ اک جہان ہے گویا
جائے ہے شور سے فلک کی طرف | نالۂ صبح بان ہے گویا
۴۶۲۵ بس کہ ہیں اس غزل میں شعر بلند | یہ زمین آسمان ہے گویا

وہی شورِ مزاج شیب میں ہے
میرؔ اب تک جوان ہے گویا

۵۹۷

ان سختیوں میں کس کا میلان خواب پر تھا | بالیں کی جائے ہر شب یاں سنگ زیر سر تھا
ان ابرو و مژہ سے کب میرے جی میں ڈر تھا | تیغ و سناں کے مُنھ پر اکثر مرا جگر تھا
اِن خوبصورتوں کا کچھ لطف کم ہے مجھ پر | یک عمر ورنہ اس جا پریوں ہی کا گذر تھا
۴۶۳۰ تیشے سے کوہکن کے کیا طرفہ کام نکلا | اپنے تو ناخنوں میں اس طور کا ہنر تھا
عصمت کو اپنی واں تو روتے ملک پھریں ہیں | لغزش ہوئی جو مجھ سے کیا عیب میں بشر تھا
کل ہم وہ دونوں یک جا ناگاہ ہو گئے تھے | وہ جیسے برق خاطف میں جیسے ابر تر تھا
ہوش اُڑ گئے سبھوں کے شورِ سحر سے اس کے | مرغ چمن اگرچہ یک مشت بال و پر تھا
پھر آج یہ کہانی کل شب پہ رہ گئی ہے | سوتا نہ رہتا ٹک تو قصہ ہی مختصر تھا
۴۶۳۵ رشک اس شہید کا ہے خضر و مسیح کو بھی | جو کشتہ اس کی جانب دو گام پیشتر تھا
ہشیاری اس کی دیکھو کیفی ہو مجھ کو مارا | تا سن کے سب کہیں یہ وہ مست بے خبر تھا
صد رنگ ہے خرابی کچھ تو بھی رہ گیا ہے | کیا نقل کریے یارو دل کوئی گھر سا گھر تھا
تھا وہ بھی اک زمانہ جب نالے آتشیں تھے | چاروں طرف سے جنگل جلتا دہر دہر تھا

جب نالہ کش ہوا وہ تب مجلسیں رلائیں
تھا میرؔ دل شکستہ یا کوئی نوحہ گر تھا

۵۹۸

۴۶۴۰ تیغ لے کر کیوں تو عاشق پر گیا | زیر لب جب کچھ کہا وہ مر گیا
تڑپے زیر تیغ ہم سب ڈول آہ | دامن پاک اس کا خوں میں بھر گیا

خاک ہے پکڑے اگر سونا بھی پھر — ہاتھ سے جس کے وہ سیمیں بر گیا
کیا بندھا ہے اس کے کوچے میں طلسم — پھر نہ آیا جو کوئی اُودھر گیا
خانداں اس بن ہوئے کیا کیا خراب — آج تک وہ شوخ کس کے گھر گیا
ابرو و مژگاں ہی میں کاٹی ہے عمر — کیا سناں نہ تیغ سے میں ڈر گیا ۴۶۴۵

کہتے ہیں ضائع کیا اپنے تئیں
میر تو دانا تھا یہ کیا کر گیا

## ۵۹۹

جی رُک گئے اے ہمدم دل خوں ہو بھر آیا — اب ضبط کریں کب تک منھ تک تو جگر آیا
تھی چشم دمِ آخر وہ دیکھنے آوے گا — سو آنکھوں میں جی آیا پر وہ نہ نظر آیا
بے سدھ پڑے ہیں سارے سجادوں پہ اسلامی — دارو پیے وہ کافر کاہے کو ادھر آیا
ہر خستہ ترا خواہاں یک زخم دگر کا تھا — کی مشق ستم تونے پر خوں نہ کر آیا ۴۶۵۰
گل برگ ہی کچھ تنہا پانی نہیں خجلت سے — جنبش سے ترے لب کی یاقوت بھی تر آیا
بالفعل تو ہے قاصد محو اس خط و گیسو کا — ٹک چیتے تو ہم پوچھیں کیا لے کے خبر آیا
تابوت پہ بھی میرے پتھر پڑے لے جاتے — اس نخل میں ماتم کے کیا خوب ثمر آیا
ہے حق بہ طرف اس کے یوں جس کے گیا ہو تو — سج ایسی تری دیکھی ہم کو بھی خطر آیا
کیا کہیے کہ پتھر سے سر مارتے ہم گزرے — یوں اپنا زمانہ تو بن یار بسر آیا ۴۶۵۵
صنعت گریاں ہم نے کیں سیکڑوں یاں لیکن — جس سے کبھو وہ ملتا ایسا نہ ہنر آیا

در ہی کے تئیں تکتے پتھرا گئیں آنکھیں تو
وہ ظالم سنگیں دل کب میر کے گھر آیا

## ۶۰۰

یاد ہے میر کا مگر گل سا — کہ سحر نالہ کش ہے بلبل سا
یاں کوئی اپنی جان دو دشوار — واں وہی ہے سو ہے تساہل سا
دود دل کو ہمارے ٹک دیکھو — یہ بھی پرپیچ اب ہے کاکل سا ۴۶۶۰
شوق ان اُس کے لمبے بالوں کا — یاں چلا جائے ہے تسلسل سا

کب تھی جرأت رقیب کی اتنی — تم نے بھی کچھ کیا تغافل سا

اک نگہ ایک چشمک ایک سخن — اس میں بھی تم کو ہے تامّل سا

بارے مستوں نے ہوشیاری کی — دے کے کچھ محتسب کا مُنھ جُھلسا

۴۶۶۵ شرم آتی ہے پہنچتے اُودھر — خط ہوا شوق سے ترسّل سا

ٹوٹی زنجیرِ پائے میر مگر

رات سُنتے رہے ہیں ہم غُل سا

## ۶۰۱

چمن میں جا کے جو میں گرمِ وصفِ یار ہوا — گُل اشتیاق سے میرے گلے کا ہار ہوا

تُمھارے ترکشِ مژگاں کی کیا کروں تعریف — جو تیر اس سے چلا سو جگر کے پار ہوا

ہماری خاک پہ اک بے کسی برستی ہے — اُدھر سے ابر جب آیا تب اشک بار ہوا

۴۶۷۰ کریں نہ کیونکہ یہ ترکاں بلند پروازی — انھوں کا طائرِ سدرہ نشیں شکار ہوا

کبھو بھی اُس کو نہ دل سے ملتے پایا پھر — فریب تھا وہ کوئی دن جو ہم سے یار ہوا

بہت دنوں سے درونے میں اضطراب سا تھا — جگر تمام ہوا خون تب قرار ہوا

شکیبِ میر جو کرتا تو وقر رہ جاتا

اُدھر کو جا کے عبث یہ حبیب خوار ہوا

## ۶۰۲

ایک دِل کو ہزار داغ لگا — اندرونے میں جیسے باغ لگا

۴۶۷۵ اُس سے یوں گُل نے رنگ پکڑا ہے — شمع سے جیسے لیں چراغ لگا

خوبی یک پیچہ بندِ خوباں کی — خوب باندھوں گا گر دماغ لگا

پانو دامن میں کھینچ لیں گے ہم — ہاتھ گر گوشۂ فراغ لگا

میر اس بے نشاں کو پایا جان

کچھ ہمارا اگر سراغ لگا

## ۶۰۳

تیغ کی اپنی صفت لکھتے جو گُل وہ آ گیا — ہنس کے اس پرچے کو میرے ہی گلے بندھوا گیا

دست و پا گم کرنے سے میرے کھُلے اسرارِ عشق
دیکھ کر کھویا گیا سا مجھ کو ہر یک پا گیا

داغِ محجوبی ہوں اس کا مَیں کہ میرے روبرو
عکس اپنا آرسی میں دیکھ کر شرما گیا ۴۶۸۰

ہم بشر عاجز، شباتِ پا ہمارا کس قدر
دیکھ کر اُس کو مَلک سے بھی نہ یاں ٹھہرا گیا

یار کے بالوں کا بندھنا تہ رہے پگڑی کے ساتھ
ایک عالم دوستاں اس پیچ میں مارا گیا

ہم نہ جانا اختلاط اس طفلِ بازی کوش کا
گرم بازی آ گیا تو ہم کو بھی بہلا گیا

کیا کروں ناچار ہوں مرنے کو اب طیار مَیں
دِل کی روز و شب کی بے تابی سے جی گھبرا گیا

جی کوئی لگتا ہے اُس کے اُٹھ گئے پر باغ میں
گُل نے بہتیرا کہا ہم سے نہ ٹک ٹھہرا گیا ۴۶۸۵

ہو گئے تحلیل سب اعضا مرے پاکر گداز
رفتہ رفتہ ہجر کا اندوہ مجھ کو کھا گیا

یوں تو کہتا تھا کوئی دیسے کو باندھے ہے گلے
پر وہ پھندنا سا جو آیا میرؔ بھی پھندلا گیا

۶۰۴

دل عشق میں خوں دیکھا آنکھوں کو گیا دیکھا
پیغمبرِ کنعاں نے دیکھا نہ کہ کیا دیکھا

مجروح ہے سب سینہ تس پر ہے نمک پاشی
آنکھوں کے لڑانے کا ہم خوب مزا دیکھا

یک بار بھی آنکھ اپنی اُس پر نہ پڑی مرتے
سَو مرتبہ بالیں سے ہم سر کو اُٹھا دیکھا ۴۶۹۰

کاہش کا مری اب یہ کیا تجھ کو تعجّب ہے
بیماریٔ دِل والا کوئی بھی بھلا دیکھا

آنکھیں گئیں پھر تجھ بن کیا کیا نہ عزیزوں کی
پر تُو نے مُروّت سے ٹک اُن کو نہ جا دیکھا

جی دیتے ہیں مرنے پر سب شہرِ محبّت میں
کچھ ساری خدائی سے یہ طور نیا دیکھا

کہہ دل کو گنوایا ہے یا رنج اُٹھایا ہے
اے میرؔ تجھے ہم نے کچھ آج خفا دیکھا

۶۰۵

ناگہ جو وہ صنم ستم ایجاد آ گیا
دیکھے سے طور اس کے خدا یاد آ گیا ۴۶۹۵

پھوڑا تھا سر تو ہم نے بھی پر اِس کو کیا کریں
جو چشمِ روزگار میں فرہاد آ گیا

اپنا بھی قصد تھا سرِ دیوارِ باغ کا
توڑا ہی تھا قفس کو پہ صیاد آ گیا

جور و ستم اُٹھانے ہی اُس سے بنیں گے شیخ
مسجد میں گر وہ عاشقِ بیداد آ گیا

دیکھیں گے آدمی کی روش میر ہم تری
گر سامنے سے ٹک وہ پری زاد آ گیا

۶۰۶

۴۷۰۰ گرم مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا
آگ لینے مگر آئے تھے یہ آنا کیا تھا

برسوں یک بوسۂ لب مانگتے جاتے ہیں ہمیں
رات آتے ہی کہا تم نے جو مانا کیا تھا

دیکھنے آئے دمِ نزع لیے منھ پہ نقاب
آخری وقت مرے منھ کا چھپانا کیا تھا

جب نہ تب مرنے کو تیار رہے عشق میں ہم
جی کے تئیں اپنے کبھو ہم نے نہ جانا کیا تھا

مدّعی ہوتے ہیں اک آن میں اب تو دلدار
مہر جب رسم تھی یارب وہ زمانا کیا تھا

۴۷۰۵ عزّت و عشق کہاں جمع ہوئے ہیں اے ہمدم
ننگ خواری تھا اگر دل کا لگانا کیا تھا

گر خطِ سبز سے اس کے نہ تمھیں تھی کچھ لاگ
پھر بھلا میر جی یہ زہر کا کھانا کیا تھا

۶۰۷

دادِ گلشن غزل خواں وہ جو دلبر یاں ہوا
دامنِ گل گریۂ خونیں سے سب افشاں ہوا

طائرانِ باغ کو تھا بیت بحثی کا دماغ
پر ہر اک دردِ سخن سے میر کے نالاں ہوا

دل کی آبادی کو پہنچا اپنے گویا چشمِ زخم
دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر سب ویراں ہوا

۴۷۱۰ سبز بختی پر ہے اس کی طائرِ سدرہ کو رشک
جو شکار اس تیغ کے سائے تلے بے جاں ہوا

خاک پر بھی دوڑتی ہے چشمِ مہر و ماہِ چرخ
کس دنی الطبع کے گھر جا کے میں مہماں ہوا

تھا جگر میں جب تلک قطرہ ہی تھا خوں کا سرشک
اب جو آنکھوں سے تجاوز کر چلا طوفاں ہوا

اُس کے میرے بیچ میں آئینہ آیا تھا ولے
صورتِ احوال ساری دیکھ کر حیراں ہوا

دل نے خوں ہو عشقِ خوباں میں بھی کیا بدلے ہیں رنگ
چہروں کو غازہ ہوا ہونٹھوں کا رنگ پاں ہوا

۴۷۱۵ تم جو کل اس راہ نکلے برق سے ہنستے گئے
ابر کو دیکھو کہ جب آیا ادھر گریاں ہوا

جی سے جانا بن گیا اُس بن ہمیں پل مارتے
کام تو مشکل نظر آتا تھا پر آساں ہوا

جب سے ناموسِ جنوں گردن بندھا ہے تب سے میر
جیبِ جاں وابستۂ زنجیرِ تا داماں ہوا

آیا ہے ابر جب کا قبلے سے تیرا تیرا ۶۰۸ مستی کے ذوق میں ہیں آنکھیں بہت ہی خیرا

خجلت سے اُن لبوں کے پانی ہو بہ چلے ہیں
قند و نبات کا بھی نکلا ہے خوب شیرا

مجنوں نے حوصلے سے دیوانگی نہیں کی
جاگہ سے اپنی جانا اپنا نہیں وتیرا ۴۷۳۰

اس راہزن سے مل کر دل کیونکہ کھو نہ بیٹھیں
انداز و ناز اُچکّے، غمزہ اُٹھائی گیرا

کیا کم ہے ہولناکی صحراے عاشقی کی
شیروں کو اس جگہ پر ہوتا ہے قشعریرا

آئینے کو بھی دیکھو پر ٹک اِدھر بھی دیکھو
حیرانِ چشمِ عاشق دمکے ہے جیسے ہیرا

نیّت پہ سب بنا ہے یاں مسجد اک بڑی تھی
پیرِ مُغاں مُوا سو اُس کا بنا حظیرا

ہمراہ خوں تلک ہو ٹک پاؤں کے چھوٹنے سے
ایسا گناہ مجھ سے وہ کیسا ہوا کبیرا ۴۷۳۵

غیرت سے میرؔ صاحب سب جذب ہو گئے تھے
نکلا نہ بوند لوہو سینہ جوان کا چیرا

۶۰۹

یاں اپنی آنکھیں پھر گئیں پر وہ نہ آ پھرا
دیکھا نہ بدگمان ہمارا بھلا پھرا

آیا نہ پھر وہ آئینہ رو ٹک نظر مجھے
میں مُنھ پر اپنے خاک ملے جا بہ جا پھرا

کیا اور جی رندھے کسو کا تیرے ہجر میں
سو بار اپنے مُنھ سے جگر تو گیا پھرا

اللہ رے دل کشی کہیں دیکھا جو گرمِ ناز
جوں سایہ اُس کے ساتھ ملک پھر لگا پھرا ۴۷۴۰

سُن لیجو ایک بار مسافر ہی ہو گیا
بیمارِ عشق گور سے گو بارہا پھرا

کہہ وہ شکستہ پا ہمہ حسرت نہ کیونکہ جائے
جو ایک دن نہ تیری گلی میں چلا پھرا

طالع پھرے سپہر پھرا قلب پھر گئے
چندے وہ رشکِ ماہ جو ہم سے جدا پھرا

پُر ہے نمک سے ملنے کی اس وقت میں تلاش
بارے وہ ربط و دوستی سب کا مزا پھرا

آنسو گرا نہ رازِ محبت کا پاس کر
میں جیسے ابر برسوں تئیں دل بھرا پھرا ۴۷۴۵

بے صرفہ رونے لگ گئے ہم بھی اگر کبھو
تو دیکھیو کہ بادیہ سارا بہا پھرا

بندہ ہے پھر کہاں کا جو صاحب ہوئے دماغ
اُس سے خدائی پھرتی ہے جس سے خدا پھرا

خانہ خراب میرؔ بھی کیسا غیور تھا
مرتے مُوا پر اس سے کبھو گھر نہ جا پھرا

## ۶۱۰

پھریے کب تک شہر میں اب سوئے صحرا رو کیا — کام اپنا اس جنوں میں ہم نے بھی یک سو کیا

عشق نے کیا کیا تصرف یاں کیے ہیں آج کل — چشم کو پانی کیا سب، دل کو سب لوہو کیا

نکہتِ خوش اس کے پنڈے کی سی آتی ہے مجھے — اس سبب گل کو چمن کے دیر میں نے بو کیا

کام میں قدرت کے کچھ بولا نہیں جاتا ہے ہائے — خو، برو اس کو کیا لیکن بہت بد خو کیا

جانا اس آرام گہ سے ہے بعینہ بس یہی — جیسے سوتے سوتے ایدھر سے اودھر پہلو کیا

عزلتی اسلام کے کیا کیا پھرے ہیں جیب چاک — تو نے مائل کیوں ادھر کو گوشۂ ابرو کیا

۲۷۷۵ وہ آتوکش کا مجھی پر کیا ہے سرگرمِ جفا — مارے تلواروں کے ان نے بہتوں کو آتو کیا

ہاتھ پر رکھ ہاتھ اب وہ دو قدم چلتا نہیں — جن نے بالش خواب کا برسوں مرا بازو کیا

پھول نرگس کا لیے بھیچک کھڑا تھا راہ میں
کس کی چشمِ پرفسوں نے میر کو جادو کیا

## ۶۱۱

عاشق ترے لاکھوں ہوئے مجھ سا نہ پھر پیدا ہوا — تجھ پر کوئی اے کام جاں دیکھا نہ یوں مرتا ہوا

مدت ہوئی الفت گئی برسوں ہوئے طاقت گئی — دل مضطرب ایسا نہ تھا کیا جانیے اب کیا ہوا

۲۷۸۰ کل صبح سیرِ باغ میں دل اور میرا رک گیا — بلبل نہ بولا منھ سے کچھ گل ٹک نہ مجھ سے وا ہوا

وے دن گئے جو یاں کبھو اٹھتا تھا دل سے جوش سا — اب لگ گئے رونے جہاں پل مارتے دریا ہوا

کتنوں کے دل بے جاں ہوئے کتنے نہ جانا کیا ہوئے — چلنے میں اس کے دو قدم ہنگامہ اک برپا ہوا

مستی میں لغزش ہوگئی معذور رکھا چاہیے — اے اہلِ مسجد اس طرف آیا ہوں میں بہکا ہوا

جوں حسن ہے اک فتنہ گر یوں عشق بھی ہے پردہ در — وہ شہرۂ عالم ہوا میں خلق میں رسوا ہوا

۲۷۸۵ فرہاد و مجنوں دو سگے ہم اور وامق یوں چلے — اس عارضے سے چاہ کے وہ کون سا اچھا ہوا

یا حرفِ خط ہے درمیاں یا گیسوؤں کا ہے بیاں
کیا میر صاحب کے تئیں پھر ان دنوں سودا ہوا

## ۶۱۲

تمام روز جو کل میں پیے شراب پھرا — بسانِ جام لیے دیدۂ پُر آب پھرا

اثر بن آہ کے وہ منھ ادھر نہ ہوتا تھا
ہوا پھری ہے مگر کچھ کہ آفتاب پھرا

نہ لکھتے خط کی نمط ہو گئیں سفید آنکھیں
تجھے بھی عشق ہے قاصد بھلا شتاب پھرا

وہ رشکِ گنج ہی نایاب تھا بہت ورنہ
خرابہ کون سا جس میں نہ میں خراب پھرا ۴۷۶۰

کسو سے حرفِ محبت کا فائدہ نہ ہوا
بغل میں میں تو لیے یاں بہت کتاب پھرا

لکھا تو دیکھ کہ قاصد پھرا جو مدت میں
جواب خط کا مرے صاف لے جواب پھرا

کہیں ٹھہرنے کی جا یاں نہ دیکھی میں نے میر
چمن میں عالمِ امکاں کے جیسے آب پھرا

## ۶۱۳

بے رنگ بے ثباتی یہ گلستاں بنایا
بلبل نے کیا سمجھ کر یاں آشیاں بنایا

اُڑتی ہے خاک یارب! شام و سحر جہاں میں
کس کے غبارِ دل سے یہ خاکداں بنایا ۴۷۶۵

اک رنگ پر نہ رہنا یاں کا عجب نہیں ہے
کیا کیا نہ رنگ لائے تب یہ جہاں بنایا

آئینے میں کہاں ہے ایسی صفا کہے تو
جبہوں سے راستوں کے وہ آستاں بنایا

سرگشتہ ایسی کس کی ہاتھ آ گئی تھی مٹی
جو چرخ زن قضا نے یہ آسماں بنایا

نقشِ قدم سے اُس کے گلشن کی طرح ڈالی
گرد رہ اُس کی لے کر سروِ رواں بنایا

ہونے پہ جمع اپنے پھولا بہت تھا لیکن
کیا غنچہ تنگ آیا جب وہ دہاں بنایا ۴۷۷۰

اس صحن پر یہ وسعت اللہ رے تیری صنعت
معمار نے قضا کے دل کیا مکاں بنایا

دل ٹک اُدھر نہ آیا اِدھر سے کچھ نہ پایا
کہنے کو ترک لے کر اک سوانگ یاں بنایا قطعہ

دریوزہ کرتے گزری گلیوں میں عمر اپنی
درویش کب ہوئے ہم تکیہ کہاں بنایا

وہ تو مٹا گیا تھا تربت بھی میر جی کی
دو چار اینٹیں رکھ کر پھر میں نشاں بنایا

## ۶۱۴

اُس کا مِ جان و دل نے عالم کا جان مارا
زلفوں کی درہمی سے برہم جہان مارا ۴۷۷۵

بلبل کا آتشیں دم دل کو لگا ہمارے
ایسا کہنھوں نے جیسے چھاتی میں بان مارا

خوں کچھ نہ تھا ہمارا مرکوز خاطر اس کو
للہ اک ہمیں بھی یوں درمیان مارا

سرچشمہ حسن کا وہ آیا نظر نہ مجھ کو — اس راہزن نے غافل کیا کارواں مارا
صبر و حواس و دانش سب عشق کے زبوں ہیں — میں کاوشِ مژہ سے عالم کو چھان مارا
۴۷۸۰ کیا خون کا مزا ہے اے عشق تجھ کو ظالم — ایک ایک دم میں تو نے سو سو جوان مارا
ہم عاجزوں پر آ کر یوں کوہِ غم گرا ہے — جیسے زمیں کے اوپر اک آسمان مارا
کب جی بچے ہے یارو اخوش رُو مُو بتاں سے — گر صبح بچ گیا تو پھر شام آن مارا
کہتے نہ تھے کہ صاحب اتنا کڑھا نہ کریے
اس غم نے میر تم کو جی سے ندان مارا

۶۱۵

یہ میر ستم کشتہ کسو وقت جواں تھا — انداز سخن کا سببِ شور و فغاں تھا
۴۷۸۵ جادو کی پڑی پرچۂ ابیات تھا اس کا — منھ تکیے غزل پڑھتے عجب سحر بیاں تھا
جس راہ سے وہ دل زدہ دلی میں نکلتا — ساتھ اس کے قیامت کا سا ہنگامہ رواں تھا
افسردہ نہ تھا ایسا کہ جوں آب زدہ خاک — آندھی تھی، بلا تھا، کوئی آشوبِ جہاں تھا
کس مرتبہ تھی حسرتِ دیدار مرے ساتھ — جو پھول مری خاک سے نکلا نگراں تھا
مجنوں کو عبث دعوئ وحشت ہے مجھی سے — جس دن کہ جنوں مجھ کو ہوا تھا وہ کہاں تھا
۴۷۹۰ غافل تھے ہم احوالِ دل خستہ سے اپنے — وہ گنج اسی کنج خرابی میں نہاں تھا
کس زور سے فرہاد نے خارا شکنی کی — ہر چند کہ وہ بے کس و بے تاب و تواں تھا
گو میر جہاں میں کنھوں نے تجھ کو نہ جانا
موجود نہ تھا تو، تو کہاں نام و نشاں تھا

۶۱۶

عشق کو بیچ میں یارب تو نہ لایا ہوتا — یا تن آدمی میں دل نہ بنایا ہوتا
دل نہ تھا ایسی جگہ جس کی نہ سدھ لیجے کبھو — اجڑی اس بستی کو پھر تو نے بسایا ہوتا
۴۷۹۵ عزتِ اسلام کی کچھ رکھ لی خدا نے ورنہ — زلف نے تیری تو زنار بندھایا ہوتا
گھر کے آگے سے ترے نعش گئی عاشق کی — اپنے دروازے تلک تو کبھی تو آیا ہوتا
جو ہے سو بے خود رفتار ہے تیرا اے شوخ — اس روش سے نہ قدم تو نے اٹھایا ہوتا

اب تو صد چند ستم کرنے لگے تم اے کاش — عشق اپنا نہ تمھیں میں نے جتایا ہوتا

دل سے خوش طرح مکاں پھر بھی کہیں بنتے ہیں — اس عمارت کو ٹک اک دیکھ کے ڈھایا ہوتا

دل پہ رکھتا ہوں کبھو سر سے کبھو مارو ہوں — ہاتھ پانو کو نہ میں تیرے لگایا ہوتا ۴۸۰۰

کم کم اٹھتا وہ نقاب آہ کہ طاقت رہتی — کاش یک بار ہمیں منھ نہ دکھایا ہوتا

میر اظہارِ محبت میں گیا جی نہ ترا
ہائے نادان بہت تو نے چھپایا ہوتا

## ۶۱۷

مکثِ طالع دیکھ وہ ایدھر کو چل کر رہ گیا — رات جو تھی چاندسا گھر سے نکل کر رہ گیا

خواب میں کل پانو اپنے دوست کے ملتا تھا میں — آنکھ دشمن کھل گئی سو ہاتھ مل کر رہ گیا

ہم تو تھے سرگرمِ پابوسی خدا نے خیر کی — نیمچہ کل خوش غلاف اس کا اُگل کر رہ گیا ۴۸۰۵

ہم بھی دنیا کی طلب میں سر کے بل ہوتے کھڑے — بارے اپنا پانوں اس رہ میں پھسل کر رہ گیا

کیا کہوں بے تابیِ شب سے کہ ناچار اس بغیر — دل مرے سینے میں دو دو ہاتھ اچھل کر رہ گیا

کیا ہمیں کو یار کے تیغے نے کھا کر دم لیا — ایسے بہتیر دل کو یہ اژدر نگل کر رہ گیا

دو قدم ساتھ اس جفا جو کے چلا جاتا ہے جی — بوالہوس عیار تھا دیکھا نہ ٹل کر رہ گیا

آنکھ کچھ اپنی ہی اس کے سامنے ہوتی نہیں — جن نے وہ خونخوار سج دیکھی دہل کر رہ گیا ۴۸۱۰

ایک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جائے میر پر
برسوں سے جلتا تھا شاید رات جل کر رہ گیا

## ۶۱۸

طریق خوب ہے آپس میں آشنائی کا — نہ پیش آوے اگر مرحلہ جدائی کا

ہوا ہے کنج قفس ہی کی بے پری میں خوب — کہ پر کے سال تلک لطف تھا رہائی کا

یہیں ہیں دیر و حرم اب تو یہ حقیقت ہے — دماغ کس کو ہے ہر در کی جبہ سائی کا

نہ پوچھ مہندی لگانے کی خوبیاں اپنی — جگر ہے خستہ ترے پنجۂ حنائی کا ۴۸۱۵

نہیں جہان میں کس طرف گفتگو دل سے — یہ ایک قطرۂ خوں ہے طرف خدائی کا

کسو پہاڑ میں جوں کوہ کن سر اب ماریں — خیال ہم کو بھی ہے بخت آزمائی کا

بچا رہا نہ دلِ شیخ شورِ محشر سے　　جگر بھی چاہیے ہے کچھ تھا منا ادائی کا
رکھا ہے باز ہمیں دربدر کے پھرنے سے　　سروں پہ اپنے ہے احسان شکستہ پائی کا
۴۸۲۰　بلا کہیں تو دکھا دیں گے عشق کا جنگل　　بہت ہی خضر کو غرّہ ہے رہنمائی کا
نہ اُنس مجھ سے ہُوا اُس کو میں ہزار کیا　　جگر میں داغ ہے اُس گُل کی بیوفائی کا

جہاں سے میرؔ ہی کے ساتھ جانا تھا لیکن
کوئی شریک نہیں ہے کسو کی آئی کا

۶۱۹

یہ رفتگی بھی ہوتی ہے جی ہی چلا گیا　　کل حالِ میرؔ دیکھ کے غش مجھ کو آ گیا
کیا کہیے ایک عمر میں وے لب ملے تھے کچھ　　سو بات پان کھاتے ہُوئے وہ چبا گیا
۴۸۲۵　ثابت ہے اس کے پہلو سے پہنچے ہے ہم کو رنج　　دیکھا نہ دردِ دل کے کہے سر جھکا گیا
نالاں ہے عندلیب گُل آشفتہ رفتہ سرو　　ٹک بیٹھ کر چمن میں وہ فتنہ اٹھا گیا
پڑھتا تھا میں تو سُبحہ لیے ہاتھ میں درود　　صلواتیں مجھ کو آ کے وہ ناحق سُنا گیا
رکھا نشان قبر کا میری نہ خوش کیا　　آیا سوادِ خاک میں مجھ کو ملا گیا
منصف ہو تو ہی شیخ کہ اس مستِ ناز بن　　ہم آپ سے بھلا گئے تجھ سے رہا گیا
ہرگز کبھی نہ سر سے لگی آہ عشق میں　　مانندِ شمع داغ ہی سب جسم کو کھا گیا
کیوں میں کہا کہ ہنس کے نمک زخم پر چھڑک　　بے لطف اس کے ہونے میں سارا مزا گیا
آنسو تو ڈر سے پی گئے لیکن وہ قطرہ آب　　اک آگ تن بدن میں ہمارے لگا گیا
وقتِ اخیر کیا یہ ادا تھی کہ غش سے میں　　جب آنکھ کھولی بالوں میں مُنھ کو چھپا گیا

کیا پوچھتے ہو داغ کیا مرگِ میرؔ نے
مر کر وہ سینہ سوختہ چھاتی جلا گیا

۶۲۰

سوزِ دروں سے آخر بھسمنت دل کو پایا　　اس آگ نے بھڑک کر دل بست گھر جلایا
جی مُے کے لیتے ایسے معشوقِ بے بدل کو　　یوسف عزیز دلہا سستا بہت بکایا
زلفِ سیاہ اُس کی جاتی نہیں نظر سے　　اس چشم رُو سیہ نے روزِ سیہ دکھایا

نام اُس کا سُن کے آنسو گر ہی پڑے پلک سے — دِل کا لگاؤ یارو چھُپتا نہیں چھپایا

تھا لُطفِ زیست جن سے وے اب نہیں میسّر — مُدت ہوئی کہ ہم نے جینے سے ہاتھ اُٹھایا

مہندی لگی تھی تیرے پاؤں میں کیا پیارے — ہنگامِ خونِ عاشق سر پر جو تو نہ آیا ۴۸۴۰

یہ پیرَوی کسو سے کاہے کو ہو سکے ہے — رکھتا ہے داغ ہم کو قامت کا اس کی سایا

دیکھی نہ پیش جاتے ہرگز خردوری میں — دانستہ باؤلا ہم اپنے تئیں بنایا

رہتی تھی بے دماغی اک شور سا دمن میں — آنکھوں کے مُند گئے پر آرام سا تو پایا

گل پھول سے بھی تو، جو لیتا ہے مُنہ کو پھیرے
مُکھڑے سے کس کے تُو نے اے میر دل لگایا

۶۲۱

نکتہ مشتاق و یار ہے اپنا — شاعری تو شعار ہے اپنا ۴۸۴۵

بے خودی لے گئی کہاں ہم کو — دیر سے انتظار ہے اپنا

روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات — اب یہی روزگار ہے اپنا

دے کے دل ہم جو ہو گئے مجبور — اس میں کیا اختیار ہے اپنا

کچھ نہیں ہم مثالِ عنقا لیک — شہر شہر اشتہار ہے اپنا

جس کو تم آسمان کہتے ہو — سو دلوں کا غبار ہے اپنا ۴۸۵۰

صرفہ آزارِ میر میں نہ کرو
خستہ اپنا ہے زار ہے اپنا

۶۲۲

رُو کش ہُوا جو شب وہ بالائے بام نکلا — ماہِ تمام یارو کیا ناتمام نکلا

ہو گوشہ گیر شہرت مدِ نظر اگر ہے — عنقا کی طرح اپنا عُزلت سے نام نکلا

تھا جن کو عاشقی میں دعوائے پختہ مغزی — سودا اُنھوں کا آخر دیکھا تو خام نکلا

نومید قیس پایا ناکام کوہ کن کو — اس عشقِ فتنہ گر سے وہ کس کا کام نکلا ۴۸۵۵

کیونکر نہ مر رہے جو بیتاب میر سا ہو
ایک آدھ دن تو گھر سے دِل تھام تھام نکلا

کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا | اب تو چپ بھی رہا نہیں جاتا

غم میں جاتی ہے عمرِ دہ روزہ | اپنے ہاں سے دہا نہیں جاتا

طاقتِ دل تلک تعب کھینچے | اب ستم ٹک سہا نہیں جاتا

۴۸۶۰ اس دُرِ تر کا حیرتی ہے میرؔ | تب تو اس سے بہا نہیں جاتا

کب تری رہ میں میرؔ گرد آلود
لوہو میں آ نہا نہیں جاتا

## ۶۲۴

کبھی اس کی جو میں جتانے لگا | مجھے سیدھیاں وہ سنانے لگا

تحمل نہ تھا جس کو ٹک سو وہ میں | ستم کیسے کیسے اٹھانے لگا

زندہ ہے عشق میں کوئی یاں کب تلک | جگر آہ منھ تک تو آنے لگا

۴۸۶۵ پریشاں ہیں اس وقت میں نیک و بد | ہوا جو کوئی وہ ٹھکانے لگا

کروں یاد اسے ہوں جو میں آپ میں | سو یاں جی ہی اب بھول جانے لگا

پس از عمر اودھر گئی تھی نگاہ | سو آنکھیں وہ مجھ کو دکھانے لگا

نہیں رہتے عاقل علاقے بغیر
کہیں میرؔ دل کو دوانے لگا

## ۶۲۵

اللہ رے غرور و ناز تیرا | مطلق نہیں ہم سے ساز تیرا

۴۸۷۰ ہم سے کہ تجھی کو جانتے ہیں | جاتا نہیں احتراز تیرا

مل جن سے شراب تو پیے ہے | کہہ دیتے ہیں وہ ہی راز تیرا

کچھ عشق و ہوس میں فرق بھی کر | کیدھر ہے وہ امتیاز تیرا

کہتے نہ تھے میرؔ مت کڑھا کر
دل ہو نہ گیا گداز تیرا

## ۶۲۶[1]

نظر میں آوے گا جب جی کا کھونا | ملے گا نیند بھر تب مجھ کو سونا



[1] غزل نمبر ۶۲۶ — ۶۲۷ دونوں نسخۂ کلکتہ میں دیوان اول کے خاتمے پر بطور ضمیمہ درج ہیں۔

مرا خون تجھ پہ ثابت ہی کرے گا  کنارے بیٹھ کر ہاتھوں کو دھونا  ۴۸۷۵

وصیت میر نے مجھ کو یہی کی
کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا

۶۲۷

اس آستانِ داغ سے میں زر لیا کیا  گل دستہ دستہ جس کو چراغی دیا کیا

کیا بعدِ مرگ یاد کروں گا وفا تجھے  سہتا رہا جفائیں میں جب تک جیا کیا

اب وہ جگر طپش سے تڑپتا ہے تشنہ لب
مدت تلک جو میر کا لوہو پیا کیا

۶۲۸

آنسو مری آنکھوں میں ہر دم جو نہ آ جاتا  تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جاتا  ۴۸۸۰

اصلح ہے حجاب اُس کا ہم شوق کے ماروں سے  بے پردہ جو وہ ہوتا تو کس سے رہا جاتا

طفلی کی ادا تیری جاتی نہیں یہ جی سے  ہم دیکھتے تجھ کو تو تو منھ کو چھپا جاتا

صد شکر کہ داغِ دل افسردہ ہوا، ورنہ  یہ شعلہ بھڑکتا تو گھر بار جلا جاتا

کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا  یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

ان آنکھوں سے ہم چشمی، بر جا ہے جو میں جل کر  بادام کو کل یارو مجلس ہی میں کھا جاتا  ۴۸۸۵

صحبت سگ و آہو کی یک عمر رہی باہم  وہ بھاگتا مجھ سے تو میں اس سے لگا جاتا

گر عشق نہیں ہے تو یہ کیا ہے بھلا مجھ کو  جی خود بخود اے ہمدم کاہے کو کھپا جاتا

جوں ابر نہ تھم سکتا آنکھوں کا مری جھمکا  جوں برق اگر وہ بھی جھمکی سی دکھا جاتا

تکلیف نہ کی ہم نے اس وحشی کو مرنے کی
تھا میر تو ایسا بھی دل جی سے اٹھا جاتا

۶۲۹

بالقوہ ٹک دکھلیے چشم پر آب کا  دامن پکڑ کے روئیے یک دم سحاب کا  ۴۸۹۰

جو کچھ نظر پڑے ہے حقیقت میں کچھ نہیں  عالم میں خوب دیکھو تو عالم ہے خواب کا

دریادلی جنھیں ہے نہیں ہوتے کاسہ لیس  دیکھا ہے واژگوں ہی پیالہ حباب کا

شاید کہ قلبِ یار بھی ٹک اس طرف پھرے — میں منتظر زمانے کے ہوں انقلاب کا
بارے نقاب اُن کو جو رکھتا ہے منھ پہ تو — پردہ سا رہ گیا ہے کچھ اک آفتاب کا
۴۸۹۵ تلوار بن نکلتے نہیں گھر سے ایک دم — خوں کر رہوگے تم کسو خانہ خراب کا
یہ ہوش دیکھ آگئے مرے ساتھ غیر کے — رکھتا ہے پانو مست ہو جیسے شراب کا
مجنوں ہیں اور مجھ میں کرے کیوں نہ فرق عشق — چھپتا نہیں مزا تو جلے سے کباب کا
رو فرصتِ جوانی پہ جوں ابر بے خبر — انداز برق کا سا ہے عہدِ شباب کا
واں سے تو نامہ بر کو ہے کب کا جوابِ صاف — میں سادگی سے لاگو ہوں خط کے جواب کا
۴۹۰۰ ٹپکا کرے ہے زہر ہی صرف اُس نگاہ سے — وہ چشم گھر ہے غصہ و ناز و عتاب کا

لائق تھا ریختے ہی کے مصرعِ قدِ یار
میں معتقد ہوں میر ترے انتخاب کا

۶۳۰

خندۂ دنداں نما کرتا جو وہ کافر گیا — گوہرِ تر جوں سرشک آنکھوں سے سب کی گر گیا
کیا گزر کوئے محبت میں ہنسی ہے کھیل ہے — پانو رکھا جس نے ٹک اودھر پھر اُس کا سر گیا
کیا کوئی زیرِ فلک اونچا کرے فرقِ غرور — ایک پتھر حادثے کا آ لگا سر چر گیا
۴۹۰۵ نیزہ بازانِ مژہ میں دل کی حالت کیا کہوں — ایک ناکسبی سپاہی دکھنیوں میں گھر گیا
بعدِ مدت اس طرف لایا تھا اُس کو جذبِ عشق — بخت کی برگشتگی سے آتے آتے پھر گیا
تیز دست اتنا نہیں وہ ظلم میں اب فرق ہے — یعنی لوہا تھا کڑا تیغِ ستم کا کر گیا

سخت ہم کو میر کے مر جانے کا افسوس ہے
تم نے دل پتھر کیا وہ جان سے آخر گیا

۶۳۱

اس بدزباں نے صرف سخن آہ کب کیا — چُپکے ہی چُپکے اُن نے ہمیں جاں بلب کیا
۴۹۱۰ طاقت سے میرے دل کی خبر تجھ کو کیا نہ تھی — ظالم نگاہِ خشم اِدھر کی غضب کیا
یکساں کیا نہیں ہے ہمیں خاکِ رہ سے آج — ایسا ہی کچھ سلوک کیا اُن نے جب کیا
عمامہ لے کے شیخ کہیں مے کدے سے جا — بس مغبچوں نے حد سے زیادہ ادب کیا

اُس رُخ سے دل اُٹھایا تو زلفوں میں جا پھنسا — القصّہ اپنے روز کو ہم نے بھی شب کیا
ظاہر ہوا نہ مجھ پہ کچھ اُس ظلم کا سبب — کیا جانوں خون اُن نے مرا کس سبب کیا
کچھ آگے آتے ہوسے جو منظورِ لُطف تھا — ہم جی سے اپنے جا چکے تم قصد تب کیا ۵۹۱۵
بچھڑے تمھارے اپنا عجب حال ہو گیا — جس کی نگاہ پڑ گئی اُن نے عجب کیا
برسوں سے اپنے دل کی ہے دل میں کہ یار نے — اک دن جُدا نہ غیر سے ہم کو طلب کیا

کی زندگی سو وہ کی موئے اب سو اس طرح
جو کام میر جی نے کیا سو کڈھب کیا

## ۶۳۲

اب چھاتی کے جلنے نے کچھ طور بدل ڈالا — سب دردِ ہو شدّت کا اس دل ہی کو دل ڈالا
ہم عاجزوں کا کھونا مشکل نہیں ہے ایسا — کچھ چونٹیوں کو لے کر پانو تلے مل ڈالا ۵۹۲۰
اٹکھیلی کی بھی اس کی دل تاب نہیں لاتا — کیا پگڑی کے پیچوں میں لے بالوں کو بل ڈالا
تشویش سے اب خالی کس دن ہے مزاج اپنا — اس دل کی خلش نے بھی کیا آہ خلل ڈالا

مجھ مست کو کیا نسبت اے میر مسائل سے
مُنھ شیخ کا مسجد میں میں رُک کے مسل ڈالا

## ۶۳۳

طوفان میرے رونے سے آخر کو ہو رہا — یونان کی طرح بستی یہ سب میں ڈبو رہا
بہتوں نے چاہا کہیے پہ کوئی نہ کہہ سکا — احوال عاشقی کا مری گو مگو رہا ۵۹۲۵
آخر موا ہی واں سے نکلتا سُنا اُسے — کوچے میں اُس کے جا کے ستم دیدہ جو رہا
آنسو تھما نہ جب سے گیا وہ نگاہ سے — پایانِ کار آنکھوں کو اپنی میں رو رہا
کیا بے شریک زندگی کی شیخ شہر نے — نبّاش بھی وہی تھا وہی مُردہ شو رہا
یاروں نے جل کے مرنے سے میرے کیا خطاب — روتے تھے ہم تو دل ہی کو تو جی بھی کھو رہا

جب رات سر پٹکنے نے تاثیر کچھ نہ کی
ناچار میر منڈ کری سی مار سو رہا ۵۹۳۰

لعل پر کب دل مرا مائل ہوا — ۶۳۴ — اُس لبِ خاموش کا قائل ہوا

لڑ گئیں آنکھیں اٹھائی دل نے چوٹ یہ تماشائی عبث گھائل ہوا
ناشکیبی سے گئی ناموس فقر عاقبت بوسے کا میں سائل ہوا
ایک سے تھے ہم جو نہ ہوتے ہست اگر اپنا ہونا بیچ میں حائل ہوا

۴۹۳۵ میر ہم کس ذیل میں دیکھ اس کی آنکھ
ہوش اہل قدس کا زائل ہوا

## ۶۳۵

کوئی فقیر یہ اے کاشکے دعا کرتا کہ مجھ کو اس کی گلی کا خدا گدا کرتا
کبھو جو آن کے ہم سے بھی تو ملا کرتا تو تیرے جی میں مخالف نہ اتنی جا کرتا
چمن میں پھول گل اب کے ہزار رنگ کھلے دماغ کاش کہ اپنا بھی ٹک وفا کرتا
فقیر بستی میں تھا تو ترا زیاں کیا تھا کبھو جو آن نکلتا کوئی صدا کرتا
۴۹۴۰ علاج عشق نے ایسا کیا نہ تھا اس کا جو کوئی اور بھی مجنوں کی کچھ دوا کرتا
قدم کے چھونے سے استادگی مجھی سے ہوئی کبھو وہ یوں تو مرے ہاتھ بھی لگا کرتا
بدی نتیجہ ہے نیکی کا اس زمانے میں بھلا کسو سے جو کرتا تو تو برا کرتا
تلاطم آنکھ کے صد رنگ رہتے تھے تجھ بن کبھو کبھو جو یہ دریائے خوں چڑھا کرتا
کہاں سے نکلی یہ آتش نہ جانتا تھا میں شروع ربط میں اس کے جو دل جلا کرتا
۴۹۴۵ گلی سے یار کی ہم لے گئے سر پر شور وگرنہ شام سے ہنگامہ ہی رہا کرتا
خراب مجھ کو کیا دل کی لاگ نے ورنہ فقیر تکیے سے کاہے کو یوں اٹھا کرتا
گئے پہ تیرے نہ تھا ہم نفس کوئی اے گل کبھو نسیم سے میں درد دل کہا کرتا
کہیں کی خاک کوئی منھ پہ کب تلک ملتا خراب و خوار کہاں تک بھلا پھرا کرتا
موئی ہی رہتی تھی عزت مری محبت میں ہلاک آپ کو کرتا نہ میں تو کیا کرتا

ترے مزاج میں تاب تعب تھی میر کہاں
کسو سے عشق نہ کرتا تو تو بھلا کرتا

## ۶۳۶

بندھا رات آنسو کا کچھ تار سا ہوا ابر رحمت گنہ گار سا

کوئی سادہ ہی اس کو سادہ کہے / لگے ہے ہمیں تو وہ عیار سا

محبت ہے یا کوئی جی کا ہے روگ / سدا میں تو رہتا ہوں بیمار سا

گل و سرو اچھے سبھی ہیں ولے / نہ نکلا چمن میں کوئی یار سا

جو ایسا ہی تم ہم کو سمجھو ہو سہل / ہمیں بھی یہ جینا ہے دشوار سا ۴۹۵۵

فلک نے بہت کھینچے آزار لیک / نہ پہنچا بہم اس دل آزار سا

مگر آنکھ تیری بھی چپکی کہیں / ٹپکتا ہے چتون سے کچھ پیار سا

چمن ہووے جو انجمن تجھ سے واں / لگے آنکھ میں سب کی گل خار سا

کھڑے منتظر ضعف جو آگیا / گرا اس کے در پر میں دیوار سا

دکھاؤں متاع وفا کب اسے / لگا واں تو رہتا ہے بازار سا ۴۹۶۰

عجب کیا جو اس زلف کا سایہ دار / پھرے راتوں کو بھی پری دار سا

نہیں میر مستانہ صحبت کا باب
مصاحب کرو کوئی ہشیار سا

۶۳۷

حیراں ہے لحظہ لحظہ طرزِ عجب عجب کا / جو رفتۂ محبت واقف ہے اس کے ڈھب کا

کہتے ہیں کوئی صورت بن معنی یاں نہیں ہے / یہ وجہ ہے کہ عارف منھ دیکھتا ہے سب کا

نسبت درست جس کی اس رو و مو سے پائی / ہے درہم اور برہم حال اس کے روز و شب کا ۴۹۶۵

افسوس ہے نہیں تو انصاف دوست ورنہ / شایانِ لطف دشمن شائستہ میں غضب کا

سودائی ایک عالم اس کا بنا پھرے ہے / ہر چند عزلتی ہے وہ خال کنج لب کا

منھ اس کے منھ کے اوپر شام و سحر رکھوں ہوں / اب ہاتھ سے دیا ہے سر رشتہ میں ادب کا

کیا آج کل سے اس کی یہ بے توجہی ہے
منھ ان نے اس طرف سے پھیرا ہے میر کب کا

۶۳۸

سیکڑوں بیکسوں کا جان گیا / پر یہ تیرا نہ امتحان گیا ۴۹۷۰

وائے احوال اس جفاکش کا / عاشق اپنا جسے وہ جان گیا

داغِ حرماں ہے خاک میں بھی ساتھ — جی گیا پر نہ یہ نشان گیا
گُل نہ آنے میں ایک بار تیرے — آج سَو سَو طرف گمان گیا
حرفِ نشنو کوئی اسے بھی ملا — تب تو میں نے کہا سو مان گیا
دل سے مت جا کہ پھر وہ پچھتایا — ہاتھ سے جس کے یہ مکان گیا ۴۹۷۵
پھرتے پھرتے تلاش میں اس کی — ایک میرا ہی یوں نہ جان گیا قطعہ
اب جو عیسیٰ فلک پہ ہے وہ بھی — شوق میں برسوں خاک چھان گیا

کون جی سے نہ جائے گا اے میرؔ
حیف یہ ہے کہ تو جوان گیا

## ۶۳۹

ہنگامِ شرحِ غمِ جگر خامہ شق ہوا — سوزِ درونِ دل سے نامہ کباب ورق ہوا
بندہ خدا ہے، پھر تو اگر گزرے آپ سے — مرتا ہے جو کوئی اُسے کہتے ہیں حق ہوا ۴۹۸۰
دل میں رہا نہ کچھ تو کیا ہم نے ضبطِ شوق — یہ شہر جب تمام لٹا تب نسق ہوا
وہ رنگ وہ روش وہ طرح سب گئی بہ باد — آتے ہی تیرے باغ میں منہ گُل کا فق ہوا
برسوں تری گلی میں چمن ساز جو رہا — سو دیدہ اب گداختہ ہو کر شفق ہوا
لے کر زمیں سے تا بہ فلک رک گیا ہے آہ — کس دردمندِ عشق کو یا رب قلق ہوا

اِس نو ورق میں میرؔ جو تھا شرح و بسط سے
بیٹھا جو دب کے میں تو ترا اِک سبق ہوا ۴۹۸۵

## ۶۴۰

کل میں کہا وہ طور کا شعلہ کہاں گرا — دل نے جگر کی اور اشارت کی یاں گرا
منظر خراب ہونے کو ہے چشمِ تر کا حیف — پھر دید کی جگہ نہیں جو یہ مکاں گرا
روح القدس کو سہل کیا یار نے شکار — اِک تیر میں وہ مرغِ بلند آشیاں گرا
پہنچایا مجھ کو عجز نے مقصودِ دل کے تئیں — یعنی کہ اس کے در ہی پہ میں ناتواں گرا
شورِ کسِ مری نہاد سے تجھ بن اٹھا تھا رات — جس سے کیا خیال کہ یہ آسماں گرا ۴۹۹۰
کیا کم تھا شعلہ شوق کا شعلے سے طور کے — پتھر بھی واں کے جل گئے جا کر جہاں گرا

ڈوبا خیالِ چاہِ زنخداں میں اس کے میر
وابستہ کیوں کو ہیں میں کبلا یہ جواں گرا

## ۶۴۱

آتے ہی آتے تیرے یہ ناکام ہو چکا — واں کام ہی رہا تجھے یاں کام ہو چکا
یا خط چلے ہی آتے تھے یا حرف ہی نہیں — شاید کہ سادگی کا وہ ہنگام ہو چکا
موسم گیا وہ ترکِ محبت کا ناصحا! — میں اب تو خاص و عام میں بدنام ہو چکا ۴۹۹۵
ناآشنائے حرف تھا وہ شوخ جب تبھی — ہم سے تو ترکِ نامہ و پیغام ہو چکا

تڑپے ہے جب کہ سینے میں اچھلے ہے دو دو ہاتھ
گر دل یہی ہے میر تو آرام ہو چکا

## ۶۴۲

سنبل تمھارے گیسوؤں کے غم میں لٹ گیا — ابرو کی تیغ دیکھ مہِ عید کٹ گیا
عالم میں جاں کے مجھ کو تنزہ تھا اب تو میں — آلودگی جسم سے ماٹی میں اٹ گیا
ظلم و جفا و جور پر اصرار اس قدر — ہٹ دیکھ دیکھ تیری دل اپنا بھی ہٹ گیا ۵۰۰۰
اب وہ سماں نہیں ہے کہ وہ کام جانِ خلق — مغموم ہم کو دیکھ کے دوڑا لپٹ گیا
دشوار سیتے ہیں گے جو بے ڈھب پھٹے ہے جیب — بے طوریوں سے اس کی دل اپنا تو پھٹ گیا
دامان و جیب دونوں ہوئے ٹکڑے ایک جا — اب کی یہ کام ہاتھ سے میرے سمٹ گیا
خاطر اگر ہو جمع پریشانی بھی نبھے — سو دل تو دو طرف تری زلفوں سے بٹ گیا
تک رات اس کے منھ سے ہوا تھا مقابلہ — پھر ماہِ چاردہ کو جو دیکھا تو گھٹ گیا ۵۰۰۵
کیا پوچھو ہو نصیب ہمارے الٹ گئے — چل کر ادھر کو یار پھر ادھر الٹ گیا

بلبل کی اور گل کی ہو صحبت کی سیر میر
دل اپنا دلبروں کی طرف سے اچٹ گیا

## ۶۴۳

سینے میں شوقِ میر کے سب درد ہو گیا — دل پر رکھا تھا ہاتھ سو منھ زرد ہو گیا
نکلا تھا آج صبح بہت گرم ہو دلے — خورشید اس کو دیکھتے ہی سرد ہو گیا

۵۰۱۰ بے پردہ اس کی شوخی قیامت ہے دیکھیو — یاں خاک سی اُڑا دی فلک گرد ہو گیا

کشتی ہر اک فقیر کی بھر دی شراب سے — اس دَور میں کلال عجب مرد ہو گیا

دفتر لکھے ہیں میر نے دل کے الم کے یہ

یاں اپنے طور و طرز میں وہ فرد ہو گیا

## ۶۴۴

کیا تو نمود کس کی کیسا کمال تیرا — اے نقش وہم آیا کیدھر خیال تیرا

کیا ہے جو ہو زنخ زن مہ پاس کا ستارا — ہے داغ جانِ عالم ٹھوڑی کا خال تیرا

۵۰۱۵ اے گُل مغل بچہ وہ مرزا ہے اس کے آگے — کچھ بھی بھلا لگے ہے منھ لال لال تیرا

تجھ روے خوں فشاں سے انجم ہی کیا خجل ہیں — ہے آفتاب کو بھی اے ماہ سال تیرا

اب صبح پاس گُل کے ہو کر نہیں نکلتی — دیکھا نسیم نے بھی شاید جمال تیرا

پہلا قدم ہے انساں پامالِ مرگ ہونا — کیا جانے رفتہ رفتہ کیا ہو مآل تیرا

ہو گی جو چل سر مو پنہاں نہیں رہے گی — اک دن زبان ہو گا ایک ایک بال تیرا

۵۰۲۰ تفصیل حال میری تھی باعثِ کدورت — سوجی کو خوش نہ آیا ہرگز ملال تیرا

کچھ زرد زرد چہرہ کچھ لاغری بدن میں

کیا عشق میں ہوا ہے اے میر حال تیرا

## ۶۴۵

فرو آتا نہیں سر ناز سے اب کے امیروں کا — اگرچہ آسماں تک شور جاوے ہم فقیروں کا

تبسم سحر ہے جب پان سے لب سرخ ہوں اُس کے — دلوں میں کام کر جاتا ہے یاں جادو کے تیروں کا

سرکنا اس کے درباں پاس سے ہے شب کو بھی مشکل — سرِ زنجیر زیرِ سر رکھے ہے ہم اسیروں کا

۵۰۲۵ گئے بہتوں کے سر لڑکوں نے جو یہ بادھنوں باندھے — شہید اک میں نہیں ان بادھنوں کے سرخ چیروں کا

قفس کے چاک سے دیکھوں ہوں میں تو تنگ آتا ہوں — چمن میں غنچہ ہو آنا گلوں پر ہم صفیروں کا

ہمارے دیکھتے زیرِ نگیں تھا ملک سب جن کے — کوئی اب نام بھی لیتا نہیں اُن ملک گیروں کا

دلِ پُر کو تو ان پلکوں ہی نے سب چھان مارا تھا

کیا میر اُن نے خالی یوں ہی ترکش اپنے تیروں کا

## ۶۴۶

ہوئیں رسوائیاں جس کے لیے چھوٹا دیار اپنا
ہوا وہ بے مروت بے وفا ہرگز نہ یار اپنا

خدا جانے ہمیں اس بے خودی نے کس طرف پھینکا
کہ مدت ہو گئی ہم کھینچتے ہیں انتظار اپنا ۵۰۳۰

ذلیل اس کی گلی میں ہوں تو ہوں آزردگی کیسی
کہ رنجش اس جگہ ہووے جہاں ہو اعتبار اپنا

اگرچہ خاک اڑائی دیدۂ تر نے بیاباں کی
ولے نکلا نہ خاطر خواہ رونے سے غبار اپنا

کہا بد وضع لوگوں نے جو دیکھا رات کو ملتے
ہوا صحبت میں ان لڑکوں کی ضائع روزگار اپنا

کریں جو ترکِ عزلت واسطے مشہور ہونے کے
مگر شہروں میں کم ہے جیسے عنقا اشتہار اپنا

دلِ بے تاب و بے طاقت سے کچھ چلتا نہیں ورنہ
کھڑا بھی واں نہ جا کر ہوں اگر ہو اختیار اپنا ۵۰۳۵

عجب ہم بے بصیرت ہیں کہاں کھولا ہے بار آ کر
جہاں سے لوگ سب رختِ سفر کرتے ہیں بار اپنا

نہ ہو یوں میکدہ مسجد سا پر واں ہوش جاتے ہیں
ہوا ہے دونوں جا کہ ایک دو باری گزار اپنا

سراپا آرزو ہم لوگ ہیں کا ہے کو رندوں میں
رہے ہیں اب تلک جیتے وے دل مار مار اپنا

گیا وہ بوجھ سب ہلکے ہوئے ہم میر آخر کو
مناسب تھا نہ جانا اس گلی میں بار بار اپنا

## ۶۴۷

ربطِ دل زلف سے اس کی جو نہ چسپاں ہوتا
اس قدر حال ہمارا نہ پریشاں ہوتا ۵۰۴۰

ہاتھ دامن میں ترے مارتے جھنجھلا کے نہ ہم
اپنے جامے میں اگر آج گریباں ہوتا

میری زنجیر کی جھنکار نہ کوئی سنتا
شورِ مجنوں نہ اگر سلسلہ جنباں ہوتا

ہر سحر آئینہ رہتا ہے ترا منھ تکتا
دل کی تقلید نہ کرتا تو نہ حیراں ہوتا

وصل کے دن سے بدل کیونکہ شبِ ہجراں ہو
شاید اس طور میں ایام کا نقصاں ہوتا

طور اپنے پہ جو ہم روتے تو پھر عالم میں
دیکھتے تم کہ وہی نوح کا طوفاں ہوتا ۵۰۴۵

دل میں کیا کیا تھا ہمارے جو نہ ہو جاتی یاس
یہ نگر کا ہے کو اس طرح سے ویراں ہوتا

خاکِ پا ہو کے ترے قد کا چمن میں رہتا
سرو اتنا نہ اکڑتا اگر انساں ہوتا

میر بھی دیر کے لوگوں ہی کی سی کہنے لگا
کچھ خدا لگتی بھی کہتا جو مسلماں ہوتا

## ۶۴۸

جس پہ اس موج سی شمشیر کا اک وار کیا — کام اس شوق کے ڈوبے ہوئے کا پار کیا

۵۰۵۰ آگیا عشق میں جو پیش نشیب اور فراز — ہوکے میں خاک برابر اُسے ہموار کیا

کیا کروں جنسِ وفا پھیرے لیے جاتا ہوں — بختِ بد نے نہ اُسے دل کا خریدار کیا

اتفاق ایسے پڑے ہم تو منافق ٹھہرے — چرخِ ناساز نے غیروں سے اُسے یار کیا

ایسے آزار اُٹھانے کا ہمیں کب تھا دماغ — کُلفت نے دل کی تو جینے سے بھی بیزار کیا

جی ہی جاتے سُنے ہیں عشق کے مشہور ہوئے — کیا کیا ہم نے کہ اس راز کو اظہار کیا

۵۰۵۵ دیکھے اس ماہ کو جو کتنے مہینے گزرے — بڑھ گئی کاہشِ دل ایسی کہ بیمار کیا

نالۂ بلبلِ بے دل سے ہے پریشان بہت — موسمِ گُل نے مگر رختِ سفر بار کیا

میر اے کاش زباں بند رکھا کرتے ہم
صبح کے بولنے نے ہم کو گرفتار کیا

## ۶۴۹

شبِ رفتہ میں اُس کے در پر گیا — سگِ یار آدم گری کر گیا

شکستہ دلِ عشق کی جان کیا — نظر پھیری تو نے تو وہ مر گیا

۵۰۶۰ ہوئے یار کیا کیا خراب اُس بغیر — وہ کس خانہ آباد کے گھر گیا

کشندہ تھا لڑکا ہی ناکردہ خوں — مجھے دیکھ کر مختصر ڈر گیا

بہت رفتہ رہتے ہو تُم اس کے اب
مزاج آپ کا میر کیدھر گیا

## ۶۵۰

بے طاقتی میں تو تو اے میر مر رہے گا — ایسی طپش سے دل کی کوئی جگر رہے گا

کیا ہے جو راہ دل کی طے کرتے مر گئے ہم — جوں نقشِ پا ہمارا اتنا دیر اثر رہے گا

۵۰۶۵ مت کر لہو کہیں اتنا خوں ریزی میں ہماری — اس طور لوہو میں تو دامن کو بھر رہے گا

آگاہ پائی ہم نے کھوئے گئے سے یعنی — تا کچھ خبر اُدھر کی دل بے خبر رہے گا

فردا کا سوچ تجھ کو کیا آج ہی پڑا ہے — کل کی سمجھیو کل ہی کل تو اگر رہے گا

لوگوں کا پاس ہم کو مارے رکھے ہے ورنہ ماتم میں دل کے شیون دو دو پہر رہے گا
پایانِ کار دیکھیں کیا ہووے دل کی صورت ایسا ہی جو وہ چہرہ پیشِ نظر رہے گا
اب رفتگی رویہ اپنا کیا ہے میں نے میرا یہ ڈھب دلوں میں کچھ راہ کر رہے گا ۵۰۷۰
ہم کوئی بیت جاکر اس ہی کنے منھ سنیں گے
وحشت زدہ کسو دن گر میر گھر رہے گا

۶۵۱

پسند گو مشفق عبث میرا نصیحت گر ہوا سختیاں جو میں بہت کھینچیں سو دل پتھر ہوا
گاڑ کر مٹی میں رووے عجز کیا ہم ہی موئے خون اس کے رہ گزر کی خاک پر اکثر ہوا
اب اٹھا جاتا نہیں مجھ پاس پھر تک بیٹھ کر گرد اس کے جو پھرا سر کو مرے چکر ہوا
کب کھلا جاتا تھا یوں آنکھوں میں جیسا صبح تھا پھول خوش رنگ اور اس کے فرش پر چھڑکا ہوا ۵۰۷۵
کیا سنی تم نے نہیں بد حالیٔ فرہاد و قیس کون سا بیمارِ دل کا آج تک بہتر ہوا
کون کرتا ہے طرف مجھ عاشقِ بیتاب کی صورتِ خوش جن نے دیکھی اس کی سوا ادھر ہوا
جل گیا یاقوت اس کے لعلِ لب جب ہل گئے گوہرِ خوش آب اندازِ سخن سے تر ہوا
کیا کہوں اب کی جنوں میں گھر کا بھی رہنا گیا کام جو مجھ سے ہوا سو عقل سے باہر ہوا
شب نہ کرتا شور اس کوچے میں گر میں جانتا اس کی بے خوابی سے ہنگامہ مرے سر پر ہوا ۵۰۸۰
ہووے یارب ان سیہ رو آنکھوں کا خانہ خراب یک نظر کرتے ہی میرے دل میں اس کا گھر ہوا
استخواں سب پوست سے سینے کے آتے ہیں نظر
عشق میں ان نو خطوں کے میر میں مسطر ہوا

۶۵۲

ٹپکتی پلکوں سے رومال جس گھڑی تر کا طرف ہوا نہ کبھو ابر دیدۂ تر کا
کبھو تو دیر میں ہوں میں کبھو ہوں کعبے میں کہاں کہاں لیے پھرتا ہے شوق اس دل کا
غمِ فراق سے بستر سوکھ کر ہوا کانٹا بچھا جو پھول اٹھا کوئی اس کے بستر کا ۵۰۸۵
اسیر جو گئے میں ہو جاؤں میں تو ہو جاؤں وگرنہ قصد ہو کس کو شکارِ لاغر کا
ہمیں کہ جلنے سے خوگر ہیں آگ میں ہے عیش محیط میں تو تلف ہونا ہے سمندر کا

قریب خط کا نکلنا ہوا سو خط موقوف
غبارِ دوُر ہو کس طور میرے دلبر کا

بتا کے کعبے کا رستہ اُسے بھلاؤں راہ
نشاں جو پوچھے کوئی مجھ سے یار کے گھر کا

٥٠٩٠ کسو تک چلے ٹک وہ تو ہے بہت ورنہ
سلوک کاہے کو شیوہ ہے اُس ستم گر کا

شکستہ بالی و لب بستگی پر اب کی نہ جا
چمن میں شور مرا اب تلک بھی ہے پر کا

تلاشِ دل نہیں کام آتی اُس زنخ میں گئے
کہ چاہ میں تو ہے مرنا بُرا شناور کا

پھرے ہے خاک ملے مُنھ پہ یا نمد پہنے
یہ آئینہ ہے نظر کر وہ کس قلندر کا

نہ ترکِ عشق جو کرتا تو میر کیا کرتا
جفا کشی نہیں ہے کام ناز پرور کا

٦٥٣

٥٠٩٥ حلقہ ہوئی وہ زلف کماں کو چھپا رکھا
طاقِ بلند پر اسے سب نے اُٹھا رکھا

اس مہ سے دل کی لاگ وہی متّصل رہی
گو چرخ نے بہ صورتِ ظاہر جدا رکھا

گڑوا دیا ہو مار کر اک دو کو تو کہوں
کب اُن نے خون کر نہ کسو کا دبا رکھا

ٹک میں لگا تھا اس نمکی شوخ کے گلے
چھاتی کے میرے زخموں نے برسوں مزا رکھا

کاہے کو آئے چوٹ کوئی دل پہ شیخ کے
اس بوالہوس نے اپنے تئیں تو بچا رکھا

ہم سر ہی جاتے عشق میں اکثر سنا کیے
اِس راہِ خوفناک میں کیوں تم نے پا رکھا

آزارِ دل نہیں ہے کسو دین میں درست
کیا جانوں ان بتوں نے ستم کیوں روا رکھا

کیا میں ہی محوِ چشمکِ انجم ہوں خلق کو
اس مہ نے ایک جھمکی دکھا کر لگا رکھا

کیا زہرِ چشمِ یار کو کوئی بیاں کرے
جس کی طرف نگاہ کی اس کو سُلا رکھا

ہر چند شعرِ میر کا دل معتقد نہ تھا
پر اس غزل کو ہم نے بھی سن کر لکھا رکھا

٦٥٤

میں جوانی میں مے پرست رہا
گردنِ شیشہ ہی میں دست رہا

دیرِ مے خانہ میں مرے سر پر
ظلِّ ممدود دار بست رہا

سر پہ پتھر جنوں میں کب نہ پڑے
یہ سبو ثابت شکست رہا

ہاتھ کھینچا سو پیر ہو کر جب　　تب گنہ کرنے کا نہ دست رہا
آنسو پی پی گیا جو برسوں میں　　دل درونی میں آب خست رہا
جب کہو تب بلند کہیے اسے　　قدِ خوباں کا سرو پست رہا　　۵۱۱۰

میر کے ہوش کے ہیں ہم عاشق
فصلِ گل جب تلک تھی مست رہا

۶۵۵

چمن بھی ترا عاشقِ زار تھا　　گُلِ سرخ اک زرد رخسار تھا
گئی نیند شیون سے بلبل کی رات　　کہیں دل ہمارا گرفتار تھا
قدِ یار کے آگے سروِ چمن　　کھڑا دور جیسے گنہگار تھا
یہی جنسِ دل کی گراں قدر تھی　　وے جب تلک تو خریدار تھا　　۵۱۱۵
بہت روئے ہم شبنم و گل کو دیکھ　　کہ چسپاں ہمیں بھی کہیں پیار تھا
مجھے اے دلِ چاک کیا شانہ سا　　کسو زلف سے کچھ سروکار تھا

گیا میر یاں سے کرو گے جو یاد
کہو گے کہ مسکین عجب یار تھا

۶۵۶

دلِ گیا مفت اور دکھ پایا　　ہو کے عاشق بہت میں پچھتایا
مر گیا تس پہ سنگسار کیا　　نخلِ ماتم مرا یہ پھل لایا　　۵۱۲۰
یہ شبِ ہجر سر کرے سے ہے پرے　　ہو سفیدی کا جس جگہ سایا

صحن میں میرے اے گلِ مہتاب
کیوں شگوفہ تو کھلنے کا لایا

۶۵۷

چاک کر سینۂ دل میں پھینک دیا　　کھینچے ایذا ہمیشہ کس کی بلا
تم کو جیتا رکھے خدا اے بتاں　　مر گئے ہم تو کرتے کرتے وفا
سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں　　دل سے اک داغ ہی جدا نہ ہوا　　۵۱۲۵

اُٹھ گیا میرؔ وہ جو بالیں سے
پھر مری جان مجھ میں کچھ نہ رہا

۶۵۸

اندوہ و غم کے جوش سے دل رُک کے خوں ہوا — اب کے مجھے بہار سے آگے جنوں ہوا
اچھا نہیں ہے رفتنِ رنگیں بھی اس قدر — سُنیو کہ اس کی چال پر اک آدھ خوں ہوا
جی میں تھا خوب جا کے خرابے میں روئیے — سیلاب آیا آ کے چلا، کیا شگوں ہوا
۵۱۳۰ نخچیر گاہ عشق میں افراطِ صید سے — روح الامیں کا نام شکارِ زبوں ہوا
ہوں داغ نازکی کہ کیا تھا خیالِ بوس — گلبرگ سا وہ ہونٹھ جو تھا نیلگوں ہوا
میں دور ہوں اگرچہ برابر ہوں خاک سے — اس رہ میں نقشِ پا ہی مرا رہ نموں ہوا

میرؔ اُن نے سرگزشت سنی ساری رات کو
افسانہ عاشقی کا ہماری فسوں ہوا

۶۵۹

مُنھ پر اُس آفتاب کے ہے یہ نقاب کیا — پردہ رہا ہے کون سا ہم سے حجاب کیا
۵۱۳۵ اے ابرِ تر یہ گریہ ہمارا ہے دیدنی — برسے ہے آج صبح سے چشمِ پر آب کیا
دم گنتے گنتے اپنی کوئی جان کیوں نہ دو — وہ پاس آن بیٹھے کسو کے حساب کیا
سو بار اُس کے کوچے تلک جاتے ہیں چلے — دل ہے اگر بجا تو یہ ہے اضطراب کیا
بس اب نہ مُنھ کھلاؤ ہمارا ڈھکے رہو — محشر کو ہم سوال کریں تو جواب کیا
دوزخ سو عاشقوں کو تو دوزخ نہیں رہا — اب واں گئے پہ ٹھہرے ہے دیکھیں عذاب کیا
۵۱۴۰ ہم جل کے ایک راکھ کی ڈھیری بھی ہو گئے — ہے اب تکلف آگے جلے گا کباب کیا
ہستی ہے اپنے طور پہ جو بحر جوش میں — گرداب کیسا، موج کہاں ہے حباب کیا
دیکھا پلک اُٹھا کے تو پایا نہ کچھ اثر — اے عمرِ برق جلوہ گئی تو شتاب کیا

ہر چند میرؔ بستی کے لوگوں سے ہے نفور
پر ہائے آدمی ہے وہ خانہ خراب کیا

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا ۶۶۰ کھب گئی جی میں تیری بانکی ادا

جادو کرتے ہیں اک نگاہ کے بیچ — ہائے رے رے چشمِ دلبراں کی ادا ۵۱۴۵

بات کہنے میں گالیاں دے ہے — سنتے ہو میرے بدزباں کی ادا

دل چلے جاتے ہیں خرام کے ساتھ — دیکھی چلنے میں ان بتاں کی ادا

خاک میں مل کے میرؔ ہم سمجھے
بے ادائی تھی آسماں کی ادا

## ۶۶۱

رہا میں تو عزت کا اعزاز کرتا — چلا عشق خواری کو ممتاز کرتا

نہ ہوتا میں حسرت میں محتاجِ گریہ — جو کچھ آنسوؤں کو پس انداز کرتا ۵۱۵۰

نہ ٹھہرا مرے پاس دل ورنہ اب تک — اُسے ایسا ہی میں تو جاں باز کرتا

جو جانوں کہ در پر بلے ایسا وہ دشمن — تو کاہے کو اُلفت سے میں ساز کرتا

تو تمکین سے کچھ نہ بولا وگرنہ — مسیحا صنم ترکِ اعجاز کرتا

گلو گیر ہی ہو گئی یاوہ گوئی — رہا میں خموشی کو آواز کرتا

زیارت گہِ کبک تو ہو بلا سے
ٹک آ میرؔ کی خاک پر ناز کرتا ۵۱۵۵

## ۶۶۲

عیدِ آیندہ تک رہے گا گلا — ہو چکی عید تو گلے نہ ملا

ڈوبا لوہو میں دیکھنا سرِ خار — حیف کوئی بھی آبلہ نہ چھلا

میں تو افسردہ ہر چمن میں پھرا
غنچۂ دل مرا کہیں نہ کھلا

## ۶۶۳

یہ چوٹ کھائی ایسی دل پر کہ جی گنوایا — یعنی جدائی کا ہم صدمہ بڑا اُٹھایا

مدت میں وہ ہوا شب ہم بستر آ کے میرا — خوابیدہ طالعوں نے اک خواب سا دکھایا ۵۱۶۰

اُلجھاؤ پڑ گیا سو سلجھی نہ اپنی اُس کی — جھگڑے رہے بہت سے گزرے بہت قضایا

آئینہ رو ہمارا آیا نہ نزع میں بھی — وقتِ اخیر اُن نے کیا خوب منھ چھپایا

اس بے مروّتی کو کیا کہتے ہیں بتاؤ — ہم مارے بھی گئے پر وہ نعش پر نہ آیا
وہ روے خوب اب کی ہرگز گیا نہ دل سے — جب گل کھلا چمن میں تب داغ ہم نے کھایا
۵۱۶۵ خلطہ ہمارا اس کا حیرت ہی کی جگہ ہے — ڈھونڈا جہاں ہم اُس کو واں آپ کو ہی پایا
طرز نگہ سے اُس کی بے ہوش کیا ہوں میں ہی — ان مست انکھڑیوں نے بہتیروں کو سُلایا
آنکھیں کھلیں تو دیکھا جو کچھ نہ دیکھنا تھا — خواب عدم سے ہم کو کاہے کے تئیں جگایا
باقی نہیں رہا کچھ گھٹتے ہی گھٹتے ہم میں — بیماریِ دلی نے چنگا بہت بنایا
تو نے کہ پانو دل سے باہر نہیں رکھا ہے — عیارپن یہ کن نے تیرے تئیں سکھایا

کس دن ملائمت کی اس بت نے میر ہم سے
۵۱۷۰ سختی کھنچے نہ کیونکر تجھ سے دل لگایا

۶۶۴

سمندر کا میں کیوں احساں سہوں گا — مرے آنسو نہیں اُن پر رہوں گا
نہ آوے آہ نہ جاوے بے قراری — یوں ہی اک دن سنا میں مر رہوں گا
ترے غم کے ہیں خواہاں سب کہا غم — کمی کیا ہوگی جو اک میں نہ ہوں گا

اگر جیتا رہا میں میر اے یار
تو شب کو مو بمو قصہ کہوں گا

۶۶۵

۵۱۷۵ رکھتا تھا ہاتھ میں سر رشتہ بہت سینے کا — رہ گیا دیکھ رفو چاک مرے سینے کا
اے طپش لوہو پیے میرا جو تو جھوٹ کہے — کس سے یہ قاعدہ سیکھا ہے لہو پینے کا
اس میں حیران ہوں کس کس کا گلہ تجھ سے کروں — بدگمانی کا تغافل کا ترے کینے کا

میر کی نبض پہ رکھ ہاتھ لگا کہنے طبیب
آج کی رات یہ بیمار نہیں جینے کا

۶۶۶

عشق سے دل پہ تازہ داغ جلا — اس سیہ خانے میں چراغ جلا

میر کی گرمی تم سے اچرج ہے
۵۱۸۰ کس سے ملتا ہے یہ دماغ جلا

# ب

## ۶۶۷

اندوہ سے ہوئی نہ رہائی تمام شب
مجھ دل زدہ کو نیند نہ آئی تمام شب

جب میں شروع قصہ کیا آنکھیں کھول دیں
یعنی تھی مجھ کو چشم نمائی تمام شب

چشمک چلی گئی تھی ستاروں کی صبح تک
کی آسماں نے دیدہ درائی تمام شب

بخت سیہ نے دیر میں کل یاوری سی کی
تھی دشمنوں سے اُس کو لڑائی تمام شب

بیٹھے ہی گزری وعدے کی شب وہ نہ آ پھرا
ایذا عجب طرح کی اٹھائی تمام شب ۵۱۸۵

سناہٹے سے دل سے گزرجا میں سو کہاں
بُلبل نے گو کی نالہ سرائی تمام شب

تارے سے میری پلکوں پہ قطرے سرشک کے
دیتے رہے ہیں میر دکھائی تمام شب

## ۶۶۸

داغ ہوں جلتا ہے دل بے طور اب
دیکھیے کیا گُل کھلے ہے اور اب

زخم دل غائر ہو پہنچا تا جگر
تم لگے کرنے ہماری غور اب

شعر پڑھتے پھرتے ہیں سب میر کے
اس قلم رو میں ہے اُن کا دور اب ۵۱۹۰

## ۶۶۹

وہ جو کشش تھی اس کی طرف سے کہاں ہے اب
تیر و کماں ہے ہاتھ میں سینہ نشاں ہے اب

اتنا بھی منھ چھپانا خط آئے پہ وجہ کیا
لڑکا نہیں ہے نام خدا تو جواں ہے اب

پھول اس چمن کے دیکھتے کیا کیا جھڑے ہیں ہائے
سیل بہار آنکھوں سے میری رواں ہے اب

جن و ملک زمین و فلک سب نکل گئے
بار گران عشق و دل ناتواں ہے اب

نکلی تھی اُس کی تیغ ہوئے خوش نصیب لوگ
گردن جھکائی ہیں تو سنا یہ اماں ہے اب ۵۱۹۵

زردی رنگ ہے غم پوشیدہ پر دلیل
دل میں جو کچھ ہے منھ سے ہمارے عیاں ہے اب

پیش از دم سحر مرا رونا لہو کا دیکھ
پھولے ہے جیسے سانجھ وہی یاں سماں ہے اب

نالاں ہوئی کہ یاد ہمیں سب کو دے گئی
گلشن میں عندلیب ہماری زباں ہے اب

برسوں ہوئے گئے اُسے پر بھولتا نہیں
یادش بخیر میرؔ رہے خوش جہاں ہے اب

۶۷۰

۵۲۰۰ شبنم سے کچھ نہیں ہے گل و یاسمن میں آب
دیکھ اس کو بھر بھر آوے ہے سب کے دہن میں آب

لو شدھ شتاب فاختۂ گریہ ناک کی
آیا نہیں ہے دیر سے جوئے چمن میں آب

سوزش بہت ہو دل میں تو آنسو کو پی نہ جا
کرتا ہے کام آگ کا ایسی جلن میں آب

تھا گوش زد کہ گور دل میں لگ لگ اُٹھے ہے آگ
یاں دل بھرے ہوئے کے سبب ہے کفن میں آب

جی ڈوب جائے دیکھیں جہاں بھر نظر ادھر
تم کہتے ہو نہیں مرے چاہِ ذقن میں آب

۵۲۰۵ لب تشنگانِ عشق کے ہیں کام کے وہ لعل
کیا آپ کو جو ہووے عقیقِ یمن میں آب

تب قیس جنگلوں کے تئیں آگ دے گیا
ہم بھر چلے ہیں رونے سے اب سارے بن میں آب

سن سوزِ دل کو میرے بہت روئی رات شمع
بیرون بزم لائے ہیں بھر بھر لگن میں آب

دیکھو تو کس روانی سے کہتے ہیں شعر میرؔ
دُر سے ہزار چند ہے اِن کے سخن میں آب

۶۷۱

جیسا مزاج آگے تھا میرا سو کب ہے اب
ہر روز دل کو سوز ہے ہر شب تعب ہے اب

۵۲۱۰ شدھ کچھ سنبھالتے ہی وہ معذور ہو گیا
ہر آن بے دماغی و ہر دم غضب ہے اب

دوری سے اس کی آہ عجب حال میں ہیں لوگ
کچھ بھی جو پاس وہ نہ کرے تو عجب ہے اب

طاقت کہ جس سے تاب جفا تھی سو ہو چکی
تھوڑی سی کوفت میں بھی بہت سا تعب ہے اب

دریا چلا ہے آج تو بوس و کنار کا
گر جی چلاوے کوئی دِوانا تو ڈھب ہے اب

جاں بخشیاں جو پیشتر از خط کیا کیے
اُن ہی لبوں سے خلقِ خدا جاں بلب ہے اب

۵۲۱۵ رنجش کی وجہ آگے تو ہوتی بھی تھی کوئی
رو پوش ہم سے یار جو ہے بے سبب ہے اب

نے چاہ وہ اُسے ہے نہ مجھ کو ہے وہ دماغ
جانا مرا اُدھر کو بشرطِ طلب ہے اب

جاتا ہوں دن کو ملنے تو کہتا ہے دن ہے میرؔ
جو شب کو جائیے تو کہے ہے کہ شب ہے اب

۶۷۲

عُشّاق کے تئیں ہے عجز و نیاز واجب
ہے فرضِ عین رُونا دِل کا گداز واجب

یوں سر فرو نہ لاوے ناداں کوئی وگرنہ
رہنا سجود میں ہے جیسے نماز واجب

ناسازی طبیعت ایسی پھر اُس کے اُوپر
ہے ہر کسُو سے مُجھ کو ناچار ساز واجب ۵۲۲۰

لڑکا نہیں رہا تو جو کم تمیز ہووے
عشق و ہوس میں اب ہے کچھ امتیاز واجب

صَرفہ نہیں ہے مطلق جانِ عزیز کا بھی
اے میرؔ تجھ سے ظالم ہے احتراز واجب

۶۷۳

تابُوت پر بھی میرے نہ آیا وہ بے نقاب
مَیں اُٹھ گیا ولے نہ اُٹھا بیچ سے حجاب

اس آفتابِ حُسن کے جلوے کی کس کو تاب
آنکھیں اُدھر کیئے سے بھر آتا ہے وُنہیں آب

اس عُمرِ برق جلوہ کی فرصت بہت ہے کم
جو کام ہیش آوے تجھے اس میں ہو شتاب ۵۲۲۵

غفلت سے ہے غرور تجھے ورنہ ہے بھی کچھ
یاں وہ سماں ہے جیسے کہ دیکھے ہے کوئی خواب

اس موج خیز دہر نے کس کے اُٹھائے ناز
کج بھی ہوا نہ خوب کُلہ گوشۂ حباب

یہ بستیاں اُجڑ کے کہیں بستیاں بھی ہیں
دل ہو گیا خراب جہاں پھر رہا خراب

بے تابیاں بھری ہیں مگر کوٹ کوٹ کر
خرمے میں جیسے برق ہمارے ہے اضطراب

ٹک دل کے نسخے ہی کو کیا کر مطالعہ
اس درس گہ میں حرف ہمارا ہے اک کتاب ۵۲۳۰

مجنوں نے ریگ بادیہ سے دل کے غم گنے
ہم کیا کریں کہ غم ہیں ہمارے تو بے حساب

کاش اُس کے رُو برُو نہ کریں مجھ کو حشر میں
کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب

شاید کہ ہم کو بوسہ بہ پیغام دست دے
پھرتا ہے بیچ میں تو بہت ساغرِ شراب

ہے ان بھوؤں میں خال کا نقطہ دلیلِ فہم
کی ہے سمجھ کے بیت کسُو نے یہ انتخاب

گزرے ہے میرؔ لوٹتے دن رات آگ میں
ہے سوزِ دل سے زندگی اپنی ہمیں عذاب ۵۲۳۵

۶۷۴

جو کہو تم سو ہے بجا صاحب
ہم بُرے ہی سہی بھلا صاحب

سادہ ذہنی میں نکتہ چیں تھے تم — اب تو ہیں حرف آشنا صاحب

نہ دیا رحم ٹک بتوں کے تئیں — کیا کیا ہائے یہ خدا صاحب

بندگی ایک اپنی کیا کم ہے — اور کچھ تم سے کہیے کیا صاحب

۵۲۴۰ مہر افزا ہے منہ تمھارا ہی — کچھ غضب تو نہیں ہوا صاحب

خط کے پھٹنے کا تم سے کیا شکوہ — اپنے طالع کا یہ لکھا صاحب

پھر گئیں آنکھیں تم نہ آن پھرے — دیکھا تم کو بھی واہ وا صاحب

شوقِ رخ، یادِ لب، غمِ دیدار — جی میں کیا کیا مرے رہا صاحب

بھول جانا نہیں غلام کا خوب — یاد خاطر رہے مرا صاحب

کن نے سن شعر میر یہ نہ کہا

۵۲۴۵ کہیو پھر ہائے کیا کہا صاحب

## ۶۷۵

عجب صحبت ہے کیونکر صبح اپنی شام کریے اب — جہاں ٹک آن بیٹھے ہم کہا آرام کریے اب

ہزاروں خواہش مردہ نے سر دل سے نکالا ہے — قیامت جی پہ ہے دیدار کو ٹک عام کریے اب

بلا آشوب تھا گو جان پر آغاز الفت میں — ہوا سو تو ہوا اندیشۂ انجام کریے اب

بہت کی یا صنم گوئی ہوئے مشہور کافر ہم — وظیفہ کوئی دن اپنا خدا کا نام کریے اب

۵۲۵۰ زباں خامہ کے ہلتے ہزاروں اشک گرتے ہیں — حقیقت اپنے دل کی آہ کیا ارقام کریے اب

کہاں تک کام ناکام اس جفا جو کے لیے مریے — اگر تلوار ہاتھ آوے تو اپنا کام کریے اب

فسانہ شاخ در شاخ اس نہالِ حسن کے غم کا

کہاں اے میر بے برگ و نوا اتمام کریے اب

## ۶۷۶

برقع میں کیا چھپیں وے ہوویں جنھوں کی یہ تاب — رخسار تیرے پیارے ہیں آفتاب مہتاب

اُلکل ہمیں کو اُن نے آخر ہدف بنایا — ہر چند ہم بلاکش تھے ایک تیر پر تاب

۵۲۵۵ کچھ قدر میں نہ جانی غفلت سے رفتگاں کی — آنکھیں سی کھل گئیں اب جب صحبتیں ہوئیں خواب

اُن بن ہی کے سبب ہیں اس لالچی سے سارے — یاں ہے فقیری محض، واں چاہیے ہے اسباب

اس بحرِ حسن کے تئیں دیکھا ہے آپ میں کیا — جاتا ہے صدقے اپنے جو لحظہ لحظہ گرداب
اچرج ہے یہ کہ مطلق کوئی نہیں ہے خواہاں — جنسِ وفا اگرچہ ہے گی بہت ہی کمیاب
تھی چشم یہ کہ رکے گا پلکوں سے گریہ لیکن — ہوتی ہے بند کوئی تنکوں سے راہِ سیلاب
تو بھی تو مختلط ہو سبزے میں ہم سے ساقی — قطعہ — لے کر بغل میں ظالم مینا سے بادۂ ناب ۵۲۶۰
نکلی ہیں اب کے کلیاں اس رنگ سے چمن میں — سر جوڑ جوڑ جیسے مل بیٹھتے ہیں احباب

کیا لعل لب کسو کے اے میر چت چڑھے ہیں
چہرے پہ تیرے ہر دم بہتا رہے ہے خون ناب

## ت

۶۷۷

دیر کچھ کھینچتی تو کہتے بھی ملاقات کی بات — ملنا اپنا جو ہوا اس سے سو وہ بات کی بات
گفتگو شاہد و مے سے ہے نہ غیبت نہ گلہ — خانقہ کی سی نہیں بات خرابات کی بات
سن کے آوازِ سگِ یار ہوئے ہم خاموش — بولتے واں ہیں جہاں ہووے مساوات کی بات ۵۲۶۵
منھ ادھر اور سخن زیر لبی غیر کے ساتھ — اس فریبندہ کی ناگفتنی ہے گھات کی بات
اس لیے شیخ ہے چپکا کہ پڑے شہر میں شور — ہم سمجھتے ہیں یہ شیادی و طامات کی بات
یہ کس آشفتہ کی جمعیتِ دل تھی منظور — بال بکھرے ترے منھ پر کہیں ہیں رات کی بات

گفتگو وصفوں سے اس ماہ کے کریے اے میر
کاہش افزا ہے کروں اس کی اگر ذات کی بات

۶۷۸

ہم تم سے چشم رکھتے تھے دلداریاں بہت — سو التفات کم ہے دل آزاریاں بہت ۵۲۷۰
دیکھیں تو کیا دکھائے یہ افراطِ اشتیاق — لگتی ہیں تیری آنکھیں ہمیں پیاریاں بہت
جب تک بھلی بھلی سی جفائیں تھیں اٹھ سکیں — کرنے لگے ہو اب تو ستمگاریاں بہت
آزار ہیں تو عشق کے جاتا ہے بھول جی — یوں تو ہوئی تھیں یاد ہمیں بیماریاں بہت

شکوہ خراب ہونے کا کیا چاہیے ہمیں میر
ایسی تو اے عزیز ہیں یاں خواریاں بہت

۵۲۷۵ یاد ایامے کہ ہنگامہ رہا کرتا تھا رات — شور و شر سے میرے اک فتنہ رہا کرتا تھا رات

کام کیا تھا جیب و دامن سے مجھے پیش از جنوں — سینہ چاکی اپنی میں بیٹھا کیا کرتا تھا رات

جن دنوں کھینچا تھا سر اُس بادشاہ حسن نے — ہر گلی میں اک فقیر اُس کو دعا کرتا تھا رات

اب جہاں کچھ بات چھیڑی سوچ لایا پیش ازیں — میں کہا کرتا غم دل وہ سنا کرتا تھا رات

ہجر میں کیا کیا سمیں دیکھے ہیں ان آنکھوں سے میں — زرد رخ پر لالہ گوں آنسو بہا کرتا تھا رات

۵۲۸۰ کیا کہوں پھر کیسے کیسے دن دکھاتا سالہا — وہ سخن نشنو جو ٹک میرا کہا کرتا تھا رات

دیکھنے والے ترے دیکھے ہیں سب لے شک شمع — جوں چراغ وقف دل سب کا جلا کرتا تھا رات

بعد میرے اس غزل پر بھی بہت روویں گے لوگ — میں بھی ہر ہر بیت پر اُس کی بکا کرتا تھا رات

دیکھ خالی جا کہیں گے برسوں اہل روزگار
میر اکثر دل کا قصہ یاں کہا کرتا تھا رات

۶۸۰

کیا پوچھتے ہو آہ مرے جنگ جو کی بات — گویا وفا ہے عہد میں اُس کے کبھو کی بات

۵۲۸۵ اس باغ میں نہ آئی نظر خرمی مری — گر سبز بھی ہوا ہوں تو جیسے کسو کی بات

آئینہ پانی پانی رہا اس کے سامھنے — کہیے جہاں کہوں یہ تو ہے روبرو کی بات

سر گل نے پھر جھکا کے اٹھایا نہ شرم سے — گلزار میں چلی تھی کہیں اس کے رو کی بات

حرمت میں مے کی کہنے سے واعظ کے ہے فتور — کیا اعتبار رکھتی ہے اس پوچ گو کی بات

ہم سوختوں میں آتش سرکش کا ذکر کیا — چل بھی پڑی ہے بات تو اُس تند خو کی بات

کیا کوئی زلف یار سے حرف و سخن کرے
۵۲۹۰ رکھتی ہے میر طول بہت اُس کے مو کی بات

۶۸۱

سنتا نہیں اگرچہ ہمارا نگار بات — پر منھ پہ آہی جاتی ہے بے اختیار بات

بلبل کے بولنے سے ہے کیوں بے دماغ گل — آپس میں یوں تو ہوتی ہے یار و ہزار بات

منھ تک رہے ہو جو ہو وہ فریبندہ حرف زن — اس تھوڑے سن و سال میں یہ پیچدار بات

بوسہ نہ دے چھپکے لب کا کہ تب کچھ مزا نہیں — پاوے گی سارے شہر میں جب اشتہار بات

ہے کس کی صوت انکرِ اصوات واعظا — کب آدمی کی جنس کرے ہے پکار بات ۵۲۹۵

آہو کو اس کی چشمِ سخن گو سے مت ملا — شہری سے کر سکے ہے کہیں بھی گنوار بات

یوں بارِ گل سے لب کی جھمکے ہیں نہالِ باغ — جھک جھک کے جیسے کرتے ہیں دو چار یار بات

آزردہ دل کو حرف پہ لانے کا لطف کیا — کرتی ہے خونچکاں مرے لب سے گزار بات

مرجاں کوئی کہے ہے کوئی ان لبوں کو لعل — کچھ رفتہ رفتہ یا ہی رہے گی قرار بات

یوں چپکے چپکے میر تلف ہو گا کب تلک
کچھ ہووے بھڑ کر اس سے بھی کر ایک بار بات ۵۳۰۰

## ۶۸۲

ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یارو پرائی بات — پر ہم سے تو تھنبے نہ کبھو منھ پہ آئی بات

جانے نہ مجھ کو جو یہ تصنع تو اس سے کر — تس پر بھی تو چھپی نہیں رہتی بنائی بات

لگ کر نہ رہ رہ گئے دیوارِ باغ سے — رفتار کی جو تیری صبا نے چلائی بات

کہتے تھے اس سے ملیے تو کیا کیا نہ کہیے لیک — وہ آگیا تو سامنے اس کے نہ آئی بات

اب تو ہوئے ہیں ہم بھی ترے ڈھب سے آشنا — واں تو نے کچھ کہا کہ ادھر ہم نے پائی بات ۵۳۰۵

بلبل کے بولنے میں سب انداز ہیں مرے — پوشیدہ کب رہی ہے کسو کی اڑائی بات

بھڑکا تھا رات دیکھ کے وہ شعلہ خو مجھے — کچھ روسیہ رقیب نے شاید لگائی بات

عالم سیاہ خانہ ہے کس کا کہ روز و شب — یہ شور ہے کہ دیتی نہیں کچھ سنائی بات

اک دن کہا تھا یہ کہ خموشی میں ہے وقار — سو مجھ سے ہی سخن نہیں میں جو بتائی بات

اب مجھ ضعیف و زار کو مت کچھ کہا کرو — جاتی نہیں ہے مجھ سے کسو کی اٹھائی بات ۵۳۱۰

خط لکھتے لکھتے میر نے دفتر کیے رواں
افراطِ اشتیاق نے آخر بڑھائی بات

## ۶۸۳

ہے زباں زد جو سکندر ہو چکا لشکر سمیت — سر بھی اس کا کھپ گیا آخر کو یاں افسر سمیت

چشمے آبِ شور کے نکلا کریں گے واں جہاں — رکھیں گے مجھ تلخ کامِ غم کو چشمِ تر سمیت

ہم اُٹھے روتے تو لی گردوں نے پھر راہِ گریز
بیٹھ جاوے گا یہ ماتم خانہ بام و در سمیت

۵۳۱۵ مستی میں شرم گنہ سے میں جو رو یا ڈاڑھ مار
گر پڑا بے خود ہو واعظ جمعے کو منبر سمیت

بعث اپنا خاک سے ہوگا گر اس شورش کے ساتھ
عرش کو سر پر اُٹھا لیویں گے ہم محشر سمیت

کب تلک یوں لوہو پیتے ہاتھ اٹھا کر جان سے
وہ کمر کولی میں بھر لی ہم نے کل خنجر سمیت

گنجِ قاروں کا سا یاں کس کے کنے تھا سو تو میر
خاک میں ملتا ہے اب تک اپنے مال و زر سمیت

۶۸۴

دیکھیے کب ہو وصال اب تو لگے ہے ڈر بہت
کوفت گذرے ہے فراقِ یار میں جی پر بہت

۵۳۲۰ دل کی ویسی ہے خرابی کثرتِ اندوہ سے
جیسے رہ پڑتا ہے دشمن کا کہیں لشکر بہت

ہم نشیں جا بیٹھ، محنت کش کوئی دل چاہیئے
عشق تیرا کام ہے تو ہے لغل پر در بہت

بس نہیں مجھ ناتواں کا ہائے جو کچھ کر سکوں
مدعی پر چک سے اُس کی پڑ گیا ہے در بہت

سخت کر جی کیونکہ یک باری کریں ہم ترکِ شہر
ان گلی کوچوں میں ہم نے کھائے ہیں پتھر بہت

دیکھ روئے زرد پر بھی میرے آنسو کی ڈھلک
اے کہ تو نے دیکھی ہے غلطانی گوہر بہت

۵۳۲۵ ہم نفس کیا مجھ کو تو رویا کرے ہے روز و شب
رہ گئے ہیں مجھ سے کوئے یار میں مر کر بہت

کم مجھی سے بولنا، کم آنکھ مجھ پر کھولنا
اب عنایت یار کی رہتی ہے کچھ ادھر بہت

کیا سبب ہے اب مکاں پر جو کوئی پاتا نہیں
میر صاحب آگے تو رہتے تھے اپنے گھر بہت

۶۸۵

ملامت گر نہ مجھ کو کر ملامت
جلے کو اور تو اتنا جلا مت

گلے مل عید قرباں کو سبھوں سے
ہمارا آہ تم کاٹو گلا مت

۵۳۳۰ تری ناآشنائی سے ہیں بندے
نہ وہ اب ربط نے صاحب سلامت

بہت لڑنے نے رسوا کر دکھایا
نہ چاہت کی چھپی ہم سے علامت

کبھو تلوار وہ کھینچے ہے اے میر
لڑی قسمت تو سر کوٹک ہلا مت

## ۶۸۶

آگ ساتو جو ہُوا اے گلِ تر آن کے بیچ
صُبح کی باد نے کیا پھُونک دیا کان کے بیچ

ہم نہ کہتے تھے کہیں زلف کہیں رُخ نہ دِکھا
اِک خلاف آیا نہ ہندو مسلمان کے بیچ

باوجودِ مَلَکیت نہ مَلَک میں پایا
وہ تقدّس کہ جو ہے حضرتِ انسان کے بیچ ۵۲۳۵

پاسباں سے ترے کیا دوُر جو ہو ساز رقیب
ہے نہ اک طرح کی نسبت سگ و درباں کے بیچ

جیسی عزّت مری دیواں میں امیروں کے ہُوئی
ویسی ہی اُن کی بھی ہوگی مرے دیوان کے بیچ

ساتھ ہی اس سرِ عریاں کی یہ وحشت کرنا
پگڑی اُلجھی ہے مری اب تو بیابان کے بیچ

وے بھری پلکیں اگر کھب گئیں جی میں تو وہیں
رخنے پڑ جائیں گے واعظ ترے ایمان کے بیچ

کیا کہوں خوبیِ خط دیکھ ہُوئی بند آواز
سُرمہ گویا کہ دیا اُن نے مجھے پان کے بیچ ۵۲۴۰

گھر میں آئینے کے کب تک تمھیں نازاں دیکھوں
کبھو تو آؤ مرے دیدۂ حیران کے بیچ

میرزائی کا کب اے میر چلا عشق میں کام
کچھ تعب کھینچنے کو تاب تو ہو جان کے بیچ

## ۶۸۷

عِشق میں اے طبیب ہاں ٹک سوچ
پاے جاں درمیاں ہے یاں ٹک سوچ

بے تامّل ادا سے کیں مت کر
قتل میں میرے مہرباں ٹک سوچ

سرسری مت جہاں سے جا غافل
پانو تیرا پڑے جہاں ٹک سوچ ۵۲۴۵

پھیل اتنا پڑا ہے کیوں یاں تو
یار اگلے گئے کہاں ٹک سوچ

ہونٹھ اپنا ہلا نہ سمجھے بن
یعنی جب کھولے تو زباں ٹک سوچ

گُل و رنگ و بہار پردے ہیں
ہر عیاں میں ہے وہ نہاں ٹک سوچ

فائدہ سر جھُکے کا شیب میں میر
پیری سے آگے اے جواں ٹک سوچ

## ۶۸۸

دل کھو گیا ہُوں میں یہیں دیوانہ پن کے بیچ
تم بھی تو دیکھو زلفِ شِکن در شِکن کے بیچ ۵۲۵۰

کیا جانے دل میں چاؤ تھے کیا کیا دمِ وصال / مہجور اُس کا تھا ہمہ حسرت کفن کے بیچ

کنعاں سے جا کے مصر میں یوسف ہوا عزیز / عزت کسو کی ہوتی نہیں ہے وطن کے بیچ

سُن اے جنوں کہ مجھ میں نہیں کچھ سوائے دم / تار ایک رہ گیا ہے یہی پیرہن کے بیچ

سرسبز ہند ہی میں نہیں کچھ یہ ریختہ / ہے دھوم میرے شعر کی سارے دکھن کے بیچ

۵۳۵۵ ستھرائی اور نازکی گلبرگ کی درست / پر ویسی بو کہاں کہ جو ہے اُس بدن کے بیچ

بلبل خموش و لالہ و گل دونوں سُرخ و زرد / قطعہ شمشاد محو ہے کلی اک نسترن کے بیچ

کل ہم بھی سیرِ باغ میں تھے ساتھ یار کے / دیکھا تو اور رنگ ہے سارے چمن کے بیچ

یا ساتھ غیر کے ہی تمھیں ویسی بات چیت / قطعہ سو سو طرح کے لطف ہیں اک اک سخن کے بیچ

یا پاس میرے لگتی ہے چُپ ایسی آن کر / گویا زباں نہیں ہے تمھاری دہن کے بیچ

فرہاد و قیس و میر یہ آوارگانِ عشق

۵۳۶۰ یوں ہی گئے ہیں سب کی رہی من کی من کے بیچ

### ۶۸۹

جھوٹ ہر چند نہیں یار کی گفتار کے بیچ / دیر لیکن ہے قیامت ابھی دیدار کے بیچ

کس کی خوبی کے طلبگار ہیں عزت طلباں / خرقے بکنے کو چلے آتے ہیں بازار کے بیچ

خضر و عیسیٰ کے تئیں نام کو جیتا سن لو / جان ہے ورنہ کب اُس کے کسو بیمار کے بیچ

اگلے کیا پیچ تمھارے نہ تھے بس عاشق کو / بال جو اور گُھسنے لگے دستار کے بیچ

۵۳۶۵ عشق ہے جس کو ترا اُس سے تو رکھ دل کو جمع / زندگی کی نہیں امید اس آزار کے بیچ

ہم بھی اب ترکِ وفا ہی کریں گے کیا کریے / جنس یہ کھپتی نہیں آپ کی سرکار کے بیچ

ویدنی دشتِ جنوں ہے کہ پھپھولے پا کے / میں نے موتی سے پرو رکھے ہیں ہر خار کے بیچ

پردہ اٹھتا ہے تو پھر جان پر آ بنتی ہے / خوبیِ عاشق کی نہیں عشق کے اظہار کے بیچ

اس زمیں میں غزل اک اور بھی موزوں کر میر

پاتے ہیں زور ہی لذت تری گفتار کے بیچ

### ۶۹۰

۵۳۷۰ آتی ہے خوں کی بو دوستیِ یار کے بیچ / جی لیے ان نے ہزاروں کے یونہی پیار کے بیچ

حیف وہ کشتہ کہ سو پیچ سے آوے تجھ تک
اور رہ جائے تری ایک ہی تلوار کے بیچ

گرچہ چھپتی نہیں ہے چاہ پہ رہ منکر پاک
جی ہی دینا پڑے ہے عشق کے اقرار کے بیچ

نالہ شب آوے قفس سے تو گل اب اس پہ نہ جا
یہی ہنکار سی ہے مرغِ گرفتار کے بیچ

اُنس کرتا تو ہے وہ مجھ کو خرد باختہ جان
جیت ہیں اپنی نکالی ہے اسی ہار کے بیچ

چال کیا کبک کی اک بات چلی آتی ہے
تکلف نکلے ہیں ہزار دل تری رفتار کے بیچ ۵۳۷۵

تو جو جاتا ہے چمن میں تو تماشے کے لیے
موسم رفتہ بھی پھر آوے ہے گلزار کے بیچ

داغِ چیچک اس افراط سے تھے مکھڑے پر
کن نے گاڑی ہیں نگاہیں ترے رخسار کے بیچ

گھٹے شمشیر زنی سے کفِ نازک میں ہیں
یہ جگرداری تھی کس خوں کے سزاوار کے بیچ

توبہ صد بار کہ مستی میں پرو ڈالے ہیں
دانے تسبیح کے میں رشتۂ زنار کے بیچ

حلقۂ گیسوے خوباں پہ نہ کر چشم سیاہ
میرؔ امرت نہیں ہوتا دہنِ مار کے بیچ ۵۳۸۰

## ح

۶۹۱

آنے کی اپنے کیا کہیں اس گلستاں کی طرح
ہر گام پر تلف ہوئے آبِ رواں کی طرح

کیا میں ہی چھیڑ چھیڑ کے کھاتا ہوں گالیاں
اچھی لگے ہے سب کو مرے بدزباں کی طرح

آگے تو بے طرح نہ کبھو کہتے تھے ہمیں
اب تازہ یہ نکالی ہے تم نے کہاں کی طرح

یہ شورِ دل خراش کب اٹھتا تھا باغ میں
سیکھی ہے عندلیب بھی ہم سے فغاں کی طرح

کرتے تو ہو ستم پہ نہیں رہنے کے حواس
کچھ اور ہو گئی جو کبھو خستہ جاں کی طرح ۵۳۸۵

نقشہ الٰہی دل کا مرے کون لے گیا
کہتے ہیں ساری عرش میں ہے اس مکاں کی طرح

مرغِ چمن نے زور رلایا سبھوں کے تئیں
میری غزل پڑھی تھی شب اک روضہ خواں کی طرح

لگ کر گلے سے اس کے بہت میں بکا کیا
ہلتی تھی سروِ باغ میں کچھ اس جواں کی طرح

جو کچھ نہیں تو بجلی سے ہی پھول پڑ گیا
ڈالی چمن میں ہم نے اگر آشیاں کی طرح

یہ باتیں رنگ رنگ ہماری ہیں ورنہ میرؔ
آجاتی ہے گلی میں کبھو اس دہاں کی طرح ۵۳۹۰

۶۹۲

دورِ گردوں سے ہوئی کچھ اور میخانے کی طرح
بھر نہ آویں کیونکہ آنکھیں میری پیمانے کی طرح

آ نکلتا ہے کبھو ہنستا تو ہے باغ و بہار
اُس کی آمد میں ہے ساری فصلِ گُل آنے کی طرح

چشمکِ انجم میں اِتنی دل کشی آگے نہ تھی
سیکھ لی تاروں نے اس کی آنکھ جھمکانے کی طرح

ہم گرفتاروں سے وحشت ہی کرے ہے وہ غزال
کوئی تو بتلاؤ اُس کے دام میں لانے کی طرح

۴۹۵ ایک دن دیکھا جو اُن نے بید کو تو کہہ اُٹھا
اس شجر میں کیتی ہے اُس میرے دیوانے کی طرح

آج کچھ شہرِ وفا کی کیا خرابی ہے نئی
عشق نے مدت سے یاں ڈالی ہے ویرانے کی طرح

پیچ سا کچھ ہے کہ زلف و خط سے ایسا ہے بناؤ
ہے دلِ صد چاک میں بھی ورنہ شب شانے کی طرح

کس طرح جی سے گزر جاتے ہیں آنکھیں موند کر
دیدنی ہے درد مندوں کے بھی مر جانے کی طرح

ہے اگر ذوقِ وصال اس کا تو جی کھو بیٹھیے
ڈھونڈ کر اک کاڑھیے اب اس کے بھی پانے کی طرح

۵۰۰ یوں بھی سر چڑھتا ہے اے ناصح کوئی مجھ سے کہ ہائے
ایسے دیوانے کو سمجھاتے ہیں سمجھانے کی طرح

جان کا صرفہ نہیں ہے کچھ تجھے کڑھنے میں میرؔ
غم کوئی کھاتا ہے میری جان غم کھانے کی طرح

# خ

۶۹۳

اگرچہ لعلِ بدخشاں میں رنگ ڈھنگ ہے شوخ
پہ تیرے دونوں لبوں کا بھی کیا ہی رنگ ہے شوخ

کبھو تو نیمچہ چلا کر ستم کھینچیں کب تک
کماں کے طور سے تو سخت خانہ جنگ ہے شوخ

سکھائیں کن نے تجھے آہ ایسی اچپلیاں
کہ برق پر تری شوخی سے کام تنگ ہے شوخ

۵۰۵ بغیر بادہ تو یوں گرم آ کے کب ملتا
نشہ ہے زور تجھے اُس کی یہ ترنگ ہے شوخ

جگر میں کس کے ترے ہاتھ سے نہیں سوراخ
فلک تلک تو ترا زخمیِ خدنگ ہے شوخ

صنم فراق میں میں تیرے کچھ تو کر رہتا
پہ کیا کروں کہ مرا ہاتھ زیرِ سنگ ہے شوخ

خیال چاہ کے سررشتے کا تجھے کب ہے
ترے تو ہاتھ میں شام و سحر پتنگ ہے شوخ

ابھی تو آنے میں عرصہ ہے کچھ قیامت کے
قدِ بلند کو کھینچ اپنے کیا درنگ ہے شوخ

بر آر میرؔ سے کس طرح تیری صحبت ہو
تجھے تو نام سے اُس خستہ جاں کے ننگ ہے شوخ ۵۴۱۰

د

۶۹۴

رہیے بغیر تیرے اے رشکِ ماہ تا چند
آنکھوں میں یوں ہماری عالم سیاہ تا چند

اب دیکھنے میں پیارے ٹک تو بڑھا عنایت
کوتاہ تر پلک سے ایدھر نگاہ تا چند

خط سے جو ہے گرفتہ وہ مہ نہیں نکلتا
مانندِ چشمِ اختر ہم دیکھیں راہ تا چند

عُمرِ عزیز ساری مِنّت ہی کرتے گُذری
بے جُرم آہ رہیے یوں عُذر خواہ تا چند

یاں ناز و سرکشی سے کیا دیکھتا نہیں ہے
کج اس چمن میں ٹھہری گُل کی کُلاہ تا چند ۵۴۱۵

جب مہ اُدھر سے نکلا جاناوہ گھر سے نکلا
رکھتا ہے داغ دیکھیں یہ اشتباہ تا چند

ایذا بھی کھینچ چکیے گر جو ہفتے عشرے کی ہو
اِس طرح مرتے رہیے اے میرؔ آہ تا چند

۶۹۵

تجھ بن اے نو بہار کے مانند
چاک ہے دِل انار کے مانند

پہنچی شاید جگر تک آتشِ عشق
اشک ہیں سب شرار کے مانند

کو دماغ اس کی رہ سے اُٹھنے کا
بیٹھے اب ہم غبار کے مانند ۵۴۲۰

کوئی نکلے کلی تو لالے کی
اِس دِل داغدار کے مانند

سرو کو دیکھ غش کیا ہم نے
تھا چمن میں وہ یار کے مانند

ہار کر شب گلے پڑے اُس کے
ہم بھی پھولوں کے ہار کے مانند

برق تڑپی بہت ولے نہ ہوئی
اس دِلِ بے قرار کے مانند

اُن نے کھینچی تھی صیدگہ میں تیغ قطعہ
برقِ ابرِ بہار کے مانند ۵۴۲۵

اُس کے گھوڑے کے آگے سے نہ ٹلے
ہم بھی دُبلے شکار کے مانند

زخم کھا بیٹھیو جگر پر مت
تو بھی مجھ دِل فگار کے مانند

سم اُس کی سُرتیز ہر پلک ہے میرؔ
خنجرِ آب دار کے مانند

آواز ہماری سے نہ رُک ہم ہیں دُعا یاد — آوے گی بہت ہم بھی فقیروں کی صدا یاد

۵۴۲۰ ہر آن وہ انداز ہے جس میں کہ کہیے جی — اس مخترعِ جور کو کیا کیا ہے ادا یاد

کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری — اپنی بھی وفا یاد ہے اس کی بھی جفا یاد

کیفیتیں عطار کے لونڈے میں بہت تھیں — اس نسخے کی کوئی نہ رہی حیف دوا یاد

کیا جائے کہی بوس لب یار کی لذّت — جب تک جئیں گے ہم کو رہے گا وہ مزا یاد

جی بھول گیا دیکھ کے چہرہ وہ کتابی — ہم عصر کے علّامہ تھے پر کچھ نہ رہا یاد

۵۴۲۵ سب غلطی رہی بازیٔ طفلانہ کی یک سو — وہ یاد فراموش تھے ہم کو نہ کیا یاد

کعبے تو گئے بھول کے ہم دیر کا رستا — آتا تھا دلے راہ میں ہر گام خُدا یاد

اِک لُطف کے شرمندہ نہیں میر ہم اس سے
گو یاں سے گئے اُن نے بہت ہم کو کیا یاد

۶۹۷

اسیر کر کے نہ لی تو نے تو خبر صیّاد — اُڑا کیے مرے پر کالۂ جگر صیّاد

پھریں گے لوٹتے صحنِ چمن میں باؤ کے ساتھ — مُوئے گئے بھی مرے مشتِ بال و پر صیّاد

۵۴۳۰ رہے گی ایسی ہی گر بے کلی ہمیں اس سال — تو دیکھیو کہ رہے ہم قفس میں مر صیّاد

چمن کی باؤ کہ آتے خبر نہ اتنی رہی — کہ میں کدھر ہوں کدھر ہے قفس کدھر صیّاد

شکستہ بالی کو چاہے تو ہم سے ضامن لے — شکار موسمِ گل میں ہمیں نہ کر صیّاد

ہُوا نہ وا درِ گلزار اپنے ڈھب سے کبھو — کُھلا سو منھ پہ ہمارے قفس کا در صیّاد

سُنا ہے بھڑکی ہے اب کی بہت ہی آتشِ گل — چمن میں اپنے بھی ہیں خار و خس کے گھر صیّاد

۵۴۳۵ لگی بہت رہیں چاکِ قفس سے آنکھیں لیک — پڑا نہ اب کی کوئی پھول گُل نظر صیّاد

اسیر میر نہ ہوتے اگر زباں رہتی
ہُوئی ہماری یہ خوش خوانیٔ سحر صیّاد

۶۹۸

لڑ کے پھر آئے ڈر گئے شاید — بگڑے تھے کچھ سنور گئے شاید

سب پریشان دلی میں شب گزری
بال اُس کے بکھر گئے شاید

کچھ خبر ہوتی تو نہ ہوتی خبر
صوفیاں بے خبر گئے شاید

ہیں مکان و سرا و جا خالی
یار سب کوچ کر گئے شاید ۵۳۵۰

آنکھ آئینہ رو چھپاتے ہیں
دل کو لے کر مکر گئے شاید

لوہو آنکھوں میں اب نہیں آتا
زخم اب دل کے بھر گئے شاید

اب کہیں جنگلوں میں ملتے نہیں
حضرتِ خضر مر گئے شاید

بے کلی بھی قفس میں ہے دشوار
کام سے بال و پر گئے شاید

شور بازار سے نہیں اُٹھتا
رات کو میرؔ گھر گئے شاید ۵۳۵۵

## ۶۹۹

بنی تھی کچھ اک اُس سے مدّت کے بعد
سو پھر بگڑی پہلی ہی صحبت کے بعد

جُدائی کے حالات میں کیا کہوں
قیامت تھی ایک ایک ساعت کے بعد

مؤا کوہکن بے ستوں کھود کر
یہ راحت ہوئی ایسی محنت کے بعد

لگا آگ پانی کو دوڑے ہے تو
یہ گرمی تری اس شرارت کے بعد

کہے کو ہمارے کب اُن نے سُنا
کوئی بات مانی سو منّت کے بعد ۵۳۶۰

سخن کی نہ تکلیف ہم سے کرو
لہو ٹپکے ہے اب شکایت کے بعد

نظر میرؔ نے کیسی حسرت سے کی
بہت روئے ہم اُس کی رخصت کے بعد

## ر

## ۷۰۰

رفتار میں یہ شوخی رحم اے جواں زمیں پر
لاتا ہے تازہ آفت تو ہر زماں زمیں پر

آنکھیں لگی رہیں گی برسوں وہیں سبھوں کی
ہوگا قدم کا تیرے جس جا نشاں زمیں پر

میں مشتِ خاک یارب بارِ گرانِ غم تھا
کیا کہیے آپڑا ہے اک آسماں زمیں پر ۵۳۶۵

آنکھیں ہی بچھ رہی ہیں لوگوں کی تیری رہ میں
ٹک دیکھ کر قدم رکھ اے کامِ جاں زمیں پر

خاک سیہ سے یکساں ہر ایک ہے کہے تو — مارا اٹھا فلک نے سارا جہاں زمیں پر

چشمے کہیں ہیں جوشاں جوئیں کہیں ہیں جاری — جوں ابر ہم نہ روئے اُس بن کہاں زمیں پر

آتا نہ تھا فرو سر جن کا کل آسماں سے — ہیں ٹھوکروں میں اُن کے آج استخواں زمیں پر

۵۴۷۵ جو کوئی یاں سے گزرا کیا آپ سے نہ گزرا — پانی رہا کب اتنا ہو کر رواں زمیں پر

پھر بھی اُٹھالی سر پر تم نے زمیں سب آکر — کیا کیا ہُوا تھا تم سے کچھ آگئے یاں زمیں پر

کچھ بھی مناسبت ہے یاں عجز واں تکبر — وے آسمان پر ہیں ہیں ناتواں زمیں پر

پستی و بلندیاں کا ہے اور ہی طرف سے — اپنی نظر نہیں ہے کچھ آسماں زمیں پر

قصرِ جناں تو ہم نے دیکھا نہیں جو کہیے — شاید نہ ہووے دل سا کوئی مکاں زمیں پر

۵۴۸۰ یاں خاک سے انھوں کی لوگوں نے گھر بنائے — آثار ہیں جنھوں کے اب تک عیاں زمیں پر

کیا سر جھکا رہے ہو میرؔ اس غزل کو سُن کر
بالے نظر کرو ٹک اے مہرباں زمیں پر

۷۰۱

کیا کیا نہ ہم نے کھینچے آزار تیری خاطر — اب ہو گئے ہیں آخر بیمار تیری خاطر

غیروں کی بے دماغی بیتابی چھاتی داغی — یہ سب ستم اٹھائے اے یار تیری خاطر

کیا جانیے کہ ہے تو کیا جنسِ بیش قیمت — جاتے ہیں بگڑی جامے بازار تیری خاطر

۵۴۸۵ اک بار تو نے آکر خاطر نہ رکھی میری — میں جی سے اپنے گزرا سو بار تیری خاطر

ہیں کیا کہ آہ کافر دیں کے اکابروں نے — قشقے لگائے پہنے زنار تیری خاطر

گو دل دھسک ہی جاوے آنکھیں اُبل ہی آویں — سب اونچ نیچ کی ہے ہموار تیری خاطر

ایک آن تیری ابرو ادھر جھکے نہ پائی — سو سو ہمیں نے کھینچی تلوار تیری خاطر

کیا چیز ہے تو پیارے مفلس ہیں داغ تیرے — پیسے لیے پھرے ہیں زر دار تیری خاطر

تجھ سے دو چار ہونا پھر آہ بن نہ آیا
۵۴۹۰ دی جان میرؔ جی نے ناچار تیری خاطر

۷۰۲

اے صبا گر شہر کے لوگوں میں ہو تیرا گزار — کہیو ہم صحرا نوردوں کا تمامی حالِ زار

خاکِ دہلی سے جدا ہم کو کیا یک بارگی
آسماں کو تھی کدورت سو نکالا یوں غبار

منصبِ بلبل غزل خوانی تھا سو تو ہے اسیر
شاعری زاغ و زغن کا کیوں نہ ہووے اب شعار

طائرِ خوش زمزمہ کنجِ قفس میں ہے خموش
چہچہے چہیاں کریں ہیں صحنِ گلشن میں ہزار

برگِ گل سے بھی کیا نہ ایک نے تنگ ہم کو یاد
نامہ و پیغام و پرسش بے مراتب درکنار ۴۹۹۵

بے خلش کیونکر نہ ہو گرمِ سخن گلزار میں
میں قفس میں ہوں کہ میرا تھا دلوں میں خار خار

بلبلِ خوش لہجہ کے جاتے پہ گو غوغائیاں
طرح غوغا کی چمن میں ڈالیں پر کیا اعتبار

طائرانِ خوش لب و لہجہ نہیں رہتے چھپے
شور سے ان کے بھرے ہیں قریہ و شہر و دیار

شہر کے کیا ایک دو کوچوں میں تھی شہرت رہی
شہر وہ شہر وہ ملکوں ملکوں ہے جاکھوں کا اشتہار

کیا کموں ہوئے چمن ہوتا جو میں سرگرمِ گشت
پھول گل جب کھلنے لگتے جوش زن ہوتی بہار ۵۰۰۰

شور سن سن کر غزل خوانی کا میری ہم صفیر
غنچہ ہو آتے جو ہوتا آب و رنگِ شاخسار

خوش نوائی کا جنھیں دعوی تھا رہ جاتے خموش
جن کو میں کرتا مخاطب ان کو ہوتا افتخار

بعضوں کو رشکِ قبولِ خاطرِ لطفِ سخن
بعضوں کا سینہ فگار و بعضوں کا دل داغ دار

ایکوں کے ہونٹھوں کے اوپر آفریں استاد تھا
ایک کہتے تھے رسوخِ دل ہے اپنا استوار

ربط کا دعوی تھا جن کو کہتے تھے مخلص ہیں ہم
جانتے ہیں ذاتِ سامی ہی کو ہم سب خاکسار ۵۰۰۵

نقل کرتے کیا یہ صحبت منعقد جب ہوتی بزم
بیٹھ کر کہتے تھے شعرِ میر سے بعضے بعضے یار

بندگی ہے خدمتِ عالی میں ہم کو دیر سے
کر رکھی ہے جان اپنی ہم نے حضرت پر نثار

سو نہ خط ان کا نہ کوئی پرچہ پہنچا مجھ تلک
واہ واہی رابطہ رحمت ہے یہ اخلاص و پیار

رفتہ رفتہ ہو گئیں آنکھیں مری دونوں سفید
بس کہ نامے کا کیا یاروں کے میں نے انتظار

لکھتے گر دو حرف لطف آمیز بعد از چند روز
تو بھی ہوتا اس دلِ بیتاب و طاقت کو قرار ۵۰۱۰

سو تو یک نوشتہ کاغذ بھی نہ آیا میرے پاس
ان ہم آوازوں سے جن کا میں کیا ربط آشکار

خط کتابت سے یہ کہتے تھے نہ بھولیں گے تجھے
آویں گے گھر بار کی تیرے خبر کو بار بار

جب گیا میں یاد سے تب کس کا گھر کا ہے کا پاس
آفریں صد آفریں اے مردمانِ روزگار

اب بیاباں در بیاباں ہے مرا شور و فغاں
گو چمن میں خوش کی تم نے میری جائے نالہ وار

ہے مثل مشہور یہ عشرِ سفر کوتاہ ہے
طالعِ برگشتہ بھی کرتے ہیں اب امداد کار ۵۰۱۵

اِک پریشانی میں بھی ہے یہ وطن گلزار سا
سامعوں کی چھاتیاں نالوں سے ہووے گی فگار

منھ پہ آویں گے سخن آلودۂ خونِ جگر
کیونکہ یارانِ زماں سے چاک ہے دل جوں انار

لب سے لے کر تا سخن ہیں خونچکاں سو سے بھرے
لیک ہے اظہار ہر ناکس سے اپنا ننگ و عار

چپ بھلی گو تلخ کامی کھینچنی اس میں پڑے
بیت بحثی طبعِ نازک پر ہے اپنی ناگوار

۵۵۲۰ آج سے کچھ بے حسابی جورِ کن مردم نہیں
ان سے اہلِ دل سدا کھینچے ہیں رنج بے شمار

بس قلم رکھ ہاتھ سے جانے بھی دے یہ حرف میرؔ
کاہ کے جا ہے نہیں کہسار ہوتے بے وقار

کام کے جو لوگ صاحب فن ہیں سو محسود ہیں
بے ہنری کرتے رہیں گے حاسدانِ نابکار

## ۷۰۳

آغشتہ خونِ دل سے سخن تھے زبان پر
رکھے نہ تم نے کان ٹک اس داستان پر

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر

۵۵۲۵ یہ دل بری کے فن و فریب اتنی عمر میں
جھنجھلاہٹ اب تو آوے ہے اُس کے بیان پر

محتاج کر خدا نہ نکالے کہ جوں ہلال
تشہیر کون شہر میں ہو پارہ نان پر

دیکھا نہ ہم نے چھوٹ میں یاقوت کی کبھو
تھا جو سماں لبوں کے ترے رنگِ پان پر

کیا رہروانِ راہِ محبت ہیں طرفہ لوگ
اغماض کرتے جاتے ہیں جی کے زیان پر

پہنچا نہ اُس کی داد کو مجلس میں کوئی رات
مارا بہت پتنگ نے سر شمع دان پر

۵۵۳۰ یہ چشمِ شوق طرفہ جگہ ہے دکھاؤ کی
ٹھہرو بقدرِ یک مژہ تم اس مکان پر

بزاز کے کو دیکھ کے خرقے بہت پھٹے
بیٹھا وہ اس تماش سے آکر دکان پر

موزوں کرو کچھ اور بھی شاید کہ میرؔ جی
رہ جائے کوئی بات کسو کی زبان پر

## ۷۰۴

کیا کیا نہ لوگ کھیلتے جاتے ہیں جان پر
اطفالِ شہر لائے ہیں آفت جہان پر

کچھ ان دنوں اشارۂ ابرو ہیں تیز تیز
کیا تم نے پھر رکھی ہے یہ تلوار سان پر

۵۵۳۵ تھوڑے سے میں دور کھینچے ہے کیا آدم آپ کو
اس مشتِ خاک کا ہے دماغ آسمان پر

کس پر تھے بے دماغ کہ ابرو بہت ہے خم
کچھ زور سا پڑا ہے کہیں اس کمان پر

کس رنگ راہ پا سے نگاریں سے تو چلا ۔۔۔ ہونے لگے ہیں خون قدم کے نشان پر

چرچا سا کر دیا ہے مرے شورِ عشق نے ۔۔۔ مذکور اب بھی ہے یہ ہر اک کی زبان پر

جی لی کے اپنا لو ہو رہیں گو کہ ہم ضعیف ۔۔۔ جوں رینگتی نہیں ہے تغول کے تو کان پر

یہ وہم ہے کہ اور کا ہے میرے تئیں خیال ۔۔۔ تو مار ڈالیو نہ مجھے اس گمان پر ۵۵۴۰

کیفیتیں ہزار ہیں اس کام جاں کے بیچ ۔۔۔ دیتے ہیں لوگ جان تو اک ایک آن پر

دامن میں آج میر کے داغِ شراب ہے
تھا اعتماد ہم کو بہت اس جوان پر

۷۰۵

مت آنکھ ہمیں دیکھ کے یوں مار دیا کر ۔۔۔ غمزے ہیں بلا ان کو نہ سنگار دیا کر

آئینے کی مشہور پریشاں نظری ہے ۔۔۔ تو سادہ ہے ایسوں کو نہ دیدار دیا کر

سو بار کہا غیر سے صحبت نہیں اچھی ۔۔۔ اس جیفے کو مجلس میں نہ تو بار دیا کر ۵۵۴۵

کیوں آنکھوں میں سرمے کا تو دنبالہ رکھے ہے ۔۔۔ مت ہاتھ میں ان مستوں کے تلوار دیا کر

کچھ خوب نہیں اتنا ستانا بھی کسو کا
ہے میر فقیر اس کو نہ آزار دیا کر

۷۰۶

طاقت نہیں ہے جان میں کڑھنا تعب ہے اور ۔۔۔ بے لطفیاں کرو ہو یہ تس پر غضب ہے اور

ہر چند چپ ہوں لیک مرا حال ہے عجب ۔۔۔ احوال پرسی تو نہ کرے تو عجب ہے اور

آنکھ اس کی اس طرح سے نہیں پڑتی ٹک ادھر ۔۔۔ اب خوب دیکھتے ہیں تو چتون کا ڈھب ہے اور ۵۵۵۰

کیا کہیے حال دل کا جدائی کی رات میں ۔۔۔ گذرے ہے کب کہانی کہے سے یہ شب ہے اور

دل لے کے چھپ کے دکھا کے رخِ خوب کو تبھی ۔۔۔ اب منھ چھپا جو بیٹھے یہ حسن طلب ہے اور

اس دل لگے کے روگ کو نسبت مرض سے کیا ۔۔۔ اپنا یہ جلتے رہنا ہے کچھ اور تب ہے اور

طور اگلے تیرے ملتے نہیں اس طرح سے ٹک ۔۔۔ وہ اور کچھ تھا ہم سے تو پیارے یہ اب ہے اور

کیا بات تیری اے ہمہ عیاری و فریب ۔۔۔ آنکھیں کہیں ہیں اور سخن زیرِ لب ہے اور ۵۵۵۵

اسبابِ مرگ کے تو مہیا ہیں سارے میر ۔۔۔ شاید کہ زندگانی کا اپنی سبب ہے اور

۷۰۷

آ ہم نشیں کسو کے مست عشق کی ہوس کر
جاتی ہیں یوں ہی ناداں جانیں ترس ترس کر

فرصت ہے اس چمن کی گل رو کے ہیں جو پوچھا
چشمک کی ایک گل نے میری طرف کو ہنس کر

ہم ہو رہے ناتواں تھے سو ہو چکے ہیں کب کے
نکلے ہو تم پیارے کس پر کمر کو کس کر

۵۵۶۰ جی رک گیا کہیں تو پھر ہوئے گا اندھیرا
مت چھیڑ ابر مجھ کو یوں ہی برس برس کر

کیا ایک تنگ میں ہوں اس زلف پرشکن سے
اس دام میں موئے ہیں بہتیرے صید پھنس کر

اک جمع کے سر اوپر روز سیاہ لایا
پگڑی میں بال اپنے نکلا جو وہ گھڑس کر

اس قافلے میں کوئی دل آشنا نہیں ہے
ٹکڑے گلے کے اپنے ناحق نہ اے جرس کر

صیاد اگر اجازت گلگشت کی نہیں ٹک
دیوار باغ کو تو بارے در قفس کر

بے بس ہے میر تجھ بن رہتا نہیں دل اس کا
۵۵۶۵ ٹک تو بھی اے ستم جو جور و ستم کو بس کر

۷۰۸

آئی ہے اس کے کوچے سے ہو کر صبا کچھ اور
کیا سر میں خاک ڈالتی ہے اب ہوا کچھ اور

تدبیر دوستوں کی مجھے نفع کیا کرے
بیماری اور کچھ ہے کریں ہیں دوا کچھ اور

مستان عشق و اہل خرابات میں ہے فرق
مے خوارگی کچھ اور ہے یہ نشہ تھا کچھ اور

کیا نسبت اس کے قامت دلکش سے سرو کو
انداز اس کا اور کچھ اس کی ادا کچھ اور

۵۵۷۰ مانجا جو آرسی نے بہت آپ کو تو کیا
رخسار کے ہے سطح کی اس کے صفا کچھ اور

اس کی زیادہ گوئی سے دل داغ ہو گیا
شکوہ کیا جب اس سے تب ان نے کہا کچھ اور

اس طور سے تمھارے تو مرتے نہیں ہیں ہم
اب واسطے ہمارے نکالو جفا کچھ اور

صورت پرست ہوتے نہیں معنی آشنا
ہے عشق سے بتوں کے مرا مدعا کچھ اور

مرنے پہ جان دیتے ہیں وارفتگان عشق
ہے میر راہ و رسم دیار وفا کچھ اور

۷۰۹

۵۵۷۵ چمکی ہے جب سے برق سحر گلستاں کی اور
جی لگ رہا ہے خار و خس آشیاں کی اور

وہ کیا یہ دل لگو ہے تماشیں کہ رفتگاں
منہ کر کے بھی نہ سوئے کبھو پھر جہاں کی اور

رنگِ سخن تو دیکھ کہ حیرت سے باغ میں
رہ جاتے ہیں گے دیکھ کے گل اُس دہاں کی اور*

کیا بے خبر ہے رفتنِ رنگینِ عمر سے
جوئے چمن میں دیکھ ٹک آبِ رواں کی اور

یاں تاب سی کس کو مگر جذبِ عشق کا
لاوے اُسی کو کھینچ کسو ناتواں کی اور

یارب ہے کیا مزا سخنِ تلخِ یار میں
رہتے ہیں کان سب کے اسی بد زباں کی اور ۵۵۸۰

یا دل وہ دیدنی تھی جگہ یا کہ تجھ بغیر
اب دیکھتا نہیں ہے کوئی اس مکاں کی اور

آیا کسے تکدرِ خاطر ہے زیرِ خاک
جاتا ہے اکثر اب تو غبار آسماں کی اور

کیا حال ہو گیا ہے ترے غم میں میر کا
دیکھا گیا نہ ہم سے تو ٹک اس جواں کی اور

## ۷۱۰

نئے طور سیکھے نکالے ڈھب اور
مگر اور تھے تب ہوئے ہو اب اور

ادا کچھ ہے انداز کچھ ناز کچھ
نہ دل ہے کچھ اور زیرِ لب اور ۵۵۸۵

لبِ سرخ کر ٹک دکھاتے نہیں
طرح پان کھانے کی تھی کچھ جب اور

نہ گرمی نہ جوشش نہ اب وہ تپاک
تکلف نہیں اس میں تھے تم تب اور

زمانہ مرا کیونکہ یکساں رہے
اٹھاویں کے تیرے ستم یہ کب اور

جدا اتفاقاً رہا ایک میر
وگرنہ ملے یوں تو اُس سے سب اور

## ۷۱۱

آخر دکھائی عشق نے چھاتی فگار کر
تصدیع کھینچی ہم نے یہ کام اختیار کر ۵۵۹۰

اس باعثِ حیات سے کیا کیا ہیں خواہشیں
پر دم بخود ہی رہتے ہیں ہم جی کو مار کر

ٹک سامنے ہوا کہ نہ ایماں نہ دین و دل
کافر کو بھی نہ اس سے الٰہی دو چار کر

جا شوق پر نہ جا تنِ زار و نزار پر
اے ترکِ صید پیشہ ہمیں بھی شکار کر

وہ سخت باز داؤ میں آتا نہیں ہے ہائے
کس طور جی کو ہم نہ لگا بیٹھیں ہار کر

ہم آپ سے گئے تو گئے پر لبانِ نقش
بیٹھا تو روزِ حشر تئیں انتظار کر ۵۵۹۵



* آنکھیں سی کھل ہی جائیں گی جو مر گیا کوئی
دیکھا نہ کر غضب سے کسو خستہ جاں کی اور

کن آنکھوں دیکھیں رنگ خزاں کے کہ باغ سے — گل سب چلے ہیں رختِ سفر اپنا بار کر
جل تھل بھرے ہیں جب تئیں دم تب تئیں نہ لیں — ہم اور ابر آج اٹھے ہیں قرار کر
اک صبح میری چھاتی کے داغوں کو دیکھ تو — یہ پھول گل بھی زور ہے ہیں بہار کر

مرتے ہیں میرؔ سب پہ نہ اس بے کسی کے ساتھ
ماتم میں تیرے کوئی نہ رویا پکار کر

۷۱۲

۵۶۰۰ جنوں میں اب کے کام آئی نہ کچھ تدبیر بھی آخر — گئی کل ٹوٹ میرے پانو کی زنجیر بھی آخر
اگر ساکت ہیں ہم حیرت سے پر ہیں دیکھنے قابل — کہ اک عالم رکھے ہے عالمِ تصویر بھی آخر
یکایک یوں نہیں ہوتے ہیں پیارے جان کے لاگو — کبھو آدم ہی سے ہو جاتی ہے تقصیر بھی آخر
کلیجہ چھن گیا پر جانِ سختی کش بدن میں ہے — ہوئے اس شوخ کے ترکش کے سارے تیر بھی آخر
نہ دیکھی ایک واشد اپنے دل کی اس گلستاں میں — کھلے پائے ہزاروں غنچۂ دلگیر بھی آخر
۵۶۰۵ سروکار آہ کب تک خامہ و کاغذ سے یوں رکھیے — رکھے ہے انتہا احوال کی تحریر بھی آخر

پھرے ہے باؤلا سا پیچھے ان شہری غزالوں کے
بیاباں مرگ ہوگا اس چلن سے میرؔ بھی آخر

۷۱۳

رہ جاؤں چپ نہ کیونکہ برا جی میں مان کر — آؤ بھلا کبھو تو سو جاؤ زبان کر
کہتے ہیں چلتے وقت ملاقات ہے ضرور — جاتے ہیں ہم بھی جان سے ٹک دیکھو آن کر
کیا لطف تھا کہ مے کدے کی پشتِ بام پر — سوتے تھے مست چادرِ مہتاب تان کر
۵۶۱۰ آیا نہ چل کے یاں تئیں وہ باعثِ حیات — مارا ہے ان نے جان سے ہم کو تو جان کر
ایسے ہی تیز دست ہیں خوں ریزی میں تو پھر — رکھو گے تیغِ جور کی یک چند میان کر
یہ سب ہے مرتبے کہ جگہ کا مضا الفت — اتنا تو میری جان نہ تجھ سے بیان کر
رنگین گور کرنی شہیدوں کی رسم ہے — آ کبھی ہماری خاک پہ خوں سے نشان کر
رکھتا تھا دستِ قتل مرا امتیاز ہائے — ہو خاک میں ملایا مجھے سب میں سان کر
۵۶۱۵ تہ تیغِ جور کھینچ کے کیا سوچ میں گئے — مرنا ہی اپنا جی میں ہم آئے ہیں ٹھان کر

وے دن گئے کہ طاقتِ دل کا تھا اعتماد — اب یوں کھڑے کھڑے نہ مرا امتحان کر

اس گوہرِ مراد کو پایا نہ ہم نے میرؔ
پایانِ کار مر گئے یوں خاک چھان کر

### ۷۱۴

مجھ کو قفس میں سنبل و ریحاں کی کیا خبر — کہہ اے نسیمِ صبح گلستاں کی کیا خبر
رہتا ہے ایک نشّہ انھیں جن کو ہے شناخت — ہے زاہدوں کو مستیٔ عرفاں کی کیا خبر
ٹک پوچھتے جو آن نکلتا کوئی ادھر — اب بعدِ مرگِ قیس بیاباں کی کیا خبر ۵۶۲۰
برباد جائے یاں کوئی دولت تو کیا عجب — آئی ہے تم کو ملکِ سلیماں کی کیا خبر

آیا ہے ایک شہرِ غریباں سے تازہ تو
میرؔ اس جوانِ حال پریشاں کی کیا خبر

### ۷۱۵

اب تنگ ہوں بہت میں مت اور دشمنی کر — لاگو ہو میرے جی کا اتنی ہی دوستی کر
جب تک شگفتہ تھے کچھ اتنا نہ جی رکے تھا — پچھتائے ہم نہایت سینے کے چاک سی کر
قصہ نہیں سنا کیا یوسف ہی کا جو تو نے — اب بھائیوں سے چندے تو گرگ آشتی کر ۵۶۲۵
ناسازی و خشونت جنگل ہی چاہتی ہے — شہروں میں ہم نہ دیکھا بالیدہ ہوتے کیکر
کچھ آج اشکِ خونیں میں نے نہیں چھپائے — رہ رہ گیا ہوں برسوں لوہو کو اپنے پی کر
کس مردنی کو اس بن بھاتی ہے زندگانی — بس جی چکا بہت میں اب کیا کروں گا جی کر
حرفِ غلط کو سن کر دل پہ نہ خوں کیے ہو نا — جو کچھ کیا ہے میں نے پہلے اسے بھی کر
دن رات کڑھتے کڑھتے میں بھی بہت رکا ہوں — جو تجھ سے ہو سکے سو اب تو بھی مت کمی کر ۵۶۳۰
رہتی ہے سو نکوئی رہتا نہیں ہے کوئی — تو بھی جو یاں رہے ہے تو زینہار مت بدی کر

تھی جب تلک جوانی رنج و تعب اٹھائے
اب کیا ہے میرؔ جی میں ترکِ ستم گری کر

## ز

### ۷۱۶

اس شوخ سے سنا نہیں نامِ صبا ہنوز — غنچہ ہے وہ لگی نہیں اس کو ہوا ہنوز

عاشق کے اُس کو گریۂ خونیں کا درد کیا — آنسو نہیں ہے آنکھ سے جس کی گرا ہنوز

۵۶۳۵ کیا جانے وہ کہ گذرے ہے یاروں کے جی پہ کیا — مطلق کبھو سے اس کا نہیں دل لگا ہنوز

برسوں ہیں نامہ بر سے مرا نام جو سنا — کہنے لگا کہ زندہ ہے وہ ننگ کیا ہنوز

گھگھیاتے رات کے تئیں باچھیں تو پھٹ گئیں — ناواقفِ قبول ہے لیکن دعا ہنوز

کیا کیا کرے ہے حجتیں قاصد سے لیتے خط — حالانکہ وہ ہوا نہیں حرف آشنا ہنوز

سو بار ایک دم میں گیا ڈوب ڈوب جی — پر بحرِ غم کی پائی نہ کچھ انتہا ہنوز

۵۶۴۰ خط سے ہے بے وفائی حسن اس کی آئینہ — ہم سادگی سے رکھتے ہیں چشمِ وفا ہنوز

سو عقدے فرطِ شوق سے پیش آئے دل کو یاں — واں بند اُس قبا کا نہیں ہوتی وا ہنوز

یاں میر ہم تو پہنچ گئے مرگ کے قریب
واں دلبروں کو ہے وہی قصدِ جفا ہنوز

## ۷۱۷

ہے میرے لوہو رونے کا آثار سا ہنوز — کوچہ کوئی کوئی ہے چمن زار سا ہنوز

کب تک کھینچے گی صبح قیامت کی شام کو — عرصے میں ہیں کھڑا ہوں گنہگار سا ہنوز

۵۶۴۵ مدت ہوئی کہ خون جگر میں نہیں وے — جاتا ہے آنسوؤں کا چلا تار سا ہنوز

سایہ سا آ گیا تھا نظر اس کا ایک دن — مبہوت میں پھروں ہوں پری دار سا ہنوز

برسوں سے گل چمن میں نکلتے ہیں رنگ رنگ — نکلا نہیں ہے ایک رخِ یار سا ہنوز

دیکھا تھا خانہ باغ میں پھرتے اسے کہیں — گل حیرتی ہے صورتِ دیوار سا ہنوز

مدت سے ترکِ عشق کیا میر نے ولے
زار و زبون و زرد ہے بیمار سا ہنوز

## ۷۱۸

۵۶۵۰ کب تک بھلا بتاؤ گے یوں صبح شام روز — آؤ کہیں کہ لیتے ہیں رفتہ تمام روز

وہ سرکشی سے گو متوجہ نہ ہو ادھر — ہم عاجزانہ کرتے ہیں اس کو سلام روز

گہ رنج کھینچنے کو کہے گہ ہلاک کو — پہنچے ہے ہم کو اس سے نیا اک پیام روز

منظور بندگی نہیں میری تو کیا کروں — حاضر ہے اپنی اور سے یوں تو غلام روز

برسوں ہوئے کہ رات کو ٹک بیٹھتے نہیں
رہتے ہیں تم کو میر جی کیا ایسے کام روز

# س

## ۷۱۹

گئے جس دم سے ہم اُس تند خو پاس — رہے خنجر ستم ہی کے گلو پاس ۵۶۵۵

قیامت ہے نہ اے سرمایۂ جاں — نہ ہووے وقت مرنے کے بھی تو پاس

رُلایا ہم نے پہروں رات اُس کو — کہا یہ قصۂ غم جس کسو پاس

کہیں اک وہ کی سی کچھ تھی نسبت — رکھا تھا آئینے کو اس کے رو پاس

دل اے چشمِ مروت کیوں نہ خوں ہو — تجھے ہم جب نہ تب دیکھیں عدو پاس

یہی گالی یہی جھڑکی یہی چھیڑ — نہ کچھ میرا کیا تو نے کبھو پاس ۵۶۶۰

چل اب اے میر بس اس سرو قد بن
بہت رویا چمن کی آب جو پاس

## ۷۲۰

جب بٹھاویں مجھے جلاد جفاکار کے پاس — تو بھی ٹک آن کھڑا ہوجیو گنہگار کے پاس

دردمندوں سے تمھیں دور پھرا کرتے ہو کچھ — پوچھنے ورنہ سبھی آتے ہیں بیمار کے پاس

چشمِ مست اپنی سے صحبت نہ رکھا کر اتنی — بیٹھیے بھی تو بھلا مردمِ ہشیار کے پاس

خندہ و چشمک و حرف و سخنِ زیرِ لبی — کہیے جو ایک دو افسوں ہو دلدار کے پاس ۵۶۶۵

داغ ہونا نظر آتا ہے دلوں کا آخر — یہ جو اک خال پڑا ہے ترے رخسار کے پاس

خط نمودار ہوئے اور بھی دل ٹوٹ گئے — یہ بلا نکلی نئی زلفِ شکن دار کے پاس

درِ گلزار پہ جانے کے نصیب اپنے کہاں — یوں ہی مر رہیے گا قفس کی کبھو دیوار کے پاس

کیا رکھا کرتے ہو آئینے سے صحبت ہر دم — ٹک کبھو بیٹھو کسی طالبِ دیدار کے پاس

دل کو یوں لیتے ہو کھٹکا نہیں ہونے پاتا — تربیت پائی ہے تم نے کسو عیار کے پاس

مورچہ جیسے لگے تنگِ شکر کو آکر — خط نمودار ہے یوں لعلِ شکر بار کے پاس

جس طرح کفر بندھا ہے گلے اسلام کہاں — یوں تو تسبیح بھی ہم رکھتے ہیں زنار کے پاس
ہم نہ کہتے تھے نہ مل مغبچوں سے اے زاہد — ابھی تسبیح دھری تھی تری دستار کے پاس
نارسائی بھی نوشتے کی مرے دور کھنچی — اتنی مدت ہیں نہ پہنچا کوئی خط یار کے پاس
اختلاط ایک تمھیں میر ہی غم کش سے نہیں
۵۶۷۵ جب نہ تب یوں تو نظر آتے ہو دو چار کے پاس

۷۲۱

عزت نہیں ہے دل کی کچھ اس دل ربا کے پاس — رہتی ہے آرسی ہی دھری خودنما کے پاس
پہروں شبوں کو غم میں ترے جاگتے رہے — ہوتا نہیں جگر سو کرے بے وفا کے پاس
راہ و روش رکھیں ہیں جدا دردمند عشق — زنہار یہ کھڑے نہیں ہوتے دوا کے پاس
کیا جانے قدر غنچۂ دل باغباں پسر — ہوتی گلابی ایسی کسو میرزا کے پاس
۵۶۸۰ جو دیر سے حرم کو گئے سو وہیں موئے — آنا نہیں ہے جا کے کوئی پھر خدا کے پاس
کیا جانیے کہ کہتے ہیں کس کو یگانگی — بیگانے ہی سے ہم رہے اس آشنا کے پاس
میر اس دل گرفتہ کی یاں تو ملی نہ داد
عقدہ یہ لے کے جاؤں گا مشکل کشا کے پاس

۷۲۲

رہتے تھے ہم تو آٹھ پہر یا تو پاس پاس — یا اب پھٹک نہیں ہے کہیں ان کے آس پاس
تا لوگ بدگمان ہوں آتے نہ اس کی اور — ہم تو کیا ہے عشق میں دور از قیاس پاس
۵۶۸۵ گر ہی پڑے جو دیکھے ہے تنکا بھی گر کہیں — مایہ نہیں ہے کچھ فلک بے سپاس پاس
شیخ ان لبوں کنے لوسے کو اس ریش سے جھک — رکھتا ہے کون آتش سوزندہ گھاس پاس
تم نے تو قدر کی ہے متاع وفا کی خوب — بیچیں گے اب یہ جنس کسو دل شناس پاس
آلودہ کر نہ مستی سے جامے کو جسم کے — ہشیار رہ یہ عاریتی ہے لباس پاس
وحشی ہے میر ربط ہے اس سے خلاف عقل
بیٹھے سو جا کے کیا کوئی ایسے اداس پاس

# ش

۷۲۳

گل کو ہوتا صبا قرار اے کاش     رہتی ایک آدھ دن بہار اے کاش   ۵۶۹۰

یہ جو دو آنکھ مند گئیں میری     اُس پہ وا ہوتیں ایک بار اے کاش

کن نے اپنی مصیبتیں نہ گنیں     رکھتے میرے بھی غم شمار اے کاش

جان آخر تو جانے والی تھی     اُس پہ کی ہوتی میں نثار اے کاش

اس میں راہِ سخن نکلتی تھی     شعر ہوتا ترا شعار اے کاش

خاک بھی وہ تو دیوے گا برباد     نہ بناویں مرا مزار اے کاش   ۵۶۹۵

شش جہت اب تو تنگ ہے ہم پر     اُس سے ہوتے نہ ہم دوچار اے کاش

مرتے بھی تو ترے ہی کوچے میں     ملتی یاں جائے گور وار اے کاش

ان لبوں کی گلہ سے دل ہے بھرا     چل پڑے بات پیشِ یار اے کاش

بے اجل میر اب پڑا مرنا
عشق کرتے نہ اختیار اے کاش

کیا کہیے کیا رکھیں ہیں ہم تجھ سے یار خواہش   ۷۲۴   یک جان و صد تمنا یک دل ہزار خواہش   ۵۷۰۰

لے ہاتھ میں قفس ٹک صیاد چل چمن تک     مدت سے ہے ہمیں بھی سیرِ بہار خواہش

نے کچھ گنہ ہے دل کا نے جرم چشم اس میں     رکھتی ہے ہم کو اتنا بے اختیار خواہش

حالانکہ عمر ساری مایوس گزری تس پر     کیا کیا رکھیں ہیں اُس کے اُمیدوار خواہش

غیرت سے دوستی کی کس کس سے ہوجیے دشمن     رکھتا ہے یاری ہی کی سارا دیار خواہش

ہم مہرورز کیونکر خالی ہوں آرزو سے     شیوہ یہی تمنا فن و شعار خواہش   ۵۷۰۵

اُٹھتی ہے موج ہر یک آغوش ہی کی صورت     دریا کو ہے یہ کس کا بوس و کنار خواہش

صد رنگ جلوہ گر ہے ہر جادہ غیرتِ گل     عاشق کی ایک پاوے کیونکر قرار خواہش

یک بار بر نہ آئی اُس سے اُمید دل کی     اظہار کرتے کب تک یوں بار بار خواہش

کرتے ہیں سب تمنا پر میر جی نہ اتنی     رکھے گی مار تم کو پایانِ کار خواہش

## ۷۲۵

۵۷۱۰ مطلق نہیں ہے ایدھر اس دلربا کی خواہش — کیا جانیئے کہ کیا ہے یارو خدا کی خواہش

دیکھیں تو تیغ اُس کی اب کس کے سر چڑھے ہے — رکھتے ہیں یار جی میں اُس کی جفا کی خواہش

لعلِ خموش اپنے دیکھو ہو آرسی میں — پھر پوچھتے ہو ہنس کر مجھ بے نوا کی خواہش

اقلیمِ حُسن سے ہم دل پھیر لے چلے ہیں — کیا کریے یاں نہیں ہے جنس وفا کی خواہش

خونِ جگر ہی کھانا آغازِ عشق میں ہے — رہتی ہے اس مرض میں پھر کب غذا کی خواہش

۵۷۱۵ وہ شوخ دشمنِ جاں اے دل تو اس کا خواہاں — کرتا ہے کوئی ظالم ایسی بلا کی خواہش

میرے بھی حق میں کر ٹک ہاتھوں کو میرؔ اونچا
رکھتا ہے اہلِ دل سے یک دعا کی خواہش

## ۷۲۶

ہم پر روا جو رکھتے ہو جور و جفا ہمیش — خوبی رہا کرے ہے مری جان کیا ہمیش

کس اعتبار دل کے تئیں گل کہیں ہیں لوگ — مجھ پاس تو منندی ہی کلی سا رہا ہمیش

کچھ عہد میں ہمارے محبت ہوئی ہے ننگ — آپس میں ورنہ رسم تھی مہر و وفا ہمیش

۵۷۲۰ فرصت مرض سے دل کے ہمیں کب ہوئی تنک — تھوڑی بہت چلی ہی گئی ہے دوا ہمیش

اب عید بھی بغیر ملے اُس کے ہے دہا — رہتا تھا جو ہمارے گلے ہی لگا ہمیش

ہم تو جو رفتنی ہیں ملے ہی رہیں تو خوب — رہتا نہیں ہے کوئی بغیر از خدا ہمیش

واقف نہیں ہوں میرؔ سے تو پر تمام شب
کرتا ہے شور آن کے اک بے نوا ہمیش

# ط

## ۷۲۷

عشق کی رہ نہ چل خبر ہے شرط — اوّلِ گام ترکِ سر ہے شرط

۵۷۲۵ دعویٰ عشق یوں نہیں صادق — زردیٔ رنگ و چشمِ تر ہے شرط

خامی جاتی ہے کوئی گھر بیٹھے — پختہ کاری کے تئیں سفر ہے شرط

قصدِ حج ہے تو شیخ کو لے چل — کعبے جانے کو یہ بھی خر ہے شرط

قلب یعنی کہ دل عجب زر ہے — اس کی نقادی کو نظر ہے شرط
حق کے دینے کو چاہیئے ہے کیا — یاں نہ اسباب نے ہنر ہے شرط

دل کا دینا ہے سہل کیا اے میرؔ
عاشقی کرنے کو جگر ہے شرط

۵۲۳۰

۷۲۸

کرتے نہیں ہیں اُس سے نیا کچھ ہم اختلاط — ہوتا تھا اگلے لوگوں میں بھی باہم اختلاط
ٹک گرم میں ملوں تو مجھی سے ملے خنک — اوروں سے تو وہی ہے اُسے ہر دم اختلاط
ایسا نہ ہو کہ شیخ و غا دیوے ہم نشیں — ابلیس سے کرے ہے کوئی آدم اختلاط
بیگانگی مجھی سے ہے چلی جاتی ہے خصوص — رکھتا ہے یوں تو یار سے اک عالم اختلاط

کس طور اتفاق پڑی صحبت اُس سے دیر
ہے میرؔ بے دماغ و قیامت کم اختلاط

۵۲۳۵

## ع

۷۲۹

تیرے ہوتے شام کو گر بزم میں آجائے شمع — ہو خجل ایسی کہ مُنھ اپنا نہ پھر دکھلائے شمع
کیا جلے جاتے ہیں تجھ سے سب دیے بیٹے دیکھتے — گر یہی یاں کا ہے ڈھب تو حیف مجلس وائے شمع
کس کے تیئں ہوتا ہے قطع زندگانی کا یہ شوق — سر کٹانے کو گلی میں جمع ہیں رگ ہائے شمع
کچھ نہیں مجھ میں دورونے کی جلن سے اس طرح — کھا چلا ہے جیسے اک ہی داغ سر تا پائے شمع

داغ ہو کر جان دی اُن نے تمھارے واسطے
مُشتِ خاکِ میرؔ پر سو تم نہ لے کر آئے شمع

۵۲۴۰

۷۳۰

اُس کے ہوتے بزم میں فانوس میں آتی ہے شمع — یعنی اُس آتش کے پرکالے سے شرماتی ہے شمع
ہر زماں جاتی ہے گھٹتی سامنے تیرے کھڑی — جوشِ غم سے آپ ہی اپنے تئیں کھاتی ہے شمع
بیٹھے اُس مہ کے کسو کو دیکھتا ہے کب کوئی — رنگ بِرُو کو بزم میں ہر چند جھمکاتی ہے شمع

باد سے جنبش میں کچھ رہتی نہیں ہے متصل — اس بھبھو کے سے جو گھٹتی ہے سو جھنجھلاتی ہے شمع

۵۷۴۵
چھوڑتی ہے لطف کیا افسردگی خاطر کی میر
آگے اس کے چہرۂ روشن کے بجھ جاتی ہے شمع

۷۳۱

عشق میں کچھ نہیں دوا سے نفع — کڑھیے کب تک نہ ہو بلا سے نفع
کب تلک ان بتوں سے چشم رہے — ہو رہے گا بس اب خدا سے نفع
میں تو غیر از ضرر نہ دیکھا کچھ — ڈھونڈھو تم یار و آشنا سے نفع
مغتنم جان گر کسو کے تئیں — پہنچے ہے تیرے دست و پا سے نفع

۵۷۵۰
اب فقیروں سے کہہ حقیقت دل
میر شاید کہ ہو دعا سے نفع

# غ

۷۳۲

اب اُس کے غم سے جو کوئی چاہے کھائے داغ — باقی نہیں ہے چھاتی میں اپنی تو جائے داغ
چشم و دل و دماغ و جگر سب کو رو رہے — اس عشق خانہ سوز نے کیا کیا دکھائے داغ
جی جل گیا تفرج اغیار دیکھ کر — ہم اُس گلی میں جب گئے تب واں سے لائے داغ
کیا لالہ ایک داغ پہ پھولے ہے باغ میں — بہتیرے ایسے چھاتی پہ ہم نے جلائے داغ
۵۷۵۵ کیا شیخ کے ورع میں تردد ہے ہم نے آپ — سو بار اُس کے کرتے سے مے کے دھلائے داغ
آخر کو لوہے کار سے پردہ اُٹھے گا کیا — مقدور تک تو چھاتی کے ہم نے چھپائے داغ
دل کی گرہ میں غنچۂ لالہ کے رنگ میر
سوزِ دروں سے کچھ نہیں ہے اب سوائے داغ

# ف

۷۳۳

میلانِ دل ہے لفِ سیہ فام کی طرف — جاتا ہے صید آپ سے اُس دام کی طرف

دل اپنا عدلِ داورِ محشر سے جمع ہے — کرتا ہے کون عاشقِ بدنام کی طرف

اس پہلوئے فگار کو بستر سے کام کیا — مدت ہوئی کہ چھوٹی ہے آرام کی طرف ۵۷۶۰

یک سب نظر پڑا تھا کہیں تو سو اب مدام — رہتی ہے چشم ماہ ترے بام کی طرف

آنکھیں جنھوں کی زلف و رخِ یار سے لگیں — وے دیکھتے نہیں سحر و شام کی طرف

جوں چشمِ یار بزم میں اُگلا پڑے ہے آج — ٹک دیکھ شیخ مے کے بھرے جام کی طرف

خاراشگاف و سینہ خراش ایک سے نہیں — لیکن نظر نہیں ہے تجھے کام کی طرف

دل پک رہے ہیں جن کے انھیں سے ہمیں ہے شوق — میلانِ طبع کب ہے کسو خام کی طرف ۵۷۶۵

دیکھی ہے جب سے اُس بتِ کافر کی شکل میر
جاتا نہیں ہے جی تنک اسلام کی طرف

# ق

## ۷۳۴

اے رشکِ برق تجھ سے مشکل ہے کارِ عاشق — اک جھمکے میں کہاں پھر صبر و قرارِ عاشق

خاکِ سیہ سے یکساں تیرے لیے ہوا ہوں — تو بھی تو ایک شب ہو شمعِ مزارِ عاشق

اے بحرِ حسن ہووے یہ آگ سرد ٹک تب — جوں موج ہو لبالب تجھ سے کنارِ عاشق

دل خواہ کوئی دلبر ملتا تو دل کو دیتے — گر چاہنے میں ہوتا کچھ اختیارِ عاشق ۵۷۷۰

پلکوں کی اس کی کاوش ہر دم جب ایسی ہووے — مشکل کہ جی سے جاوے پھر خار خارِ عاشق

کیا جانے محو جو ہو اپنے ہی رو و مو کا — گذرے ہے کس طرح سے لیل و نہارِ عاشق

خواری کا موجب اپنی ہے اضطراب ہر دم — دل سمجھے تو رہے بھی کچھ اعتبارِ عاشق

آنکھوں تلے سے سرکی وہ چشمِ مست ٹک تو — جاتا دکھائی دیوے رنج و خمارِ عاشق

کیا بوجھ بھاری سے میں ناکام کاٹتا ہوں — دنیا سے ہے نرالا کچھ کاروبارِ عاشق ۵۷۷۵

اس پردے میں غمِ دل کہتا ہے میر اپنا
کیا شعر و شاعری ہے یارو شعارِ عاشق

## ۷۳۵

کیا کہوں تم سے میں کہ کیا ہے عشق — جان کا روگ ہے بلا ہے عشق

عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو — سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق

عشق ہے طرز و طور عشق کے تئیں — کہیں بندہ کہیں خدا ہے عشق

۵۷۸۰ عشق معشوق عشق عاشق ہے — یعنی اپنا ہی مبتلا ہے عشق

گر پرستش خدا کی ثابت کی — کسو صورت میں ہو بھلا ہے عشق

دل کش ایسا کہاں ہے دشمن جاں — مدعی ہے پہ مدعا ہے عشق

ہے ہمارے بھی طور کا عاشق — جس کسی کو کہیں ہوا ہے عشق

کوئی خواہاں نہیں محبت کا — تو کہے جنس ناروا ہے عشق

میر جی زرد ہوتے جاتے ہو
۵۷۸۵ کیا کہیں تم نے بھی کیا ہے عشق

# ک

## ۷۳۶

دیکھی تھی تیرے کان کے موتی کی اک جھلک — جاتی نہیں ہے اشک کی رخسار کے ڈھلک

یارب اک اشتیاق نکلتا ہے چال سے — ملتے پھریں ہیں خاک میں کس کے لیے فلک

طاقت ہو جس کے دل میں وہ دو چار دن رہے — ہم ناتوانِ عشق تمھارے کہاں تلک

برسوں ہوئے کہ جان سے جاتی نہیں خلش — ٹک ہل گئی تھی آگے مرے وہ پھری پلک

آئی نہ ہاتھ میر کی میت پہ کل نماز
۵۷۹۰ تابوت پر تھی اس کے نپٹ کثرتِ ملک

## ۷۳۷

عزت اپنی اب نہیں ہے یار کو منظور ٹک — پاس جاتا ہوں تو کہتا ہے کہ بیٹھو دور ٹک

حال میرا شہر میں کہتے رہیں گے لوگ دیر — اس فسانے کے تئیں ہونے تو دو مشہور ٹک

پشتِ پا مارے ہیں شاہی پر گدائے کوئے عشق — دیکھو تم یاں کا خدا کے واسطے دستور ٹک

چاہنے کا مجھ سے بے قدرت کا کیا ہے اعتبار — عشق کرنے کو کسو کے چاہیے مقدور ٹک

۵۷۹۵ حق تو سب کچھ تھا ہی ناحق جان ہی کس واسطے — حوصلے سے بات کرتا کاشکے منصور ٹک

منکرِ حسنِ بتاں کیونکر نہ ہووے شیخِ شہر — حق ہے اُس کی اور وہ آنکھوں سے ہے معذور ٹک

پھر کہیں کیا دل لگایا میرؔ جو ہے زرد رو
منھ پر آیا تھا ترے دو چار دن سے نور ٹک

۷۳۸

حال آنکہ کام پہنچ گیا کب کا جاں تلک — آتی نہیں ہے تو بھی شکایت زباں تلک
اس رشکِ مہ کے دل میں نہ مطلق کیا اثر — ہر چند پہنچی میری دعا آسماں تلک
جو آرزو کی اس سے سو دل میں ہی خوں ہوئی — نومیدیوں بسر کرے کوئی کہاں تلک ۵۸۰۰
کھینچا کیے وہ دور بہت آپ کو سدا — ہمسائے ہم ہوا کیے آئے نہ یاں تلک
بلبل قفس میں اس لب و لہجہ پہ یہ فغاں — آواز ایک ہو رہی ہے گلستاں تلک
پچتائے اٹھ کے گھر سے کہ جوں نو رسیدہ پر — جانا بنا نہ آپ کو پھر آشیاں تلک

ہم صحبتِ یار کو ہے اعتبار شرط
اپنی پہنچ تو میرؔ نہیں پاسباں تلک

۷۳۹

ہم بے کسوں کا کون ہے ہجراں میں غم شریک — تنہائی ایک ہے سو ہے اُس کے ستم شریک ۵۸۰۵
دم رک کے دو ہیں کہیو اگر مر نہ جائے وہ — ہو میرے حال کا جو کوئی ایک دم شریک
خوں ہوتے ہوتے ہو چکے آخر کہاں تلک — اب دل جگر کہیں نہیں ہیں تیرے ہم شریک
دل تنگ ہو جیے تو نہ ملیے کسو کے ساتھ — ہوتے ہیں ایسے وقت میں یہ لوگ کم شریک

شاید کہ سرنوشت میں مرنا ہے گھٹ کے میرؔ
کاغذ نہ محرمِ غمِ دل، نے قلم شریک

۷۴۰

چلیے ہے باغ کی صبا کیا خاک — دل جلا کوئی ہو گیا کیا خاک
ہے غبار اس کے خط سے دل میں بہت — باہم اب ہوئے گی صفا کیا خاک
ہم گرے اس کے در ہی پر مر کر — اور کوئی کرے وفا کیا خاک
خاک ہی میں ملائے رکھتے ہو — ہو کوئی تم سے آشنا کیا خاک

سب ہوئے ابتدائے عشق ہی میں — ہوئے معلوم انتہا کیا خاک

۵۸۱۸ خاک پر ہے سدا جبینِ نیاز — اور کوئی ہو جبہہ سا کیا خاک

تربتِ میر پہ چلے تم دیر
اتنی مدت میں واں رہا کیا خاک

۷۴۱

آج کل سے کچھ نہ طوفاں زا ہے چشمِ گریہ ناک — موجزن برسوں سے ہے دریا ہے چشمِ گریہ ناک

یوں نہ رو دو تو نہ رو دو ورنہ رو دو پیار سے — ہر قدم اس دشت میں پیدا ہے چشمِ گریہ ناک

دل سے آگے ٹک قدم رکھو تو پھر بھی دلبرو — سیر قابل دیدنی اک جا ہے چشمِ گریہ ناک

۵۸۲۰ بے گدازِ دل نہیں امکان رونا اس قدر — تہ کو پہنچو خوب تو پروا ہے چشمِ گریہ ناک

سوجھتا اپنا کرے کچھ ابر تو سب ہے مصلحت — جوشِ غم سے جیسے نابینا ہے چشمِ گریہ ناک

سبز ہے رونے سے میرے گوشہ گوشہ دشت کا — باعثِ آبادیِ صحرا ہے چشمِ گریہ ناک

وے حنائی پا مری آنکھوں ہی میں پھرتے ہیں میر
یعنی ہر دم اُس کے زیرِ پا ہے چشمِ گریہ ناک

سو خونچکاں گلے ہیں لب سے مری زباں تک ۷۴۲ جی رندھ گیا ہے ظالم اب رحم کر کہاں تک

۵۸۲۵ ملنے میں میرے گو ہے ٹک تن دیا نہ ان نے — حاضر رہا ہوں ہیں تو اپنی طرف سے جاں تک

ہر چند میں نے سر پر اس رہ کی خاک ڈالی — لیکن نہ پہنچیں آنکھیں اُس پاؤں کے نشاں تک

ان ہڈیوں کا جلنا کوئی ہما سے پوچھو — لاتا نہیں ہے منھ وہ اب میرے استخواں تک

اُس کی گلی کے سگ سے کی ہے موافقت میں — اس راہ سے بھی پہنچیں شاید کہ پاسباں تک

ابرِ بہار نے شب دل کو بہت جلایا — تھا برق کا چمکنا خاشاکِ آشیاں تک

۵۸۳۰ اُس مہ کے گوش تک تو ہرگز نہیں پہنچتی — گو آہ بے سرایت جاتی ہے آسماں تک

قیدِ قفس میں مرنا کب شوق کا ہے مانع — پہنچیں گے مشتِ پر بھی اڑ کر یہ گلستاں تک

ہونا جہاں کا اپنی آنکھوں میں ہے نہ ہونا — آتا نظر نہیں کچھ جا دے نظر جہاں تک

جاتی ہیں خط کے پیچھے جوں مہر آنکھیں میری
اب کارِ شوق میرا پہنچا ہے میر یاں تک

۷۴۳

لیا چہرہ دستی سے گر میرؔ سر تک
نہ پہنچا کبھو ہاتھ اُس کی کمر تک

مجھے نیند کیسی کہ مانند انجم
کھلی رہتی ہیں میری آنکھیں سحر تک ۵۸۳۵

اُٹھا پاس بے اختیاری سے سب کا
ٹُکا بیٹھے کرتے ہیں دو دو پہر تک

دماغ اور دل ہیں سراسیمہ دونوں
سر زخم شاید کہ پہنچا جگر تک

بلا شور و ہنگامہ ہے دل زدوں کا
قیامت کے جاتے ہے اُس کے گھر تک

نہ دستے رہیں چو کھٹ سے سر کو تو کہیو
رسائی ہوا چاہیے اُس کے در تک

محبت میں جی سے گئے میرؔ آخر
خبر گفتنی ہے یہ ہر بے خبر تک ۵۸۴۰

# گ

۷۴۴

غافل ہیں ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ
حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ

مجنوں و کوہ کن نہ تلف عشق میں ہوئے
مرنے پہ جی ہی دیتے ہیں اس خانداں کے لوگ

کیونکر کہیں کہ شہر وفا میں جنوں نہیں
اس خصم جاں کے سارے دوانے ہیں یاں کے لوگ

رونق تھی دل میں جب تئیں بستے تھے دلبراں
اب کیا رہا ہے اٹھ گئے سب اس مکاں کے لوگ

تو ہم ہیں اور آپ میں مت دے کسو کو دخل
ہوتے ہیں فتنہ ساز یہی درمیاں کے لوگ ۵۸۴۵

مرتے ہیں اُس کے واسطے یوں تو بہت ولے
کم آشنا ہیں طور سے اس کام جاں کے لوگ

پتی کو اس چمن کی نہیں دیکھتے ہیں گرم
جو محرم روش ہیں کچھ اس بدگماں کے لوگ

بُت چیز کیا کہ جس کو خدا مانتے ہیں سب
خوش اعتقاد کتنے ہیں ہندوستاں کے لوگ

فردوس کو بھی آنکھ اٹھا دیکھتے نہیں
کس درجہ سیر چشم ہیں کوئے بتاں کے لوگ

کیا سہل جی سے ہاتھ اٹھا بیٹھتے ہیں ہائے
یہ عشق پیشگاں ہیں الٰہی کہاں کے لوگ ۵۸۵۰

منہ تکتے ہی رہے ہیں سدا مجلسوں کے بیچ
گویا کہ میرؔ محو ہیں میری زباں کے لوگ

۷۴۵

کیسا عشق خانہ سوز کے دل میں چھپی ہے آگ
اک سارے تن بدن میں مرے پھک رہی ہے آگ

گلشن بھرا ہے لالہ و گل سے اگرچہ سب
پر اُس بغیر اپنے تو بھائیں لگی ہے آگ

پاؤں میں پڑ گئے ہیں پھپھولے مرے تمام
ہر گام راہِ عشق میں گویا دبی ہے آگ

۵۵۵۵ جل جل کے سب عمارتِ دل خاک ہو گئی
کیسے نگر کو آہ محبت نے دی ہے آگ

اب گرم و سردِ دہر سے یکساں نہیں ہے حال
پانی ہے دل ہمارا کبھی تو کبھی ہے آگ

کیونکر نہ طبعِ آتشیں اُس کی ہمیں جلائے
ہم مُشتِ خس کا حکم رکھیں وہ پری ہے آگ

کب لگ سکے ہے عشقِ جہاں سوز کو ہوس
ماہی کی زیست آب سمندر کا جی ہے آگ

روزِ ازل سے آتے ہیں ہوتے جگر کباب
کیا آج کل سے عشق کی یارو جلی ہے آگ

۵۵۶۰ انگارے سے نہ گرتے تھے آگے جگر کے لخت
جب تب ہماری گود میں اب تو بھری ہے آگ

یارب ہمیشہ جلتی ہی رہتی ہیں چھاتیاں
یہ کیسی عاشقوں کے دلوں میں رکھی ہے آگ

افسردگیٔ سوختہ جاناں ہے قہر میرؔ
دامن کو ٹک ہلا کہ دلوں کی بجھی ہے آگ

۷۴۶

ہے آگ کا سا نالۂ کاہش فزا کا رنگ
کچھ اور صبح دم سے ہوا ہے ہوا کا رنگ

دیکھے اِدھر تو مجھ سے نہ یوں آنکھ وہ چھپائے
ظاہر ہے میرے مُنھ سے مرے مدعا کا رنگ

۵۵۶۵ کس بے گنہ کے خوں میں ترا پڑ گیا ہے پاؤں
ہوتا نہیں ہے سُرخ تو ایسا حنا کا رنگ

بے گہ شکستہ رنگیٔ خورشید کیا عجب
ہوتا ہے زرد بیشتر اہلِ فنا کا رنگ

گل پیرہن نہ چاک کریں کیونکہ رشک سے
کس مرتبے میں شوخ ہے اُس کی قبا کا رنگ

رہتا تھا ابتدائے محبت میں منھ سفید
اب زرد سب ہوا ہوں یہ ہے انتہا کا رنگ

دارو ہے لعل گوں نہ پیو میرزا ہو تم
گرمی پہ ہے دلیل بہت اس دوا کا رنگ

۵۵۷۰ خوبی ہے اس کی حیز تحریر سے بروں
کیا اُس کا طورِ حسن لکھوں کیا ادا کا رنگ

پوچھیں ہیں وجہ گریۂ خونیں جو مجھ سے لوگ
کیا دیکھتے نہیں ہیں سب اس بے وفا کا رنگ

مقدور تک نہ گزرے مرے خوں سے یار میرؔ
غیرِ دل سے کیا گلہ ہے یہ ہے آشنا کا رنگ

وہ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ — بہت اس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ

مظاہر سب اُس کے ہیں ظاہر ہے وہ — تکلف ہے یاں جو چھپاتے ہیں لوگ

عجب کی جگہ ہے کہ اس کی جگہ — ہمارے تئیں ہی بتاتے ہیں لوگ

رہے ہم تو کھوئے گئے سے سدا — کبھو آپ میں ہم کو پاتے ہیں لوگ ٥٨٧٥

اس ابروِ کماں پر جو قرباں ہیں ہم — ہمیں کو نشانہ بناتے ہیں لوگ

نہ سویا کوئی شورِ شب سے مرے — قیامت اذیت اٹھاتے ہیں لوگ

اُن آنکھوں کے بیمار ہیں میرؔ ہم
بجا دیکھنے ہم کو آتے ہیں لوگ

## ل

### ٧٤٨

یار اگر ہے اہل تو ہے کام سہل — مار بھی آسان ہے دشنام سہل ٥٨٨٠

جوں نگیں میں کی جگر کاوی بہت — کیا نکلتا ہے کسو کا نام سہل

جان دی یاروں نے تب آنکھیں لگیں — کن نے پایا آہ یاں آرام سہل

مدعی ہو چشمِ شوخِ یار کا — کیا نگاہوں میں ہوا بادام سہل

تم نے دیکھا ہوگا پکپن میرؔ کا
ہم کو تو آیا نظر وہ خام سہل

### ٧٤٩

پوشیدہ کیا رہے ہے قدرت نمائیِ دل — دیکھی نہ بے ستوں میں زور آزمائیِ دل ٥٨٨٥

ہے تیرہ یہ بیاباں گرد و غبار سے سب — دے راہ کب دکھائی بے رہنمائیِ دل

اندوہ و غم سے اکثر رہتا ہوں میں مکدر — کیا خاک میں ملی ہے میری صفائیِ دل

پیش آوے کوئی صورت منہ موڑتے نہیں وے — آئینہ ساں جنھیں ہے کچھ آشنائیِ دل

مر تو نہیں گیا میں پر جی ہی جانتا ہے — گزرے ہے شاق مجھ پر جیسی جدائیِ دل

اس دامگہ میں آ کے سارے فریب ہی ہیں — آتی نہیں نظر کچھ مجھ کو رہائیِ دل ٥٨٩٠

گر رنگ ہے چلا ہے وہ بُو ہے تو ہوا ہے
کہہ میرؔ اس چمن میں کس سے لگائیے دل

## ۷۵۰

مدت تو وا ہوا ہی نہ یہ غنچہ وار دِل — اب جو کھلا سو جیسے گُل بے بہار دِل

ہے غم میں یاد کس کو فراموش کار دِل — اب آ بنی ہے جی پہ رہا در کنار دِل

دشوار ہے ثبات بہت ہجر یار میں — یاں چاہیئے ہے دل سو کہاں میرے یار دِل

۵۸۹۵ وہ کون سی امید بر آئی ہے عشق میں — رہتا ہے کس امید پہ امیدوار دِل

ظالم بہت ضرور ہے ان بے کسوں کا پاس — ناچار اپنے رہتے ہیں جو مار مار دِل

تم پر تو صاف میری کدورت کھلی ہے آج — مدت سے ہے ملال کے زیر غبار دِل

مائل ادھر کئے ہوئے میں مجبور ہیں سبھی — کھنچتا ہے اس کی اور کو بے اختیار دِل

حد ہے گی دلبری کی بھی اے غیرت چمن — ہر آدمی صنوبر اگر لاوے بار دِل

۵۹۰۰ داخل پہ اضطراب تنگ آبیوں میں ہے — رکھتی نہیں ہے برق ہی کچھ بے قرار دِل

لیا ہیں گر نہ چشم دِل اب کے یہ دلبراں — تسکین ان کی ہو نہ جو لیویں ہزار دِل

جوں سیب ہیں ذقن کے چمن زار حسن میں — یوں باغ حسن میں بھی ہیں رنگیں انار دِل

ہم سے جو عشق کشتہ جئیں تو عجب ہے میرؔ
چھاتی ہے داغ ٹکڑے جگر کے فگار دِل

## ۷۵۱

بہت مدت گئی ہے اب ٹک آ مِل — کہاں تک خاک میں میں تو گیا مِل

۵۹۰۵ ٹک اس بے رنگ کے نیرنگ تو دیکھ — ہوا ہر رنگ میں جوں آب شامِل

نہیں بھاتا ترا مجلس کا مِلنا — مِلے تو ہم سے تو سب سے جدا مِل

غنیمت جان فرصت آج کے دِن — سحر کیا جانے کیا ہو شب ہے حامِل

اگرچہ ہم نہیں ملنے کے لائق — کسو تو طرح ہم سے بھی بھلا مِل

لیا زاہد نے جام بادہ کف پر — بحمد اللہ کھلا عقدہ انامِل

۵۹۱۰ وہیں پہنچے تو پہنچے آپ ہم تک — نہ یاں طالع رسا نے جذب کامِل

ہوا دل عشق کی سختی سے ویراں ملائم چاہیئے تھا یاں کا عامِل

پس از مدت سفر سے آئے ہیں میرؔ
گئیں وہ اگلی باتیں تو ہی جاہِل

# م

## ۷۵۲

کچھ نہ پوچھو بہک رہے ہیں ہم عشق کی مے سے چھک رہے ہیں ہم
سوکھ غم سے ہوئے ہیں کانٹا سے پردلوں میں کھٹک رہے ہیں ہم
وقفۂ مرگ اب ضروری ہے عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم ۵۹۱۵
کیونکہ گردِ علاقہ بیٹھ سکے دامنِ دل جھٹک رہے ہیں ہم
کون پہنچے ہے بات کی تہ کو ایک مدت سے بک رہے ہیں ہم
اُن نے دینے کہا تھا بوسۂ لب اُس سخن پر اٹک رہے ہیں ہم
نقشِ پا سی رہی ہیں کھل آنکھیں کس کی یوں راہ تک رہے ہیں ہم
دست دے گی کب اس کی پابوسی دیر سے سر پٹک رہے ہیں ہم ۵۹۲۰
بے ڈھب اس پاس ایک شب تھے گئے سو کئی دن سرک رہے ہیں ہم
خام دستی نے ہائے داغ کیا پوچھتے کیا ہو پک رہے ہیں ہم

میرؔ شاید لیں اُس کی زلف سے کام
برسوں سے تو لٹک رہے ہیں ہم

## ۷۵۳

ہے تہِ دل بتوں کا کیا معلوم نکلے پردے سے کیا خدا معلوم
یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے سو بھی اِک عمر میں ہوا معلوم ۵۹۲۵
علم سب کو ہے یہ کہ سب تو ہے پھر ہے اللہ کیسا نا معلوم
گرچہ تو ہی ہے سب جگہ لیکن ہم کو تیری نہیں ہے جا معلوم
عشق جانا تھا مار رکھے گا ابتدا میں تھی انتہا معلوم

ان سیہ چشم دلبروں سے ہمیں — تھی وفا چشم سو وفا معلوم

۵۹۲۰ طرزِ کینے کی کوئی چھپتی ہے — مدعی کا ہے مدعا معلوم

عشق ہے اے طبیب جی کا روگ — لطف کر ہے جو کچھ دوا معلوم

دل بجا ہو تو میر کچھ کھاوے
کڑھنے پچنے میں اشتہا معلوم

۷۵۴

مجھے تو درد سے اک اُنس ہے وفا کی قسم — یہی سبب ہے جو کھائی ہے میں دعا کی قسم

کل اُن نے تیغ رکھی درمیاں کہ قطع ہے اب — قسم جو بیچ میں آئی سو اُس ادا کی قسم

۵۹۲۵ حنائی ترے ہاتھوں سے میں گیا پیسا — جگر تمام ہے خوں مجھ کو تیرے پا کی قسم

فقیر ہونے نے سب اعتبار کھویا ہے — قسم جو کھاؤں تو کہتے ہیں کیا گدا کی قسم

قدم تلے ہی رہا اُس کے یہ سرِ پُر شور — جو کھائیے تو مرے طالعِ رسا کی قسم

سروں پہ ہاتھ کبھو تیغ پر کبھو اُس کا — کچھ ایک قسم نہیں میرے آشنا کی قسم

جدال دیر کے رہباں سے کہاں تک میر
اٹھو حرم کو چلو اب تمھیں خدا کی قسم

۷۵۵

۵۹۳۰ اب سوکھی ہی جاتی ہے سب کشتِ ہوس ظالم — اے ابرِ تر آکر ٹک ایدھر بھی برس ظالم

صیاد بہار اب کی سب لوٹوں گا کیا میں ہی — ٹک باغ تلک لے چل میرا بھی قفس ظالم

کس طور کوئی تجھ سے مقصود کرے حاصل — نے رحم ترے جی میں نے دل میں ترس ظالم

کیوں سر چڑھے ہے ناحق ہم بخت سیاہوں کے — مت بیچ میں پگڑی کے بالوں کو گھرس ظالم

جوں ابر میں روتا تھا جوں برق تو ہنستا تھا — صحبت نہ رہی یوں ہی ایک آدھ برس ظالم

۵۹۳۵ کیا کھوئے ہوئے محمل یاں گرمِ حکایت ہے — چل راہ میں کچھ کہتا مانندِ جرس ظالم

مطلق نہیں گنجائش اب حوصلے میں اپنے — آزار کوئی کھینچے یوں کب تئیں بس ظالم

سر رشتۂ ہستی کو ہم دے چکے ہاتھوں سے — کچھ ٹوٹے ہی جاتے ہیں اب تارِ نفس ظالم

تا چند رہے گا تو یوں داغِ غم اس مہ کا — چھاتی تو گئی تیری اے میر جھلس ظالم

محرم سے کسو رو برو ہوں کاش کہ اب ہم
بے وجہ غضب رہنے کا پوچھیں جو سبب ہم

تدبیریں کریں اپنے تن زار و زبوں کی
افراط سے اندوہ کی ہوں آپ میں جب ہم ۵۹۵۰

تو لاگو نہ ہو جی کا تو ناچار ہیں ورنہ
اس جنس گراں مایہ سے گزرے نہیں کب ہم

یک سلسلہ ہے قیس کا فرہاد کا اپنا
جوں حلقۂ زنجیر گرفتار ہیں سب ہم

کس دن نہ ملا غیر سے تو گرم علی الرغم
رہتے ہیں یوں ہی لوٹتے انگاروں پہ شب ہم

مجمع میں قیامت کے اک آشوب سا ہوگا
آنکلے اگر عرصے میں یوں نالہ بہ لب ہم

کیا معرفت اس سے ہوئی یاسعی کو نہ سمجھے
اب تک تو نہیں پاتے ہیں کچھ یار کے ڈھب ہم ۵۹۵۵

گہ نوچ لیا منھ کو گہے کوٹ لی چھاتی
دل تنگی ہجراں سے ہیں مغلوب غضب ہم

آغاز محبت میں تمامی ہوئی اپنی
اے وائے ہوئے خاک بسر راہ طلب ہم

تربت سے ہماری نہ اٹھی گرد بھی اے میر
جی سے گئے لیکن نہ کیا ترک ادب ہم

مشتاق ان لبوں کے ہیں سب مرد و زن تمام ۷۵۷ دفتر لکھے گئے نہ ہوا پر سخن تمام

اب چھیڑیے جہاں ہیں گویا ہے درد سب
پھوڑا سا ہو گیا ہے ترے غم میں تن تمام ۵۹۶۰

آیا تھا گرم صید وہ جیدھر سے دشت میں
دیکھا ادھر ہی گرتے ہیں اب تک ہرن تمام

آوارہ گردباد سے تھے ہم پہ شہر میں
کیا خاک میں ملا ہے یہ دیوانہ پن تمام

کیا لطف تن چھپا ہے مرے تنگ پوش کا
اگلا پڑے ہے جامے سے اس کا بدن تمام

اس کار دست بستہ پہ رکھا نہ مدعی
کیونکر نہ کام اپنا کرے کوہ کن تمام

اک گل زمیں نہ وقفے کے قابل نظر پڑی
دیکھا برنگ آب رواں یہ چمن تمام ۵۹۶۵

نکلے ہیں گل کے رنگ گلستاں میں خاک سے
بیٹھے ہیں اس کے عشق کے خونیں کفن تمام

ته صاحبوں کی آئی نکل سے کہے گئے
گروی رکھے اہل صومعہ کے پیرہن تمام

میں خاک میں ملا نہ کروں کس طرح سفر
مجھ سے غبار رکھتے ہیں اہل وطن تمام

کچھ ہند ہی میں میر نہیں لوگ جیب چاک
ہے میرے ریختوں کا دوانہ دکن تمام

۵۹۷۰ بختِ سیہ کی نقل کریں کس سے چال ہم — مہندی لگے قدم سے ہوئے پائمال ہم

کیونکر نہ اس چمن میں ہوں اتنے نڈھال ہم — یاں پھول سونگھ سونگھ لیے ہے ماہ وسال ہم

یا ہر گلی میں سیکڑوں جس جا ملیح تھے — یا زلف و خط کو دیکھتے ہیں خال خال ہم

گزرے ہے جی میں گہ وہ دہن گاہ وہ کمر — کیا جانیں لوگ رکھتے ہیں کیا کیا خیال ہم

جاتیں نہیں اٹھائی یہ اب سرگرانیاں — مقدور تک تو اپنے گئے ٹال ٹال ہم

۵۹۷۵ لوہو کہاں ہے گریۂ خونیں سے تن کے بیچ — کرتے ہیں منھ کو اپنے طمانچوں سے لال ہم

وہ تو ہی ہے کہ مرتے ہیں سب تیرے طور پر — خود پری کو جان کے کب ہیں دوال ہم

گذرے ہے بسکہ اس کی جدائی دلوں پہ شاق — منھ نوچ نوچ لے ہیں علی الاتصال ہم

منظور سجدہ ہے ہمیں اس آفتاب کا — ظاہر میں یوں کریں ہیں نمازِ زوال ہم

ظاہر ہوا تمھیں بھی ہمارے دم اور ہوش — آئے نہ پھر تمھارے گئے تک بحال ہم

۵۹۸۰ مطلق جہاں میں رہنے کو جی چاہتا نہیں — اب تم بغیر اتنے ہوئے ہیں وبال ہم

نقصان ہوگا اس میں نہ ظاہر کہاں تلک — ہوویں گے جس زمانے کے صاحب کمال ہم

تھا کب گماں ملے گا وہ دامن سوار میر
کل راہ جاتے مفت ہوئے پائمال ہم

## ۷۵۹

کون کہتا ہے منھ کو کھولو تم — کاش کے پردے ہی میں بولو تم

حکمِ آبِ رواں رکھے ہے حسن — بہتے دریا میں ہاتھ دھولو تم

۵۹۸۵ کیا سراہیں ہم اپنی جنس کو لیک — دل عجب ہے متاع جو لو تم

جانا آیا ہے اب جہاں سے ہمیں — تھوڑی تو دور ساتھ ہو لو تم

جب میسر ہو بوسہ اس لب کا — چپکے ہی ہو رہو نہ بولو تم

پنجۂ مرجاں کا پھر دھرا ہی رہے — ہاتھ خوں میں مرے ڈبو لو تم

دست دے ہے کسے پلک سے میل — دل جہاں پاؤ اب پرو لو تم

آتے ہیں متصل چلے آنسو — آہ کب تک یہ موتی رولو تم

رات گزری ہے سب تڑپتے میر
آنکھ لگ جائے ٹک تو سو لو تم

۷۶۰

موئے جاتے تھے فرطِ الفت سے ہم
جیے ہیں خدا ہی کی قدرت سے ہم

ترش رو بہت ہے وہ زرگر پسر
پڑے ہیں کھٹائی میں مدت سے ہم

نہیں دیکھتے صبح اب آرسی
خفا رہتے ہیں اپنی صورت سے ہم

جو دیکھو وہ قامت تو معلوم ہو
کہ رو کش ہوئے ہیں قیامت سے ہم ۵۹۹۵

نہ ٹک لا سکا تاب جلوے کی دل
گلہ رکھتے ہیں صبر و طاقت سے ہم

نہ مانی کوئی اُن نے پھر روٹھ کر
مناتے رہے رات منت سے ہم

خدا سے بھی شب کو دعا مانگتے
نہ اُس کا لیا نام غیرت سے ہم

رکھا جس کو آنکھوں میں اک عمر اب
اُسے دیکھ رہتے ہیں حسرت سے ہم

بھری آنکھیں لوہو سے رہنے لگیں
یہ رنگ اپنا دیکھا مروت سے ہم ۶۰۰۰

نہ مل میر اب کے امیروں سے تو
ہوئے ہیں فقیر ان کی دولت سے ہم

۷۶۱

کب تک رہیں گے پہلو لگائے زمیں سے ہم
یہ درد اب کہیں گے کسو شانہ بیں سے ہم

تلواریں کتنی کھائی ہیں سجدے میں اس طرح
فریادی ہوں گے مل کے لہو کو جبیں سے ہم

فتراک تک یہ سر جو نہ پہنچا تو یا نصیب
مدت لگے رہے ترے دامانِ زیں سے ہم

ہوتا ہے شوق وصل کا انکار سے زیاد
کب تجھ سے دل اٹھاتے ہیں تیری نہیں سے ہم ۶۰۰۵

چھپا ہے جو پیش دستی کرے نور ماہ پر
دیکھی عجب سفیدی تری آستیں سے ہم

یہ شوق صید ہونے کا دیکھو کہ آپ کو
دکھلایا صید گہ میں یسار و یمیں سے ہم

تکلیف دردِ دل کی نہ کر تنگ ہوں گے لوگ
یہ بات روز کہتے رہے ہم نشیں سے ہم

اُڑتی ہے خاک شہر کی گلیوں میں اب جہاں
سونا لیا ہے گودوں میں بھر کر وہیں سے ہم

آوارہ گردی اپنی کھینچی میر طول کو
اب جا ہیں گے دعا کہ عزلت نشیں سے ہم ۶۰۱۰

# ن

## ۷۶۲

مدعی مجھ کو کھڑے صاف برا کہتے ہیں — چپکے تم سنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہیں

دیکھے خوباں کے بجا دل نہیں رہتا ہرگز — لوگ جو کچھ انھیں کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

عشق کے شہر کی بھی رسم کے ہیں کشتے ہم — دردِ جانکاہ جو ہو اس کو دوا کہتے ہیں

جی اگر زلفوں کے سودے میں ترے دوں تو نہ بول — پہلی قیمت کے تئیں مشک بہا کہتے ہیں

حسن تو ہے ہی کرو لطفِ زباں بھی پیدا
میر کو دیکھو کہ سب لوگ بھلا کہتے ہیں ۶۰۱۵

## ۷۶۳

کیا کیا جہاں اثر تھا سو اب واں عیاں نہیں — جن کے نشاں تھے فیلوں پر اُن کا نشاں نہیں

دفتر بنی کہانی بنی مثنوی ہوئی — کیا شرح سوزِ عشق کروں میں زباں نہیں

اپنا ہی ہاتھ سر پہ رہا اپنے یاں سدا — مشفق کوئی نہیں ہے کوئی مہرباں نہیں

ہنگامۂ و فساد کی باعث ہے وہ کمر — پھر آپ خوب دیکھیے تو درمیاں نہیں

جی ہی نکل گیا جو گیا یار پاس سے — جسمِ ضعیف و زار میں اب جیسے جاں نہیں ۶۰۲۰

ہے عشق ہی سے چار طرف بحث و گفت گو — شور اس بلائے جاں کا جہاں میں کہاں نہیں

اس عہد کو نہ جانیے اگلا سا عہد میر
وہ دور اب نہیں وہ زمیں آسماں نہیں

## ۷۶۴

نہ نکلا دوسرا ویسا جہاں میں — وہی اک جنس ہے اس کارواں میں

کیا منھ بند سب کا بات کہتے — بلا کچھ سحر ہے اُس کی زباں میں

اگر وہ بت نہ جانے تو نہ جانے — ہمیں سب جانتے ہیں ہندستاں میں ۶۰۲۵

نیا آنا فآناً اس کو دیکھا — خدا کی سی شان اُس کی ہر زماں میں

کھنچی رہتی ہے اُس ابرو سے خم سے — کوئی کیا شاخ نکلی ہے کماں میں

جبیں پر چین رہتی ہے ہمیشہ — بلا کینہ ہے اپنے مہرباں میں

نیا ہے کیا شگوفہ یہ کہ اکثر — رہا ہے پھول پڑتا گلستاں میں

کوئی بجلی کا ٹکڑا اب تلک بھی — پڑا ہوگا ہمارے آشیاں میں ۶۰۳۰

پھرے ہے چھانتا ہی خاک اے میرؔ
ہوس کیا ہے مزاجِ آسماں میں

۷۶۵

نہیں تبخالِ لعلِ دلربا میں — گہر پہنچا ہے ہم آبِ بقا میں

غریبانہ کوئی شب روز کر یاں — ہمیشہ کون رہتا ہے سرا میں

اٹھاتے ہاتھ کیوں نومید ہو کر — اگر پاتے اثر کچھ ہم دعا میں

کہے ہے ہر کوئی اللہ میرا — عجب نسبت ہے بندے میں خدا میں ۶۰۳۵

کفن میں ہی نہ پہنا وہ بدن دیکھ — کھنچے لوہو میں بہتیروں کے جامیں

ادھر جانے کو آندھی تو ہے لیکن — سبک پائی سی ہے بادِ صبا میں

بلا تہ دار بحرِ عشق نکلا — نہ ہم نے انتہا لی ابتدا میں

ملے برسوں وہی بیگانہ ہے وہ — ہنر ہے یہ ہمارے آشنا میں

اگرچہ خشک ہیں جیسے پرِ کاہ
اڑے ہیں میرؔ جی لیکن ہوا میں ۶۰۴۰

۷۶۶

مر مر گئے نظر کر اس کے برہنہ تن میں — کپڑے اتارے ان نے سر کھینچے ہم کفن میں

گل پھول سے کب اس بن لگتی ہیں اپنی آنکھیں — لائی بہار ہم کو زورآوری چمن میں

اب لعل تو خط اس کے کم بخشتے ہیں فرحت — قوت کہاں رہے ہے یاقوتی کہن میں

یوسف عزیز دلہا جا مصر میں ہوا تھا — پاکیزہ گوہروں کی عزت نہیں وطن میں

دیر و حرم سے تو تو ٹک گرمِ ناز نکلا — ہنگامہ ہو رہا ہے اب شیخ و برہمن میں ۶۰۴۵

آجاتے شہر میں تو جیسے کہ آندھی آئی — کیا وحشتیں کیاں ہیں ہم نے دوانپن میں

ہیں گھاؤ دل پہ اپنے تیغِ زباں سے سب کی
تب درد ہے ہمارے اے میرؔ ہر سخن میں

کن نے لپٹے بال کھلائے ترے مانی کے تئیں
اُن نے جو اس طول سے کھینچا پریشانی کے تئیں

کشتۂ انداز کس کا تھا نہ جانا وہ جواں
لے رہے تھے کچھ ملک اک نعش قربانی کے تئیں

۶۰۵۰ چشم کم سے اشک خونیں کو نہ دیکھو زینہار
ڈھونڈتے ہیں ہر دم اس یاقوتِ سیلانی کے تئیں

طائرانِ خوش معاش اس باغ کے ہم تھے کبھو
اب ترستے ہیں قفس میں اک پرافشانی کے تئیں

ہے جہانِ تنگ سے جانا بعینہ اس طرح
قتل کرنے لے چلیں ہیں جیسے زندانی کے تئیں

یہ کہاں بنت العنب سے اٹھتی ہیں کیفیتیں
ہونٹھوں سے کیا اس کے نسبت ایسی مستانی کے تئیں

دل جو پانی ہو تو آئینہ ہے روئے یار کا
خانہ آبادی سمجھ اس خانہ ویرانی کے تئیں

۶۰۵۵ فہم میں میرے نہ آیا پردہ در ہے طفلِ اشک
روؤں کیا اے ہم نشیں میں اپنی نادانی کے تئیں

کچھ نظر میں نے نہ کی جی کے زیاں پر اپنے ہائے
دوست میں رکھے گیا اس دشمنِ جانی کے تئیں

جب جلے چھاتی بہت تب اشک افشاں ہو نہ میر
کیا جو چھڑکا اس دہکتی آگ پر پانی کے تئیں

۷۶۸

جانا ادھر سے میر نے لیسا ادھر کے تئیں
بیماریوں میں جیسے بدلتے ہیں گھر کے تئیں

کب ناخنوں سے چہرہ نچے اس صفا سے ہوں
رکھوا تم نہیں ہو جو دیکھو ہنر کے تئیں

۶۰۶۰ خستے کو اس نگہ کے طبیبوں سے کام کیا
ہمدم مجھے دکھا کسو صاحب نظر کے تئیں

فردوس ہو نصیب پدر آدمی تھا خوب
دل کو دیا نہ اُن نے کسو خوش پسر کے تئیں

ٹک دل کی بے قراری میں جاتے ہیں جی چلے
ہر دم طپش سرا ہیے میرے جگر کے تئیں

تم دل سے جو گئے سو خرابی بہت رہی
پھر بھی بساؤ آ کے اس اُجڑے نگر کے تئیں

اللہ ری نازکی نہیں آتی خیال میں
کس کس طرح سے باندھتے ہیں اس کمر کے تئیں

۶۰۶۵ حالت یہ ہے کہ بے خبری دم بدم ہے یاں
وے اب تلک بھی آتے نہیں ٹک خبر کے تئیں

مدت ہوئی کہ اپنی خبر کچھ ہمیں نہیں
کیا جانیے کہ میر گئے ہم کدھر کے تئیں

۷۶۹

کیا کہوں اوّل مجود تو دیر میں آتا ہوں میں
پھر جو یاد آتا ہے وہ چپکا سا رہ جاتا ہوں میں

داغ ہوں کیونکر نہ میں درویش یارو جبؔ تب    بوریا پوشوں ہی میں وہ شعلہ خو پاتا ہوں میں
ہجر میں اس طفلِ بازی کوش کے رہتا ہوں جب    جا کے لڑکوں میں ٹک اپنے دل کو بہلاتا ہوں میں
ہوں گرسنہ چشم میں دیدارِ خوباں کا بہت    دیکھنے پر اُن کے تلواریں کھڑا کھاتا ہوں میں ۶۰۷۰
آب سب ہوتا ہوں پاکر آپ کو جیسے حباب    یعنی اُس ننگِ عدم ہستی سے شرماتا ہوں میں
ایک جا گہ کب ٹھہرنے دے ہے مجھ کو روزگار    کیوں تم اکتاتے رہا تا آج کل جاتا ہوں میں
ہے کمالِ عشق پر بے طاقتی دل کی دلیل    جلوۂ دیدار کی اب تاب کب لاتا ہوں میں
آسماں معلوم ہوتا ہے ورے کچھ آگیا    دوُر اس سے آہ کیسا کیسا گھبراتا ہوں میں

بس چلے تو راہ ادھر کی نہ جاؤں ایک میرؔ
دل مرا رہتا نہیں ہر چند سمجھاتا ہوں میں ۶۰۷۵

۷۷۰

مُدت ہوئی کہ بیچ میں پیغام بھی نہیں    نامے کا اُس سگی مہر سے اب نام بھی نہیں
ایامِ ہجر کریے بسر کِس اُمید پر    ملنا اُنھوں کا صُبح نہیں شام بھی نہیں
پروا اُسے ہو کاہے کو ناکام گر مروں    اُس کامِ جاں کو مجھ سے تو کچھ کام بھی نہیں
روویں اس اضطرابِ دلی کو کہاں تلک    دن رات ہم کو ایک دم آرام بھی نہیں

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میرؔ کے
کچھ طرز ایسی بھی نہیں ایہام بھی نہیں ۶۰۸۰

۷۷۱

دم بہ دم اس ڈھب سے رونا دیر کر آیا ہمیں    کیا لہو اپنا پیا تب یہ ہنر آیا ہمیں
گرچہ عالم جلوہ گاہِ یار یوں بھی تھا ولے    آنکھیں جوں مونْدیں عجب عالم نظر آیا ہمیں
ہم تبھی سمجھے تھے اب اس سادگی پر حرف ہے    خط نکلنے سے جو نامہ بیشتر آیا ہمیں
پاس آتا یک طرف مطلق نہیں اب اس کے پاس    کچھ گئے گزرے سے سمجھا وہ پسر آیا ہمیں
تجھ تک اس بے طاقتی میں کیا پہنچنا سہل تھا    غش ترے کوچے میں ہر ہر گام پر آیا ہمیں ۶۰۸۵
صُبح نکلا تھا پسر تلوار جوں خورشید لے    دیکھ کر خونخوار سج اس کی خطر آیا ہمیں
کر چلا بے خود غمِ زلفِ درازِ دلبراں    دوُر کا اے میرؔ در پیش اب سفر آیا ہمیں

## ۷۷۲

اشک کے جوش سے ہوں شام و سحر پانی میں — جیسے ماہی ہے مجھے سیر و سفر پانی میں

شب نہاتا تھا جو وہ رشک قمر پانی میں — گتھی مہتاب سے اٹھتی تھی لہر پانی میں

۶۰۹۰ ساتھ اس حسن کے دیتا تھا دکھائی وہ بدن — جیسے جھمکے ہے پڑا گوہر تر پانی میں

رونے سے بھی نہ ہوا سبز درخت خواہش — گرچہ مرجاں کی طرح تھا یہ شجر پانی میں

موج گریہ کی، وہ شمشیر ہے جس کے ڈر سے — جوں کشف خصم چھپا زیر سپر پانی میں

بیٹھنے سے کسو دل صاف کے سر مت تو چڑھے — خوب سا کر لے تامل تو اتر پانی میں

آتش عشق نے راون کو جلا کر مارا — گرچہ لنکا سا تھا اس دیو کا گھر پانی میں

۶۰۹۵ جوشش اشک میں شب دل بھی گیا سینے سے — کچھ نہ معلوم ہوا ہائے اثر پانی میں

بردباری ہی میں کچھ قدر ہے گو جی ہو فنا — عود پھر لکڑی ہے ڈوبے نہ اگر پانی میں

چشم تر ہی میں رہے کاش وہ رخ خوش رنگ — پھول رہتا ہے بہت تازہ و تر پانی میں

روؤں تو آتش دل شمع نمط بجھتی نہیں — مجھ کو لے جا کے ڈبو دیویں مگر پانی میں

گریۂ زار میں بے تابی دل طرفہ نہیں — سیکڑوں کرتے ہیں پیراک ہنر پانی میں

۶۱۰۰ برگ گل جوں گزر آب سے آتے ہیں چلے — رونے سے دو نہیں مرے لخت جگر پانی میں

محو کر آپ کو یوں ہستی میں اس کی جیسے — بوند پانی کی نہیں آتی نظر پانی میں

وہ گہر آنکھ سے جا دے تو تھمے آنسو میر

اتنا رویا ہوں کہ ہوں تا بہ کمر پانی میں

## ۷۷۳

جوشش اشک سے ہوں آٹھ پہر پانی میں — گرچہ ہوتے ہیں بہت خوف و خطر پانی میں

ضبط گریہ نے جلایا ہے درونہ سارا — دل اچنبھا ہے کہ ہے سوختہ تر پانی میں

۶۱۰۵ آب شمشیر قیامت ہے برندہ اس کی — یہ گوارائی نہیں پاتے ہیں خضر پانی میں

طبع دریا جو ہو آشفتہ تو پھر طوفاں ہے — آہ بالوں کو پراگندہ نہ کر پانی میں

غرق آب اشک سے ہوں لیک اڑا جاتا ہوں — جوں سمک گو کہ مرے ڈوبے ہیں پر پانی میں

مردم دیدۂ تر مردم آبی ہیں مگر — رہتے ہیں روز و شب و شام و سحر پانی میں

ہیئت آنکھوں کی نہیں وہ رہی روتے روتے / اب تو گرداب سے آتے ہیں نظر پانی میں
گریۂ شب سے بہت آنکھ ڈرے ہے میری / پانو رکتے ہی نہیں بارِ دگر پانی میں ۶۱۱۰

فرطِ گریہ سے ہوا میرؔ تباہ اپنا جہاز
تختہ پارے گئے کیا جانوں کدھر پانی میں

۷۷۴

رکھا کر اشک افشاں چشم فرصت غیر فرصت میں / کہ مل جاتا ہے ان جوؤں کا پانی بحرِ رحمت میں
سنبھالے سدھ کہاں سر ہی فرو لاتا نہیں ہرگز / وگرنہ مان جاتا تھا کہاں تھوڑی سی منت میں
گئے دل متصل جانے کے اس کی اور اٹھ اٹھ کر / تفاوت ہو گیا اب تو بہت پاؤں کی طاقت میں
تحمل ہو سکا جب تک بدن میں تاب و طاقت تھی / قیامت اب گزر جاتی ہے جی پر ایک ساعت میں ۶۱۱۵
عجب کیا ہے جو یارانِ چمن کو ہم نہ پہچانیں / رہائی اتفاق اپنی پڑی ہے ایک مدت میں
سلاتا تیغ خوں میں گر نہ میرے تو قیامت تھی / اٹھا تھا روزِ محشر کا سا فتنہ رات صحبت میں
کوئی عمامہ لے بھاگا کنھوں نے پیرہن پھاڑا / بہت گستاخیاں یاروں نے کیں واعظ کی خدمت میں
بلا تیوری چڑھائے تو لگا ابرو بھی خم کرنے / موثر کچھ ہوا سر مارنا محرابِ طاعت میں

قدم پر رکھ قدم اس کے بہت مشکل ہے مر جانا
سر آمد ہو گیا ہے میرؔ فنِ مہر و الفت میں ۶۱۲۰

۷۷۵

کس کنے جاؤں الٰہی کیا دوا پیدا کروں / دل تو کچھ دھنکا ہی جاتا ہے کہو اس کیا کروں
لوہو روتا ہوں ہیں ہر اک حرفِ خط پر ہمدماں / اور اب رنگین جیسا تم کہو انشا کروں
چال اپنی چھوٹتا ہرگز نہیں وہ خوش خرام / شور سے کب تک قیامت ایک میں برپا کروں
مصلحت ہے میری خاموشی ہی میں اے ہم نفس / لوہو ٹپکے بات سے جو ہونٹھ اپنے وا کروں
دل پریشانی مجھے دے ہے بکھرے گل کے رنگ / آپ کو جوں غنچہ کیونکر آہ میں یک جا کروں ۶۱۲۵
ایک چشمک ہی چلی جاتی ہے گل کی میری اور / یعنی بازارِ جنوں میں جاؤں کچھ سودا کروں
خوار تو آخر کیا ہے گلیوں میں تو نے مجھے / تو بھی اے عشق جو تجھ کو بھی میں رسوا کروں
خاک اڑاتا اشک افشاں آن نکلوں ہیں تو پھر / دشت کو دریا کروں بستی کے تئیں صحرا کروں

کعبے جانے سے نہیں کچھ شیخ مجھ کو اتنا شوق
چال وہ بتلا کہ میں دل میں کسو کے جا کروں

۶۱۳۰ اب کے ہمت صرف کر جو اس سے جی اُچٹے مرا
پھر دُعا اے میؔر مت کریو اگر ایسا کروں

۷۷۶

کیا کو فتیں اٹھائیں ہجراں کے درد و غم میں
تڑپا ہزار نوبت دل ایک ایک دم میں

گو قیس منہ کو نوچے فرہاد سر کو چیرے
یہ کیا عجب ہے ایسے ہوتے ہیں لوگ ہم میں

اہلِ نظر کسو کو ہوتی ہے محرمیت
آنکھوں کے اندھے ہم تو مدت رہے حرم میں

کلفت میں گزری ساری مدت تو زندگی کی
آسودگی کا منہ اب دیکھیں گے ہم عدم میں

۶۱۳۵ کرتے ہیں میؔر مل کر واعظ سے حبس دم کا
کیا یہ بھی آ گئے ہیں اس پوچ گو کے دم میں

۷۷۷

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں
اُس سے آنکھیں لگیں تو خواب کہاں

بے کلی دل ہی کی تماشا ہے
برق میں ایسے اضطراب کہاں

خط کے آئے پہ کچھ کہے تو کہے
ابھی مکتوب کا جواب کہاں

ہستی اپنی ہے بیچ میں پردا
ہم نہ ہوویں تو پھر حجاب کہاں

۶۱۴۰ گریۂ شب سے سرخ ہیں آنکھیں
مجھ بلا نوش کو شراب کہاں

عشق ہے عاشقوں کے جلنے کو
یہ جہنم میں ہے عذاب کہاں

داغ رہنا دل و جگر کا دیکھ
جلتے ہیں اس طرح کباب کہاں

محو ہیں اس کتابی چہرے کے
عاشقوں کو سرِ کتاب کہاں

عشق کا گھر ہے میؔر سے آباد
ایسے پھر خانماں خراب کہاں

۷۷۸

۶۱۴۵ یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں
اب دو تو جام خالی ہی دو میں نشے میں ہوں

ایک ایک قرطِ دور میں یوں ہی مجھے بھی دو
جامِ شراب پر نہ کرو میں نشے میں ہوں

مستی سے درہمی ہے مری گفتگو کے بیچ — جو چاہو تم بھی مجھ کو کہو میں نشے میں ہوں
یا ہاتھوں ہاتھ لو مجھے مانندِ جامِ مے — یا تھوڑی دور ساتھ چلو میں نشے میں ہوں
معذور ہوں جو پانو مرا بے طرح پڑے — تم سرگراں تو مجھ سے نہ ہو میں نشے میں ہوں
بھاگی نمازِ جمعہ تو جاتی نہیں ہے کچھ — چلتا ہوں میں بھی ٹک تو رہو میں نشے میں ہوں ۶۱۵۰

نازک مزاج آپ قیامت ہیں میرؔ جی
جوں شیشہ میرے منھ نہ لگو میں نشے میں ہوں

۷۷۹

کاش کے دل دو تو ہوتے عشق میں — ایک رہتا ایک کھوتے عشق میں
پاس ظاہر تک نہ کرتے شب تو ہم — بھر لیے تھے خوب روتے عشق میں
خواب میں دیکھا اسی کو ایک رات — برسوں کاٹے ہم نے سوتے عشق میں
کاش پی جایا ہی کرتے اشک کو — داغ دل پر کے تو دھوتے عشق میں ۶۱۵۵

دیکھیے ہیں کیا کیا ڈھلکتے اشک میرؔ
بیٹھے موتی سے پروتے عشق میں

۷۸۰

کرتے ہیں جو کہ جی میں ٹھانے ہیں — خوبرو کس کی بات مانے ہیں
میں تو خوباں کو جانتا ہی ہوں — پر مجھے یہ بھی خوب جانے ہیں
جا ہمیں اس گلی میں گر رہنا — ضعف و بے طاقتی بہانے ہیں
پوچھ اہلِ طرب سے شوق اپنا — وے ہی جانیں جو خاک چھانے ہیں ۶۱۶۰
اب تو افسردگی ہی ہے ہر آن — وے نہ ہم ہیں نہ وے زمانے ہیں
قیس و فرہاد کے وہ عشق کے شور — اب مرے عہد میں فسانے ہیں
دل پریشاں ہیں تو خوش وے لوگ — عشق میں جن کے جی ٹھکانے ہیں
مشک و سنبل کہاں وہ زلف کہاں — شاعروں کے یہ شاخسانے ہیں

عشق کرتے ہیں اس پری رو سے
میرؔ صاحب بھی کیا دوانے ہیں ۶۱۶۵

آپ اُس جنس کے ہیں ہم بھی خریداروں میں — پگڑی جامے بکے جس کے لیے بازاروں میں

باغِ فردوس کا ہے رشک وہ کوچہ لیکن — آدمی ایک نہیں اُس کے ہَواداروں میں

ایک کے بھی وہ بُرے حال میں آیا نہ کبھو — لوگ اچھے تھے بہت یار کے بیماروں میں

دوستی کس سے ہوئی آنکھ کہاں جا کے لڑی — دشمنی آئی جسے دیکھتے ہیں یاروں میں

۶۱۷۰ ہائے رے ہاتھ جہاں چوٹ پڑی وہی گیا — الغرض ایک ہے وہ شوخ ستمگاروں میں

کش مکش جس کے لیے یہ ہے شمارِ دم یہ — اُن نے ہم کو نہ گِنا اپنے گرفتاروں میں

کیسی کیسی ہے عناصر میں بھی صورت بازی — شعبدے لاکھوں طرح کے ہیں انھیں چاروں میں

مشفقو ہاتھ مرے باندھو کہ اب کے ہر دم — جا اُلجھتے ہیں گریبان کے دو تاروں میں

حسبِ قسمت سبھوں نے کھائے تری تیغ کے زخم — ناکس اک نکلے ہمیں خوں کے سزاواروں میں

اضطراب و قلق و ضعف ہیں گر میر یہی

۶۱۷۵ زندگی ہو چکی تو اپنی ان آزاروں میں

۷۸۲

اُمیدِ دل وہی تھی جن سے وے آزار کرتے ہیں — بہت پرہیز کر ہم سے ہمیں بیمار کرتے ہیں

کوئی ہم سا بھی اپنی جان کا دشمن کہیں ہوگا — بھری مجلس میں بیٹھے عشق کے اقرار کرتے ہیں

نشاں دیتے ہیں جہاں اس کا وہ ہرجائی نہیں ملتا — محلے کے ہمیں اب لوگ یوں ہی خوار کرتے ہیں

حجابِ ناکسی سے مر گئے رو پوش کب تک ہوں — جنھوں سے عار تھی ہم کو سو ہم سے عار کرتے ہیں

۶۱۸۰ چھپا لیتا ہے مجھ سے چاند سا مُنھ وہ خدا جانے — سخن ساز اُس کنے جا جا کے کیا اظہار کرتے ہیں

الف کی رمز اگر سمجھا اُٹھا دل بحثِ علمی سے — اسی اک حرف کو برسوں سے ہم تکرار کرتے ہیں

بہت ہے تیز آبِ جدولِ شمشیر خوباں کا — اُسے پھر پار کر دیں ہیں یہ جس پر وار کرتے ہیں

اٹکتا تو کہ یاں فکرِ اقامت تجھ کو ہے ورنہ — سب اس دل کش جگہ سے رخت اپنا بار کرتے ہیں

بلا آفت ہے کچھ دل پر کہ ایسا رنگ ہے اُن کا

کسو بے مہر کے تئیں میر شاید پیار کرتے ہیں

۷۸۳

یارب یہ آسمان بھی مل جائے خاک میں — کرتا نہیں قصور ہمارے ہلاک میں

گرمی نہیں ہے ہم سے وہ اے رشکِ آفتاب　　اب آ گیا ہے فرق بہت اس تپاک میں
اس ڈھنگ سے ہلا کہ بجا دل نہیں رہے　　اس گوش کے گہر سے دم آئے ہیں ناک میں
اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے　　دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

کہیے لطافت اس تنِ نازک کی میر کیا
شاید یہ لطف ہوگا کسو جانِ پاک میں

## ۷۸۴

محمل نشیں ہیں کتنے خدام یار میں یاں　　لیلےٰ کا ایک ناقہ سو کس قطار میں یاں ۶۱۹۰
سن شورِ گل قفس میں دل داغ سب ہوا ہے　　کیا پھول گل کھلے ہیں اب کی بہار میں یاں
کب روشنی ہو میرے رونے میں ابر تجھ سے　　دریا بھرے ہیں ایک اک دامن کے تار میں یاں
تم تو گئے دکھا کر ٹک برق کے سے جھمکے　　آیا بہت تفاوت صبر و قرار میں یاں
ہم مر گئے و لیکن سوزِ دروں وہی ہے　　ایک آگ لگ اٹھی ہے کنجِ مزار میں یاں
ہجراں کی ہر گھڑی ہے سو سو برس تعب سے　　روزِ شمار یارو ہے کس شمار میں یاں ۶۱۹۵

جن راتوں میر ہم کو رونے کا مشغلہ تھا
رہتا تھا بحرِ اعظم سو تو کنار میں یاں

## ۷۸۵

آج ہمارے گھر آیا تو کیا ہے یاں جو نثار کریں　　الّا کھینچ بغل میں تجھ کو دیر تلک ہم پیار کریں
خاک ہوئے برباد ہوئے پامال ہوئے سب محو ہوئے　　اور شدائدِ عشق کی رہ کے کیسے ہم ہموار کریں
زردیِ رخ رونا ہر دم کا شاہد دو جب ایسے ہوں　　چاہت کا انصاف کرو تم کیونکر ہم انکار کریں
باغ میں اب آ جاتے ہیں تو صرفہ اپنا چپ میں ہے　　خوبی بیاں کر تیری ہم کیا گل کو گلے کا ہار کریں ۶۲۰۰
شیوہ اپنا بے پروائی نومیدی سے ٹھہرا ہے　　کچھ بھی وہ مغرور دبے تو منت ہم سو بار کریں
ہم تو فقیر ہیں خاک برابر آ بیٹھے تو لطف کیا　　ننگ جہاں لگتا ہو ان کو واں وے ایسی عار کریں
پتا پتا گلشن کا تو حال ہمارا جانے ہے　　اور کہے تو جس سے اے گل بے برگی اظہار کریں
کیا ان خوش ظاہر لوگوں سے ہم یہ توقع رکھتے تھے　　غیر کو لے کر پاس یہ بیٹھیں ہم کو گلیوں میں خوار کریں

میر جی ہیں گے ایک جلا آتے کیا ہم ان سے درد کہیں　　کچھ بھی جو سن پاویں یہ مجلس میں [illegible] کریں

گر کوئی اعمیٰ کہے کچھ پر کہاں وہ تو کہاں
لے گئے پیش فلک اس مہ کا ایسا رو کہاں

گل کو کیا نسبت ہے تجھ سے میں نہ مانوں زینہار
رنگ اگر بالفرض تیرا سا ہوا یہ بو کہاں

عشق لاتا ہے بروئے کار مجنوں سا کبھو
بید بہتیرے کھڑے ہیں وے پریشاں مو کہاں

دیکھیاں کجیاں کمانوں کی بھی خم محراب کے
پر دلوں کو کھینچتے ہیں جیسے وے ابرو کہاں

۶۲۱۰ سنبل آپھی آپ پیچ و تاب یوں کھایا کرے
یار کی سی زلف کے وے حلقہ حلقہ مو کہاں

آگے یہ آنکھیں گلے کی ہار ہی رہتی تھیں روز
اب جگر میں خوں نہیں وے بھرے سے آنسو کہاں

میر سچ کہتا تھا جرأت ہو نصیب اس کے تئیں
حور کا چہرہ کہاں اس کا رخ نیکو کہاں

۷۸۷

بیگانہ وضع برسوں اس شہر میں رہا ہوں
بھاگوں ہوں دور سب سے میں کس کا آشنا ہوں

پوچھا کیے ہیں مجھ سے گل برگ لب کو تیرے
بلبل کے ہاتھ جب میں گلزار میں لگا ہوں

۶۲۱۵ اب کار شوق دیکھوں پہنچے مرا کہاں تک
قاصد کے پیچھے میں بھی بے طاقت اٹھ چلا ہوں

تجھ سے متاع خوش کا کیونکر نہ ہوں معرّف
یوسف کے ہاتھ سا ہے کچھ میں نہیں بکا ہوں

گل پھول کوئی کب تک جھڑ جھڑ کے گرتے دیکھے
اس باغ میں بہت اب جوں غنچہ میں رکا ہوں

کیا کیا کیا تامل اس فکر میں گیا گھل
سمجھا نہ آپ کو میں کیا جانیے کہ کیا ہوں

ہوتا ہے گرم کیا تو اے آفتاب خوبی
ایک آدھ دم ہیں میں تو شبنم نمط ہوا ہوں

۶۲۲۰ پیری سے جھکتے جھکتے پہنچا ہوں خاک تک میں
وہ سرکشی کہاں ہے اب تو بہت دبا ہوں

مجھ کو بلا ہے وحشت اے میر دور اس سے
جاگہ سے جب اٹھا ہوں آشوب سا اٹھا ہوں

۷۸۸

کوچے میں تیرے میر کا مطلق اثر نہیں
کیا جانیے کدھر کو گیا کچھ خبر نہیں

ہے عاشقی کے بیچ ستم دیکھنا ہی لطف
مر جانا آنکھیں موند کے یہ کچھ ہنر نہیں

کب شب ہوئی زمانے میں جو پھر ہوا نہ روز
کیا اے شب فراق تجھی کو سحر نہیں

ہر چند ہم کو مستوں سے صحبت رہی ہے لیک — دامن ہمارا ابر کی مانند تر نہیں
گلگشت اپنے طور پہ ہے سو تو خوب یاں — شائستہ پریدن گلزار پر نہیں
کیا ہو جے حرف ان گذر دوستی سے آہ — خط لے گیا کہ راہ میں پھر نامہ بر نہیں
آنکھیں تمام خلق کی رہتی ہیں اس کی اور — مطلق کسو کو حال پہ میرے نظر نہیں
کہتے ہیں سب کہ خون ہی ہوتا ہے اشک چشم — راتوں کو گر بکا ہے یہی تو جگر نہیں

جا کر شراب خانے میں رہتا نہیں تو پھر
یہ کیا کہ میر جمعے ہی کی رات گھر نہیں ۶۲۳۰

## ۷۸۹

گو جان کر تجھے سب تعبیر کر رہے ہیں — ہم لوگ تیرے اوپر سو جی سے مر رہے ہیں
کھنچتا چلا ہے اب تو تصدیق کو تصور — ہر لحظہ اس کے جلوے پیش نظر رہے ہیں
نکلے ہوس جو اب بھی ہو وا رہی قفس سے — شائستہ پریدن دو چار پر رہے ہیں
کل دیکھتے ہمارے بستے تھے گھر برابر — اب یہ کہیں کہیں جو دیوار و در رہے ہیں
کیا آج ڈبڈبائی دیکھو ہو تم یہ آنکھیں — جوں چشمہ یوں ہی برسوں ہم چشم تر رہے ہیں ۶۲۳۵
نے غم ہے ہم کو یاں کا، نے فکر کچھ ہے واں کا — صدقے جنوں کے کیا ہم بے دردسر رہے ہیں
پاس ایک دن بھی اپنا ان نے نہیں کیا ہے — ہم دور اس سے بے دم دو دو پہر رہے ہیں
کیا یہ سرائے فانی ہے جائے باش اپنی — ہم یاں مسافرانہ آکر اتر رہے ہیں
ایسا نہ ہو کہ چھیڑے یک بار پھوٹ بہیے — ہم پکے پھوڑے کی اب مانند بھر رہے ہیں
اس مے کدے میں جس جا ہشیار چاہیے تھے — رحمت ہے ہم کو ہم بھی کیا بے خبر رہے ہیں ۶۲۴۰
گو راہ عشق میں ہو شمشیر کے دم اوپر — وسواس کیا ہے ہم تو جی سے گذر رہے ہیں

چل ہم نشیں بنے تو ایک آدھ بیت سنیے
کہتے ہیں بعد مدت میر اپنے گھر رہے ہیں

## ۷۹۰

یوں قیدیوں سے کب تئیں ہم تنگ تر رہیں — جی چاہتا ہے جا کے کسو اور مر رہیں
اے کاش ہم کو سکر کی حالت رہے مدام — تا حال کی خرابی سے ہم بے خبر رہیں

۶۲۴۵ رہتے ہیں یوں حواس پریشاں کہ جوں کہیں
دو تین آ کے ٹوٹے مسافر اتر رہیں

وعدہ تو جب ہو صبح کا تب ہم بھی جاں بلب
جیسے چراغ آخرِ شب تا سحر رہیں

آوارگی کی سب ہیں یہ خانہ خرابیاں
لوگ آویں دیکھنے کو بہت ہم جو گھر رہیں

ہم نے بھی نذر کی ہے کہ پھریے چمن کے گرد
یارب قفس کے چھوٹنے تک بال و پر رہیں

ان دلبروں کی آنکھ نہیں جا ہے اعتماد
جب تک رہیں یہ چاہیئے پیشِ نظر رہیں

۶۲۵۰ فردا کی فکر آج نہیں مقتضائے عقل
کل کی بھی دیکھ لیویں گے کل ہم اگر رہیں

تیغ و تبر رکھا نہ کرو پاس میر کے
ایسا نہ ہو کہ آپ کو ضائع وے کر رہیں

## ۷۹۱

دل کو لکھوں ہوں آہ وہ کیا مدعا لکھوں
دیوانے کو جو خط لکھوں بتلاؤ کیا لکھوں

کیا کیا لقب ہیں شوق کے عالم میں یار کے
کعبہ لکھوں کہ قبلہ اُسے یا خدا لکھوں

حیراں ہو میرے حال میں کہنے لگا طبیب
اس دردمندِ عشق کی ہیں کیا دوا لکھوں

۶۲۵۵ وحشت زدوں کو نامہ لکھوں ہوں نہ کس طرح
مجنوں کو اس کے حاشیے پر میں دعا لکھوں

کچھ روبرو ہوئے پہ جو سُلجھے تو سُلجھے میر
جی کے اُلجھنے کا اُسے کیا ماجرا لکھوں

## ۷۹۲

جب سے ہے اُس کی ابروئے خمدار درمیاں
رہتی ہے میرے خلق کے تلوار درمیاں[1]

اس کامِ جاں میں ہم میں ہوا ہے حجابِ چشم
یوں رہیے آہ کب تئیں دیوار درمیاں

سو بار اس سے فتنے جہاں میں اٹھے ولے
دیکھی نہ ہم نے وہ کمر اک بار درمیاں

۶۲۶۰ کیا کہیے آہ جی کو قیامت ہے انتظار
آتا نہ کاش وعدۂ دیدار درمیاں

رکھ دی ہے کتنے روزوں سے تلوار یار نے
کوئی نہیں ہے خوں کا سزاوار درمیاں

ثابت ہے ساری خلق کے اُوپر کہ تو ہے ایک
حاجت نہیں جو آوے یہ تکرار درمیاں

آیا کیے دماغ کے اعضا میں یہ فتور
ٹھہرے قشون کیا نہیں سردار درمیاں

بازار میں دکھائی ہے کب اُن نے جنسِ حسن
جو بک نہیں گئے ہیں خریدار درمیاں



[1] اضافہ نسخۂ کلکتہ

دیکھیں چمن جو سینۂ پُر داغ سے بڑھیں — بیداد ہے یہ قطعۂ گلزار درمیاں ۶۲۶۵

کھینچے نہ پائی اُس کی تو تلوار بھیڑ میں — مارا گیا عبث یہ گنہ گار درمیاں

اب کی جنوں کے بیچ گریباں کا ذکر کیا — کہیئے بھی جو رہا ہو کوئی تار درمیاں

کتنے دنوں سے میر کا نالہ نہیں سُنا
شاید نہیں ہے اب وہ گرفتار درمیاں

## ۷۹۳

اتفاق ایسا ہے کر بیٹھتے ہی سدا رہتے ہیں — ایک عالم میں ہیں ہم ڈرے پہ جدا رہتے ہیں

برسے تلوار کہ حائل ہو کوئی سیلِ بلا — پیش کچھ آؤ ہم اس کوچے میں جا رہتے ہیں ۶۲۷۰

کام آتا ہے شمشیر کسے ان ہونٹوں سے — بابت بوسہ ہیں پر سب کو چُھپا رہتے ہیں

دشت میں گرد رہ اُس کی اُٹھے ہے جیدھر سے — وحش و طیر آنکھیں اُدھر ہی کو لگا رہتے ہیں

کیا تری گرمیٔ بازار کہیں خوبی کی — سیکڑوں آن کے یوسف سے بکا رہتے ہیں

بسترا خاکِ رہ اُس کی تو ہے اپنا لیکن — گریۂ خونیں سے لوہو میں نہا رہتے ہیں

کیوں اُڑاتے ہو بلایا ہمیں کب کب ہم آپ — جیسے گردان کبوتر یہیں آ رہتے ہیں ۶۲۷۵

حق تلف کُن ہیں بتاں یاد دلاؤں کب تک — ہر سحر صحبتِ دوشیں کو بھلا رہتے ہیں

یاد میں اُس کے قد و قامتِ دل کش کی میر
اپنے سر ایک قیامت نئی لا رہتے ہیں

## ۷۹۴

باغ گو سبز ہوا اب سرِ گلزار کہاں — دل کہاں وقت کہاں عمر کہاں یار کہاں

تم تو اب آنے کو پھر کہہ چلے ہو کل لیکن — بے کل ایسا ہی رہا شب تو یہ بیمار کہاں

دل کی خواہش ہو کسو کو تو کمی دل کی نہیں — اب یہی جنس بہت ہے پہ خریدار کہاں

خاک یاں چھانتے ہی کیوں نہ پھرو دل کے لیے — ایسا پہنچے ہے بہم پھر کوئی غم خوار کہاں

دم زدن مصلحتِ وقت نہیں اے ہمدم — جی میں کیا کیا ہے مرے پر لبِ اظہار کہاں

شیخ کے آنے ہی کی دیر ہے مے خانے میں پھر — سبحہ سجادہ کہاں جبہ و دستار کہاں

ہم سے ناکس تو بہت پھرتے ہیں جی دیتے ولے — زخمِ تیغ اُس کے اُٹھانے کا سزاوار کہاں

۶۲۸۵ تو نے بھی گردِ رخِ سُرخ نکالا خطِ سبز
باغِ شاداب جہاں میں گُل بے خار کہاں

خبط نے عقل کے سررشتے کیے گُم سارے
اب جو ڈھونڈو تو گریباں میں کوئی تار کہاں

گو کہ گردن تشیں یاں کوئی لہو میں بیٹھے
ہاتھ اُٹھاتا ہے جفا سے وہ ستم گار کہاں

ڈوبا لوہو میں پڑا تھا ہمگی پیکرِ میر
یہ نہ جانا کہ لگی ظلم کی تلوار کہاں

## ۷۹۵

اے مجھ سے تجھ کو سو ملے تجھ سا نہ پایا ایک میں
سو سو کہیں تو نے مجھے منھ پر نہ لایا ایک میں

۶۲۹۰ عالم کی میں نے سیر کی مجھ کو جو خوش آیا سو تو
سب سے رہا محظوظ تو تجھ کو نہ بھایا ایک میں

یہ جوشِ غم ہوتے بھی ہیں یوں بربر روتے بھی ہیں
چشمِ جہاں آشوب سے دریا بہایا ایک میں

تھا سب کو دعویٰ عشق کا لیکن نہ ٹھہرا کوئی بھی
دانستہ اپنی جان سے دِل کو اُٹھایا ایک میں

ہیں طالبِ صورت سبھی مجھ پر ستم کیوں اس قدر
کیا مجرمِ عشقِ بتاں یاں ہوں خدایا ایک میں

بجلی سے یوں چمکے بہت پر بات کہتے ہو چکے
جوں ابر ساری خلق پر ہوں اب تو چھایا ایک میں

۶۲۹۵ سو رنگ وہ ظاہر ہوا کوئی نہ جاگہ سے گیا
دِل کو جو میرے چوٹ تھی طاقت نہ لایا ایک میں

اس گلستاں سے منفعت یوں تو ہزاروں کو ہوئی
دیکھا نہ سرو و گُل کا یاں ٹک سر پہ سایا ایک میں

رسمِ کہن ہے دوستی ہوتی بھی ہے اُلفت بہم
میں کشتنی ٹھہرا جو ہوں کیا دل لگایا ایک میں

جن جن نے دیکھا تھا اُسے بے خود ہوا جیتا بھی پھر
پر میر جیتے جی بخود ہرگز نہ آیا ایک میں

## ۷۹۶

اگرچہ اب کی ہم اے ابر خشک مژگاں ہیں
پہ جوش دِل میں کبھو آگیا تو طوفاں ہیں

۶۳۰۰ صنم پرستی میں اے راہباں نہ کی تقصیر
تم اہلِ صومعہ سے پوچھو وے مسلماں ہیں

کریں اُنھوں پہ بھلا کس طرح نظر گستاخ
بتانِ شہر ہمارے تو دین و ایماں ہیں

چمن میں جا کے بھرو تم گلوں سے جیب و کنار
ہم اپنے دِل ہی کے ٹکڑوں سے گُل بداماں ہیں

رہیں ہیں دیکھ جو تصویر سے ترے منھ کو
ہماری آنکھ سے ظاہر ہے یہ کہ حیراں ہیں

رہا ہے کون سا پردہ ترے ستم کا شوخ
کہ زخمِ سینہ ہمارے سبھی نمایاں ہیں

شبیہ شکل سے ہے حالِ ضبطِ عشق کے بیچ — کہ رنگ روپ ہے سب کچھ ولیک بے جاں ہیں ۶۳۰۵
بنے تو عزتِ عشاق میں نہ کر تقصیر — کہ ایسے لوگ پیارے عزیز مہماں ہیں

جو ابر دشت میں برسے تو ہم اڑاویں خاک
وہ میرِ آب ہے ہم یاں کے میر ساماں ہیں

۷۹۷

جور کیا کیا جفائیں کیا کیا ہیں — عاشقی میں بلائیں کیا کیا ہیں
خوب رو ہی فقط نہیں وہ شوخ — حسن کیا کیا ادائیں کیا کیا ہیں
فکرِ تعمیرِ دل کسو کو نہیں — ایسی ویسی بنائیں کیا کیا ہیں ۶۳۱۰
گہ نسیمِ صبا ہے گاہ سموم — اس چمن میں ہوائیں کیا کیا ہیں
شور ہے ترکِ شیخ کا لیکن — چپکے چپکے دعائیں کیا کیا ہیں

منظرِ دیدہ قصرِ دل اے میر
شہرِ تن میں بھی جائیں کیا کیا ہیں

۷۹۸

فراق آنکھ لگنے کی جا ہی نہیں — پلک سے پلک آشنا ہی نہیں
گلہ عشق کا بدوِ خلقت سے ہے — غمِ دل کو کچھ انتہا ہی نہیں ۶۳۱۵
محبت جہاں کی تہاں ہو چکی — کچھ اس روگ کی بھی دوا ہی نہیں
دکھایا کیے یار اس رخ کا سطح — کہیں آرسی کو حیا ہی نہیں
وہ کیا کچھ نہیں حسن کے شہر میں — نہیں ہے تو رسمِ وفا ہی نہیں
چمن محو اس رو کے خوش کا ہے سب — گل تر کی اب وہ ہوا ہی نہیں

نہیں دیر اگر میر کعبہ تو ہے ۶۳۲۰
ہمارے کوئی کیا خدا ہی نہیں

۷۹۹

دل لے کے کیسے کیسے جھگڑے مچا دیے ہیں — بد وضع یاں کے لڑکے کیا خوش معاملے ہیں
گھبرانے لگتیاں ہیں رگ رگ کے تن میں جانیں — کرتے ہیں جو وفائیں ان ہی کے حوصلے ہیں

کیا قدر تھی سخن کی جب یاں بھی صحبتیں تھیں — ہر بات جائزہ ہے ہر بیت پر صلے ہیں

جب کچھ بھی جہت مجھ سے تب کس سے ملتے تھے تم — اشراف کے یہ سب ہے تہ اب تم سے آملے ہیں

۶۲۲۵ تھا واجب الترحّم مظلومِ عشق تھا میں — اس کشتۂ ستم کو تم سے بہت گلے ہیں

سوزِ دروں سے کیونکر میں آگ میں نہ لوٹوں — جوں شیشۂ حبابی سب دل پر آبلے ہیں

میں جی سنبھالتا ہوں وہ ہنس کے ٹالتا ہے — یاں مشکلیں ہیں ایسی واں یہ مسالے ہیں

اندیشہ زاد و رہ کا رکھیے تو ہے مناسب — چلنے کو یاں سے اکثر تیار قافلے ہیں

پانچوں حواس گم ہیں ہر اک کے اس سمیں میں
کیا میر جی ہی تنہا ان روزوں دہ دلے ہیں

**۸۰۰**

۶۲۳۰ محبت نے کھویا کھپایا ہمیں — بہت اُن نے ڈھونڈا نہ پایا ہمیں

پھرا کرتے ہیں دھوپ میں جلتے ہم — ہوا ہے کہے تو کہ سایا ہمیں

گہے تر رہیں گاہ خوں بستہ تھیں — ان آنکھوں نے کیا کیا دکھایا ہمیں

بٹھا اُس کی خاطر میں نقشِ وفا — نہیں تو اُٹھا لے خدایا ہمیں

ملے ڈالے ہے دل کوئی عشق میں — یہ کیا روگ یا رب لگایا ہمیں

۶۲۳۵ ہوئی اس گلی میں تو مٹی عزیز — ذلے خواریوں سے اُٹھایا ہمیں

جوانی دِوانی سُنا کیا نہیں — حسینوں کا ملنا ہی بھایا ہمیں

نہ سمجھی گئی دشمنی عشق کی — بہت دوستوں نے جتایا ہمیں

کوئی دم کل آئے تھے مجلس میں میر
بہت اس غزل پر رُلایا ہمیں

**۸۰۱**

جنوں نے تماشا بنایا ہمیں — رہا دیکھ اپنا پرایا ہمیں

سدا ہم تو کھوئے گئے سے رہے — کبھو آپ میں تم نے پایا ہمیں

یہی تا دمِ مرگ بیتاب تھے — نہ اُس بن تنک صبر آیا ہمیں

شب آنکھوں سے دریا سا بہتا رہا — انھیں نے کنارے لگایا ہمیں

ہمارا نہیں تم کو کچھ پاس رنج — یہ کیا تم نے سمجھا ہے آیا ہمیں
لگی سر سے جوں شمع پاتک گئی — سب اس داغ نے آہ کھایا ہمیں
جلیں پیش و پس جیسے شمع و پتنگ — جلا وہ بھی جن نے جلایا ہمیں ۶۳۴۵
ازل میں ملا کیا نہ عالم کے تئیں — قضا نے یہی دل دلایا ہمیں

رہا تو تو اکثر الم ناک میر
ترا طور کچھ خوش نہ آیا ہمیں

## ۸۰۲

کیا عبث مجنوں پئے محمل ہے میاں — یہ دوانا باؤلا عاقل ہے میاں
قند کا کون اس قدر مائل ہے میاں — جو ہے اُن ہونٹوں ہی کا قائل ہے میاں
ہم نے یہ مانا کہ واعظ ہے مَلک — آدمی ہونا بہت مشکل ہے میاں ۶۳۵۰
چشم تر کی خیر جاری ہے سدا — سیل اس دروازے کا سائل ہے میاں
مرنے کے پیچھے تو راحت سچ ہے لیک — بیچ میں یہ واقعہ حائل ہے میاں
دل کی پامالی ستم ہے قہر ہے — کوئی یوں دلتا ہے آخر دل ہے میاں
آج کیا فردائے محشر کا ہراس — صبح دیکھیں کیا ہو شب حامل ہے میاں
دل تڑپتا ہی نہیں کیا جانیے — کس شکار انداز کا بسمل ہے میاں ۶۳۵۵
چاہیے پیش از نماز آنکھیں کھلیں — حیف اس کا وقت جو غافل ہے میاں
رنگِ بے رنگی جدا تو ہے ولے — آب سا ہر رنگ میں شامل ہے میاں
سامنے سے ٹک ٹلے تو دق نہ ہو — آسماں چھاتی پہ اپنی سل ہے میاں
دل لگی اتنی جہاں میں کس لیے — رہ گزر ہے یہ تو کیا منزل ہے میاں
بے تہی دریائے ہستی کی نہ پوچھ — یاں سے واں تک سو جگہ ساحل ہے میاں ۶۳۶۰
چشمِ حق بیں سے کرو ٹک تم نظر — دیکھیے جو کچھ ہو سب باطل ہے میاں
دردمندی ہی تو ہے جو کچھ کہ ہے — حق میں عاشق کے دوا قاتل ہے میاں
برسوں ہم روتے پھرے ہیں ابر سے — زانو زانو اس گلی میں گِل ہے میاں
کہنہ سالی میں ہے جیسے خرد سال — کیا فلک پیری میں بھی جاہل ہے میاں

۶۳۶۵ کیا دلِ مجروح و محزوں کا گلہ — ایک غمگیں دوسرے گھائل ہے میاں

دیکھ کر سبزہ ہی خرم تم دل کو رکھو — مزرعِ دنیا کا یہ حاصل ہے میاں

مستعدوں پر سخن ہے آج کل — شعر اپنا فن سو کس قابل ہے میاں

کی زیارت میر کی ہم نے بھی کل

لاابالی سا ہے پر کامل ہے میاں

## ۸۰۳

لذت سے درد کی جو کوئی آشنا نہیں — سو لطف کیوں نہ جمع ہو اس میں مزا نہیں

۶۳۷۰ ہر آن کیا عوض ہے دعا کا بدی ولے — تم کیا کرو بھلے کا زمانہ رہا نہیں

رد سے سخن جو ہے تو مرا چشم دل کی اور — تم سے خدا نخواستہ مجھ کو گلا نہیں

تلوار ہی کھنچا کی ترے ہوتے بزم میں — بیٹھا ہے کب تو آکے کہ فتنہ اٹھا نہیں

بل دیکھے ایسے دلبر ہر جائی سے کوئی — بے جا نہیں ہے دل جو ہمارا بجا نہیں

ہو تم جو میرے حیرتیِ فرطِ شوقِ وصل — کیا جانو دل کسو سے تمھارا لگا نہیں

۶۳۷۵ آئینے پر سے ٹک نہیں اٹھتی تری نظر — اس شوق کش کے منھ سے تجھے کچھ حیا نہیں

رنگ اور بو تو دل کش و دل چسپ ہیں کمال — لیکن ہزار حیف کہ گل میں وفا نہیں

تیرِ ستم کا تیرے ہدف کب تلک رہوں — آخر جگر ہے لوہے کا کوئی توا نہیں

ان نے تو آنکھیں موند لیاں ہیں ادھر سے واں — ایک آدھ دن میں دیکھیے یاں کیا ہے کیا نہیں

اٹھتے ہو میر دیر سے تو کعبے چل رہو

معلوم کا ہے کو ہو؟ تمھارے خدا نہیں

## ۸۰۴

۶۳۸۰ کیا کہیں آتشِ ہجراں سے گلے جاتے ہیں — چھاتیاں سلگیں ہیں ایسی کہ جلے جاتے ہیں

گو ہر گوش کسو کا نہیں جی سے جاتا — آنسو موتی سے مرے منھ پہ ڈھلے جاتے ہیں

یہی مسدود ہے کچھ راہِ وفا ورنہ بہم — سب کہیں نامہ و پیغام چلے جاتے ہیں

بارِ حرمان و گلِ داغ نہیں اپنے ساتھ — شجرِ باغِ وفا پھولے پھلے جاتے ہیں

حیرتِ عشق میں تصویر سے رفتہ ہی رہے — ایسے جاتے ہیں جو ہم بھی تو بھلے جاتے ہیں

ہجر کی کوفت جو کھینچے ہیں اُنھیں سے پوچھو ‏ ‏ دل دیے جاتے ہیں جی اپنے ملے جاتے ہیں ۶۳۸۵

یاد قد میں ترے آنکھوں سے بہیں ہیں جوئیں ‏ ‏ گر کسو باغ میں ہم سرو تلے جاتے ہیں

دیکھیں پیش آوے ہے کیا عشق میں اب تو جوں سیل ‏ ‏ ہم بھی اس راہ میں سر گاڑے چلے جاتے ہیں

پُر غباری جہاں سے نہیں سدھ میر ہمیں
گرد اتنی ہے کہ مٹی میں رُلے جاتے ہیں

## ۸۰۵

کیا کہیں پایا نہیں جاتا ہے کچھ تم کیا ہو میاں ‏ ‏ کھو گئے دنیا سے تم ہو اور اب دنیا ہو میاں

مت حنائی پانو سے چل کر کہیں جایا کرو ‏ ‏ دلّی ہے آخر نہ ہنگامہ کہیں برپا ہو میاں ۶۳۹۰

دل جہاں کھویا گیا، کھویا گیا، پھر دیکھیے ‏ ‏ کون مرتا ہے، جیے ہے کون، ناپیدا ہو میاں

دل کو لے کر صاف یوں آنکھیں ملاتا ہے کوئی ‏ ‏ تب تلک ہی لطف ہے جبتک کہ کچھ پردا ہو میاں

ایک جنبش میں ترے ابرو کی ٹل جاتی ہے بھیڑ ‏ ‏ درمیاں آوے اگر تلوار تو یہ جھپا ہو میاں

برسوں تک چھایا رہا ہے چشمِ تر پر ابر سا ‏ ‏ پاٹ دامن کا نچوڑوں کوئی تو دریا ہو میاں

شہر میں تو موسمِ گل میں نہیں لگتا ہے جی ‏ ‏ یا گریباں کوہ کا یا دامنِ صحرا ہو میاں ۶۳۹۵

مدعیِ عشق تو ہیں عزلتیِ شہر لیک ‏ ‏ جب گلی کوچوں میں کوئی اس طرح رسوا ہو میاں

گفتگو اتنی پریشاں، حال کی یہ دَرہمی
میر کچھ دِل تنگ ہے ایسا نہ ہو سودا ہو میاں

## ۸۰۶

معلوم نہیں کیا ہے لبِ سرخِ بتاں میں ‏ ‏ اِس آتشِ خاموش کا ہے شور جہاں میں

یوسف کے تئیں دیکھ نہ کیوں بند ہوں بازار ‏ ‏ یہ جنس نکلتی نہیں ہر اک کی دکاں میں

یک پرچہ اشعار سے منھ باندھے سبھوں کے ‏ ‏ جادو تھا مرے خامے کی گویا کہ زباں میں ۶۴۰۰

یہ دِل جو شکستہ ہے سو بے لطف نہیں ہے ‏ ‏ ٹھہرو کوئی دَم آن کے اس ٹوٹے مکاں میں

میں لگ کے گلے خوب ہی رویا لبِ جو پر ‏ ‏ ملتی تھی طرح اس کی بہت سروِ رواں میں

کیا قہر ہوا دِل جو دیا لڑکوں کو میں نے ‏ ‏ چرچا ہے یہی شہر کے اب پیر و جواں میں

وے یاسمنِ تازہ شگفتہ میں کہاں میر ‏ ‏ پائے گئے لطف اُس کے جو پانو کے نشاں میں

## ۸۰۷

۶۲۰۵ اتنا کہا نہ ہم سے تم نے کبھو کہ آؤ
کاہے کو یوں کھڑے ہو وحشی سے بیٹھ جاؤ

یہ چاند کے سے ٹکڑے چھپتے نہیں چھپائے
ہر چند اپنے منھ کو برقع میں تم چھپاؤ

دو چار تیر یارو اس سے بھلی ہے دوری
تم کھینچ کھینچ مجھ کو اس پلے پر نہ لاؤ

ہو شرم آنکھ میں تو بھاری جہاز سے ہے
مت کر کے شوخ چشمی آشوب سا اُٹھاؤ

اب آتے ہو تو آؤ ہر لحظہ جی گھٹے ہے
پھر لطف کیا جو آکر آدھا بھی تم نہ پاؤ

۶۲۱۰ تھی سحر یا نگہ تھی ہم آپ کو تھے بھولے
اُس جادوگر کو یارو پھر بھی تنک دکھاؤ

بارے گئے سو گزرے جی بھر بھر آتے ہیں کیا
آئندہ میر صاحب دل مت کہیں لگاؤ

## ۸۰۸

نہ مائل آرسی کا رہ سراپا درد ہوگا تو
نہ ہو گلچینِ باغِ حُسن ظالم زرد ہوگا تو

یہ پیشہ عشق کا ہے خاک چھنوائے گا صحرا کی
ہزار اے بے وفا جوں گُل چمن پرورد ہوگا تو

غبار اُٹھنے لگے گا تیری اس نازک طبیعت سے
بسانِ گردباد آخر بیاباں گرد ہوگا تو

۶۲۱۵ علاقہ دل کا لکھوائے گا دفتر ہاتھ سے تیرے
تجرد کے جریدے میں قلم سا فرد ہوگا تو

نہ یک دم صبح تک بھی آنکھ لگنے دے گا دل جلنا
یہی پھر میر سا سرگرمِ آہِ سرد ہوگا تو

## ۸۰۹

سب حال سے بے خبر ہیں یاں تو
برہم زدہ شہر ہے جہاں تو

اس تن پہ نثار کرتے لیکن
اپنی بھی نظر میں ٹھہرے جاں تو

برباد نہ دے کہیں سراسر
رہتی نہیں شمع ساں زباں تو

۶۲۲۰ کیا اُس کے گئے ہے ذکر دل کا
ویران پڑا ہے یہ مکاں تو

کیا کیا نہ عزیز خوار ہوں گے
ہونے دو اسے ابھی جواں تو

غنچے لگے منھ تمھارے لیکن
صحبت کا اسے بھی ہو دہاں تو

کیا اس سے رکھیں امید بہبود
پھرتا ہے خراب آسماں تو

یہ طالع نارسا بھی جاگیں
سو جائے ٹک اس کا پاسباں تو

مت تربت میر کو ہٹاؤ
رہنے دو غریب کا نشاں تو ۶۴۲۵

## ۸۱۰

ملتفت ہوتا نہیں ہے گاہ تو
کس قدر مغرور ہے اللہ تو

مجھ سے کتنے جان سے جاتے رہے
کس کی میت کے گیا ہمراہ تو

بے خودی رہتی ہے اب اکثر مجھے
حال سے میرے نہیں آگاہ تو

اس کے دل میں کام کرنا کام ہے
یوں فلک پر کیوں نہ جاوے آہ تو

فرش ہیں آنکھیں ہی تیری راہ میں
آہ ٹک تو دیکھ کر چل راہ تو ۶۴۳۰

جی تلک تو منھ نہ موڑیں تجھ سے ہم
کر جفا و جور خاطر خواہ تو

کاہش دل بھی دو چنداں کیوں نہ ہو
آنکھ میں آوے نہ وہ دو ماہ تو

دل دہی کیا کی ہے یوں ہی چاہیے
اے زہے تو آفریں تو واہ تو

میر تو تو عاشقی میں کھپ گیا
مت کسی کو چند روز اب چاہ تو

## ۸۱۱

اب اسیری سے بچیں تو دیکھیں گے گلشن کبھو
تھا ہمارا بھی چمن میں اے صبا مسکن کبھو ۶۴۳۵

ہم بھی ایک امید پر اس صیدگہ میں ہیں پڑے
کہتے ہیں آنکلے ہے ایدھر وہ شکار افگن کبھو

بند پایا جیب میں یا سر سے مارا تنگ ہو
دست کوتہ میں نہ آیا اپنے وہ دامن کبھو

یار کی برگشتہ مژگاں سے نہ دل کو جمع رکھ
بد بلا ہے پھر کھڑی ہووے جو یہ پلٹن کبھو

جان کوئی کیوں نہ دو اس بے مروت کے لیے
آشنا ہوتا نہیں وہ دوستی دشمن کبھو

ہوں تو نالاں زیر دیوار چمن پر ضعف سے
گوش زد گل کے نہیں ہوتا مرا شیون کبھو ۶۴۴۰

دل مگر ان جامہ زیبوں کو دیا ہے میر نے
اس طرح پھرتے نہ تھے دے چاک پیراہن کبھو

## ٨١٢

گل برگ سے ہیں نازک خوبیِ پا تو دیکھو — کیا ہے جھمک کفک کی رنگِ حنا تو دیکھو

ہر بات پر خشونت طرزِ جفا تو دیکھو — ہر لحظہ بے ادائی اُس کی ادا تو دیکھو

سائے میں ہر پلک کے خوابیدہ ہے قیامت — اُس فتنۂ زماں کو کوئی جگا تو دیکھو

٦٢٤٥ بلبل بھی گل گئے پر مر کر چمن سے نکلی — اس مرغِ شوق کش کی ٹک تم وفا تو دیکھو

طنزیں عبث کرو ہو غش رہنے پر ہمارے — دو چار دن کسو سے دل کو لگا تو دیکھو

ہونا پڑے ہے دشمن ہر گام اپنی جاں کا — کوچے میں دوستی کے ہر کوئی آ تو دیکھو

پیری میں مول لے ہے منعم حویلیوں کو — ڈھہتا پھرے ہے آپھی اُس پر بنا تو دیکھو

ڈوبی ہے کشتی میری بحرِ عمیقِ غم میں — بیگانے سے کھڑے ہو تم آشنا تو دیکھو

٦٢٥٠ آئے جو ہم تو اُن نے آنکھوں میں ہم کو رکھا — اہلِ ہوس سے کوئی اُودھر کو جا تو دیکھو

ہے اس چمن میں وہ گل صد رنگ محوِ جلوہ — دیکھو جہاں وہی ہے کچھ اُس سوا تو دیکھو

اشعارِ میرؔ پر ہے اب ہائے وائے ہر سو
کچھ سحر تو نہیں ہے لیکن ہوا تو دیکھو

## ٨١٣

بد زباں ہو جیسے خوش اسلوب ہو — کیا کہیں جو کچھ کہ ہو تم خوب ہو

بے نقابی اُس کی ہے ہم پر ستم — لائیے منھ پر تو وہ محجوب ہو

٦٢٥٥ ایسا شہرِ حسن ہی ہے تازہ رسم — دوستی باہم جہاں معیوب ہو

مطلبِ عمدہ ہے دل لے تو رکھو — گاہ باشد تم کو بھی مطلوب ہو

چاہیے ہے اور کچھ عاشق کو کیا — جان کا خواہاں اگر محبوب ہو

لوہو پینا جان کھانا دیکھیے — کیا مزاجِ عشق میں مرغوب ہو

جو کہو ہو سو مخالف عقل کے
میرؔ صاحب تم مگر مجذوب ہو

## ٨١٤

٦٢٦٠ منعقد کاش مجلسِ مل ہو — درمیاں تو ہو سامنے گل ہو

گر میاں متصل رہیں باہم　　نے تساہل ہو نے تغافل ہو

اب دھواں یوں جگر سے اُٹھتا ہے　　جیسے پُر پیچ کوئی کاکُل ہو

نہ تو طالع نہ جذب پھر دل کو　　کس بھروسے پہ ٹک تحمّل ہو

ٹک نہ چل اے نسیمِ باغ کہ میں　　رہ گیا ہوں چراغ سا گُل ہو

ادھ جلا لالہ ساں رہا تو کیا　　داغ بھی ہو تو کوئی بالکل ہو　　۶۴۶۵

طُول رکھتا ہے دردِ دل میرا　　لکھنے بیٹھوں تو خط ترسّل ہو

ہو جو مجھ بادہ کش کے عُرس میں تو　　جب کہ قلقل سے شیشے کی قُل ہو

دیر رہنے کی جا نہیں یہ چمن　　بوئے گُل ہو صفیرِ بلبل ہو

مجھ دوانے کی مت ہلا زنجیر　　کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر غُل ہو

منکشف ہو رہا ہے حالِ میر
کاش ٹک یار کو تامّل ہو　　۶۴۷۰

## ۸۱۵

نہ میرے باعثِ شور و فغاں ہو　　ابھی کیا جانیے یاں کیا سماں ہو

یہی مشہورِ عالم ہیں دو عالم　　خدا جانے ملاپ اس سے کہاں ہو

جہاں سجدے میں ہم نے غش کیا تھا　　وہیں شاید کہ اُس کا آستاں ہو

نہ ہووے وصف ان بالوں کا مجھ سے　　اگر ہر مُو مرے تن پر زباں ہو

جگر تو چھن گیا تیروں کے مارے　　تمھاری کس طرح خاطر نشاں ہو　　۶۴۷۵

نہ دل سے جا خدا کی مجھ کو سوگند　　خدائی میں اگر ایسا مکاں ہو

تم اے نازک تناں ہو وہ کہ سب کے　　تمنّائے دل و آرامِ جاں ہو

ہلے ٹک لب کہ اُس نے مار ڈالا　　کہے کچھ کوئی گر جی کی اماں ہو

سُنا ہے چاہ کا دعویٰ تمھارا　　قطعہ　　کہو جو کچھ کہ چاہو مہرباں ہو

کنارہ یوں کیا جاتا نہیں پھر　　اگر پاسِ محبت درمیاں ہو　　۶۴۸۰

ہوئے ہم پیر سو ساکت ہیں اب میر
تمھاری بات کیا ہے تم جواں ہو

برسوں میں کبھو ایدھر تم ناز سے آتے ہو — پھر برسوں تئیں پیارے جی سے نہیں جاتے ہو

آتے ہو کبھو یاں تو ہم لطف نہیں پاتے — سو آفتیں لاتے ہو سو فتنے اٹھاتے ہو

رہتے ہو تم آنکھوں میں پھرتے ہو تمھیں دل میں — مدت سے اگرچہ یاں آتے ہو نہ جاتے ہو

٦٤٨٥ ایسی ہی زباں ہے تو کیا عہدہ برآ ہوں گے — ہم ایک نہیں کہتے، تم لاکھ سناتے ہو

خوش کرنے سے ٹک ایسے ناخوش ہی رکھا کریے — ہنستے ہو گھڑی بھر تو پہروں ہی رلاتے ہو

اک خلق تلاشی ہے تم ہاتھ نہیں لگتے — لڑکے تو ہو پر سب کو ٹالے ہی بتاتے ہو

مدت سے تمھارا کب ایدھر کو تہ دل ہے — کا ہے کو تصنع سے یہ باتیں بناتے ہو

کچھ عزت کفر آخر اے دیر کے باشندو — مجھ سہل سے کو کیوں تم زنار بندھاتے ہو

آوارہ اسے پھرتے پھر برسوں گزرتے ہیں — تم جس کسو کو اپنے ٹک پاس بٹھاتے ہو

دل کھول کے مل چلیے جو میر سے ملنا ہے
آنکھیں بھی دکھاتے ہو پھر منھ بھی چھپاتے ہو

٨١٧

ہر صبح شام تو پے ایذائے میر ہو — ایسا نہ ہو کہ کام ہی اس کا اخیر ہو

ہو کوئی بادشاہ کوئی یاں وزیر ہو — اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو

جنت کی منت ان کے دماغوں سے کب اٹھے — خاک رہ اس کی جن کے کفن کا عبیر ہو

٦٤٩٥ کیا یوں ہی آب و تاب سے ہو بیٹھیں کار عشق — سوکھے جگر کا خوں تو رواں جوئے شیر ہو

چھاتی قفس میں داغ سے ہو کیوں نہ رشک باغ — جوش بہار تھا کہ ہم آئے اسیر ہو

یاں برگ گل اڑاتے ہیں پرکالۂ جگر — جا عندلیب تو نہ مری ہم صفیر ہو

اس کے خیال خط میں کسے یاں دماغ حرف — کرتی ہے بے مزہ جو قلم کی صریر ہو

دنبالہ اپنی آنکھ میں آتا نہیں وہ صید — چھوٹا دوسار جس کے جگر میں نہ تیر ہو

٦٥٠٠ ہوتے ہیں میکدے کے جواں شیخ جی برے — پھر در گزر یہ کرتے نہیں گو کہ پیر ہو

کس طرح آہ خاک مذلت سے میں اٹھوں — افتادہ تر جو مجھ سے مرا دستگیر ہو

حد سے زیادہ جور و ستم خوشنما نہیں — ایسا سلوک کر کہ تدارک پذیر ہو

دم بھر نہ ٹھہرے دل میں نہ آنکھوں میں ایک پل | اتنے سے قد پہ تم بھی قیامت شریر ہو
ایسا ہی اُس کے گھر کو بھی آباد دیکھیو | جس خانماں خراب کا یہ دل مُشیر ہو
تسکینِ دل کے واسطے ہر کم بغل کے پاس | قطعہ انصاف کریے کب تئیں مخلص حقیر ہو

یک وقتِ خاص حق میں مرے کچھ دُعا کرو
تُم بھی تو میر صاحب و قبلہ فقیر ہو

## ۸۱۸

ٹک لُطف سے ملا کرو پھر کبھو کبھو ہو | سو تب تلک کہ مجھ کو ہجراں سے تیرے خو ہو
کیا کیا جوان ہم نے دُنیا سے جاتے دیکھے | اے عشقِ بے محابا دُنیا ہو اور تو ہو
ایسے کہو گے کچھ تو ہم چپکے ہو رہیں گے | ہر بات پر کہاں تک آپس میں گفتگو ہو
کیا ہے جواب ظالم پُرسش کے روز کہیو | جو رُو سیاہ یہ بھی واں آ کے رُو برو ہو ۶۵۱۰
پُرخوں ہمارے دِل سے کتنی ہے تو مشابہ | شاید کلی تجھے بھی اُس گل کی آرزو ہو
خط اُس کے پُشتِ لب کا ساکت کرے گا تجھ کو | کہیو اگر تفاوت اس میں بقدرِ مو ہو
کھولے تھے بال کن نے ہنگامِ صبح اپنے | آئی ہے اے صبا تو ایسی جو مُشک بو ہو
درویشی سے بھی اپنی نکلے ہے میر زائی | نقشِ حصیر تن پر ایسے ہیں جوں اتو ہو
مت التیام چاہے پھر دل شکستگاں سے | ممکن نہیں کہ شیشہ ٹوٹا ہوا رفو ہو ۶۵۱۵

کہتے ہو کانپتا ہوں جوں بید عاشقی سے
تم بھی تو میر صاحب کتنے خلاف گو ہو

## ۸۱۹

رکھیے گردن کو تری تیغِ ستم پر ہو سو ہو | جی میں ہم نے یہ کیا ہے اب مُقرر ہو سو ہو
قطرہ قطرہ اشک باری تو کجا پیشِ سحاب | ایک دن تو ٹوٹ پڑ اے دیدۂ تر ہو سو ہو
بند میں نازو نعم ہی کے رہے کیونکر فقیر | یہ فضولی ہے فقیری میں میسّر ہو سو ہو
آکے کوچے سے ترے جاتا ہوں کب جوں ابرِ شب | تیر باراں ہو کہ برسے تیغ یک سر ہو سو ہو ۶۵۲۰
صاحبی کیسی جو تم کو بھی کوئی تم سا ملا | پھر تو خواری بے وقاری بندہ پرور ہو سو ہو
کب تلک فریاد کرتے یوں پھریں اب قصد ہے | داد لیجے اپنی اس ظالم سے اُڑ کر ہو سو ہو

بال تیرے سر کے آگئے تو جیوں کے ہیں وبال  سر منڈا کر ہم بھی ہوتے ہیں قلندر ہو سو ہو

سختیاں دیکھیں تو ہم سے چند کھنچواتا ہے عشق  دل کو ہم نے بھی کیا ہے اب تو پتھر ہو سو ہو

کہتے ہیں ٹھہرا ہے تیرا اور غیر دل کا بگاڑ

۶۵۲۵ ہیں شریک اے میر ہم بھی تیرے بہتر ہو سو ہو

## ۸۲۰

ظالم ہو میری جان پہ نا آشنا نہ ہو  بے رحمی اتنی عیب نہیں بے وفا نہ ہو

کرتی ہے عشق بازی کو بے مائگی وبال  کیا کھیلے وہ جوا جسے کچھ آسرا نہ ہو

ہجر بتاں میں طبع پراگندہ ہی رہی  کافر بھی اپنے یار سے یارب جدا نہ ہو

آزار کھینچنے کے مزے عاشقوں سے پوچھ  کیا جانے وہ کہ جس کا کہیں دل لگا نہ ہو

۶۵۳۰ کھینچا ہے آدمی نے بہت دور آپ کو  اس پردے میں خیال تو کر ٹک خدا نہ ہو

رک جائے دم گر آہ نہ کریے جہاں کے بیچ  اس تنگنائے میں کریں کیا جو ہوا نہ ہو

طرز سخن تو دیکھ ٹک اس بدمعاش کی  دل داغ کس طرح سے ہمارا بھلا نہ ہو

شکوہ سیاہ چشمی کا سن ہم سے یہ کہا  سرمہ نہیں لگانے کا میں تم خفا نہ ہو

جی میں تو ہے کہ دیکھیے آوارہ میر کو

لیکن خدا ہی جانے وہ گھر میں ہو یا نہ ہو

## ۸۲۱

۶۵۳۵ خدا کرے کہ بتوں سے نہ آشنائی ہو  کہ پھر موئے ہی بنے ہے اگر جدائی ہو

بدن نما ہے ہر آئینہ لوح تربت کا  نظر جسے ہو اسے خاک خود نمائی ہو

بدی نوشتے کی تحریر کیا کروں اپنے  کہ نامہ پہنچے تو پھر کاغذ ہوائی ہو

فرو نہ آئے سر اس کا طواف کعبے سے  نصیب جس کے ترے در کی جبہ سائی ہو

ہماری چاہ نہ یوسف ہی پر ہے کچھ موقوف  نہیں ہے وہ تو کوئی اور اس کا بھائی ہو

۶۵۴۰ گلی میں اس کی رہا جا کے جو کوئی سو رہا  وہی تو جاوے ہے واں جس کسو کی آئی ہو

لب سوال نہ اک بوسے کے لیے کھولوں  ہزار مہر و محبت میں بے نوائی ہو

زمانہ یار نہیں اپنے بخت سے اتنا  کہ مدعی سے اسے ایک دن لڑائی ہو

جفا و جور و ستم اس کے آپ ہی سہیے — جو اپنے حوصلہ میں کچھ بھی اب سمائی ہو

ہزار موسم گل تو گئے اسیری میں — دکھائی دے ہے مؤے ہی پہ اب رہائی ہو

چمکتے دانتوں سے اس کے ہوئی ہے روکش تیر
عجب نہیں ہے کہ بجلی کی جگ ہنسائی ہو ۶۵۴۵

## ۸۲۲

تا چند انتظار قیامت شتاب ہو — وہ چاند سا جو نکلے تو رفع حجاب ہو

احوال کی خرابی مری پہنچی اس سرے — اس پر بھی وہ کہے ہے ابھی ٹک خراب ہو

یاں آنکھیں مندتے دیر نہیں لگتی میری جاں — میں کان کھولے رکھتا ہوں تیرے شتاب ہو

پھولوں کے عکس سے نہیں جوئے چمن میں رنگ — گل پر چلے ہیں شرم سے اس منھ کی آب ہو

یاں جرم گنتے انگلیوں کے خط بھی مٹ گئے — واں کس طرح سے دیکھیں ہمارا حساب ہو ۶۵۵۰

غفلت ہے اپنی عمر سے تم کو ہزار حیف — یہ کاروان جانے پہ تم مست خواب ہو

شان تغافل اس کی لکھی ہم سے کب گئی — جب نامہ بر ہلاک ہو تب کچھ جواب ہو

لطف شراب ابر سے ہے سو نصیب دیکھ — جب لیویں جام ہاتھ میں تب آفتاب ہو

ہستی پر ایک قسم کی تمھیں جوش اس قدر — اس بحر موج خیز میں تم تو حباب ہو

جی چاہتا ہے عیش کریں ایک رات ہم — تو ہووے چاندنی ہو، گلابی شراب ہو ۶۵۵۵

پر پیچ و تاب دود دل اپنا ہے جیسے نعل — جب اس طرح سے جل کے درونہ کباب ہو

آگے زبان یار کے خط کھینچے سب نے میر
پہلی جو بات اس کی کہیں تو کتاب ہو

## ۸۲۳

سب سرگزشت سن چکے اب جیسے ہو رہو — آخر ہوئی کہانی مری تم بھی سو رہو

جوش محیط عشق میں کیا جی سے گفتگو — اس گوہر گرامی سے اب ہاتھ دھو رہو

فندق تو ہے پہ یہ بھی تماشے کا رنگ ہے — ٹک انگلیوں کو خون میں میرے ڈبو رہو ۶۵۶۰

اتنا سیاہ خانۂ عاشق سے ننگ کیا — کتنے دلوں میں آشے ہو یاں رات تو رہو

ٹھہراؤ تم کو شوخی سے جوں برق ٹک نہیں — ٹھہرے تو ٹھہرے دل بھی مرا نچلے ہو رہو

ہم خواب تجھ سے ہو کے رہا جاوے کس طرح ملتے ہوئے سمجھ کے کہا گر رہو رہو

خطرہ بہت ہے میر رہ صعب عشق میں
ایسا نہ ہو کہیں کہ دل و دیں کو کھو رہو

۸۲۴

۶۵۶۸ لائق نہیں تمھیں کہ ہمیں نا سزا کہو پر ہے یہی ہمارے کیے کی سزا کہو
چپکے رہے بھی چین نہیں تب کہے ہے یوں لب بستہ بیٹھے رہنے جو ہو مدّعا کہو
پیغام بر تو یار و تمھیں میں کر دل وے کیا جانوں جا کے حق میں مرے اُس سے کیا کہو
اب نیک و بد پہ عشق میں مجھ کو نظر نہیں اس میں مجھے برا کہو کوئی بھلا کہو
سر خاک آستاں پہ تمھاری رہا مدام اس پر بھی یا نصیب جو تم بے وفا کہو
۶۵۷۰ برسوں تلک تو گھر میں بلا گالیاں دیاں اب در پہ سُن کے کہنے لگے ہیں دُعا کہو
صحبت ہماری اُس کی جو ہے گفتنی نہیں کیا کہیے گر کہے کوئی یہ ماجرا کہو
یار و خصوصیت تو ہے اپنی اس کے ساتھ میرا کہو جو حال تو اس سے جدا کہو
آشفتہ مو حواس پریشاں خراب حال دیکھو مجھے تو خبطی دوانہ سڑا کہو

کب شرحِ شوق ہو سکے پر تو بھی میر جی
خط تم نے جو لکھا اسے کیا کیا لکھا کہو

۸۲۵

۶۵۷۵ مت سگ یار سے عوامے مساوات کرو اس کنے بیٹھنے پاؤ تو مباہات کرو
صحبت آخر ہے ہماری نہ کرو پھر افسوس متصل ہو سکے تو ہم سے ملاقات کرو
دیدنی ہے یہ ہوا شیخ جی سے کوئی کہے کہ چلو مے کدے ٹک تم تو کرامات کرو
تم تو تصویر ہوئے دیکھ کے کچھ آئینہ اتنی چپ بھی نہیں ہے خوب کوئی بات کرو

بس بہت دقت کیا شعر کے فن میں صنائع
میر اب پیر ہوئے ترک خیالات کرو

۸۲۶

۶۵۸۰ جوں غنچہ میر اتنے نہ بیٹھے رہا کرو گل پھول دیکھنے کو بھی ٹک اٹھ چلا کرو

بخل نے نہ زار نالی سے ہم ایک دم رہیں
تم بند بند کیوں نہ ہمارا جدا کرو

سوتے کے سوتے یوں ہی نہ رہ جائیں ہم کبھو
آنکھیں ادھر سے موند نہ اپنی لیا کرو

سودے میں اس کے بک گئے ایسے کئی ہزار
یوسف کا شور دور ہی سے تم سنا کرو

ہوتے ہو بے دماغ تو دیکھو ہو ٹک ادھر
غصے ہی ہم پہ کاشکے اکثر رہا کرو

یہ اضطراب دیکھ کہ اب دشمنوں سے بھی
کہتا ہوں اس کے ملنے کی کچھ تم دعا کرو ۶۵۸۵

دم رکتے ہیں سیاہی مژگاں ہی دیکھ کر
سرمہ لگا کے اور ہمیں مت خفا کرو

پورا کریں ہیں وعدے کو اپنے ہم آج کل
وعدے کے تئیں وصال کے تم بھی وفا کرو

دشمن ہیں اپنے جی کے تمھارے لیے ہوئے
تم بھی حقوق دوستی کے کچھ ادا کرو

اپنا چلے تو آپھی ستم سب اٹھائیے
تم کون چاہتا ہے کسو پر جفا کرو

ہر چند ساتھ جان کے ہے عشق میر لیک
اس دردِ لاعلاج کی کچھ تو دوا کرو ۶۵۹۰

## ۸۲۷

لا میری اور یارب آج ایک خوش کمر کو
قدرت سے اس کے دل کی کل پھیر دے ادھر کو

بے طاقتی میں شب کی پوچھو نہ ضبط میرا
ہاتھوں میں دل کو رکھا دانتوں تلے جگر کو

پھولا پھلا نہ اب تک ہرگز درخت خواہش
برسوں ہوئے کہ دوں ہوں خونِ دل اس شجر کو

ہے روزگار میرا ایسا سیہ کہ یارو
مشکل ہے فرق کرنا ٹک شام سے سحر کو

ہر چند ہے سخن کو تشبیہہ در سے لیکن
باتیں مری سنو تو تم پھینک دو گہر کو ۶۵۹۵

نزدیک ہے کہ جاویں ہم آپ سے اب آؤ
ملتے ہیں دوستوں سے جاتے ہوئے سفر کو

کب میر ابر ویسا برساوے کر اندھیری
جیسا کہ روتے ہم نے دیکھا ہے چشمِ تر کو

## ۸۲۸

مطرب نے پڑھی تھی غزل اک میر کی شب کو
مجلس میں بہت وجد کی حالت رہی سب کو

پھرتے ہیں چنانچہ لیے خدام بسلاتے
درویشوں کے پیراہن صد چاک قصب کو

کیا وجہ کہیں خوں شدنِ دل کی پیارے
دیکھو تو ہو آئینے میں تم جنبشِ لب کو ۶۶۰۰

برسوں تئیں جب ہم نے تردّد کیے ہیں تب    پہنچایا ہے آدم تئیں واعظ کے نسب کو
ہے رحم کو بھی راہ دلِ یار میں بارے    جا گہ نہیں یاں ورنہ کہیں اس کے غضب کو
کیا ہم سے گنہگار ہیں یہ سب جو موئے ہیں    کچھ پوچھ نہ اُس شوخ کی رنجش کے سبب کو
دل دینے سے اس طرح کے جی کاش کے دیتے    یوں کھینچے کوئی کب تئیں اس رنج و تعب کو
۶۶۰۵ حیرت ہے کہ ہے مدّعی معرفت اک خلق    کچھ ہم نے تو پایا نہیں اب تک ترے ڈھب کو

ہوگا کسو دیوار کے سائے میں پڑا میرؔ
کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

## ۸۲۹

ملا یا رب کہیں اس صید افگن سر بسر کیں کو    کہ افشاں کیجے خوں اپنے سے اُس کے دامنِ زیں کو
گئے وے سابقے سارے خصوصیت ہی پیارے    کبھو ورتک تو آ بارے ہمارے دل کی تسکیں کو
پیے جاتے نہیں بس اب لہو کے گھونٹ یہ مجھ سے    بہت پی پی گیا ڈر سے ترے میں اشکِ خونیں کو
۶۶۱۰ نہ لکھیں یار کو محضر ہمارے خونِ ناحق کا    دکھا دیویں گے ہم محشر میں اس کے دستِ رنگیں کو
بجز حیرت نہ بن آوے گی کوئی شکل پھر اس سے    دکھایا ہم نے گر چہرہ ترا صورت گر چیں کو
ابھر کر سنگ کے تختے سے پھر دیکھا کیا اودھر    محبت ہو گئی تھی کوہ کن سے نقشِ شیریں کو
ہم اُس کے چاند سے منھ کے ہیں عاشق مہ سے کیا ہم کو    سر اپنا ایک ہی مارا کرے اس خشتِ سیمیں کو
ہوئے کیا کیا مقدّس لوگ آوارہ ترے غم میں    سبک پاکر دکھایا شوخ تونے اہلِ تمکیں کو
۶۶۱۵ بہت مدت ہوئی صحرا سے مجنوں کی خبر آئے    نہیں معلوم پیش آیا ہے کیا اس یارِ دیریں کو
لئے تسبیح ہاتھوں میں جو تو باتیں بناتا ہے    نہیں تم دیکھا ہے واعظ تو نے اس غارت گرِ دیں کو

گیا کوچے سے تیرے اٹھ کے میرؔ آشفتہ سر شاید
پڑا دیکھا تھا میں نے رہ میں اس کے سنگِ بالیں کو

## ۸۳۰

کیا چہرے خدا نے دیے ان خوش پسروں کو    دینا تھا تنک رحم بھی بیداد گروں کو
آنکھوں سے ہوئی خانہ خرابیِ دل اے کاش    کر لیتے تبھی بند ہم ان دونوں دروں کو
۶۶۲۰ پرواز گلستاں کے تو شائستہ نہ نکلی    پروانہ نمط آگ ہم اب دیں گے پروں کو

سب طائرِ قدسی ہیں یہ جو زیرِ فلک ہیں
موندا ہے کہاں عشق نے ان جانوروں کو

زنہار ترے دل کی توجہ نہ ہوا یدھر
آگے ترے ہم کاڑھ رکھیں گر جگروں کو

پیراہنِ صد چاک سلاتے ہیں مرا لوگ
تہ سے نہیں مطلق خبر ان بے خبروں کو

جوں اشک جہاں جاتے رہیں گے تو گئے پھر
دیکھا کرو ٹک آن کے ہم دیدہ تروں کو

اس باغ کے ہر گل سے چپک جاتی ہیں آنکھیں
مشکل بنی ہے آن کے صاحب نظروں کو ۶۶۲۵

آدابِ جنوں چاہیئے ہم سے کوئی سیکھے
دیکھا ہے بہت یاروں نے آشفتہ سروں کو

اندیشہ کی جاگہ ہے بہت میر جی مرنا
درپیش عجب راہ ہے ہم نو سفروں کو

## ۸۳۱

عنایتِ ازلی سے جو دل بلا مجھ کو
محلِ شکر ہے آتا نہیں گلا مجھ کو

تنک شرابِ ضعیف الدماغ ہوں ساقی
دمِ سحر مے پُر زور مت پلا مجھ کو

پڑا رہے کوئی مردہ سا کب تلک خاموش
ہلا کہیں لبِ جاں بخش کو جلا مجھ کو ۶۶۳۰

جنوں میں سخت ہے اس لطف سے علاقۂ دل
خوش آگیا ہے نہایت یہ سلسلا مجھ کو

فلک کی چرخ زنی برسوں ہو تو مجھ سا ہو
سمجھ سمجھ کے تنک خاک میں ملا مجھ کو

رہا تھا خوں تئیں ہمرہ سو ابھی خوں ہے حنیف
رفیق تجھ سا ملے گا کہاں دلا مجھ کو

درستی جیب کی اتنی نہیں ہے اے ناصح
بنے تو سینۂ صد چاک دے سلا مجھ کو

ہوا ہوں خاک پہ دل کی وہی ہے ناصافی
ابھی اس آئینے کی کرنی ہے جلا مجھ کو ۶۶۳۵

مگر کہ مردنِ دشوار میر سہل ہے شوخ
ہلاک کرتا ہے تیرا مسا بلا مجھ کو

## ۸۳۲

ہوتی کچھ عشق کی غیرت بھی اگر بلبل کو
صبح کی باؤ سے لگ لگنے نہ دیتی گل کو

میں نے سر اپنا دھنا تھا تبھی اس شوخ نے جب
پگڑی کے پیچ سے باندھا تھا اٹھا کاکل کو

مستی ان آنکھوں سے نکلے ہے اگر دیکھو خوب
خلق بدنام عبث کرتی ہے جامِ مُل کو

جیسے ہوتی ہے کتاب ایک ورق بن ناقص
نسبتِ تام اسی طور سے ہے جزو سے کل کو ۶۶۴۰

ایک لحظے ہی میں بل سارے نکل جاتے میر
پیچ اس زلف کے دینے تھے دکھا سنبل کو

## ۸۳۳

یوں کب ہوا ہے پیارے پاس اپنے تم بلا لو — دو باتیں گر لکھوں میں دل کو ٹک اک لگا لو
اب جو نصیب میں ہے سو دیکھ لوں گا میں بھی — تم دستِ لطف اپنا سر سے مرے اٹھا لو
جنبش بھی اس کے آگے ہونٹھوں کو ہو تو کہیو — یوں اپنے طور پر تم باتیں بہت بنا لو
۶۶۴۵ دو نعروں ہی میں شب کے ہو گا مکان ہو گا — سن رکھو کان رکھ کر یہ بات بستی والو
نامِ خدا ستم میں تم نامور تو ہو ہی — پر ایک دو کو یوں ہی اللہ مار ڈالو
زلف اور خال و خط کا سودا نہیں ہے اچھا — یارو بنے تو سر سے جلد اس بلا کو ٹالو
یارانِ رفتہ ایسے کیا دور تر گئے ہیں — ٹک کر کے تیز گامی اس قافلے کو جا لو
بازاری سارے وے ہی کہتے ہیں راز بیٹھے — جن کو ہمیں کہا ہے تم منھ سے مت نکالو

یوں رفتہ اور بے خود کب تک رہا کرو گے
۶۶۵۰ تم اب بھی میر صاحب اپنے تئیں سنبھالو

ه

## ۸۳۴

یاد جب آتی ہے وہ زلفِ سیاہ — سانپ سا چھاتی پہ پھر جاتا ہے آہ
کھل گیا منھ اب تو اس محبوب کا — کچھ سخن کی بھی نکل آوے گی راہ
شرم کرنی تھی مرا سر کاٹ کر — سو تو ان نے اور ٹیڑھی کی کلاہ
یار کا وہ ناز اپنا یہ نیاز — دیکھیے ہوتا ہے کیوں کر یوں نباہ
۶۶۶۰ دین میں اس کافرِ بے رحم کے — اجر اک کھتا ہے خونِ بے گناہ
پتھروں سے سینہ کوبی میں نے کی — دل کے ماتم میں مری چھاتی سراہ
مول سے چک مجھ کو آنکھیں مُندکر — دیکھ تو قیمت ہے میری اک نگاہ
لذتِ دنیا سے کیا بہرہ ہمیں — پاس ہے رنڈی ڈلے ہے ضعفِ باہ
روٹھ کر کیا آپ سے ملنے میں لطف — ہووے وہ بھی تو کبھو ٹک عذر خواہ

ضبط بہتیرا ہی کرتے ہیں ولے — آہ اک منھ سے نکل جاتی ہے گاہ ۶۶۶۸

اس کے رو کے لیے فتنہ ہی آئے ہیں یاں — آج سے تو کچھ نہیں یہ جی کی چاہ

دیکھ رہتے دھوکے اس رخسار کے — دایہ منھ دھوتے جو کہتی ماہ ماہ

شیخ تو نے خوب سمجھا میرؔ کو

واہ وا اے بے حقیقت واہ واہ

## ۸۳۵

ظالم یہ کیا نکالی رفتار رفتہ رفتہ — اس چال پر چلے گی تلوار رفتہ رفتہ

ہر آن ہم کو تجھ بن ایک اک برس ہوئی ہے — کیا آگیا زمانہ اے یار رفتہ رفتہ ۶۶۷۰

کیا کہیے کیونکہ جانیں بے پردہ جاتیاں ہیں — اس معنی کا بھی ہوگا اظہار رفتہ رفتہ

یہ ہی سلوک اس کے اکثر چلے گئے تو — بیٹھیں گے اپنے گھر ہم ناچار رفتہ رفتہ

پامال ہٹل کہ اس میں ہم بن خاک سے برابر — اب ہو گیا ہے سب کچھ ہموار رفتہ رفتہ

چاہت میں خلل مت مے نہار آرزو کو — کر دے ہے دل کی خواہش بیمار رفتہ رفتہ

خاطر نہ جمع رکھو ان پلکوں کی خلش سے — سر دل سے کاڑھتے ہیں یاں خار رفتہ رفتہ ۶۶۷۵

تھے ایک ہم وے دونوں سو اتحاد کیسا — ہر بات پر اب آئی تکرار رفتہ رفتہ

گر بت کدے میں جانا ایسا ہے میرؔ جی کا

تو تار سبحہ ہوگا زنّار رفتہ رفتہ

## ۸۳۶

پیدا نہیں جہاں میں قید جہاں سے رستہ — مانند برق ہیں یاں وے لوگ جستہ جستہ

ظالم بھلی نہیں ہے برہم زنی مژگاں — مر جائے گا کسو دن یوں کوئی سینہ خستہ

پا سے حنائی اس کے ہاتھوں ہی پر رکھے ہیں — پر اس کو خوش نہ آیا یہ کار دست بستہ ۶۶۸۱

شہر چمن سے کچھ کم دشت جنوں نہیں ہے — یاں گل ہیں رستہ رستہ واں باغ دستہ دستہ

معمار کا وہ لڑکا پتھر ہے اس کی خاطر

کیوں خاک میں ملا تو اے میرؔ دل شکستہ

ٹک پاس آکے کیسے صرفے سے ہیں کشیدہ ۸۳۷ گویا کہ ہیں یہ لڑکے پیر زمانہ دیدہ

اب خاک تو ہماری سب سبز ہو چلی ہے — کب منھ ادھر کرے گا وہ آہوے رمیدہ

۶۶۸۵ یوسف سے کوئی کیونکر اس ماہ کو ملا دے — ہے فرق رات دن کا از دیدہ تا شنیدہ

بندے کے درد دل کو کوئی نہیں پہنچتا — ہر ایک بے حقیقت یاں ہے خدا رسیدہ

کیا وسوسہ ہے مجھ کو عزت سے جینے کا یاں — نکلا نہ میرے دل سے یہ خار ناخلیدہ

ہم کاڑھ کر جگر بھی آگے تمھارے رکھا — پھر بانصیب اس پر تم جو ہوئے کبیدہ

سائے سے اپنے وحشت ہم کو رہی ہمیشہ — جوں آفتاب ہم بھی کیسے رہے جریدہ

۶۶۹۰ منصور کی نظر تھی جو دار کی طرف سو — پھل وہ درخت لایا آخر سر بریدہ

ذوق سخن ہوا ہے اب تو بہت ہمیں بھی
لکھ لیں گے میر جی کے کچھ شعر چیدہ چیدہ

۸۳۸

بھرتی ہیں اس کی آنکھیں آنکھوں تلے ہمیشہ — رہتا ہے آب دیدہ یاں تا گلے ہمیشہ

تصدیع ایک دو دن ہووے تو کوئی کھینچے — تڑپے ہے جگر ہمیشہ چھاتی جلے ہمیشہ

اک اس مغل بچے کو وعدہ وفا نہ کرنا — کچھ جا کہیں تو کرنا آرے بلے ہمیشہ

۶۶۹۵ کب تک وفا کرے گا یوں حوصلہ ہمارا — دل پیسے درد اکثر غم جی ملے ہمیشہ

اس جسم خاکی سے ہم مٹی میں اٹ رہے ہیں — یوں خاک میں کہاں تک کوئی رلے ہمیشہ

آئندہ و روندہ باد سحر کبوتر — قاصد نیا ادھر کو کب تک چلے ہمیشہ

مسجد میں چل کے ملیے جمعے کے دن بنے تو
ہوتے ہیں میر صاحب واں دن ڈھلے ہمیشہ

۸۳۹

لطف کیا ہر کسو کی چاہ کے ساتھ — چاہ وہ ہے جو ہو نباہ کے ساتھ

۶۷۰۰ وقت کڑھنے کے ہاتھ دل پر رکھ — جان جاتی رہے نہ آہ کے ساتھ

عشق میں ترک سر کیے ہی بنے — مشورت تو بھی کر کلاہ کے ساتھ

ہو اگر چند آسماں پہ ولے — نسبت اس مہ کو کیا ہے ماہ کے ساتھ

سفری وہ جو مہ ہوا تا دیر — چشم اپنی تھی گرد راہ کے ساتھ

جاذبہ تو ان آنکھوں کا دیکھا　　جی کھنچے جاتے ہیں نگاہ کے ساتھ

میرؔ سے تم بُرے ہی رہتے ہو
کیا شرارت ہے خیر خواہ کے ساتھ　　۹۷۰۵

۸۴۰

ہم سے کیوں اُلجھا کرے ہے آ سمجھ اے ناسمجھ　　کج طبیعت جو مخالف ہیں انھوں سے جا سمجھ

یار کی ان بھولی باتوں پر نہ جا اے ہم نشیں　　ایک فتنہ ہے وہ اس کو آہ مت لڑکا سمجھ

خوبرو عشاق سے بدپیش آتے ہی سنے　　گرچہ خوش ظاہر ہیں یہ پر ان کو مت اچھا سمجھ

باغباں بے رحم گُل بے دید موسم بے وفا　　آشیاں اس باغ میں بلبل نے باندھا کیا سمجھ

میں جو نرمی کی تو دُونا سر چڑھا وہ بدمعاش　　کھا گئے ہی کو دوڑتا ہے اب مجھے حلوا سمجھ　　۹۷۱۰

دور سے دیکھی جو بدحالی وہیں سے ٹل گیا　　دو قدم آگے نہ آیا مجھ کو وہ مرتا سمجھ

میرؔ کی عیاریاں معلوم لڑکوں کو نہیں
کرتے ہیں کیا کیا ادائیں اُس کو سادا سا سمجھ

۸۴۱

کھینچتا ہے دلوں کو صحرا کچھ　　ہے مزاجوں میں اپنے سودا کچھ

دل نہیں جمع چشمِ تر سے اب　　پھیلتا سا چلا یہ دریا کچھ

شہر میں حشر کیوں نہ برپا ہو　　شور ہے میرے سر میں کیسا کچھ　　۹۷۱۵

دیسے ظاہر کا لطف ہے چھپنا　　کم تماشا نہیں یہ پردا کچھ

خلق کی کیا سمجھ میں وہ آیا　　آپ سے تو گیا نہ سمجھا کچھ

یاس سے مجھ کو بھی ہو استغنا　　گو نہ ہو اس کو میری پروا کچھ

کچھ نہ دیکھا تھا ہم نے پر تو بھی　　آنکھ میں آئی ہی نہ دُنیا کچھ

اب تو بگڑے ہی جاتے ہیں خوباں　　رنگِ صحبت نہیں ہے اچھا کچھ　　۹۷۲۰

کچھ کہو دور ہے بہت وہ شوخ　　اپنے نزدیک تو نہ ٹھہرا کچھ

وصل اس کا خدا نصیب کرے
میرؔ دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ

### ۸۴۲

بود نقش و نگار سا ہے کچھ
صورت اک اعتبار سا ہے کچھ

یہ جو مہلت جسے کہیں ہیں عمر
دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ

۶۷۲۵ منھ نہ ہم جبریوں کا کھلواؤ
کہنے کو اختیار سا ہے کچھ

منتظر اس کی گرد راہ کے تھے
آنکھوں میں سو غبار سا ہے کچھ

ضعف پیری میں زندگانی بھی
دوش پر اپنے بار سا ہے کچھ

کیا ہے دیکھو ہو جو ادھر ہر دم
اور چتون میں پیار سا ہے کچھ

اس کی برہم زنی مژگاں سے
دل میں اب خار خار سا ہے کچھ

جیسے عنقا کہاں ہیں ہم اے میر
۶۷۳۰ شہروں میں اشتہار سا ہے کچھ

### ۸۴۳

آوے کہنے میں رہا ہو غم سے گر احوال کچھ
جاں بہ لب رہتے ہیں پر کہتے نہیں ہیں حال کچھ

بے دری سے داغ ہیں لیکن لبوں پر مہر ہے
کہیے حاجت اپنی لوگوں سے جو شے ہو مال کچھ

کام کو مشکل دل پر آرزو نے کر دیا
یاس کلی ہو چکو تو پھر نہیں اشکال کچھ

دل ترا آیا کسو کے پیچ میں جو سدھ گئی
متصل بکھرے رہا کرتے ہیں منھ پر بال کچھ

۶۷۳۵ ماہ سے ماہی تلک اس داغ میں ہیں مبتلا
کیا بلا ہے جان ہے میر اتمھارا حال کچھ

ایک دن کنج قفس ہی میں ہم کہیں رہ جائیں گے
بے کلی گل بن بہت رہتی ہے اب کے سال کچھ

کیا اس آتش باز کے لونڈے کا اتنا شوق میر
بہہ چلی ہے دیکھ کر اس کو تمھاری رال کچھ

### ۸۴۴

اب تو صبا چمن سے آتی نہیں ادھر کچھ
ہم تک نہیں پہنچتی گل کی خبر عطر کچھ

ذوق خبر میں ہم تو بے ہوش ہو گئے تھے
کیا جانے کب وہ آیا ہم کو نہیں خبر کچھ

۶۷۴۰ یہ طشت و تیغ ہے اب یہ میں ہوں اور یہ تو
ہے ساتھ میرے ظالم دعویٰ تجھے اگر کچھ

وے دن گئے کہ بے غم کوئی گھڑی کٹے تھی
تھمتے نہیں ہیں آنسو اب تو پہر پہر کچھ

ان اُجڑی بستیوں میں دیوار و در ہیں کیا کیا — آثار جن کے ہیں یہ اُن کا نہیں اثر کچھ

واعظ نہ ہو معارض نیک و بد جہاں سے — جو ہو سکے تو غافل اپنا ہی فکر کر کچھ

آنکھوں میں میری عالم سارا سیاہ ہے اب — مجھ کو بغیر اُس کے آتا نہیں نظر کچھ

ہم نے تو ناخنوں سے مُنھ سارا نوچ ڈالا — اب کوہ کن دکھاوے رکھتا ہے گر ہنر کچھ ۶۷۴۵

تلوار کے تلے ہی کاٹی ہے عمر ساری — ابرو نے خم سے اُس کے ہم کو نہیں ہے ڈر کچھ

گہ شیفتہ ہیں مُو کے گہ باؤلے ہیں رُو کے
احوال میر جی کا ہے شام کچھ سحر کچھ

# ی

## ۸۴۵

ہم سے دیکھا کہ محبت نے ادا کیا کیا کی — ایک دل قطرۂ خوں تس پہ جفا کیا کیا کی

کس کو لاگی کہ نہ لوہو میں ڈبایا اُس کو — اُس کی شمشیر کی جدول بھی بہا کیا کیا کی

جان کے ساتھ ہی آخر مرض عشق گیا — جی بھلا ٹک نہ ہوا ہم نے دوا کیا کیا کی ۶۷۵۰

اُن نے چھوڑی نہ طرف جور و جفا کی ہرگز — ہم نے یوں اپنی طرف سے تو وفا کیا کیا کی

سجدہ اک صبح ترے در کا کروں اس خاطر — میں نے محراب میں راتوں کو دعا کیا کیا کی

آگ سی پھنکتی ہی دن رات رہا کی تن میں — جانِ غمناک ترے غم میں جلا کیا کیا کی

میر نے ہونٹھوں سے اُس کے نہ اُٹھایا جی کو
خلق اُس کے تئیں یہ سن کے کہا کیا کیا کی

## ۸۴۶

کچھ کرو فکر مجھ دوانے کی — دھوم ہے پھر بہار آنے کی ۶۷۵۵

دل کا اُس کنجِ لب سے دے ہیں نشاں — بات لگتی تو ہے ٹھکانے کی

وہ جو پھرتا ہے مجھ سے دور ہی دور — ہے یہ تقریب جی کے جانے کی

تیز یوں ہی نہ تھی شب آتش شوق — تھی خبر گرم اُس کے آنے کی

خضر اُس خطِ سبز پر تو موا — دھن ہے اب اپنے زہر کھانے کی

۶۷۶۰ دلِ صد چاک باب زلف ہے لیک — باؤسی بندھ رہی ہے شانے کی
کسو کم ظرف نے لگائی آہ — قطعہ تجھ سے مے خانے کے جلانے کی
ورنہ اے شیخ شہر واجب تھی — جام داری شراب خانے کی

جو ہے سو پائمالِ غم ہے میر
چال بے ڈول ہے زمانے کی

## ۸۴۷

میر دریا ہے سنے شعر زبانی اُس کی — اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اُس کی
۶۷۶۵ خاطرِ بادیہ سے دیر میں جاوے گی کہیں — خاک مانند بگولے کے اُڑانی اُس کی
ایک ہے عہد میں اپنے وہ پراگندہ مزاج — اپنی آنکھوں میں نہ آیا کوئی ثانی اُس کی
مینھ تو بوچھار کا دیکھا ہے برستے تم نے — اسی انداز سے تھی اشک فشانی اُس کی
بات کی طرز کو دیکھو تو کوئی جادو تھا — پر ملی خاک میں کیا سحر بیانی اُس کی
کر کے تعویذ رکھیں اُس کو بہت بھاتی ہے — وہ نظر پاؤں پہ وہ بات دِوانی اُس کی
۶۷۷۰ اُس کا وہ عجز تمھارا یہ غرورِ خوبی — منتیں اُن نے بہت کیں پہ نہ مانی اُس کی
کچھ لکھا ہے تجھے ہر برگ پہ اے رشکِ بہار — رقعہ واریں ہیں یہ اوراق خزانی اُس کی
سرگزشت اپنی کس اندوہ سے شب کہتا تھا — سو گئے تم نہ سنی آہ کہانی اُس کی
مرثیے دل کے کئی کہہ کے دیے لوگوں کو — شہرِ دلی میں ہے سب پاس نشانی اُس کی
میان سے نکلی ہی پڑتی تھی تمھاری تلوار — کیا عوض چاہ کا تھا خصمی جانی اُس کی
۶۷۷۵ آبلے کی سی طرح ٹھیس لگی پھوٹ بہے — دردمندی میں گئی ساری جوانی اُس کی

اب گئے اُس کے جز افسوس نہیں کچھ حاصل
حیفِ صد حیف کہ کچھ قدر نہ جانی اُس کی

## ۸۴۸

کی سیر ہم نے سینۂ یکسر فگار کی — اس تختے نے بھی اب کے قیامت بہار کی
دریاے حسنِ یار تلاطم کرے کہیں — خواہش ہے اپنے جی میں بھی بوس و کنار کی
اپنا بھی جی اسیر تھا آوازِ عندلیب — دل میں چبھا کی رات کو جوں نوک خار کی

آنکھیں غبار لائیں مری انتظار میں — دیکھوں تو گرد کب اُٹھے اُس رہ گذار کی ۶۷۸۰

مقدور تک تو ضبط کروں ہوں پہ کیا کروں — منھ سے نکل ہی جاتی ہے اک بات پیار کی

اب گرد سر پھروں ترے ہنوں ہیں فقیر محض — رکھتا تھا ایک جان سو تجھ پر نثار کی

کیا صید کی تڑپھ کو اٹھا سکے دماغ یار — نازک بہت ہے طبع مرے دل شکار کی

رکھتا نہیں طریق وفا میں کبھو قدم — ہم کچھ نہ سمجھے راہ و روش اپنے یار کی

کیا جانوں چشم تر سے اُدھر دل پہ کیا ہوا ۶۷۸۵

کس کو خبر ہے میر سمندر کے پار کی

## ۸۴۹

پٹہ بازی ہے چرخ گرداں کی — سر ہمارے ہیں گوے میداں کی

جی گیا اُس کے تیر کے ہمراہ — تھی تواضع ضرور مہماں کی

ہیں لیے آبروے خنجر و تیغ — ترچھی پلکیں تری بھویں بانکی

پھوڑ ڈالیں گے سر ہی اُس در پر — منت اٹھتی نہیں ہے درباں کی

سر دامن سے گفتگو کریے — بات بگڑی لب گریباں کی ۶۷۹۰

اُس بت شوخ کی ہے طینت میں — دشمنی میرے دین و ایماں کی

آدمی سے مَلک کو کیا نسبت

شان ارفع ہے میر انساں کی

## ۸۵۰

رکھا گنہ وفا کا تقصیر کیا نکالی — مارا خراب کر کر تعزیر کیا نکالی

رہتی ہے جیت چڑھی ہی دن رات تیری صورت — صفحے پہ دل کے میں نے تصویر کیا نکالی

چپ بھی مری جتائی اُس سے مخالفوں نے — بات اور جب بنائی تقریر کیا نکالی ۶۷۹۵

بس تھی بھویں تو تیری ابرو کی ایک جنبش — خوں ریزی کو ہماری شمشیر کیا نکالی

کی اُس طبیب جاں نے تجویز مرگ عاشق — آزار کے مناسب تدبیر کیا نکالی

دل بند ہے ہمارا موج ہواے گل سے — اب کے جنوں میں ہم نے زنجیر کیا نکالی

نامے پہ لوہو رو رو خط کھینچ ڈالے سارے — یہ میر بیٹھے بیٹھے تحریر کیا نکالی

۶۸۰۰ جی رشک سے گئے جو ادھر کو صبا چلی — کیا کہیے آج صبح عجب کچھ ہوا چلی

کیا رنگ و بو و بادِ سحر سب ہیں گرمِ راہ — کیا ہے جو اس چمن میں ہے ایسی چلا چلی

تو دو قدم جو راہ چلا گرم اے نگار — مہندی کفک کی آگ دلوں میں لگا چلی

فتنہ ہے اُس سے شہر میں برپا ہزار جا — تلوار اس کی چال پہ کیا ایک جا چلی

یہ جور و جور کش تھے کہاں آگے عشق میں
تجھ سے جفا و میرؔ سے رسمِ وفا چلی

## ۸۵۲

۶۸۰۵ آج کچھ بے حجاب ہے وہ بھی — کیا ہی مستِ شراب ہے وہ بھی

میں بھی جلتا نہیں جدا دل سے — دور مجھ سے کباب ہے وہ بھی

سائلِ بوسہ سب گئے محروم — ایک حاضر جواب ہے وہ بھی

وہم جس کو محیط سمجھا ہے — دیکھیے تو سراب ہے وہ بھی

کم نہیں کچھ صبا سے اشکِ گرم — قاصدِ پُر شتاب ہے وہ بھی

۶۸۱۰ حُسن سے دودِ دل نہیں خالی — زلفِ پُر پیچ و تاب ہے وہ بھی

خانہ آباد کعبے میں تھا میرؔ
کیا خدائی خراب ہے وہ بھی

## ۸۵۳

دزدیدہ نگہ کرنا پھر آنکھ ملانا بھی — اس لوٹتے دامن کو پاس آ کے اٹھانا بھی

پامالیِ عاشق کو منظور رکھے جانا — پھر چال کڈھب چلنا ٹھوکر نہ لگانا بھی

برقع کو اٹھا دینا پر آدھے ہی چہرے سے — کیا منھ کو چھپانا بھی کچھ جھمکی دکھانا بھی

دیکھ آنکھیں مری نیچی اک مارنا پتھر بھی — ظاہر میں ستانا بھی پردے میں جتانا بھی

صحبت ہے یہ ویسی ہی اے جان کی آسایش
ساتھ آن کے سونا بھی پھر منھ کو چھپانا بھی

## ۸۵۴

یار بن تلخ زندگانی تھی — دوستیِ مدعیِ جانی تھی

سر سے اُس کی ہوا گئی نہ کبھو | عمر برباد یوں ہی جانی تھی
لطف پر اُس کے ہم نشیں مت جا | کبھو ہم پر بھی مہربانی تھی
ہاتھ آتا جو تو تو کیا ہوتا | برسوں تک ہم نے خاک چھانی تھی ۶۸۲۰
شیب میں فائدہ تامل کا | سوچنا تب تھا جب جوانی تھی
میرے قصے سے سب کی گئیں نیندیں | کچھ عجب طور کی کہانی تھی
عاشقی جی ہی لے گئی آخر | یہ بلا کوئی ناگہانی تھی
اس رخ آتشیں کی شرم سے رات | شمع مجلس میں پانی پانی تھی
پھر سخن نشنوی ہے ویسی ہی | رات ایک آدھ بات مانی تھی ۶۸۲۵
کوے قاتل سے بچ کے نکلا خضر | اسی میں اُس کی زندگانی تھی

فقر پر بھی تھا میر کے اک رنگ
کفنی پہنی سو زعفرانی تھی

## ۸۵۵

وہ رابطہ نہیں وہ محبت نہیں رہی | اُس بے وفا کو ہم سے کچھ اُلفت نہیں رہی
دیکھا تو مثل اشک نظر سے گرا دیا | اب میری اُس کی آنکھ میں عزت نہیں رہی
رہنے سے جی کے کس کو رہا ہے دماغ حرف | دم لینے کی بھی ہم کو تو فرصت نہیں رہی ۶۸۳۰
تھی تاب جی میں جب تئیں رنج و تعب کھنچے | وہ جسم اب نہیں ہے وہ قدرت نہیں رہی
منعم امل کا طول یہ کس جینے کے لیے | جتنی گئی اب اتنی تو مدت نہیں رہی
دیوانگی سے اپنی ہے اب ساری بات خبط | افراطِ اشتیاق سے وہ مت نہیں رہی

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

## ۸۵۶

عشق میں ذلت ہوئی خفت ہوئی تہمت ہوئی | آخر آخر جان دی یاروں نے یہ صحبت ہوئی ۶۸۳۵
عکس اس بے دید کا تو متصل پڑتا تھا صبح | دن چڑھے کیا جانوں آئینے کی کیا صورت ہوئی
لوح سینہ پر مرے سو نیزۂ خطی لگے | خستگی اس دلِ شکستہ کی اسی بابت ہوئی

کھولتے ہی آنکھیں پھر یاں مُوندنی ہم کو پڑیں
دید کیا کوئی کرے وہ کِس قدر مُہلت ہُوئی

پاؤں میرا کلبۂ احزاں میں اب رہتا نہیں
رفتہ رفتہ اُس طرف جانے کی مجھ کو لَت ہُوئی

۶۸۴۰ مر گیا آوارہ ہو کر میں تو جیسے گردباد
پر جسے یہ واقعہ پہنچا اُسے وحشت ہُوئی

شاد و خوش طالع کوئی ہوگا کِسو کو چاہ کر
میں تو کُلفت میں رہا جب سے مجھے اُلفت ہُوئی

دل کا جانا آج کل تازہ ہوا ہو تو کہوں
گُزرے اس بھی سانحے کو ہم نشیں مُدّت ہُوئی

شوقِ دل ہم ناتوانوں کا لکھا جاتا ہے کب
اس تلک آپ ہی پہنچنے کی اگر طاقت ہُوئی

کیا کفِ دست ایک میداں تھا بیاباں عشق کا
جان سے جب اِس میں گُزرے تب ہمیں راحت ہُوئی

۶۸۴۵ یوں تو ہم عاجزترینِ خلقِ عالَم ہیں ولے
دیکھیو قُدرت خُدا کی گر ہمیں قُدرت ہُوئی

گوش زد چٹ پٹ ہی مرنا عشق میں اپنے ہوا
کِس کو اس بیماریِ جانکاہ سے فُرصت ہُوئی

بے زباں جو کہتے ہیں مجھ کو سو چُپ رہ جائیں گے
معرکے میں حشر کے گر بات کی رُخصت ہُوئی

ہم نہ کہتے تھے کہ نقش اس کا نہیں نقاش سہل
چاند سارا لگ گیا تب نیم رُخ صورت ہُوئی

اس غزل پر شام سے تو صُوفیوں کو وجد تھا
پھر نہیں معلوم کچھ مجلس کی کیا حالت ہُوئی

کم کِسو کو مِیرؔ کی میّت کی ہاتھ آئی نماز
۶۸۵۰ نعش پر اس بے سر و پا کی بلا کثرت ہُوئی

## ۸۵۷

قوت کو پیرانہ سری میں حیرانی ہُوئی
اب کے جو آئے سفر سے خوب مہمانی ہُوئی

باؤلے سے جب تلک بکتے تھے سب کرتے تھے پیار
عقل کی باتیں کیاں کیا ہم سے نادانی ہُوئی

لوہو پانی ایک دونوں نے کیا میرا اندان
یعنی دل لوہو ہوا سب چشم سب پانی ہُوئی

کیا چھپا کچھ رہ گیا ہے مُدّعائے خطِ شوق
رقعہ دار اب اشکِ خونیں سے تو افشانی ہُوئی

۶۸۵۵ آنکھ اُٹھا کر ٹک جسے دیکھا گھر کے گھر بٹھلا دیے
اِک نگہ میں سیکڑوں کی خانہ ویرانی ہُوئی

مرتبہ واجب کا سمجھے آدمی ممکن نہیں
فہم سودائی ہُوا یاں عقل دیوانی ہُوئی

چاہ کر اُس بے وفا کو آخر اپنی جان دی
دوستی اُس کی ہماری دشمنِ جانی ہُوئی

بلبل اس خوبی سے گُل ہے سینہ سیما سے یار
تو عبث اے بے حقیقت غنچہ پیشانی ہُوئی

شیخ مت یادِ بتاں کو رات کا سا ذکر جان
یا صنم گوئی ہماری کیا خدا خوانی ہُوئی

غنچۂ گُل ہے گلابی پھول ہے جامِ شراب
توڑنے تو توڑی توبہ اب پشیمانی ہوئی ۶۸۶۰

چشم ہوتے ہوتے تر کچھ سب بھری رہنے لگی
اب ہوئی خطرے کی جاگہ کشتی طوفانی ہوئی

دِل تڑپتا تھا نہایت جان دے تسکین کی
بارے اپنی ایسی مشکل کی بھی آسانی ہوئی

جب سے دیکھا اس کو ہم نے جی ڈُھہا جاتا ہے میرؔ
اس خرابی کی یہ چشمِ زردسیہ بانی ہوئی

## ۸۵۸

بتوں سے آنکھ کیوں میں نے لڑائی
طرف ہے مجھ سے اب ساری خدائی

بڑا دھوکا ہی ہے دریائے ہستی
نہیں کچھ تہ سے تجھ کو آشنائی ۶۸۶۵

بگڑتی ہی گئی صورت ہماری
گئے پر دل کے پھر کچھ بن نہ آئی

نہ نکلا ایک شب اس راہ وہ ماہ
بہت کی ہم نے طالع آزمائی

کہا تھا میں نہ دیکھو غیر کی اور
سو تم نے آنکھ مجھ سے ہی چھپائی

نہ ملیے خاک میں کہہ کیوں کہ پیارے
گزرتی ہے کڑی تیری جدائی

جفا اس کی نہ پہنچی انتہا کو
دریغا عمر نے کی بے وفائی ۶۸۷۰

گلے اس مہ نے لگ کر ایک دو رات
مہینوں تک مری چھاتی جلائی

نہ تھا جب درمیاں آئینہ تب تک
تھی یک صورت کہ ہو جاوے صفائی

نظر اس کی پڑی چہرے پر اپنے
نمد پوشوں سے آنکھ اب کب ملائی

بڑھائی کس قدر بات اس کے تد کی
قیامت میرؔ صاحب ہیں چوائی

## ۸۵۹

مطرب سے غزل میرؔ کی کل میں نے پڑھائی
اللہ رے اثر سب کے تئیں رفتگی آئی ۶۸۷۵

اس مطلعِ جاں سوز نے آ اس کے لبوں پر
کیا کہیے کہ کیا صوفیوں کی چھاتی جلائی

خاطر کے علاقے کے سبب جان کھپائی
اس دل کے دھڑکنے سے عجب کلفت اٹھائی

گو اس رخِ مہتابی سے واں چاندنی چھٹکی
یاں رنگِ شکستہ سے بھی چھٹتی ہے ہوائی

ہر بحر میں اشعار کہے عمر کو کھویا
اس گوہرِ نایاب کی کچھ بات نہ پائی

۶۸۸۰ بھیڑیں ٹلیں اس ابروئے خم دار کے ہلتے
لاکھوں میں اُس اوباش نے تلوار چلائی

دل اور جگر جل کے مرے دونوں ہوئے خاک
کیا پوچھتے ہو عشق نے کیا آگ لگائی

قاصد کے تصنّع نے کیا دل کے تئیں داغ
بیتاب مجھے دیکھ کے کچھ بات بنائی

چھپکی ہے مری آنکھ لبِ لعلِ بتاں سے
اس بات کے تئیں جانتی ہے ساری خدائی

میں دَیر پہنچ کر نہ کیا قصدِ حرم پھر
اپنی سی جرس نے کی بہت ہرزہ درائی

۶۸۸۵ فریاد انھیں رنگوں ہے گلزار میں ہر صبح
بلبل نے مری طرزِ سخن صاف اُڑائی

مجلس میں مرے ہوتے رہا کرتے ہو چپکے
یہ بات مری ضد سے تمھیں کن نے بتائی

گردش میں جو ہیں میرؔ مہ و مہر و ستارے
دن رات ہمیں رہتی ہے یہ چشم نمائی

۸۶۰

تجھ کنے بیٹھے گھٹا جاتا ہے جی
کاہشیں کیا کیا اُٹھا جاتا ہے جی

یوں تو مُردے سے پڑے رہتے ہیں ہم
پر وہ آتا ہے تو آ جاتا ہے جی

۶۸۹۰ ملتے اُس کے شربتی لب سے جدا
کچھ بتاشا سا گھلا جاتا ہے جی

اب کے اُس کی راہ میں جو ہو سو ہو
یاد بھی آتا ہے، یا جاتا ہے جی

کیا کہیں تم سے کہ اُس شعلے بغیر
جی ہمارا کچھ جلا جاتا ہے جی

عشق آدم میں نہیں کچھ چھوڑتا
ہولے ہولے کوئی کھا جاتا ہے جی

اُٹھ چلے پر اُس کے غش کرتے ہیں ہم
یعنی ساتھ اُس کے چلا جاتا ہے جی

آ نہیں پھرتا وہ مرتے وقت بھی
حیف ہے اس میں رہا جاتا ہے جی

رکھتے تھے کیا کیا بنائیں پیشتر
سو تو اب آپھی ڈھہا جاتا ہے جی

آسماں شاید ورے کچھ آ گیا
رات سے کیا کیا رُکا جاتا ہے جی

کاشکے بُرقع رہے اُس رُخ پہ میرؔ
منھ کھلے اُس کے چھپا جاتا ہے جی

۸۶۱

متاعِ دل اس عشق نے سب جلا دی
کوئی دن ہی میں خاک سی یاں اُڑا دی

دلیل اس بیاباں میں دل ہی ہے اپنا — نہ خضر و بلدیاں نہ رہبر نہ ہادی ۶۹۰۰
مزاجوں میں یاس آگئی ہے ہمارے — نہ مرنے کا غم ہے نہ جینے کی شادی
نہ پوچھو کہ چھاتی کے جلنے نے آخر — عجب آگ دل میں جگر میں لگادی
وفا لوگ آپس میں کرتے تھے آگے — یہ رسمِ کہن آہ تم نے اٹھادی
جدا ان غزالانِ شہری سے ہوکر — پھرے ہم بگولے سے وادی بوادی
صبا اس طرف کو چلی جل گئے ہم — ہوا یہ سبب اپنے مرنے کا بادی ۶۹۰۵
وہ نسخہ جو دیکھا بڑھا روگ دل کا — طبیبِ محبت نے کیسی دوا دی
ملے قصر، جنت میں پیرِ مغاں کو — ہمیں زیرِ دیوارِ مے خانہ جا دی

نہ ہو عشق کا شور تا میر ہرگز
چلے بس تو شہروں میں کریے منادی

۸۶۲

صبح ہے کوئی آہ کر لیجے — آسماں کو سیاہ کر لیجے
چشمِ گل باغ میں مندی جا ہے — جو بنے اک نگاہ کر لیجے ۶۹۱۰

ابرِ رحمت ہے جوش میں مے دے
یعنی ساقی گناہ کر لیجے

۸۶۳

یک مژہ اے دمِ آخر مجھے فرصت دیجے — چشمِ بیمار کے دیکھ آنے کی رخصت دیجے
نو گرفتار ہوں اس باغ کا رحم اے صیاد — موسمِ گل رہے جب تک مجھے مہلت دیجے
اپنے ہی دل کا گنہ ہے جو جلاتا ہے مجھے — کس کو لے مریے میاں اور کسے تہمت دیجے
چھوٹے ہیں قیدِ قفس سے تو چمن تک پہنچے — اتنی اے ضعفِ محبت ہمیں طاقت دیجے ۶۹۱۵

مر گیا میر نہ آیا ترے جی میں اے شوخ
اپنے محنت زدہ کو بھی کبھی راحت دیجے

۸۶۴

گر ناز سے وہ سر پہ لے تیغ آنہ پہنچے — منزل کو عاشق اپنے مقصد کی جا نہ پہنچے

جیتے رہیں گے کیونکر ہم اے طبیبِ ناداں — بیمار ایسے تس پر مطلق دوا نہ پہنچے

لائق ترے نہیں ہے خصمی غیر لیکن — وہ باز کیونکے آوے جب تک سزا نہ پہنچے

۶۹۲۰ ہر چند بہرِ خوباں ہر مسجد دل میں مارے — پر اُن کے دامنوں تک دستِ دعا نہ پہنچے

بن آہ دل کا رکنا بے جا نہیں ہمارا — کیا حال ہووے اُس کا جس کو ہوا نہ پہنچے

اپنے سخن کی اُس سے کس طور راہ نکلے — خط اس طرف نہ جاوے قاصد گیا نہ پہنچے

وہ میرؔ شاہِ خوبی پھر قدر دور اُس کی
درویشِ بے نوا کی اُس تک صدا نہ پہنچے

## ۸۶۵

اک شور ہو رہا ہے خوں ریزی میں ہمارے — حیرت سے ہم تو چُپ ہیں کچھ تم بھی بولو پیارے

۶۹۲۵ زخم اُس کے ہاتھ کے جو سینے پہ ہیں نمایاں — چھاتی لگے رہیں گے زیرِ زمیں بھی سارے

ہیں بد مزاج خوباں پر کس قدر ہیں دل کش — پائے کہاں گلوں نے یہ مکھڑے پیارے پیارے

بیٹھیں ہیں رونے کو تو دریا ہی رو اٹھیں ہیں — جوش و خروش یہ تھے تب ہم لگے کنارے

لاتے نہیں ہو مطلق سر تم فرو خدا سے — یہ ناز خوبرویاں بندے ہیں ہم تمھارے

کوئی تو ماہ پارہ اس بھی رواق میں ہے — چشمک زنی میں شب کو یوں ہی نہیں ہیں تارے

۶۹۳۰ لگ کر گلے نہ سوئے اس منھ پہ منھ نہ رکھا — جی سے گئے ہم آخر ان حسرتوں کے مارے

بیتابی ہے دلوں کو بے خوابی ہے شبوں کو — آرام و صبر دونوں مدت ہوئی سدھارے

آفاق میں جو ہوتے اہلِ کرم تو سنتے — ہم برسوں رعد آسا بیتاب ہو پکارے

جل بجھیے اب تو بہتر مانندِ برقِ خاطف — جوں ابر کس کے آگے دامن کوئی پسارے

ہم نے تو عاشقی میں کھویا ہے جان کو بھی
صدقے ہیں میرؔ جی کے وے ڈھونڈتے ہیں وارے

## ۸۶۶

۶۹۳۵ میرؔ ایک دم نہ اُس بن تو تو جیا پیارے — کیا کہہ کے تجھ کو رو دیں یہ کیا کیا پیارے

رنگین ہم تو تجھ کو ایسا نہ جانتے تھے — تو نے تو عاشقوں کا لوہو پیا پیارے

دل کے تو زخم کا کچھ ہونا نہیں تدارک — گو چاک سینہ تو نے میرا سیا پیارے

اس دام گاہ میں ہم جوں صیدِ نیم بسمل — تڑپے بہت پہ تو نے کب دل لیا پیارے

ہو داغ میر تجھ بن مر بھی گیا دلے تو
آیا نہ گور پر تک لے کر دیا پیارے

٨٦٧

سیر کی ہم نے ہر کہیں پیارے — پھر جو دیکھا تو کچھ نہیں پیارے ٦٩٤٠
خشک سالِ وفا میں اک مدت — پلکیں لوہو میں تر رہیں پیارے
یک نظر دیکھنے کی حسرت میں — آنکھیں تو پانی ہو بہیں پیارے
پہنچی ہے ضعف سے یہ اب حالت — جہاں پہنچا رہا وہیں پیارے

تجھ گلی میں رہے ہے میر مگر
دیکھیں ہیں جب تب نہیں پیارے

٨٦٨

اسیر زلف کرے قیدئ کمند کرے — پسند اس کی ہے وہ جس طرح پسند کرے ٦٩٤٥
ہمیشہ چشم ہے نمناک ہاتھ دل پہ ہے — خدا کسو کو نہ ہم سا بھی دردمند کرے
بڑوں بڑوں کو جھکاتے ہی سر بنے اس دم — پکڑ کے تیغ وہ اپنی اگر بلند کرے
بیانِ دل کے بھی جلنے کو کرے مجلس میں — اچھلنے کودنے کو ترک اگر سپند کرے
نہ مجھ کو راہ سے لے جائے مکرِ دنیا کا — ہزار رنگ یہ فرتوت گو چھچھند کرے
سوائے اس کے بڑی داڑھی میں ہے کیا اے شیخ — کہ جو کوئی تجھے دیکھے سو ریش خند کرے ٦٩٥٠
دکھا دے آنکھ کبھو زلف کھولے منھ پہ کبھو — کبھو خرام سے رستے کے رستے بند کرے
اگرچہ سادہ ہے لیکن ربودنِ دل کو — ہزار پیچ کرے لاکھ لاکھ فند کرے

سخن یہی ہے جو کہتے ہیں شعرِ میر ہے سحر
زبانِ خلق کو کس طور کوئی بند کرے

٨٦٩

آہ ڈھوکوں جانے والے کس طرح گھر کے ترے — گاڑ دیویں کاش مجھ کو بیچ میں در کے ترے
لالہ و گل کیوں نہ پھیکے اپنی آنکھوں میں لگیں — دیکھنے والے ہیں ہم تو رنگِ احمر کے ترے ٦٩٥٥

بے پروبالی سے اب کے گو کہ بلبل تو ہے چپ — یاد ہیں سب کے تئیں وے چہچہے پر کے ترے

آج کا آیا تجھے کیا پاوے ہم حیران ہیں — ڈھونڈنے والے جو ہیں اے شوخ اکثر کے ترے

دیکھ اس کو حیف کھا کر سب یہ مجھ سے کہنے لگے — وائے تو گر ہیں یہی اطوار دلبر کے ترے

تازہ تر ہوتے ہیں تو گل سے بھی اے نازک نہال — صبح اٹھتے ہیں پچھے جو پھول بستر کے ترے

۹۹۰ مشک عنبر طبلہ طبلہ کیوں نہ ہو کیا کام ہے — ہم دماغ آشفتہ ہیں زلف معنبر کے ترے

جی میں وہ طاقت کہاں جو ہجر میں سنبھلے رہیں — اب ٹھہرتے ہی نہیں ہیں پانو تک سر کے ترے

داغ پیسے سے جو ہیں بلبل کے دل پر کس کے ہیں — یوں تو اے گل ہیں ہزاروں آشنا زر کے ترے

کوئی آب زندگی پیتا ہے یہ زہراب چھوڑ — خضر کو ہنستے ہیں سب مجروح خنجر کے ترے

نوح کا طوفاں ہماری کب نظر چڑھتا ہے میر
جوش ہم دیکھے ہیں کیا کیا دیدۂ تر کے ترے

۸۷۰

۹۹۵ مت سہل سمجھو ایسے ہیں ہم کیا ورے دھرے — ظاہر تو پاس بیٹھے ہیں پر ہیں بہت پرے

سختی بہت ہے پاس مراعات عشق میں — پتھر کے دل جگر ہوں تو کوئی وفا کرے

خالی کروں ہوں رو رو کے راتوں کو دل کے تئیں — انصاف کر کہ یوں کوئی دن کب تلک بھرے

رندھنے نے جی کے خاک میں ہم کو ملا دیا — گویا کہ آسمان بہت آگیا ورے

داڑھی کو تیری دیکھ کے ہنستے ہیں لڑکے شیخ — اس ریش خند کو بھی سمجھ ٹک تو مسخرے

۱۰۰۰ جل تھل فقط نہیں مرے رونے سے بھر گئے — جنگل پڑے تھے سوکھے سو وہ بھی ہوئے ہرے

جی کو بچا رکھیں گے تو جانیں گے عشق میں
ہر چند میر صاحب قبلہ ہیں منگرے

۸۷۱

بو کیسے کمھلائے جاتے ہو نزاکت ہائے رے — ہاتھ لگتے میلے ہوتے ہو لطافت ہائے رے

یار بے پروا و مغتر اور میں بے اختیار — پیش کچھ جاتی نہیں منت سماجت ہائے رے

سختی کھینچی کوہکن نے قیس نے رنج و تعب — کیا گئی برباد ان یاروں کی محنت ہائے رے

۱۰۰۵ شور اٹھتا ہے جو ہوتے جلوہ گر ہو ناز سے — کھینچنا قد کا بلا آفت قیامت ہائے رے

خانقہ والے ہی کچھ تنہا نہیں اُلفت میں خوار
کیسے کیسوں کی گئی ہے مُفت عزّت ہائے رے

عشق میں افسوس سا افسوس اپنا کر چکے
زیرِ لب کہتے رہے ہم ایک مُدّت ہائے رے

دیکھنے ہی کے ہے قابل یار کی ترکیب میرؔ
واہ وا رے چشم و ابرُو قدّ و قامت ہائے رے

## ۸۷۲

وہی شورش گئے پر بھی ہے اب تک ساتھ یاں میرے
ہُما کے آشیانے میں جلیں ہیں استخواں میرے

عزیزاں غم میں اپنے یوسفِ گم گشتہ کے ہر دم
چلے جاتے ہیں آنسو کارواں در کارواں میرے ۶۹۸۰

تمھاری دشمنی ہم دوستوں سے لانہایت ہے
وگرنہ انتہا کینے کو بھی ہے مہرباں میرے

لبِ لہجہ غزل خوانی کا کس کو آج کل ایسا
گھڑی بھر کو ہوئے مُرغِ چمن ہم داستاں میرے

نظر مت بے پری پر کر کہ آنسو سے جہاں بھر دُں
ہوئے پرواز کے قابل یہ ٹوٹے پر جہاں میرے

کہاں تک سر کو دیواروں سے یوں مارا کرے کوئی
رکھوں اس در پہ پیشانی نصیب ایسے کہاں میرے

مجھے پامال کر یکساں کیا ہے خاک سے تو بھی
وہی رہتا ہے صبح و شام درپے آسماں میرے ۶۹۸۵

خزاں کی باؤ سے حضرت میں گلشن کے تطاول تھا
تبرک ہو گئے یک دست خارِ آشیاں میرے

کہا میں شوق میں طفلاں نہ بازار کے کیا کیا
سخن مشتاق ہیں اب شہر کے پیر و جواں میرے

زمیں سر پر اٹھالی کبک نے رفتارِ رنگیں سے
خراماں ناز سے ہو تو بھی اے سروِ رواں میرے

سخن کیا میرؔ کریے حسرت و اندوہ و حرماں سے
بیاں حاجت نہیں حالات ہیں سارے عیاں میرے

## ۸۷۳

بہار آئی ہے غنچے گُل کے نکلے ہیں گلابی سے
نہالِ سبز جھومے ہیں گلستاں میں شرابی سے ۶۹۹۰

گرہ دل ہوں ہر قدم پر میں ڈھہا جاتا ہے جی ہر دم
پہنچتا ہوں کبھو در پر ترے سو اس خرابی سے

نہ ٹھہری ایک چشمک بھی بسانِ برق آنکھوں میں
کلیجہ جل گیا اے عمر تیری تو شتابی سے

نکل آتے ہو گھر سے چاند سے یہ کیا طرح پکڑی
قیامت ہو رہے گی ایک دن اس بے حجابی سے

یہ جھگڑا اتنا آ کر میں رکھا روز شمار اوپر
کرو گے کیا تم تو لڑنے لگتے ہو حرفِ حسابی سے

بہت رویا نوشتے پر میں اپنے دیکھ قاصد کو
کہ سر ڈالے غریب آتا تھا خط کی بے جوابی سے ۶۹۹۵

مبادا کارواں جاتا رہے تو صبح سوتا ہو
بہت ڈرتا ہوں میں اے میرؔ تیری دیر خوابی سے

## ۸۷۴

کعبے میں جاں بہ لب تھے ہم دوریٔ بتاں سے — آئے ہیں پھر کے یارو اب کے خدا کے ہاں سے
تصویر کے سے طائر خاموش رہتے ہیں ہم — جی کچھ اچٹ گیا ہے اب نالہ و فغاں سے
جب کوندتی ہے بجلی تب جانب گلستاں — رکھتی ہے چھیڑ میری خاشاک آشیاں سے
۷۰۰۰ کیا خوبی اُس کے منھ کی اے غنچہ نقل کریے — تو تو نہ بول ظالم بو آتی ہے دہاں سے
آنکھوں ہی میں رہے ہو دل سے نہیں گئے ہو — حیران ہوں یہ شوخی آئی تمھیں کہاں سے
سبزان کے باغ سارے دیکھے ہوئے ہیں اپنے — دلچسپ کاہے کو ہیں اس بے وفا جواں سے
کی شستشو بدن کی جس دن بہت سی اُن نے — دھوئے تھے ہاتھ میں نے اُس دن ہی اپنی جاں سے
خاموشی ہی میں ہم نے دیکھی ہے مصلحت اب — ہر یک سے حال دل کا مدت کہا زباں سے

اتنی بھی بد مزاجی ہر لحظہ میرؔ تم کو
۷۰۰۵ الجھاؤ ہے زمیں سے جھگڑا ہے آسماں سے

## ۸۷۵

کرتا ہے کب سلوک وہ اہل نیاز سے — گفتار اس کی کبر سے رفتار ناز سے
دل کب ہمارے آنسو پچھیں ہیں کہ تو نے شوخ — دیکھا کبھو ادھر مژہ نیم باز سے
خاموش رہ سکے نہ تو بڑھ کر بھی کچھ نہ کہہ — سر شمع کا کٹے ہے زبان دراز سے
اب جا کسو درخت کے سایے میں بیٹھیے — اس طور پھریے کب تئیں بے برگ و ساز سے
۷۰۱۰ یہ کیا کہ دشمنوں میں مجھے سانٹنے لگے — کرتے کسو کو ذبح بھی تو امتیاز سے
مانند شمع ٹپکتے ہی پڑتے ہیں اب تو اشک — کچھ جلتے جلتے ہو گئے ہیں ہم گداز سے

شاید کہ آج رات کو تھے مے کدے میں میرؔ
کھیلے تھا ایک مغبچہ مُہرِ نماز سے

## ۸۷۶

تابوت مرا دیر اٹھا اس کی گلی سے — اثبات ہوا جرم محبت کا اسی سے

تم چھیڑتے ہو بزم میں مجھ کو تو ہنسی سے
پر مجھ پہ جو ہو جائے ہے پوچھو مرے جی سے

آتش بہ جگر اس دُرِ نایاب سے سب ہیں
دریا بھی نظر آئے اسی خشک لبی سے ۱۵

گر ٹھہرے ملک آگے انھوں کے تو عجب ہے
پھرتے ہیں پڑے دلّی کے لونڈے جو پری سے

نکلا جو کوئی واں سے تو پھر مر ہی کے نکلا
اس کوچے سے جاتے ہوئے دیکھا کسے جی سے

ہمسائے مجھے رات کو رو دیا ہی کرے ہیں
سوتے نہیں بے چارے مری نالہ کشی سے

تم نے تو ادھر دیکھنے کی کھائی ہے سوگند
اب ہم بھی لڑا بیٹھتے ہیں آنکھ کسی سے

چھاتی کہیں پھٹ جائے کہ ٹک دل بھی ہوا کھائے
اب وہم تو لگے رکنے ہماری خفگی سے ۲۰

اس شوخ کا تمکین سے آنا ہے قیامت
اُکتانے لگے ہم نفساں تم تو ابھی سے

نالاں مجھے دیکھے ہیں بتاں تس پہ ہیں خاموش
فریاد ہے اس قوم کی فریاد رسی سے

تالو سے زباں رات کو مطلق نہیں لگتی
عالم ہے سیہ خانہ مری نوحہ گری سے

بے رحم وہ تجھ پاس لگا بیٹھنے جب میر
ہم میر سے دل اپنے اٹھائے تھے تبھی سے

۸۷۷

کیا خوب ہو طرف یار کے روشن گہری سے
مانا ہے حضور اس کے چراغ سحری سے ۲۵

سبزانِ چمن ہو ویں برابر ترے کیوں کر
لگتا ہے ترے سایے کو بھی ننگ پری سے

ہشیار کہ ہے راہ محبت کی خطرناک
مارے گئے ہیں لوگ بہت بے خبری سے

ایک آن میں رعنائیاں تیری تو ہیں سو سو
کب عہدہ برآئی ہوئی اس عشوہ گری سے

زنجیر تو پاؤں میں لگی رہنے ہمارے
کیا اور ہو رسوا کوئی آشفتہ سری سے

جب لب ترے یاد آتے ہیں آنکھوں سے ہماری
تب ٹکڑے نکلتے ہیں عقیقِ جگری سے ۳۰

عشق آنکھوں کے نیچے کیے کیا میر چھپے ہے
پیدا ہے محبت تری مژگاں کی تری سے

۸۷۸

برسوں ہوئے گئے ہوئے اس مہ کو بام سے
کاہش مجھے جو ہے وہی ہوتی ہے شام سے

تڑپے اسیر ہوتے جو ہم یک اٹھا غبار
سوجھا نہ ہم کو دیر تلک چشم دام سے

دنبالِ ہر نگاہ ہے صدِ کاروانِ اشک — برسے ہے چشم ابر بڑی دھوم دھام سے

۷۰۳۵ محو اُس دہانِ تنگ کے ہیں کوئی کچھ کہو — رہتا ہے ہم کو عشق میں کام اپنے کام سے

یوسف کے پیچھے خوار زلیخا عبث ہوئی — کب صاحبی رہی ہے مل ایسے غلام سے

لڑکے ہزاروں جھولی میں پتھر لیے ہیں ساتھ — مجنوں پھرا ہے کاہے کو اس ازدحام سے

وہ ناز سے چلا کہیں تو حشر ہو چکے — پھر بحث آ پڑے گی اسی کے خرام سے

جھک جھک سلام کرنے سے سرکش ہوا وہ اور — ہو بیٹھے نااُمید جوابِ سلام سے

۷۰۴۰ وے دن گئے کہ رات کو یک جا معاش تھی — آتا ہے اب تو ننگ اُسے میرے نام سے

سرگرمِ جلوہ بدر ہو ہر چند شب کو لیک — کب جی لگیں ہیں اپنے کسو ناتمام سے

دل اور عرش دونوں پہ گویا ہے اُن کی سیر
کرتے ہیں باتیں میر جی کس کس مقام سے

۸۷۹

وہ کہاں دھوم جو دیکھی گئی چشمِ تر سے — ابر کیا کیا اُٹھے ہنگامے سے کیا کیا برسے

ہو برافروختہ وہ بُت جو مئے احمر سے — آگ نکلے ہے تماشے کے تئیں پتھر سے

۷۰۴۵ ڈھب کچھ اچھا نہیں برہم زدنِ مژگاں کا — کاٹ ڈالے گا گلا اپنا کوئی خنجر سے

تھا نوشتے میں کہ یوں سوکھ کے مریئے اس بن — استخواں تن پہ نمودار ہیں سب مسطر سے

یوں تو دس گز کی زباں ہم بھی دہاں رکھتے ہیں — بات کو طول نہیں دیتے خدا کے ڈر سے

سیر کرنے جو چلے ہے کبھو وہ فتنہ خرام — شہر میں شورِ قیامت اُٹھے ہے ہر گھر سے

عشق کے کوچے میں پھر پاؤں نہیں رکھنے کے ہم — اب کے ٹل جاتی ہے کلول یہ اگر سر پر سے

۷۰۵۰ مہر کی اُس سے توقع غلطی اپنی تھی — کہیں دلداری ہوئی بھی ہے کسو دلبر سے

کوچۂ یار ہے کیا طرفہ بلاخیز مقام — آتے ہیں فتنہ و آشوب چلے اودھر سے

ساتھ سونا جو گیا اُس کا بہت دل تڑپا
برسوں پھر میر یہ پہلو نہ لگے بستر سے

۸۸۰

میرا دل پیرِ مرشد ہے مجھے ہے اعتقاد اس سے — فراموش آپ کو کرنا محبت میں ہے یاد اس سے

بلا انداز ہے اس کا قیامت ناز ہے اُس کا
اُٹھے فتنے ہزار اس سے ہُئے لاکھوں فساد اس سے

نزاکت جیسی ہے ویسا ہی دل بھی سخت ہے اُس کا
اگرچہ شیشۂ جاں ہے پہ بہتر ہے جماد اس سے ۷۰۵۵

کسے ہیں بند اُن نے کیسے کِس درویش سے ملیے
جو ایسے سخت عُقدوں کی طلب کیجے کُشاد اس سے

بھلا یوں گھُٹ کے مریے کب تلک دل خوں ہوا سارا
جو کوئی داد گر ہووے تو کریے جا کے داد اس سے

لگے ہی ایک دو رہتے ہیں مُہلت بات کی کیسی
ہوا ہے دشمنوں کو کچھ قیامت اِتّحاد اس سے

پہنچ کرتے کو ہم تو محض محرومی ہی پاتے ہیں
مُرادِ دل کو پہنچا ہوگا کوئی نامراد اس سے

لیے ہی میان سے رہتا ہے کوئی یہ نہیں کہتا
نکالا ہے کہاں کا تو نے اے ظالم عِناد اس سے ۷۰۶۰

ادھر توبہ کرے ہے میرؔ اُدھر لگتا ہے مے پینے
کہاں تک اب تو اپنا اُٹھ گیا ہے اعتماد اس سے

## ۸۸۱

بُرا کیا مانیے اب چھیڑ سے یا اس کی گالی سے
یہی ہے طور اس کا ساتھ اپنے خُرد سالی سے

کلی بیرنگ مُرجھائی نظر آتی ہے ظاہر ہے
ہماری بے کلی گُل ہاے تصویرِ نہالی سے

بھری آنکھیں کسو کی پونچھتے جو آستیں رکھتے
ہُوئی شرمندگی کیا کیا ہمیں اس دست خالی سے

جو مر رہیے بھی تنگ آکر تو پروا کچھ نہ ہو اُس کو
پڑا ہے کام مجھ ناکام کو کس لااُبالی سے ۷۰۶۵

جہاں رونے لگے ٹک بے دماغی وہ لگا کرنے
قیامت ضِد ہے اس کو عاشقی کی زار نالی سے

دماغ حرفِ لعل ناب و برگِ گُل سے ہے تُم کو
ہمیں جب گفتگو ہے تب کسو کے لب کی لالی سے

ریاضاتِ محبت نے رکھا ہے ہم میں کیا باقی
نمود اک کرتے ہیں ہم یوں ہی اب شکلِ مثالی سے

ہم اس راہِ حوادث میں بسانِ سبزہ واقع ہیں
کہ فرصت سر اُٹھانے کی نہیں ٹک پائمالی سے

سرھانے رکھ کے پتھر خاک پر ہم بے نوا سوئے
پڑے سر مار یں طالع مند اپنا سنگِ قالی سے ۷۰۷۰

کبھو میں عین رونے میں جگر سے آہ کرتا ہوں
کہ دل اُٹھ جائیں یاروں کے ہوائے بر شگالی سے

یہی غم اس دہن کا ہے کہ فکر اس کی کمر کی ہے
کہے سو کیا کوئی ہیں میرؔ صاحب کچھ خیالی سے

## ۸۸۲

کھینچے جہاں تو تیغ جلادت کے واسطے
واں ہیں بھی ہوں مُدام شہادت کے واسطے

سجدہ کوئی کرے تو درِ یار پر کرے — ہے جائے پاک شرط عبادت کے واسطے

۷۰۷۵ آئے نہ تم تو در لیں دیوار مجھ تلک — کھینچے ہیں لوگ رنج عبادت کے واسطے

خوش طالعی صبح جو اُس مُنھ پہ ہے سفید — پھرتا ہے مہ بھی اس ہی سعادت کے واسطے

ہے میرؔ پیر لیک سوئے مے کدہ مُدام
جاتا ہے مغبچوں کی ارادت کے واسطے

## ۸۸۳

دیوانگی میں گاہ ہنسے گاہ رو چُکے — وحشت بہت تھی طاقتِ دل ہائے کھو چُکے

افراطِ اشتیاق میں سمجھے نہ اپنا حال — دیکھے ہیں سوچ کر کے تو اب ہم بھی ہو چُکے

کہتا ہے میرؔ سا بجھ ہی سے آج دردِ دل
۷۰۸۰ ایسی کہانی گرچہ نبندھی ہے تو سو چُکے

## ۸۸۴

بے خودی جو یہ ہے تو ہم آپ میں اب آ چُکے — کیا تمھیں یاں سے چلے جاتے ہو ہم بھی جا چُکے

تم ہی کہتے رہے یہ اور گل تازہ کھلا — زخم بھی ہم نے اٹھائے داغ بھی ہم کھا چُکے

ایک بوسہ دے نہ مُنھ برسوں لگایا واہ واہ — اب تو ٹک بولو جزا ہم اس عمل کی پا چُکے

یاں تلک آنے میں جتنا مکث کرتے ہو کرو — اب تو جانا جان سے ناچار ہم ٹھہرا چُکے

اب چمن میں جا نکلتے ہیں تو جی لگتا نہیں
۷۰۸۵ پھول گُل سے میرؔ اس بن دل بہت بہلا چُکے

## ۸۸۵

خوبی کی اپنی جنت کیسی ہی ڈینگیں ہانکے — اُس کی گلی کا ساکن ہرگز ادھر نہ جھانکے

ایک ایک بات اُوپر ہیں پیچ و تاب سو سو — رہتے نہیں ہیں سیدھے یہ لونڈے ٹیڑھے بانکے

سر کو اُس آستاں پر رکھے رہیں تو بہتر — اُٹھیے جو اُس کے در سے تو ہو جیے کہاں کے

گردش سے روسیہ کی کیا کیا بلائیں آئیں — جانے ہی کے ہیں لچھن سارے اس آسماں کے

۷۰۹۰ مشتاق ہم جو ایسے سو ہم ہی سے ہے پڑا — جب اس طرف سے نکلے تب مُنھ کو اپنے ڈھانکے

ہے پُر غبار عالم جانا ہی یاں سے اچھا — اس خاک داں میں رہ کر کیا کوئی خاک پھانکے

کل باغ میں گئے تھے روئے چمن چمن ہم — کچھ سرو میں جو پائے انداز اس جواں کے
جاناں کی رہ سے آنکھیں جس تس کی لگ رہی ہیں — رفتہ ہیں لوگ سارے ان پانو کے نشاں کے

خمیازہ کش رہے ہے اے میر شوق سے تو
سینے کے زخم کے کہہ کیونکر رہیں گے ٹانکے

## ۸۸۶

دل خوں ہوا ہمارا ٹکڑے ہوئے جگر کے — دیکھا نہ تم نے ایدھر صرفے سے اک نظر کے ۱۰۹۵
چشمے کہیں ہیں جوشاں جوئیں کہیں ہیں جاری — آثار اب تلک ہیں یاروں کی چشم تر کے
رہنے کی اپنے جا تو نے دیر ہے نہ کعبہ — اٹھیے جو اس کے در سے تو ہو جیے کدھر کے
اس شعر و شاعری پر اچھی بندھی نہ ہم سے — محو خیال شاعر یوں ہی ہیں اس کمر کے
دنیا میں ہے بسیرا یارو سرائے کا سا — یہ رہروان ہستی عازم ہیں سب سفر کے
وے یہ ہی چھاتیاں ہیں زخموں سے جو بھری ہیں — کیا ہے جو بوالہوس نے دو چار کھائے چرکے ۱۱۰۰
نہ بےخودی کی اپنی کیا کچھ ورے دھری ہے — ہم بےخبر ہوئے ہیں پہنچے کسو خبر کے
اس آستاں کی دوری اس دل کی ناصبوری — کیا کہیے آہ غم سے گھر کے ہوئے نہ در کے

خاک ایسی عاشقی میں ٹھکرائے بھی گئے کل
پانو کنے سے اس کے پر میر جی نہ سرکے

## ۸۸۷

کتنے روزوں سے نہ سونے کے ہیں نے کھانے کے — دل جو یہ ہے تو ہم آرام نہیں پانے کے
ہائے کس خوبی سے آوارہ رہا ہے مجنوں — ہم بھی دیوانے ہیں اس طور کے دیوانے کے ۱۱۰۵
عزم ہے جزم کہ اب کے حرکت شہر سے کر — ہو جیے دل کھول کے ساکن کسو ویرانے کے
آہ کیا سہل گزر جاتے ہیں جی سے عاشق — ڈھب کوئی سیکھ لے ان لوگوں سے مر جانے کے
جمع کرتے ہو جو گیسوے پریشاں کو مگر — ہو تردد میں کوئی تازہ بلا لانے کے
کاہے کو آنکھ چھپاتے ہو یہی ہے گر چال — ایک دو دن میں نہیں ہم بھی نظر آنے کے
ہاتھ چڑھ جائیو اے شیخ کسو کے نہ کبھو — لونڈے سب تیرے خریدار ہیں میخانے کے ۱۱۱۰
خاک سے چرخ تلک اب تو مرا جانا ہے — ڈول اچھے نہیں کچھ جان کے گھبرانے کے

ے بھی اے غیرتِ خورشید کہیں مُنھ پہ نقاب — مقتضی دن نہیں اب مُنھ کے یہ دکھلانے کے

لالہ و گُل ہی کے مصروف رہو تم شب و روز
تُم مگر میرؔ جی سیّد ہو گلستانے کے

۸۸۸

اس باغِ بے ثبات میں کیا دل صبا لگے — کیا کیا نہال دیکھتے یاں پاؤں آ لگے

۸۱۱۵ حرص و ہوس سے باز رہے دل تو خوب ہے — ہے قہر اس کلی کے تئیں گر ہوا لگے

تلخ اب تو اپنے جی کو بھی لگتی ہے اس نمط — جیسے کِسو کے زخم پہ تیر اک دو آ لگے

کِس کو خبر ہے کشتی تباہوں کے حال کی — تختہ مگر کنارے کوئی بہہ کے جا لگے

ایسے لگے پھرے ہیں بہت سایے کی روش — جانے دے ایسی حُور پری سے بلا لگے

وہ بھی چمن فروز تو بُلبُل ہے سامنے — گُل ایسے مُنھ کے آگے بھلا کیا بھلا لگے

۸۱۲۰ پس جائیں یار آنکھ تری سُرمگیں پڑے — دل خوں ہو تیرے پاؤں میں بھر کر حنا لگے

بن ہڈّیوں ہماری ہُما کچھُ نہ کھائے گا — ٹک چاشنی عشق کا اُس کو مزا لگے

خط مت رکھو کہ اس میں بہت ہیں قباحتیں — دیکھیے تمھارے مُنھ پہ تو تم کو بُرا لگے

مقصود کے خیال میں بہتوں نے چھانی خاک — عالم تمام وہم ہے یاں ہاتھ کیا لگے

سب چاہتے ہیں دیر رہے میرؔ دل زدہ
یارب کِسو تو دوست کی اُس کو دُعا لگے

۸۸۹

۸۱۲۵ غیر کو دیکھے ہے گرمی سے نہ کچھُ لاگ لگے — اِس لیے دیکھ رہے ہے کہ مجھے آگ لگے

آنکھ ہر ایک کی دوڑے ہے کفک پر تیرے — پاؤں سے لگ کے ترے مہندی کو کچھ بھاگ لگے

ہو نہ دیوانہ جو اُس گوہرِ خوش آب کا تو — لبِ دریا کے تئیں کیوں رہیں یوں جھاگ لگے

اب تو اُن گیسوؤں کی یاد میں میں محو ہوا — گو قیامت کو مرے مُنھ سے ہوں دو ناگ لگے

لڑکے دِلّی کے ترے ہاتھ میں کب آئے میرؔ
پیچھے ایک ایک کے سَو سَو پھریں ہیں ڈاگ لگے

۸۱۳۰ کب تلک احوال یہ جب کوئی تیرا نام لے — ۸۹۰ — عاشقِ بے حال دونوں ہاتھ سے دل تھام لے

ناتوانی سے اگر مجھ میں نہیں ہے جی تو کیا — عشق جو چاہے تو مُردے سے بھی اپنا کام لے

پہلو سے عاشق نہ بستر سے لگے تو ہے بجا — دل سی آفت ہو بغل میں جس کے کیا آرام لے

اب دلِ نالاں پھر اس زُلف سیہ میں جا چکا — آج یہ بیمار دیکھیں کس طرح سے شام لے

شاخِ گُل تیری طرف جھکتی جو ہے اے مستِ ناز — چاہتی ہے تو بھی میرے ہاتھ سے اک جام لے

دل کی آسایش نہیں امکانِ زُلفِ یار میں — یہ شکارِ مضطرب ہے دم نہ زیرِ دام لے ۱۳۵ء

عزت اے پیرِ مغاں کچھ حاجیوں کی ہے ضرور — آئے ہیں تیرے کنے ہم جامۂ احرام لے

کیا بلا مفتی کا لونڈا سر چڑھا ہے ان دنوں — آوے ہے گویا کہ مجھ پر قاضی کا اعلام لے

ہم نشیں کہہ مت بتوں کی میر کو تسبیح ہے
کام کیا اس ذکر سے ان کو خدا کا نام لے

۸۹۱

سختیاں کھینچیں سو کھینچیں پھر بھی جو اُٹھ کر چلے — چلتے اس کوچے سے ہم پر سینکڑوں پتھر چلے

مار گیری سے زمانے کی نہ دل کو جمع رکھ — چال دھیمی اُس کی ایسی ہے کہ جوں اجگر چلے ۱۴۰ء

کیونکہ اُن کا کوئی وارفتہ بھلا ٹھہرا رہے — جُنبش اُن پلکوں کو ہوتی ہے کہ جوں خنجر چلے

اب جو وہ سرمایۂ جاں یاں تلک آیا تو کیا — راہ تکتے تکتے اُس کی ہم تو آخر مر چلے

میں نہ کہتا تھا دمِ بسمل مرے مت آئیو — لوٹتے دامن کے اپنے رہ لہو میں بھر چلے

چھوڑ جانا جاں بہ لب ہم کو کہاں کا ہے سلوک — گھر کے گھر یاں بیٹھے جاتے ہیں تم اُٹھ کر گھر چلے

صاف سارا شہر اس انبوہِ خط میں لُٹ گیا — کچھ نہیں رہتا ہے واں جس راہ ہو لشکر چلے ۱۴۵ء

پانو میں مارا ہے تیشہ میں نے راہِ عشق میں — ہو سو ہو اب گو کہ آرا بھی مرے سر پر چلے

لائے تھے جا کر ابھی تو اُس گلی میں سے پکار
چپکے چپکے میر جی تم اُٹھ کے پھر کیدھر چلے

۸۹۲

یا پہلے وے نگاہیں جن سے کہ چاہ نکلے — یا اب کی وے ادائیں جو دل سے آہ نکلے

کیونکر نہ چپکے چپکے یوں جان سے گزریے — کہیے بھلا جو اُس سے باتوں کی راہ نکلے

زردیٔ رنگ و رونا دونوں دلیلِ کشتن — خوش طالعی سے میری کیا کیا گواہ نکلے ۱۵۰ء

اے کامِ جاں ہے تو بھی کیا ریجھ کا بچاؤ — مرجائیے تو منھ سے تیرے نہ واہ نکلے
خوبی و دل کشی میں صد چند ہے تو اس سے — تیرے مقابلے کو کس منھ سے ماہ نکلے
یاں مہر تھی وفا تھی واں جور تھے ستم تھے — پھر نکلے بھی تو میرے یہ ہی گناہ نکلے
غیروں سے تو کہے ہے اچھی بری سب اپنی — اے یار کب کے تیرے یہ خیر خواہ نکلے
۸۵۹ رکھتے تو ہو مکدر پر اس گھڑی سے ڈریو — جب خاک منھ پہ مل کر یہ روسیاہ نکلے

اک خلق میر کے اب ہوتی ہے آستاں پر
درویش نکلے ہے یوں جوں بادشاہ نکلے

## ۸۹۳

جیسے اندوہِ محرم عشق کب تک دل ملے — عید سی ہو جائے اپنے ہاں لگے جو تو گلے
دین و مذہب عاشقوں کا قابلِ پرسش نہیں — یہ ادھر سجدہ کریں ابرو جدھر اس کی ہلے
یہ نہیں میں جانتا نسبت ہے کیا آپس میں لیک — آنکھیں ہو جاتی ہیں ٹھنڈی اس کے تلووں سے ملے
۸۶۰ ہائے کس حسرت سے شبنم نے سحر رو کر کہا — خوش رہو اے ساکنانِ باغ اب تو ہم چلے
مردمانِ شہرِ خوبی پر کریں کیا دل کو عرض — ایسی جنسِ ناروا کو مفت کوئی واں نہ لے
کل جو ہم کو یاد آیا باغ میں قد یار کا — خوب روئے ہر نہالِ سبز کے سایے تلے
جمع کر خاطر مری جینے سے مجھ کو خوب ہے — جی بچا تب جانیے جب سر سے یہ کلول ٹلے
گرچہ سب ہیں گے مہیائے طریقِ نیستی — قطعہ طے بہت دشوار کی یہ رہ گزر ہم نے و لے
۸۶۵ ہر قدم پر جی سے جانا ہر دم اوپر بے دمی — لمحہ لمحہ آ گئے تھے کیا کیا قیامت مر چلے

جلنے کو جلتے ہیں سب کے اندرونے لیک میر
جب کسو کی اس وتیرے سے کہیں چھاتی جلے

## ۸۹۴

بے مہر و وفا ہے وہ کیا رسم وفا جانے — الفت سے محبت سے مل بیٹھنا کیا جانے
دل دھڑکے ہے جاتے کچھ بت خانے سے کعبے کو — اس راہ میں پیش آوے کیا ہم کو خدا جانے
ہے محو رخ اپنا تو آئینے میں ہر ساعت — صورت ہے جو کچھ دل کی سو تیری بلا جانے
کچھ اس کی بندھی مٹھی اس باغ میں گزرے ہے — جو زخم جگر اپنے جوں غنچہ چھپا جانے

کیا سینے کے جلنے کو ہنس ہنس کے اُڑاتا ہوں — جب آگ کوئی گھر کو اس طور لگا جانے
میں مٹی بھی لے جاؤں دردانے کی اُس کے تو — اس دردِ محبت کی جو کوئی دوا جانے
اپنے تئیں بھی کھانا خالی نہیں لذت سے — کیا جانے ہوس پیشہ چکھے تو مزا جانے
یوں شہر میں بہتیرے آزار دہندے ہیں — تب جانیے جب کوئی اس ڈھب سے ستا جانے
کیا جانوں رکھو روزے یا دارو پیو شب کو — کردار وہی اچھا تو جس کو بھلا جانے ۴۸۷۵

آگاہ نہیں انساں اے میر نوشتے سے
کیا چاہیے ہے پھر جو طالع کا لکھا جانے

۸۹۵

الٰہی کہاں منھ چھپایا ہے تو نے — ہمیں کھو دیا ہے تری جستجو نے
جو خواہش نہ ہوتی تو کاہش نہ ہوتی — ہمیں جی سے مارا تری آرزو نے
نہ بھائیں تجھے میری باتیں وگرنہ — رکھی دھوم شہروں میں اس گفتگو نے
رقیبوں سے سر جوڑ بیٹھو ہو کیوں کر — ہمیں تو نہیں دیتے ٹک پانو چھونے ۴۸۸۰
پھر اس سال سے پھول سونگھا نہ میں نے — دِوانہ کیا تھا مجھے تیری بو نے
مداوا نہ کرنا تھا مشفق ہمارا — جراحت جگر کے لگے دکھنے دو نے
کڑھایا کسو کو کھپایا کسو کو — برائی ہی کی سب سے اُس خوبرو نے
وہ کسریٰ کہ ہے شور جس کا جہاں میں — پڑے ہیں گئے اس کے محل آج سونے

تری چال ٹیڑھی تری بات روکھی
تجھے میر سمجھا ہے یاں کم کسو نے ۴۸۸۵

۸۹۶

ویسا ہے یہ جو یوسف شب تیرے ہونے آوے — جیسے چراغ کوئی مہتاب میں جلا دے
کیا رفتگی ہے میری تم گفتگو کرو ہو — کھویا گیا نہیں میں ایسا جو کوئی پاوے
چھاتی کے داغ یکسر آنکھوں سے کھل رہے ہیں — دیکھیں ابھی محبت کیا کیا ہمیں دکھاوے
میں پانو اُس کے نازک گل برگ سے بجا ہے — عاشق جو رہ گزر میں آنکھوں کے تئیں بچھاوے
یوں خاک منھ پہ مل کر کب تک پھرا کروں میں — یارب زمیں پھٹے تو یہ روسیہ سما دے ۴۸۹۰

اے کاش قصہ میرا ہر فرد کو سنا دیں
تا دل کسو سے ہم اپنا کوئی نہ یاں لگاوے

ترک بتاں کا مجھ سے لیتے ہیں قول یوں ہی
کیا ان سے ہاتھ اٹھاؤں گو اس میں جاں بھی جاوے

عاشق کو مر گئے ہی بنتی ہے عاشقی میں
کیا جان جس کی خاطر شرمندگی اٹھاوے

جی میں بگڑ رہا ہے تب میر چپ ہے بیٹھا
چھیڑو ابھی تو کیا کیا باتیں بنا کے لاوے

۸۹۷

۷۱۹۵ یا بادۂ گلگوں کی خاطر سے ہوس جاوے
یا ابر کوئی آوے اور آ کے برس جاوے

شورش کدۂ عالم کاہے ہی کی جاگہ تھی
دل کیا کرے جو ایسے ہنگامے میں پھنس جاوے

دل ہے تو عبث نالاں یارانِ گزشتہ بن
ممکن نہیں اب ان تک آوازِ جرس جاوے

اس زلف سے لگ چلنا اک سانپ کھلانا ہے
یہ مارِ سیہ یارو ناگاہ نہ ڈس جاوے

میخانے میں آوے تو معلوم ہو کیفیت
یوں آگے ہو مسجد کے ہر روز عسس جاوے

۷۲۰۰ چھوٹی جہاں سے مسکی پھر آنکھیں ہیں جھپکیں
جیب پیرہنِ گل بھی اس خوبی سے چس جاوے

ہے میر عجب کوئی درویش برشتہ دل
بات اس کی سنو تم تو چھاتی بھی جھلس جاوے

۸۹۸

دروں نے کو کوئی آہوں سے یوں کب تک ہوا دیوے
مبادا عشق کی گرمی جگر میرا جلا دیوے

کہاں تک یوں پڑے بستر پہ رہیے دور جاناں سے
کوئی کاش اس گلی میں ہم کو اک تکیہ بنا دیوے

ہوئے برسوں کہ وہ ظالم رہے ہے مجھ پہ کچھ بگڑا
کوئی اس تیغ بر کف کو گلے میرے ملا دیوے

۷۲۰۵ وفا کی مزد میں ہم پر جفا و جور کیا کہیے
کسو سے دل لگے اس کا تو وہ اس کی جزا دیوے

کہیں کچھ تو برا مانو بھلا انصاف تو کریے
بدی کو بھی نہایت ہے تمھیں نیکی خدا دیوے

صنوبر آدمی ہو تو سراپا بارِ دل لاوے
کہاں سے کوئی تازہ دل اسے ہر روز لا دیوے

بہت گم راہ ہے وہ شوخ لگتا ہے کہے کس سے
کوئی کیا راہ کی بات اس جفا جو کو بتا دیوے

جگر سب جل گیا لیکن زباں ہلتی نہیں اپنی
مبادا اس آتشیں خو کو مخالف کچھ لگا دیوے

۷۲۱۰ کوئی بھی میر سے دل ریش سے یوں دور پھرتا ہے
ٹک اس درویش سے مل چل کہ تجھ کو کچھ دعا دیوے

اُس شوخِ ستم گر کو کیا کوئی بھلا چاہے
جو چاہنے والے کا ہر طور بُرا چاہے

کعبے گئے کیا کوئی مقصد کو پہنچتا ہے
کیا سعی سے ہوتا ہے جب تک نہ خدا چاہے

سو رنگ کی جب خوبی پاتے ہو اُسی گل میں
پھر اس سے کوئی اُس بن کچھ چاہے تو کیا چاہے

ہم عجز سے پہنچے ہیں مقصود کی منزل کو
گہہ خاک میں مل جاوے جو اُس سے ملا چاہے

ہو سکتی ہیں سدِّ رہ پلکیں کہیں رونے کی
تنکوں سے رُکے ہے کب دریا جو بہا چاہے ۲۲۱۵

جب تو نے زباں چھوڑی تب کا ہے کا صرفہ ہے
بے صرفہ کہے کیوں نہ جو کچھ کہ کہا چاہے

دل جاوے ہے جوں رو کے شبنم نے کہا گل سے
اب ہم تو چلے یاں سے رہ تو جو رہا چاہے

خط رسمِ زمانہ تھی ہم نے بھی لکھا اس کو
نہ دل کی لکھے کیوں کر عاشق جو لکھا چاہے

رنگِ گلِ دسته لُوٹے گل چھوٹتے ہیں ہوا دونوں
کیا قافلہ جاتا ہے جو تو بھی چلا چاہے

ہم میرؔ ترا مرنا کیا چاہتے تھے لیکن
رہتا ہے ہوئے بن کب جو کچھ کہ ہوا چاہے ۲۲۲۰

۹۰۰

دوری میں اُس کی گور کنارے ہم آ رہے
جی رات دن جنھوں کے کھپیں اُن میں کیا رہے

اُس آفتابِ حُسن کے ہم داغِ شرم ہیں
ایسے ظہور پر بھی وہ مُنہ کو چھپا رہے

اب جس کے حُسنِ خلق پہ بھولے پھریں ہیں لوگ
اس بے وفا سے ہم بھی بہت آشنا رہے

مجروح ہم ہوئے تو نمک پاشیاں رہیں
ایسی معاش ہووے جہاں کیا مزا رہے

مُرغانِ باغ سے نہ ہوئی میری دم کشی
نالے کو سُن کے وقتِ سحر دم ہی کھا رہے ۲۲۲۵

چھاتی رُکی رہے ہے جو کرتے نہیں ہیں آہ
یاں لُطف تب تلک ہی ہے جب تک ہوا رہے

کُشتے ہیں ہم تو ذوقِ شہیدانِ عشق کے
تیغِ ستم کو دیر گلے سے لگا رہے

گاہے کراہتا ہے گہے چُپ ہے گاہ سُست
ممکن نہیں مریضِ محبّت بھلا رہے

آتے کبھو جو واں سے تو یاں رہتے تھے اداس
آخر کو میرؔ اُس کی گلی ہی میں جا رہے

۹۰۱

یک عمر دیدہ ہائے ستم دیدہ تر رہے
آخر کو پھوٹ پھوٹ بہے نہر کر رہے ۲۲۳۰

ہم نے بھی نذر کی ہے پھریں گے چمن کے گرد
آنے تئیں بہار کے گر بال و پر رہے

کیا کیا کہیے تیرے واسطے اے مایۂ حیات
کیا کیا عزیز اپنے تئیں مار مر رہے

مرتے بھی اپنے ہائے وہ حاضر نہ ہو سکا
ہم اشتیاق کش تو بہت مختصر رہے

مرغانِ باغ رہتے ہیں اب گھیرے یوں مجھے
ماتم زدوں کے حلقے میں جوں نوحہ گر رہے

۴۲۳۵ آغوش اس سے خالی رہی شب تو تا سحر
جیب و کنار گریۂ خونیں سے بھر رہے

نقشِ قدم کے طور ترے ہم ہیں پائمال
غالب ہے یہ کہ دیر ہمارا اثر رہے

اب صبر و ہوش و عقل کی میرے یہ ہے معاش
جوں قافلہ لٹا کہیں آکر اتر رہے

لاکھوں ہمارے دیکھتے گھر بار سے گئے
بکس خانماں خراب کے دیے جا کے گھر رہے

آتا کبھو تو ناز سے دکھلائی دے بھی جا
دروازے ہی کی اور کہاں تک نظر رہے

۴۲۴۰ رکھنا تمھارے پاؤں کا کھوتا ہے سر سے ہوش
یہ چال ہے تو اپنی کسے پھر خبر رہے

کیا بد بلا ہے لاگ بھی دل کی کہ میر جی
دامن سوار لڑکوں کے ہو کر نفر رہے

## ۹۰۲

یاں ہم برائے بیت جو بے خانماں رہے
سو یوں رہے کہ جیسے کوئی میہماں رہے

تھا ملک جن کے زیرِ نگیں صاف مٹ گئے
تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشاں رہے

آنسو چلے ہی آنے لگے منھ پہ متصل
کیا کیجیے اب کہ رازِ محبت نہاں رہے

۴۲۴۵ ہم جب نظر پڑیں تو وہ ابرو کو خم کرے
تیغ اپنے اس کے کب تئیں یوں درمیاں رہے

کوئی بھی اپنے سر کو کٹاتا ہے یوں و لے
جوں شمع کیا کروں جو نہ میری زباں رہے

یہ دونوں چشمے خوں سے بھر دوں تو خوب ہے
سیلاب میری آنکھوں سے کب تک رواں رہے

دیکھیں تو مصرِ حسن میں کیا خواریاں کھنچیں
اب تک تو ہم عزیز رہے ہیں جہاں رہے

مقصود گم کیا ہے تب ایسا ہے اضطراب
چکر میں ورنہ کاہے کو یوں آسماں رہے

۴۲۵۰ کیا اپنی ان کی تم سے بیاں کیجیے معاش
کیں مدتوں رکھا جو تنک مہرباں رہے

گہ شام اس کے مو سے ہے گہ روسے اس کے صبح
تم چاہو ہو کہ ایک سا ہی یاں سماں رہے

کیا نذرِ تیغِ عشق تہِ سبزہ میں کیا
اس معرکے میں کھیت بہت خستہ جاں رہے

اس تنگناے دہر میں تنگی نفس سے کی
جوں صبح ایک دم ہی لیے ہم جو یاں رہے

اک قافلے سے گرد ہماری نہ ٹک اٹھی
حیرت ہے میر اپنے تئیں ہم کہاں لیے

٩٠٣

ایک سمیں تم ہم فقرا سے اکثر صحبت رکھتے تھے
اور نہ تھی توفیق تمھیں تو بوسے کی ہمت رکھتے تھے ٧٢٥٥

آگے خط سے دماغ تمھارا عرش پہ تھا ہو دے ہی تم
پاؤں زمیں پر رکھتے تھے تو خدا پر منت رکھتے تھے

اب تو ہم ہو چکتے ہیں ٹک تیرے ابرو خم ہوتے
کیا کیا رنج اٹھاتے تھے جب جی میں طاقت رکھتے تھے

چاہ گئے سارے دیوانے پر آپ سے اکثر بیگانے
عاشق اس کے سیر کیے ہم سب سے جدی مت رکھتے تھے

ہم تو سزا ہے تیغ ہی تھے پر ظلم بے حد کیا معنی
اور بھی تجھ سے آگے ظالم اچھی صورت رکھتے تھے

آج غزال اک ہمرہ ہو کر لایا تربت مجنوں پر
قصد زیارت رکھتے تھے ہم جب سے وحشت رکھتے تھے ٧٢٦٠

کس دن ہم نے سر نہ چڑھا کر ساغر مے کو نوش کیا
دور میں اپنے دختر رز کی ہم اک حرمت رکھتے تھے

کوہکن و مجنوں و وامق کس کس کے لیں نام غرض
جی ہی سے جاتے آگے سنے وے لوگ جو الفت رکھتے تھے

چشم جہاں تک جاتی تھی گل دیکھتے تھے ہم سرخ و زرد
پھول چمن کے کس کے منھ سے ایسی خجلت رکھتے تھے

کام کرے کیا سعی و کوشش مطلب یاں ناپیدا تھا
دست و پا بہتیرے مارے جب تک قدرت رکھتے تھے

چتون کے کب ڈھب تھے ایسے چشمک کے تھے کب یہ ڈول
ہائے وے دن جن روزوں تم کچھ بھی مروت رکھتے تھے ٧٢٦٥

لعل سے جب دل تھے یہ ہمارے مرجاں سے تھے اشک چشم
کیا کیا کچھ پاس اپنے ہم بھی عشق کی دولت رکھتے تھے

کل کہتے ہیں اس بستی میں میر جی مشتاقانہ موئے
تجھ سے کیا ہی جان کے دشمن وے بھی محبت رکھتے تھے

٩٠٤

مجنوں و کوہکن کو آزار ایسے ہی تھے
یہ جان سے گئے سب بیمار ایسے ہی تھے

شمس و قمر کے دیکھے جی اس میں جا رہے ہے
اس دل فروز کے بھی رخسار ایسے ہی تھے

دامن کے پاٹ سارے تختے ہوئے چمن کے
بس اے سرشک خونیں درکار ایسے ہی تھے ٧٢٧٠

وہ ہو نہ کیوں رلائے ان کا گداز ہونا
یہ دل جگر ہمارے غم خوار ایسے ہی تھے

ہر دم جراحت آسا کب رہتے تھے ٹپکتے
یہ دیدۂ خونیں کیا خوں بار ایسے ہی تھے

آزاردہ دلوں کا جیسا کہ تو ہے ظالم — اگلے زمانے میں بھی کیا یار ایسے ہی تھے

ہو جائے کیوں نہ دوزخ باغِ زمانہ ہم پر — ہم بے حقیقتوں کے کردار ایسے ہی تھے

۲۷۵ دیوار سے پٹک سر میں جو مؤا تو بولا — کچھ اس ستم زدہ کے آثار ایسے ہی تھے

اک حرف کا بھی اُن کو دفتر ہے کر دکھانا
کیا کہیے میر جی کے بسیار ایسے ہی تھے

۹۰۵

اب ہم فقیر جی سے دل کو اُٹھا کے بیٹھے — اُس خصمِ جاں کے در پر تکیہ بنا کے بیٹھے

مرتے ہوئے بھی ہم کو صورت نہ آ دکھائی — وقتِ اخیر اچھا مُنھ کو چھپا کے بیٹھے

عزلت نشیں ہوئے جب دل داغ ہو گیا تب — یعنی کہ عاشقی میں ہم گھر جلا کے بیٹھے

۲۸۰ جو کفر جانتے تھے عشقِ بتاں کو، وہ ہی — مسجد کے آگے آخر قشقہ لگا کے بیٹھے

شورِ متاعِ خوبی اُس شوخ کا بلا تھا — بازاری سب دُکانیں اپنی بڑھا کے بیٹھے

کیا اپنی اور اُس کی اب نقل کریے صحبت — مجلس سے اُٹھ گیا وہ ٹک ہم جو آ کے بیٹھے

کیا جانے تیغ اُس کی کب ہو بلند عاشق — یوں چاہیے کہ سر کو ہر دم جھکا کے بیٹھے

پھولوں کی سیج پر سے جو بے دماغ اُٹھے — قطعہ — مسند پہ ناز کی جو تیوری چڑھا کے بیٹھے

۲۸۵ کیا غم اُسے زمیں پر بے برگ و ساز کوئی — خار و خسک ہی کیوں نہ برسوں بچھا کے بیٹھے

وادیِ قیس سے پھر آئے نہ میر صاحب
مُرشد کے ڈھیر پر وے شاید کہ جا کے بیٹھے

۹۰۶

ہے جنبشِ لب مشکل جب آن کے وہ بیٹھے — جو چاہیں سو یوں کہہ لیں لوگ اپنی جگہ بیٹھے

جی ڈوب گئے اپنے اندوہ کے دریا میں — وے جوش کہاں اب ہم مدت ہوئی وہ بیٹھے

کیا رنگ ہیں شوخی ہے اُس کے تنِ نازک کی — پیراہن اگر پہنے تو اس پہ بھی تہ بیٹھے

۲۹۰ سر گل نے اُٹھایا تھا اس باغ میں دیکھا — کیا ناز سے یاں کوئی کج کر کے کُلہ بیٹھے

مرتے موئے پر چاہت ظاہر نہ کی اگلوں نے — بے حوصلہ تھے ہم جو اس راز کو کہہ بیٹھے

کیا جانیے کہ ادھر کا کب قصد کرے گا وہ — پامال ہوئیے ہم تو اس سے سرِ رہ بیٹھے

جو ہاتھ چڑھا اس کے دل خوں ہی کیا اُس کا
اُس پنجۂ رنگیں کی اے میؔر نہ گہ بیٹھے

## ۹۰۷

اب سمجھ آئی مرتبا سمجھے — گم کیا خود کے تئیں خدا سمجھے
اس قدر جی میں ہے دغا اس کے — کہ دعا کریے تو دغا سمجھے ۷۲۹۵
کچھ سمجھتے نہیں ہمارا حال — تم سے بھی اے بتاں خدا سمجھے
غلط اپنا کہ اس جفا جو کو — سادگی سے ہم آشنا سمجھے
نکتہ داں بھی خدا نے تم کو کیا — پر ہمارا نہ مدعا سمجھے
لکھے دفتر کتابیں کیں تصنیف — پر نہ طالع کا ہم لکھا سمجھے

میرؔ صاحب کا ہر سخن ہے رمز
بے حقیقت ہے شیخ کیا سمجھے ۷۳۰۰

## ۹۰۸

اب اپنے قدِ راست کو خم دیکھتے ہیں ہائے — ہستی کے تئیں ہوتے عدم دیکھتے ہیں ہائے
سنتے تھے کہ جاتی ہے ترے دیکھنے سے جاں — اب جان چلی جاتی ہے ہم دیکھتے ہیں ہائے
کیا روتے ہیں یارانِ گزشتہ کے لیے ہم — جب راہ میں کچھ نقشِ قدم دیکھتے ہیں ہائے
کچھ عشق کی آتش کی لپٹ پہنچی ہمیں زور — سب تن بدن اپنے کو بھسم دیکھتے ہیں ہائے
دل چاک ہے جاں داغ جگر خوں ہے ہمارا — ان آنکھوں سے انواع ستم دیکھتے ہیں ہائے ۷۳۰۵

مایوس نہ کس طور جہاں سے رہیں ہم میرؔ
اب تاب بہت جان میں کم دیکھتے ہیں ہائے

## ۹۰۹

جاگنا تھا ہم کو سو بیدار ہوتے رہ گئے — کارواں جاتا رہا ہم ہائے سوتے رہ گئے
بوے گل پیش از سحر گلزار سے رخصت ہوئی — ہم ستم کش روبرو اُس کے تو روتے رہ گئے

جی دیے بن وہ درِ مقصود کب پایا گیا
بے جگر تھے میرؔ صاحب جان کھوتے رہ گئے

۹۱۰

۴۳۱۰ گُل گئے بوٹے گئے گلشن ہوئے برہم گئے
کیسے کیسے ہائے اپنے دیکھتے موسم گئے

ہنستے رہتے تھے جو اس گلزار میں شام و سحر
دیدۂ تر ساتھ لے وے لوگ جوں شبنم گئے

گر ہوا اس باغ کی ہے یہ تو اے بلبل نہ پھول
کوئی دن میں دیکھیو واں وے گئے یاں ہم گئے

کیا کم اُس خورشید رو کی جستجو یاروں نے کی
لوہو روتے جوں شفق پورب گئے پچھم گئے

جی گیا یاں بے دماغی سے اُنھوں کی اور واں
نے جبیں سے چیں گئی نَے ابرووں سے خم گئے

۴۳۱۵ شاید اب ٹکڑوں نے دل کے قصد آنکھوں کا کیا
کچھ سبب تو ہے جو آنسو آتے آتے تھم گئے

گرچہ ہستی سے عدم تک اک مسافت تھی بعید
پر اُٹھے جو ہم یہاں سے واں تلک اک دم گئے

کیا معاش اس غم کدے میں ہم نے دس دن کی بہم
اُٹھ کے جس کے ہاں گئے دل کا لیے ماتم گئے

سبزہ و گل خوش نشینی اس چمن کی جن کو تھی
سو بھی تو دیکھا گریباں چاک و مژگاں نم گئے

مردمِ دنیا بھی ہوتے ہیں سمجھ کس مرتبہ
آن بیٹھے ناؤں کو تو یاں نگیں سے جم گئے

ربط صاحب خانہ سے مطلق بہم پہنچا نہ میر
۴۳۲۰ مدتوں سے ہم حرم میں تھے پہ نامحرم گئے

۹۱۱

ہم نہ کہتے تھے رہے گا ہم میں کیا یاں سے گئے
سو ہی بات آئی اُٹھے اُس پاس سے جاں سے گئے

کیا بخود رہنا ہمارا کچھ رکھے ہے اعتبار
آپ میں آئے کبھو اب ہم تو مہماں سے گئے

جب تلک رہنا بنا دل تنگ غنچے سے رہے
دیکھیے کیا گُل کھلے گا اب گلستاں سے گئے

کیا غزالوں ہی کو ہم بن وحشت بسیار ہے
کوہ بھی نالاں رہے جب ہم بیاباں سے گئے

۴۳۲۵ لائی آفت خانقاہ و مسجد اوپر وہ نگاہ
صوفیاں دیں سے گئے سب شیخ ایماں سے گئے

دور کر خط کو کیا چہرۂ کتابی اُن نے صاف
اب قیامت ہے کہ سارے حرف قرآں سے گئے

جی تو اُس کی زلف میں دل کاکلِ پیچاں میں میر
جا بھی نکلے اس کنے تو ہم پریشاں سے گئے

۹۱۲

دل شتاب اس بزمِ عشرت سے اُٹھایا چاہیے
ایک دن تہ کر بساطِ ناز جایا چاہیے

یہ قیامت اور جی پر کل گئی پائیز میں | دل خس و خاشاکِ گلشن سے لگایا چاہیے
خانہ سازِ دیں جو ہے واعظ سو یہ خانہ خراب | اینٹ کی خاطر جسے مسجد کو ڈھایا چاہیے ۲۳۰
کام کیا بالِ ہما سے چترِ شہ سے کیا غرض | سر پر اک دیوار ہی کا اُس کی سایا چاہیے
اتقا پر خانقہ والے بہت مغرور ہیں | مستِ ناز اِدھر اُسے یک بار لایا چاہیے
کیاریوں ہی میں پڑے رہیے گا سایے کی روش | اپنے ہوتے اب کے موسم گل کا آیا چاہیے
یہ ستم تازہ کہ اپنی نا کسی پر کر نظر | جن سے بگڑا چاہیے اُن سے بنایا چاہیے
جی نہیں رہتا ہے ٹک ناچار ہم کو اُس کی اور | گرتے پڑتے ضعف میں بھی روز جایا چاہیے ۲۳۵
گاہ برقع پوش ہو گہ مو پراگندہ کرو | تم کو ہم سے منھ بہر صورت چھپایا چاہیے

وہ بھی تو ٹک دست و تیغ اپنے کی جانے قدرِ میر
زخم سارے ایک دن اس کو دکھایا چاہیے

۹۱۳

انکھڑیوں کو اس کی خاطر خواہ کیونکر دیکھیے | سو طرف جب دیکھ لیجے تب ٹک اودھر دیکھیے
گرچہ زردی رنگ کی بھی ہجر ہی سے ہے ولے | منھ مرا دیکھو ہو کیا یہ کوفت جی پر دیکھیے
اب کے گل ہم بے پروں کی اور چشمک زن ہے زور | اور دل اپنا بھی جلتا ہے بہت پر دیکھیے ۲۴۰
آتے ہو جب جان یاں آنکھوں میں آ رہتی ہے آہ | دیکھیے ہم کو تو یوں بیمار و مضطر دیکھیے
اشک پُر سرخی ابھی سے ہے تو آگے ہم نشیں | رنگ لاوے کیسے کیسے دیدۂ تر دیکھیے
دیر و کعبے سے بھی ٹک جھپکی نہ چشمِ شوخِ یار | شوق کی افراط سے تا چند گھر گھر دیکھیے
مر رہے یوں صید گہ کی کنج میں تو حسن کیا | عشق جب ہے تب گلے کو زیرِ خنجر دیکھیے
برسوں گزرے خاک ملتے منھ پر آئینے کے طور | کیا غضب ہے آنکھ اٹھا کر ٹک تو ادھر دیکھیے ۲۴۵

دیدنی ہے وجد کرنا میر کا بازار میں
یہ تماشا بھی کسو دن تو مقرر دیکھیے

۹۱۴

گرداب وار یار ترے صدقے جائیے | دریا کا پھیر پائیے تیرا نہ پائیے
سر مار مار بیٹھے تلف ہو جے کب تلک | ٹک اٹھ کے اب نصیبوں کو بھی آزمائیے

سو شکل سے ہم آئے گئے تیری بزم میں | طنزاً کہا نہ تو نے کبھو یوں کہ آئیے
۲۳۵۰ آئے ہیں تنگ جان سے قیدِ حیات میں | اس بند سے ہمارے تئیں اب چھڑائیے
کہنے لگا کہ ٹیڑھے بہت ہو رہے ہو تم | دو چار سیدھی سیدھی تمھیں بھی سنائیے
ہے عزم جزم ترک و تجرد کا گر بنے | قطعہ کیا اس جہانِ سفلہ سے دل کو لگائیے

تاثیر ہے دعا کو فقیروں کی میر جی
ٹک آپ بھی ہمارے لیے ہاتھ اٹھائیے

۹۱۵

ٹک ٹھہرنے دے تجھے شوخی تو کچھ ٹھہرائیے | پیکرِ نازک کو تیرے کیونکہ بر میں لائیے
۲۳۵۵ ساکنِ دیر و حرم دونوں تلاشی ہیں ترے | تو خدا جانے کہاں ہے کیونکہ تجھ کو پائیے
وہ ہی سے ہوش کھو دیتی ہے اس کی بوے خوش | آپ میں رہیے تو اس کے پاس بھی ٹک جائیے
ان دنوں رنگ اور کچھ ہے اس دلِ پرخون کا | حق میں میرے آپ ہی کچھ سوچ کر فرمائیے
جی ہی کھپ جاتا ہے طنز آمیز ایسے لطف سے | ہنس کے جب کہتا ہے سب میں آئیے جی آئیے
دل کے ویراں کرنے میں بیداد کی ہے تو نے ہائے | خوش عمارت ایسے گھر کو اس طرح سے ڈھائیے

رات دن رخسار اس کے چت چڑھے رہتے ہیں میر
۲۳۶۰ آفتاب و ماہ سے دل کب تلک بہلائیے

۹۱۶

پر نہیں جو اڑ کے اُس در جائیے | زندگانی حیف ہے مر جائیے
کچھ نہیں تو شعر ہی کی فکر کر | آئے ہیں جو یاں تو کچھ کر جائیے
قصد ہے کعبے کا لیکن سوچ ہے | کیا ہے منھ جو اس کے در پر جائیے
خانماں آباد جو ہے سو خراب | کس کے اٹھ کر شہر میں گھر جائیے

بیم مردن اس قدر یہ کیا ہے میر
۲۳۶۵ عشق کریے اور پھر ڈر جائیے

۹۱۷

ان دلبروں کو دیکھ لیا بے وفا ہیں یے | بے دید و بے مروت و ناآشنا ہیں یے

حالانکہ خصمِ جان ہیں پر دیکھیے جو خوب
ہیں آرزوئے دلوں کی بھی یہ مدّعا ہیں یے

اب حوصلہ گرے ہے ہمارا بھی تنگیاں
جانے بھی دو بتوں کے تئیں کیا خدا ہیں یے

گُل پھول اس چمن کے چلو صبح دیکھ لیں
شبنم کے رنگ پھر کوئی دم میں ہوا ہیں یے

کس دل میں خوبروؤں کی خالی نہیں جگہ
مغرور اپنی خوبی کے اوپر بجا ہیں یے ۴۳۷۰

ہر چند ان سے برسوں چھپا ہم بلا کیے
ظاہر ہوئے نہ ہم پہ ہوا یہ کہ کیا ہیں یے

کیا جانو میرؔ صاحب و قبلہ کے ڈھب کو تم
خوبیِ مسلّم اُن کی و لے بد بلا ہیں یے

## ۹۱۸

شوق ہم کو کھپائے جاتا ہے
جان کو کوئی کھائے جاتا ہے

ہر کوئی اس مقام میں دس روز
اپنی نوبت بجائے جاتا ہے

کھل گئی بات تھی سو ایک اک پر
تو وہی منھ چھپائے جاتا ہے ۴۳۷۵

یاں پلیتھن نکل گیا واں غیر
اپنی تکّی لگائے جاتا ہے

روئیے کیا دل و جگر کے تئیں
جی بھی یاں پر تو ہائے جاتا ہے

کیا کیا ہے فلک کا میں کہ مجھے
خاک ہی میں ملائے جاتا ہے

تہ جنھیں کچھ ہے اُن کے تئیں ہر گام
عرقِ شرم آئے جاتا ہے

جائے عبرت ہے خاکدانِ جہاں
تو کہاں منھ اُٹھائے جاتا ہے ۴۳۸۰

دیکھ سیلاب اس بیاباں کا
کیسا سر کو جھکائے جلتا ہے

وہ تو بگڑے ہے میرؔ سے ہر دم
اپنی سی یہ بنائے جاتا ہے

## ۹۱۹

کبھو میرؔ اس طرف آ کر جو چھاتی کوٹ جاتا ہے
خدا شاہد ہے اپنا تو کلیجا ٹوٹ جاتا ہے

خرابی دل کی کیا انبوہِ درد و غم سے پوچھو ہو
وہی حالت ہے جیسے شہر لشکر لوٹ جاتا ہے

شکست اس رنگ آئی بے خودیِ عشق میں دل پر
نشے میں مست سے جیسے کہ شیشہ پھوٹ جاتا ہے ۴۳۸۵

نہ یوں ہووے کہ اٹھ جاؤں کہ ہے افسوس کی جاگہ
جب ایسا طائرِ خوش لہجہ پھنس کر چھوٹ جاتا ہے

نہیں کچھ عقل میں آتا کہ دیوانہ سا میرؔ ایدھر
کبھو آتا جو ہے کیدھر کو مارے زوٹ جاتا ہے

۹۲۰

چمن کو یاد کر مرغِ قفس فریاد کرتا ہے — کوئی ایسا ستم دنیا میں اے صیاد کرتا ہے
ہوا خانہ خراب آنکھوں کا اشکوں سے تو بہ جا ہے — رہ سیلاب میں کوئی بھی گھر بنیاد کرتا ہے
ابھر اے نقشِ شیریں بے ستوں اوپر تماشا کر
۷۲۹۰ کہ کارستانیاں تیرے لیے فرہاد کرتا ہے

۹۲۱

جب نسیمِ سحر اُدھر جا ہے — ایک سناہٹا گزر جا ہے
کیا اُس آئینہ رو سے کہیے ہائے — وہ زباں کر کے پھر مکر جا ہے
جب سے سمجھا کہ ہم چلاؤ ہیں — حال پرسی ٹک آکے کر جا ہے
وہ کھلے بال سووے ہے شاید — رات کو جی مرا بکھر جا ہے
۷۲۹۵ دور اگرچہ گیا ہوں میں جی سے — کب وطن میرے یہ خبر جا ہے
وہ اگر چپت چڑھا رہا ایسا — آج کل جی سے مہ اُتر جا ہے
جی نہیں میرؔ میں نہ بولو تند
بات کہتے ابھی وہ مر جا ہے

۹۲۲

کچھ بات ہے کہ گل ترے رنگیں دہاں سا ہے — یا رنگ لالہ شوخ ترے رنگِ پاں سا ہے
آیا ہے زیرِ زلف جو رخسار کا وہ سطح — یاں سانجھ کے تئیں بھی سحر کا سماں سا ہے
۷۳۰۰ ہے جی کی لاگ اور کچھ اے فاختہ ولے — دیکھے نہ کوئی سروِ چمن اس جواں سا ہے
کیا جانیے کہ چھاتی جلے ہے کہ داغِ دل — اک آگ سی لگی ہے کہیں کچھ دھواں سا ہے
اُس کی گلی کی اور تو ہم تیر سے گئے — گو قامتِ خمیدہ ہمارا کماں سا ہے
جو ہے سو اپنے فکرِ خرد بار میں ہے یاں — سارا جہان راہ میں اِک کارواں سا ہے
کعبے کی یہ بزرگی شرف سب بجا ہے لیک — دلکش جو یوں چھپے تو کب اس آستاں سا ہے

عاشق کی گور پر بھی کبھو تو چلا کرو ۔ کیا خاک واں رہا ہے یہی کچھ نشاں سا ہے ۷۴۰۵

زورِ طبیعت اس کا سنیں اشتیاق تھا
آیا نظر جو میر تو کچھ ناتواں سا ہے

## ۹۲۳

طپش سے رات کی جوں توں کے جی سنبھالا ہے ۔ نہیں ہے دل کوئی دشمن بغل میں پالا ہے
حنا سے یار کا پنجہ نہیں ہے گل کے رنگ ۔ ہمارے اُن نے کلیجوں میں ہاتھ ڈالا ہے
گیا ہے پیش لے اعجازِ عشق سے فرہاد ۔ وگرنہ خس نے کہیں بھی پہاڑ ٹالا ہے
سنا ہے گریۂ خونیں، پہ یہ نہیں دیکھا ۔ لہو کا ہر گھڑی آنکھوں کے آگے نالا ہے ۷۴۱۰
رہے خیال نہ کیوں ایسے ماہ طلعت کا ۔ اندھیرے گھر کا ہمارے وُہی اُجالا ہے
دلوں کو کہتے ہیں ہوتی ہے راہ آپس میں ۔ طریقِ عشق بھی عالم سے کچھ نرالا ہے

ہزار بار گھڑی بھر میں میر مرتے ہیں
انھوں نے زندگی کا ڈھب نیا نکالا ہے

## ۹۲۴

چھاتی جلا کرے ہے سوزِ درونِ بلا ہے ۔ اک آگ سی رہے ہے کیا جانیے کہ کیا ہے
میں اور تو ہیں دونوں مجبورِ طور اپنے ۔ پیشہ ترا جفا ہے شیوہ مرا وفا ہے ۷۴۱۵
روئے سخن ہے کیدھر اہلِ جہاں کا یارب ۔ سب متفق ہیں اس پر ہر ایک کا خدا ہے
کچھ بے سبب نہیں ہے خاطر مری پریشاں ۔ دل کا الم جدا ہے غم جان کا جدا ہے
حسن اُن بھی معنیوں کا تھا آپھی صورتوں میں ۔ اس مرتبے سے آگے کوئی چلے تو کیا ہے
شادی سے غم جہاں میں دہ چند ہم نے پایا ۔ ہے عید ایک دن تو دس روز یاں دہا ہے
ہے خصمِ جانِ عاشق وہ محوِ ناز لیکن ۔ ہر لمحہ بے ادائی یہ بھی تو اک ادا ہے ۷۴۲۰
ہو جائے یاس جس میں سو عاشقی ہے ورنہ ۔ ہر رنج کو شفا ہے، ہر درد کو دوا ہے
نایاب اس گہر کی کیا ہے تلاش آساں ۔ جی ڈوبتا ہے اُس کا جو تہ سے آشنا ہے
مشفق ملاذ و قبلہ کعبہ خدا پیمبر ۔ جس خط میں شوق سے میں کیا کیا اسے لکھا ہے
ہے گرچہ طفلِ مکتب وہ شوخ ابھی تو لیکن ۔ جس سے ملا ہے اُس کا استاد ہو ملا ہے

۴۴۲۵ تاثیرِ عشق دیکھو وہ نامہ واں پہنچ کر — جوں کاغذِ ہوائی ہر سو اڑا پھرا ہے

پھرتے ہو میر صاحب سب سے جدے جدے تم
شاید کہیں تمھارا دل ان دنوں لگا ہے

## ۹۲۵

دلِ بیتاب آفت ہے بلا ہے — جگر سب کھا گیا اب کیا رہا ہے
ہمارا تو ہے اصلِ مدعا تو — خدا جانے ترا کیا مدعا ہے
محبت کشتہ ہیں ہم، یاں کسو پاس — ہمارے درد کی بھی کچھ دوا ہے
۴۴۳۰ حرم سے دیر اٹھ جانا نہیں عیب — اگر یاں ہے خدا واں بھی خدا ہے
نہیں ملتا سخن اپنا کسو سے — ہماری گفتگو کا ڈھب جدا ہے
کوئی ہے دل کھنچے جاتے ہیں اودھر — فضولی ہے تجسس یہ کہ کیا ہے
مروں میں اس میں یا رہ جاؤں جیتا — یہی شیوہ مرا مہر و وفا ہے
صبا اودھر، گل اودھر، سرو اودھر — اسی کی باغ میں اب تو ہوا ہے
۴۴۳۵ تماشا کردنی ہے داغِ سینہ — یہ پھول اس تختے میں تازہ کھلا ہے
ہزار دل ان نے ایسی کی ادائیں — قیامت جیسے اک اس کی ادا ہے
جگہ افسوس کی ہے بعدِ چندے — ابھی تو دل ہمارا بھی بجا ہے
جو چپکے ہوں کہے چپکے ہو کیوں تم — قطعہ — کہو جو کچھ تمھارا مدعا ہے
سخن کریے تو ہووے حرف زن یوں — بس اب منھ موند لے میں نے سنا ہے
۴۴۴۰ کب اس بیگانہ خو کو سمجھے عالم — قطعہ — اگرچہ یار عالم آشنا ہے
نہ عالم میں ہے نے عالم سے باہر — پہ سب عالم سے عالم ہی جدا ہے

لگا میں گردِ سر پھرنے تو بولا
تمھارا میر صاحب سر پھرا ہے

## ۹۲۶

شورِ میرے جنوں کا جس جا ہے — دخلِ عقل اس مقام میں کیا ہے
دل میں پھرتے ہیں خال و خط و زلف — مجھ کو یک سر ہزار سودا ہے

شور بازار میں ہے یوسف کا — وہ بھی آ نکلے تو تماشا ہے ۴۴۵

برچھیوں میں کہیں نہ بٹ جاوے — دل صفوفِ مژہ میں تنہا ہے

نظر آئے تھے وے حنائی پا — آج تک فتنہ ایک برپا ہے

دل کھنچے جاتے ہیں اُسی کی اور — سارے عالم کی وہ تمنا ہے

برسوں رکھتا ہے دیدۂ تر پر — پاٹ دامن کا اپنے دریا ہے

تنگ گریباں میں سر کو ڈال کے دیکھ — دل بھی دامن وسیع صحرا ہے ۴۵۰

دلکشی اُس کے قد کی سی معلوم — سرو بھی اک جوانِ رعنا ہے

دست و پا گم کیے ہیں تو نے میر
پیری بے طاقتی سے پیدا ہے

۹۲۷

کئی برسوں جگر کا ہی لہو اپنا پیا ہے — تب دل کے تئیں خوگر اندوہ کیا ہے

ڈر کیوں نہ محلے میں رہے رونے سے میرے — سیلاب نے اس کوچے میں گھر ٹول لیا ہے

افسوس ہے شمردہ قدم تم جو رکھو یاں — اس راہ میں سر یاروں نے ہر گام دیا ہے ۴۵۵

کاہش ہے عبث تم کو مرے جینے کی خاطر — بیمار بھلا ایسا کوئی آگے جیا ہے

پلکوں سے رفو اُن نے کیا چاکِ دلِ میر
کس زخم کو کس نازکی کے ساتھ سیا ہے

۹۲۸

کس غم میں مجھ کو یارب یہ مبتلا کیا ہے — دل ساری رات جیسے کوئی ملا کیا ہے

ان چار دن سے ہوں میں افسردہ کچھ وگرنہ — پھوڑا سا دل بغل میں برسوں جلا کیا ہے

اُس گل کی اور اپنا تب منہ کیا ہے میں نے — جب آشنا لبوں سے صلِ علیٰ کیا ہے ۴۶۰

دل داغ کب نہ دیکھا جی بار کب نہ پایا — کیا کیا نہال خواہش پھولا پھلا کیا ہے

تڑپھا ہے ایسا ایسا جو غش رہا ہے مجھ کو — دل اک بغل میں جی کا دشمن پلا کیا ہے

کیا خاک میں ہمیں کو اُن نے نیا ملایا — ٹیڑھی ہی چال گردوں اکثر چلا کیا ہے

چلتا نہیں ہے دل پر کچھ اس کے بس وگرنہ — عرشِ آہِ عاجزوں سے اکثر ہلا کیا ہے

۷۳۶۵ ہم گو نہ ہوں جہاں میں آخر جہاں تو ہوگا — تو نے بدی تو کی ہے ظالم بھلا کیا ہے

ہے منھ پہ میر کے کیا گردِ ملال تازہ
یو خاک میں ہمیشہ یوں ہی رُلا کیا ہے

## ۹۲۹

باریک وہ کمر ہے ایسی کہ بال کیا ہے — دل ہاتھ جو نہ آوے اس کا خیال کیا ہے

جو بے کلی ہے ایسی چاہت گلوں کی اتنی — کیا جانے ہم صفیرو تو اب کی سال کیا ہے

پہنچا بہم علاقہ لے عزلتی کسو سے — کرنا معاش اکیلے اتنا کمال کیا ہے

۷۳۷۰ آغاز تو یہ ہے کچھ روتے ہیں خون ہر دم — کیا جانے عاشقی کا یارو مآل کیا ہے

پامالِ راہ اس کے کیا کیا عزیز دیکھے — آئی نہ جب سمجھ میں گردوں کی چال کیا ہے

وہ سیم تن ہو ننگا تو لطف تن پر اس کے — سو جی گیے تھے صدقے اک جان و مال کیا ہے

سرگرمِ جلوہ اس کو دیکھے کوئی سو جانے — طرزِ خرام کیا ہے، حسن و جمال کیا ہے

میں بے نوا اڑا تھا بوسے کو ان لبوں کے — قطعہ — ہر دم صدا یہی تھی دے گزرو ٹال کیا ہے

۷۳۷۵ پر چپ ہی لگ گئی جب ان نے کہا کہ کوئی — پوچھو تو شاہ جی سے ان کا سوال کیا ہے

گہ آپ میں نہیں ہو گہ منتظر کہیں ہو
کچھ میر جی تمھارا ان روزوں حال کیا ہے

## ۹۳۰

دل مرا مضطرب نہایت ہے — رنج و حرماں کی یہ بدایت ہے

منھ اُدھر کر کبھو نہ وہ سویا — کیا دعا شب کی بے سرایت ہے

اب وہ مہ اور ایک مہ سے ملا — چند در چند یہ حکایت ہے

۷۳۸۰ ہر طرف بحث تجھ سے ہے اے عشق — شکر تیرا تری شکایت ہے

ایسے رنج و عنا میں اودھر سے — پرسشِ حال بھی عنایت ہے

دہر کا ہو گلہ کہ شکوۂ چرخ — اس ستم گر ہی سے کنایت ہے

مت مراعاتِ غیر رکھ منظور — میرے حق میں یہی رعایت ہے

عاشق اب بڑھ گئے ہمیں چھانٹو — اس میں سرکار کی کفایت ہے

کب ملے میرؔ ملک دار دل سے
وہ گدا بے شہِ ولایت ہے ۴۸۸۵

## ۹۳۱

گرمی سے میری ابر کا ہنگامہ سرد ہے
آنکھیں اگر یہی ہیں تو دریا بھی گرد ہے

مجنوں کو مجھ سے کیا ہے جنوں میں مناسبت
میں شہر بند ہوں وہ بیاباں نورد ہے

کیا جانیے کہ عشق میں خوں ہو گیا کہ داغ
چھاتی میں اب تو دل کی جگہ ایک درد ہے

واصل بحق ہوئے نہ جو ہم جان سے گئے
غیرت ہو کچھ مزاج میں جس کے وہ مرد ہے

ممکن نہیں کہ وصفِ علی کوئی کر سکے
تفرید کے جریدے میں وہ پہلی فرد ہے ۴۸۹۰

ٹھہرے نہ چرخِ نیلی پہ انجم کی چشمِ شوخ
اس قصر میں لگا جو ہے کیا لاجورد ہے

کس سے جدا ہوئے ہیں کہ ایسے ہیں دردمند
منھ میرؔ جی کا آج نہایت ہی زرد ہے

## ۹۳۲

جانے میں قتل گہ سے ترا اختیار ہے
پر جانیں جو گئی ہیں سو رہ پُر غبار ہے

ہم آپ سے گئے سو الٰہی کہاں گئے
مدت ہوئی کہ اپنا ہمیں انتظار ہے

بس وعدۂ وصال سے کم دے مجھے فریب
آگے ہی مجھ کو تیرا بہت اعتبار ہے ۴۸۹۵

سرتابی اُس سے طائرِ قدسی نہ کر سکے
اُس ترکِ صید بند کا وہ تو شکار ہے

مائل نہیں ہے سرو ہی تنہا تری طرف
گل کو بھی تیرے دیکھنے کا خار خار ہے

پیوند میں زمیں کا ہوا اس گلی میں لیک
یوں بھی کہا نہ اُن نے یہ کس کا مزار ہے

کل سروِ ناز باغ میں آیا نظر مجھے
میں نے فریبِ شوق سے جانا کہ یار ہے

اب دیکھ کر قرار کیا کر وصال کا
دل کو بغیر تیرے تنک بھی قرار ہے ۴۹۰۰

مت فکرِ خانہ سازی میں منعم ہلاک ہو
بنیاد زندگانی کی ناپائدار ہے

کب تک ستم کبھو تو دلاسا بھی دیجیے
بالفرض میرؔ ایسا ہی تقصیر وار ہے

جنوں کا عبث میرے مذکور ہے ۹۳۳ جوانی دوانی ہے مشہور ہے

کہو چشمِ خوں بار کو چشم تم — خدا جانے کب کا یہ ناسور ہے

۵۰۵ فلک پر جو مہ ہے تو روشن ہے یہ — کہ مُنھ سے ترے نسبتِ دُور ہے

گدا شاہ دونوں ہیں دل باختہ — عجب عشق بازی کا دستور ہے

قیامت ہے ہوگا جو رفعِ حجاب — نہ بے مصلحت یار مستور ہے

ہم اب ناتوانوں کو مرنا ہے صرف — نہیں وہ کہ جینا بھی منظور ہے

ستم میں ہماری قسم ہے تمھیں — کرو صرف جتنا کہ مقدور ہے

۵۱۰ نیاز اپنا جس مرتبے میں ہے یاں — اُسی مرتبے میں وہ مغرور ہے

ہُوا حال بندے کا گو کچھ خراب — خدائی ابھی اُس کی معمور ہے

گیا شاید اُس شمع رُو کا خیال
کہ اب میرؔ کے مُنھ پہ کچھ نور ہے

## ۹۳۴

زُلف ہی درہم نہیں ابرو بھی پُر خم اور ہے — یاں تلف ہوتا ہے عالم واں سو عالم اور ہے

پیٹ لینا سر لیے دل کے شروعِ عشق تھا — سینہ کوبی متصل ہے اب یہ ماتم اور ہے

۵۱۵ جوں کفِ دریا کو دریا سے ہے نسبت دُور کی — ابر بھی رو دل اور کچھ ہے دیدۂ نم اور ہے

رہتے رہتے منتظر آنکھوں میں جی آیا ندان — دم غنیمت جان اب مہلت کوئی دم اور ہے

جی تو جانے کا ہمیں اندوہ ہی ہے لیک میرؔ
حشر کو اُٹھنا پڑے گا پھر یہ اک غم اور ہے

## ۹۳۵

رشتہ کیا ٹھہرے گا یہ جیسے کہ مُو نازک ہے — چاکِ دل پلکوں سے مت سی کہ رفو نازک ہے

شاخِ گل کا ہے کو اس لطف سے لچکے ہے کہیں — لاگ والا کوئی دیکھے تجھے، تو نازک ہے

۵۲۰ چشمِ انصاف سے برقع کو اُٹھا دیکھو اسے — گل کے مُنھ سے تو کئی پردہ وہ رُو نازک ہے

لطف کیا دیوے ہے تمھیں نقشِ حصیرِ درویش — بوریا پوشوں سے پوچھو یہ کہ تو نازک ہے

بیڑے کھاتا ہے تو آتا ہے نظر پان کا رنگ — کس قدر ہائے رے وہ جلدِ گلو نازک ہے

گل سمجھ کر نہ کہیں بے کلی کرنے لگیو — بلبل اُس لالۂ خوش رنگ کی خو نازک ہے

رکھے تا چند خیال اس سرِ پُر شور کا میر

دل تو کانپا ہی کرے ہے کہ سبُو نازک ہے

مستی میں جا و بے جا مدِ نظر کہاں ہے ۹۳۶ بے خود ہیں اُس کی آنکھیں ان کو خبر کہاں ہے ۵۲۵

شب چند روز سے میں دیکھا نہیں وہ چہرہ — کچھ سوچ کر منجم بارے قمر کہاں ہے

سیمیں تنوں کا ملنا چاہے ہے کچھ تموّل — شاہد پرستیوں کا ہم پاس زر کہاں ہے

جوں آرسی کرے ہے مُنہ دیکھنے کی باتیں — دِل کی توجہ اس کی ہمدم ادھر کہاں ہے

پانی ہو بہ گئے سب اجزا بدن کے لیکن — یوں بھی کہا نہ اُن نے وہ چشم تر کہاں ہے

خضر و مسیح سب کو جیتے ہی موت آئی — اور اس مرض کا کوئی اب چارہ گر کہاں ہے ۵۳۰

لے اس سرے سے بار و اجڑی ہے اُس سرے تک — اقلیمِ عاشقی میں آباد گھر کہاں ہے

اُٹھنے کی اک ہوس ہے ہم کو قفس سے ورنہ — شایستہ پریدن بازو میں پر کہاں ہے

پیرانہ سر چلے ہیں اُٹھ کر گلی سے اس کی — کیا پیش آئے دیکھیں وقتِ سفر کہاں ہے

جاتا نہیں اگر وہ مسجد سے مے کدے کو

پھر میر جمعہ کی شب دو دو پہر کہاں ہے

## ۹۳۷

کیا کہیے کلی سا وہ دہن ہے — اس میں بھی جو سوچیے سخن ہے ۵۳۵

اُس گل کو لگے ہے شاخِ گل کب — یہ شاخچہ بندیٔ چمن ہے

وابستگی مجھ سے شیشہ جاں کی — اس سنگ سے ہے کہ دل شکن ہے

کیا سہل گزرتی ہے جنوں سے — تحفہ ہم لوگوں کا چلن ہے

لطف اُس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو — کیا جانیے جان ہے کہ تن ہے

وے بندِ قبا کھلے تھے شاید — صد چاک گلوں کا پیرہن ہے ۵۴۰

گہہ دیر میں ہیں گہے حرم میں — اپنا تو یہی دِوانہ پن ہے

ہم کشتۂ عشق ہیں ہمارا — میدان کی خاک ہی کفن ہے

کر میر کے حال پر ترحّم

وہ شہر غریب و بے وطن ہے

## ۹۳۸

ہم مست بھی ہو دیکھا آخر مزا نہیں ہے
ہشیاری کے برابر کوئی نشا نہیں ہے

۵۰۴۵ شوقِ وصال ہی میں جی کھپ گیا ہمارا
باآنکہ ایک دم وہ ہم سے جدا نہیں ہے

ہر صبح اٹھ کے تجھ سے مانگوں ہوں میں تجھی کو
تیرے سوائے میرا کچھ مدعا نہیں ہے

زیرِ فلک رکا ہے اب جی بہت ہمارا
اس بے فضا قفس میں مطلق ہوا نہیں ہے

آنکھیں ہماری دیکھیں لوگوں نے اشک افشاں
اب چاہ کا کسو کی پردہ رہا نہیں ہے

منھ جن نے میرا دیکھا ایک آہ دل سے کھینچی
اس دردِ عاشقی کی آیا دوا نہیں ہے

۵۰۵۰ تھیں پیش از آشنائی کیا آشنا نگاہیں
اب آشنا ہوئے پر آنکھ آشنا نہیں ہے

کریے جو ابتدا تو تا حشر حال کہیے
عاشق کی گفتگو کو کچھ انتہا نہیں ہے

پردا ہی ہم نے دیکھا چہرے پہ گاہ و بے گاہ
اتنا بھی منھ چھپانا کچھ خوش نما نہیں ہے

میں روؤں تم ہنسو ہو کیا جانو میر صاحب
دل آپ کا کسو سے شاید لگا نہیں ہے

## ۹۳۹

کیا تنِ نازک ہے جاں کو بھی حسد جس تن پہ ہے
کیا بدن کا رنگ ہے تہ جس کی پیراہن پہ ہے

۵۰۵۵ گرد جب اٹھتی ہے اک حسرت سے رہ جاتے ہیں دیکھ
وحشیانِ دشت کی آنکھ اس شکار افگن پہ ہے

کثرتِ پیکاں سے تیرے ہو گئی ہیئت ہی اور
اب شرف دل کو ہمارے پارۂ آہن پہ ہے

کون یوں اے ترکِ رعنا زینتِ فتراک تھا
خوں سے گل کاری عجب اک زیں کے دامن پہ ہے

سر اٹھانے کی نہیں ہے ہم کو فرصت عشق میں
ہر دم اک تیغِ جفائے تازہ یاں گردن پہ ہے

نوحہ گر کر مجھ کو دکھلایا غمِ دل نے زنان
شیون اب موقوف یاروں کا مرے شیون پہ ہے

۵۰۶۰ ہو چکا رہنا مرا بستی میں آخر کب تلک
نالۂ شب سے قیامت روز مرد و زن پہ ہے

خرمنِ گل سے لگیں ہیں دور سے کوڑوں کے ڈھیر
لوہو رونے سے ہمارے رنگ اک گلخن پہ ہے

وے پھری پلکیں الٹ دیتی ہیں صف اک آن میں
اب لڑائی ہند میں سب اس سیہ پلٹن پہ ہے

تو تو کہتا ہے کہ میں نے اس طرف دیکھا نہیں
خونِ ناحق میر کا یہ کس کی پھر چتون پہ ہے

۹۴۰

یہ رات ہجر کی یاں تک تو دکھ دکھاتی ہے — کہ شکل صبح مری سب کو بھول جاتی ہے
تپش کے دم ہی تئیں مجھ سے بہتے خوں گرمی — وگرنہ تیغ تری کب گلے لگاتی ہے ۵۶۹۵
ہنسے ہے چاکِ قفس کھلکھلا کے مجھ اوپر — چمن کی باد میں جب بے کلی رلاتی ہے

ہوا ہے میرؔ سے روشن کہ گُل جھبی ہے شمع
زباں ہلانے میں پروانے کو جلاتی ہے

۹۴۱

نہ گلشن میں چمن پر اُن نے بلبل تجھ کو جا دی ہے — سپاس ایزد کے کر جن نے کہ یہ ڈالی نوا دی ہے
نہیں ٹک بیٹھنے دیتے تم اپنی بزم میں ہم کو — مروت رسم تھی مدت کی سو تم نے اٹھا دی ہے
رہائی چنگلِ بازِ فلک سے مجھ کو مشکل تھی — مری یہ بند چڑیا کی سی مولے نے چھڑا دی ہے ۵۷۰۰
گلی میں اپنی قدغن کر رکھو آنے نہ پاؤں میں — کہیں کیا اور بھی دل کے لگانے کی منادی ہے
تپش سے رنگ اڑا جاوے قلق سے جان گھبراوے — دیا ہے دل الٰہی ہم کو یا کوئی بلا دی ہے
درِ گلزار پیش از صبح وا اے باغباں مت کر — اڑا لیتی ہے مٹی بھی صبا اک چور بادی ہے
کوئی صورت نہیں اس گھر سے اب تیرے نکلنے کی — قیامت کی ہے جن نے آرسی تجھ کو دکھا دی ہے
مجھے منظور کیا ہے زلف و خال و خطِ خوباں سے — خدا نے دیکھنے کی لت سی آنکھوں کو لگا دی ہے ۵۷۰۵
کجیٔ ذہن اس وادی میں گمراہی کی ہے باعث — سلیم الطبع کو تو پانو کا ہر نقش ہادی ہے
لگا رہتا ہے سینے ہی سے بیٹھا ہوں کہ سوتا ہوں — غرض چھاتی مری داغِ جدائی نے جلا دی ہے
نہ چھوٹا دل میں کچھ اس کے گئے پر غارتِ غم سے — ہزار افسوس کیا بستی محبت نے لٹا دی ہے
نہ ملتی ٹک تو ہوتی گر فقیری ساتھ الفت کے — ہمیں جب اُن نے گالی دی ہے تب ہم نے دعا دی ہے

ہوئی ہے دل کی محویت سے یکساں یاں غم و فرحت
نہ ماتم مرنے کا ہے میرؔ نے جینے کی شادی ہے ۵۷۱۰

۹۴۲

کیا حال بیاں کریے عجب طرح پڑی ہے — وہ طبع تو نازک ہے کہانی یہ بڑی ہے
کیا فکر کروں میں کہ ٹلے آگے سے گردوں — یہ گاڑی مری راہ میں بے ڈول اڑی ہے

ہے چشمکِ انجم طرف اُس مہ کے اِشارہ — دیکھو تو مری آنکھ کہاں جا کے لڑی ہے
کیا اپنی شرر ریزی کہیں پلکوں کی صف کی — ہم جانتے ہیں ہم پہ جو یہ باڑھ جھڑی ہے
۵۸۵ وے دن گئے جو پہروں لگی رہتی تھیں آنکھیں — اب یاں نہیں مہلت کوئی پل کوئی گھڑی ہے
ایسا نہ ہوا ہوگا کوئی واقعہ آگے — اِک خواہشِ دل ساتھ مرے جیتی گڑی ہے
کیا نقش ہیں مجنوں ہی کے تھی رفتگیٔ عشق — لیلیٰ کی بھی تصویر تو حیران کھڑی ہے
جاتے ہیں چلے مُتصل آنسو جو ہمارے — ہر تارِ نگہ آنکھوں میں موتی کی لڑی ہے
کھنچتا ہی نہیں ہم سے قدم خم شدہ ہرگز — یہ شست کماں ہاتھ پر اب کتنی کڑی ہے
۵۹۰ گُل کھائے ہیں افراط سے مَیں عشق میں اُس کے — اب ہاتھ مرا دیکھو تو پھولوں کی چھڑی ہے

وہ زُلف نہیں مُنعکس دیدۂ تر میر
اِس بحر میں تہ داری سے زنجیر پڑی ہے

## ۹۴۳

کس فتنہ قد کی ایسی دھوم آنے کی پڑی ہے — ہر شاخِ گُل چمن میں بھچک ہوئی کھڑی ہے
واشُد ہوئی نہ بلبل اپنی بہار میں بھی — کیا جانیے کہ جی میں یہ کیسی گُل جھڑی ہے
نادیدنی دکھاوے کیونکر نہ عشق ہم کو — کس فتنۂ زماں سے آنکھ اپنی جا لڑی ہے
۵۹۵ وے دن گئے کہ پہروں کرتے نہ ذکر اس کا — اب نامِ یار اپنے لب پر گھڑی گھڑی ہے
آتش سی پھُک رہی ہے سارے بدن میں میرے — دِل میں عجب طرح کی چنگاری آ پڑی ہے
کیا کچھ ہیں کو اُس کی تلوار کھا گئی ہے — ایسی ہی اک جڑی ہے اُن نے جہاں جڑی ہے

کیا میر سر جھکادیں ہر کم بغل کے آگے
نام خدا اُنھوں کی عزّت بہت بڑی ہے

## ۹۴۴

آنکھیں نہیں یاں کھلتیں ادھر کو نظر بھی ہے — سُدھ اپنی نہیں ہم کو کچھ تُم کو خبر بھی ہے
۶۰۰ گو شکل ہوائی کو سرچرخ تئیں کھینچا — اے آہِ شرر افشاں کچھ تجھ میں اثر بھی ہے
اس منزلِ دلکش کو منزل نہ سمجھیے گا — خاطر میں رہے یاں سے درپیش سفر بھی ہے
مجھ حال شکستہ کی تا چند یہ بے قدری — کچھ کسر میں اب میری اے شوخ کسر بھی ہے

یہ کیا ہے کہ مُنھ نوچے نے چاک کرے سینہ
کر عرض جو کچھ تجھ میں اے میرؔ ہنر بھی ہے

## ۹۴۵

کوفت سے جان لب پہ آئی ہے — ہم نے کیا چوٹ دل پہ کھائی ہے
لکھتے رقعہ لکھے گئے دفتر — شوق نے بات کیا بڑھائی ہے ۷۶۰۵
آرزو اُس بلند و بالا کی — کیا بلا میرے سر پہ لائی ہے
دیدنی ہے شکستگی دل کی — کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے
ہے تصنّع کہ لعل ہیں وے لب — یعنی اک بات سی بنائی ہے
دل سے نزدیک اور اتنا دور — کس سے اُس کو کچھ آشنائی ہے
بیستوں کیا ہے کوہ کن کیسا — عشق کی زور آزمائی ہے ۷۶۱۰
جس مرض میں کہ جان جاتی ہے — دلبروں ہی کی وہ جدائی ہے
یاں ہوئے خاک سے برابر ہم — واں وہی ناز و خود نمائی ہے
ایسا موتی ہے زندۂ جاوید — رفتۂ یار تھا جب آئی ہے

مرگِ مجنوں سے عقل گم ہے میرؔ
کیا دِوانے نے موت پائی ہے

## ۹۴۶

اُس شوخ سے یہیں بھی اب یاری ہو گئی ہے — شرم انکھڑیوں میں جس کی عیاری ہو گئی ہے ۷۶۱۵
روتا پھرا ہوں برسوں لوہو چمن چمن میں — کوچے میں اُس کے یکسر گُل کاری ہو گئی ہے
یک جا اٹک کے رہنا ہے ناتمامی ورنہ — سب میں وہی حقیقت یاں ساری ہو گئی ہے
جب خاک کے برابر ہم کو کیا فلک نے — طبعِ خشن میں تب کچھ ہمواری ہو گئی ہے
مطلق اثر نہ دیکھا مدت کی آہ و زاری — اب نالہ و فغاں سے بیزاری ہو گئی ہے
اُس سے دوچار ہونا آتا نہیں میسر — مرنے میں اس سے ہم کو ناچاری ہو گئی ہے ۷۶۲۰
ہر بار ذکرِ محشر کیا یار کے در اوپر — ایسی تو یاں قیامت سو باری ہو گئی ہے
اندازِ شوخی اس کے آتے نہیں سمجھ میں — کچھ اپنی بھی طبیعت یاں عاری ہو گئی ہے

شاہی سے کم نہیں ہے درویشی اپنے ہاں تو — اب عیب کچھ جہاں میں ناداری ہوگئی ہے

ہم کو تو دردِ دل ہے، تم زرد کیوں ہو ایسے
کیا میرؔ جی تمھیں کچھ بیماری ہوگئی ہے

## ٩٤٧

٧٦٢٥ کہاں یا قیس اب جو دنیا کرے ہے — کبھوٗ قدرداں عشق پیدا کرے ہے

یہ طفلان بازار جی کے ہیں گاہک — وہی جانتا ہے جو سودا کرے ہے

چھپائیں ہوں آنکھیں ہی اُن نے تو کہیے — وہ ہر بات کا ہم سے پردا کرے ہے

جو رونا ہے راتوں کو اپنا یہی تو — کنارہ کوئی دن میں دریا کرے ہے

ٹھسک اُس کے چلنے کی دیکھو تو جانو — قیامت ہی ہر گام برپا کرے ہے

٧٦٣٠ مریں شوقِ پروازِ گلشن میں کیوں نہ — اسیروں کی یاں کون پروا کرے ہے

بنی صورتیں کیسی کیسی بگاڑیں — سمجھتے نہیں ہم فلک کیا کرے ہے

خطِ افشاں کیا خونِ دل سے تو بولا — بہت اب تو رنگین انشا کرے ہے

ہلاک آپ کو میرؔ مت کر دوانے
کوئی ذی شعور آہ ایسا کرے ہے

## ٩٤٨

کیا پوچھتے ہو عاشق راتوں کو کیا کرے ہے — گاہے بکا کرے ہے گاہے دعا کرے ہے

٧٦٣٥ دانستہ اپنے جی پر کیوں تو جفا کرے ہے — اتنا بھی میرے پیارے کوئی کڑھا کرے ہے

فتنہ سپہر کیا کیا برپا کیا کرے ہے — سو خواب میں کبھوٗ تو مجھ سے ملا کرے ہے

کس ایسے سادہ رو کا حیرانِ حسن ہے یہ — مرآت گاہ بیگہ بھیچک رہا کرے ہے

ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن — سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے

کیا کہیے داغ دل ہے ٹکڑے جگر ہے سارا — جانے وہی جو کوئی ظالم وفا کرے ہے

٧٦٤٠ اُس بت کی کیا شکایت راہ وروش کی کریے — پردے میں بدسلوکی ہم سے خدا کرے ہے

گرم آکر ایک دن وہ سینے سے لگ گیا تھا — تب سے ہماری چھاتی ہر شب جلا کرے ہے

کیا چال یہ نکالی ہو کر جوان تم نے — اب جب چلو ہو دل کو ٹھوکر لگا کرے ہے

دشمن ہو یار جیسا درپے ہے خوں کے میرے
ہے دوستی جہاں واں یوں ہی ہوا کرے ہے

سمجھا ہے یہ کہ مجھ کو خواہش ہے زندگی کی
کس ناز سے معالج میری دوا کرے ہے

حالت میں غش کی کس کو خط لکھنے کی ہے فرصت
اب جب تب ادھر کو جی ہی چلا کرے ہے ٦٩٤٥

سرکا ہے جب وہ برقع تب آپ سے گئے ہیں
منھ کھولنے سے اس کے اب جی چھپا کرے ہے

بیٹھے ہے یار آکر جس جا پہ ایک ساعت
ہنگامۂ قیامت واں سے اٹھا کرے ہے

سوراخ سینہ میرے رکھ ہاتھ بند مت کر
ان روزنوں سے دل ٹک کسب ہوا کرے ہے

کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یار سے ہم
اندوہ ایک جی کو اکثر رہا کرے ہے

گل ہی کی اور ہم بھی آنکھیں لگا رکھیں گے
ایک آدھ دن جو موسم اب کی وفا کرے ہے ٦٩٥٠

گو سرگذشت ان نے فرہاد کی نکالی
مجنوں کا گاہے قصہ بیٹھا کہا کرے ہے

قطعہ

ایک آفت زماں ہے یہ میر عشق پیشہ
پردے میں سارے مطلب اپنے ادا کرے ہے

٩٤٩

ربط دل کو اس بت بے مہر کینہ ور سے ہے
کیا کہوں میں آہ مجھ کو کام کس پتھر سے ہے

کس کو کہتے ہیں نہیں میں جانتا اسلام و کفر
دیر ہو یا کعبہ مطلب مجھ کو تیرے در سے ہے

کیوں نہ اے سید پسر دل کھینچے یہ موئے دراز
اصل زلفوں کی تری گیسوئے پیغمبر سے ہے ٦٩٥٥

کاغذ ابری پہ درد دل اسے لکھ بھیجیے
وہ بھی تو جانے کہ یاں آشوب چشم تر سے ہے

کیا کہیں دل کچھ کھنچے جاتے ہیں اودھر ہر گھڑی
کام ہم بے طاقتوں کو عشق زور آور سے ہے

رحم بھی دینا تھا تھوڑا ہائے اس خوبی کے ساتھ
تجھ سے کیا گل گفتگو یہ داور محشر سے ہے

کیا کروں گا اب کی میں بے پر ہوس گلزار کی
نکہت گل گشت اے نسیم صبح بال و پر سے ہے

مرنے کے اسباب پڑتے ہیں بہت عالم میں لیک
رشک اس پر ہے کہ جس کی موت اس خنجر سے ہے ٦٩٦٠

ناز و خشم و بے دماغی اس طرف سے سب ہیں یے
کچھ کسو بھی طور کی رنجش بھلا ایدھر سے ہے

دیکھ گل کو ٹک کہ ہر یک سر چڑھا لیتا ہے یاں
اس سے پیدا ہے کہ عزت اس چمن میں زر سے ہے

کانپتا ہوں میں تو تیرے ابروؤں کے خم ہوئے
قشقریہ کیا مجھے تلوار کے کچھ ڈر سے ہے

اشک پے در پے چلے آتے تھے چشم زار سے
ہر نگہ کا تار مانا رشتۂ گوہر سے ہے

باد یے ہی میں پڑا پاتے ہیں جب اب تجھ کو میر
کیا خفا اے خانماں آباد کچھ تو گھر سے ہے ۶۶۶۵

## ۹۵۰

کار دل اُس مہ تمام سے ہے — کاہش اک روز مجھ کو شام سے ہے
تم نہیں فتنہ ساز سچ صاحب — شہر پُر شور اس غلام سے ہے
بوسہ لے کر سرک گیا کل میں — کچھ کہو کام اپنے کام سے ہے
کوئی تجھ سا بھی کاش تجھ کو ملے — مدعا ہم کو انتقام سے ہے
۶۶۷۰ کب وہ مغرور ہم سے مل بیٹھا — ننگ جس کو ہمارے نام سے ہے
خوش سرانجام وے ہی ہیں جن کو — اقتدا اولیں امام سے ہے
شعر میرے ہیں سب خواص پسند — پر مجھے گفتگو عوام سے ہے
شیطنت سے نہیں ہے خالی شیخ — اُس کی پیدائش احتلام سے ہے
سر جھکاؤں تو اور ٹیڑھے ہو — کیا تمھیں چڑ مرے سلام سے ہے
سہل ہے میر کا سمجھنا کیا
۶۶۷۵ ہر سخن اُس کا اک مقام سے ہے

## ۹۵۱

جل گیا دل مگر ایسی جوں بلا نکلے ہے — جیسے لوں چلتی مرے منھ سے ہوا نکلے ہے
لختِ دل قطرۂ خوں ٹکڑے جگر ہو ہو کر — کیا کہوں میں کہ مری آنکھوں سے کیا نکلے ہے
میں جو ہر سو لگوں ہوں دیکھنے ہو کے مضطر — آنسو ہر میری نگہ ساتھ گتھا نکلے ہے
پارسائی دھری رہ جائے گی مسجد میں شیخ — جو وہ اس راہ کبھو مستی میں آ نکلے ہے
۶۶۸۰ گو کہ پردا کرے جوں ماہِ شب ابر وہ شوخ — کب چھپا رہتا ہے ہر چند چھپا نکلے ہے
بھیڑیں ٹل جاتی ہیں آگے سے اس ابرو کے ہلے — سیکڑوں میں سے وہ تلوار چلا نکلے ہے
بنتی ہے سامنے اس کے کیے سجدہ ہی وے — جی سمجھتا ہے جو اُس بت میں ادا نکلے ہے
ہم کہیں نالہ کشاں ہم ہیں کہ ہم سے ہر روز — شور و ہنگامے کا اک طور نیا نکلے ہے
اجر سے خالی نہیں عشق میں مارے جانا — دے ہے جو سر کوئی کچھ یاں سے بھی پا نکلے ہے

لگ چلی ہے مگر اس گیسوئے عنبر بو سے / ناز کرتی ہوئی اس راہ صبا نکلے ہے ۶۶۸۵

کیا ہے اقبال کہ اس دشمن جاں کے آتے / منھ سے ہر ایک کے سو بار دعا نکلے ہے

سوز سینے کا بھی دلچسپ بلا ہے اپنا / داغ جو نکلے ہے چھاتی سے لگا نکلے ہے

سارے دیکھے ہوئے ہیں دلی کے عطار و طبیب / دل کی بیماری کی کس پاس دوا نکلے ہے

کیا فریبندہ ہے رفتار ہے کینے کی جدا / اور گفتار سے کچھ پیار جدا نکلے ہے

دلیبا بے جا نہیں دل میر کا جو رہ نہ سکے
چلتا پھرتا کبھو اس پاس بھی جا نکلے ہے ۶۶۹۰

## ۹۵۲

عبرت سے دیکھ جس جا یاں کوئی گھر بنے ہے / پردے میں چشم ڈھکنے دیوار و در بنے ہے

ہیں دل گداز جن کے کچھ چیز مال وے ہیں / ہوتے ہیں ملتفت تو پھر خاک زر بنے ہے

شب جوش غم سے جس دم لگتا ہے دل تڑپنے / ہر زخم سینہ اس دم یک چشم تر بنے ہے

یاں ہر گھڑی ہماری صورت بگڑتی ہے گی / چہرہ ہی واں انھوں کا دو دو پہر بنے ہے

ٹک رک کے صاف طینت نکلے ہے اور کچھ ہو / پانی گرہ جو ہووے تو پھر گہر بنے ہے ۶۶۹۵

ہے شعبدے کے فن میں کیا دست مے کشوں کو / زاہد انھوں میں جا کر آدم سے خر بنے ہے

نکلے ہے صبح بھی یاں صندل ملے جبیں کو / عالم میں کام کس کا بے درد سر بنے ہے

سارے دکھوں کی اپنے دل ہو جائے گی تلافی / صحبت ہماری اس کی ٹک بھی اگر بنے ہے

ہر اک سے ڈھب جدا ہے سارے زمانے کا بھی / بنتی ہے جس کسو کی یک طور پر بنے ہے

برسوں لگی رہی ہیں جب مہر و مہ کی آنکھیں / تب کوئی ہم سا صاحب صاحب نظر بنے ہے ۶۷۰۰

یاران دیر و کعبہ دونوں بلا رہے ہیں
اب دیکھیں میر اپنا جانا کدھر بنے ہے ۶۷۰۱

# دیوان سوم

کلاسکس (پبلشرز) دلّی ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دیوان سوم

## ۹۵۳

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاکِ ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا ۱۱۰۰۲

اُس سرِ دل کی خرابی ہوئی اے عشق دریغ
تُو نے کس خانۂ مطبوع کو ویران کیا

ضبط تھا جب تئیں چاہت نہ ہوئی تھی ظاہر
اشک نے بہ کے مرے چہرے پہ طوفان کیا

انتہا شوق کی دل کے جو صبا سے پوچھی
اک کفِ خاک کو لے اُن نے پریشان کیا ۱۱۰۰۵

مجھ کو شاعر نہ کہو میرؔ کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

## ۹۵۴

دین و دل کے غم کو آساں ناتواں میں لے گیا
"یا محبت" کہہ کے یہ بارِ گراں میں لے گیا

خاک و خوں میں لوٹ کر رہ جانے ہی کا لطف ہے
جان کو کیا جو سلامت نیم جاں میں لے گیا

سرگذشتِ عشق کی تہ کو نہ پہونچا یاں کوئی
گرچہ پیشِ دوستاں یہ داستاں میں لے گیا

عرصۂ دشتِ قیامت باغ ہو جائے گا سب
اس طرح سے جو یہ چشمِ خوں فشاں میں لے گیا ۱۱۰۱۰

ذکرِ دل جانے کا وہ پُرکینہ سُن کہنے لگا
یہ سُناتے ہو کسے کیا مہرباں میں لے گیا

یک جہاں مہر و وفا کی جنس تھی میرے کنے
لیکن اس کو پھیر ہی لایا جہاں میں لے گیا

ریختہ کاہے کو تھا اس رتبۂ اعلیٰ میں میرؔ
جو زمیں نکلی اُسے تا آسماں میں لے گیا

## ۹۵۵

میرا ہی مُقلدِ عمل تھا
مجنوں کے دماغ میں خلل تھا

۷۷۱۵ دل ٹوٹ گیا تو خون نکلا — شیشہ یہ بہت ہی کم بغل تھا
تھیں سب کی نظر میں اُس کی بھویں — افسوس یہ شعر مبتذل تھا
کیا قدر ہے ریختے کی گو میں — اس فن میں نظیری کا بدل تھا

تھا نزع میں دستِ میر دل پر
شاید غم کا یہی محل تھا

## ۹۵۶

کرنا جنوں جہاں میں بے نام و ننگ آیا — اک جمع لڑکوں کا بھی لے لے کے سنگ آیا
۷۷۲۰ شب شمع کی بھی جھپکی مجلس میں لگ گئی تھی — سرگرم شوقِ مردن جس دم پتنگ آیا
فتنے فساد اُٹھیں گے گھر گھر میں خون ہوں گے — گر شہر میں خراماں وہ خانہ جنگ آیا
ہر سر نہیں ہے شایاں شورِ قلندری کا — گو شیخ شہر باندھے زنجیر و زنگ آیا
چسپاں ہے اس بدن سے پیراہن حریری — اتنی بھی تنگ پوشی جی اب تو تنگ آیا
باتیں ہماری ساری بے ڈھنگیاں ہیں تسے ہی — بوڑھے ہوئے پہ ہم کو اب تک نہ ڈھنگ آیا

بشرے کی اپنے رونق اے میر عارضی ہے
۷۷۲۵ جب دل کو خوں کیا تو چہرے پہ رنگ آیا

## ۹۵۷

دل اگر کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ یہ دل ہے کیا — ایسے ناداں دلربا کے ملنے کا حاصل ہے کیا
جاننا باطل کسو کو یہ قصورِ فہم ہے — حق اگر سمجھے تو سب کچھ حق ہے یاں باطل ہے کیا
یاں کوئی دن رات وقفہ کر کے قصد آگے کا کر — کارواں گاہ جہانِ رفتنی منزل ہے کیا
تک رہے ہیں اس کو سو ہم تک رہے ہیں ایک سے — دیدۂ حیراں ہمارا دیدۂ بسمل ہے کیا
۷۷۳۰ وہ حقیقت ایک ہے ساری نہیں ہے سب میں تو — آب سا ہر رنگ ہیں یہ اور کچھ شامل ہے کیا
چوٹ میرے دل میں ایسی ہے کہ ہوں میں دم بخود — وہ کشندہ یوں ہی کہتا ہے کہ تو گھائل ہے کیا
کہتے ہیں ظاہر ہے اک ہی لیلی ہفت اقلیم میں — اس عبارت کا نہیں معلوم کچھ محمل ہے کیا
ہم تو سو سو بار مر رہتے ہیں ایک ایک آن میں — عشق میں اُس کے گزرنا جان سے مشکل ہے کیا
شاخِ پُرگل یا نہال اودھر جھکے جاتے ہیں سب — قامتِ دلکش کا اس کی سرو ہی مائل ہے کیا

مرثیہ میرے بھی دل کا رقت آور ہے بلا
محتشم کو میرؔ میں کیا جانوں اور مقبل ہے کیا ۴۴۳۵

## ۹۵۸

ان دلبروں سے رابطہ کرنا ہی کام کیا ۔ کر اک سلام پوچھنا صاحب کا نام کیا
حیرت ہے کھولیں چشم تماشا کہاں کہاں ۔ حسن و جمال ویسا ہے اس کا خرام کیا
کی اک نگاہ گرم جہاں ان سے مل گئے ۔ عاشق کو دلبروں سے سلام و پیام کیا
شکر خدا کہ سر نہ فرو لائے ہم کہیں ۔ کیا جانیں سجدہ کہتے ہیں کس کو سلام کیا
اس کنج لب پہ چپکے ہوئے منھ کو رکھ کے ہم ۔ دلچسپ اس مقام میں حرف و کلام کیا ۴۴۴۰
جس جائے اس کے چہرے سے کرتے ہیں گفتگو ۔ مرآت و ماہ و گل کا ہے اس جا مقام کیا
کہتا ہے کون بدر میں نقصان کچھ رہا ۔ پر منھ کھلے پہ اس کے ہے ماہ تمام کیا
یہ جانوں ہوں کہ دل کو ہے اس رو و مو سے لاگ ۔ کیا جانوں پیش آوے ہے اب صبح و شام کیا

تسبیح تک تو میرؔ نے رکھا کلال کے
وقت نماز اب بھی ہوئے تھے امام کیا

## ۹۵۹

چال یہ کیا تھی کہ ادھر کو گزارا نہ کیا ۔ دور ہی دور پھرے پاس ہمارا نہ کیا
اس کو منظور نہ تھی ہم سے مروت کرنی ۔ ایک چشمک بھی نہ کی ایک اشارا نہ کیا
بعد دشنام تھی بوسے کی توقع بھی و لے ۔ تلخ سننے کے تئیں ہم نے گوارا نہ کیا
مر کے بے حوصلہ لوگوں میں کہایا فرہاد ۔ چند پتھر ہی سے سر اور بھی مارا نہ کیا
جی رہے ڈوبتے دریائے غم عشق میں لیک ۔ بلادوں کی سی طرح ہم نے کنارا نہ کیا
نیم جاں صدقے کی اس پر نہ زیاں دیکھا نہ سود ۔ ہم تو کچھ دوستی میں واری کا سارا نہ کیا

لے گیا مٹی بھی دروازے کی ان کے میں میرؔ
پر اطبا نے مرے درد کا چارا نہ کیا

## ۹۶۰

وہ دل نہیں رہا ہے تعب جو اٹھائے گا ۔ یا لوہو اشک خونی سے منھ پر بہائے گا

اب یہ نظر پڑے ہے کہ برگشتہ وہ مژہ — کاوش کرے گی ٹک بھی تو سنبھلا نہ جائے گا

کھینچا جو میں وہ ساعد سیمیں تو کہہ اٹھا — بس بس کہیں ہیں ابھی صاحب غش آئے گا

دیکھیے تو اس کے طور پہ مجلس میں شیخ جی — پھر بھی ملا تو خوب سا اُن کو رجھائے گا

جلوے سے اس کے جل کے ہوئے خاک سنگ و خشت — بیتاب دل بہت ہے یہ کیا تاب لائے گا

ہم رہ چکے جو ایسے ہی غم میں کھپا کیے — معلوم جی کی چال سے ہوتا ہے جائے گا

آڑ کر لگے ہے پاؤں میں زلف اس کی پیچ دار — بازی نہیں یہ سانپ جو کوئی کھلائے گا

اُٹتی رہے گی خاک جنوں کرتی وحشت دشت — کچھ دست اگر یہ بے سر و ساماں بھی پائے گا

در پے ہے اب وہ سادہ قراول پسر بہت
دیکھیں تو میر کے تئیں کوئی بچائے گا

## ۹۶۱

وہ جو گلشن میں جلوہ ناک ہوا — پھول غیرت سے جل کے خاک ہوا

اس کے دامن تلک نہ پہونچا ہاتھ — تھا سر دست جیب چاک ہوا

کس قدر تھا خبیث شیخ شہر — اس کے مرنے سے شہر پاک ہوا

ڈرئیے اس رشکِ خور کی گرمی سے — کچھ تو ہے ہم سے جو تپاک ہوا

میر ہلکان ہو گیا تھا بہت
سو طلب ہی میں پھر ہلاک ہوا

## ۹۶۲

کیا روئیے ہمیں کو یوں آن کر کے مارا — مہر بُت و گر سے طوفان کر کے مارا

تربت کا میری نوحہ آئینے سے کرے ہے — یعنی کہ اُن نے مجھ کو حیران کر کے مارا

بیگانہ جان اُن نے کیا چوٹ رات کو کی — منھ دیکھ دیکھ میرا پہچان کر کے مارا

پہلے گلے لگایا پھر دستِ جور اٹھایا — مارا تو اُن نے لیکن احسان کر کے مارا

اس سست عہد نے کیا کی تھی قسم مجھی سے — بہتوں کو اُن نے عہد و پیمان کر کے مارا

حاضر براق ہونا کاہے کو چاہیئے تھا — مجھ بے نوا کو کیا کیا سامان کر کے مارا

کہنے لگا کہ شب کو میر کے تئیں لٹا تھا — مستانہ میر کو میں کیا جان کر کے مارا

گیا حسن خوباں بد راہ کا — ہمیشہ رہے نام اللہ کا

پشیماں ہوا دوستی کر کے میں — بہت مجھ کو ارمان تھا چاہ کا

جگر کی سپر پھوٹ جانے لگی — بلا توڑ ہے ناوکِ آہ کا ۷۷۷۵

اسیری کا دیتا ہے مژدہ مجھے — مرا زمزمہ گاہ و بیگاہ کا

رہوں جا کے مر حضرتِ یار میں — یہی قصد ہے بندہ درگاہ کا

کہا ہو دمِ قتل کچھ تو کہے — جواب اس کو کیا میر سے خونخواہ کا

عدم کو نہیں مل کے جاتے ہیں لوگ — غم اس راہ میں کیا ہے ہمراہ کا

نظر خواب میں اس کے منھ پر پڑی — بہت خوب ہے دیکھنا ماہ کا ۷۷۸۰

لگو نہیں اگر آنکھ تیری ہو میر
تماشا کر اس کی نظرگاہ کا

۹۶۴

چشم سے خوں ہزار نکلے گا — کوئی دل کا بخار نکلے گا

اس کی نخچیر گہ سے روح الامیں — ہو کے آخر شکار نکلے گا

آندھیوں سے سیاہ ہو گا چرخ — دل کا تب کچھ غبار نکلے گا

ہوئے بے لاگ تیرِ مژگاں کی — کس کے سینے کے پار نکلے گا ۷۷۸۵

نازِ خورشید کب تلک کھینچیں — گھر سے کب اپنے یار نکلے گا

خون ہی آئے گا تو آنکھوں سے — ایک سیلِ بہار نکلے گا

عزلت میر عشق میں کب تک
ہو کے بے اختیار نکلے گا

۹۶۵

اعجاز منھ تکے ہے ترے لب کے کام کا — کیا ذکر یاں مسیح علیہ السلام کا

رقعہ ہمیں جو آوے ہے سو تیر میں بندھا — کیا دیجیے جواب اجل کے پیام کا ۷۷۹۰

کچھ سدھ سنبھالتے ہی رکھی اُن نے پگڑی پھیر — ممنون میں نہیں ہوں جوابِ سلام کا

مُنھ دیکھو بدر کا کہ تری رُو کشی کرے — تو یوں ہی نام لے ہے کسو ناتمام کا
نوبت ہے اپنی جب سے بہی کوچ کا ہے شور — بجنا سنا نہیں ہے کبھو یاں مقام کا
کُنج لب اُس کا دیکھ کے خاموش رہ گئے — یعنی کہ تھا مقام یہ ختمِ کلام کا
۷۷۹۵ اُس رُو و مو کے محو کو کیا روزگار سے — جلوہ ہی کچھ جدا ہے مرے صبح و شام کا
صاحب ہو مار ڈالو مجھے تم وگرنہ کچھ — جز عاشقی گناہ نہیں ہے غلام کا

کب اِقتدا ہو مجھ سے کسو کی سوائے میر
بندہ ہوں دل سے میں اُسی سیّد امام کا

## ۹۶۶

ہوں نشاں کیوں نہ تیرِ خوباں کا — مجھ پہ تودا ہوا ہے طوفاں کا
ہاتھ زنجیر ہو جنوں میں رہا — اپنے زنجیرۂ گریباں کا
۷۸۰۰ چپکے دیکھو جھمکتے وے لبِ سرخ — ذکر یاں کیا ہے لعل و مرجاں کا
ایک رہزن ہے اُس کی کافر زلف — غم ہی رہتا ہے دین و ایماں کا
عمر آوارگی میں سب گزری — کچھ ٹھکانا نہیں دِل و جاں کا
کافرستاں ہے خال و خط و زلف — ذکر کیا ہے دِل مسلماں کا

مر گیا میر نالہ کش بے کس
نَے نے ماتم میں اُس کے مُنھ ڈھانکا

## ۹۶۷

۷۸۰۵ جس خشم سے وہ شوخ چلا آج شب آیا — آیا کبھو یاں دن کو بھی یوں تو غضب آیا
اُس نرگسِ مستانہ کو کر یاد کڑھوں ہوں — کیا گریۂ سرشار مجھے بے سبب آیا
راہ اس سے ہوئی خلق کو کس طور سے یارب — ہم کو کبھی ملنے کا تو اُس کے نہ ڈھب آیا
کیا پوچھتے ہو دب کے سخن مُنھ سے نہ نکلا — کچھ دیکھتے اُس کو مجھے ایسا ادب آیا
کہتے تو ہیں میلانِ طبیعت ہے اُسے بھی — یہ باتیں ہیں ادھر کو مزاج اُس کا کب آیا
۷۸۱۰ خوں ہوتی رہی دل ہی میں آزردگی میری — کس روز گلہ اُس کا مرے تا بہ لب آیا
جی آنکھوں میں آیا ہے جگر مُنھ تئیں میرے — کیا فائدہ یاں چل کر اگر یار اب آیا

آتے ہوئے اُس کے تو ہوئی بے خودی طاری — وہ یاں سے گیا اٹھ کے مجھے ہوش جب آیا

جاتا تھا چلا راہ عجب چال سے کل میرؔ
دیکھا اُسے جس شخص نے اُس کو عجب آیا

## ۹۶۸

کیا کام کیا ہم نے دل یوں نہ لگانا تھا — اس جان کی جوکھوں کو اس وقت نہ جانا تھا
تھا جسم کا ترک اولیٰ ایّام میں پیری کے — جاتا تھا چلا ہر دم جامہ بھی پُرانا تھا ۷۰۱۵
ہر آن تھی سرگوشی یا بات نہیں گاہے — اوقات ہے اِک یہ بھی اِک وہ بھی زمانا تھا
پامالی عزیزوں کی رکھنی تھی نظر میں ٹک — اتنا بھی تمھیں آکر یاں سر نہ اٹھانا تھا
اِک محو تماشا ہیں اِک گرم ہیں قصّے کے — یاں آج جو کچھ دیکھا سو کل وہ فسانا تھا
کیونکر گلی سے اُس کی میں اُٹھ کے چلا جاتا — یاں خاک میں ملنا تھا لوہو میں نہانا تھا
جو تیر چلا اُس کا سو میری طرف آیا — اس عشق کے میداں میں میں ہی تو نشانا تھا ۷۰۲۰
جب تُو نے نظر پھیری تب جان گئی اُس کی — مرنا ترے عاشق کا مرنا کہ بہانا تھا
کہتا تھا کسو سے کچھ تکتا تھا کسو کا مُنھ — کل میرؔ کھڑا تھا یاں سچ ہے کہ دوانا تھا

کب اور غزل کہتا میں اس زمیں میں لیکن
پردے میں مجھے اپنا احوال سنانا تھا

## ۹۶۹

سہل ایسا نہ تھا آخر جی سے مرا جانا تھا — ٹک رنجہ قدم کر کر مجھ تک اُسے آنا تھا
کیا مُو کی پریشانی کیا پردے میں پنہانی — مُنھ یار کو ہر صورت عاشق سے چھپانا تھا ۷۰۲۵
لذّت سے نہ تھا خالی جانا تہِ تیغ اُس کی — اے صیدِ حرم تجھ کو اِک زخم تو کھانا تھا
کیا صورتیں بگڑی ہیں مشتاقوں کی ہجراں میں — اِس چہرے کو اے خالق ایسا نہ بنانا تھا
مت سہل ہمیں سمجھو پہنچے تھے بہم تب ہم — برسوں تئیں گردوں نے جب خاک کو چھانا تھا
کیا ظلم کیا بے جا مارا جیوں سے اُن نے — کچھ تھوڑا بھی تھی اُس کی کچھ اُس کا ٹھکانا تھا
اے شورِ قیامت اب علّے سے قیامت ہے — خوابیدہ مرے خوں کو ظالم نہ جگانا تھا ۷۰۳۰
ہو باغ و بہار آیا گل پھول کہیں پایا — جلوہ اُسے یاں اپنا صد رنگ دکھانا تھا

کہتے نہ تھے ہم واں سے پھر آ چکے جیتے تم
میر اس گلی میں تم کو زنہار نہ جانا تھا

۹۷۰

تد[1] اس بہشتی رو سے یہ خلطہ بہم کیا — جد[2] برسوں ہم نے سورۂ یوسف کو دم کیا
چہرے کو نوچ نوچ لیا چھاتی کوٹ لی — جانے کا دل کے ہم نے بہت غم الم کیا
۴۸۳۵ مربوط اور لوگوں سے شاید کہ وے ہوئے — وہ ربط و رابطہ جو بہت ہم سے کم کیا
کیا کیا سخن زباں پہ مرے آئے ہو کے قتل — مانند خامہ گو کہ مرا سر قلم کیا
کی ہم نے تب رونے کی سوزش سے عاقبت — سب تن بدن اس آگ نے اپنا بھسم کیا
یاں اپنے جسمِ زار پہ تلوار سی لگی — ان نے جو بے دماغی سے ابرو کو خم کیا

اس زندگی سے مرے سے ہی جانا بھلا تھا میر
رحم ان نے میرے حق میں کیا کیا ستم کیا

۹۷۱

۴۸۴۰ اب کی جو گل کی فصل میں ہم کو جنوں ہوا — وہ دل کہ جس پہ اپنا بھروسا تھا خوں ہوا
ٹھہرا گیا ہو ٹک بھی تو تم سے بیاں کروں — آتے ہی اس کے رفتنِ صبر و سکوں ہوا
تھا شوقِ طوفِ تربتِ مجنوں مجھے بہت — اک گرد بادِ دشت مرا رہنموں ہوا
سیلاب آگے آیا چلا جاتے دشت میں — بے اختیار رونے کا میرے شگوں ہوا

جان اس کی تیغِ تیز سے رکھ کر دریغ میر
صیدِ حرم نداں شکار زبوں ہوا

۹۷۲

۴۸۴۵ رات سے آنسو مری آنکھوں میں پھر آنے لگا — یک رمق جی تھا بدن میں سو بھی گھبرانے لگا
وہ لڑکپن سے نکل کر تیغ چمکانے لگا — خون کرنے کا خیال اب کچھ اسے آنے لگا
لعلِ جاں بخش اس کے تھے پوشیدہ جوں آبِ حیات — اب تو کوئی کوئی ان ہونٹھوں پہ مر جانے لگا
حیف میں اس کے سخن پر ٹک نہ رکھا گوش کو — یوں تو ناصح نے کہا تھا دل نہ دیوانے لگا
حبسِ دم کے معتقد تم ہو گئے شیخِ شہر کے — یہ تو البتہ کہ سن کر لعن دم کھانے لگا



[1] بمعنی تب [2] بمعنی جب

۷۸۵۰ گرم ملنا اُس گلِ نازک طبیعت سے نہ ہو — چاندنی میں رات بیٹھا تھا سو مُرجھانے لگا
عاشقوں کی پائمالی میں اُسے اصرار ہے — یعنی وہ محشر خرام اب پانْو پھیلانے لگا
چشمک اس مہ کی سی دل کش دید میں آتی نہیں — گو ستارہ صبح کا بھی آنکھ جھپکانے لگا

کیونکر اُس آئینہ رو سے میر ملیے بے حجاب
وہ تو اپنے عکس سے بھی دیکھو شرمانے لگا

## ۹۷۳

ضبط کرتے کرتے اب جو لب کو میں نے وا کیا — سو بھی رہتا ہوں یہ کہتا ہائے دل نے کیا کیا
۷۸۵۵ آنکھ پڑتی تھی تمھارے منھ پہ جب تک چین تھا — کیا کیا تم نے کہ مجھ بے تاب سے پردا کیا
گو رہی اس کو جھنکائی عشق جس کے ہاں گیا — اس طبیبِ بد شگوں نے کس کے تیئں اچھا کیا
دیکھ خبطی مجھ کو رستے بند ہو جاتے ہیں اب — عشق نے کیا کوچہ و بازار میں رسوا کیا

لوگ دل دیتے سنے تھے میر دے گزرا ہے جی
لیک اپنے طور پر اُن نے بھی اک سودا کیا

## ۹۷۴

سینہ کوبی ہے طپش ہے غم ہوا — دل کے جانے کا بڑا ماتم ہوا
۷۸۶۰ آنکھیں دوڑیں خلق جا اودھر گری — اُٹھ گیا پردہ کہاں اودھم ہوا
کیا لکھوں رویا جو لکھتے جوں قلم — سب مرے نامے کا کاغذ نم ہوا
ہم جو اس بن خوار ہیں حد سے زیاد — یاریاں تک آن کر کیا کم ہوا
آگیا یوں ہی خراماں وہ تو پھر — حشر کا ہنگامہ ہی برہم ہوا
درہمی سے برہمی سے دیکھیو — دونوں عالم کا عجب عالم ہوا

۷۸۶۵ جسمِ خاکی کا جہاں پردہ اُٹھا
ہم ہوئے وہ میر وہ سب ہم ہوا

## ۹۷۵

ہجر کی اک آن میں دل کا ٹھکانا ہو گیا — ہر زماں ملتے تھے باہم سو زمانا ہو گیا
واں تعلل ہی تجھے کرتے گئے شام و سحر — یاں ترے مشتاق کا مرنا بہانا ہو گیا

شیب میں بھی ہے لباسِ جسم کا ظاہر قماش
پر اسے اب چھوڑیے جامہ پرانا ہوگیا

کہنے تو کہہ بیٹھے مہ بہتر ہے روئے یار سے
شہر میں پھر ہم کو مشکل منھ دکھانا ہوگیا

۴۸۷۰ صد سخن آئے تھے لب تک پر نہ کہنے پائے ایک
ناگہاں اُس کی گلی سے اپنا جانا ہوگیا

رہنے کے قابل تو ہرگز تھی نہ یہ عبرت سرائے
اتفاقاً اس طرف اپنا بھی آنا ہوگیا

سیکڑوں افسوں دلوں کو پڑھتے تھے تس پر بھی میرؔ
بیٹھنا راتوں کو باہم اب فسانا ہوگیا

## ۹۷۶

یادِ خط میں اُس کے جی بھر آکے گھبراتا رہا
رات کا بھی کیا ہی مینھ آیا تھا پر جاتا رہا

کیا قیامت ہوتی بے پردہ ہوئے کیا جانیے
مصلحت ہی ہوگی ہم سے وہ جو شرماتا رہا

۴۸۷۵ قدِ موزوں یار کا خاطر سے جاتا ہی نہیں
میں اسی مصرع کو ساری عُمر ڈولاتا رہا

کل مکل بیتابِ دل سے آج کل کی کچھ نہیں
مَیں تو اس غم کش کو بے کل ہی سدا پاتا رہا

آگ کھا جاتی ہے خشک و تر جو اُس کے مُنھ پڑے
میں تو جیسے شمع اپنے ہی تئیں کھاتا رہا

میری تیری چاہ مُنھ دیکھے کی ہے جوں آرسی
آنکھ پھیری جس گھڑی پھر کاہے کا ناتا رہا

ہو گئے ہم محتسب کی بے شعوری سے اسیر
شیخ میں کچھ ہوش تھا میخانے سے جاتا رہا

لوگ ہی اس کارواں کے حرف نشنو تھے تمام
راہ چلتے تو جرس ہر گام چِلّاتا رہا

میرؔ دیوانہ ہے اچھا بات کیا سمجھے مری
یوں تو مجھ سے جب ملا مَیں اُس کو سمجھاتا رہا

## ۹۷۷

میں گُلستاں میں آکے عبث آشیاں کیا
بُلبُل نے بھی نہ طورِ گُلوں کا بیاں کیا

پھر اُس کے ابرواں کا خم و تاب ہے وہی
تلوار کے تلے بھی مرا امتحاں کیا

دوں کس کو دوش دشمنِ جانی تھی دوستی
اس سودے میں صریح مَیں نقصانِ جاں کیا

۴۸۸۰ گالی ہے حرفِ یاوہ قلم نے قضا کی ہائے
صورت نکالی خوب و لے بد زباں کیا

ہاں جنسِ خوش کے پیچھے کھپا میں چراؤ کیا
مَیں نے کسو کا کیا کیا اپنا زیاں کیا

لڑکے جہاناباد کے یک شہر کرتے ناز
آجاتے ہیں بغل میں اشارہ جہاں کیا

میں منتظر جواب کا نامے کے مر گیا
ناچار میرؔ جان کو اُودھر رواں کیا

۹۷۸

وفا تھی، مہر تھی، اخلاص تھا تلطف تھا — کبھو مزاج میں اُس کے یہیں تصرف تھا
جو خوب دیکھو تو ساری وُہی حقیقت ہے — چھپانا چہرے کا عشاق سے تکلف تھا ۷۸۹۰
اسیرِ عشق نہیں باز خواہ خوں رکھتے — ہمارے قتل میں اُس کو عبث توقف تھا
نہ پوچھو خوب ہے بدعہدیوں کی مشق اس کو — ہزاروں عہد کیے پر وہی تخلف تھا

جہاں میں میرؔ سے کاہے کو ہوتے ہیں پیدا
سنا یہ واقعہ جن نے اُسے تاسف تھا

۹۷۹

جنوں میں ساتھ تھا کل لڑکوں کا لشکر جہاں میں تھا — چلے آتے تھے چاروں اُور سے پتھر جہاں میں تھا
تجلی جلوہ اُس رشکِ قمر کا قرب تھا مجھ کو — چلے جاتے تھے واں جائے ملک کے پر جہاں میں تھا ۷۸۹۵
گلی میں اُس کی میری رات کیا آرام سے گزری — یہی تھا سنگِ بالیں خاک تھی بستر جہاں میں تھا
غضب کچھ شور تھا سر میں بلا بے طاقتی جی میں — قیامت لحظہ لحظہ تھی مرے دل پر جہاں میں تھا
چبھیں تھیں جی میں وے پلکیں لگیں تھیں دل کو وے بھوویں — یہی شمشیر چلتی تھی یہی خنجر، جہاں میں تھا
خیالِ چشم و روئے یار کا بھی طُرفہ عالم ہے — نظر آیا ہے واں اِک عالمِ دیگر جہاں میں تھا

عجب دن میرؔ کٹتے دیوانگی میں دشت گردی کے
سر اوپر سایہ گستر ہوتے تھے کیکر جہاں میں تھا ۷۹۰۰

۹۸۰

گل بھی ہے معشوق لیکن کب ہے اُس محبوب سا — آگے اُس قد کے ہے سروِ باغ بے اسلوب سا
اُس کے وعدے کی وفا تک وہ کوئی ہووے گا جو — ہو عمر نوح سا، صابر ہو پھر ایوب سا
عشق سے کن نے مرے آگہ کیا اُس شوخ کو — اب مرے آنے سے ہو جاتا ہے وہ محجوب سا
بعدِ مُردن یہ غزل مطرب سے جن نے گوش کی — گور کے میری گلے جا لگ کے رویا خوب سا
عاقلانہ حرف نَے ہو میرؔ تو کریے بیاں — زیر لب کیا جانیے کہتا ہے کیا مجذوب سا ۷۹۰۵

## ۹۸۱

کبھو وہ توجہ ادھر کر رہے گا — ہمیں عشق ہے تو اثر کر رہے گا

ہمارا ہے احوال حیرت کی جاگہ — جو دیکھے گا وہ بھی نظر کر رہے گا

نہیں اس طرف میر جانے سے رہتا

رہے گا تو اودھر ہی مر کر رہے گا

## ۹۸۲

میر کا صحبت میں اس کی حرف سر کر رہ گیا — پیش جاتے کچھ نہ دیکھی چشم تر کر رہ گیا

۹۱۰ خوبی اپنے طالع بد کی کہ شب وہ رشک ماہ — گھر مرے آنے کو تھا سو منہ ادھر کر رہ گیا

طنز و تعریض بتان بے وفا کے در جواب — میں بھی کچھ کہتا خدا سے اپنے ڈر کر رہ گیا

سرگزشت اپنی سبب ہے حیرت احباب کی — جس سے دل خالی کیا وہ آہ بھر کر رہ گیا

میر کو کتنے دنوں سے رہتی تھی بے طاقتی

رات دل تڑپا بہت شاید کہ مر کر رہ گیا

## ۹۸۳

مجھ زار نے کیا گرمی بازار سے پایا — کبریت نمط جن نے لیا مجھ کو جلایا

۹۱۵ بیتاب تہ تیغ ستم دیر رہا میں — جب تک نہ گئی جان مجھے صبر نہ آیا

جانا فلک دوں نے کہ سرسبز ہوا میں — گر خاک سے سبزہ کوئی پژمردہ اُگایا

اس رخ نے بہت صورتیں لوگوں کی بگاڑیں — اس قد نے قیامت کا سا ہنگامہ اٹھایا

مت راہ سخن دے کہ پھر آپھی تو کہے گا — کیوں میں نے محبت کے عبث منہ کو کھلایا

ہر چند کہ تھی ریجھنے کی جائے ترے لب — پر گالیاں دیں اتنی انھوں سے کہ رجھایا

۹۲۰ گردش میں رہا کرتے ہیں ہم دید میں اُن کی — آنکھوں نے تری خوب سماں ہم کو دکھایا

کس روز یہ اندوہ جگر سوز تھا آگے — کب شب لب و یارب تھی مری یوں ہی خدایا

دن جی کے الجھنے کے ہی جھگڑے میں کٹے ہے — رات اُس کے خیالات سے رہتے ہیں قضایا

کیا کہیے دماغ اُس کا کہ گل گشت میں کل میر

گل شاخوں سے جھک آئے تھے پر منہ نہ لگایا

## ۹۸۴

جب گل کہے ہے اپنے تئیں یار کے رو سا / تب آنکھوں تلے میری اتر تا ہے لہو سا

تحقیق کروں کس سے حقیقت کے لیئے کو / خضر آب اسے کہتا ہے آتش کہے موسا ۹۹۲۵

کیا ذوق ہے شربت پہ اگر قند کے تھو کے / ٹک جن نے ترے شربتی ان ہونٹھوں کو چوسا

دم لابہ کریں شیخ رکھیں شملے تو کیا ہے / ہونا مگر آسان ہے اس کے سگ کو سا

تعبیر جسے کرتے ہیں ہنگامۂ محشر / وہ یار کے کوچے کا ہے کچھ شور غلو سا

آرایش درویشی بھی اپنی نہیں بے لطف / ہے بوریے کا نقش مرے تن پہ اتو سا

اب کی ہے حدیث اس سے سخن کرنے کی ہیں نے
کیا میر سے بولے کوئی ہے بیہدہ گو سا ۹۹۳۰

## ۹۸۵

اگر وہ ماہ نکل گھر سے ٹک ادھر آتا / تو رنگ کے منھ تئیں کا ہے کو شب جگر آتا

مرید پیر مغاں صدق سے نہ ہم ہوتے / جو حق شناس کوئی اور بھی نظر آتا

نہ پتھروں سے جو سر کو دو پارہ میں کرتا / زمانہ غم کا مرے کس طرح بسر آتا

کسو ہنر سے تو ملتے تھے باہم اگلے لوگ / ہمیں بھی کاشکہ ایسا کوئی ہنر آتا

شراب خانے میں شب مست ہو رہا شاید
جو میر ہوش میں ہوتا تو اپنے گھر آتا ۹۹۳۵

## ۹۸۶

وہ کم نما و دل ہے شائق کمال اس کا / جو کوئی اس کو چاہے ظاہر ہے حال اس کا

ہم کیا کریں علاقہ جس کو بہت ہے اس سے / رکھ دیتے ہیں گلے پر خنجر نکال اس کا

بس ہو تو وام کر بھی اس پر نثار کریے / یک لقد دل رکھے ہیں سو تو ہے مال اس کا

یہ جانتا تو اس سے ہم خواب میں نہ ہوتا / پکّا خیال جی کا ایسا خیال اس کا

ان زلفوں سے نہ لگ کر چل اے نسیم ظالم / تاریک ہے جہاں پھر بکھا جو بال اس کا ۹۹۴۰

جس داغ سے کہ عالم ہے مبتلا بلا میں / سو داغ جان عاشق منھ پر ہے خال اس کا

مستانہ ساتھ میر سے روتی پھرے ہے بلبل / گل سے جو دل لگا ہے ابتر ہے حال اس کا

میری طرح جھکے ہیں بے خود ہو سرو و گل بھی — دیکھا کہیں چمن میں شاید جمال اُس کا

کیا تم کو پیار سے وہ اے میر مُنھ لگا وے

پہلے ہی چومے تم تو کاٹو ہو گال اُس کا

## ۹۸۷

۹۴۵، زار رکھا بے حال رکھا بے تاب رکھا بیمار رکھا — حال رکھا تھا کچھ بھی ہم نے عشق نے آخر مار رکھا

میلان اُس کا تھا کاہے کو جانب اُلفت کیشوں کے — اپنی طرف سے ہم نے اب تک اُس ظالم سے پیار رکھا

عشق بھی ہم میں ہائے تصرف کیسے کیسے کرتا ہے — دل کو چاک، جگر کو زخمی، آنکھوں کو خونبار رکھا

کیا پوچھو ہو دیں کے اکابر فاضل کامل صابر رنج — عزت والے کیا لوگوں کو گلیوں میں اُن نے خوار رکھا

کام اس سے اک طور پہ لیتے بے طور اس کو ہونے نہ دیتے

حیف ہے میر سپہرِ دوں نے ہم سے اس کو یار نہ رکھا

## ۹۸۸

۹۵۰، دل رات دن رہے ہے سینے میں عشق ملتا — ہر چند چاہتا ہوں پر جی نہیں سنبھلتا

اب تو بدن میں سارے اک پھنک رہی ہے آتش — وہ مہ گلے سے لگتا تو یوں جگر نہ جلتا

شب ماہِ چاردہ تھا کس حسن سے نمایاں — ہوتا بڑا تماشا جو یار بھی نکلتا

اے رشکِ شمع گویا تو موم کا بنا ہے — مہتاب میں تجھی کو دیکھا ہے یوں پگھلتا

تکلیفِ باغ ہم کو یاروں نے کی وگرنہ — گل پھول سے کوئی دم اپنا بھی دل بہلتا

۹۵۵، رونے کا جوش ویسا آنکھوں کو ہے بعینہ — جیسے ہو رود کوئی برسات میں اُبلتا

کرتا ہے وے سلوک اب جس سے کہ جان جاوے

ہم میر یوں نہ مرتے اُس پر جو دل نہ چلتا

## ۹۸۹

بوسہ اُس بُت کا لے کے مُنھ موڑا — بھاری پتھر تھا چوم کر چھوڑا

ہو گئے دیوانے ہم ہوئے زنجیر — دیکھ کر اُس کے پاؤں کا توڑا

دل نے کیا کیا نہ درد رات دیے — جیسے پکتا رہے کوئی پھوڑا

۹۶۰، گرمِ رفتن ہے کیا سمندِ عمر — نہ لگے جس کو باؤ کا گھوڑا

کیا کرے بختِ مدعی تھے بلند — کوہکن نے تو سر بہت پھوڑا

دل ہی مرغِ چمن کا ٹوٹ گیا — پھول گل چیں نے ہائے کیوں توڑا

ہے لبِ بام آفتابِ عمر

کریے سو کیا ہے میر دن تھوڑا

## ۹۹۰

ہے عشق میں صبر ناگوارا — پھر صبر بن اور کیا ہے چارا

ان بالوں سے مشک مت خجل ہو — عنبر تو عرق عرق ہے سارا ۷۹۶۵

یوں بات کرے ہے میرے خوں سے — گویا نہیں اُن نے مجھ کو مارا

دیکھو ہو تو دور بھاگتے ہو — کچھ پاس نہیں تمھیں ہمارا

تھا کس کو دماغ باغ اُس بن — بلبل نے بہت مجھے پکارا

رخسار کے پاس وہ دُرِ گوش — ہے پہلوئے ماہ میں ستارا

ہوتے ہیں فرشتے صید آکر — آہوئے حرم ہیں یاں چکارا ۷۹۷۰

پھولی مجھے دیکھ کر گلوں میں — بلبل کا ہے باغ میں اجارا

جب جی سے گزر گئے ہم اے میر

اُس کوچے میں تب ہوا گزارا

## ۹۹۱

دل عجب چرچے کی جاگہ تھی سو ویرانہ ہوا — جوشِ غم سے جی جو بولا سو یہ دیوانہ ہوا

بزمِ عشرت پر جہاں کی گوش واکر جائے چشم — آج یاں دیکھا گیا جو کچھ کل افسانہ ہوا

دیر میں جو میں گدا یا نہ گیا اودھر کہا — شاہ جی کہیے کدھر سے آپ کا آنا ہوا ۷۹۷۵

کیا کہیں حسرت لیے جیسے جہاں سے کوئی جائے — یار کے کوچے سے اپنا اس طرح جانا ہوا

میر تیر اُن جور کیشوں کے جو کھائے بے شمار

چھاتی اب چھلنی ہے میری ہے جگر چھانا ہوا

## ۹۹۲

کیا کہے حال کہیں دل نہ رہا جا کر اپنا — دل نہ اپنا ہے محبت میں نہ دلبر اپنا

دوریِ یار میں ہے حالِ دلِ ابتر اپنا | ہم کو سو کوس سے آتا ہے نظر گھر اپنا

۵۹۸۰ یک گھڑی صاف نہیں ہم سے ہوا یار کبھی | دل بھی جوں شیشۂ ساعت ہے مکدر اپنا

ہر طرف آئینہ داری میں ہے اُس کے رو کی | شوق سے دیکھیے مُنھ ہووے ہے کیدھر اپنا

لب بہ لب رکھ کے نہ اُس گُل کے کبھو ہم سوئے | یہ بساطِ خسک و خار ہے بستر اپنا

کس طرح حرف ہو ناصح کا مؤثر ہم میں | سختیاں کھینچتے ہی دل ہوا پتھر اپنا

کیسی رسوائی ہوئی عشق میں کیا نقل کریں | شہر و قصبات میں مذکور ہے گھر گھر اپنا

۵۹۸۵ اُس گُلِ تر کی قبا کے کہیں کھولے تھے بند | رنگوں گُل برگ کے ناخن ہے معطر اپنا

تجھ سے بے مہر کے لگ لگنے نہ دیتے ہرگز | زور چلتا کچھ اگر چاہ میں دل پر اپنا

پیش کچھ آؤ یہیں ہم تو ہیں ہر صورت سے | مثلِ آئینہ نہیں چھوڑتے ہم گھر اپنا

دل بہت کھینچتی ہے یار کے کوچے کی زمیں | لوہو اُس خاک پہ گرنا ہے مقرر اپنا

میرؔ خط بھیجیے پر اب رنگ اڑا جاتا ہے
کہ کہاں بیٹھے کدھر جاوے کبوتر اپنا

## ۹۹۳

۵۹۹۰ کیا میرِ دلِ شکستہ بھی وحشی مثال تھا | دنبالہ گردِ چشمِ سیاہِ غزال تھا

آخر کو خوابِ مرگ ہمیں جا سے لے گئی | جی دیتے تک بھی سر میں اُسی کا خیال تھا

میں جو کہا کہ دل کو تو تم نے ہرا دیا | بولا کہ ذوق اپنا ہمارا ہی مال تھا

سرو اس طرف کو جیسے گنہگار تھا کھڑا | اُودھر جو آب جو کے وہ نازک نہال تھا

کیا میرے روزگار کے اہلِ سخن کی بات | ہر ناقص اپنے زعم میں صاحب کمال تھا

۵۹۹۵ کیا کیا ہوائیں دیدۂ تر سے نظر پڑیں | جب رونے بیٹھ جاتے تھے تب برشکال تھا

کہتے تھے ہم تباہ ہے اب حال میرؔ کا
دیکھا نہ تم نے اُس میں بھلا کچھ بھی حال تھا

## ۹۹۴

اُن نے کھینچا ہے مرے ہاتھ سے داماں اپنا | کیا کروں گر نہ کروں چاک گریباں اپنا

بارہا جاں لبِ جاں بخش سے دی جن نے ہمیں | دشمنِ جانی ہوا اب وہی جاناں اپنا

خلطے یاد آتے ہیں سُوے جب کہ بدلتے کپڑے
مجھ کو پہناتے تھے رعنائی کا ساماں اپنا ۸۰۰۰

کیا ہوئی یک جہتی وہ کہ طرف تھے میرے
اب یہ طُرفہ ہے کہ مُنھ کرتے ہیں پنہاں اپنا

جس طرح شاخ پراگندہ نظر آتے ہیں بید
تھا جنوں میں کبھو سر مُونڈنے سے پریشاں اپنا

مُشکلیں سیکڑوں چاہت میں ہمیں آئیں پیش
کام ہو دیکھیے کس طور سے آساں اپنا

دلِ فقیری سے نہیں مؔیر کسو کا ناساز
خوش ہوا کتنا ہے یہ خانۂ ویراں اپنا

## ۹۹۵

دل عجب شہر تھا خیالوں کا
لوٹا مارا ہے حُسن والوں کا

جی کو جنجال دل کو ہے اُلجھاؤ
یار کے حلقہ حلقہ بالوں کا ۸۰۰۵

موے دلبر سے مشک بو ہے نسیم
حال خوش اُس کے خستہ حالوں کا

نہ کہا کچھ نہ آ پھرا نہ ملا
کیا جواب ان مرے سوالوں کا

دم نہ لے اُس کی زُلفوں کا مارا
مؔیر کاٹا جیے نہ کالوں کا

## ۹۹۶

احوال نہ پُوچھو کچھ ہم ظُلم رسیدوں کا
کیا حال محبت کے آزار کشیدوں کا

دیوانگی عاشق کی سمجھو نہ لباسی ہے
صد پارہ جگر بھی ہے ہم جامہ دریدوں کا ۸۰۱۰

عاشق ہے دل اپنا تو گل گشتِ گلستاں میں
جدول کے کنارے کی نو بادہ دمیدوں کا

ناچار گئے مارے میدانِ محبت میں
پایا نہ گیا چارہ کچھ اُس کے شہیدوں کا

پتّے کے کھڑکنے سے ہوتی ہے ہمیں وحشت
کیا طور ہے ہم اپنے سائے سے رمیدوں کا

کیا کیا نہ گیا اُس بن صبر اور دماغ و دل
رونق گئی بشرے سے پھر نور بھی دیدوں کا

کرتے ہیں پس از سالے دل شاد گلے لگ کر
سو مؔیر وہ ملنا بھی اب ترک ہے عیدوں کا ۸۰۱۵

## ۹۹۷

سطح جو ہاتھوں میں تھا اُس کے رُخِ گلفام کا
ہاتھ ملنا کام ہے اب عاشقِ بدنام کا

کچھ نہیں سنتا صفت پر شہرۂ آفاق ہوں — سیر کے قابل ہے ہونا پہن میرے نام کا

ہجر کی راتیں بڑی چھوٹی جو ٹک ہوتیں کہیں — اس میں کچھ نقصان ہوتا تھا مگر ایام کا

روؤں یادِ زلف میں اُس کی تو پھر روتا رہوں — صبح تک جاتا نہیں ہے مینھ آیا شام کا

تابِ گیسو اپنا کچا سوت کچھ اُلجھا ہے میر

۸۰۲۰ گُم ہے سر رشتہ ہمارے خواب اور آرام کا

## ۹۹۸

کل رات رو کے صبح تلک میں رہا گرا — خونبار میری آنکھوں سے کیا جانوں کیا گرا

اب شہرِ خوش عمارتِ دل کا ہے کیا خیال — ناگاہ آکے عشق نے مارا جلا گرا

کیا طے ہو راہ عشق کی، عاشق غریب ہے — مشکل گزر طریق ہے یاں رہ گرا گرا

لازم پڑی ہے کسل دلی کو فتادگی — بیمار عشق رہتا ہے اکثر پڑا گرا

۸۰۲۵ ٹھہرے نہ اس کے عشق کا سرگشتۂ ضعیف — ٹھوکر کہیں لگی کہ رہا سر پھرا گرا

وے مارنے کو تکیہ سے سر ٹک اُٹھا تو کیا — بستر سے کب اُٹھے ہے غمِ عشق کا گرا

پھرتا تھا میر غم زدہ یک عمر سے خراب

اب شکر ہے کہ بارے کسی در پہ جا گرا

## ۹۹۹

چاہت کی طرح کش ہو کچھ بھی اثر نہ دیکھا — طرحیں بدل گئیں پر اُن نے اِدھر نہ دیکھا

خالی بدن جبین سے یاں ہو گئے ولیکن — اُس شوخ نے اِدھر کو بھر کر نظر نہ دیکھا

۸۰۳۰ کس دن سر شکِ خونیں منھ پر نہ بہ کر آئے — کس شب پلک کے اوپر لختِ جگر نہ دیکھا

یاں شہر شہر بستی اوجڑ ہی ہوتے پائی — اقلیم عاشقی میں بستا نگر نہ دیکھا

اب کیا کریں کہ آیا آنکھوں میں جی ہمارا — افسوس پہلے ہم نے ٹک سوچ کر نہ دیکھا

لاتے نہیں فرو سر ہرگز بتاں خدا سے — آنکھوں سے اپنی تم نے ان کا گھر نہ دیکھا

سوجھا نہ چاہ میں کچھ برباد کر چکے دل

میر اندھے ہو رہے تھے اپنا بھی گھر نہ دیکھا

۱۰۰۰

۸۰۳۵ کیا ہے عشق جب سے میں نے اُس ترکِ سپاہی کا — پھروں ہوں چور زخمی اس کی تیغ کم نگاہی کا

اگر ہم قطعۂ شب سا لیے چہرہ چلے آئے قیامت ستر ہوگا حشر کے دن روسیاہی کا
ہوا ہے عارفانِ شہر کو عرفان بھی اوندھا کہ ہر درویش ہے مارا ہوا شوقِ الٰہی کا
ہمیشہ التفات اس کے کسو کے بخت سے ہو گا نہیں شرمندہ میں تو اس کے لطفِ گاہ گاہی کا
برنگِ کہربائی شمع اس کا رنگ جھمکے ہے دماغِ سیر اس کو کب ہے میرے رنگ کاہی کا
بڑھیں گے عہد کے درویش اس سے اور کیا یارو کیا ہے لڑکوں نے دینا انھوں کو تاج شاہی کا ۸۰۴۰

خراب احوال کچھ بکتا پھرے ہے دیر و کعبے میں
سخن کیا معتبر ہے میر سے واہی تباہی کا

۱۰۰۱

دیکھوں میں اپنی رات کو خوں ناب تھا سو تھا جی دل کے اضطراب سے بیتاب تھا سو تھا
آکر کھڑا ہوا تھا بہ صد حسن جلوہ ناک اپنی نظر میں وہ دُرِ نایاب تھا سو تھا
ساون بھرے نہ بھادوں میں ہم سو کھے اہلِ درد سبزہ ہماری پلکوں کا سیراب تھا سو تھا
درویش کچھ گھٹا نہ بڑھا مُلکِ شاہ سے خِرقہ کلاہ پاس جو اسباب تھا سو تھا ۸۰۴۵
کیا بھاری بھاری قافلے یاں سے چلے گئے تجھ کو وہی خیال گراں خواب تھا سو تھا
برسوں سے ہے تلاوت و سجّادہ و نماز پر میلِ دل جو سوئے مئے ناب تھا سو تھا

ہم خشک لب جو روتے رہے جوئیں بہہ چلیں
پر میر دشت عشق کا بے آب تھا سو تھا

## ب

۱۰۰۲

ماہِ صیام آیا ہے قصدِ اعتکاف اب جا بیٹھیں مے کدے میں مسجد سے اٹھ کے صاف اب
مسلم ہیں رفتہ رو کے، کافر ہیں خستہ مو کے یہ بیچ سے اٹھے گا کس طور اختلاف اب ۸۰۵۰
جو حرف ہیں سو ٹیڑھے خط میں لکھے ہیں شاید اس کے مزاج میں ہے کچھ ہم سے انحراف اب
مجرم ٹھہر گئے ہم پھرنے سے ساتھ تیرے بہتر ہے جو رکھے تو اس سے ہمیں معاف اب
گو ناک گیا گلے میں مت کھینچ تیغ مجھ پر، اپنے گنہ کا میں تو کرتا ہوں اعتراف اب
کیا خاک میں ملا کر اپنے تئیں موا ہے پیدا ہو گورِ مجنوں تو کیجیے طواف اب

کھینچے ہیں جامے خوباں میں کن کن کے میر دیکھیں
لگتی ہے سرخ اُس کے دامن کے تئیں سنجاف اب ۸۰۵۵

## ۱۰۰۳

طاقت تعب کی غم میں تمھارے نہیں ہے اب — گویا کہ جاں جسم میں سارے نہیں ہے اب
کل کچھ صبا ہوئی تھی گل افشاں قفس میں بھی — وہ بے کلی تو جان کو بارے نہیں ہے اب
جیتے تو لاگ پلکوں کی اس کی کہیں گئے ہم — کچھ ہوش ہم کو چھڑیوں کے مارے نہیں ہے اب
زردیٔ چہرہ اب تو سفیدی کو کھنچ گئی — وہ رنگ آگے کا سا پیارے نہیں ہے اب
مسکن جہاں تھا دل زدہ مسکیں کا ہم تو واں
کل دیر میر میر پکارے نہیں ہے اب ۸۰۶۰

## ۱۰۰۴

بولا جو مو پریشاں آ نکلے میر صاحب — آنا ہوا کہاں سے کہیے فقیر صاحب
ہر لحظہ اک شرارت ہر دم ہے یک اشارت — اِس عمر میں قیامت تم ہو شریر صاحب
بندے پہ اب نوازش کیجے تو کیجے ورنہ — کیا لطف ہے جو آئے وقتِ اخیر صاحب
دل کا الجھنا اپنے ایسا نہیں کہ سلجھے — ہیں دامِ زلف میں ہم اُس کے اسیر صاحب
فکرِ جگر رہے ہے اس دم غلام کو بھی
جس دم لگو ہو کرنے تم مشقِ تیر صاحب ۸۰۶۵

## ۱۰۰۵

دِل پر تو چوٹ تھی ہی زخمی ہوا جگر سب — ہر دم بھری رہے ہے لوہو سے چشمِ تر سب
حیف اُس سے حال میر کہتا نہیں ہے کوئی — نالوں سے شب کے میرے رکھتے تو ہیں خبر سب
بجلی سی اک تجلی آئی تھی آسماں سے — آنکھیں لگا رہے ہیں اہلِ نظر اُدھر سب
اُس ماہ بن تو اپنی دُکھ میں بسر ہوئی تھی — کل رات آ گیا تو وہ دُکھ گیا بسر سب
۸۰۷۰ کیا فہم کیا فراست ذوق و بصر سماعت — قطعہ — تاب و تواں و طاقت یہ کر گئے سفر سب
منزل کو مرگ کی تھا آخر مجھے پہنچنا — بھیجا ہے مَیں نے اپنا اسباب پیشتر سب
دُنیا میں حُسن و خوبی میر اک عجیب شے ہے — رندان و پارسایاں جس پر رکھیں نظر سب

## ١٠٠٦

شیون ہیں شب کے ٹوٹی زنجیر میر صاحب
اب کیا مرے جنوں کی تدبیر میر صاحب

ہم سر بکھیرتے تو وہ تیغ کھینچ نہ سکتی
اپنا گناہ اپنی تقصیر میر صاحب

کھنچتی نہیں کماں اب ہم سے ہوائے گل کی
باد سحر لگے ہے جوں تیر میر صاحب ٨٠٧٥

کب ہیں جوانی کے سے اشعار شور آور
شاید کہ کچھ ہوئے ہیں اب پیر میر صاحب

تم کس خیال میں ہو تصویر سے جو چپ ہو
کرتے ہیں لوگ کیا کیا تقریر میر صاحب

## ١٠٠٧

سب آتش سوزندۂ دل سے ہے جگر آب
بے صرفہ کرے صرف نہ کیوں دیدۂ تر آب

پھرتی ہے اڑی خاک بھی مشتاق کسو کی
سر مار کے کرتا ہے پہاڑوں میں بسر آب

کیا کریے اسے آگ سا بھڑکایا ہے جن نے
نزدیک تر اب اس کو کرے غرق مگر آب ٨٠٨٠

دل میں تو لگی دوں سی بھریں چشمے سی آنکھیں
کیا اپنے تئیں روؤں اِدھر آگ اُدھر آب

کس طور سے بھر آنکھ کوئی یار کو دیکھے
اس آتشیں رخسار سے ہوتی ہے نظر آب

ہم ڈرتے شکر رنجی سے کہتے نہیں یہ بھی
خجلت سے تری ہونٹوں کی ہیں شہد و شکر آب

کس شکل سے اک رنگ پہ رہنا ہو جہاں کا
رہتی ہیں کوئی صورتیں یہ نقش ہیں بر آب

شعلے جو مرے دل سے اٹھیں ہیں سو نہ بیٹھیں
برسوں تئیں چھڑکا کرو تم ان پہ اگر آب ٨٠٨٥

استادہ ہو دریا تو خطرناکی بہت ہے
آ اپنے کھلے بالوں سے زنجیر نہ کر آب

شب روؤں ہوں ایسا کہ جدھر یار کا گھر ہے
جاتا ہوں گلے چھاتی تک اودھر کو اتر آب

اس دشت سے ہو میر ترا کیونکے کہ گزارا
تا زانو ترے گل ہے تری تا بہ کمر آب

## ١٠٠٨

پڑا ہے فرق خورد و خواب میں اب
رہا ہے کیا دل بے تاب میں اب

جنوں میں اب کی نے دامن ہے نے جیب
کمی آئی بہت اسباب میں اب ٨٠٩٠

ہوا ہے خواب ملنا اس سے شب کا
کبھو آتا ہے وہ مہ خواب میں اب

گدائی کی ہے مَیں نے اُس کے دَر کی | کہے کیا دیکھوں میرے باب میں اب
گلے لگنے بِن اُس کے اِتنا روئے | کہ ہم ہیں گے گلے تک آب میں اب
کہاں بل کھائے بال اس کے کہاں یہ | عبث سُنبل ہے پیچ و تاب میں اب

بلا چرچا ہے میرے عشق کا میرؔ
۸۰۹۵ یہی ہے ذکرِ شیخ و شاب میں اب

## ت

### ۱۰۰۹

شِعر کے پردے میں میں نے غم سُنایا ہے بہت | مرثیے نے دل کے میرے بھی رُلایا ہے بہت
بے سبب آتا نہیں اب دم بہ دم عاشق کو غش | درد کھینچا ہے نہایت رنج اُٹھایا ہے بہت
وادی و کہسار میں روتا ہوں ڈاڑھیں مار مار | دِلبرانِ شہر نے مجھ کو ستایا ہے بہت
وا نہیں ہوتا کسوُ سے دِل گرفتہ عشق کا | ظاہراً غمگیں اسے رہنا خوش آیا ہے بہت

میرؔ گم گشتہ کا مِلنا اِتفاقی امر ہے
۸۱۰۰ جب کبھوُ پایا ہے خواہش مند پایا ہے بہت

### ۱۰۱۰

عجب نہیں ہے نہ جانے جو میرؔ چاہ کی ریت | سُنا نہیں ہے مگر یہ کہ جوگی کس کے میت
مت ان نمازیوں کو خانہ ساز دیں جانو | کہ ایک اینٹ کی خاطر یہ ڈھاتے ہیں گے مسیت
غمِ زمانہ سے فارغ ہیں مایہ باختگاں | قمار خانۂ آفاق میں ہے ہار ہی جیت
ہزار شانہ و مسواک و غسل شیخ کرے | ہمارے عندیے میں تو ہے وہ خبیث پلیت
۸۱۰۵ کسوُ کے بسترِ سنجاب و قصر سے کیا کام | ہماری گور کے بھی ڈھیر میں مکاں ہے بیت
ہوئے ہیں سوکھ کے عاشق طنبورے کے سے تار | رقیب دیکھو تو گاتے ہیں بیٹھے اَور ہی گیت
شفق سے ہیں در و دیوار زرد شام و سحر | ہوا ہے لکھنؤ اس رہ گزر میں پیلی بھیت
کہا تھا ہم نے بہت بولنا نہیں ہے خوب | ہمارے یار کو سو اب ہمیں سے بات نہ چیت

رہے تھے میرؔ سے ہم کل کنارِ دریا پر
فتیلہ مُو وہ جگر سوختہ ہے جیسے اتیت

## ۱۰۱۱

جب سے چلی چمن میں ترے رنگِ پاں کی بات ۔۔۔ سننا نہیں ہے کوئی کلی کے دہاں کی بات ۸۱۱۰

یاں شہرِ حسن میں تو کہیں ذکر بھی نہیں ۔۔۔ کیا جانیے کہ مہر و وفا ہے کہاں کی بات

اختر شناس کو بھی خلل ہے دماغ کا ۔۔۔ پوچھو اگر زمیں سے کہیں آسماں کی بات

ایسا خدا ہی جانے کہ ہو عرش یا نہ ہو ۔۔۔ دل بولنے کی جا نہیں کیا اس مکاں کی بات

کیا لطف جو سنو اسے کہتے پھرا کرو ۔۔۔ بدل چاہیے کہ بھول وہیں ہو جہاں کی بات

لے شام سے جہاں میں ہے تا صبح ایک شور ۔۔۔ اپنی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتی یاں کی بات ۸۱۱۵

اوباش کس کو پوچھتے ہیں التفات سے ۔۔۔ سیدھی کبھو سنی نہیں اس بدزباں کی بات

ہر حرف میں ہے ایک کجی، ہر سخن میں پیچ ۔۔۔ پنہاں لیے ہے کب کسو کی ٹیڑھی بانکی بات

رکنے سے کچھ کہا ہی کیا زیرِ لب مجھے
کیا پوچھتے ہو میر مرے مہرباں کی بات

## ۱۰۱۲

مانندِ مرغ دوست نگہ بار بار دوست ۔۔۔ ٹک سوچ بھی ہزار ہیں دشمن ہزار دوست

کھڑکے ہے پات بھی تو لگا بیٹھتا ہے چوٹ ۔۔۔ رم خوردہ وہ غزال بہت ہے شکار دوست ۸۱۲۰

سب کو ہے رشک مجھ میں جو تجھ میں ہے اختلاط ۔۔۔ دشمن ہوئے ہیں دوستی سے تیری یار دوست

تجھ سے ہزار ان نے بنا کر دیے بگاڑ ۔۔۔ مت جان سادگی سے کہ ہے روزگار دوست

یہ تو کچھ آگے دشمنِ جانی سے بھی چلا ۔۔۔ میں جانتا تھا ہوگا دل بے قرار دوست

بیگانگی خلق جہاں جائے خوف ہے ۔۔۔ سو دشمنوں میں کیا ہے جو نکلے بھی چار دوست

مجھ بے نوا کی یاد رہے میر یہ صدا
اس مے کدے میں رہیو بہت ہوشیار دوست ۸۱۲۵

## ۱۰۱۳

سیر کی ہم نے اٹھ کے تا صورت[۱] ۔۔۔ دیسی دیکھی نہ ایک جا صورت

منھ لگانا تو درکنار، ان نے ۔۔۔ نہ کہا ہے یہ آشنا صورت

منھ دکھاتی ہے آرسی ہر صبح ۔۔۔ تو بھی اپنی تو ٹک دکھا صورت

[۱] سورت (نسخۂ آسی)، مگر ردیف صورت ہے۔

خوب ہے چہرۂ پری لیکن — آگے اُس کے ہے کیا بلا صوُرت

۸۱۳۰ کب تلک کوئی جیسے صوُرتِ باز — ق — آوے پیاری بنا بنا صوُرت

ایک دن تو یہ کہہ کہ ملنے کی — تو بھی ٹھہرا کے کوئی لا صوُرت

حلقے آنکھوں میں پڑ گئے منھ زرد
ہو گئی میرؔ تیری کیا صوُرت

وصلِ دلبر نہ ٹک ہوا قسمت **۱۰۱۴** مر چلے ہجر میں ہی یا قسمت

ایک بوسے پہ بھی نہ صُلح ہوئی — ہم نے دیکھی بہت لڑا قسمت

۸۱۳۵ شیخ جنّت تجھے مجھے دیدار — واں بھی ہر اک کی ہے جُدا قسمت

پھول چُن ہاتھوں سے سبھوں کو دیے — زخمِ تیغ اُن سے اپنی تھا قسمت

کیا ازل میں ملا نہ لوگوں کو
تھی ہماری بھی میرؔ کیا قسمت

**۱۰۱۵**

زخم جھیلے داغ بھی کھائے بہت — دل لگا کر ہم تو پچھتائے بہت

جب نہ تب جاگہ سے تم جایا کیے — ہم تو اپنی اور سے آئے بہت

۸۱۴۰ دیر سے سوئے حرم آیا نہ ٹک — ہم مزاج اپنا ادھر لائے بہت

پھول، گل، شمس و قمر سارے ہی تھے — پر ہمیں ان میں تمھیں بھائے بہت

گر بُکا اس شور سے شب کو ہے تو — روویں گے سونے کو ہمسائے بہت

وہ جو نکلا صبح جیسے آفتاب — رشک سے گل پھول مرجھائے بہت

میرؔ سے پوچھا جو مَیں عاشق ہو تم
ہو کے کچھ چپکے سے شرمائے بہت

**۱۰۱۶**

۸۱۴۵ کوشش اپنی تھی عبث پر کی بہت — کیا کریں ہم چاہتا تھا جی بہت

کعبۂ مقصود کو پہنچے نہ ہائے — سعی کی اے شیخ ہم نے بھی بہت

سب ترے محوِ دعائے جان ہیں — آرزو اپنی بھی ہے تو جی بہت

رُک رہا ہے دیر سے تڑپا نہیں
عشق نے کیوں دل کو مہلت دی بہت

کیوں نہ ہوں دوری میں ہم نزدیکِ مرگ
دل کو اس کے ساتھ اُلفت تھی بہت

وہ نہ چاہے جب تئیں ہوتا ہے کیا
جہد کی ملنے میں اپنی سی بہت ۸۱۵۰

کب سُنا حرفِ شگونِ وصلِ یار
یوں تو فالِ گوش ہم نے لی بہت

تھا قوی آخر ملے ہم خاک میں
آسماں سے یوں رہی کُشتی بہت

آج ور ہم کرتے تھے کچھ گفتگو
میر نے شاید کہ دارو پی بہت

## ۱۰۱۷

خدا جانے ہووے گی کیا نہایت
اجل تو ہے دل کے مرض کی بدایت

سخن غم سے آغشتہ خوں ہے ولیکن
نہیں لب مرے آشنائے شکایت ۸۱۵۵

نہیں یہ گنہ گار ملنے کے قابل
کرم کریے، تو مہربانی عنایت

گیا آسماں پر جو نالہ تو کیا ہے
نہیں یار کے دل میں کرتا سرایت

ہمیں عشق میں میر چُپ لگ گئی ہے
نہ شکر و شکایت نہ حرف و حکایت

# ٹ

## ۱۰۱۸

کیا لڑکے دلی کے ہیں عیار اور نٹ کھٹ
دل لیں ہیں یوں کہ ہرگز ہوتی نہیں ہے آہٹ

ہم عاشقوں کو مرتے کیا دیر کچھ لگے ہے
چٹ جن نے دل پہ کھائی وہ ہو گیا ہے چٹ پٹ ۸۱۶۰

دل ہے جدھر کو اُدھر کچھ آگ سی لگی تھی
اس پہلو ہم جو لیٹے جل جل گئی ہے کروٹ

کلیوں کو تُو نے چٹ چٹ اے باغباں جو توڑا
بُلبُل کے دل جگر کو ظالم لگی ہے کیا چٹ

جی ہی ہٹے نہ میرا تو اس کو کیا کروں میں
ہر چند بیٹھتا ہوں مجلس میں اُس سے ہٹ ہٹ

دیتی ہے طول بُلبُل کیا نالہ و فغاں کو
دل کے اُلجھنے سے ہیں یہ عاشقوں کی بھٹ بھٹ

مرتے نہ تھے ہم ایسے دریا پہ جب تھا تکیہ
اس گھاٹ گاہ و بیگہ رہنے لگا تھا جمگھٹ ۸۱۶۵

رُک رُک کے دل ہمارا بیتاب کیوں نہ ہووے
کثرت سے درد و غم کی رہتا ہے اس پہ جھرمٹ

شب میرؔ سے ملے ہم ایک وہم رہ گیا ہے
اس کے خیالِ مو میں اب تو گیا بہت لٹ

# ث

۱۰۱۹ تری جستجو یار کی ہے عبث | یہ کوشش گنہ گار کی ہے عبث
تو پیدا ہے لیکن ہویدا نہیں | یہ تصدیع ہموار کی ہے عبث

نہ ہاتھ آئی اے میرؔ کچھ وجہ مے
گرو میں نے دستار کی ہے عبث

۸۱۷۰

# چ

۱۰۲۰

حال کہنے کی کسے تاب اس آزار کے بیچ | حال رہتا ہی نہیں عشق کے آزار کے بیچ
آرزو مند ہے خورشید میسر ہے کہاں | کہ تنک ٹھہرے تمھارے سایۂ دیوار کے بیچ
کیا کہیں ہم کہ گلے ڈالے پھریں سبحے میں | دانے سبحے کے پرو رشتۂ زنار کے بیچ
رشکِ خوبی کا اسی کے جگرِ مہ میں ہے داغ | یہ جو اک خال پڑا ہے ترے رخسار کے بیچ
۸۱۷۵ رل گیا پھولوں میں اس رنگ سے کرنے ہوئے سیر | کہ تامّل کیے پایا اسے گلزار کے بیچ
قدر گو تم نہ کرو میری متاعِ دل کی | جنس لگ جاوے گی یہ بھی کسو سرکار کے بیچ

گردِ سر رفتہ ہیں اے میرؔ ہم اس کشتے کے
رہ گیا یار کی جو ایک ہی تلوار کے بیچ

۱۰۲۱

کل لے گئے تھے یار ہمیں بھی چمن کے بیچ | اس کی سی بو نہ آئی گل و یاسمن کے بیچ
کشتہ ہوں میں تو شیریں زبانیٔ یار کا | اے کاش وہ زبان ہو میرے دہن کے بیچ
۸۱۸۰ اس بحر میں رہا مجھے چکر بھنور کے طور | سرگشتگی میں عمر گئی سب وطن کے بیچ
گر دل جلا بھنا یہی ہم ساتھ لے گئے | تو آگ لگ اٹھے گی ہمارے کفن کے بیچ
تنگی جامہ ظلم ہے اے باعثِ حیات | پاتے ہیں لطف جان کا ہم تیرے تن کے بیچ

نازک بہت ہے تو کہیں افسردگی نہ آئے　چسپانی لباس سے پیارے بدن کے بیچ

ہے قہر وہ جو دیکھے نظر بھر کے جن نے میرؔ
برہم کیا جہاں مژہ برہم زدن کے بیچ

۱۰۲۲

جانانہ دل کو تمھاری زُلفِ رسا کے بیچ　دانستہ جا پڑے ہے کوئی بھی بلا کے بیچ ۸۱۸۵

فرہاد و قیس جس سے مجھے چاہو پوچھ لو　مشہور ہے فقیر بھی اہلِ وفا کے بیچ

آخر تو میں نے طول دیا بحثِ عشق کو　کوتاہی تم بھی مت کرو جور و جفا کے بیچ

آئی جو لب پہ آہ تو میں اٹھ کھڑا ہو　بیٹھا گیا نہ مجھ سے تو ایسی ہوا کے بیچ

اقبال دیکھ اِس ستم و ظلم و جور پر　دیکھوں ہوں جس کو ہے وہ اسی کی دُعا کے بیچ

دل اس چمن میں بہتوں سے میرا لگا ولے　بوئے وفا نہ پائی کسو آشنا کے بیچ ۸۱۹۰

جوش و خروش میرؔ کے جاتے رہے نہ سب
ہوتا ہے شور چاہنے کی ابتدا کے بیچ

## ح

۱۰۲۳

یاد آگیا تو بہنے لگیں آنکھیں جو کی طرح　کچھ آگئی تھی سرو چمن میں کسو کی طرح

چسپاں قبا وہ شوخ سدا غصے ہی رہا　چینِ جبیں سے اس کی اٹھائی اتو کی طرح

گالی لڑائی آگے تو تم جانتے نہ تھے　اب یہ نکالی تم نے نئی گفتگو کی طرح

ہم جانتے تھے تازہ بنائے جہاں کو لیک　یہ منزل خراب ہوئی ہے کبھو کی طرح ۸۱۹۵

سرسبز ہم ہوئے نہ تھے جو زرد ہو چلے　اس کِشت میں پڑی یہ ہمارے نمو کی طرح

وے دن کہاں کہ مست سر انداز خُم میں تھے　سر اب تو ٹھوکرا ہے شکستہ سبو کی طرح

تسکین دل کی کب ہوئی سیر چمن کیے　گو پھول دل میں آگئے کچھ اُس کے لہو کی طرح

آخر کو اُس کی راہ میں ہم آپ گم ہوئے　مدت میں پائی یار کی یہ جستجو کی طرح

کیا لوگ یونہی آتشِ سوزاں میں جا پڑے　کچھ ہوگی جلتی آگ میں اس تند خو کی طرح ۸۲۰۰

ڈرتا ہوں چاک دل کو مرے پلکوں سے سیے ‏ نازک نظر پڑی ہے بہت اُس رفو کی طرح

دھوتے ہیں اشکِ خونی سے دست و دہن کو میر
طورِ نماز کیا ہے جو یہ ہے وضو کی طرح

## د

### ۱۰۲۴

زمیں پر میں جو پھینکا خط کو کر بند ‏ بہت تڑپا کیا جوں مرغ پر بند
گرفتِ دل سے ناچاری ہے یعنی ‏ رہا ہوں بیٹھ میں بھی کر کے گھر بند
۸۲۰۵ پھنسا دل زلف و کاکل میں نہ پوچھو ‏ پڑا ہے تا گہ آ کر بند پر بند
سبب اس کی چشمِ پُر نیرنگ کے محو ‏ مگر کی اُن نے عالم کی نظر بند
چمن میں کیونکہ ہم پر بستہ جاویں ‏ بلند از بس کہ ہے دیوار و در بند
بہت پیکانِ تیرِ یار ٹوٹے ‏ تمام آہن ہے اب میرا جگر بند
ہوئیں رونے کی مانع میری پلکیں ‏ بندھا خاشاک سے سیلاب پر بند
۸۲۱۰ کہا کیا جائے اُن ہونٹوں کے آگے ‏ ہماری لب گزی ہے یہ شکر بند
کھلے بندوں نہ آیا یاں وہ اوباش ‏ پھرا مونڈھے پہ ڈالے بیشتر بند
یہی اوقات ہے گی دید کے یاں ‏ رکھ اپنی چشم کو شام و سحر بند
بچا رہتا تھا چہرہ جس سے سُواب ‏ گریباں میں ہے وہ دستِ ہنر بند

فنِ اشعار میں ہوں پہلوان میر
مجھے ہے یاد اس کشتی کا ہر بند

### ۱۰۲۵

۸۲۱۵ ہماری بات کو اے شمعِ بزم کر لو یاد ‏ زبانِ سُرخ سرِ سبز دیتی ہے برباد
ہمیں اسیر تو ہونا ہے اپنا اچھا یاد ‏ کشش نہ دام کی دیکھی نہ کوششِ صیاد
نہ دردمندی سے یہ راہ تم چلے ورنہ ‏ قدم قدم پہ تھی یاں جاے نالہ و فریاد
ہزار فاختہ گردن میں طوق پہنے پھرے ‏ اسے خیال نہیں کچھ وہ سرو ہے آزاد
جہاں میں اتنے ہی آشوب کیا رہیں گے بس ‏ ابھی پڑے گا مرے خونِ بے گنہ سے بنیاد

چمن میں اُٹھتے ہیں سناہٹے سے اے بلبل
جگر خراش یہ نالے ہیں تیرے مُنھ سے زیاد ۸۲۲۰

ثباتِ قصر و در و بام و خشت و گِل کتنا
عمارتِ دلِ درویش کی رکھو بُنیاد

چمن میں یار ہمیں لے گئے تھے وا نہ ہوئے
ہمارے ساتھ یہی غم یہی دلِ ناشاد

ہمیں تو مرنے کا طور اُس کے خوش بہت آیا
طواف کریے جو ہو نخلِ ماتمِ فرہاد

نظر نہ کرتے طرف صید کے دمِ بسمل
یہ ظلم تازہ ہوا اُس کُشندے سے ایجاد

چلے نہ تیغ اگر ہم نگاہِ عجز کریں
ہماری اور نہ دیکھے خدا کرے جلاد ۸۲۲۵

کب اُن نے دِل میں کر انصاف ہم پہ لُطف کیا
وہی ہے خشم وہی یاں سے جا وہی بیداد

تمام ریختہ بچاؤ ہیں اب تو پھر پسِ مرگ
کہ انھنوں نے تو کیا عزّا سمسۂ استاد

اگرچہ گنج بھی ہے پر خرابیاں ہیں بہت
نہ پھر خرابے میں اے میرِ خانماں برباد

۱۰۲۶

عشق لوہو پی گیا سب تن میں ہے سو درد و زرد
پھول میری خاک سے نکلیں گے بھی تو زرد زرد

کب مری شب کو سحر ہے ایک بدحالی کے بیچ
جانتا ہوں صبح ہے ہوتا ہوں جب میں سرد سرد ۸۲۳۰

کارواں در کارواں یاں سے چلے جاتے ہیں لوگ
ہر طرف اس خاکداں میں دیکھتے ہیں گرد گرد

مرد و زن سب ہیں شہ پیرِ دیر و دختِ تاک سے
یہ غلط فہمی ہے ہر زن زن ہے یا ہر مرد مرد

دفترِ اعمال میرا بھول جاویں میر کاش
ہے قیامت اس جریدے کو جو دیکھیں فرد فرد

۱۰۲۷

بہت ہے تنِ درد پر زرد زرد
اُٹھے گی مری خاک سے گرد زرد

وہ بیمار گو تو نہ جانے مجھے
مرا نامہ لکھنے کو ہو فرد زرد ۸۲۳۵

گزرتی ہے کیا میر دل پر ترے
تو ہوتا ہے ہر لحظہ کچھ زرد زرد

ر

۱۰۲۸

شعلہ ہے شمع ساں یاں ہر یک سخن زباں پر
گرمی سے گفتگو کی کرے قیاس جاں پر

دیکھ اُس کے خط کی خوبی تک جاتی ہے چھپ ایسی — گویا کہ مُہر کی ہے اُن نے مرے دہاں پر
ہوں خاک مجھ کو اُن سے نسبت حساب کیا ہے — میں گنتی میں نہیں ہوں وے ہفتم آسماں پر
۸۲۴۰ گھر باغ میں بنایا پر ہم نے یہ نہ جانا — بجلی سے بھی پڑے گا پھول آ کے آشیاں پر
رو دیتے ہیں دوست اکثر سن سرگذشتِ عاشق — تو بھی تو گوش وا کر ٹک میری داستاں پر
کیا بات میں تب اُس کی جادو سے کس کے بولا — ہونے لگے ہیں خوں جب ہونٹھوں کے رنگ پاں پر
تڑپے ہے دل گھڑی بھر تو پہر دل غش رہے ہے — کیا جانوں آفت آئی کیا طاقت و تواں پر

سودا ہے جو اس سے تو میرؔ منفعت ہے
اپنی نظر نہیں ہے پھر جان کے زیاں پر

۱۰۲۹

۸۲۴۵ پیس مارا دلِ غموں نے کوٹ کر — کیا اُجاڑا اس نگر کو لوٹ کر
ابر سے آشوب ایسا کب اُٹھا — خوب روئے دیدۂ تر پھوٹ کر

کیوں گریباں کو پھروں پھاڑے نہ میرؔ
دامن اُس کا تو گیا ہے چھوٹ کر

۱۰۳۰

اے مرغِ چمن صبح ہوئی زمزمہ سر کر — دم کھینچ نہ دل سے کوئی ٹکڑے جگر کر
وہ آئینہ رو باغ کے پھولوں میں جو دیکھا — ہم رہ گئے حیران اُسی مُنھ پہ نظر کر
۸۲۵۰ ہے بیخبری مجھ کو ترے دیکھے سے ساقی — ہر لحظہ مری جان مجھے میری خبر کر
جس جائے سراپا میں نظر جاتی ہے اُس کے — آتا ہے مرے جی میں یہیں عمر بسر کر
فرہاد سے پتھر پہ ہوئیں صنعتیں کیا کیا — دل جا کے جگر کاوی میں کچھ تو بھی ہنر کر
پڑتے نگہ اس شوخ کی ہوتا ہے وہ احوال — رہ جاوے ہے جیسے کہ کوئی بجلی سے ڈر کر
معشوق کا کیا وصل ورے ایسا دھرا ہے — تا شمع پتنگا بھی جو پہنچے ہے تو مر کر
۸۲۵۵ یک شب طرف اس چہرۂ تاباں سے ہوا تھا — پھر چاند نظر ہی نہ چڑھا جی سے اُتر کر

کسب اور کیا ہوتا عوض ریختے کے کاش
پچھتائے بہت میرؔ ہم اس کام کو کر کر

## ۱۰۳۱

جب ہم کلام ہم سے ہوتا ہے پان کھاکر
کس رنگ سے کرے ہے باتیں چبا چبا کر

تھی جملہ تن لطافت عالم میں جاں کے ہم تو
مٹی میں اَٹ گئے ہیں اس خاکداں میں آکر

سعی و طلب بہت کی مطلب کے تئیں نہ پہونچے
ناچار اَب جہاں سے بیٹھے ہیں ہاتھ اُٹھاکر

غیرت یہ تھی کہ آیا اُس سے جو میں خفا ہو
مرتے مؤا پہ ہرگز اُودھر پھرا نہ جاکر ۸۲۶۰

قدرت خدا کی سب ہیں خلیع العذار آؤ
بیٹھو جو مجھ کنے تو پردے میں منھ چھپاکر

ارمان ہے جنھوں کو سے اب کریں محبت
ہم تو ہوئے پشیماں دل کے تئیں لگاکر

ہیں میرؔ ترک لے کر دُنیا سے ہاتھ اُٹھایا
درویش تو، بھی تو ہے حق میں مرے دعاکر

## ۱۰۳۲

پڑتی ہے آنکھ ہر دم جاکر صفائے تن پر
سو جی گئے تھے صدقے اُس شوخ کے بدن پر

نام خدا نکالے کیا پانو رفتہ رفتہ
تلواریں چلتیاں ہیں اُس کے تو اب چلن پر ۸۲۶۵

تو بھی تو ایک دن چل گلشن میں ساتھ میرے
کرتی ہے کیا تبختر بلبل گُل چمن پر

دل جو بجا نہیں ہے وحشی سا میں پھروں ہوں
تم جا پیو نہ ہرگز میرے دِوانے پن پر

در کار عاشقوں کو کیا ہے جواب نامہ
یک نام یار بس ہے لکھنا مرے کفن پر

تب ہی بھلے تھے جب تک حرف آشنا نہ تھے تم
لینے لگے لڑائی اَب تو سخن سخن پر

گرد رخ اُس کے پیدا خط کا غبار یوں ہے
گرد اک تنک سی بیٹھے جس رنگ یاسمن پر ۸۲۷۰

کس طرح میرؔ جی کا ہم توبہ کرنا مانیں
کل تک بھی داغِ مے تھے سب اُن کے پیرہن پر

## ۱۰۲۳

سحر گوشِ گل میں کہا میں نے جاکر
کھلے بند مرغِ چمن سے ملا کر

لگا کہنے فرصت ہے یاں یک تبسم
سو وہ بھی گریباں میں منھ کو چھپاکر

تناسب پہ اعضا کے اتنا تبختر
بگاڑا تجھے خوب صورت بناکر

قیامت رہا اضطراب اُس کے غم میں
جگر پھر گیا رات ہونٹوں پہ آ کر

اسی آرزو میں گئے ہم جہاں سے | نہ پوچھا کبھو لطف سے ٹک بلا کر
کھنچی تیغ اُس کی تو یاں نیم جاں تھے | خجالت سے ہم رہ گئے سر جھکا کر

مبارک تمھیں میر ہو عشق کرنا
بہت ہم تو پچھتائے دل کو لگا کر

۱۰۳۴

صاف غلطاں خوں میں ہے نخچیرِ یار | لے گیا رنگ اُس کے دل سے تیرِ یار
۸۲۸۰ کوتہی کی میرے طولِ عمر نے | جَور میں تو کچھ نہ تھی تقصیرِ یار
آکڑوں کے پانو میں بیڑی ہوئی | ہاتھ میں سونے کی وہ زنجیرِ یار
ہے کشیدہ جیسے تیغِ آفتاب | میان میں رہتی نہیں شمشیرِ یار

میر ہم تو ناز ہی کھینچا کیے
کیونکہ کوئی کھینچے ہے تصویرِ یار

۱۰۳۵

مذہب سے میرے کیا تجھے میرا دیار اور | میں اور یار اور مرا کار و بار اور
۸۲۸۵ چلتا ہے کام مرگ کا خوب اُس کے وقت میں | ہوتی ہے گرد شہر کے روز اِک مزار اور
بندے کو ان فقیروں میں گننے نہ شہر کے | صاحب نے میرے مجھ کو دیا اعتبار اور
دِل کو تو لاگ ہی ہے نکوں راہ کب تلک | اس پر ہے یک عذاب شدید انتظار اور
بسمل پسند کر کے تڑپنا نہ دیکھنا | ہے میرے صید پیشہ کا طورِ شکار اور
میں اُس کی گردِ رہ کا رہا منتظر بہت | سو آنکھیں دونوں لائیں مری اِک غبار اور
۸۲۹۰ دردِ سراب جو عشق کا ہے گو تنک ہے ساتھ | کچھ یہ نشا ہی اور ہے اس کا خمار اور
کاہے کو اس قرار سے تھا اضطراب و قلق | ہوتا ہے ہاتھ رکھنے سے دل بیقرار اور

کس کو فقیری میں سر و دل حرف کا ہے میر
کرتے ہیں اس دماغ پہ ہم انکسار اور

۱۰۳۶

دعوےٰ ہے یونہی اُس کا ترے حُسنِ گوش پر | یاں کون بھو کے ہے صدفِ ہر درہ گوش پر

شاید کسو میں اس میں بہت ہو گیا ہے بُعد — تم بھی تو گوش رکھو جرس کے خروش پر

جَیب و کنار سے تو بڑھا پانی دیکھیے — چشمہ ہماری چشم کا رہتا ہے جوش پر ۸۲۹۵

اک شور ہے جو عالمِ کون و فساد میں — ہنگامہ ہے اُسی کے یہ لعلِ خموش پر

ہے بارِ دوش جس کے لیے زندگی سو وہ — رکھ ہاتھ راہ ٹک نہ چلا میرے دوش پر

جو ہے سو مستِ بادۂ وہم و خیال ہے — کس کو ہے یاں نگاہ کسو دُرد نوش پر

مُرغِ چمن نے کیا حقِ صحبت ادا کیا — لالا کے گُل بکھیرے مرے قبر پوش پر

جب تک بہار رہتی ہے رہتا ہے مست تو
عاشق ہیں میرؔ ہم تو تری عقل و ہوش پر ۸۳۰۰

## ۱۰۲۷

کیا جانیں گے کہ ہم بھی عاشق ہوئے کسو پر — غصے سے تیغ اکثر اپنے رہی گلو پر

ہر کوئی چاہتا ہے سُرمہ کرے نظر کا — ہونے لگے ہیں اب تو خوں اُس کی خاکِ کُو پر

کر باغباں حیا ٹک گُل کو نہ ہاتھ میں مَل — دیتی ہے جان بُلبل پھولوں کے رنگ و بو پر

حسرت سے دیکھتے ہیں پرواز ہم صفیراں — شایستہ بھی ہمارے ایسے ہی تھے کبھو پر

حرف و سخن کرے ہے کس لُطف سے برابر — سلکِ گہر بھی صدقے کی اُس کی گفتگو پر ۸۳۰۵

گو شوق سے ہو دل خوں مجھ کو ادب وہی ہے — مَیں رو کبھو نہ رکھا گستاخ اُس کے رو پر

تن راکھ سے مَلا سب آنکھیں دیے سی جلتی
ٹھہری نظر نہ جوگی میرؔ اُس فتیلہ مو پر

# ز

## ۱۰۲۸

ہے تند و تیز اُس کی نگاہ اس طرف ہنوز — مارا ہے بے گناہ و گناہ اس طرف ہنوز

سر کاٹ کر ہم اُس کے قدم کے تلے رکھا — ٹیڑھی ہے اُس کی طرفِ کلاہ اس طرف ہنوز

مدت سے مثلِ شب ہے مرا تیرہ روزگار — آتا نہیں وہ غیرتِ ماہ اس طرف ہنوز ۸۳۱۰

پتھرا گئیں ہیں آنکھیں مری نقشِ پا کے طور — پڑتی نہیں ہے یار کی راہ اس طرف ہنوز

جس کی جہت سے مرنے کے نزدیک پہنچے ہم — پھرتا نہیں وہ آن کے واہ اس طرف ہنوز

آنکھیں ہماری مند چلیں ہیں جس بغیر یاں — وہ دیکھتا بھی ٹک نہیں آہ اس طرف ہنوز

برسوں سے میر ماتم مجنوں ہے دشت میں
روتا ہے آکے ابر سیاہ اس طرف ہنوز

# س

## ۱۰۳۹

۸۳۱۵ گلامت توڑ اپنا اے جرس بس — نہیں اس راہ میں فریادرس بس
کبھو دل کی نہ کہنے پائے اُس سے — جہاں بولے لگا کہنے کہ بس بس
گُل و گلزار سے کیا قیدیوں کو — ہمیں داغ دل و کنج قفس بس
نہ ترساؤ یکایک مار ڈالو — کروگے کب تلک ہم پر ترس بس
بہت کم دیتے تھے بادل دکھائی — رہے ہم ہی تو روتے اِس برس بس
۸۳۲۰ کسو محبوب کی ہو گور پر گل — ہماری خاک کو ہے خار و خس بس
چمن کے غم میں سینہ داغ ہے میر
بہت نکلی ہماری بھی ہوس بس

## ۱۰۴۰

عشق میں غم نہ چشم تر ہے بس — نہ یہی خوں دل و جگر ہے بس
رہ گئے مُنہ نہوں سے نوچ کے ہم — گر ہوس ہے اسی قدر ہے بس
اب سے جاکر کے پھر نہ آئے ہم — بس ہمیں تو یہی سفر ہے بس
۸۳۲۵ چاہ میں ہم نہیں زیادہ طلب — کبھو پوچھو جو تم خبر ہے بس
چشم پوشی نہ کر فقیر ہے میر
مہر کی اُس کو اک نظر ہے بس

## ۱۰۴۱

اسیروں تک رسائی ہو چکی بس — مری بخت آزمائی ہو چکی بس
بہار اب کے بھی جو گذری قفس میں — تو پھر اپنی رہائی ہو چکی بس

کہاں تک اس سے قصہ قضیہ ہر شب — بہت باہم لڑائی ہو چکی بس
نہ آیا وہ مرے جاتے جہاں سے — یہیں تک آشنائی ہو چکی بس ۸۳۳۰
لگا ہے حوصلہ بھی کرنے تنگی — غموں کی اب سمائی ہو چکی بس
برابر خاک کے تو کر دکھایا — فلک بس بے ادائی ہو چکی بس
دنی کے پاس کچھ رہتی ہے دولت — ہمارے ہاتھ آئی ہو چکی بس
دکھا اس بت کو پھر بھی یا خدایا — تری قدرت نمائی ہو چکی بس
شرر کی سی ہے چشمک فرصت عمر — جہاں دے ٹک دکھائی ہو چکی بس ۸۳۳۵

گلے میں گیسوؤں کی کفنی ہے اب میر
تمھاری میرزائی ہو چکی بس

# ش

۱۰۴۲

اس کے در پر شب نہ کر اے دل خروش — کہتے ہیں دیوار بھی رکھے ہے گوش
پاؤں پڑتا ہے کہیں آنکھیں کہیں — اس کی مستی دیکھ کر جاتا ہے ہوش
کتنے یہ فتنے ہیں موجب شور کے — قد و خد و گیسو و لعل خموش
مر گیا اس ماہ بن میں کیا عجب — چاندنی سے ہو جو میرا قبر پوش ۸۳۴۰
صافی مے چادر اپنی میں سے کی — اور کیا کرتے ہیں مفلس دردنوش
دوستوں کا درد دل ٹک گوش کر — گر نصیب دشمناں ہے درد گوش

جب نہ تب بکتا ہے بازاروں میں میر
ایک لوطی ہے وہ ظالم سرفروش

۱۰۴۳

طرح خوش ناز خوش اس کی ادا خوش — خوشا ہم جو نہ رکھے ہم کو ناخوش
نہیں ناساز فقرا اپنا کسو کا — خرابی کی ہمارے ہے ہوا خوش ۸۳۴۵
بتوں کے غم میں نالاں جب تب ہوں — نہ راضی خلق مجھ سے نے خدا خوش

کلی رکتی ہے گل ہے دل پریشاں      کسو کی اس چمن میں گذرے کیا خوش
جہانِ تنگ کڑھنے ہی کی جا تھی      کوئی دن میں تکلف سے رہا خوش
رہا پھولوں میں کرتا زمزمہ میں      مری اس باغ میں گذری سدا خوش
گیا اس شہر ہی سے میرؔ آخر
۸۲۵۰ تمھاری طرزِ بد سے کچھ نہ تھا خوش

۱۰۴۴

فکر میں مرگ کے ہوں سر در پیش      ہے عجب طور کا سفر در پیش
کس کی آنکھیں پھرے ہیں آنکھوں میں      دم بہ دم ہے مری نظر در پیش
مستی بھی اہلِ ہوش کی ہے جنھیں      آوے ہے عالمِ دگر در پیش
کیا کروں نقل راہِ ہستی میں      مرحلے آتے کس قدر در پیش
کیا پتنگے کو شمع روئے میرؔ
۸۲۵۵ اس کی شب کو بھی ہے سحر در پیش

۱۰۴۵

ہوں تو دریا پر کیا ترکِ خروش      دل کے دل ہی میں کھپا ئے اپنے جوش
مست رہتے ہیں ہم اپنے حال میں      عرض کریے حال پر دیے کس کے گوش
عاقبت تجھ کو لباسِ راہ راہ      لے گیا ہے راہ سے اے تنگ پوش
ہو نہ آگے میرے جوں سوسن زباں      ہو سکے تو گل کے رنگوں رہیے گوش
میرؔ کو طفلانِ تہ بازار میں
۸۲۶۰ دیکھو شاید ہو وہیں وہ دل فروش

## ص

۱۰۴۶

ہے دلِ بیتاب کا بھی ویسا رقص      رقصِ بسمل تم سنو ہو جیسا رقص

## ض

آج رکھ آیا کمر میں پیش قبض      ۱۰۴۷ سو ہی کھینچی مجھ پہ گھر میں پیش قبض

## ط

۱۰۴۸

شاید اُس سادہ نے رکھا ہے خط — کہ ہمیں متّصل لکھا ہے خط
شوق سے بات بڑھ گئی تھی بہت — دفتر اُس کو لکھیں ہیں کیا ہے خط
نامہ کب یار نے پڑھا سارا — نہ کہا یہ بھی آشنا ہے خط ۸۳۶۵
ساتھ ہم بھی گئے ہیں دوُر تلک — جب اُدھر کے تئیں چلا ہے خط

کچھ خلل راہ میں ہُوا اے میؔر
نامہ بر کب سے لے گیا ہے خط

۱۰۴۹

ہم نہ سمجھے رابطہ ان نوخطوں سے تھا غلط — ہوتے ہیں برخود غلط یہ ہوگیا یہ کیا غلط

کہتے ہو کیا کیا لکھا ہے خط میں مجھ کو میؔر نے
کب کہا کن نے یہ سب جھوٹ افترا بے جا غلط

## ظ

جو وہ ہے تو ہے زندگانی سے حظ ۱۰۵۰ — مزا عُمر کا ہے جوانی سے حظ ۸۳۷۰
نہیں وہ تو سب کچھ یہ بے لُطف ہے — نہ کھانے میں لذّت نہ پانی سے حظ

کہا دردِ دِل رات کیا میؔر نے
اُٹھایا بہت اس کہانی سے حظ

## ع

آ گئے جب اُس آتشیں رُخسار کے آتی ہے شمع
پانی پانی شرم مفرط سے ہُوئی جاتی ہے شمع

۱۰۵۱

ہے مری ہر اک غزل پر اجتماع — خانقہ میں کرتے ہیں صوفی سماع
وجد میں رکھتا ہے اہلِ فہم کو — میرے شعر و شاعری کا استماع ۸۳۷۵

نیم بسمل چھوڑ دینا رحم کر — اس شکار افگن کا ہے گا اختراع
کچھ ضرر عائد ہوا میری ہی اور — ورنہ اس سے سب کو پہنچا انتفاع
یار دشمن ہو گیا اس کے سبب — ہے متاع دوستی بھی کیا متاع
دل جگر خوں ہو کے رخصت ہو گئے — حسرت آلودہ ہے کیا اشک وداع

میر درد دل نہ کہہ ظالم بس اب
۵۳۸۰ ہو گیا ہے سامعوں کو تو صداع

# غ

اب نہیں سینے میں میرے جائے داغ ۱۰۵۲ سوز دل سے داغ ہے بالائے داغ
دل جلا، آنکھیں جلیں، جی جل گیا — عشق نے کیا کیا ہمیں دکھلائے داغ
دل، جگر جل کر ہوئے ہیں دونوں ایک — درمیاں آیا ہے جب سے پائے داغ
منفعل ہیں لالہ و شمع و چراغ — ہم نے بھی کیا عاشقی میں کھائے داغ

وہ نہیں اب میر جو چھاتی جلے
کھا گیا سارے جگر کو ہائے داغ

۱۰۵۳

صحبت کسو سے رکھنے کا اس کو نہ تھا دماغ — تھا میر بے دماغ کو بھی کیا بلا دماغ
باتیں کرے برشتگی دل کی پر کہاں — کرتا ہے اس دماغ جلے کا وفا دماغ
دو حرف زیر لب کہے پھر ہو گیا خموش — یعنی کہ بات کرنے کا کس کو رہا دماغ
کر فکر اپنی طاقت فکری جو ہو ضعیف — اب شعر شاعری کی طرف کب لگا دماغ

آتش زبانی شمع نمط میر کی بہت
اب چاہیے معاف رکھیں جل گیا دماغ

# ف

۱۰۵۴

کیا پیام و سلام ہے موقوف — رسم ظاہر تمام ہے موقوف

حیرتِ حسنِ یار سے چپ ہیں — سب سے حرف و کلام ہے موقوف
روز وعدہ ہے ملنے کا لیکن — صبح موقوف شام ہے موقوف
وہ نہیں ہے کہ داد لے چھوڑیں — اب ترحّم پہ کام ہے موقوف
پیشِ مژگاں دھرے رہے خنجر — آگے زلفوں کے دام ہے موقوف ۸۳۹۵
کہہ کے صاحب کبھو بلاتے تھے — سو وقارِ غلام ہے موقوف

اقتدا میرؔ ہم سے کس کی ہوئی
اپنے ہاں اب امام ہے موقوف

## ق

۱۰۵۵

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق — حق شناسوں کے ہاں خدا ہے عشق
دل لگا ہو تو جی جہاں سے اٹھا — موت کا نام پیار کا ہے عشق
اور تدبیر کو نہیں کچھ دخل — عشق کے درد کی دوا ہے عشق ۸۴۰۰
کیا ڈبایا محیط میں غم کے — ہم نے جانا تھا آشنا ہے عشق
عشق سے جا نہیں کوئی خالی — دل سے لے عرش تک بھرا ہے عشق
کوہکن کیا پہاڑ کاٹے گا — پردے میں زور آزما ہے عشق
عشق ہے عشق کرنے والوں کو — کیسا کیسا بہم کیا ہے عشق
کون مقصد کو عشق بن پہنچا — آرزو عشق مدّعا ہے عشق ۸۴۰۵

میرؔ مرنا پڑے ہے خوباں پر
عشق مت کر کہ بد بلا ہے عشق

۱۰۵۶

گر بادیے میں تجھ کو صبا لے کے جائے شوق — مجنوں کو میری اور سے کہیو دعائے شوق
وصل و جدائی سے ہے مبرّا وہ کامِ جاں — معلوم کچھ ہوا نہ ہمیں یاں سوائے شوق
ہر چار اور اڑتی پھرے ہے ہماری خاک — سر سے گئی نہ جی بھی گئے پر ہوائے شوق
دیر و حرم میں ہم کو پھراتا ہے دیر تک — پھر بھی ہمارے ساتھ وہی ہے ادائے شوق ۸۴۱۰

افسوس ایسے کوچے سے تم آشنا نہیں — کیا درد ناک نے بھی کوئی ہے نوائے شوق
درد اور آہ و نالہ کرے ہے دمِ سحر — یک مشت پر ہے مرغِ گلستاں پہ ہائے شوق

کیا پوچھتے ہو شوق کہاں تک ہے ہم کو میر
مرنا ہی اہلِ درد کا ہے انتہائے شوق

# ک

۱۰۵۵

ہر چند صرفِ غم ہیں یہ دل جگر سے جاں تک — لیکن کبھو شکایت آئی نہیں زباں تک
۵۱۴۵ کیا کوئی اس کے رنگوں گُل باغ میں کھلا ہے — شور آج بلبلوں کا جاتا ہے آسماں تک
دو چار دن جو ہوں تو رک رک کے کوئی کاٹے — ناچار صبر کرنا عاشق سے ہو کہاں تک
ان جلتی ہڈیوں کو شاید ہما نہ کھاوے — تب عشق کی ہمارے پہنچی ہے استخواں تک

روئے جہاں جہاں ہم جوں ابرِ میر اس بن
اب آب ہے سراسر جاوے نظر جہاں تک

# گ

۱۰۵۶

قتل گہ میں دست بوس اس کا کریں فی الفور لوگ — ہم کھڑے تلواریں کھاویں نقش ماریں اور لوگ
۵۳۲۰ کج روی ہم عاشقوں سے اس کی بس اب جا چکی — ایک تو ناساز پھر اس سے ملے بے طور لوگ
زخمِ تیغِ یار غائر ہو کے پہنچا دل تلک — حیف میرے حال پر کرتے نہیں ٹک غور لوگ
جا کے دنیا سے تجھے یاد آؤں گا میں بھی بہت — بعد میرے کب اٹھاویں گے ترے یہ جور لوگ

رسم و عادت ہے کہ ہر یک وقت کا ہوتا ہے ذکر
میر بارے یاد کر روویں گے کیا یہ دور لوگ

۱۰۵۷

چاکِ دل ہے انار کے سے رنگ — چشمِ پُر خوں فگار کے سے رنگ
کام میں ہے ہوائے گُل کی موج — تیغِ خوں ریزِ یار کے سے رنگ

تاب ہی میں رہے ہے اُس کی زُلف
افعیٔ پیچ دار کے سے رنگ

کیا جو افسردگی کے ساتھ کھلا
دلِ گُل بے بہار کے سے رنگ

برقِ ابرِ بہار نے بھی لیے
اب دلِ بے قرار کے سے رنگ

کُنجِ نخچیر گہ میں ہیں مامون
ہم بھی لاغر شکار کے سے رنگ

عُمر کا بھی سُرنگ جاتا ہے
ابلقِ روزگار کے سے رنگ ۸۴۳۰

برگِ گُل میں نہ دل کشی ہوگی
کفِ پائے نگار کے سے رنگ

اس بیاباں میں میرؔ محو ہوئے
ناتواں اک غبار کے سے رنگ

## ل

۱۰۵۸

اب کی ہزار رنگ گُلستاں میں آئے گُل
پر اُس بغیر اپنے تو جی کو نہ بھائے گُل

بُلبُل کو ناز کیوں نہ خیابانِ گُل پہ ہو
کیا جانے جن نے چھاتی پہ بھر کر نہ کھائے گُل

کب تک حنائی پاتو بن اُس کے یہ بے کلی
لگ جائے ٹک چمن میں کہیں آنکھ پائے گُل ۸۴۳۵

ناچار ہو چمن میں نہ رہیے کہوں ہوں جب
بُلبُل کہے ہے اور کوئی دن برائے گُل

چلیے بغل میں لے کے گُلابی کسو طرف
دامانِ دل کو کھینچے ہے ساقی ہوائے گُل

پگڑی میں پھول رکھتے ہیں رعنا جوانِ شہر
داغِ جنوں ہی سر پہ رہا یاں بجائے گُل

بُلبُل کو کیا سنے کوئی اُڑ جاتے ہیں حواس
جب دردمند کہتی ہے دم بھر کے ہائے گُل

سویا نہ ہو بدن کی نزاکت سے ساری رات
بستر پہ اُس کے خواب کی کن نے بچھائے گُل ۸۴۴۰

مصروف یار چاہیے مُرغِ چمن سا ہو
دل نذر و دیدہ پیش کش و جاں فدائے گُل

ہم طرح آشیاں کی نہ گلشن میں ڈالتے
معلوم ہوتی آگے جو ہم کو وفائے گُل

چسپاں لباس ہوتے ہیں لیکن نہ اس قدر
ہے چاک رشکِ جامہ سے اُس کے قبائے گُل

کیا سمجھے لطف چہروں کے رنگ بہار کا
بُلبُل نے اور کچھ نہیں دیکھا سوائے گُل

تھا وصف ان لبوں کا زبانِ قلم پہ میرؔ
یا مُنھ میں عندلیب کے تھے برگ ہائے گُل ۸۴۴۵

نہ ٹک واشد ہوئی جب سے لگا دل | الٰہی غنچہ ہے پژمردہ، یا دل
نہ اس سے یاں تئیں آیا گیا حیف | رہے ہم جب تلک اس میں رہا دل
اُٹھایا داغ لالہ نے چمن سے | کروں کیا دیکھتے ہی جل گیا دل
نہیں کم رایتِ اقبالِ شہ سے | علم اپنا یہ دنیا سے اُٹھا دل
۴۴۵۰ ہمارا خاص مشربِ عشق، اُس میں | پیمبر دل ہے، قبلہ دل، خدا دل
ہمارے منہ پہ طفلِ اشک دوڑا | کیا ہے اس بھی لڑکے نے بڑا دل

سبھوں سے میر بیگانے سے رہتے
جو ہوتا اس سے کچھ بھی آشنا دل

۱۰۶۰

نہ خوشہ یاں، نہ دانہ یاں، جلانا گھاس کیا حاصل | ترا اے برقِ خاطف اس طرف گرنا ہی لا حاصل
سکندر ہو کے مالک سات اقلیموں کا آخر کو | گیا دستِ تہی لے یاں سے یہ کچھ کر گیا حاصل
۴۴۵۵ بلا قحطِ مروّت ہے کہ ہے محصول غلّے پر | کہیں سے چار دانے لاؤ لیویں جا بجا حاصل
نہ کھینچیں کیونکہ نقصاں ہم تو قیدی ہیں تعین کے | خودی سے کوئی نکلے تو اُسے ہووے خدا حاصل
عبارت خوب لکھی شاعری انشا طرازی کی | بڑے مطلب ہے گم دیکھیں تو کب ہو مدعا حاصل
بہت مصروف کشت و کار تھے مزرعِ دنیا کے | اُٹھا حسرت سے ہاتھ آخر ہمیں یہ کچھ ہوا حاصل

پھرا مت میر سر اپنا گراں گوشوں کی مجلس میں
سُنے کوئی تو کچھ کہیے بھی اس کہنے کا کیا حاصل

# م

۱۰۶۱

۴۴۶۰ جی کے تئیں چھپاتے نہیں لیٰ تو غم سے ہم | پر تنگ آ گئے ہیں تمھارے ستم سے ہم
اپنے خیال ہی میں گزرتی ہے اپنی عمر | پر کچھ نہ پوچھو سمجھے نہیں جاتے ہم سے ہم
زانو پہ سر ہے قامتِ خم گشتہ کے سبب | پیری میں اپنی آن لگے ہیں قدم سے ہم
جوں تکیہ میر حاج کا ہے خوار جانساز | بُت خانے میں جو آئے ہیں چل کر حرم سے ہم

روتے بھی اُن نے دیکھ کے ہم کو کیا نہ رحم
اک چشم داشت رکھتے تھے مژگانِ نم سے ہم

بدعہدیاں ہی کرتے گئے اُس کو سال و ماہ
اب کب تسلّی ہوتے ہیں قول و قسم سے ہم ۸۲۶۵

زنّار سا بندھا ہے گلے اپنے اب تو کفر
بدنام ہیں جہان میں عشقِ صنم سے ہم

لوگوں کو وصعت کرنے سے بالیدگی ہوئی
جوں شیشہ پھیل پھوٹ پڑے اُن کے دم سے ہم

طرفیں رکھے ہے ایک سخن چار چار میر
کیا کیا کہا کریں ہیں زبانِ قلم سے ہم

۱۰۶۲

سر زیر پر ہیں دیر سے اے ہم صفیر ہم
واقف نہیں ہوا کہ چمن سے اسیر ہم

کیا ظلم تھے لباس میں اس تنگ پوش کے
دل تنگی سے نکل گئے ہو کر فقیر ہم ۸۲۷۰

دیکھ اس کو راہ جاتے تو بے حال ہو گئے
اب دیکھیے بحال کب آتے ہیں میر ہم

۱۰۶۳

جو رہے یو ہیں غم کے مارے ہم
تو یہی آج کل سدھارے ہم

مرتے رہتے تھے اس پہ یوں پر اب
جا لگے گور کے کنارے ہم

دن گزرتا ہے دم شماری میں
شب کو رہتے ہیں گنتے تارے ہم

بے مروّت سے اپنی وحشت دور
اُنس رکھتے ہیں تم سے پیارے ہم ۸۲۷۵

زندگی بارِ دوش آج ہے یاں
دیکھیں گے کل جو ہوں گے بارے ہم

جا چکی بازی یعنی مرتے ہیں
جیتے تم یہ قمار ہارے ہم

میر آؤ گے آپ میں بھی کبھو
سخت مشتاق ہیں تمھارے ہم

۱۰۶۴

گئے عشق کی راہ سر پر قدم
بلا پر چلے آئے ہر ہر قدم

عجب راہ پُر خوف و مشکل گذر
اٹھایا گیا ہم سے مر مر قدم ۸۲۸۰

بہت مستیِ عشق پا لغزتھی
خدا جانے پڑتا تھا کیدھر قدم

ہوا ہوگا خالی بدن جاں سے جب — چلے ہوں گے یہ راہ جو بھر قدم

وہ عیاریوں چشمِ تر سے گیا — کہ ہرگز نہ اُس کا ہُوا تر قدم

جگر کو ہے ان سر سے گذروں کے عشق — گئے جو ہمارے قدم بر قدم

۸۴۸۵ جو کچھ آوے سالک کے آگے ہے خیر — رکھا ہم نے اب گھر سے باہر قدم

ہمیں سرکشی سربلندی سے کیا — رہے ضعف میں ہم تو سَر در قدم

کہیں کیا کفِ پا میں میر آبلے
چلیں ہم سروں پر مگر دھر قدم

## ١٠٦٥

میر آج وہ بدمست ہے ہشیار رہو تم — ہے بے خبری اُس کو خبردار رہو تم

جی جائے کسی کا کہ رہے تم کو قسم ہے — مقدور تلک در پئے آزار رہو تم

۸۴۹۰ وہ محوِ جمال اپنی ہی پروا نہیں اُس کو — خواہاں رہو تم اب کہ طلبگار رہو تم

اس معنی کے اِدراک سے حیرت ہی ہے حاصل — آئینہ نمط صورتِ دیوار رہو تم

یک بار ہُوا دل کی تسلی کا وہ باعث — یہ کیا کہ اِسی طور پہ ہر بار رہو تم

ہو لطف اسی کا تو کوئی کام کو پہنچے — تسبیح گلے ڈال کے زنّار رہو تم

کیا میر بُری چال سے جینے کی چلے ہے
بہتر ہے کہ اپنے تئیں اب مار رہو تم

## ١٠٦٦

۸۴۹۵ آ ٹک شتاب جاتے ہیں ورنہ جہاں سے ہم — کچھ ہو رہے ہیں غم میں ترے نیم جاں سے ہم

ہر بات کے جواب میں گالی کہاں تلک — اب جاں بلب ہوئے ہیں تمھاری زباں سے ہم

وعدہ کرو تو سوچ لو مُدّت کو دل میں بھی — یہ حال ہے تو دیر رہیں گے کہاں سے ہم

اُلجھاؤ دل کا جس سے ہے جھنجھلا کے اس بغیر — جھگڑا کیا کریں ہیں زمین آسماں سے ہم

لاویں ہماری خاک پر اُس کینہ ور کو بھی — یہ کہہ مریں گے اپنے ہر اک مہرباں سے ہم

۸۵۰۰ دربانِ سنگدل نے خبر واں تلک نہ کی — سر مار مار صبح کی اُس آستاں سے ہم

جب اُس کی تیغ رکھنے لگا اپنے پاس میر — اُمید قطع کی تھی تبھی اُس جواں سے ہم

۱۰۶۷

بیماریِ دلی سے زار و نزار ہیں ہم
اک مشتِ استخواں ہیں پر اپنے بار ہیں ہم

مارا، تڑپتے چھوڑا، فتراک سے نہ باندھا
بے چشم و رو کسو کے شاید شکار ہیں ہم

ہر دم جبیں خراشی ہر آن سینہ کاوی
حیرانِ عشق تو ہیں پر گرمِ کار ہیں ہم

حور و قصور و غلماں، نہر و نعیم و جنت
بے کلہم بہشتم مشتاقِ یار ہیں ہم ۸۵۰۵

بے حد و حصر گردش اپنی ہے عاشقی میں
رسوائے شہر و دیہہ و دشت و دیار ہیں ہم

اب سیل سیل آنسو آتے ہیں چشمِ تر سے
دیوار و در سے کہہ دو بے اختیار ہیں ہم

روتے ہیں یوں کہ جیسے شدت سے ابر برسے
کیا جانیے کہ کیسے دل کے بخار ہیں ہم

اب تو گلے بندھا ہے زنجیر و طوق ہونا
عشق و جنوں کے اپنے ناموس دار ہیں ہم

لیتا ہے میر عبرت جو کوئی دیکھتا ہے
کیا یار کی گلی میں بے اعتبار ہیں ہم ۸۵۱۰

۱۰۶۸

ہر ہر سخن پہ اب تو کرتے ہو گفتگو تم
ان بدمزاجیوں کو چھوڑو گے بھی کبھو تم

یاں آپھی آپ آکر گم آپ میں ہوئے ہو
پیدا نہیں کہ کس کی کرتے ہو جستجو تم

چاہیں تو تم کو چاہیں، دیکھیں تو تم کو دیکھیں
خواہش دلوں کی تم ہو آنکھوں کی آرزو تم

حیرت زدہ کسو کی یہ آنکھ سی لگے ہے
مت بیٹھو آرسی کے ہر لحظہ روبرو تم

تھے تم بھبھوکے سے تو پر اب جلا ہی دو ہو
سوزندہ آگ کی کیا سیکھے ہو ساری خو تم ۸۵۱۵

نسبت تو ہم دگر ہے گو دور کی ہو نسبت
ہم ہیں نوائے بلبل ہو گل کی رنگ و بو تم

دیکھ اشکِ سرخ بولا یہ رنگ اور لائے
ہیں میر منہ پہ آنسو یا روتے ہو لہو تم

# ن

۱۰۶۹

ٹھنڈی سانسیں بھریں ہیں جلتے ہیں کیا تاب ہیں ہیں
دل کے پہلو سے ہم آتش میں ہیں اور آب میں ہیں

ساتھ اپنے نہیں اسباب مساعد مطلق
ہم بھی کہنے کے تئیں عالمِ اسباب میں ہیں

۸۵۲۰ غفلتِ دل سے ستم گزریں ہیں سو مت پوچھو　　قافلے چلنے کو تیار ہیں، ہم خواب میں ہیں
عشق کے ہیں گے جو سرگشتہ پڑے ہیں ڈوبے　　کشتیاں نکلیں سو کیا آن کے گرداب میں ہیں
دور کیا اس سے جو بیٹھے ہے غبار اپنا دور　　پاس اس طور کے بھی عشق کے آداب میں ہیں
ہے فروغِ مہِ تاباں سے فراغِ کُلّی　　دل جلے پرتوِ رخ سے ترے مہتاب میں ہیں

ہم بھی اس شہر میں ان لوگوں سے ہیں خانہ خراب
میرؔ گھر بار جنھوں کے رہِ سیلاب میں ہیں

۱۰۷۰

۸۵۲۵ کہے تو ہم نشیں رنگِ تصرّف کچھ دکھاؤں میں　　الگ بیٹھا حنا بندوں کو آنکھوں میں رچاؤں میں
نہیں ہوں بے ادب اتنا کہ گل سے منھ لگاؤں میں　　جگر ہو ٹکڑے ٹکڑے گر چمن کی اور جاؤں میں
کیا ہے اضطرابِ دل نے کیا مجھ کو سبک آخر　　کہاں تک یار کے کوچے سے جا جا کر پھر آؤں میں
وفا صد کارواں رکھتا ہوں لیکن شہرِ خوبی میں　　خریداری نہیں مطلق کہاں جا کر بکاؤں میں
مجھے سر در گریباں رہنے دو میں بے توقع ہوں　　کسو پتھر سے ٹکوں ہوں ابھی سر جو اٹھاؤں میں
۸۵۳۰ بلا حسرت ہے یارب کامِ دل کیونکر کروں حاصل　　مگر لب ہائے شیریں پر کسو کے زہر کھاؤں میں
نہ رووں حال پر کیونکر بلا نا آشنا ہے وہ　　کہیں آنکھ اس کی ملتی ہے جو آنکھیں ٹک ملاؤں میں
نہ اے رشکِ بہار آنکھیں اٹھاوے پشتِ پا سے تو　　ہتھیلی پر اگر سرسوں ترے آگے جماؤں میں
کہوں کیا صحبت اس سے ہر گھڑی بگڑی ہی جاتی ہے　　جو ٹک راہِ سخن نکلے تو سو باتیں بناؤں میں
نگاہِ حسرتِ بت دیر سے جانے کی مانع ہے　　مزاج اپنا بہت چاہا کہ سوئے کعبہ لاؤں میں
۸۵۳۵ اسیرِ زلف کو اس بت کے کیا قیدِ مسلمانی　　تمنّا ہے گلا زنّار سے اپنا بندھاؤں میں

کہوں ہوں میرؔ سے دل دے کہیں تا جی لگے تیرا
جو ہو نقصانِ جاں اس کا تو کیونکر پھر مناؤں میں

۱۰۷۱

رو چکا خونِ جگر سب اب جگر میں خوں کہاں　　غم سے پانی ہو کے کب کا بہہ گیا میں ہوں کہاں
دست و دامن جیب و آغوش اپنے اس لائق نہ تھے　　پھول میں اس باغِ خوبی سے جو لوں تو لوں کہاں
عاشق و معشوق یاں آخر فسانے ہو گئے　　جائے گریہ ہے جہاں، لیلیٰ کہاں مجنوں کہاں

آگ برسی تیرہ عالم ہو گیا جادو سے پُر — اُس کی چشمِ پُر فسوں کے سامنے افسوں کہاں ۵۵۴۰

سیر کی رنگیں بیاضِ باغ کی ہم نے بہت — سرو کا مصرع کہاں، وہ قامتِ موزوں کہاں

کوچہ ہر یک جائے دل کش عالمِ خاکی میں ہے — پر کہیں لگتا نہیں جی ہائے مَیں دل دوں کہاں

ایک دم سے قیس کے جنگل بھرا رہتا تھا کیا — اب گئے پر اُس کے ویسی رونقِ ہاموں کہاں

ناصحِ مشفق تو کہتا تھا کہ اس سے مت ملے — پر سمجھتا ہے ہمارا یہ دلِ محزوں کہاں

باؤ کے گھوڑے پہ تھے اس باغ کے ساکن سوار — اب کہاں فرہاد و شیریں، خسرو گلگوں کہاں ۵۵۴۵

کھا گیا اندوہ مجھ کو دوستانِ رفتہ کا — ڈھونڈھتا ہے جی بہت پر اب انھیں پاؤں کہاں

تھا وہ فتنہ ملنے کی گوں کب کسی درویش کے
کیا کہیں ہم میر صاحب سے ہوئے مفتوں کہاں

## ۱۰۷۲

عشق نے خوار و ذلیل کیا ہم سر کو بکھیرے پھرتے ہیں — سوز و درد و داغ و الم سب جی کو گھیرے پھرتے ہیں

ہر شب ہوں سرگشتہ و نالاں اس بن کوچہ و برزن میں — یاس نہیں ہے اب بھی دیکھوں کب دن میرے پھرتے ہیں

دل لشکر میں ایک سپاہی زادے نے ہم سے چھین لیا — ہم درویش طلب میں اُس کی ڈیرے ڈیرے پھرتے ہیں ۵۵۵۰

بے خود اُس کی زلف و رخ کے کاہے کو آپ میں پھر آئے — ہم کہتے ہیں تسلی دل کو سانجھ سویرے پھرتے ہیں

نقش کسو کا درونِ سینہ گرمِ طلب ہیں ویسے رنگ — جیسے خیالی پاس لیے تصویر چتیرے پھرتے ہیں

برسے اگر شمشیر سروں پر منھ موڑیں زنہار نہیں — سیدھے جانے والے اُدھر کے کس کے پھیرے پھرتے ہیں

پائے نگار آلودہ کہیں سانجھ کو میر نے دیکھے تھے
صبح تک اب بھی آنکھوں میں اُس کی پانو تیرے پھرتے ہیں[1]

## ۱۰۷۳

جمع ہوتے نہیں حواس کہیں — جائیں یاں سے جو ہم اُداس کہیں ۵۵۵۵

دل کی دو اشک سے نہ نکلی بھڑاس — اوس سے بجھتی نہیں ہے پیاس کہیں

باؤ خوشبو ہی آئی ہے واں سے — کوئی چھپتی ہے گُل کی باس کہیں

اس جنوں میں کہیں ہے سر پر خاک — ٹکڑے ہو کر گرا لباس کہیں

گردِ سرِ یار کے پھریں پھیروں — ہم جو ہوں اُس کے آس پاس کہیں



[1] اس زمین میں دوسری غیر مطبوعہ غزل کے لیے ملاحظہ ہو مقدمہ۔

۸۵۶۰ سب جگہ لوگ حق و ناحق، پر — نہ ملا حیف حق شناس کہیں
ہر طرف ہیں امید وارِ یار — اس سے کوئی نہیں نراس کہیں
عشق کا محو دشت شیریں ہوں — جان کا بھی نہیں ہراس کہیں

عرش تک تو خیال پہنچے میر
وہم پھر رہے کہیں قیاس کہیں

۱۰۷۴

جائیں تو جائیں کہاں جو گھر رہیں کیا گھر رہیں — یار بن لگتا نہیں جی کاش کے ہم مر رہیں
۸۵۶۵ دل جو اُکتاتا ہے یا رب لے نہیں سکتے کہیں — کیا کریں جاویں کہاں، گھر میں ہیں باہر رہیں
وہ نہیں جو تیغ سے اُس کی گلا کٹوائیے — تنگ آئے ہیں بہت اب آپھی جو ہو کر رہیں
بے دماغی، بے قراری، بے کسی، بے طاقتی — کیا جیے وہ جس کے جی کو روگ یہ اکثر رہیں
مضطرب ہو ایک دو دم تو تدارک بھی ہو کچھ — متصل تڑپے ہے کب تک ہاتھ لے دل پر رہیں

زندگی دو بھر ہوئی ہے میر آخر تا کجا
دل جگر جلتے رہیں آنکھیں ہماری تر رہیں

۱۰۷۵

۸۵۷۰ کہاں کے لوگ ہیں خوباں محبت ان کو نہیں — مریں بھی ہم تو نہ دیکھیں مروت ان کو نہیں
خراب و خوار ہے سلطاں شکستہ حال امیر — کسو فقیر سے شاید کہ صحبت ان کو نہیں
ہمارے دیدۂ و دل سے ہی ہم پہ کام ہے تنگ — کہ رونے کڑھنے سے یک لحظہ فرصت ان کو نہیں
پری و سرو کو دعویٰ ہے اس رخ و قد سے — شکایت اس سے نہیں آدمیت ان کو نہیں

چلا ہے تیغ بکف یار غیر کی جانب
ہوئے ہیں میر تماشائی غیرت ان کو نہیں

۱۰۷۶

۸۵۷۵ ظلم و ستم کیا جور و جفا کیا جو کچھ کہیے اٹھاتا ہوں — خفت کھینچ کے جاتا ہوں رہتا نہیں دل پھر آتا ہوں
گھر سے اٹھ کر لڑکوں میں بیٹھا بیت پڑھی دو باتیں کیں — کس کس طور سے اپنے دل کو اس بن میں بہلاتا ہوں
ملتے سبک ہوتا یہ میرا افراطِ شوق سے مجلس میں — وہ تو نہیں سنتا دل دے کر میں ہی باتیں بناتا ہوں

قتل میں میرے یہ صحبت ہے غم غصے سے محبت کے
لوہو اپنا پیتا ہوں تلواریں اس کی کھاتا ہوں

آنے کی میری فرصت کتنی دو دم دو پل ایک گھڑی
رنجش کیوں کل ہے کو خشونت غصہ کیا ہے جاتا ہوں

سر مارو ہوں ادھر اودھر دور تلک جاتا ہوں نکل
پاس نہیں پاتا جو اس کو کیا کیا میں گھبراتا ہوں ۸۵۸۰

پھاڑ کے خط کو گلے میں ڈالا شہر میں سب تشہیر کیا
سامنے ہوں قاصد کے کیونکہ اس سے میں شرماتا ہوں

پہلے فریب لطف ہے اس کے کچھ نہ ہوا معلوم مجھے
اب جو چاہ نے بدلیں طرحیں کڑھتا ہوں پچھتاتا ہوں

مجرم اس خاطر ہوتا ہوں میں بعضی بعضی شوخی کر
عذر گناہ میں جا کر اس کے پانو کو ہاتھ لگاتا ہوں

دیکھے ان ملکوں کے اکثر میر ہوں سب سے خود تنگ آیا
آپ کو پاتا ہوں تو چھری اس وقت نہیں میں پاتا ہوں

۱۰۷۷

کبھو ملے ہے سو وہ یوں کہ پھر ملا نہ کریں
کرے ہے آپ ہی شکایت کہ ہم گلہ نہ کریں ۸۵۸۵

ہوئی یہ چاہ میں مشکل کہ جی گیا ہوتا
نہ رہتے جیتے اگر ہم مساہلہ نہ کریں

ہمارے حرف پریشاں ہی لطف رکھتے ہیں
جنوں ہے بحث جو وحشت میں عاقلانہ کریں

صفائے دل جو ہوئی ٹک تو دیکھیں ہیں کیا کیا
ہم ایسے آئینے کو اپنے کیوں جلا نہ کریں

وبال میں نہ گرفتار ہوں کہیں مہ و مہر
خدا کرے ترے رخ سے مقابلہ نہ کریں

دل اب تو ہم سے ہے بدبانہ اگر رہے جیتے
کسو سے ہم بھی دلے پھر معاملہ نہ کریں ۸۵۹۰

سخن کے ملک کا میں مستقل امیر ہوں میر
ہزار مدعی بھی مجھ کو وہ ولا نہ کریں

۱۰۷۸

شعر کچھ میں نے کہے بالوں کی اس کے یاد میں
سو غزل پڑھتے پھرے ہیں لوگ فیض آباد میں

سرخ آنکھیں خشم سے کیں ان نے مجھ پر صبح کو
دیکھی یہ تاثیر شب کی خوں چکاں فریاد میں

یہ تصرف عشق کا ہے سب وگرنہ ظرف کیا
ایک عالم غم سمایا خاطر ناشاد میں

عشق کی دیوانگی لائی ہمیں جنگل کی اور
ورنہ ہم پھرتے بگولے سے نہ خاک و باد میں ۸۵۹۵

دیر لگتا ہے گلے تلوار پر وہ رکھ کے ہاتھ
خوبیاں بھی تو بہت ہیں اس ستم ایجاد میں

یہ بنا رہتی سی آتی ہے نظر کچھ یاں مجھے
اچھی ہے تعمیر دل کی اس خراب آباد میں

میر ہم جبہہ خراشوں سے کسو کا ذکر کیا
وے ہنر ہم میں ہیں جو تھے تیشۂ فرہاد میں

۱۰۷۹

درویشوں سے تو اُن نے ضدیں نکالیاں ہیں
ایدھر سے ہیں دُعائیں اودھر سے گالیاں ہیں

۸۶۰۰ جبہے سے سینہ تک ہیں کیا کیا خراشِ ناخن
گویا کہ ہم نے مُنھ پر تلواریں کھالیاں ہیں

جب لگ گئے جھمکنے رُخسارِ یار دونوں
تب مہر و مہ نے اپنی آنکھیں چھپالیاں ہیں

صبحِ چمن کا جلوہ ہندی بتوں میں دیکھا
صندل بھری جبیں ہیں ہونٹھوں کی لالیاں ہیں

درد و الم ہی میں سب جاتے ہیں روز و شب یاں
دن اشک ریزیاں ہیں شب زار نالیاں ہیں

خیروں نے ریختی کو دوں ریختہ بنایا
جوان دلوں میں بالے لڑکوں کی بالیاں ہیں

۸۶۰۵ اجماع بوالہوس کو رکھ رکھ لیا ہے آگے
مت جان ایسی بھیڑیں جی دینے والیاں ہیں

اِن گُل رُخوں کی قامت لہکے ہے یوں ہوا میں
جس رنگ سے لچکتی پھولوں کی ڈالیاں ہیں

وہ دُزدِ دل نہیں تو کیوں دیکھتے ہی تجھ کو
پلکیں جھکالیاں ہیں آنکھیں چرالیاں ہیں

اُس آفتاب بن یاں اندھیر ہو رہا ہے
دن بھی سیاہ اپنے جوں راتیں کالیاں ہیں

چلتے ہیں یہ تو ٹھوکر لگتی ہے میر دل کو
چالیں ہی دلبروں کی سب سے نرالیاں ہیں

۱۰۸۰

رفتگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں
ساتھ اس کارواں کے ہم بھی ہیں

۸۶۱۰ شمع ہی سر نہ دے گئی برباد
کشتہ اپنی زباں کے ہم بھی ہیں

ہم کو مجنوں کو عشق میں مت بوجھ
ننگ اس خانداں کے ہم بھی ہیں

جس چمن زار کا ہے تو گُلِ تر
بُلبُل اُس گلستاں کے ہم بھی ہیں

نہیں مجنوں سے دل قوی لیکن
یار اس ناتواں کے ہم بھی ہیں

بوسہ مت دے کسو کے در پہ نسیم
خاک اس آستاں کے ہم بھی ہیں

۸۶۱۵ گو شب اس در سے دور پہروں پھریں
پاس تو پاسباں کے ہم بھی ہیں

وجہِ بیگانگی نہیں معلوم
تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں

مر گئے مر گئے نہیں تو نہیں — [illegible]

اپنا شیوہ نہیں کجی یوں تو — یار جی ٹیڑھے بانکے ہم بھی ہیں

اس سرے کی ہے پارسائی میرؔ ۸۶۲۰
معتقد اس جواں کے ہم بھی ہیں

۱۰۸۱

نئی گردش ہے اس کی ہر زماں میں — خلل سا ہے دماغِ آسماں میں

ہوا تن ضعف سے ایسا کہے تو — کہ اب جی ہی نہیں اس ناتواں میں

کہا ہیں دردِ دل یا آگ اگلی — پھپھولے پڑ گئے میری زباں میں

متاعِ حسن یوسف سی کہاں اب — تجسس کرتے ہیں ہر کارواں میں

بلائے جاں ہے وہ لڑکا پری زاد — اسی کا شور ہے پیر و جواں میں ۸۶۲۵

بہت ناآشنا تھے لوگ یاں کے — چلے ہم چار دن رہ کر جہاں میں

تری شورش بھی بے کل ہے مگر میرؔ
ملادے پیس کر بجلی فغاں میں

۱۰۸۲

تیغ کی نوبت کب پہنچے ہے اپنے جی کے غارت میں — عاشق زار کو مار رکھے ہے ایک ابرو کی اشارت میں

گزرے ہے گر دل میں ہو کر تو ایک نگاہ ضروری ہے — کچھ کچھ تیرے غم نے لکھا ہے آکر واں کی عمارت میں

سوکھ کے میں تو عشق کے غم میں خس کی مثال حقیر ہوا — وہ تقصیر نہیں کرتا ہے اب تک میری حقارت میں ۸۶۳۰

ایک بگولا ساتھ مجھے بھی تربت قیس پہ لے آیا — رکتے غزال نظر واں آئے تھے مشغول زیارت میں

دل کو آگ اک دم میں دے دی اشک ہوئے چنگاری ہے — کیا ہی شریر ہے شوخ برق ملائی ان نے شرارت میں

شیخ جو تھا دیدارِ بتاں کا منکر ایسا تھا معذور — دل کو بصیرت تھی نہ اس کے بے نوری تھی بصارت میں

خط و کتابت ایک طرف ہے قرّ لکھ لکھ بھیجے میرؔ
کہیے کچھ جو صریرِ قلم کی کوتاہی ہو سفارت میں

۱۰۸۳

تری پلکیں چبھتی نظر میں بھی ہیں — یہ کانٹے کھٹکتے جگر میں بھی ہیں ۸۶۳۵

رہے پھرتے دریا میں گرداب سے | وطن میں بھی ہیں ہم سفر میں بھی ہیں
کہاں سے کہ مجنوں بھی ہم سا ہی تھا | غلط کے شوائب نظر میں بھی ہیں
نہ بھولو نزاکت لچک ہی نہیں | چھری خنجر اُس کی کمر میں بھی ہیں
جھمک سطح رُخ کی سی اُس کی کہاں | صفا و ضیا تو گُہر میں بھی ہیں
۸۶۴۰ دل و دِلّی دونوں اگر ہیں خراب | پہ کچھ لطف اُس اُجڑے گھر میں بھی ہیں

چلو میرؔ کے تو تجسّس کے بعد
کہ وے وحشی تو اپنے گھر میں بھی ہیں

## ۱۰۸۴

نہ کر شوق کُشتوں سے جانے کی باتیں | نہیں آتیں کیا تجھ کو آنے کی باتیں
سماجت جو کی بوسِ لب پر تو بولا | نہیں خوب یہ مار کھانے کی باتیں
زبانیں بدلتے ہیں ہر آن خوباں | یہ سب کچھ ہیں بگڑے زمانے کی باتیں
۸۶۴۵ نظر جب کرو زیرِ لب کچھ کہے ہے | کہو یار کے آستانے کی باتیں
سہی جائے گالی اگر دوستی ہو | بُری بھی بھلی ہیں لگانے کی باتیں
ہمیں دیر و کعبے سے کیا گفتگو ہے | چلی جاتی ہیں یہ سیانے کی باتیں
بگڑ بھی چکے یار سے ہم تو یارو | کرو کچھ اب اس سے بنانے کی باتیں
کیا سیرِ گل میں نے دیوانِ مجنوں | خوش آئیں بہت اس دوانے کی باتیں

بہت ہرزہ گوئی کی یاں میرؔ صاحب
۸۶۵۰ کرو واں کے کچھ مُنھ دکھانے کی باتیں

## ۱۰۸۵

کیا کروں سودائی اُس کی زُلف کی تدبیر میں | ظلِّ ممدود چمن میں ہوں مگر زنجیر میں
گل تو مجھ حیران کی خاطر بہت کرتا ہے لیک | وا نہیں ہوتا برنگِ غنچۂ تصویر میں
رو برو اس کے گئے خاموش ہو جاتا ہوں کچھ | کس سے اپنے چپکے رہنے کی کروں تقریر میں
تن بدن میں دل کی گرمی نے لگا رکھی ہے آگ | عشق کی تو ہے جوانی ہو گیا گو پیر میں
۸۶۵۵ ہو اگر خونریز کا اپنے سبب تو کچھ کہو | وہ ستمگر ہے مقرر اور بے تقصیر میں

بے دماغی شورِ شب سے یار کو دونی ہوئی دیکھی بس اس بے سرایت نالے کی تاثیر میں

کچھ نہیں پوچھا ہے مجھ سے بجز حدیثِ روے یار
ہاتھ بلبل کے لگا ہوں باغ میں جب میرؔ میں

۱۰۸۶

کہتے ہیں بہار آئی گل پھول نکلتے ہیں
ہم کنجِ قفس میں ہیں دل سینوں میں جلتے ہیں

اب ایک سی بے ہوشی رہتی نہیں ہے ہم کو
کچھ دل بھی سنبھلتے ہیں پر دیر سنبھلتے ہیں

وہ تو نہیں اک چھینٹا رونے کا ہوا گاہے
اب دیدۂ تر اکثر دریا سے اُبلتے ہیں ۸۶۶۰

ان پانو کو آنکھوں سے ہم ملتے رہے جیسا
افسوس سے ہاتھوں کو اب ویسا ہی ملتے ہیں

کیا کہیے کہ اعضا سب پانی ہوئے ہیں اپنے
ہم آتشِ ہجراں میں یوں ہی پڑے گلتے ہیں

کرتے ہیں صفت جب ہم لعلِ لبِ جاناں کی
تب کوئی ہمیں دیکھے کیا لعل اُگلتے ہیں

گل پھول سے بھی اپنے دل تو نہیں لگتے ٹک
جی لوگوں کے بے جاناں کس طور بہلتے ہیں

ہیں نرم صنم گو نہ کہنے کے تئیں ورنہ
پتھر ہیں اُنھوں کے دل کاہے کو پگھلتے ہیں ۸۶۶۵

اے گرمِ سفر یاراں جو ہے سو سرِ رہ ہے
جو رہ سکو رہ جاؤ اب میرؔ بھی چلتے ہیں

۱۰۸۷

دل عجب جنسِ گراں قدر ہے بازار نہیں
وے بہا سہل جو دیتے ہیں خریدار نہیں

کچھ تمھیں ملنے سے بیزار ہو میرے ورنہ
دوستی ننگ نہیں، عیب نہیں، عار نہیں

ایک دو بات کبھو ہم سے کہو یا نہ کہو
قدر کیا اپنی ہمیں اس لیے تکرار نہیں

ناز و انداز و ادا عشوہ و اغماض و حیا
آب و گل میں ترے سب کچھ ہے یہی پیار نہیں ۸۶۷۰

صورت آئینے میں ٹک دیکھ تو کیا صورت ہے
بد زبانی تجھے اس منھ پہ سزاوار نہیں

دل کے الجھاؤ کو کیا تجھ سے کہوں اے ناصح
تو کسو زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں

اس کے کاکل کی پہیلی کہو تم بوجھے میرؔ
کیا ہے زنجیر نہیں، دام نہیں، مار نہیں

۱۰۸۸

چمکنا برق کا کرتا ہے کارِ تیغ ہجراں میں
برستا مینھ کا داخل ہے اُس بن تیرِ باراں میں

۸۶۷۵ بھرے رہتے ہیں سارے پھول ہی جس کے گریباں میں — وہ کیا جانے کہ ٹکڑے ہیں جگر کے میرے داماں میں
کہیں شام و سحر رُویا تھا مجنوں عشقِ لیلیٰ میں — ہنوز آشوبِ دُود اُس وقت رہتا ہے بیاباں میں
خیالِ یار میں آ گے ہے یک مہ پارہ یاں ہر دم — اگر ہجراں میں زندانی ہوں پر ہوں یوسفستاں میں
رکھا عرصہ جنوں پر تنگ مشتاقوں کی دوری سے — کسے مارا ہے اُس کھیتے نے سمکھ ہو کے میداں میں
جہاں سے دیکھیے اک شعرِ شور انگیز نکلے ہے — قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں
۸۶۸۰ جو دیکھو تو نہیں یہ حال اپنا حُسن سے خالی — دمک الماس کی سی ہے ہماری چشمِ حیراں میں
خرابی آ گئی دینوں میں، ملّت گئی، اسے دیکھے — ملے سے اُس کے رخنے پڑ گئے لوگوں کے ایماں میں
نکل آتا ہے گھر سے ہر گھڑی ننگے بدن باہر — بُرا یہ آ پڑا ہے عیب اس آسایشِ جاں میں
ستم کے تیر اُس کے میرے سینے میں بہت ٹوٹے — کیا جاتا ہے مشکل فرق اب دل اور پیکاں میں

ہوا ہے ابر میں کیا میرؔ ہنستا باغ میں وہ تھا
گری پڑتی ہے بجلی آج کچھ صحنِ گلستاں میں

## ۱۰۸۹

۸۶۸۵ تھا شوق مجھے طالبِ دیدار ہوا میں — سو آئینہ سا صورتِ دیوار ہوا مَیں
جب دور گیا قافلہ تب چشم ہوئی باز — کیا پوچھتے ہو دیر خبردار ہوا مَیں
اب پست و بلند ایک ہے جوں نقشِ قدم یاں — پامال ہوا خوب تو ہموار ہوا مَیں
کب ناز سے شمشیرِ ستم اُن نے نہ کھینچی — کب ذوق سے مرنے کو نہ تیار ہوا مَیں
بازارِ وفا میں سرِ سودا تھا سبھوں کو — پر بیچ کے جی ایک خریدار ہوا مَیں
۸۶۹۰ ہشیار تھے سب دام میں آئے نہ ہم آواز — تھی زِنتگی سی مجھ کو گرفتار ہوا مَیں
کیا جیتنے کا فائدہ جو شیب میں جیتا — سونے کا سماں آیا تو بیدار ہوا مَیں
تم اپنی کہو عشق میں کیا پوچھو ہو میری — عزّت گئی، رُسوائی ہوئی، خوار ہوا مَیں
اُس نرگسِ مستانہ کو دیکھے ہوئے برسوں — افراط سے اندوہ کی بیمار ہوا مَیں

رہتا ہوں سدا مرنے کے نزدیک ہی اب میرؔ
اُس جان کے دشمن سے بھلا یار ہوا میں

جلا ازبس تمھارے طور سے اے جانِ بیتاباں ہوں ۱۰۹۰ بھروسا کیا ہے میرا میں چراغِ زیرِ داماں ہوں

سرِ حرف و سخن کس کو خیالِ زلف میں اس کے — تنک میں جو گھبر جاتا ہوں میں خاطر پریشاں ہوں

کہن سالی میں شاہد بازیاں کاہے کو زیبا تھیں — دیا لڑکوں کو دل میں نے قیامت میں بھی ناداں ہوں

کبھو خورشید مہ کو دیکھ رہتا ہوں کبھو گل کو — مرے انداز سے ظاہر ہے میں اس رو کا حیراں ہوں

کسو کی یادِ رو میں اشک آنکھوں سے نہیں تھمتے — برنگِ ابرِ قبلہ آج میں شدت سے گریاں ہوں

بُکا جب تک نہیں کرتا ہوں تب تک خیر ہے ورنہ — بلا ہوں فتنہ ہوں آشوبِ جاں آفت ہوں طوفاں ہوں ۸۷۰۰

بحالِ سگ پھرا کب تک کروں یوں اس کے کوچے میں
خجالت کھینچتا ہوں میر آخر میں بھی انساں ہوں

## ۱۰۹۱

عشق وہ خانماں خراب ہے میاں — جس سے دل آگ و چشم آب ہے میاں

تن میں جب تک ہے جاں تکلف ہے — ہم میں اس میں ابھی حجاب ہے میاں

گو نہیں میں کسو شمار میں یاں — عاقبت ایک دن حساب ہے میاں

کو دماغ و جگر کہاں وہ قلب — یاں عجب ایک انقلاب ہے میاں ۸۷۰۵

زلف بل کھا رہی ہے گو اس کی — دل کو اپنے تو پیچ و تاب ہے میاں

لطف و مہر و وفا وہ کیا جانے — ناز ہے خشم ہے عتاب ہے میاں

لوہو اپنا پیوں ہوں چپکا ہوں — کس کو اس بن سرِ شراب ہے میاں

چشم وایاں کی چشمِ بسمل ہے — جاگنا یہ نہیں ہے خواب ہے میاں

منھ سے کچھ بولتا نہیں قاصد — شاید اودھر سے اب جواب ہے میاں ۸۷۱۰

دل ہی اپنا نہیں فقط بے چین — جی کو بھی زورِ اضطراب ہے میاں

چاہیے وہ کہے سو لکھ رکھیں
ہر سخن میر کا کتاب ہے میاں

## ۱۰۹۲

گرفتہ دل ہوں سرِ ارتباط مجھ کو نہیں — کسو سے شہر میں کچھ اختلاط مجھ کو نہیں

جہاں ہو تیغ بکف کوئی سادہ جا لگنا — اب اپنی جان کا کچھ احتیاط مجھ کو نہیں

کرے گا کون قیامت کو پسماں بازی — دل و دماغ گذارِ صراط مجھ کو نہیں ۸۷۱۵

جیسے ہو مرگ سا پیش استحالہ کیوں نہ کڑھے  اس اپنے جینے سے کچھ انبساط مجھ کو نہیں

ہُوا ہوں فرطِ اذیت سے میں تو سُن اے میر
تمیزِ رنج و خیالِ نشاط مجھ کو نہیں

۱۰۹۳

جوشِ غم اٹھنے سے اک آندھی چلی آتی ہے میاں  خاک سی مُنھ پر مرے اس وقت اڑ جاتی ہے میاں

پڑ گئے سُوراخ دل کے غم میں سینے کُوٹتے  سل تو پتھر کی نہیں آخر مری چھاتی ہے میاں

۲۰۸۷ میں حیا والا ہُوا رُسوا ہے عالم عشق میں  آنکھ میری اس سبب لوگوں سے شرماتی ہے میاں

رشک اُس کے چہرۂ پُرنور کا ہے جاں گداز  شمع مجلس میں کھڑی اپنے تئیں کھاتی ہے میاں

آگ غیرت سے قفس کو دوں ہوں چار دن اُور سے  ایک دو گلبرگ جب بادِ سحر لاتی ہے میاں

ہے حزیں نالیدن اُس کا نغمۂ طنبور سا  خوش نوا مرغِ گلستاں رند باغاتی ہے میاں

کیا کہوں مُنھ تک جگر آتا ہے جب رُکتا ہے دل  جان میری تن میں کیسی کیسی گھبراتی ہے میاں

اس کے ابروئے کشیدہ خم ہے لیتے ہیں سدا  یہ کجی اس تیغ کی تو جوہرِ ذاتی ہے میاں

گات اُس اوباش کی لیں کیونکہ بر میں میر ہم
ایک جُھرمٹ شال کا اک شال کی گاتی ہے میاں

۱۰۹۴

چنگاریاں گریے ہیں جب پلکیں بلتیاں ہیں  رونے سے تب تو میری کچھ آنکھیں جلتیاں ہیں

آنکھیں ملا کے اس سے ٹک دیکھو حال دل کا  وے انکھڑیاں جیوں کو اپنے تو ملتیاں ہیں

ہم بھی تو فصلِ گُل میں چل ٹک تو پاس بیٹھیں  سر جوڑ جوڑ کیسی کلیاں نکلتیاں ہیں

مذکور دختِ رز کا کیا شیخ رہ گزر میں  اس سے ابھی ہماری باتیں ہی چلتیاں ہیں

دیکھیں تو میر کیا ہو بے طاقتی سے حالت
اب دیر دیر جانیں اپنی سنبھلتیاں ہیں

۱۰۹۵

بہار آئی کھلے گُل پھول شاید باغ صحرا میں  جھلک سی مارتی ہے کچھ سیاہی داغ سودا میں

نفاقِ مردماں عاجز نہ سے ہے زعمِ تکبر پر  کہوں کیا اتفاق ایسا بھی ہو جاتا ہے دنیا میں

نمود اری ہماری بے کلی سے ایک چشمک ہے ٹھہرنا برق سا اپنا ہے ہو چکنا اسی جا میں

سخن دس پانچ یاں ہیں جمع کس حسنِ لطافت سے تفاوت ہے مرے مجموعہ و عقدِ ثریا میں ۸۲۳۵

کنواں دیکھا نہ کوئی غار میں نے شوق کے مارے بعینہ راہ اندھا سا چلا اُس کی تمنا میں

بہت تھا شورِ وحشت سر میں میرے سوچ نے تیرے کبھی تصویر تو زنجیر پہلے کھینچ لی پا میں

جدائی کے تعب کھینچے نہیں ہیں میر راضی ہوں
جلا دیں آگ میں یا مجھ کو پھینکیں قعرِ دریا میں

۱۰۹۶

شہروں ملکوں میں جو یہ میر کہاتا ہے میاں دیدنی ہے پہ بہت کم نظر آتا ہے میاں

عالم آئینہ ہے جس کا وہ مصور بے مثل ہائے کیا صورتیں پردے میں بناتا ہے میاں ۸۲۴۰

قسمت اس بزم میں لائی کہ جہاں کا ساقی دے ہے مے سب کو ہمیں زہر پلاتا ہے میاں

ہو کے عاشق ترے جان و دل و دیں کھو بیٹھے جیسا کرتا ہے کوئی ویسا ہی پاتا ہے میاں

حسن یک چیز ہے ہم ہو دیں کہ تو ہو ناصح ایسی شے سے کوئی بھی ہاتھ اٹھاتا ہے میاں

جھگڑا اس حادثے کا کوہِ گراں سنگ کو بھی جوں پرِ کاہ اڑائے لیے جاتا ہے میاں

کیا پری خواں ہے جو راتوں کو جگا دے ہے میر
شام سے دل جگر و جان جلاتا ہے میاں ۸۲۴۵

۱۰۹۷

جائے ہے جی نجات کے غم میں ایسی جنت گئی جہنم میں

نزع میں میر ایک دم ٹھہرو دم ابھی ہیں ہزار اک دم میں

لعل ہم چھاتیوں پہ جڑ کے پھرے اپنے خوں گشتہ دل کے ماتم میں

ہے بہت جیب چاکی ہی جوں صبح کیا کیا جائے فرصتِ کم میں

پر کے تھی بے کلی قفس میں بہت دیکھیے اب کے گل کے موسم میں ۸۲۵۰

آپ میں ہم نہیں تو کیا ہے عجب وُند اُس سے رہا ہے کیا ہم میں

بے خودی پر نہ میر کی جاؤ
تم نے دیکھا ہے اور عالم میں

۱۰۹۸

جس کا خوباں خیال لیتے ہیں — دل، کلیجا نکال لیتے ہیں
کیا نظرگاہ ہے کہ شرم سے گل — سر گریباں میں ڈال لیتے ہیں
۸۲۵۵ دیکھ اسے ہو ملک سے بھی لغزش — ہم تو دل کو سنبھال لیتے ہیں
کھول کر بال سادہ رو لڑکے — خلق کا کیوں وبال لیتے ہیں
تیغ کھینچے ہیں جب یہ خوش ظاہر — ماہ و خور منھ پہ ڈھال لیتے ہیں
دلبراں نقدِ دل کو عاشق کے — جان کر اپنا مال لیتے ہیں

ہیں گدا میر بھی دلے دو جہاں
کر کے اک ہی سوال لیتے ہیں

۱۰۹۹

۸۲۶۰ دور اس سے جی چکے ہیں ہم اس روزگار میں — دل آج کا بھی سانجھ ہوا انتظار میں
داغوں سے بھر گیا ہے مرا سینۂ فگار — گل پھول زور زور کھلے اس بہار میں
کیا اعتبار طائرِ دل کی تڑپھڑ کا اب — مذبوحی سی ہے کچھ حرکت اس شکار میں
بوسہ لبوں کا مانگتے ہی تم بگڑ گئے — بہتیری باتیں ہوتی ہیں اخلاص پیار میں
دل پھیرے ہم سے خانۂ زنجیر کے قریب — ٹک پہنچتا ہی ہے شکنِ زلفِ یار میں
۸۲۶۵ اس بحرِ حسن پاس نہ خنجر تھا، کل نہ تیغ — میں جان دی ہے حسرتِ بوس و کنار میں
چلتا ہے ٹک تو دیکھ کے چل پانو اے نفس — آنکھیں ہی بچھ گئی ہیں تری رہگذار میں
کس کس ادا سے ریختے میں نے کہے ولیک — سمجھا نہ کوئی میری زباں اس دیار میں

تڑپھے ہے متصل وہ کہاں ایسے روز و شب
ہے فرق میر برق و دلِ بے قرار میں

۱۱۰۰

کیسی وفا و الفت کھاتے عبث ہو قسمیں — مدت ہوئی اٹھا دیں تم نے پیاری رسمیں
۸۲۷۰ ساون تو اب کی ایسا برسا نہیں جو کہیے — روتا رہا ہوں میں ہی دن رات اس برس میں
گھبرا کے یوں لگے ہے سینے میں دل تڑپنے — جیسے اسیرِ تازہ بے تاب ہو قفس میں

جانکاہ ایسے نالے لوہے سے تو نہ ہو دیں — بے تاب دل کسو کا رکھا ہے کیا جرس میں

اب لاغری سے دیں ہیں ساری رگیں دکھائی — پر عشق بھر رہا ہے ایک ایک میری نس میں

اے ابر ہم بھی برسوں روتے پھرا کیے ہیں — دریا بند سے پڑے ہیں وادی کے خار و خس میں

کیا میر بس کرے ہے اب زاری آہ شب کی
دل آ گیا ہے اس کا ظالم کسو کے بس میں ۸۸۷۵

۱۱۰۱

روتے ہیں نالہ کش ہیں یا رات دن جلے ہیں — ہجراں میں اس کے ہم کو بہتیرے مشغلے ہیں

جوں دود عمر گذری سب پیچ و تاب ہی میں — اتنا ستا نہ ظالم ہم بھی جلے بلے ہیں

مرنا ہے خاک ہونا، ہو خاک اڑتے پھرنا — اس راہ میں ابھی تو درپیش مرحلے ہیں

کس دن چمن میں یارب ہو گی صبا گل افشاں — کتنے شکستہ پر ہم دیوار کے تلے ہیں

جب یاد آ گئے ہیں پائے حنائی اس کے — افسوس سے تب اپنے ہم ہاتھ ہی ملے ہیں ۸۸۸۰

تھا جو مزاج اپنا سو تو کہاں رہا ہے — پر نسبت اگلی تو بھی ہم ان دنوں بھلے ہیں

کچھ وہ جو کھنچ رہا ہے ہم کانپتے ہیں ڈر سے — یاں جوں کمان گھر میں ہر وقت زلزلے ہیں

اک شور ہی رہا ہے دیوان پن میں اپنے — زنجیر سے ہلے ہیں گر کچھ بھی ہم ہلے ہیں

پست و بلند دیکھیں کیا میر پیش آئے
اس دشت سے ہم اب تو سیلاب سے چلے ہیں

۱۱۰۲

شرر سے رشک ہیں اب چشم تر میں — لگی ہے آگ اک میرے جگر میں ۸۸۸۵

نگین عاشق و معشوق کے رنگ — جدا رہتے ہیں ہم تے ایک گھر میں

بلا ہنگامہ تھا کل اس کے در پر — قیامت گم ہوئی اس شور و شر میں

بگولے کی روش وحشت زدہ ہم — رہے برچیدہ دامن اس سفر میں

سماں یاں سانجھ کا سا ہو نہ جاتا — اثر ہوتا اگر آہ سحر میں

لچکنے ہی نے ہم کو مار رکھا — کٹاری تو نہ تھی اس کی کمر میں ۸۸۹۰

رہا تھا دیکھ ادھر میر چلتے — عجب اک ناامیدی تھی نظر میں

۱۱۰۳

اثر ہوتا ہماری گر دُعا میں
لگ اُٹھتی آگ سب جوِّ سما میں

نہ اُٹکا ہاتھ تک یوسف کا مالک
وگرنہ مصر سب ملتا بہا میں

قصور اپنے ہی طولِ عمر کا تھا
نہ کی تقصیر اُن نے تو جفا میں

۸۷۹۵ سخن مشتاق ہیں بندے کے سب لوگ
سر و دل کس کو ہے عشقِ خدا میں

کفن کیا عشق میں مَیں نے ہی پہنا
کھنچے لوہو میں بہتیروں کے جامے[1]

پیام اُس گل کو اُس کے ہاتھ دیتے
سبک پائی نہ ہوتی گر صبا میں

جیو خوش یا کوئی ناخوش ہمیں کیا
ہم اپنے محو ہیں ذوقِ فنا میں

ہمیں فرہاد و مجنوں جس سے چاہو
تم آ کر پوچھ لو شہرِ وفا میں

۸۸۰۰ سراپا ہی ادا و ناز ہے یار
قیامت آتی ہے اس کی اَدا میں

بلا زلفِ سیاہ اُس کی ہے پر پیچ
وطن دل نے کیا ہے کس بلا میں

ضعیف و زار تنگی سے ہیں ہر چند
ولیکن میر اُڑتے ہیں ہَوا میں

۱۱۰۴

بچیں جیبِ عاشق اگر دست پائیں
خدا نہ دے اُن کو جو سر کھجائیں

جھمکنے لگا خوں تو جائے سرشک
ابھی دیکھیں آنکھیں ہمیں کیا دکھائیں

۸۸۰۵ رہیں کس کو سانسے کہ اب ضعف سے
مزاجی ہی کرنے لگا سائیں سائیں

خدا ساز تھا آذرِ بت تراش
ہم اپنے تئیں آدمی تو بنائیں

چلا یار کی اُور جاتا ہے جی
جو ہو اختیاری تو اودھر نہ جائیں

جگر سوز ہیں اُس کے لعلِ خموش
طلب کریے بوسہ تو باتیں بنائیں

ہمیں بے نیازی نے بھلا دیا
کہاں اتنی طاقت کہ منت اُٹھائیں

۸۸۱۰ کہیں دیکھے وہ بید مجنوں کہ ہم
فراموش کار اپنے کو تا دکھائیں

کہیں میر عشق مجازی سے ہے بد
حقیقت ہو معلوم گر دل لگائیں

---

[1] بمعنی جلے۔ مگر یہی شعر دیوان دوم میں اس طرح ہے — کفن میں ہی نہ پہنا وہ بدن دیکھ + کھنچے لوہو میں بہتیروں کے جامیں

اب کے ماہِ رمضاں دیکھا تھا پیمانے میں — بارے سب روزے تو گزرے مجھے میخانے میں

جیسے بجلی کے چمکنے سے کسو کی سدھ جائے — بے خودی آئی اچانک ترے آ جانے میں

وہ تو بالیں تئیں آیا تھا ہمارے لیکن — سدھ بھی کچھ ہم کو نہ تھی جانے کے گھبرانے میں

آج سنتے ہیں کہ فردا وہ قد آرا ہو گا — دیر کچھ اتنی قیامت کے نہیں آنے میں ۸۸۱۵

حق جو چاہے تو بندھی مٹھی چلا جاؤں میر
مصلحت دیکھی نہ میں ہاتھ کے پھیلانے میں

۱۱۰۶

میں نالہ کش تھا صبح کو یادِ حبیب میں — سوراخ پڑ گئے ہیں جگر عندلیب میں

سر مارتے ہیں سنگ سے فرہاد کے سے لگ — دیکھیں تو ہم بھی کیا ہے ہمارے نصیب میں

جانے کو سوئے دوست مسافر ہوئے ہیں ہم — ڈر ہر قدم ہے عشق کی راہِ غریب میں

کیا رفتگاں کے ہاتھ سے ہو کتنے ان کے پانو — اکثر جنھوں کا ہاتھ ہے دستِ طبیب میں ۸۸۲۰

دل خستہ، چشم بستہ و رو زرد تس پہ گرد
حیرت ہے ہم کو میر کے حالِ عجیب میں

۱۱۰۷

افیوں ہی کے تو دل شدہ ہم رو سیاہ ہیں — ہو تخت کچھ دماغ تو ہم پادشاہ ہیں

یاں جیسے شمع بزم اقامت نہ کر خیال — ہم دل کباب پرسے میں سرگرمِ راہ ہیں

کہتا نہ کچھ کبھو کھڑے حسرت سے دیکھنا — ہم کشتنی ہیں واقعی گر بے گناہ ہیں

گہ مہرباں ہوں دور سے گہ آنکھیں پھیر لیں — معشوق آفتاب ہیں، عشاق ماہ ہیں ۸۸۲۵

آنکھیں ہماری پانو تلے کیوں نہ وہ ملے
ہم بھی تو میر کشتۂ طرزِ نگاہ ہیں

۱۱۰۸

مجھ کو دماغِ وصفِ گل و یاسمن نہیں — میں جوں نسیم بادفروشِ چمن نہیں

کہنے لگا کہ لب سے ترے لعل خوب ہے — اس رنگ ڈھنگ سے تو ہمارا سخن نہیں

پہنچا نہ ہوگا منزلِ مقصود کے تئیں — خاکِ رہ اُس کی جس کا عبیرِ کفن نہیں

۸۸۳۰ ہم کو خرامِ ناز سے مرت خاک میں مِلا — دل سے ہے جن کو راہ، یہ اُن کا چلن نہیں

گُل کام آوے ہے ترے مُنھ کے نثار کے — صحبت رکھے جو تجھ سے یہ اُس کا دہن نہیں

کل جا کے ہم نے میرؔ کے ہاں یہ سُنا جواب
مُدّت ہوئی کہ یاں تو وہ غربت وطن نہیں

۱۱۰۹

ہجر تا چند ہم اب وصل طلب کرتے ہیں — لگ گیا ڈھب تو اُسی شوخ سے ڈھب کرتے ہیں

روز اک ظلم نیا کرتے ہیں یہ دلبر اور — روز کہتے ہیں ستم ترک ہم اب کرتے ہیں

۸۸۳۵ لگ ہے جی کے تئیں اپنے اسی یار سے ایک — اور سب یاروں کا ہم لوگ تو سب کرتے ہیں

تم کبھو میرؔ کو چاہو سو کہ چاہیں ہیں تمھیں — اور ہم لوگ تو سب اُن کا ادب کرتے ہیں

ہوں جو بے حال اس اعجوبۂ عالم کے لیے — حال سُن سُن کے مرا لوگ عجب کرتے ہیں

میرؔ سے بحث یہ تھی کچھ جو نہ تھے حرف شناس
اب سخن کرتے ہیں کوئی تو غضب کرتے ہیں

۱۱۱۰

مُدّت ہوئی کہ کوئی نہ آیا اُدھر سے یاں — جاتی رہے گی جان اسی رہ گزر سے یاں

۸۸۴۰ وہ آپ چل کے آوے تو شاید کہ جی رہے — ہوتی نہیں تسلّیِ دل اب خبر سے یاں

پوچھے کوئی تو سینہ خراشی دکھائیے — سو تو نہیں ہے حرفِ حکایت ہنر سے یاں

آگے تو اشک پانی سے آجاتے تھے کبھو — اب آگ ہی نکلنے لگی ہے جگر سے یاں

ٹپکا کریں ہیں پلکوں سے بے فاصلہ سرشک — برسات کی ہوا ہے سدا چشمِ تر سے یاں

اے بُت گرسنہ چشم ہیں مردم نہ اُن سے مل — دیکھیں ہیں ہم نے پھوٹتے پتھر نظر سے یاں

راہ و روش کا ہووے ٹھکانہ تو کچھ کہیں
۸۸۴۵ کیا جانے میرؔ آ گئے تھے کل کدھر سے یاں

۱۱۱۱

مصرع کوئی کوئی کبھو موزوں کروں ہوں میں — کس خوش سلیقگی سے جگر خوں کروں ہوں میں

بات اپنے ڈھب کی کوئی کہے وہ تو کچھ کہوں — بیٹھا خموش سامنے ہوں، ہوں کروں ہوں میں

اس بن نظر زمین سے سی دی ہے تو کہے — کا ہے کو چشم جانب گردوں کروں ہوں میں

اٹھتا ہے بے دماغ ہی ہر چند رات کو — افسانہ کہتے سیکڑوں افسوں کروں ہوں میں

کب بے دماغی شہر سے دیتی ہے اٹھنے میر ۸۸۵۰
یوں تو خیال وادیِ مجنوں کروں ہوں میں

۱۱۱۲

تا چند وہ ستم کرے ہم درگزر کریں — اب جی میں ہے کہ شہر سے اس کے سفر کریں

بے رو ہے ایسی بات کے کرنے کا لطف کیا — وہ منھ کو پھیر پھیر لے ہم حرف سر کریں

کب تک ہم انتظار میں ہر لحظہ بے قرار — گھر سے نکل نکل کے گلی میں نظر کریں

فرہاد و قیس کوہ کن و دشت گرد تھے — منھ نوچیں چھاتی کوٹیں یہی ہم ہنر کریں

سختی مسلّم اس سے جدا رہنے میں ولے — سر سنگ سے نہ ماریں تو کیوں کر بسر کریں ۸۸۵۵

وہ تو نہیں کہ دیکھیں اس آئینہ رو کو صبح — ہم کس امید پر شب غم کو سحر کریں

لاویں کہاں سے خون دل اتنا کہ میر ہم
جس وقت بات کرنے لگیں چشم تر کریں

۱۱۱۳

تکیے میں اپنے دل کا ہم غم کیا کریں ہیں — درویش کتنے ماتم باہم کیا کریں ہیں

جب نام دل کا کوئی لے بیٹھتا ہے ناگہ — منھ دیکھ ہم دگر کا ماتم کیا کریں ہیں

مستوں کی بات کیا ہے جو کوئی اس پہ جاوے — ہم گفتگو نشے میں درہم کیا کریں ہیں ۸۸۶۰

حکمِ فسانہ سازی پیدا کریں ہیں شب کو — افسوں ہم اس کے اوپر جو دم کیا کریں ہیں

کچھ چال میر جی کی آتی نہیں سمجھ میں
ہم بھی سلوک ان سے اب کم کیا کریں ہیں

## و

۱۱۱۴

قتل کیے پر غصہ کیا ہے لاش مری اٹھوانے دو — جان سے بھی ہم جاتے رہے ہیں، تم بھی آؤ جانے دو

جان سلامت لے کر جاوے کعبہ میں تو سلام کریں — ایک جراحت ان ہاتھوں کا صید حرم کو کھانے دو

۸۸۶۵ اس کی گلی کی خاک سبھوں کے دامن دل کو کھینچے ہے — ایک اگر جی لے بھی گیا تو آتے ہیں مر جانے دو

کرتے ہو تم نیچی نظریں یہ بھی کوئی مروت ہے — برسوں سے پھرتے ہیں جدا ہم آنکھ سے آنکھ ملانے دو

کیا کیا اپنے لوہو پئیں گے دم میں مر گئے دم میں جیئیں گے — دل جو بغل میں رہ نہیں سکتا اس کو کسو سے بکانے دو

اب کے بہت ہے شور بہاراں ہم کو مت زنجیر کرو — دل کی ہوس ٹک ہم بھی نکالیں دھومیں ہم کو مچانے دو

عرصہ کتنا سارے جہاں کا وحشت پر جو آجاویں — پاؤں تو ہم پھیلاویں گے پر فرصت ہم کو پانے دو

۸۸۷۰ کیا جاتا ہے اس میں ہمارا چپکے ہم تو بیٹھے ہیں — دل جو سمجھنا تھا سو سمجھا ناصح کو سمجھانے دو

ضعف بہت ہے میر تمھیں کچھ اس کی گلی میں مت جاؤ — صبر کرو کچھ اور بھی صاحب طاقت جی میں آنے دو

بات بنانا مشکل سا ہے شعر سبھی یاں کہتے ہیں
فکر بلند سے یاروں کو ایک ایسی غزل کہہ لانے دو

۱۱۱۵

گردش میں دے مست آنکھیں ہیں جیسے بھرے پیمانے دو — دانت سنا ہے جھمکیں ہیں اس کے موتی کے سے دانے دو

خوب نہیں اے شمع کی غیرت ساتھ رہیں بیگانے دو — کب فرمان پہ تیرے ہوئے یہ بازو کے پروانے دو

۸۸۷۵ ایسے بہانہ طلب سے ہم بھی روز گزاری کرتے ہیں — کب وعدہ کی شب آئی جو ان نے کیے نہ بہانے دو

تیر ستم اس دشمن جاں کا تا دو کماں پر ہو نہ کہیں — دل سے اور جگر سے اپنے ہم نے رکھیں ہیں نشانے دو

کس کو دماغ رہا ہے یاں اب خندیں اس کی اٹھانے کا — چار پہر جب منت کریے تب وہ باتیں مانے دو

غم کھاویں یا غصہ کھاویں یوں اوقات گزرتی ہے — قسمت میں کیا خستہ دلوں کی یہ ہی لکھے تھے کھانے دو

خال سیاہ و خط سیاہ ایمان و دل کے رہزن تھے — اک مدت میں ہم نے بارے چوٹٹے یہ پہچانے دو

۸۸۸۰ عشق کی صنعت مت پوچھو جوں نیچے بھووں کے چشم بتاں — دیکھیں جہاں محرابیں ان نے طرح کیے میخانے دو

رونے سے تو پھوٹیں آنکھیں دل کو غموں نے خراب کیا — دیکھنے قابل اس کے ہوئے ہیں اب تو یہ ویرانے دو

دشت و کوہ میں میر پھرو تم لیکن ایک ادب کے ساتھ
کوہکن و مجنوں بھی تھے اس ناحیے میں دیوانے دو

۱۱۱۶

دوست رکھتا ہوں بہت اپنے دل بیمار کو — خوں کیا ہے مدتوں اس میں غم بسیار کو

جُز عزیزاز جاں نہیں یوسف کو لکھتا یہ کبھو — کیا غرورِ میرزائی ہے ہمارے یار کو

جب کبھو اِدھر سے نکلے ہے تو اک حسرت کے ساتھ — دیکھے ہے خورشید اُس کے سایۂ دیوار کو ۸۸۸۵

بوجھ تو اچھا تھا پر آخر گرو رکھتے ہوئے — وجہ جامِ مے نہ پایا خرقہ و دستار کو

خوں چکاں شکوے ہیں دل سے تا زباں میری و لے — سی لیا ہے تو کہے میں نے لبِ اظہار کو

تصفیے سے دل میں میرے منھ نظر آتا ہے لیک — کیا کروں آئینہ ساں میں حسرتِ دیدار کو

عاشقی وہ روگ ہے جس میں کہ ہو جاتی ہے یاس
اچھے ہوتے کم سنا ہے میر اس آزار کو

۱۱۱۷

تم بن چمن کے گُل نہیں چڑھتے نظر کبھو — یہ کیا روش ہے آؤ چلے ٹک اِدھر کبھو ۸۸۹۰

دریا سی آنکھیں بہتی ہی رہتی تھیں سو کہاں — ہوتی ہے کوئی کوئی پلک اب تو تر کبھو

جی جانے ہے جو اپنے پہ ہوتی ہے مار مار — جاتے ہیں اُس گلی میں کہاں ہم مگر کبھو

آنکھیں سفید ہو چلی ہیں راہ دیکھتے — یارب اُنھوں کا ہوگا اِدھر بھی گزر کبھو

مدت ہوئی ہے نامہ کبوتر کو لے گئے — آجاتی ہے کچھ اُڑتی سی ہم تک خبر کبھو

ہم جستجو میں اُن کی کیے دست و پا بھی گُم — افسوس ہے کہ آئے نہ وہ راہ پر کبھو ۸۸۹۵

غم کو تمھارے دل کے نہایت نہیں ہے میر
اس قصّے کو کروگے بھی تم مختصر کبھو

۱۱۱۸

یہ سرا سونے کی جاگہ نہیں بیدار رہو — ہم نے کردی ہے خبر تم کو خبردار رہو

آپ تو ایسے بنے اب کہ جلے جی سب کا — ہم کو کہتے ہیں کہ تم جی کے تئیں مار رہو

لاگ اگر دل کو نہیں لطف نہیں جینے کا — اُلجھے سُلجھے کسو کاکل کے گرفتار رہو

گرچہ وہ گوہرِ تر ہاتھ نہیں لگتا لیک — دم میں دم جب تئیں ہے اُس کے طلبگار رہو ۸۹۰۰

سارے بازارِ جہاں کا ہے یہی مول اے میر
جان کو بیچ کے بھی دل کے خریدار رہو

۱۱۱۹

کرنا شعار خوب ہے عجز و نیاز کو — بے وقر جانتے ہیں دلِ بے گداز کو

ہجراں کی سرگذشت مری گفتنی نہیں — کیا کہیے تم سے قصۂ دور و دراز کو

جوں شمع سر کٹے ہے بیاں حال کا کیے — لاتا زباں پہ خواب نہیں دل کے راز کو

۸۹۰۵ حیران ہو رہو گے جو ہم ہو چپکے کبھی — دیکھا نہیں ہے مرتے کسو عشق باز کو

جانکاہ و دل خراش ہیں سارے ترے سلوک — دل ہم تو دیتے کاش کسو دل نواز کو

صوفی کی پارسائی کی ہے خانقہ میں دھوم — لے چلیے گا کبھو ادھر اس مست ناز کو

ہے دور ادب سے تم کھڑے میں پاکشیدہ ہوں
مت آئیو جنازے کی میرے نماز کو

## ۱۱۲۰

سر کاٹ کے ڈلوا دے ہے انداز تو دیکھو — پامال ہے سب خلق جہاں ناز تو دیکھو

۸۹۱۰ کچھ سوجھ نہیں پڑتی تمھیں بے خبری سے — ٹک ہوش کی آنکھوں کو کرو باز تو دیکھو

اس بت سے نہیں جب تئیں صحبت تو نہیں ہے — یہ ڈول جو ہوتا ہے خداساز تو دیکھو

شب آنکھ مری لگنے نہیں دیتی ہے بلبل — اس مرغ کی بے تابی آواز تو دیکھو

دل ایک تڑپنے میں پرے عرش کے پایا — اس طائر بے بال کی پرواز تو دیکھو

کی زلف و خط و خال لے ایک اور قیامت — تصویر سے چہرے پہ یہ پرداز تو دیکھو

سب میر کو دیتے ہیں جگہ آنکھوں پر اپنی
۸۹۱۵ اس خاک رہ عشق کا اعزاز تو دیکھو

## ۱۱۲۱

آرسی اس کے سامنے دھر لو — کب ہے ویسی مواجہہ کر لو

اس کی تیغ ستم بلند ہوئی — جی ہے مرنے کو تو چلو مر لو

درپئے خوں ہیں میرے خورد و کلاں — یہ وبال اپنے کوئی سر پر لو

کچھ طرح ہو کہ بے طرح ہو حال — عمر کے دن کسو طرح بھر لو

کیا بلاخیز جا ہے کوچۂ عشق
تم بھی یاں میر مول اک گھر لو

کھینچنا رنج و تعب کا دوستاں عادت کرو ۱۱۲۲ تب کسی ناآشنا سے مہر سے الفت کرو

رُوٹھ کر ملتا نہیں وہ شوخ لڑکی کیوں نہ کوئی
عذر چاہو دیر تک مدت تلک منت کرو

کب تک اے صورت گراں حیراں پھرو بے روئے یار
نقش اُس کا کھینچ رکھنے کی کوئی صورت کرو

اُنس اگر اِن نوخطانِ شہر سے منظور ہے
اپنی پرچھائیں سے بھی جوں خامہ تم وحشت کرو

کچھ نہ پوچھو صحبتِ دیروزہ کی کم فرصتی
جوں ہی جا بیٹھے لگا کہنے اُنھیں رخصت کرو ۸۹۲۵

عشق میں کیا دخل ہے نازک مزاجی کے تئیں
کوہ کن کے طور سے جی توڑ کر محنت کرو

پہلے دیوانے ہوئے پھر میر آخر ہو گئے
ہم نہ کہتے تھے کہ صاحب عاشقی تم مت کرو

۱۱۲۳

بہرِ فردوس ہو آدم کو الم کاہے کو
وقعتِ ابلہ ہے وہ باغ تو غم کاہے کو

کہتے ہیں آوے گا ایدھر وہ قیامت رفتار
چلتے پھرتے رہیں گے تب تئیں ہم کاہے کو

یہ بھی اک ڈھب ہے نہ ایذا نہ کسو کو راحت
رحم موقوف کیا ہے تو ستم کاہے کو ۸۹۳۰

نرگس ان آنکھوں کو جو لکھ گئے نابینا تھے
اپنے نزدیک ہیں وے دستِ قلم کاہے کو

اُس کی تلوار سے گر جان کو رکھتے نہ عزیز
مرتے اس خواری سے نا صیدِ حرم کاہے کو

چشم پوشی کا مری جان تمھیں لپکا ہے
کھاتے ہو دیدہ ودانی سے قسم کاہے کو

میری آنکھوں پہ رکھو پانو جو آؤ لیکن
رکھتے ہو ایسی جگہ تم تو قدم کاہے کو

دل کو کہتے ہیں کہ اُس گنجِ رواں کا گھر ہے
اس خرابے میں کرے ہے وہ کرم کاہے کو ۸۹۳۵

شور نے نام خدا اُن کے بلا سر کھینچا
میر سا ہے کوئی عالم میں علم کاہے کو

۱۱۲۴

غریبِ شہرِ خوباں ہوں مرا کچھ حال مت پوچھو
ہوا جی زلف و کاکُل کے لیے جنجال مت پوچھو

دلِ صد پارہ کو پیوند کرتا ہوں جدائی میں
کرے ہے کہنہ نسخہ وصل جوں وصّال مت پوچھو

جگر جل کے ہوا ہے کوئلہ بے تاب تو بھی ہوں
طپش سے دل کی میرے سر پہ ہے حمّال مت پوچھو

تعجب ہے کہ دل اس گنجِ سرگشتہ میں رہتا ہے
خرابے جس سے یہ پاتے ہیں مالا مال مت پوچھو ۸۹۴۰

لگا جی اُس کی زلفوں سے بہت ہم میر پچھتائے
ہوا ہے مدعی ایک ایک اپنا بال مت پوچھو

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو ‏ ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو
عشق پیچے کی طرح حسن گرفتاری ہے ‏ لطف کیا سرو کی مانند گر آزاد رہو
ہم کو دیوانگی شہروں ہی میں خوش آتی ہے ‏ دشت میں قیس رہو، کوہ میں فرہاد رہو
۸۹۴۵ وہ گراں خواب جو ہے ناز کا اپنے سو ہے ‏ داد بے داد رہو شب کو کہ فریاد رہو

میر ہم مل کے بہت خوش ہوئے تم سے پیارے
اس خرابے میں مری جان تم آباد رہو

۱۱۲۶

زلفوں کو میں چھوا سو غصے ہوئے کھڑے ہو ‏ یہ بات ایسی کیا ہے جس پر الجھ پڑے ہو
منھ پھیر پھیر لو ہو ہر بات میں ادھر سے ‏ یاں کس ستم زدہ سے آزردہ ہو لڑے ہو
نرمی مخالفوں سے سختی موافقوں سے ‏ واں موم سے بنے ہو یاں لوہے سے کڑے ہو
۸۹۵۰ رل جاؤ مغبچوں سے تو داڑھی ہو تبرک ‏ ہر چند شیخ صاحب تم بوڑھے ہو بڑے ہو

ہوتے ہیں خاکِ رہ بھی لیکن نہ میر ایسے
رستے میں آدھے دھڑ تک مٹی میں تم گڑے ہو

۱۱۲۷

زخموں پہ اپنے نون چھڑکتے رہا کرو ‏ دل کو مزے سے بھی تو تنک آشنا کرو
کیا آنکھ بند کر کے مراقب ہوئے ہو تم ‏ جاتے ہیں کیسے کیسے سمیں چشم وا کرو
موقوف ہرزہ گردی نہیں کچھ قلندری ‏ زنجیر سر اتار کے زنجیر پا کرو
۸۹۵۵ ہر چند اس متاع کی اب قدر کچھ نہیں ‏ پر جس کسو کے ساتھ رہو تم وفا کرو
تدبیر کو مزاجِ محبت میں دخل کیا ‏ جاں کاہ اس مرض کی نہ کوئی دوا کرو
طفلی سے تم نے لطف و غضب مختلط کیے ‏ ٹک مہر کو جدا کرو غصہ جدا کرو

بیٹھے ہو میر ہو کے درِ کعبہ پر فقیر
اس روسیہ کے باب میں بھی کچھ دعا کرو

سر پہ عاشق کے نہ یہ روزِ سیہ لایا کرو ۱۱۲۸ جی الجھتا ہے بہت مت بال سلجھایا کرو

تابِ مہ کی تاب کب ہے نازکی سے یار کو | چاندنی میں آفتابی کا مگر سایا کرو ۸۹۶۰
گرچہ شانِ کفر ارفع ہے بہت اے راہباں | ایک دو ہم سوں کو بھی زنّار بندھوایا کرو
شوق سے دیدار کے بھی آنکھوں میں کھنچ آیا جی | اس سمیں میں دیکھنے ہم کو بہت آیا کرو
کوہکن کی ہے قدم گاہ آخر اے اہلِ وفاق | طوف کرنے بے ستوں کا بھی کبھی جایا کرو
فرق یار و غیر میں بھی اے بتاں کچھ چاہیے | اتنی ہٹ دھرمی بھی کیا انصاف فرمایا کرو

کب میسّر اُس کے منھ کا دیکھنا آتا ہے میر
پھول گل سے اپنے دل کو تم بھی بہلایا کرو ۸۹۶۵

۱۱۲۹

کہتا ہے کون میر کہ بے اختیار رو | ایسا تو رو کہ رونے پہ تیرے ہنسی نہ ہو
پایا گیا وہ گوہرِ نایاب سہل کب | نکلا ہے اُس کو ڈھونڈنے تو پہلے جان کھو
کام اُس کے لب سے ہے تجھے بنت العنب سے کیا | ہے آبِ زندگی بھی تو لے جائے مردہ شو
سنتے نہیں کہے جو نہ کہیے تو دم رکے | کچھ پوچھیے نہ قصّہ ہمارا ہے گو مگو
مشعر ہے بے دماغی پہ مطلق نہ بولنا | ہم دیں تمھیں دعا ہمیں تم گالیاں تو دو ۸۹۷۰
کرنا جگہ ضرور ہے دل دادگاں کو بھی | وہ بولتا نہیں تو تم آپ ہی سے چھیڑ لو
اے غافلانِ دہر یہ کچھ راہ کی ہے بات | چلنے کو قافلے ہیں یہاں تم لیے ہو سو
گردش میں جو کوئی ہو رکھے اُس سے کیا امید | دن رات آپ ہی چرخ میں ہے آسمان تو

جب دیکھتے ہیں پانو ہی دابلو ہو اُس کے میر
کیوں ہوتے ہو ذلیل تم اِتنا تو مت دبلو

۱۱۳۰

رکھو مت سر چڑھائے دلبروں کے گوندھے بالوں کو | کھلانا کھولنا مشکل بہت ہے ایسے کالوں کو ۸۹۷۵
اُڑایا غم نے اُن کے سوکھے پتّوں کی روش ہم کو | الٰہی سبز رکھیو باغِ خوبی کے نہالوں کو
جہاں دیکھو کہا کرتے ہیں اُس کے عشق کے غم میں | نہ ہم دو چار بیٹھے دل شکستے اپنے حالوں کو
نہ چشمِ کم سے مجھ درویش کی آوارگی دیکھو | تبرک کرتے ہیں کانٹے مرے پانو کے چھالوں کو
کرے ہے جس پہ بلبل غش سو یہ اس جنس کی قیمت | نہیں افسوس آنکھیں بے حقیقت پھول والوں کو

۸۹۸۰ دل عاشق کو رو کیا جانوں خوباں کیوں نہیں دیتے — بہت آئینے سے تو ربط ہے صاحب جمالوں کو

یہی کچھ وہم سی ہے سہل کب آئے قیاسوں میں — تفکر اس کمر کا کھا گیا نازک خیالوں کو

نہ ایسی طرز دیدن ہے نہ ہرنوں کی یہ چتون ہے — کبھو جنگل میں لے چلیے گا ان شہری غزالوں کو

کوئی بھی اس طرح سے اپنے جی پر کھیل جاتا ہے
مگر بازیچہ سمجھے میر عشق خوردہ سالوں کو

۱۱۳۱

رہتا ہے پیش دیدۂ تر آہ کا سبھاؤ — جیسے مصاحب ابر کی ہوتی ہے کوئی باؤ

۸۹۸۵ برسے گی برف عرصۂ محشر میں شت شت — گرمیری سرد آہوں کا واں ہو گیا جماؤ

حاصل کوئی امید ہوئی ہو تو میں کہوں — خوں ہی ہوا کیے ہیں مرے دل میں سارے چاؤ

آنکھوں کے آگے رونے سے میرے محیط ہے — ابروں سے جا کہے کوئی پانی پیو تو آؤ

رہتی تھی اشک خونیں میں ڈوبی سب آستیں — اس چشم بحر خوں کے کبھو دیکھے ہیں چڑھاؤ

اظہار درد اگرچہ بہت بے نمک ہے پر — ٹک بیٹھو تو دکھا دیں تمھیں چھاتیوں کے گھاؤ

۸۹۹۰ آ عاشقوں کی آنکھوں میں ٹک اے بدل رقیب — ان منظروں سے بھی ہے بہت دو ٹک کھاؤ

صحبت جو اس سے رہتی ہے کیا نقل کریے ہائے — جب آ گئے ہیں ہم تو کہا ان نے یاں سے جاؤ

صد چاک اپنے دل سے تو بگڑا ہی کی وہ زلف — افسوں کیا ہے شانے نے جو اس سے ہے بناؤ

اس ہی زمیں میں میر غزل اور ایک کہہ
گو خوش نہ آوے سامعوں کو بات کا بڑھاؤ

۱۱۳۲

سب کھا گئے جگر تری پلکوں کے کاؤ کاؤ — ہم سینہ خستہ لوگوں سے بس آنکھ مت لگاؤ

۸۹۹۵ آنکھوں کا جھمڑ برسنے سے ہتھیا کے کم نہیں — پل مارتے ہے پیش نظر ہاتھی کا ڈباؤ

کشتی چشم ڈوبی رہی بحر اشک میں — آئی نہ پار ہوتی نظر عاشقوں کی ناؤ

سینے کے اپنے زخم سے خاطر ہو جمع کیا — دل ہی کی اور پاتے ہیں سب لوہو کا بہاؤ

بے تابی دل افعی خامہ نے کیا لکھی — کاغذ کو شکل مار سراسر ہے پیچ تاؤ

ہر چند جانیں جاتی ہیں پر تیغ جور سے — تم کو ہمارے سر کی سوں تم ہاتھ مت اٹھاؤ

سر نیچے ہو تو پانو ترا دابیں ہم کبھی      دبتا ہی ہے جس کے تئیں کچھ بھی ہو دباؤ ۹۰۰۰
چاکِ قفس سے آنکھیں لگیں کب تلک رہیں      اِک برگِ گُل نسیم ہماری طرف بھی لاؤ
غیرت کا عشق کی ہے طریقہ ہی کچھ جدا      اُس کی گلی کی خضر کو بھی راہ مت بتاؤ

ظاہر ہے دیکھنے سے گنہ کیونکہ تیرے سب
چُھپتے ہیں میرؔ کوئی دلوں کے کہیں لگاؤ

۱۱۳۳

گر قصد ترکِ سر ہے کہو شرم مت کرو      کہتے ہیں اپنی ٹوپی سے بھی مشورت کرو

اچھی ہے اس کی تیغ تو باندھو گلے سے میرؔ
مرتا ہوں میں تو آگے مرے مت صفت کرو ۹۰۰۵

۱۱۳۴

دل کہے میں ہوں تو کاہے کو کوئی بے تاب ہو      آنکھ کا لگنا نہ ہو تو اشک کیوں خوناب ہو
وہ نہیں چھڑکاؤ سا میں اشک ریزی سے کروں      اب جو رونے بیٹھ جاؤں جھیل ہو تالاب ہو
جلد کھینچے تیغ بے تابی کریں جو ہم تو پھر      مارنا مشکل ہمارا تم کو جوں سیماب ہو
شہر میں زیرِ درختاں کیا رہوں میں برگ بند      ہو نہ صحرا نے مری گنجایشِ اسباب ہو
بے تصرّف عشق کے ہوتا ہے ایسا حال کب      دل ہمارا خون ہو سب چشم یکسر آب ہو ۹۰۱۰
لُطف سے اے ابرِ رحمت ایک دو بارش ادھر      کشتِ زردِ نا امیدِ دل بھی تو ٹک سیراب ہو

بختِ خفتہ سو دیں پر ٹک چونکتے سو دیں کہ میرؔ
ایک شب ہم دل زدوں سے وہ پری ہم خواب ہو

۱۱۳۵

آج ہمارا جی بے کل ہے تم بھی غفلت مت کریو      دل نہ رہے ہے جو ہاتھ رکھے تو سماجت اُت گت مت کریو
ڈھیری رہے اک خاک کی تو کیا ایسے خاک برابر کی      مجھ کو زمیں میں گاڑو گے تو نشانِ تربت مت کریو
ایسی جان کہاں ہے ہم میں رنج نہ دینا ہاتھوں کو      ایک ہی وار میں ہو چکیے گا دوسری ضربت مت کریو ۹۰۱۵
ہم کو تو مارا عشق نے آخر پر یہ وصیت یاد رہے      دیرِ جہاں میں تم جو ہو تو کسو سے اُلفت مت کریو
میری طرف کی یار دو اُس سے بات کوئی کہتے ہو کہو      مانے نہ مانے وہ جانے پھر تم بھی منت مت کریو

کہیئے سو کیا اب چپکے دیکھو گو میں اُس ہی مر جاؤں　　　تم کو قسم ہے حرف و سخن کی مجھ سے مروّت مت کر لو

ہوش نہیں اپنا تو ہمیں ٹک میرؔ آئے ہیں پُرسش کو
جانے سے آگے ان کو ہمارے پیارے رخصت مت کر لو

ہ

۱۱۳۶

۹۰۲۰　مَیں کیا کہوں جگر میں لہو میرے کم ہے کچھ　　　کچھ تو الم ہے دل کی جگہ اور غم ہے کچھ

پوشیدہ تو نہیں ہے کہ ہم ناتواں نہیں　　　کپڑوں میں یُوں ہی تم کو ہمارا بھرم ہے کچھ

کیا اپنے دل دھڑکنے سے ہوں میں ہی دم بخود　　　جو دیکھتا ہے میرے تئیں سو وہم ہے کچھ

جب سے کھلی ہے نرگس مست اُس کی ظلم ہے　　　کیا آج کل سے یار کو میل ستم ہے کچھ

بُلبُل میں گُل میں کیا خفگی آگئی ہے میرؔ
آمد شدِ نسیمِ سحر دم بہ دم ہے کچھ

۱۱۳۷

۹۰۲۵　کہتے تو ہیں کہ ہم کو اُس کی طلب نہیں کچھ　　　پر جی اُسی کو اپنا ڈھونڈے ہے ڈھب نہیں کچھ

اخلاص و ربط اُس سے ہوتا تو شور اُٹھاتے　　　لب تشنہ اپنے تب ہیں لبریز جب نہیں کچھ

یاں اعتبار کر یے جو کچھ وہی ہے ظاہر　　　یہ کائنات اپنی آنکھوں میں سب نہیں کچھ

رکھ منھ کو گُل کے منھ پر کیا غنچہ ہو کے سوئیے　　　ہے شوخ چشم شبنم اس کو ادب نہیں کچھ

دل خوں نہ ہووے کیونکر یکسر ورائے اُلفت　　　یا ساتھ بھتے بہت تھے یا اُس سے اب نہیں کچھ

۹۰۳۰　یہ حال بے سبب تو ہوتا نہیں ہے لیکن　　　رونے کا لمحہ لمحہ ظاہر سبب نہیں کچھ

کر عشق میرؔ اُس کا مارے کہیں نہ جاویں
جلدی مزاج میں ہے اس سے عجب نہیں کچھ

۱۱۳۸

رستے سے چاک دل کے ہو آگاہ　　　یار تک پھر تو کس قدر ہے راہ

رہتی ہے خلق آہِ شب سے تنگ　　　وے نہیں سنتے میری بات اللہ

آنکھ اُس منھ پہ کس طرح کھولوں　　　جوں پلک جل رہی ہے میری نگاہ

خط مرا دیکھ دیکھ کہنے لگا
ہائے کیا کیا لکھے ہے نامہ سیاہ

ہیں مسلمان اُن بتوں سے ہمیں
عشق ہے لا الٰہ الّا اللہ

پلکیں اس طور روتے روتے گئیں
سبزہ ہوتا ہے جس طرح لبِ چاہ

میرؔ کعبے سے قصدِ دَیر کیا
جاؤ پیارے بھلا خدا ہمراہ

۱۱۳۹

ہے تمنّا سے وصال اُس کی مری جان کے ساتھ
جان ہی جائے گی آخر کو اس ارمان کے ساتھ

کیا فقط توڑ کے چھاتی ہی گیا تیر اس کا
لے گیا صاف مرے دل کو بھی پیکان کے ساتھ ۹۰۴۰

دین و دل ہی کے رہا میرے وہ کافر درپے
خصمیٔ فاطبہ اس کو ہے مسلمان کے ساتھ

بحر پر نہر پہ برسے ہے برابر ہی ابر
پیش ہر ایک سے کریم آتے ہیں احسان کے ساتھ

سطرِ زلف آئی ہے اُس روئے مخطط پہ نظر
یہ عبارت نئی لاحق ہوئی قرآن کے ساتھ

تیر اُس کا جو گزر دل سے چلا جی بھی چلا
رسمِ تعظیم سے ہو لیتے ہیں مہمان کے ساتھ

مَیں تو لڑکا نہیں جو بالے بتاؤ مجھ کو
یہ فریبندگی کریے کسوٗ نادان کے ساتھ ۹۰۴۵

خونِ مسلم کو تو واجب یہ بتاں جانے ہیں
ہو جے کافر کہ اماں یاں نہیں ایمان کے ساتھ

آدمیّت سے تمھیں میّسر ہو کیونکر بہرہ
تُم نے صحبت نہیں رکھی کسوٗ انسان کے ساتھ

۱۱۴۰

جانے دے مت اس قدر لبِ لعل و خط و خال دیکھ
حال کچھ بھی تجھ میں ہے اے میرؔ اپنا حال دیکھ

کیا مری طولِ پریشانی کی حیرت ہم نفس
آنکھیں تو دی ہیں خدا نے اُس کے لمبے بال دیکھ

دامنِ صحرا میں کیا وسعت ہے جو دل میں نہیں
موند کر آنکھیں گریباں میں بھی ٹک سر ڈال دیکھ ۹۰۵۰

چشم و دل کا اس سے لگ جانا تو تھا جس نس طرح
جی بھی ان بالوں میں اُلجھا اور یہ جنجال دیکھ

گرچہ اُس مہ کی جدائی میں مجھے برسوں ہوئے
لیکن اے اختر شناس اب کا ہے کیسا سال دیکھ

کب نظر میری پڑے گی اُس کے روے خوب پر
ہم نشیں ٹک تو بھی مصحف کھول کر تو فال دیکھ

ٹھوکریں دل کو لگے ہیں جب چلے ہے راہ تو
یہ خرامِ ناز ہے ظالم ٹک اپنی چال دیکھ

## ۱۱۴۱

۹۰۵۵ آنکھیں جو ہوں تو عین ہے مقصود ہر جگہ — بالذّات ہے جہاں میں وہ موجود ہر جگہ

واقف ہو شانِ بندگی سے قیدِ قبلہ کیا — سر ہر کہیں جھکا کہ ہے مسجود ہر جگہ

مو تن پہ ہم نہ سوختہ جانوں کے ہیں نمود — ہے سوزشِ دروں سے بروں دود ہر جگہ

دلّی کے لکھنؤ کے خوش اندام خوب لیک — راہِ وفا و مہر ہے مسدود ہر جگہ

پھرتی ہے اپنے ساتھ لگی متّصل فنا — آبِ رواں سے ہم ہوئے نابود ہر جگہ

۹۰۶۰ شہرہ رکھے ہے تیری خرّیت جہاں میں شیخ — مجلس ہو یا کہ دشت اُچھل کود ہر جگہ

سودائے عاشقی میں تو جی کا زیان ہے
پھرتے ہیں میر ڈھونڈتے ہی سود ہر جگہ

## ۱۱۴۲

وے دن اب سالتے ہیں جن میں پھرے یار کے ساتھ — لطف سے حرف و سخن تھے نگہِ پیار کے ساتھ

روبہ پس یار کے کوچے سے جو خورشید گیا — عشق تھا اُس کے مگر سایۂ دیوار کے ساتھ

دستے نرگس کے رکھیں گور پہ میری وارث — تا یہ جانیں کہ گیا میں غمِ دیدار کے ساتھ

۹۰۶۵ واں کھنچی میان سے یاں سر کو جھکایا میں نے — گردن اپنی ہے بندھی یار کی تلوار کے ساتھ

عشق کے زار سے بولا نہ خشونت سے کرو — لطف سے بات کوئی کرتے ہیں بیمار کے ساتھ

تہمتِ عشق سے آبادی بھی وادی ہے ہمیں — کون صحبت رکھے ہے خوں کے سزاوار کے ساتھ

اب خوشامد انھیں کی آٹھ پہر کرتے ہیں
گفتگو میر کو جن لوگوں سے تھی عار کے ساتھ

## ۱۱۴۳

نہ باتیں کرو سرگرانی کے ساتھ — مری زیست ہے مہربانی کے ساتھ

۹۰۷۰ نہ اٹھ کر درِ یار سے جا سکے — یہ کم لطف ہے ناتوانی کے ساتھ

فرو درد و آنسو پیے کچھ ہوا — دوا جیسے پیتے ہیں پانی کے ساتھ

کہے میں نے اشعار ہر بحر میں — ولیکن قیامت روانی کے ساتھ

شتابی گئی اس روش فصلِ گل — کہ جوں رفتگی ہو جوانی کے ساتھ

بکھرے ہے جوں لختِ دل آہِ صبح ہوا کب ہے اس گُل فشانی کے ساتھ

جلا جی بہت قصّۂ میرؔ سُن

بلا سوز تھا اُس کہانی کے ساتھ ۹۰۷۵

۱۱۴۴

کب تک لیے ہیں گے یارب ہر دم ہم آبدیدہ ضائع ہے جیب و دامن جوں جنسِ آب دیدہ

اس جور سے شبوں کا ملنا گیا سو چپ ہوں جاتا نہیں کہا کچھ جوں گنگِ خواب دیدہ

رازِ محبت اپنا رسوا نہ اس قدر ہو گر ہو نہ اشک افشاں خانہ خراب دیدہ

جب دیکھو لگ رہا ہے در کی طرف اُسی کے ہے جیسے کہیے ویسے ذلت کا باب دیدہ

دوزخ میں میرؔ ہوں میں یا رب بہشت رو بن

جاں ہے ستم رسیدہ دل ہے عذاب دیدہ ۹۰۸۰

۱۱۴۵

ادھر مت کر نگاہِ تیز جا بیٹھ نہ تیر رو سے ترکش یوں چلا بیٹھ

اثر ہوتا تو کب کا ہو بھی چکتا دُعا سے صبح سے اب ہاتھ اٹھا بیٹھ

پھرے گا ہم سے کب تک دور ظالم کبھو تو گھر سے اُٹھ کر پاس آ بیٹھ

نہ کر دیوار کا مجلس میں تکیہ ہمارے مونڈھے سے مونڈھا لگا بیٹھ

بہت پھرتے ہیں ٹیڑھے ٹیڑھے دشمن انھیں دو سیدھیاں تو بھی سُنا بیٹھ ۹۰۸۵

تلاش اپنی نہ کم تھی جو وہ ملتا بہت میں دیکھ کر آخر رہا بیٹھ

مخالف سے نہ مل بیٹھا کر اتنا

کہیں لے میرؔ صاحب کو جُدا بیٹھ

۱۱۴۶

کیا کریں نیچی نظر کرنے سے غصہ کھائے وہ اور مجلس میں جو رہیے دیکھ تو شرمائے وہ

کس طرح تڑپے ہے کیا کیا جی گھٹا جاتا ہے ہائے ساتھ اس کے دل لگا ہو جس کسو کا وائے وہ

کیا سلوک اُس بے وفا کے نقل کریے ہم نشیں منتیں کریے تو یاں تک گھر سے چل کر آئے وہ ۹۰۹۰

لطف سے لبریز ہے اُس کا ہم جاں کا سب بدن مختلط ہو جائے ہم سے جو کبھو تو ہائے وہ

بے خودی ہے جی چلا جاتا ہے ہوں صاحب فراش — بے خبر اے کاش بالیں پر مری آجائے وہ
ہم نہیں ملتے وگرنہ یار ہے تا قتل ساتھ — لوہو پی جاوے ہمارا ہم کو اب جو پائے وہ

میر کو وا شد نہیں ہے مقصد اُس کا اور ہے
عشق سے لڑکوں کے دل کو کب تلک بہلائے وہ

# ی

## ۱۱۴۷

۹۰۹۵ تدبیر غم دل کی بستی میں نہ ٹھہرائی — جنگل میں نکل آئے کچھ واں بھی نہ بن آئی
خواہش ہو جسے دل کی دل دوں اُسے اور سر بھی — مَیں نے تو اسی دل سے تصدیع بہت پائی
بے پردہ نہ ہونا تھا اسرارِ محبت کو — عاشق کشی ہے جب سے ہے عشق کی رُسوائی
گھر دل کا بہت چھوٹا پر جائے تعجب ہے — عالم کو تمام اس میں کس طرح ہے گنجائی
گھر بار لُٹایا جب تب وہ سہی قد آیا — مفلوک ہوئے اب ہم کر خرچ یہ بالائی
۹۱۰۰ خوبی سے نہاں اُس کی سب صورتیں یاں بگڑیں — وہ زُلف بنی دیکھی سب بن گئے سودائی
کیا عہدہ برآئی ہو اُس گُل کی دو رنگی سے — ہر لحظہ ہے خود رائی ہر آن ہے رعنائی
عاشق کی سبھی ہو شے کچھ قدر نہیں پیدا! — جیتا نہ رہا اب تک مجنوں ہی کو موت آئی

آزار بہت کھینچے اب میر توکل ہے
کھینچی نہ گئی ہم سے ہر ایک کی مرزائی

## ۱۱۴۸

شور کیا جو اس کی گلی میں رات کو ہیں سب جان گئے — آہ و فغاں کے طور سے میرے لوگ مجھے پہچان گئے
۹۱۰۵ عہد میں اُس کی یاری کے خوں دل میں ہوئے ہیں کیا کیا چاؤ — خاک میں آخر ساتھ ہی میرے سب میرے ارمان گئے
موت جو آئے سر پر انساں دست و پا گم کرتا ہے — دیکھتے ہی شمشیر بکف کچھ آج اُسے اوسان گئے
مہلتِ عُمر دو روزہ کتنی کریے فضولی کا ہے پر — آئے جو ہیں دُنیا میں ہم تو جیسے کہیں مہمان گئے
ہاتھ لگا وہ گوہرِ مقصد جیسا ہے معلوم ہمیں — محوِ طلب ہو اہلِ طلب سب خاک بھی یاں کی چھان گئے
کہیے سوگ اُنھوں کے کیا کیا چھیڑ تجاہل کی ہے نئی — نکلے تھے اس رستے سو سے جان کے بھی انجان گئے

میر نظر کی دل کی طرف کو عرش کی جانب نگہ بہت
تھی جو طلب مطلوب کی ہم کو کیدھر کیدھر دھیان گئے

۱۱۴۹

سوزشِ دل سے آگ لگی ہے سارے بدن میں تب سی ہے
طاقت دل کی تمام ہوئی ہے جی کی چال کڈھب سی ہے

سینے کے زخم نمایاں رہتے چاک کیے سو پردۂ دل
مدت سے یہ رخنے پڑے تھے چھاتی پھٹی ہیں اب سی ہے

پرسشِ حال کبھو کرتے ہیں ناز و چشم اشارت سے
اُن کی عنایت حال پہ میرے کیا پوچھو ہو غضب سی ہے

گود میں میری رکھ دیتا ہے پانو حنائی دبنے کو
یعنی پامال جو میں ہوتا ہوں مجھ کو بھی تو دب سی ہے

لطف کہاں وہ بات کیے پر پھول سے جھڑنے لگ جاویں
سرخ کلی بھی گل کی اگرچہ یار کے لعل لب سی ہے ۹۱۱۵

خانہ خراب ہو خواہشِ دل کا آہ نہایت اُس کو نہیں
جان لبوں پر آئی ہے پر تو بھی گرم طلب سی ہے

تم کہتے ہو بوسہ طلب تھے شاید شوخی کرتے ہوں
میر تو چپ تصویر سے تھے یہ بات اُنھوں سے عجب سی ہے

۱۱۵۰

کیسے نحس دنوں میں یارب میں نے اس سے محبت کی
دھوم رہی ہے سر پر میرے رنج و عتاب و کلفت کی

میں تو سرو و شاخِ گل کی قطع ہی کا دیوانہ تھا
یار نے قد قامت دکھلا کر سر پر میرے قیامت کی

قسمت میں جو کچھ کہ بدا ہو دیتے ہیں وہی انساں کو
غم غصہ ہی ہم کو ملا ہے خوبی اپنی قسمت کی ۹۱۲۰

خلوتِ یار ہے عالم عالم ایک نہیں ہے ہم کو بار
در پہ جا کر پھر آتے ہیں خوب ہماری عزت کی

اک گردن سے سو حق باندھے کیا کیا کریے ہوں جو ادا
مدت اس پر ایک نفس جوں صبح ہماری فرصت کی

شیوہ اُس کا مہر و غضب ہے ناز و خشم و ستم وے سب
کوئی نگاہِ لطف اگر کی اُن نے ہم سے مروت کی

بے پروائی درویشی کی تھوڑی تھوڑی تب آئی
جب کہ فقیری کے اوپر میں خرچ بڑی سی دولت کی

ناز و خشم کا رتبہ کیسا ہے کس اعلیٰ درجے میں
بات ہماری ایک نہ مانی برسوں ہم نے منت کی ۹۱۲۵

دکھن پورب پچھم سے لوگ آ کر مجھ کو دیکھیں ہیں
حیف کہ پروا تم کو نہیں ہے مطلق میری صحبت کی

دوستی یاری الفت باہم عہد میں اس کے رسم نہیں
یہ جانے ہیں مہر و وفا اک بات ہے گویا مدت کی

اب حسرت آنکھوں میں اُس کی نومیدانہ پھرتا تھا
میر نے شاید خواہش دل کی آج کوئی پھر رخصت کی

١١٥١

کیسے ناز و تبختر سے ہم اپنے یار کو دیکھا ہے
تو گل جیسے جلوہ کرے اس شکب بہار کو دیکھا ہے

٩١٣٠ چال زمانے کی ہے نظر میں شام و سحر کس کو ہے قیام
تو وارد ہم یاں کے نہیں پر لیل و نہار کو دیکھا ہے

ایک نہ آیا دید میں اپنی دل کش دل چسپ اس کے رنگ
ان آنکھوں سے اس گلشن میں لیں تو ہزار کو دیکھا ہے

قدر کفر اسلام سے زائد جانی سبحہ فروشی سے
بکتے کہیں بازار میں تو نے گبر زنار کو دیکھا ہے

قلب و دماغ و جگر کے گئے پر ضعف ہے جی کی غارت میں
کیا جانے یہ قلقچی ان نے کس سردار کو دیکھا ہے

باؤ سے بھی گر پتا کھڑکے چوٹ چلے ہے ظالم کی
ہم نے دام گھوں میں اس کے ذوق شکار کو دیکھا ہے

٩١٣٥ جمع کرو دل میر سے تم بھی بیتابی تھی دل کو بہت
اچھے کچھ آثار نہ تھے میں اس بیمار کو دیکھا ہے

١١٥٢

ناز و ادا کے ساتھ وہ دلبر شکیل ہے
تصویر چیں کی روبرو اس کے ذلیل ہے

ہم خاک منھ کو مل کے نہ جوں آرسی پھرے
یاں پاس قرط آب اگر ہے سبیل ہے

جنگل میں خضر و کعبہ کا ہونا مری طرح
دونوں کی نارسائی کے اوپر دلیل ہے

آگے جنوں سے چھانو میں تھے سرو و گل کی ہم
سر پر ہمارے سایہ فگن اب کریل ہے

٩١٤٠ کچھ چیز و مال ہو تو خریدار ہو کوئی
دنیا کی قدر کیا کہ متاع قلیل ہے

کیا رووں اشک آتے ہیں آنکھوں سے سیل سیل
پل مارنے میں پیش نظر ایک جھیل ہے

آتے نہیں نظر میں مری ہاتھی کے سوار
کانوں میں جو فسانۂ اصحاب فیل ہے

ہو صبر اس جو یوسف ثانی کے بے جمال
تو مصحف مجید میں صبر جمیل ہے

شکر و گلہ سے عشق کے لبریز ہے جہاں
کریے جہاں نگاہ یہی قال و قیل ہے

٩١٤٥ ہم دیر سے ہیں منتظر قد کشی یار
کچھ شامت عمل سے قیامت میں ڈھیل ہے

جب دیکھتے ہیں میر تمھیں بے دماغ ہو
کاہے کو ناز عشق میں صاحب دخیل ہے

١١٥٣

برسوں گزرے ہیں ملے کب تئیں یوں پیار رہے
دور سے دیکھ لیا اس کو تو جی مار رہے

وہ مودت کہ جو قلبی ہو اسے سو معلوم
چار دن کہنے کو اُس شوخ سے ہم یار رہے

مرگ کے حالِ جدائی میں جئیں یوں کب تک
جان بےتاب رہے دل کو اک آزار رہے

وجہ یہ بھی کہ تم سے ساتھ لڑائی نکھ اُس کی
ہم جو صورت سے تھے آئینے کی بیزار رہے ۹۱۵۰

دین و دنیا کا زیاں کار کہو ہم کو میرؔ
دو جہاں داوِ نخستیں ہی میں ہم ہار رہے

## ۱۱۵۴

اب تک تو نہیں اچھی اب دیکھیے پیری ہے
سب لوگوں میں ہیں لاگیں یاں محض فقیری ہے

کیا ڈھیر بندھے اُس کی جو عشق کا رُسوا ہو
نکلے تو کہیں لڑکے ڈھیری ہے بندھیری ہے

خوں عشق کی گرمی سے سوکھا جگر و دل میں
اِک بوند تھی تو ہو کی اب چھاتی جو چیری ہے

ہم طائرِ نو پر ہیں سُے جن کو بہاراں ہیں
گُل گشتِ گلستاں کا ہے شوق اسیری ہے ۹۱۵۵

اس دلبرِ بدظن سے خوش گزرے ہے عاشق کی
نے رحم ہے خاطر میں نے عذر پذیری ہے

ہم مرثیہ دل ہی کا اکثر کہا کرتے ہیں
اب کریے تخلص تو شایستہ ضمیری ہے

کیا اہل دُوَل سے ہے اے میرؔ مجھے نسبت
یاں عجز و فقیری ہے، واں نازِ امیری ہے

## ۱۱۵۵

سوزِ دروں نے آخر جی ہی کھپا دیا ہے
ٹھنڈا دل اب ہے ایسا جیسے بجھا دیا ہے

اب نیند کیونکہ آوے گرمی نے عاشقی کی
دل ہے جدھر وہ پہلو سارا جلا دیا ہے ۹۱۶۰

حرفِ غلط تھے کیا ہم صفحے پہ زندگی کے
جو صاف یوں قضا نے ہم کو مٹا دیا ہے

کڑھتے ہمیشہ رہنا ہم کو بغیر اُس کے
کیا روگ دوستی نے جی کو لگا دیا ہے

اچرج ہے یہ کہ ہے وہ میرا چراغِ تربت
کتنوں کا ورنہ خوں کر ان نے دبا دیا ہے

آنکھوں کی کچھ حیا تھی سو منہ لیں ادھر سے
پردہ جو رہ گیا تھا وہ بھی اٹھا دیا ہے

ہم دل زدہ رہے ہیں انواعِ تلخ سنتے
ان شکریں لبوں نے ہم کو رجھا دیا ہے ۹۱۶۵

جب طول میں دیا ہے نامے کو شوق کے تب
جوں کاغذِ ہوائی اُن نے اڑا دیا ہے

مرنے ہی کا مہیا اپنے رہا کیا ہوں
واں تیغ اٹھائی اُن نے یاں سر جھکا دیا ہے

کیا بے نمک ہوا ہے پروانہ راکھ جل کر — رہ رہ کے ہم جلے تو ہم کو مزا دیا ہے

تھے جوں چراغِ مفلس مضطر نہ ترک تھا جب — بارے فقیری نے تو آرام سا دیا ہے

۹۱۷۰ شہروں کے تنگ کوچے کاہے کو گوں ہیں اپنی — ہم وحشیوں کے قابل رہنے کے بادیا ہے

نادردمند بلبل نالاں ہے بے تہی سے — دل ہم کو بھی خدا نے درد آشنا دیا ہے

کیا نامہ بر ہمارا ہے صاف بے مروت — خط نانوشتہ ہم کو ادھر سے لا دیا ہے

عالم شکار ہے وہ اس سن میں میر اس کو
ڈھب جان مارنے کا کن نے بتا دیا ہے

## ۱۱۵۶

ہم چمن میں گئے تھے وا نہ ہوئے — نکہتِ گل سے آشنا نہ ہوئے

۹۱۷۵ سر کسو سے فرو نہیں آتا — حیف بندے ہوئے خدا نہ ہوئے

خوار و زار و ذلیل و بے رویت — عاشق اس کے ہوئے سو کیا نہ ہوئے

کیسا کیسا قفس سے سر مارا — موسمِ گل میں ہم رہا نہ ہوئے

میں نہ گردن کشائی جب تک میر
عشق کے مجھ سے حق ادا نہ ہوئے

## ۱۱۵۷

دیکھیے کیا ہو سانجھ تلک احوال ہمارا ابتر ہے — دل اپنا تو بجھا سا دیا ہے جان چراغِ مضطر ہے

۹۱۸۰ خاطر اپنی اتنی پریشاں، آنکھیں بھری ہیں اس بن حیراں — تم نے کہا دل چاہے تو بیٹھو دل کیا جانے کیدھر ہے

تاب و تواں کا حال وہی ہے آج تنک ہم جیتے ہیں — تم پوچھو تو اور کہیں کیا نسبت کل کی بہتر ہے

اس بے مہر صنم کی خاطر سختی سی سختی کھینچی ہم — جی پگھلے کیا اس کا ہم پر رحم کہاں وہ پتھر ہے

سر نہ بڑے کے چڑھیے اس میں ہرگز زیاں ہے سر ہی کا — سمجھے نہ سمجھے کوئی اسے یہ پہاڑ کی آخر ٹکر ہے

جب سے ملا اس آئینہ رو سے خوش کی ان نے نمد پوشی
پانی بھی دے ہے پھینک شبوں کو میر فقیر قلندر ہے

## ۱۱۵۸

۹۱۸۵ آشوبِ چشم چشمۂ زاب، کوہ و صحرا پر بھی ہے — طوفاں سا شہرِ دل میں ہے اک شور دریا پر بھی ہے

گو چشم بندی شیخ کی ہو آخرت کے واسطے — لیکن نظر اعمیٰ نمط پردے میں دُنیا پر بھی ہے
نے دستِ مُزدِ بندگی نے قدرِ سر افگندگی — جو مکرمت ہم پر ہوئی اب خلفِ ادنا پر بھی ہے
تنگ آن کر گُم ہو گئے مقصود جو مقصود تھا — ہم خرجِ رہ کیونکر نہ ہوں پیدا ہی پیدا پر بھی ہے

ہیں خوبیاں ہی خوبیاں وحشی طبیعت میر میں
پر اُنس کم ہم سے دلیل اب کے یہ سودا پر بھی ہے

۱۱۵۹

آنکھوں سے راہِ عشق کی ہم جوں نگہ گئے — آخر کو روتے روتے پریشاں ہو بہہ گئے ۹۱۹۰
اس عرصے سے گیا ہو کہیں کوئی تو کہیں — چل پھر کے لوگ یاں کے یہیں سارے رہ گئے
کیا کیا ہوئے ہیں اہلِ زماں ڈھیر خاک کے — کیا کیا مکان دیکھتے ناگاہ ڈھہ گئے
ان دلبروں سے کیا کہیں مظلومِ عشق ہم — ناچار ظلم و جور و ستم اُن کے سہہ گئے

تسبیحیں ٹوٹیں خرقے مُصلّے پھٹے جلے
کیا جانے خانقاہ میں کیا میر کہہ گئے

۱۱۶۰

میر کیوں رہتے ہیں اکثر ان منے — کر نہیں بنتی کسو سے جو بنے ۹۱۹۵
خوں ہو کر بہ گیا مُدت ہوئی — دل جو ڈھونڈو ہو سو کیسا کس کنے
ہے توکّل جب سے ہم درویش ہیں — کر ہی چکتے ہیں جو کچھ دل میں ٹھنے
عالمِ خاکی بھی بسمل گاہ ہے — ہو رہے ہیں ڈھیریاں سو سو جنے

اُس شکار افگن کے ہم بھی صید ہیں
خاک و خوں میں لوٹتے چھاتی چھنے

۱۱۶۱

ہم پہ رہتے ہو کیا کمر کستے — اچھے ہوتے نہیں جگر خستے ۹۲۰۰
ہنستے کھینچا نہ کیجیے تلوار — ہم نہ مر جائیں ہنستے ہی ہنستے
شوق لکھنے قلم جو ہاتھ آئی — لکھے کاغذ کے دستے کے دستے
میر قابل ہیں تنگ پوش اب کے — کہنیاں پھٹتے چولیاں چستے

رنگ لیتی ہے سب ہرا اُس کا　　اُس سے باغ و بہار ہیں رستے

اک نگہ کر کے اُن نے مول لیا　　بک گئے آہ ہم بھی کیا سستے　　۹۲۰۵

میر جنگل پڑے ہیں آج جہاں
لوگ کیا کیا نہیں تھے کل بستے

۱۱۶۲

سب شرمِ جبینِ یار سے پانی ہے　　ہر چند کہ گُل شگفتہ پیشانی ہے

سمجھے نہ کہ بازیچۂ اطفال ہوئے　　لڑکوں سے ملاقات ہی نادانی ہے

جوں آئینہ سامنے کھڑا ہوں یعنی　　خوبی سے ترے چہرے کی حیرانی ہے

خط لکھتے جو خوں فشاں تھے ہم اُن نے کہا　　کاغذ جو لکھے ہے اب سو افشانی ہے　　۹۲۱۰

دوزخ میں بھی جلتی جو رہے ہے چھاتی　　دل سوختگی، عذابِ روحانی ہے

منت کی بہت تو اُن نے دو حرف کہے　　سو برسوں میں اک بات مری مانی ہے

کل سیل سا جوشاں جو ادھر آیا میر
سب بولے کہ یہ فقیر سیلانی ہے

۱۱۶۳

جی کے لگنے کی میر کچھ کہہ بھی　　ہے وہی بات جس میں ہو تہہ بھی

حسن اُسے رشکِ مہ نہیں رہتا　　چار دن کی ہے چاندنی یہ بھی　　۹۲۱۵

شورِ شیریں تو ہے جہاں میں دلے　　ہے حلاوت زمانے کی وہ بھی

اُس کے پنجے سے دل نکل نہ سکا　　زور میٹھی ہی یار کی گہہ بھی

اُس زمیں گرد میرے مہ سا نہیں　　آسماں پر اگرچہ ہے مہ بھی

کیا کہوں اس کی زلف بن رو رو　　مَیں پراگندہ دل گیا بہہ بھی

مضطرب ہو جو ہم رہی کی میر　　۹۲۲۰
پھر کے بولا کہ بس کہیں رہ بھی

۱۱۶۴

کہیں آگ آہِ سوزندہ نہ چھاتی میں لگا دیوے　　خبر ہوتے ہی ہوتے دل جگر دونوں جلا دیوے

بہت روئے ہمارے دیدۂ تر اب نہیں کھلتے — متاعِ آبِ دیدہ ہے کوئی اس کو ہوا دیوے
تمھارے پاؤں گھر جانے کو عاشق کے نہیں اُٹھتے — تم آؤ تو تمھیں آنکھوں پہ سر پر اپنے جا دیوے
دلیلِ گُم رہی ہے خضر جو ملتا ہے جنگل میں — پھرے ہے آپھی بھولا کیا ہمیں رستا بتا دیوے
گئے ہی جی کے فیصل ہو نیاز و ناز کا جھگڑا — کہیں وہ تیغ کھینچے بھی کہ بندہ سر جھکا دیوے ۹۲۲۵
لڑائی ہی رہی روزوں میں باہم بے دماغی سے — گلے سے اُس کے ہم کو عید اب شاید ملا دیوے

ہُوا میں میرؔ جو اُس بُت سے سائل بوسۂ لب کا
لگا کہنے ظرافت سے کہ شہ صاحب خدا دیوے

۱۱۶۵

تیر جوڑے وہ ماہ آتا ہے — ہم کو یہ تیر ماہ جاتا ہے
گُل کو سر پر رکھیں سبھی لیکن — اب دماغ اپنا کب اُٹھاتا ہے
اپنا اپنا ہے ذائقہ ہم کو — بوسۂ کُنجِ لب ہی بھاتا ہے ۹۲۳۰
آتشِ عشق جس کے دل کو لگے — شمع ساں آپ ہی کو کھاتا ہے
دیکھنا ہے تو ہے بہم پردہ — ہم سے آنکھوں کو کب ملاتا ہے
میری تو ہے پلک سے چھوٹی نگاہ — اور وہ اس پہ مُنھ چھپاتا ہے

میرؔ صناع ہے بلا اُس سے
دیکھو تو باتیں کیا بناتا ہے

۱۱۶۶

شایستۂ غم و ستمِ یار ہم ہوئے — عاشق کہاں ہوئے کہ گنہ گار ہم ہوئے ۹۲۳۵
کی عرض جو متاعِ امانت ازل کے بیچ — سب اور لے سکے نہ خریدار ہم ہوئے
جی کھنچ گیا اسیرِ قفس کی فغاں کی اور — تھی چوٹ اپنے دل کو گرفتار ہم ہوئے
پامال یوں کیا کہ برابر ہیں خاک کے — کیا ظلم ہو گیا جو طلب گار ہم ہوئے
ہوتا نہیں ہے بے خبری کا مآل خوب — افسوس ہے کہ دیر خبردار ہم ہوئے
وصل اُس طبیب زادے کا جی چاہتا رہا — آخر اسی آرزو ہی میں بیمار ہم ہوئے ۹۲۴۰
پھل ہے یہ میرؔ عشق کا اس نو بہار کے — آخر جو کشت و خون کے سزاوار ہم ہوئے

۱۱۶۷

کبھی میں اُن لبوں کی جاں فزائی
یہ بات اِک بے خودی میں مُنھ پر آئی

تعارُف کیا رہا اہلِ چمن سے
ہوئی اک عُمر میں اپنی رہائی

کہاں کا بیستوں فرہاد کیسا
یہ سب تھی عشق کی زور آزمائی

۹۲۴۵ جفا اٹھتی وفا جو عُمر کرتی
سو کی اُس رفتنی نے بے وفائی

کہیں سو کیا کہیں سر پر ہمارے
قیامت شامتِ اعمال لائی

گیا اُس ترک کی آمد کو سُن جی
تھمی ہم سے نہ اک دم بھی اُوائی

موافق ٹک ہو تو تو پھر جہاں میں
مثل ہو میری تیری آشنائی

بغیر از چہرۂ مہتابیٔ یار
ہمارے مُنھ پہ چھوٹے ہے ہوائی

۹۲۵۰ گئی ٹکڑے ہو دل کی آرسی تو
ہوئی صد چند اُس کی خود نمائی

فراقِ یار کو آساں نہ سمجھو
کہ جان و تن کی مشکل ہے جُدائی

پھر آنا کعبے سے اپنا نہ ہوگا
اب اُس کے گھر کی ہم نے راہ پائی

ہوئے ہیں دودِ دل سے میرؔ کے تنگ
پھر اس جوگی نے یاں دھونی لگائی

۱۱۶۸

ہوں خاکِ پا جو اس کی ہر کوئی سر چڑھاوے
مُنھ پھیرے وہ تو ہم کو پھر کون مُنھ لگاوے

۹۲۵۵ ان دو ہی صورتوں میں شکل اب نباہ کی ہے
یا صبر ہم کو آوے یا رحم اس کو آوے

اُس مہ بغیر عالم آنکھوں میں سب سیہ ہے
دیکھیں تو عشق کیا کیا ہم کو سمیں دکھاوے

کچھ زخم کھل چلے ہیں کچھ داغ کھل رہے ہیں
اب کی بہار دیکھیں کیا کیا شگوفے لاوے

جوں لیلیٰ اور مجنوں تا نقش کچھ رہے یاں
اُس کی مری بھی صورت یک جا کوئی بناوے

یہ طرح دار لڑکے دیں بیٹھنے تب اس کو
جب جی سے اپنے کوئی ہر طرح دل اُٹھاوے

۹۲۶۰ ہم جس زمیں پہ آئے واں آسماں بھی تھا
یا رب جو کوئی جاوے تو کس طرف کو جاوے

شب سنتے حال میرا لیتا ہے موند آنکھیں
مچلے ہے میں کہوں کیا سوتا ہو تو جگاوے

طاقت کا محو تب ہے جب ضعف نہیں تیوں سے
چھوٹے ہے نماز واجب گر میرؔ وقت پاوے

بہار آئی نکالو مت مجھے اب کے گلستاں سے — مرا دامن بنے تو باندھ دو گل کے گریباں سے
نہ ٹک اشد ہوئی دل کو نہ جی کی لاگ کچھ پائی — رہے دس دن جو اپنی عمر کے یاں ہم سو مہماں سے
غمِ ہجراں نے شاید آگ دی اس ماہ بن دل کو — شرارے تب تو نکلے ہیں ہماری چشمِ گریاں سے ۹۲۶۵
سبب آشفتہ طبعی کا ہماری ہیں یہ دونوں — نہ دل جمعی ہے اُس کے خط سے نے زلفِ پریشاں سے
اِدھر زنجیر کے غل ہیں اُدھر ہنگا لڑکوں کے — جنوں اس دشت میں ہم نے کیا ہے کیسے ساماں سے
محبت میں کسو کی رنج و محنت سے گئے دونوں — رہی شرمندگی ہی عمر بھر مجھ کو دل و جاں سے

خدا جانے کہ دل کس خانہ آباداں کو دے بیٹھے
کھڑے تھے میر صاحب گھر کے دروازے پہ حیراں سے

۱۱۷۰

برسوں تک جی کو مار مار رہے — رات دن ہم اُمیدوار رہے ۹۲۷۰
موسمِ گل تلک رہے گا کون — چبھتے ہی دل کو خار خار رہے
وصل یا ہجر کچھ ٹھہر جاوے — دل کو اپنے اگر قرار رہے
خوش نوا کیسے کیسے طائرِ قدس — اس جفا پیشہ کے شکار رہے
اُس کی آنکھوں کی مستی سے عاشق — چاہیئے یوں کہ ہوشیار رہے
دل لگے پر رہا نہیں جاتا — رہے اپنا جو اختیار رہے ۹۲۷۵

کم ہے کیا لذتِ ہم آغوشی
سب مزے میر در کنار رہے

۱۱۷۱

یوں جنوں کرتے جو ہم یاں سے گئے — تو میاں مجنوں بیاباں سے گئے
مر گئے دم کب تلک رکتے رہیں — بارے جی کے ساتھ سب سانسے گئے
کیا بدن دیکھا چسپی چولی سے لٹے — مارے حسرت کے ہی ہم جاں سے گئے
جانبِ مسجد تھی وہ کافر نگاہ — شیخ صاحب دین و ایماں سے گئے ۹۲۸۰
پیچ میں آئے کسو کی زلف کے — میر اس رستے پریشاں سے گئے

۱۱۷۲

اے نوخط ایک دن ہے جھگڑا ہمارے تیرے
سبزی بہت لگی ہے مُنھ سے پیارے تیرے

حیرانِ حالِ عاشق ہوگی اجبل پہنچ کر
کیا حال یاں رہا ہے ظُلموں کے مارے تیرے

ہر بار دیکھے ہے تو ایدھر ہی آہِ شب نے
کچھ تو اثر کیا ہے جی میں بھی بارے تیرے

۹۲۸۵ باغ و بہار و نکہت گُل پھول سب ہی تو ہے
یاروں کی ہیں نظر میں یہ رنگ سارے تیرے

الماس میر تجھ کو کیا عشق نے دیا ہے
لختِ جگر گرے ہیں جوں لعل پارے تیرے

۱۱۷۳

دو دیدۂ تر اپنے جو یار کو ہیں تکتے
اک ایک کو نہیں پھر غیرت سے دیکھ سکتے

حرکت دلوں کی اپنے مذبوحی سی رہے ہے
اب وہ نہیں کہ دھڑ دھڑ رہتے ہیں دل دھڑکتے

پلکوں کی اُس کی جُنبش جاتی نہیں نظر سے
کانٹے سے اپنے دِل میں رہتے ہیں کچھ کھٹکتے

۹۲۹۰ ہوتا تھا گاہ گاہے محسوس درد آگے
اب دل جگر ہمارے پھوڑے سے ہیں لپکتے

پڑتی ہیں ایدھر اُدھر وے سرخ آنکھیں ایسی
دو ترکِ مست جیسے ہوں راہ میں بہکتے

شعلوں کی ڈانگ گویا لعلوں تلے دھرے ہیں
پتھر دل کے رنگ ہم نے دیکھے ہیں کیا جھمکتے

یاں بات راہ کی تو سنتا نہیں ہے کوئی
جاتے ہیں ہم جرس سے اس قافلے میں بکتے

جاگہ سے لے گئے ہیں نازاں جب آگئے ہیں
نوبادگانِ خوبی جوں شاخِ گُل لچکتے

اس حُسن سے کہاں ہے غلطانی موتیوں کی
۹۲۹۵ جس خوبصورتی سے میر اشک ہیں ڈھلکتے

۱۱۷۴

غمِ مرگ سے دِل جگر ریش ہے
عجب مرحلہ ہم کو درپیش ہے

بلا ہے اسے شوقِ تیر و کماں
یہیں سے ہے پیدا ستم کیش ہے

دِلا اُس کے ظاہر پہ مت جائیو
وہ خوش رُو تو ہے پر بد اندیش ہے

بہت خوب ہے لعلِ نوشینِ یار
ولیکن خطِ پشتِ لب نیش ہے

۹۳۰۰ ہمیں کیا جو ہے میر بے ہوش سا
خدا جانے یہ کیا ہی درویش ہے

۱۱۷۵

گوش ہر یک کا اُسی کی اور ہے — کیا قیامت کا قیامت شور ہے

پوچھنا اس ناتواں کا خوب تھا — پر نہ پوچھا اُن نے وہ بھی زور ہے

صندلِ دردِ سرِ مہر و وفا — عاقبت دیکھا تو خاکِ گور ہے

رشتۂ اُلفت تو نازک ہے بہت — کیا سمجھ کر خلق اس پر ڈور ہے

نا کسی سے میر اس کوچے کے بیچ
اس طرح نکلے ہے جیسے چور ہے ۹۳۰۵

۱۱۷۶

شب اگر دل خواہ اپنے بے قراری کیجیے — لے زمیں سے تا فلک فریاد و زاری کیجیے

ایک دن ہو تو کریں احوال گیری دل کی آہ — مر گئے ہم کب تلک تیمار داری کیجیے

نوچیے ناخن سے منھ یا چاک کریے سب جگر — جی میں ہے آگے تنے کچھ دستکاری کیجیے

جائیے اس شہر ہی سے اب گریباں پھاڑ کر — کیجیے کیا غم سے یوں ماتم گزاری کیجیے

یوں بہے کب تک کہ بے لعل لب اس کے ہر گھڑی — چشمہ چشمہ خونِ دل آنکھوں سے جاری کیجیے ۹۳۱۰

کُنجِ لب اُس شوخ کا بھی دیکھنے کی جائے ہے — صرف کیجے عمر تو اس جا سے ساری کیجیے

کوہِ غم سر پر اُٹھا لیجے نہ کہیے منھ سے کچھ — عشق میں جوں کوہکن کچھ بردباری کیجیے

گرچہ جی کب چاہتا ہے آپ کا آنے کو یاں — پر کبھو تو آئیے خاطر ہماری کیجیے

آشنا ہو اُس سے ہم مر مر گئے آیندہ میر
جیتے رہیے تو کسو سے اب نہ یاری کیجیے

۱۱۷۷

صد گونہ عاشقی میں ہم نے جفا سہی ہے — پر یہ کہا نہ ظالم اس کی نہیں سہی ہے ۹۳۱۵

کرتی پھری ہے رسوا سالوں سے چمن میں مجھ کو — گر کوئی بات دل کی بلبل سے میں کہی ہے

ہے صبح کا سا عرصہ پیری کا اس میں کیا ہو — باقی ہے وقت کتنا فرصت کہاں ہی ہے

درویش جب ہوئے ہم تب ہے ہمیں برابر — کشکولِ باژگوں ہے یا افسرِ شہی ہے

جیتے رہے بہت ہم جو یہ ستم اُٹھائے — عمرِ دراز کی سب تقصیر دکھتی ہے

۹۳۲۰ رونے میں متصل ہے ہونٹوں پہ آہ میری — جاتا نہیں ہے سمجھا یہ باؤ کیا ہی ہے
آزارِ عاشقی میں کاہے کی پھر توقع — ہو جائے یاس جس سے سو رنج یہ وہی ہے
رونا ہمیں نظر کر رہنا کیے کنارا — چڑھنا ہمارے منھ پہ دریا کی بے تہی ہے

چلاہٹ اس طرح کی جز میر کس سے ہوئے
باور نہ ہو تو دیکھو یہ ہو نہ ہو وہی ہے

## ۱۱۷۸

کل جوشِ غم میں آنسو ٹپکے نہ چشمِ تر سے — افسوس ہے کہ آکر یوں مینھ تنک برسے
۹۳۲۵ کیا ہے نمودِ مردم جو کہیئے دیکھیو تم — مژگاں بہم زدن میں جاتی رہی نظر سے
ہم سا شکستہ خاطر اس بستی میں نہ ہوگا — برسے ہے عشق اپنے دیوار اور در سے
معلوم اگلی سی تو جرأت الم کشی میں — کیا کام نکلے گا اب ٹکڑے ہوئے جگر سے
آئینہ وار اسی کے پاتے ہیں شش جہت کو — دیکھیں تو منھ دکھاوے وہ کام جاں کدھر سے
مت رنج کھینچ مل کر ہشیار مردماں سے — اُس کی خبر ملے گی اک آدھ بے خبر سے
۹۳۳۰ جب گوش زد ہوا اُس کے تب بے دماغ ہو وہ — بس ہو چکی توقع اب نالۂ سحر سے
اے رشکِ مہ کبھو تو آ چاند سا نکل کر — منھ دیکھنے کو تیرا تا چند کوئی ترسے

چاہت بُری بلا ہے کل میرِ نالہ کش بھی
ہمراہِ نے سواراں دوڑے پھرے نفر سے

## ۱۱۷۹

برق و شرار و شعلہ و پروانہ سب ہیں یے — جوں ہم جلا کریں ہیں بھلا جلتے کب ہیں یے
لے مونھ سے سر سے ناخنِ پا تک بھری ہے آگ — جلتے ہیں دردمند پہ جلتے کڈھب ہیں یے
۹۳۳۵ ہوتا ہے دل کا حال عجب غم سے اس گھڑی — کہتا ہے جب وہ طنز سے ہم کو عجب ہیں یے
آتی ہے گرم بادِ صبا اُس کی اور سے — اپنے جگر کے جلنے کے بارے سبب ہیں یے
غربت پہ مہرباں ہوئے میری سو یہ کہا — ان کو غریب کوئی نہ سمجھے غضب ہیں یے
فرہاد و قیس کے گئے کہتے ہیں اب یہ لوگ — رکھے خدا سلامت انھوں کو کہ اب ہیں یے
سیّد ہیں میر صاحب و درویش، دردمند — سر رکھیئے اُن کے پانو پہ جاے ادب ہیں یے

۱۱۸۰

خوش طرح مکان دل کے ڈھانے میں شتابی کی اس عشق و محبت نے کیا خانہ خرابی کی ۹۳۴۰
رستے ہے دل ادھر کو بہتا ہے جگر اودھر چھاتی ہوئی ہے میری دوکان کبابی کی
وہ نرگس مستانہ باتیں کرے ہے درہم تم دیکھو نہ کچھ بولو کیا بات شرابی کی
بے سدھ ہوئے ہم آئی اک بو جو گلستاں سے پرزور تھی مے کتنی غنچوں کی گلابی کی

رونے سے دل شب کے تر تیر کے کپڑے ہیں
پر قدر نہیں اس کو اس جامۂ آبی کی

۱۱۸۱

کوئی ساحر اس کو کچھ جادو کرے وہ جو بے رو اس طرف ٹک رو کرے ۹۳۴۵
دور سے ٹک ملتفت ہوتے رہو جب تلک دوری سے کوئی خو کرے
دم میں ہو آئینۂ عالم سیاہ ایک اگر عاشق قلندر ہو کرے
کس سے تیری چاہیئے داد ستم کاش انصاف اپنے دل میں تو کرے
غنچہ پیشانی چمن میں میں رہا بے دماغ عشق گل کیا بو کرے
لوہو پانی ایک کر دیتا ہے عشق پانی کر دے چشم دل لوہو کرے ۹۳۵۰

اب جنوں میں میر سوئے دشت جائیے
کار وحشت کے تئیں یک سو کرے

۱۱۸۲

حدیث زلف دراز اس کے منھ کی بات بڑی کبھو کے دن ہیں بڑے یاں کبھو کی رات بڑی
کبھو جو گالی ہمیں دیتے ہو کرو مو توقف تمھارے بس ہیں یہی ہم پر التفات بڑی

دخیل ذات نہیں عشق میں کہ میر کو دیکھ
ذلیل کیسے ہیں ان کی ہے گو کہ ذات بڑی

۱۱۸۳

ہے تماشا حسن و خط حیرت بھی ہے یعنی خط تو خوب ہے صورت بھی ہے ۹۳۵۵
تا دم آخر نہیں بولے ہیں ہم کچھ کہیں گے بارے اب رخصت بھی ہے

ہے وہ فتنہ ہم حریف و ہم ظریف — مار ہے گالی ہے پھر منت بھی ہے
تیغ نے اس کی ہمیں قسمت کیا — خوش نصیبی ہے تو پر قسمت بھی ہے
وا نسیمِ صبح سے ہوتا ہے گل — تجھ کو اے مرغِ چمن غیرت بھی ہے
۹۳۶۰ جی ہی دینے کا نہیں کڑھنا فقط — اس کے در سے جانے کی حسرت بھی ہے

دور سے باتیں کرے ہے یوں ہی یار
میر صاحب سے انھیں صحبت بھی ہے

۱۱۸۴

چلے ہم اگر تم کو اکراہ ہے — فقیروں کی اللہ اللہ ہے
نہ افسر ہے نے دردِ سر نے کلہ — کہ یاں جیسا سر ویسا سرواہ ہے
جہاں لگ چلے گل سے ہم داغ ہیں — اگرچہ صبا بھی ہوا خواہ ہے
۹۳۶۵ غمِ عشق ہے ناگہانی بلا — جہاں دل لگا کڑھنا جاں کاہ ہے
چراغانِ گل سے ہے کیا روشنی — گلستاں کسو کی قدم گاہ ہے
محبت ہے دریا میں جا ڈوبنا — کوئیں میں بھی گرنا یہی چاہ ہے
کلی سا ہے کہتے ہیں منھ یار کا — نہیں معتبر کچھ یہ افواہ ہے
نہ کی کوتہی بت پرستی میں کچھ — خدا اس عقیدے سے آگاہ ہے

گیا میر کے جی کی سن کر وہ شوخ
۹۳۷۰ لگا کہنے سب کو یہی راہ ہے

۱۱۸۵

یار کا جور و ستم کام ہی کر جاتا ہے — کتنا جی عاشقِ بے تاب کا مر جاتا ہے
جیسے گرداب ہے گردش مری ہر چار طرف — شوق کیا جانے لیے مجھ کو کدھر جاتا ہے
جوششِ اشک میں ٹک ٹھہرے رہو پیشِ نظر — اب کوئی پل میں یہ سیلاب اتر جاتا ہے
زور رخسار پہ کیوں اشک نہ آوے گل رنگ — آگے سے آنکھوں کے وہ باغ نظر جاتا ہے
۹۳۵۵ زہ گریباں کی ہی خونناب سے تر ہوتی نہیں — سارا ذخیرۂ دامن بھی تو بھر جاتا ہے
واعظِ شہر تنک آب ہے مانندِ حباب — ٹک ہوا لگتی ہے اس کو تو ابھر جاتا ہے

کیا لکھوں بخت کی برگشتگی نالوں سے مرے | نامہ بر مجھ سے کبوتر بھی چپر جاتا ہے
آن اس دلبر شیریں کی چھری شہد کی ہے | عاشق اک آن ہی میں جی سے گزر جاتا ہے

ہر سحر پیچھے اس اوباش کے خورشید اے میر
ڈھال تلوار لیے جیسے نفر جاتا ہے

۱۱۸۶

ٹھوکر لگا کے چلنا اس رشکِ ماہ کو بھی | یہ چوٹ ہی رہی ہے اس روسیاہ کو بھی ۹۳۸۰
اس شاہِ حسن کی کچھ مژگاں پھری ہوئی ہیں | غمزے نے ورغلایا شاید سپاہ کو بھی
کی عمر صرف ساری پر گم ہے مطلب اپنا | منزل نہ پہنچے ہم تو طے کرکے راہ کو بھی
سر پھوڑنا ہمارا اس لڑکے پر نہ دیکھو | ٹک دیکھو اس شکستِ طرفِ کلاہ کو بھی
کرتی نہیں خلش ہی مژگانِ یار دل میں | کاوش رہی ہے جی سے اس کی نگاہ کو بھی
خوں ریزی کے تو لاگو ہوتے نہیں یکایک | پہلے تو پوچھتے ہیں ظالم گناہ کو بھی ۹۳۸۵
جوں خاک سے ہے یکساں میرا نہالِ قامت | پامال یوں نہ ہوتے دیکھا گیاہ کو بھی
ہر لحظہ پھیر لینا آنکھوں کا ہم سے کیا ہے | منظور رکھیے کچھ تو بارے نباہ کو بھی

خواہش بہت جو ہو تو کاہش ہے جان و دل کی
کچھ کم کر ان دنوں میں اے میر چاہ کو بھی

۱۱۸۷

سنا جاتا ہے اے گھتیے ترے مجلس نشینوں سے
کہ تو دارو پیے ہے رات کو مل کر کمینوں سے
گئی گرم اختلاطی کب کی ان سحر آفرینوں سے
لگے رہتے ہیں داغ ہجر ہی اب اپنے سینوں سے ۹۳۹۰
گلے لگ کر نہ یک شب کاش وہ مہ سو گیا ہوتا
مری چھاتی جلا کرتی ہے اب کتنے مہینوں سے
خدا جانے ہے اپنا تو جگر کاوی ہی کرتا ہے
چڑھی تیوری سے مجنونوں کی اور ابرو کی چینوں سے

بہت کوتاہ دامن خرقے شیخوں کے پھٹے پائے
کہیں نکلے تھے گورے ہاتھ اُس کے آستینوں سے

رہے محوِ خیال اس کے تو یک وقت سے ہاتھ آئے
نزاکت اس کمر کی پوچھی ہم باریک بینوں سے

برنگ برگِ گُل ساتھ ایک شادابی کے ہوتا ہے
عرق چیں بھیگتا ہے دلبروں کے جب پسینوں سے ۹۳۹۵

بہت میں لختِ دل رویا مجھے اک خلق نے جانا
ہوا ہے بہن میرا نام ان رنگیں نگینوں سے

غزل ہی کی ردیف و قافیہ کا رفتہ رہتا ہے
نکلنا میر اب مشکل ہے میرا ان زمینوں سے

۱۱۸۸

بے تابی جو دل ہر گھڑی اظہار کرے ہے
اب دیکھوں مجھے کس کا گرفتار کرے ہے

کچھ میں بھی عجب جنس ہوں بازار جہاں میں
سو ناز مجھے لیتے خریدار کرے ہے

۹۴۰۰ ہے اشک سے بلبل کے بھرا چوبچوں میں پانی
گل باغ سے کیا رخت سفر بار کرے ہے

اس چاہ نے دل ہی کو تو بیمار کیے ہیں
یہ دوستی ہی ہے جو گرفتار کرے ہے

آگے تو جو کچھ ہم نے کہا مان لیا اب
ایک ایک سخن پر بھی وہ تکرار کرے ہے

زنہار نہ جا پرورشِ دورِ زماں پر
مرنے کے لیے لوگوں کو تیار کرے ہے

کیا عشق میں ہم اس کے ہوئے خاک برابر
کب اپنے تئیں یوں کوئی ہموار کرے ہے

۹۴۰۵ تصویر سے دروازے پہ ہم اُس کے کھڑے ہیں
انسان کو حیرانی بھی دیوار کرے ہے

کیوں کر نہ ہو تم میر کے آزار کے درپے
یہ جرم ہے اُس کا کہ تمھیں پیار کرے ہے

۱۱۸۹

دشمنوں کے روبرو دشنام ہے
یہ بھی کوئی لطفِ بے ہنگام ہے

محوِ زلفِ یار ہے عالم تمام
حسن کا بھی شہرہ جوشِ شام ہے

عشق کی ہے راہ کیا مشکل گزر | سر کا جانا جس میں ہر اک گام ہے
گر کہا ناکام سے نے کو کبھی | تو یہ کہتا ہے کہ مجھ کو کام ہے ۹۴۱۰
روز و شب پھرتا ہوں اس کوچے کے گرد | کیا کہوں کیا گردشِ ایام ہے
چین دن کو ہے نہ شب کو خواب ٹک | اُس کی دوری میں کسے آرام ہے

بزم میں پوچھا تو یوں انجان ہو
میر ان لوگوں میں کس کا نام ہے

۱۱۹۰

دل عجب نسخۂ تصوف ہے | ہم نہ سمجھے بڑا تاسّف ہے
آپ ہی صرفِ عشق ہو جانا | یہ بھی درویش کا تصرّف ہے ۹۴۱۵
منہ اِدھر کر کے وہ نہیں سوتا | خواب میں آوے تو تلطّف ہے
یاں تو تکلیف سی کھینچی تکلیف | واں وہی اب تلک تکلّف ہے
چھیڑ اُس شوخ نے رکھی ہم سے | عہد پر عہد ہے تخلّف ہے

مرگ کیا منزلِ مراد ہے میر
یہ بھی اک راہ کا توقّف ہے

۱۱۹۱

تسکین دردمندوں کو یا رب شتاب دے | دل کو ہمارے چین دے آنکھوں کو خواب دے ۹۴۲۰
اُس کا غضب سے نامہ نہ لکھنا تو سہل ہے | لوگوں کے پوچھنے کا کوئی کیا جواب دے
گل ہے بہار تب ہے جب آنکھوں میں ہو نشہ | جاتی ہے فصلِ گل کہیں ساقی شراب دے
وہ تیغ میری تشنۂ خوں ہو گئی ہے کُند | کر رحم مجھ پہ کاش کہ یار اُس کو آب دے
دو چار الم جو ہو دیں تو ہیں بابتِ بُتاں | کیا دردِ بے شمار کا کوئی حساب دے
تارِ نگہ کا سوت نہیں بندھتا ضعف سے | بیچان ہے یہ رشتہ ولا اس کو تاب دے ۹۴۲۵

مژگانِ تر کو یار کے چہرے پہ کھول میر
اِس آبِ خستہ سبزے کو ٹک آفتاب دے

۱۱۹۲

نہ جرأت ہے نہ جذبہ ہے نہ یاری بخت بد سے ہے
یہی بے طاقتی خوں گشتہ دل کو میرے کد سے ہے

جہاں شطرنج بازندہ فلک، ہم تم ہیں سب مہرے
بلسانِ شاطرِ نو ذوق اسے مہروں کی زد سے ہے

سخن کرنے میں نستعلیق گوئی ہی نہیں کرتا
پڑھیں ہیں شعر کوئی ہم سو وہ بھی شدّ و مد سے ہے

۹۴۳۰ ہوا سرسبز آگے یار کے سروِ گلستاں کب
کہ نسبت دور کی طوبیٰ کو اس کے نخلِ قد سے ہے

لکھا کب تک کریں اس سرزمیں سے آپ ہی اب جاویں
ہمیں ملنے کا شوق اس کے زیادہ اے میرؔ حد سے ہے

۱۱۹۳

کٹ کر گریں گے راہ میں مشتاق علف سے
مٹھ بھیڑ اگر ہو گئی اس تیغ بکف سے

جاتا ہے کوئی دشتِ عرب کو جو بگولا
کہہ دوں ہوں دعا مجنوں کو میں اپنی طرف سے

دریا تھا مگر آگ کا دریائے غمِ عشق
سب آبلے ہیں میرے درونے میں صدف سے

۹۴۳۵ دل اور جگر یہ تو جلے آتشِ غم میں
جی کیونکہ بچاؤں کہو اس آگ کی تف سے

شب اس کے سگِ کو نے ہمیں پاس بٹھایا
ہم اپنے تئیں دور نہ کیوں کھینچیں شرف سے

چھاتی میں بھری آگ ہے کیا جس سے شب و روز
چنگاریاں گرتی ہیں مری پلکوں کی صف سے

اے میرؔ گدائی کروں دروازے کی اس کے
مانگوں ہوں یہی آٹھ پہر شاہِ نجف سے

۱۱۹۴

کہو کچھ میرؔ کی وحشت سے ان گلیوں میں آنے کی
خبر کیوں پوچھتے ہیں مجھ سے لڑکے اس دوانے کی

۹۴۴۰ جہاں سے دل کو دیکھو منھ نظر جوں کان طاق آئے
نہ کی کچھ قدر اس نے حیف اس آئینہ خانے کی

ہمیں لیتے ہو آنکھیں موند کر لو تم کہ جنس اپنی
وفا و مہر ہے سو وہ نہیں بابت دکھانے کی

کہو ہو زیرِ لب کیسا دیکھ کر ہم ناتوانوں کو — ہماری جان میں طاقت نہیں باتیں اُٹھانے کی
برنگِ طائرِ نوپر ہوئے آوارہ ہم اُٹھ کر — کہ پھر پائی نہ ہم نے راہ اپنے آشیانے کی
عجب چوپڑ بچھی ہے ہر زماں اُڑتا ہے رنگ اپنا — سمجھ میں چال کچھ آتی نہیں اپنے زمانے کی
اگر طالع کرے یاری تو مر رہیے کربلا جا کر — عبیر اپنے کفن کی خاک ہو اُس آستانے کی ۹۴۴۵

غزل اک اور بھی اس گُل زمیں میں قصد ہے کہیے
ہوئی ہے اب تو خو آخر نہیں باتیں بنانے کی

۱۱۹۵

عزیزو[1] کون سی صورت ہے ظاہر اس کے آنے کی
قسم کھائی ہو جس نے خواب میں بھی منھ دکھانے کی
تک ان پلکوں کو ہے ٹھوکر سے فتنے کے جگانے کی
طرح آتی ہے اُس قد کو قیامت سر پہ لانے کی
کسو سے آنکھ کے ملتے ہی اپنی جان دے بیٹھے
نئی یہ رسم ہم جاتے ہیں چھوڑے دل لگانے کی
جہاں ہم آئے چہرے پر بکھیرے بال جا سوئے
ادا کرتے ہو تم کیا خوب ہم سے منھ چھپانے کی ۹۴۵۰
مسیں بھیگی ہیں اُس کی سبزۂ خط کی بدایت سے
مسیح و خضر کو پہنچی بشارت زہر کھانے کی
جہاں اُس کے لیے غربال کر نومید ہو بیٹھے
یہی اُجرت ملی ہے کیا ہماری خاک چھانے کی
کہوں کیا ایک بوسہ لب کا دے کر خوب رگڑایا
رکھی برسوں تلک منت کبھو کی بات ماننے کی
بگولا کوئی اُٹھتا ہے کہ آندھی کوئی آتی ہے
نشانِ یادگاری ہے ہماری خاک اُڑانے کی
کرے ہے داغ اُس کا عید کو سب سے گلے ملنا
۹۴۵۵

[1] یہ مطلع بیاض قلمی آگرہ سے لیا گیا ہے۔

اکت ڈی ہے نئی یہ میری چھاتی کے جلانے کی

لڑا کر آنکھیں اُس اوباش سے اِک پل میں مر گزرا
حکایت بوالعجب ہے میر جی کے مارے جانے کی

۱۱۹۶

کرہ الشکل ہیئت آن کر ایسی نہیں دیکھی — کہ صورت آسماں کی دیکھ کر مَیں نے زمیں دیکھی

کبھو دیکھو گے تم جو وہ طرح دار اس طرف آیا — طرح ترکیب ایسی ہم نے اب تک تو نہیں دیکھی

مہ یک ہفتہ دِلکش اس قدر کا ہے کو ہوتا ہے — کروں ہوں شکر کے سجدے کہ مَیں نے وہ جبیں دیکھی

۹۴۶۰ کہاں وہ طرز کیں اُس کی کہاں چینِ جبیں اُس کی — نگاکر بارہا اُس شوخ سے تصویرِ چیں دیکھی

گریباں پھاڑ ڈالیں دیکھ کر دامن کشاں اس کو — پھٹے خرقے بہت جو چاک کی وہ آستیں دیکھی

ترے بیمار کی بالیں پہ جا کر ہم بہت روئے — بلا حسرت کے ساتھ اُس کی نگاہِ واپسیں دیکھی

نظر اُس کی حیا سے میر پشتِ پا پر اکثر ہے
کنھوں نے کا ہے کو اُس کی سی چشمِ شرمگیں دیکھی

۱۱۹۷

دِن فصلِ گُل کے اب کے بھی جاتے ہیں باؤ سے — دِل داغ ہو رہا ہے چمن کے سبھاؤ سے

۹۴۶۵ پہنچی نہ باس گُل کی ہمارے مشام میں — یاں کھل رہے ہیں دیدۂ خوں بار گھاؤ سے

نامہ مرے عمل کا بھی اے کاش ساتھ جائے — جب آسمان لپٹیں گے کاغذ کے تاؤ سے

وارفتگانِ عشق بھی کیا طرفہ لوگ ہیں — دل کے گئے پہ دیتے ہیں جی کیسے چاؤ سے

کہتے تو کہیے بات کوئی دِل کی میر سے
پر جی بہت ڈرے ہے اُنھوں کے چواؤ سے

۱۱۹۸

کیا چال نکالی ہے، جو دیکھے سو مر جائے
بھیچک کوئی رہ جائے کوئی جی سے گزر جائے

۹۴۷۰ تا چند یہ خمیازہ کشی تنگ ہوں یا رب
آغوش مری ایک شب اُس شوخ سے بھر جائے

بے طاقتیٔ دل سے مری جان ہے لب پر
تم ٹھہرو کوئی دم تو مرا جی بھی ٹھہر جائے

پڑتے نگہِ یار مرا حال ہے ویسا،
بجلی کے تڑپنے سے کوئی جیسے کہ ڈر جائے

اس آئینہ رُو شوخ مُفتّن سے کہیں کیا
عاشق کو بُرا کہہ کے مُنہ ہی مُنہ میں مکر جائے

ناکس کی تلافیٔ ستم کون کرے ہے
ڈرتا ہوں کہ وہ اور بھی آزردہ نہ کر جائے

جاتا ہے جِدھر منزلِ مقصود نہیں وہ
آوارہ جو ہو عشق کا بے چارہ کِدھر جائے ۹۴۷۵

رونے میں مرے سر نہ چڑھو صبر کرو ٹک
یہ سَیل جو اک زور سے آتا ہے اُتر جائے

کیا ذکر مرا مَیں تو کہیں اُس سے مِلوں ہوں
اُن خانہ خرابوں کی کہو جن کے وہ گھر جائے

اُس زُلف کا ہر بال رگِ جان ہے اپنی
یاں جی ہی بکھرتا ہے صبا وہ جو بکھر جائے

گردش میں جو وے آنکھ نشہ کی بھری دیکھیں
ہُشیار سروں کے تئیں سُدھ اپنی بسر جائے

آنکھیں ہی لگی جاتی ہیں اس جاذبہ کو میر
آتی ہے بہت دیر جو اُس مُنھ پہ نظر جائے ۹۴۸۰

۱۱۹۹

بُتوں کے جُرمِ اُلفت پر ہمیں زجر و ملامت ہے
مُسلماں بھی خُدا لگتی نہیں کہتے قیامت ہے

کھڑا ہوتا نہیں وہ رہزنِ دل پاس عاشق کے
موافق رسم کے اک دور کی صاحب سلامت ہے

جُھکی ہے شاخِ پُرگُل ناز سے کیا صحنِ گُلشن میں
نہالِ قد کی اُس کے مدّعی تھی سو ندامت ہے

نکلتا ہے سحر خورشید ہر روز اس کے گھر پر سے — مقابل ہو گیا اس سے تو اس سادہ کی شامت ہے

پیے دار وُ پڑے پھرتے تھے کل تک تیر کوچوں میں
۹۴۸۵
انھیں کو مسجدِ جامع کی دیکھی آج امامت ہے

## ۱۲۰۰

خدا کرے مرے دل کو ٹک اک قرار آوے — کہ زندگی تو کروں جب تلک کہ یار آوے

کمانیں اُس کی بھوؤں کی چڑھی ہی رہتی ہیں — نہ جب تلک ہر تیر ستم شکار آوے

ہمیں تو ایک گھڑی گل بغیر دوبھر ہے — خدا ہی جانے کہ اب کب تلک بہار آوے

اُٹھی بھی گرد رہ اُس کی کہیں تو لطف ہے کیا — جب انتظار میں آنکھوں ہی پر غبار آوے

۹۴۹۰ ہر ایک شے کا ہے موسم نہ جانے تھا منصور — کہ نخل دار میں حلقِ بریدہ بار آوے

تمھارے جوروں سے اب حال جائے عبرت ہے — کسو سے کہیے تو اس کو نہ اعتبار آوے

نہیں ہے چاہ بھلی اِتنی بھی دُعا کر میر
کہ اب جو دیکھوں اُسے میں بہت نہ پیار آوے

## ۱۲۰۱

نکلے ہے جی کا رستا آواز کی رگن سے — آزردہ ہو نہ بلبل جاتے ہیں ہم چمن سے

جی عش کرے ہے اب تو رفتار دیکھ اُس کی — دیکھیں نبھے ہے اپنی کس طور اس چلن سے

۹۴۹۵ گر اُس کی اور کوئی گرمی سے دیکھتا ہے — اک آگ لگ اٹھے ہے اپنے تو تن بدن سے

رنگیں خرامی کیا کیا لیتی ہے کھینچ دل کو — کیا نقشِ پا کو اُس کے نسبت گل و سمن سے

دل رات گاہ دبے گہ جب دیکھو ہیں سفر میں — ہم کس گھڑی وداعی یارب ہوئے وطن سے

دل سوختہ ہوں مجھ کو تکلیفِ حرف مت کر — اک آگ کی لپٹ سی نکلے ہے ہر سخن سے

دل کا اسیر ہونا جی میر جانتا ہے
کیا پیچ پانچ دیکھے اُس زلفِ پُرشکن سے

## ۱۲۰۲

۹۵۰۰ کعبے کے در پہ تھے ہم یا دَیر میں در آئے — آوارگی تو دیکھو کیدھر سے کیدھر آئے

دیوانگی ہے میری اب کی کوئی تماشا — رہتے ہیں گھیرے مجھ کو کیا اپنے کیا پرائے

پاک اب ہوئی ہے کشتی ہم کو جو عشق سے تھی — جہد سے اس بلا کے کب ناتواں بر آئے
وسعت بیاں کروں کیا دامانِ چشم تر کی — رونے سے میرے کیا کیا ابر سیہ تر آئے

آ ہم نشیں بنے تو آج اُن کنے بھی چلیے
کہتے ہیں میرؔ صاحب مدت میں کل گھر آئے

۱۲۰۳

قصر و مکان و منزل ایکوں کو سب جگہ ہے — ایکوں کو جا نہیں ہے دُنیا عجب جگہ ہے ۹۵۰۵
اُس کے بدن میں ہر جا دل کش ہے میں ولیکن — یا سطحِ رُخ جگہ ہے یا کنجِ لب جگہ ہے
پست و بلندیاں ہیں ارض و سما سے ظاہر — دیکھا جہاں کو ہم نے کتنی کڈھب جگہ ہے
دروازے سے لگے ہم تصویر سے کھڑے ہیں — دلرفتگاں کو اس کی مجلس میں کب جگہ ہے

بارے ادھر کیا ہے مُنہ اُن نے میرؔ اپنا
ہو حرف زن سخن کی تیرے بھی اب جگہ ہے

۱۲۰۴

دل کی بیماری سے طاقت طاق ہے — زندگانی اب تو کرنا شاق ہے ۹۵۱۰
دم شماری سی ہے رنجِ قلب سے — اب حسابِ زندگی بیباق ہے
اپنی عزلت رکھتی ہے عالم ہی اور — یہ سیہ رو شہرۂ آفاق ہے
فرطِ خجلت سے گرا جاتا ہے سرو — قدِ دل کش اس کا بالا چاق ہے
دل زدہ کو اُس کے دیکھا نزع میں — تھا نمودار آنکھ سے مشتاق ہے
رنگ میں اُس کے جھمک ہے برق کی — سطح کیا رُخسار کا براق ہے ۹۵۱۵
گو خط اُس کے پشتِ لب کا زہر ہو — بوسۂ کنجِ دہن تریاق ہے
خشک کر دیتی ہے گرمی عشق کی — بید صحرائی سا مجنوں فاق ہے

مت پڑا رہ دیر کے ٹکڑوں پہ میرؔ
اُٹھ کے کعبے چل خدا رزاق ہے

۱۲۰۵

بات کیا آدمی کی بن آئی — آسماں سے زمین نپوائی

چرخ زن اُس کے واسطے ہے مدام — ہو گیا دن تمام رات آئی ۹۵۲۰

ماہ و خورشید و ابر و باد سبھی — اُس کی خاطر ہوئے ہیں سودائی

کیسے کیسے کیے تردّد جب — رنگ رنگ اُس کو چیز پہنچائی

اس کو ترجیح سب کے اوپر دی — لطفِ حق نے کی عزّت افزائی

حیرت آتی ہے اُس کی باتیں دیکھ — خودسری، خودستائی، خودرائی

شکر کے سجدوں میں یہ واجب تھا — یہ بھی کرتا سدا جبیں سائی ۹۵۲۵

سو تو اُس کی طبیعت سرکش — سر نہ لائے فرو کہ ٹک لائی

میرؔ ناچیز مشتِ خاک اللہ
اُن نے یہ کبریا کہاں پائی

۱۲۰۶

دست بستہ کام ناخن کر گئے — سب خراشوں ہی سے جبہے بھر گئے

بُت کدے سے تو چلے کعبے، ولے — دس قدم ہم دل کو کر پتھر گئے

کیا جو اُڑتی سی سُنی آئے ہیں گُل — ہم اسیروں کے تو بال و پر گئے

مجلسوں کی مجلسیں برہم ہوئیں — لوگ وے پل مارتے کیدھر گئے

تھے لبِ جُو پر جو گرمِ دیدِ یار — سبزے کے سے رنگ مژگاں تر گئے

خانوادے ہو گئے کیا کیا خراب — خانہ سازِ دین کیسے مر گئے

دست افشاں پائے کوباں شوق میں
صومعے سے میرؔ بھی باہر گئے ۹۵۳۳

# دیوان چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دیوان چہارم

## ۱۲۰۷

کرتا ہوں اللہ اللہ درویش ہوں سدا کا — سرمایۂ توکل یاں نام ہے خدا کا ۹۵۳۵

مَیں نے نکل جنوں سے مشقِ قلندری کی — زنجیر سر ہوا ہے تھا سلسلہ جو پا کا

یارب ہماری جانب یہ سنگ کیوں ہے عائد — جی ہی سے مارتے ہیں جو نام لے وفا کا

کیا فقر میں گزر ہو چشمِ طمع سیے بن — ہے راہ تنگ ایسی جیسے سوئی کا ناکا

ابر اور جوش گل ہے چل خانقہ سے صوفی — ہے لطف مے کدے میں دو چند اس ہوا کا

ہم وحشیوں سے مدت مانوس جو رہے ہیں — مجنوں کو شوخ لڑکے کہنے لگے ہیں کاکا ۹۵۴۰

آلودہ خوں سے ناخن ہیں شیر کے سے ہر سو — جنگل میں چل بنے تو پھولا ہے نر ورڈھا کا

یہ دو ہی صورتیں ہیں یا منعکس ہے عالم — یا عالم آئینہ ہے اس یار خود نما کا

کیا میں ہی جان بہ لب ہوں بیماریٔ دلی سے — مارا ہوا ہے عالم اس دردِ بے دوا کا

زلفِ سیاہ اس کی رہتی ہے چپت چڑھی ہی — میں مبتلا ہوا ہوں اے وائے کس بلا کا

غیرت سے تنگ آئے غیروں سے لڑ مریں گے
آگے بھی میرؔ سید کرتے گئے ہیں ساکا ۹۵۴۵

## ۱۲۰۸

واجب کا ہونہ ممکن مصدر صفت ثنا کا — قدرت سے اس کی لب پر نام آوے ہے خدا کا

سب روم روم تن میں زردی غم بھری ہے — خاکِ جسد ہے میری کس کانِ زر کا خاکا

بند اس قبا کا کھولیں کیا ناخنِ فقیراں — وابستہ ہے یہ عقدہ شاید کسو دعا کا

ناسازیٔ طبیعت کیا ہے جواں ہوئے پر — اوباش وہ ستم گر لڑکا ہی تھا لڑا کا

۹۵۵۰ گل پھول فصلِ گل میں صدرنگ ہیں شگفتہ — میں دل زدہ ہوں اب کی رنگینی ہوا کا

عاشق کی چشمِ تر میں گو ڈبتے آ دیں لیکن — بالؤ کا دلبروں کے چھپتا نہیں چھپا کا

زورین کش اُس جواں کی کس سے کماں کھنچے ہے
تھا یکہ و جنازا میرؔ اُن نے جس کو تاکا

## ۱۲۰۹

قصہ کہیں تو کیا کہیں ملنے کی رات کا — پہروں چوا ؤ اُن نے رکھا بات بات کا

جرأت سے گرچہ زرد ہوں پر مانتا ہے کون — مُنھ لال جب تلک نہ کروں پانچ سات کا

۹۵۵۵ کیونکر بسر کرے غم و غصے میں ہجر کے — خو گر جو ہو کسو کے کوئی التفات کا

جاگہ سے لے گیا ہمیں اس کا خرامِ ناز — ٹھہراؤ ہو سکا نہ قرار و ثبات کا

ڈرتا ہوں مالکانِ جزا چھاتی دیکھ کر — کہنے لگیں نہ واہ لیے خم اُس کے ہاتھ کا

واعظ کہے سو سچ ہے ٹُلے مے فروش سے — ہم ذکر بھی سُنا نہیں صوم و صلوات کا

بھونکا کریں رقیب پڑے کوئے یار میں — کس کے تئیں دماغ عفف ہے سگات کا

۹۵۶۰ ان ہونٹھوں کا حریف ہو ظلمات میں گیا — پردے میں روسیاہ ہے آبِ حیات کا

عالم کسو حکیم کا باندھا طلسم ہے — کچھ ہو تو اعتبار بھی ہو کائنات کا

گر یار میرؔ اہل ہے تو کام سہل ہے
اندیشہ تجھ کو یوں ہی ہے اپنی نجات کا

## ۱۲۱۰

تجاہل تغافل تساہل کیا — ہوا کام مشکل توکّل کیا

نہیں تاب لاتا دلِ زار اب — بہت ہم نے صبر و تحمّل کیا

۹۵۶۵ زمینِ غزل مِلک سی ہو گئی — یہ قطعہ تصرّف میں بالکل کیا

جنوں تھا نہ مجھ کو نہ چُپ رہ سکا — کہ زنجیر ٹوٹی تو میں غُل کیا

نہ سوزِ دروں فصلِ گُل میں چھپا — سر و سینہ سے داغ نے گُل کیا

ہمیں شوق نے صاحبو کھو دیا — غلاموں سے اُس کے توسّل کیا

حقیقت نہ میرؔ اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تامل کیا

۱۲۱۱

رفتۂ عشق کیا ہوں میں اب کا — جا چکا ہوں جہان سے کب کا ۹۵۷۰
لوگ جب ذکر یار کرتے ہیں — دیکھ رہتا ہوں میں منھ سب کا
مست رہتا ہوں جب سے ہوش آیا — میں بھی عاشق ہوں اپنے مشرب کا
ہم تو ناکام ہی چلے یاں سے — تم کو ہوگا وصول مطلب کا
درس کہیے جنوں کا تو مجنوں — اپنے آگے ہے طفل مکتب کا
لعل کی بات کون سنتا ہے — شور ہے زور یار کے لب کا ۹۵۷۵

زلف سا پیچ دار ہے ہر شعر
ہے سخن میرؔ کا عجب ڈھب کا

۱۲۱۲

میں جو نظر سے اس کی گیا تو وہ سرگرم کار اپنا — کہنے لگا چپکا سا ہو کر ہائے دریغ شکار اپنا
کیا یاری کر دور پھرا وہ کیا کیا ان نے فریب کیے — جس کے لیے آوارہ ہوئے ہم چھوٹا شہر و دیار اپنا
ہاتھ گلے میں ان نے نہ ڈالا ہیں یہ گلا جا کاٹوں گا — غم و غصہ سے دیکھیو ہوں گا آپ ہی گلے کا ہار اپنا
چھاتی پہ سانپ سا پھر جاتا ہے یاد میں اس کے بالوں کی — جی میں لہر آوے ہے لیکن رہتا ہوں من مار اپنا ۹۵۸۰
بات کہی تلوار نکالی آنکھ لڑائی جی مارے — کیونکہ جتاوے اس سے کوئی ربط محبت پیار اپنا
ہم نے یاری وفاداری میں کوتاہی تقصیر نہ کی — کیا روویں چاہت کے اثر کو وہ نہ ہوا ٹک یار اپنا

رحم کیا کر لطف کیا کر پوچھ لیا کر آخر ہے
میرؔ اپنا غم خوار اپنا پھر زار اپنا بیمار اپنا

۱۲۱۳

اے کاش مرے سر پر اک بار وہ آ جاتا — ٹھہراؤ سا ہو جاتا یوں جی نہ چلا جاتا
تب تک ہی تحمل ہے جب تک نہیں آتا وہ — اس رستے نکلتا تو ہم سے نہ رہا جاتا ۹۵۸۵
اک آگ لگادی ہے چھاتی میں جدائی نے — وہ منہ گلے لگتا تو یوں دل نہ جلا جاتا

یالاگ کی وے باتیں یا ایسی ہے بیزاری — وہ جو نہ لگا لیتا تو میں نہ لگا جاتا
کیا نور کا ٹکڑا ہے چہرہ کہ شب مہ میں — مُنھ کھولے جو سو رہتا تو ماہ چھپا جاتا
اس شوق نے دل کے بھی کیا بات بڑھائی تھی — رقعہ اُسے لکھتے تو طومار لکھا جاتا
۹۵۹۰ یہ ہمدمی کا دعویٰ اُس کے لبِ خنداں سے — بس کچھ نہ چلا ورنہ پستے کو چبا جاتا
اب تو نہ رہا وہ بھی طاقت گئی سب دل کی — جو حال کبھو اپنا میں تم کو سُنا جاتا

وسواس نہ کرتا تھا مر جانے سے ہجراں میں
تھا میر تو ایسا بھی دل جی سے اُٹھا جاتا

## ۱۲۱۴

مستانہ اگرچہ میں طاعت کو لگا جاتا — پر بعد نماز اُٹھ کر مے خانہ چلا جاتا
بازار میں ہو جاتا اُس مہ کا تماشا تھا — یوسف بھی جو واں ہوتا تو اس پہ بکا جاتا
۹۵۹۵ دیکھا نہ ادھر ورنہ آتا نہ نظر پھر میں — جی مُفت مرا جاتا اُس شوخ کا کیا جاتا
شب آہ شرر افشاں ہونٹوں سے پھری میرے — سر کھینچتا یہ شعلہ تو مجھ کو جلا جاتا
کیا شوق کی باتوں کی تحریر ہوئی مشکل — تھے جمع قلم کاغذ پر کچھ نہ لکھا جاتا
آنکھیں مری کھلتیں تو اس چہرے ہی پر پڑتیں — کیا ہوتا یکایک وہ سر پر مرے آ جاتا
سبزے کا ہوا رو کش خطِ رخِ جاناں کے — جو ہاتھ مرے چڑھتا تو پان کو کھا جاتا
۹۶۰۰ ہے شوقِ سیہ رو سے بدنامی و رسوائی — کیوں کام بگڑ جاتا جو صبر کیا جاتا

تھا میر بھی دیوانہ پر ساتھ ظرافت کے
ہم سلسلہ داروں کی زنجیر ہلا جاتا

## ۱۲۱۵

یہ دل نے کیا کیا کہ اسیرِ بلا کیا — اُس زلفِ پُر شکن نے مجھے مبتلا کیا
گو بے کسی سے عشق کی آتش میں جل بجھا — میں جوں چراغِ گور اکیلا جلا کیا
آیا نہ اُس طرف سے جواب ایک حرف کا — ہر روز خطِ شوق ادھر سے چلا کیا
۹۶۰۵ ڈرتا ہی میں رہا کہ پلک کوئی گڑ نہ جائے — آنکھوں سے اُس کی رات جو تلوے ملا کیا
بد حال ٹھنڈی سانسیں بھرا کب تلک کرے — سرگرمِ مرگ میر ہوا تو بھلا کیا

## ۱۲۱۶

در پہ ترے اب کے جاؤں گا تو جاؤں گا — یاں پھر اگر آؤں گا سید نہ کہاؤں گا

یہ عمر زہدی ہے میں کعبے سے جو اٹھتا ہو — بت خانے میں جاؤں گا زنار بندھاؤں گا

آزار بہت کھینچے یہ عہد کیا ہے اب — آئندہ کسو سے میں دل کو نہ لگاؤں گا

سرگرم طلب ہو کر کھویا سا گیا آپ ہی — کیا جانیے پاؤں گا یا اس کو نہ پاؤں گا ۹۶۱۰

گو میر ہوں چپکا سا پر طرفہ ہنر ور ہوں
بگڑے کا نہ ٹک وہ تو سو باتیں سناؤں گا

## ۱۲۱۷

دیوانگی میں مجنوں میرے حضور کیا تھا — لڑکا سا ان دنوں تھا اس کو شعور کیا تھا

گردن کشی سے اپنی مارے گئے ہم آخر — عاشق اگر ہوئے تھے ناز و غرور کیا تھا

غم قرب و بعد کا تھا جب تک نہ ہم نے جانا — اب مرتبہ جو سمجھے وہ اتحاد کیا تھا

اے وائے یہ نہ سمجھے مارے پڑیں گے اس میں — اظہار عشق کرنا ہم کو ضرور کیا تھا ۹۶۱۵

مرتا تھا جس کی خاطر اس کی طرف نہ دیکھا
میر ستم رسیدہ ظالم غیور کیا تھا

## ۱۲۱۸

دل کو گل کہتے تھے درد و غم سے مرجھا گیا — جی کو مہماں سنتے تھے مہمان سا آیا گیا

عشق سے ہو حال جی میں کچھ تو کہیے دیکھیو — ایک دن باتیں ہی کرتے کرتے سنایا گیا

جستجو میں یہ تعب کھینچے کہ آخر ہو گئے — ہم تو کھوئے بھی گئے لیکن نہ تو پایا گیا

اک نگہ کرنے میں غارت کر گیا اے وائے ہم — دل جو ساری عمر کا اپنا تھا سرمایا گیا ۹۶۲۰

کیا تعجب ہے جو کوئی دل زدہ ناگہ مرے — اضطراب عشق میں جی تن سے گھبرایا گیا

ماہ کہتے تو کہا اس روئے خوش کا ہے حریف — شہر میں پھر ہم سے اپنا منہ نہ دکھلایا گیا

جیسے پرچھائیں دکھائی دے کے ہو جاتی ہے محو
میر بھی اس کام جاں کا وہیں تھا سایا گیا

ہم مست عشق جس کے تھے وہ روٹھ کر گیا — ۱۲۱۹ — دیکھ اس کو بے دماغ نشہ سب اتر گیا

جاں بخشی اس کے ہونٹھوں کی سن آب زندگی	ایسا چھپا کہیں کہ کہا جائے مر گیا

کہتے ہیں میر کعبے گیا ترکِ عشق کر
راہِ دلِ شکستہ کدھر وہ کدھر گیا

۱۲۲۰

شاید جگر حرارتِ عشقی سے جل گیا	کل دردِ دل کہا سو مرا منھ اُبل گیا
بے یار حیف باغ میں دل ٹک بہل گیا	دے گل کو آگ چار طرف میں نہ جل گیا
اس آہوے رمیدہ کی شوخی کہیں سو کیا	دکھلائی دے گیا تو چھلاوا سا چھل گیا
۹۶۳۰	دن رات خوں کیا ہی کیے ہم جگر کو پھر	گر پھول گل سے کوئی گھڑی جی بہل گیا
تیور بدلنے سے تو نہیں اس کے بے حواس	اندیشہ یہ ہے طور ہی اس کا بدل گیا
ہر چند میں نے شوق کو پنہاں کیا ولے	ایک آدھ حرف پیار کا منھ سے نکل گیا
کرتے ہیں نذر ہم کہ نہ الفت کریں کہیں	گر دلِ ضعیف اب کے ہمارا سنبھل گیا
چلنے لگے تھے راہِ طلب پر ہزار شکر	پہلے قدم ہی پاؤں ہمارا اچھل گیا
۹۶۳۵	میں وہ دلا تو آگے ہی تھا فرطِ شوق سے	طور اس کا دیکھ اور بھی کچھ دل دہل گیا

سر اب لگے جھکانے بہت خاک کی طرف
شاید کہ میر جی کا دماغی خلل گیا

۱۲۲۱

عشق رسوائی طلب نے مجھ کو سرگرداں کیا	کیا خرابی سر پہ لایا صومعہ ویراں کیا
ہم سے تو جز مرگ کچھ تدبیر بن آتی نہیں	تم کہو کیا تم نے دردِ عشق کا درماں کیا
داخلِ دیوانگی ہی تھی ہماری عاشقی	یعنی اس سودے میں ہم نے جان کا نقصاں کیا
۹۶۴۰	شکر کیا اس کی کریمی کا ادا بندے سے ہو	ایسی اک ناچیز مشتِ خاک کو انساں کیا
تیغ سی بھوویں جھکائیں برچھیاں سی وے مژہ	خوں کا مجھ بے سرو پا کے بلا ساماں کیا
ایک ہی انداز نے اس کافرِ بے مہر کے	سا کنانِ کعبہ کو بے دین و بے ایماں کیا

لکھنؤ دلی سے آیا یاں بھی رہتا ہے اداس
میر کو سرگشتگی نے بے دل و حیراں کیا

۱۲۲۲

دل سنبھالے کہیں میں کل جو چلا جاتا تھا — ضعف اتنا تھا کہ بے بات ڈھلا جاتا تھا
بے دماغی کا سماں دیکھنے کی کس کو تاب — آنکھیں ملتا تھا جو وہ جی ہی ملا جاتا تھا ۹۶۴۵
سوزش دل کے سبب مرگ نہ تھی عاشق کی — اپنی غیرت میں وہ کچھ آپھی جلا جاتا تھا
ہلہلاوے ہے حقیری سے مجھے اب وہ بھی — جس شگفتے سے نہ جاگہ سے ہلا جاتا تھا

میر کو واقعہ کیا جانیے کیا تھا درپیش
کہ طرف دشت کے جوں سیل چلا جاتا تھا

۱۲۲۳

ترک لباس سے میرے اسے کیا وہ رفتہ رعنائی کا — جامے کا دامن پاؤں میں الجھا ہاتھ آنچل کلائی کا
پاس سے اٹھ چلتا ہے وہ تو آپ میں میں رہتا ہی نہیں — لے جاتا ہے جا سے مجھ کو جانا اس ہرجائی کا ۹۶۵۰
حال نہ میرا دیکھے ہے نہ کہے سے تامل ہے اس کو — محو ہے وہ خود آرائی کا پابے خود ہے خودرائی کا
ظاہر میں خورشید ہوا وہ نور میں اپنے پنہاں ہے — خالی نہیں ہے حسن سے چھپنا ایسے بھی پیدائی کا
یاد میں اس کی قامت کی میں لوہو رو رو سوکھ گیا — آخر یہ خمیازہ کھینچا اس خرج بالائی کا
بعد مرگ چراغ نہ لاوے گور پہ وہ عاشق کی آہ — جیتے جی بھی داغ ہی تھا میں اس کی بے پروائی کا

چشم وفا اخوان زماں سے سادہ ہو سو رکھے میر
۹۶۵۵ قصہ ہے مشہور زمانہ پہلے دونوں بھائی کا

۱۲۲۴

پھرے ہے وحشی سا گم گشتہ عشق کا تیرا — سبھوں سے پاتے ہیں بیگانہ آشنا تیرا
دریغ و درد تجھے کیوں ہے یاں تو جی ہی گئے — ہوا ہے ایک نگہ میں زیان کیا تیرا
جہاں بھرا ہے ترے شور حسن و خوبی سے — لبوں پہ لوگوں کی ہے ذکر جا بجا تیرا
نگاہ ایک ادھر ایک تیغ تیز کی اودھر — ہمارا خون ہی کرنا ہے مدعا تیرا

نظر کنھوں نے نہ کی حال میر پر افسوس
۹۶۶۰ غریب شہر وفا تھا وہ خاک پا تیرا

صورت شیریں کے آگے کام اپنا کر گیا ۱۲۲۵ عشق میں کس حسن سے فرہاد ظالم مر گیا

خانہ آبادی ہمیں بھی دل کی یوں ہے آرزو　　جیسے جلوے سے ترے گھر آرسی کا بھر گیا

میر سختی کش تھا غافل پر خدا نے خیر کی
حادثے کا کیسا اس کے سر پہ سے پتھر گیا

## ۱۲۲۶

کیا عشق سو پھر مجھے غم رہا　　مژہ نم رہیں حال درہم رہا
ضعیف و قوی دونوں رہتے نہیں　　نہ یاں زال ٹھہرا نہ رستم رہا　　۹۶۶۵
سحر جلوہ کیوں کر کرے کل ہو گیا　　یہ اندیشہ ہر رات ہر دم رہا
ہوا غم مجھے خوں جگر میں نہیں　　اگر آنسو آتے کوئی تھم رہا

رہی آتی آندھی سی سینے میں میر
بہت دن تڑپنے کا اودھم رہا

## ۱۲۲۷

مکے گیا، مدینے گیا، کربلا گیا　　جیسا گیا تھا ویسا ہی چل پھر کے آگیا
دیکھا ہو کچھ اس آمد و شد میں تو میں کہوں　　خود گم ہوا ہوں بات کی تہ اب جو پا گیا　　۹۶۷۰
کپڑے گلے کے میرے نہ ہوں آبدیدہ کیوں　　مانند ابر دیدۂ تر اب تو چھا گیا
جاں سوز آہ و نالہ سمجھتا نہیں ہوں میں　　یک شعلہ میرے دل سے اٹھا تھا جلا گیا
وہ مجھ سے بھاگتا ہے پھرا کبر و ناز سے　　جوں جوں نیاز کر کے میں اس سے لگا گیا
جور سپہر دوں سے برا حال تھا بہت　　میں شرم ناکسی سے زمیں میں سما گیا
دیکھا جو راہ جاتے تبختر کے ساتھ اسے　　پھر مجھ شکستہ پا سے نہ اک دم رہا گیا

بیٹھا تو بوریے کے تئیں سر پہ رکھ کے میر
صنعت کس ادب سے ہم فقرا کی اٹھا گیا

## ۱۲۲۸

عشق کی ہے بیماری ہم کو دل اپنا سب درد ہوا　　رنگ بدن میت کے رنگوں جیتے جی ہی یہ زرد ہوا

تب بھی نہ سر کھینچا تھا ہم نے آخر مر کر خاک ہوئے
اب جو غبار ضعیف اٹھا تھا پامالی میں گرد ہوا

## ۱۲۲۹

عشق کیا کیا آفتیں لاتا رہا — آخر اب دوری میں جی جاتا رہا

مہر و مہ گل پھول سب تھے پر ہمیں — چہرئی چہرہ ہی وہ بھاتا رہا ۹۶۸۰

دل ہوا کب عشق کی رہ کا دلیل — میں تو خود گم ہی اسے پاتا رہا

منہ دکھاتا برسوں وہ خوش رو نہیں — چاہ کا یوں کب تلک ناتا رہا

کچھ نہ میں سمجھا جنون و عشق میں — دیر ناصح مجھ کو سمجھاتا رہا

داغ تھا جو سر پہ میرے شمع ساں — پانو تک مجھ کو وہی کھاتا رہا

کیسے کیسے رک گئے ہیں میر ہم ۹۶۸۵
مدتوں منہ تک جگر آتا رہا

## ۱۲۳۰

اوصافِ مو کے شعر سے الجھاؤ پڑ گیا — دانتوں کو سلکِ دُر جو کہا میں سو لڑ گیا

جیتے جی یہ ملا نہ رہا سو رہا غریب — جو دل شکستہ ساتھ سے اس کے بچھڑ گیا

کیا اس کے دل جلے کی تمامی میں دیر ہو — جیسے چراغِ صبح شتابی نبڑ گیا

فرہاد پہلوانِ محبت پہاڑ تھا — بے طاقتی جو دل نے بہت کی پچھڑ گیا

گل رنگ رنگ شاخ سے نکلا بہار میں — آنکھیں سی کھل گئی ہیں جو مرجھا کے جھڑ گیا ۹۶۹۰

یاں حادثے کی باؤ سے ہر اک شجر حجر — کیسا ہی پایدار تھا آخر اکھڑ گیا

شرماوے سرو ہووے اگر آدمی روش
وصف اس کے قد کا میر سے سن کر اکڑ گیا

## ۱۲۳۱

جان اپنا جو ہم نے مارا تھا — کچھ ہمارا اسی میں وارا تھا

کون لیتا تھا نام مجنوں کا — جب کہ عہدِ جنوں ہمارا تھا

کوہ فرہاد سے کہیں آگے — سر مرا اور سنگِ خارا تھا ۹۶۹۵

ہم تو تھے محو دوستی اس کے — گو کہ دشمن جہان سارا تھا

لطف سے پوچھتا تھا ہر کوئی — جب تلک لطف کچھ تمہارا تھا

آستاں کی کسو کے خاک ہوا — آسماں کا بھی کیا ستارا تھا
پانو چھاتی پہ میری رکھ چلتا — یاں کبھو اس کا یوں گزارا تھا
موسم گل میں ہم نہ چھوٹے حیف — گشت تھا دید تھا نظارا تھا
اُس کی ابرو جو ٹک جھکی ایدھر — قتل کا تیغ سے اشارا تھا

عشق بازی میں کیا مؤئے ہیں میر
آگے ہی جی اُنھوں نے ہارا تھا

## ۱۲۳۲

خوب کیا جو اہلِ کرم کے جود کا کچھ نہ خیال کیا — ہم جو فقیر ہوئے تو ہم نے پہلے ترکِ سوال کیا
روند کے جور سے اُن نے ہم کو پانو حنائی اپنے کیے — خون ہمارا بسمل گہ میں کن رنگوں پامال کیا
۹۷۰۵ نکلے ہے گرگھاس جلی بھی خاک سے اُلفت کشتوں کی — یہ بالیدہ بہر بہر ہے گویا اُن نے نہال کیا
دل جو ہمارا خون ہوا تھا رنج و الم میں گزری ہمیں — یعنی ماتم اس رفتہ کا ہم نے ماہ و سال کیا

میر سدا بے حال رہو ہو مہر و وفا سب کرتے ہیں
تم نے عشق کیا سو صاحب کیا یہ اپنا حال کیا

## ۱۲۳۳

ہم کوئے مغاں میں تھے ماہِ رمضاں آیا — صد شکر کہ مستی میں جانا نہ کہاں آیا
گو قدر محبت میں بھئی سہل مری لیکن — سستا جو بکائیں تو تجھ کو بھی گراں آیا
۹۷۱۰ رسم اُٹھ گئی دنیا سے اک بار مروت کی — کیا لوگ زمیں پر ہیں کیسا یہ سماں آیا
یہ نفع ہوا نقصاں چاہت میں کیا جی کا — کی ایک نگہ اُن نے سو جی کا زیاں آیا
بلبل بھی تو نالاں تھی پر سارے گلستاں میں — اک آگ پھنکی میں جب سرگرم فغاں آیا
طائر کی بھی رہتی ہے پھر جان چمن ہی میں — گل آئے جہاں وہ بھی جوں آبِ رواں آیا

خلوت ہی رہا کی ہے مجلس میں تو یوں اُس کی
ہوتا ہے جہاں یک جا میں میر جہاں آیا

## ۱۲۳۴

۹۷۱۵ خوں نہ ہوا دل چاہیے جیسا گو اب کام سے جاوے گا — کام اپنے وہ کیا آیا جو کام ہمارے آوے گا

آنکھیں لگی رہتی ہیں اکثر چاکِ قفس سے اسیروں کی — جھونکا بادِ بہاری کا گُل برگ کوئی یاں لاوے گا

فتنے رکتے جمع ہوئے ہیں زلف و خال و خد و قد — کوئی نہ کوئی عہد میں میرے سر ان میں سے اٹھاوے گا

عشق میں تیرے کیا کیا سُن کر یار گئی کر جاتے ہیں — یعنی غم کھاتے ہیں بہت ہم غم بھی ہم کو کھاوے گا

ایک نگہ کی اُمید بھی اُس کی چشمِ شوخ سے ہم کو نہیں — ایدھر اُدھر دیکھے گا پر ہم سے آنکھ چھپاوے گا

اب تو جوانی کا یہ نشہ ہی بے خود تجھ کو رکھے گا — ہوش گیا پھر آوے گا تو دیر تلک پچھتاوے گا ۹۷۲۰

دیر سے اس اندیشہ نے ناکام رکھا ہے میرؔ ہمیں
پانوں چھوئیں گے اُس کے ہم تو وہ بھی ہاتھ لگاوے گا

## ۱۲۳۵

بہار آئی چلو چمن میں ہوا کے اوپر بھی رنگ آیا — کہاں تلک گُل نہ ہووے غنچہ رہا ہے منھ موند سو تنگ آیا

چلے ہیں مونڈھے پھٹی ہے کہنی چسی ہے چولی پھنسی ہے ٹھہری — قیامت اُس کی ہے تنگ پوشی ہمارا جی تو بہ تنگ آیا

وُہی ہے رونا وہی ہے کڑھنا وہی ہے سوزش جوانی کی سی
بڑھاپا آیا ہے عشق ہی میں پہ میرؔ ہم کو نہ ڈھنگ آیا

## ۱۲۳۶

دِل کو کہیں لگنے دو میرے کیا کیا رنگ دکھاؤں گا — چہرے سے خونِ ناب ملوں گا پھولوں سے گل کھاؤں گا ۹۷۲۵

عہد کیے جاؤں ہوں اب کی آخر مجھ کو غیرت ہے — تو بھی منانے آوے گا تو ساتھ نہ تیرے جاؤں گا

گرچہ نصیحت سب ضائع ہے لیکن خاطرِ ناصح کی — دل دیوانہ کیا سمجھے گا اور بھی میں سمجھاؤں گا

جھک کے سلام کسو کو کرنا سجدہ ہی ہو جاتا ہے — سر جاوے گو اس میں میرا سر نہ فرو میں لاؤں گا

سر ہی سے سر واہ یہ سب ہے ہجر کی اُس کی کلفت میں — سر کو کاٹ کے ہاتھ پہ رکھے آپھی ملنے جاؤں گا

خاک ملا منھ ہو آنکھوں میں چاک گریباں تا دامن — صورتِ حال اب اپنی اس کے خاطر خواہ بناؤں گا ۹۷۳۰

دل کے تئیں اس راہ میں کھو افسوس کناں اب پھرتا ہوں
یعنی رفیق شفیق پھر ایسے میرؔ کہاں میں پاؤں گا

## ۱۲۳۷

اگرچہ جہاں میں نے سب چھان مارا — ولے اس کی نایابی نے جان مارا

قیامت کر حسبِ ہمانہ شاعری پر — مرے سر سے میرا ہی دیوان مارا

رہائی ہے اس صید افگن سے مشکل | گیا سانجھ تو صبح پھر آن مارا
۹۷۳۵ لگا آتشیں نالہ شب اپنے دل کو | اس انداز سے جیسے اک بان مارا

قیامت کا عرصہ ہے اے میرؔ درہم
مرے شور و زاری نے میدان مارا

۱۲۳۸

جگر خوں کیا چشم نم کر گیا | گیا دل سو ہم پر ستم کر گیا
ان آنکھوں کو نرگس لکھا تھا کہیں | مرے ہاتھ دونوں قلم کر گیا
شب اک شعلہ دل سے ہوا تھا بلند | تنِ زار میرا بھسم کر گیا
۹۷۴۰ مرے مزرعِ زرد پر شکر ہے | کل اک ابر آیا کرم کر گیا
نہ اک بار وعدہ وفا کر سکا | بہت بار قول و قسم کر گیا
فقیری میں تھا شیب بارِ گراں | قدِ راست کو اپنے خم کر گیا

بکائے شب و روز اب چھوڑ میرؔ
نواحِ آنکھوں کا تو ورم کر گیا

۱۲۳۹

یاری کیے کسو کا کاہے کو نام نکلا | ناکامِ عشق تب تو عاشق کا نام نکلا
۹۷۴۵ ہنگامے سے جہاں میں ہم نے جنوں کیا ہے | ہم جس طرف سے نکلے ساتھ ازدحام نکلا
پامالیٔ خطر سے نکلا نہ کبک اودھر | جیدھر سے ناز کرتا وہ خوش خرام نکلا
جنگِ زمانہ میں تو مبحث ہے عشق ہی کا | بے جا ہوا دل اپنا جب وہ مقام نکلا

جانا تھا تجھ کو ہم نے تو پختہ مغز ہوگا
دیکھا تو میرؔ تیرا سودا بھی خام نکلا

۱۲۴۰

سنے ہم سے کچھ نہ اس ستم ایجاد سے ہوا | ظلم صریح عشق کی امداد سے ہوا
۹۷۵۰ شیریں کا حسن ایسا تھا جو خستہ جان دیں | جو کچھ ہوا سو خواہش فرہاد سے ہوا
خوش زمزمہ طیور ہی ہوتے ہیں میرؔ اسیر | ہم پر ستم یہ صبح کی فریاد سے ہوا

## ۱۲۴۱

زار کیا بیمار کیا اس دل نے کیسا آزار کیا — داغ سے تن گلزار کیا سب آنکھوں کو خوں بار کیا

جرم ہے ہم الفت کشتوں کا لگ پڑنے سے شوخ ہوا — اب کہتے ہیں دل میں اپنے ہم نے اسے کیوں پیار کیا

چاہا ہم نے کیا کیا تھا پر اپنا چاہا کچھ نہ ہوا — عزت کھوئی ذلت کھینچی عشق نے خوار و زار کیا

پیش گئی کب پیشِ زمانہ طبع خشن ہر ناکس کی — اک گردش میں سپہر نے جیسے سطح زمیں ہموار کیا ۹۷۵

سادگی میری آہ نہ جانا جی ہی اس میں جاتا ہے — عشق کا اس پرکار کے ہیں نے لوگوں میں اقرار کیا

## ۱۲۴۲

سینے کا سوز بہت بھڑکا جلا تن مارا — جامہ زیبوں نے غضب آگ پہ دامن مارا

صورت اس کی مری کھینچی تھی گلے لگتے ہوئے — سو جفا کار نے نقاش کو گردن مارا

دل ہی میں خون ہوئی وصل کی خواہش اے میر
ہم نے آزادگی ہجر سے کیا من مارا

## ۱۲۴۳

پیری میں بے دنداں ہو بیٹھے پر افسوس یہ ہم کو رہا — دانت تمھارے منھ میں کیے ہیں اس مغرور نے لیکن نہ کہا ۹۷۶

کیا روداد کہیں ہم اپنی گریہ زارِ محبت کی — رونا سا کوئی روئے ہیں آنکھوں سے اک رود بہا

صبر مرا سا بے جرمی پر ہو نہ سکے گا انساں سے
جور و جفا و ستم جو گزرے سب کچھ میں نے میر سہا

## ۱۲۴۴

چاہت کا اظہار کیا سو اپنا کام خراب ہوا — اس پردے کے اٹھ جانے سے اس کو ہم سے حجاب ہوا

ساری ساری راتیں جاگے عجز و نیاز و زاری کی — تب جا کر ملنے کا اس کے صبح کے ہوتے جواب ہوا

کیا کہیے مہتاب میں شب کی وہ بھی ٹک آ بیٹھا تھا — تابِ رخ اس مہ نے دیکھی سو دریا ہے بیتاب ہوا ۹۷۷

شمع جو آگے شام کو آئی رشک سے جل کر خاک ہوئی — صبح گل تر سامنے ہو کر جوشِ شرم سے آب ہوا

مرتے نہ تھے ہم عشق کے رفتہ بے کفنی سے یعنی میر
دیر میسر اس عالم میں مرنے کا اسباب ہوا

دل کا ہنگامہ قیامت خاک کس عالم میں تھا ۱۲۴۵ تھا محبت سے کبھو ہم میں کبھو یہ غم میں تھا

کیا ہوا پہلو سے دل کیا جانوں کیا جانوں ہوں میں ایک قطرہ خوں جھمکتا صبح چشم نم میں تھا

۹۷۷۰ میر گزرے دونوں یاں عید و محرّم ایک سے
یعنی دس دن جینے کے میں اپنے ہی ماتم میں تھا

۱۲۴۶

وفاداری نے جی مارا ہمارا اسی میں ہوگا کچھ وارا ہمارا
چڑھی تیوری کبھو اس کی نہ اتری غضب ہے قہر ہے پیارا ہمارا
رہا افسوس آنکھیں تر ہوئیں تو کہ آنسو تھا جگر پارا ہمارا
گلہ لب تک نہ آیا میر ہرگز
کھپا جی ہی میں غم سارا ہمارا

# ب

۱۲۴۷

۹۷۷۵ ہوا جو دل خوں خرابی آئی ہر ایک اعضا میں ہے فتور اب
حواس گم ہیں دماغ گم ہے، رہا سہا بھی گیا شعور اب
مریں گے غائب ہزار یوں تو نظر میں ہرگز نہ لاوے گا تو
کریں گے ضائع ہم آپ ہی کو بتنگ ہو کر ترے حضور اب
وجوب امکاں میں کیا ہے نسبت کہ میر بندے کا پیش صاحب
نہیں ہے ہونا ضرور کچھ تو مجھے بھی ہونا ہے کیا ضرور اب

۱۲۴۸

گیا گئی جان و دل سے تاب شتاب آنسو آتے ہیں اب شتاب شتاب
ہلیں وے پلکیں اور کئی رخنے حال دل ہو گیا خراب شتاب
یوں صبا بھی سبک نہیں جاتی جوں گیا موسم شباب شتاب
پیر ہو کر ہوا ہوں یوں غافل جیسے لڑکوں کو آوے خواب شتاب
مرتے ہیں ہو جواب نامہ وہی آوے خط کا اگر جواب شتاب

مہربانی تو دیر ہیں ہے کبھو ہے دل آزاری و عتاب شتاب

یاں قدم چاہیے رکھیں گن کر
میر لے ہے کوئی حساب شتاب

## ۱۲۴۹

بیکار بھی درکار ہیں سرکار میں صاحب
آتے ہیں کھنچے ہم کبھو بیگار میں صاحب ۹۷۸۵

محروم نہ رہ جائیں کہیں بعدِ فنا بھی
شبہہ ہے ہمیں یار کے دیدار میں صاحب

لیتی ہے ہوا رنگ سراپا سے تمھارے
معلوم نہیں ہوتے ہو گلزار میں صاحب

رہتا تھا سر زلف بھی زیر کلہ آگے
سو بال گھر سے نکلے ہیں دستار میں صاحب

ہے چار طرف شور مری بے خبری کا
کیا کیا خبریں آتی ہیں اخبار میں صاحب

گو فہم نہ ہو کفر کی اسلام کی نسبت
رشتہ ہے عجب سبحہ و زنار میں صاحب ۹۷۹۰

یا گفتگو کا میری نہ کرتے تھے کبھو ذکر
یا ہر سخن اب آوے ہے تکرار میں صاحب

طالع سے زلیخا نے لیا مصر میں یوسف
کب ایسا غلام آوے ہے بازار میں صاحب

رکھتی ہے لکھا ساتھ مٹا دینے کا میرے
جوہر نہیں ہے آپ کی تلوار میں صاحب

یہ عرض مری یاد رہے بندگی میں میر
جی بچتے نہیں عشق کے اظہار میں صاحب

## ۱۲۵۰

دردِ سر کا پہر پہر ہے اب
زندگانی ہی دردِ سر ہے اب ۹۷۹۵

وہ دماغ ضعیف بھی نہ رہا
بے دماغی ہی بیشتر ہے اب

کیا ہمیں ہم تو ہو چلے ٹھنڈے
گرم گو یار کی خبر ہے اب

کیا کہیں حالِ خاطرِ آشفتہ
دل خدا جانیے کدھر ہے اب

عزلتی میر جوں صبا اُس بن
خاک بر سر ہے در بدر ہے اب

## ۱۲۵۱

جوش رونے کا مجھے آیا ہے اب
دیدۂ تر ابر سا چھایا ہے اب ۹۸۰۰

ٹیڑھے بانکے سیدھے سب ہو جائیں گے — اُس کے بالوں نے بھی بل کھایا ہے اب
ہوں بخود تو کوئی پہنچے مجھ تلک — بے خودی نے حال پہنچایا ہے اب
کاش کے ہو جائے سینہ چاک چاک — رُکتے رُکتے جی بھی گھبرایا ہے اب
راہ پر وہ کیونکہ آوے مستِ ناز — دشمنوں نے اُس کو بہکایا ہے اب
۹۸۰۵ کیا جبیں گئے داغ ہو کر خوں ہوا — زندگی کا دل جو سرمایا ہے اب

میر شاید کعبے ہی میں رہ پڑے
دیر سے تو یاں خدا لایا ہے اب

۱۲۵۲

کیا کریں تدبیرِ دل مقدور سے باہر ہے اب — ناامیدی اس زندگانی کرنے سے اکثر ہے اب
جن دنوں ہم کافروں سے ربط تھا وے ہو چکے — وہ بتِ بے مہر اپنی اور سے پتھر ہے اب
دور تک رسوا ہوا ہوں شہروں شہروں ملک ملک — میرے شعر و شاعری کا تذکرہ گھر گھر ہے اب
۹۸۱۰ وہ طبیعت ہی نہیں ہے میری اے مشفق طبیب — کر دوا جو طبع میں آوے تری بہتر ہے اب
بے خود اس مستِ ادا و ناز بن رہتے ہیں ہم — عالم اپنا دیکھیے تو عالمِ دیگر ہے اب
وہ سپاہی پیشہ لوگوں ہی میں رہتا ہے گھرا — گرد پیش اُس دشمنِ احباب کے لشکر ہے اب

گفتگو انسان سے محشر میں ہے یعنی کہ میر
سارا ہنگامہ قیامت کا مرے سر پر ہے اب

۱۲۵۳

خلافِ وعدہ بہت ہوئے ہو کوئی تو وعدہ وفا کرو اب
ملا کے آنکھیں دروغ کہنا کہاں تلک کچھ حیا کرو اب
۹۸۱۵ خیال رکھیے نہ سرکشی کا شنو ہو صاحب کہ پیری آئی
خمیدہ قامت بہت ہوا ہے جھکائے سر ہی رہا کرو اب
کہاں ہے طاقت جو میر کا دل سب ان بلاؤں کی تاب لاوے
کرشمے غمزے کو ناز سے ٹک ہماری خاطر جدا کرو اب

۱۲۵۴

یار بہرا بہت ہے یار فریب — مکر ہے عہد سب قرار فریب

راہ رکھتے ہیں اُس کے دام سے صید ہے بلا کوئی وہ شکار فریب
عہدے سے نکلیں کس طرح عاشق ایک ادا اس کی ہے ہزار فریب

التفات زمانہ پر مت جا
میر دیتا ہے روزگار فریب ٩٨٢٠

١٢٥٥

کوئی اپنا نہ یار ہے نہ حبیب اس ستم گر کے ہم ہیں شہر غریب

سر رگڑتے اس آستاں پر میر
یاری کرتے اگر ہمارے نصیب

## ت

١٢٥٦

جب سے آنکھیں لگی ہیں ہماری نیند نہیں آتی ہے رات
تکتے راہ رہے ہیں دن کو آنکھوں میں جاتی ہے رات

سخت ہیں کیا ایام جدائی دشواری سے کٹتے ہیں
دن دیواروں سے سر ماروں ہوں پتھر ہے چھاتی ہے رات

جوں توں ہجر کے غم میں اُس کے شام و سحر ہم کرتے ہیں
ورنہ کسے دن خوش آتا ہے کس کے تئیں بھاتی ہے رات ٩٨٢٥

رات کو جس میں چین سے سوویں سو تو اُس کی جدائی ہیں
شمع نمط جلتے رہتے ہیں اور ہمیں کھاتی ہے رات

روز و شب کی اپنی معیشت نقل کریں کیا تم سے میر
دن کو قیامت جی پہ رہے ہے سر پہ بلا لاتی ہے رات

١٢٥٧

دیر کب رہنا ملے ہے یاں نہیں مہلت بہت دی کسے فرصت سپہر دوں ہے کم فرصت بہت
کم نہیں دیوانہ ہونا بھی ہمارا دفعتہً ڈر یہ ہے ہو جاوے خرد دور کی جو بیٹھے مت بہت[1]
گریۂ و زاری سے روز و شب کی شکوے کچھ نہیں مجھ کو رونا یہ ہے جی کو اس سے ہے اُلفت بہت ٩٨٣٠

[1] کذا فی الاصل (د آسی :

کیا وداع اس یار کے کوچے سے ہم مشکل ہوئے — زار باراں لوگ روتے تھے دمِ رخصت بہت

بعدِ مرگ آنکھیں کھلی رہنے سے یہ جانا گیا — دیکھنے کی اس کے میرے جی میں تھی حسرت بہت

سن کے ضائع روزگاری اس کی جی لایا نہ تاب — آپ کو کر بیٹھے ضائع ہم کو تھی غیرت بہت

آنکھیں جاتی ہیں مندی ضعفِ دلی سے دم بہ دم — ان دنوں ان کو بھی ایدھر ہی سے ہے غفلت بہت

۹۸۳۵ دل گئے پر آج کل سے چپ نہیں مجھ کو لگی — گزری اس بھی بات کو اے ہم نفس مدت بہت

دل میں جا کرتا ہے طورِ میرؔ شاید دوستاں
ان نے صاحب دل کسو سے رکھی ہے صحبت بہت

## ۱۲۵۸

چشم رہنے لگی پُر آب بہت — شاید آوے گا خونِ ناب بہت

دیر و کعبے میں اس کے خواہش مند — ہوتے پھرتے ہیں ہم خراب بہت

دل کے دل ہی میں رہ گئے ارمان — کم رہا موسمِ شباب بہت

۹۸۴۰ مارنا عاشقوں کا گر ہے ثواب — تو ہوا ہے تمہیں ثواب بہت

کہیے بے پردہ کیونکہ عاشق ہیں — ہم کو لوگوں سے ہے حجاب بہت

میرؔ بے خود ہیں اس جناب سے اب
چاہیے سب کو اجتناب بہت

## ۱۲۵۹

دل نے کام کیے ہیں ضائع دلبر سے ہے دل خواہ بہت — قدر بہت ہی کم ہے دل کی پر دل میں ہے چاہ بہت

راہ کی بات سنی بھی ہے تو جانا حرفِ غریب اس کو — خوبی پر اپنی حسن پہ اپنے پھرتا ہے گمراہ بہت

۹۸۴۵ حیرانی ہے کیونکر ہووے نسبت اپنی اس سے درست — بندہ تو ہے عاجز عاجز اس کو غرورٌ اللہ بہت

شوق کا خط طومار ہوا تھا ہاتھ میں لے کر کھولا جب — کہنے لگا کیا کرنے لکھے ہے اب تو نامہ سیاہ بہت

سب کہتے ہیں ہوئے تو جہ ایدھر کرنے کہتا تھا — شاید یوں بھی ظاہر ہووے ہے تو سہی افواہ بہت

اب تو پیر ہی حضرت ہو کر ایک کنارے بیٹھے ہیں — جب تھی جوانی تب تو ہم بھی جاتے تھے درگاہ بہت

کیا گزری ہے جی پہ تمھارے ہم سے تو کچھ میرؔ کہو
آنے لگی ہے درد و الم سے صاحب لب پر آہ بہت

کرتا ہے گرچہ یاروں سے وہ ٹیڑھی بانکی بات ۔۔۔ پر کیا ہی دل کو لگتی ہے اُس بدزباں کی بات ۹۸۵۰

تھی بجلی کی سی لہر کہ آئی چلی گئی ۔۔۔ پہونچی ہے اس سرے تئیں طبعِ رواں کی بات

اب تو وفا و مہر کا مذکور ہی نہیں ۔۔۔ تم کس سمیں کی کہتے ہو ہے یہ کہاں کی بات

مُرغِ اسیر کہتے تھے کس حسرتوں سے ہائے ۔۔۔ ہم بھی کبھی سنیں گے گُلوں کے دہاں کی بات

شب باش اُن نے کہتے ہیں آنے کہا ہے میر

دن اچھے ہوں تو یہ بھی ہو اس مہرباں کی بات

## ث

۱۲۶۱

نہیں گر چوٹ دل پر گریۂ وزاری کا کیا باعث ۔۔۔ رُکن کاہے کو چشمِ تر کی خوں باری کا کیا باعث ۹۸۵۵

ہوئے تختے چمن کے چھاتیاں اے عشق داغوں سے ۔۔۔ بہار آنے سے آگے ایسی گُل کاری کا کیا باعث

تماشہ ہے کہ اکثر نرگسی زن رہتے ہو ہم پر

ہمیں سے پُوچھو تو پھر میر بیماری کا کیا باعث

۱۲۶۲

عہد اُس کا غلط قرار عبث ۔۔۔ دل ہمارا ہے بے قرار عبث

ہم گلا کاٹتے ہی تھے اپنا ۔۔۔ تو گلے کا ہُوا ہے ہار عبث

لوہو رونے نے سب نچوڑ لیا ۔۔۔ اب پیے خوں روزگار عبث ۹۸۶۰

آہ وہ کس قدر ہے مُستغنی ۔۔۔ لوگ اُس کے ہوئے شکار عبث

ہم تو آگے ہی مردے ہیں میر

تیغ کھینچے پھرے ہے یار عبث

## ج

۱۲۶۳

حال بُرا ہے تم کو ہم سے اتنی غفلت کیا ہے آج ۔۔۔ کوئی گھڑی تو پاس رہو یاں پھر کس فرصت کیا ہے آج

سامنے ہے وہ آئینہ پر آنکھ نہیں کھل سکتی ہے ۔۔۔ دل تنگی سے رُکے ہے دَم کیا کہیے صورت کیا ہے آج

٩٨٦٥ فرق و تیغ بجے رہتے ہیں جب سے دل کی لاگ لگی
اُس ظالم بے رحم کی میری ایسی صحبت کیا ہے آج

شیشہ صُراحی ساغر و مینا سب کل تک بھی حاضر تھے
کوُ ئے بادہ فروشاں میں یہ میری حرمت کیا ہے آج

میر کھڑے اک ساعت ہی میں غش تم کرنے لگتے ہو
تاب نہیں کیا ضعف ہے دل میں جی بے طاقت کیا ہے آج

## ۱۲۶۴

ہم تو لبِ خوش رنگ کو اُس کے مانا لعلِ احمر آج
اور غرور سے اُن نے ہم کو جانا کنکر پتھر آج

عشق کے جو سرگشتہ ہوئے ہم رفتہ رفتہ دوار ہوا
پانو میں چکّر ہوتا ہے یاں سر کو بھی ہے چکّر آج

٩٨٧٠ عرش پہ دھونی لگانے کو تھے دُودِ دل سے کب ہم
خاک پہ یاں کی درویشانہ ہم نے بچھایا بستر آج

جینے سے ہم غم کشتوں کی خاطر تم بھی جمع کرو
کل تک کام نہیں کھنچے گا غش آتا ہے اکثر آج

مُلکوں مُلکوں شہروں شہروں قریہ و قصبہ دیہہ و دیار
شعر و بیت و غزل پہ اپنی ہنگامہ ہے گھر گھر آج

خط سے آگے مہر و وفا کا دعویٰ سب کچھ صادق تھا
جامۂ مُصحف گو پہنے وہ کون کرے ہے باور آج

دیدہ و دل بھی اُس کی جانب میلِ کلّی رکھتے ہیں
عشق میں ہم بے کس ہیں واقع یار نہیں ہے یاور آج

٩٨٧٥ عشق کیا ہو ہم نے کہیں تو عشق ہمارا جی مارے
یوں ہی نکو رُو دلبر اپنا ہم سے ہوا ہے بدبر آج

رحم کی جاگہ کی ہے پیدا شاید اُس کے دل میں بھی
دیکھ رہا ہے مُنھ کو ہمارے حال ہمارا سُن کر آج

کل کہتے ہیں قیامت ہو گی کل کی کل ہیں لیں گے دیکھ
یاں تو قیامت عشق میں اس کے ہے گی اپنے سر پر آج

کرتی ہے بُو وہ زُلفِ معنبر آئے ہو بے خود سے کچھ
بارے مزاج شریف تمھارا میر گیا کیدھر ہے آج

## چ

## ۱۲۶۵

آگے تو رسمِ دوستی کی تھی جہاں کے بیچ
اب کیسے لوگ آئے زمین آسماں کے بیچ

٩٨٨٠ میں بے دماغ عشق اُٹھا سُو چلا گیا
بُلبُل پکارتی ہی رہی گلستاں کے بیچ

تحریک چلنے کی ہے جو دیکھو نگاہ کر
ہیئت کو اپنی موجوں میں آبِ رواں کے بیچ

کیا میل ہو ہُما کی پس از مرگ میری اُور
ہے جائے گیر عشق کی تب استخواں کے بیچ

کیا جانوں لوگ کہتے ہیں کس کو سُرورِ قلب
آیا نہیں یہ لفظ تو ہندی زباں کے بیچ

طالع سے بن گئی کہ ہم اس مہ کنے گئے
بگڑی تھی رات اُس کے سگِ پاسباں کے بیچ

اتنی جبیں رگڑی کہ سنگ آئینہ ہوا
آنے لگا ہے مُنھ نظر اس آستاں کے بیچ ۹۸۸۵

خوگر ہوئے ہیں عشق کی گرمی سے خار و خس
بجلی پڑی رہی ہے مرے آشیاں کے بیچ

اُس روئے برفروختہ سے جی ڈرے ہے میر
یہ آگ جا لگے گی کسو دود ماں کے بیچ

۱۲۶۶

صورت پھرے نہ یار کی کیوں چشم تر کے بیچ
تاثیر ہے گی اہلِ وفا کی ہنر کے بیچ

خوش سیرتی ہے جس سے کہ ہوتا ہے اعتبار
ہے چوبِ خشک بو جو نہ ہووے اگر کے بیچ

اُس کے سمندِ ناز کا پامال تو رہوں
اے کاش میری گور کریں رہ گذر کے بیچ ۹۸۹۰

مُنھ اُس کا دیکھ رہیے کہ رفتارِ ناز کو
سر تا قدم ہے لطف ہی اُس خوش پسر کے بیچ

ہر دانۂ سرشک میں تارِ نگاہ ہے
اس رشتے کی روش کہ جو ہووے گہر کے بیچ

کیا دل کو خوں کیا کہ تڑپنے لگا جگر
یکتائے روزگار ہیں ہم اس ہنر کے بیچ

ایسا ہوا ہے قیمہ کہ اب ہے حساب پاک
کہیے جو کچھ بھی باقی ہوا اپنے جگر کے بیچ

ہے اپنے خانوادے میں اپنا ہی شور میر ۹۸۹۵
بلبل بھی ایک ہی بولتا ہوتا ہے گھر کے بیچ

۱۲۶۷

رنج کیا کیا ہم نے کھینچے دوستی یاری کے بیچ
کیا ہوئی تقصیر اُس کی ناز برداری کے بیچ

دوش و آغوش و گریباں دامن گلچیں ہوئے
گل فشانی کر رہی ہے چشم خوں باری کے بیچ

ایک کو اندیشۂ کار ایک کو ہے فکرِ یار
لگ رہے ہیں لوگ سب چلنے کی تیاری کے بیچ

منتظر تو رہتے رہتے پھر گئیں آنکھیں ندان
وہ نہ آیا دیکھنے ہم کو تو بیماری کے بیچ

جان کو قیدِ عناصر سے نہیں ہے وارہی
تنگ آئے ہیں بہت اس چار دیواری کے بیچ ۹۹۰۰

روتے ہی گزری ہیں سب شب نشینی باغ کی
اوس سی پڑتی رہی ہے رات ہر کیاری کے بیچ

یاد پڑتا ہے جوانی تھی کہ آئی رفتگی
ہو گیا ہوں میں تو مستِ عشق ہشیاری کے بیچ

ایک ہوویں جو زبان و دل تو کچھ نکلے بھی کام
یوں اثر اے میر کیا ہو گریہ و زاری کے بیچ

گل منعکس ہوئے ہیں بہت آب جو کے بیچ — جائے شراب پانی بھریں گے سبو کے بیچ

۹۹۰۵ ستھراؤ کر دیا ہے تمنائے وصل نے — کیا کیا عزیز مر گئے اس آرزو کے بیچ

بحث آپڑے جو لب سے تمھارے تو چپ رہو — کچھ بولنا نہیں تمھیں اس گفت گو کے بیچ

ہم ہیں قلندر آکر اگر دل سے دم بھریں — عالم کا آئینہ ہے سیہ ایک ہو کے بیچ

گل کی تو بو سے عشق نہیں آتا کسو کے تئیں
ہے فرق میر پھول کی اور اس کی بو کے بیچ

# ح

## ۱۲۶۹

کیا ہم بیاں کسو سے کریں اپنے ہاں کی طرح — کی عشق نے خرابی سے اس خانداں کی طرح

۹۹۱۰ جوں سبزہ چل چمن میں لب جو پہ سیر کر — عمر عزیز جاتی ہے آب رواں کی طرح

جو سقف بے عمد ہو نہیں اس کا اعتماد — کس خانماں خراب نے کی آسماں کی طرح

اثبات بے ثباتی ہوا ہوتا آگے تو — کیوں اس چمن میں ڈالتے ہم آشیاں کی طرح

اب کہتے ہیں بلا ہے ستم کش یہ پیرگی — قد جو ہوا خمیدہ ہمارا کماں کی طرح

نقصان جاں صریح تھا سودے میں عشق کے — ہم جان کر نکالی ہے جی کے زیاں کی طرح

۹۹۱۵ دل کو جو خوب دیکھا تو ہو کا مکان ہے — ہے اس مکاں میں ساری وہی لامکاں کی طرح

کل دیکھ آفتاب کو رویا ہوں دیر تک — غصے میں ایسی ہی تھی مرے مہرباں کی طرح

جاوے گا اپنی بھول طرح داری میر وہ
کچھ اور ہو گئی جو کسو ناتواں کی طرح

## ۱۲۷۰

مر گیا فرہاد جیسے مرتے بارے اس طرح — سر کوئی پتھر سے مارے بھی تو مارے اس طرح

ٹکڑے ٹکڑے کر دکھایا آپ کو میں نے اسے — یعنی جی مارا کرو آئندہ پیارے اس طرح

۹۹۲۰ مست و بے خود ہر طرف پہروں پھرا کرتے ہو تم — حیف ہے آتے نہیں ٹک گھر ہمارے اس طرح

عشق کی کہیے طرح کیا وامق و فرہاد و قیس — بے کسانہ مر گئے وے لوگ سارے اس طرح

جو عرق تحریک میں اس رشکِ مہ کے منھ پہ ہے
میرؔ کب ہوتے ہیں گرمِ جلوہ تارے اس طرح

۱۲۷۱

پہنچے ہے ہم کو عشق میں آزار ہر طرح — ہوتے ہیں ہم ستم زدہ بیمار ہر طرح

ترکیب و طرح ناز و ادا سب سے دل لگی — اس طرح دار کے ہیں گرفتار ہر طرح

یوسف کی اس نظیر سے دل کو نہ جمع رکھ — ایسی متاع جاتی ہے بازار ہر طرح ۹۹۲۵

جس طرح میں دکھائی دیا اس سے لگ پڑے — ہم کشت و خوں کے ہیں گے سزاوار ہر طرح

چھپ لگ کے بام دور سے گلی کوچے میں سے میرؔ
ہیں دیکھ لوں ہوں یار کو اک بار ہر طرح

## خ

ہے میرے جو سرشک دمادم کا رنگ سرخ ۱۲۷۲ ریزش سے اس کی تختہ ہے سینے کا سنگ سرخ

## د

زردی عشق سے ہے تن زار بد نمود ۱۲۷۳ اب میں ہوں جیسے دیر کا بیمار بد نمود

بے برگی بے نوائی سے ہیں عشق میں نزار — پائیز دیدہ جیسے ہوں اشجار بد نمود ۹۹۳۰

ہر چند خوب تجھ کو بنایا خدا نے لیک — اے ناز پیشہ کبر ہے بسیار بد نمود

ہیں خوشنما جو سہل مریں ہم ولے ترا — خونریزی میں ہماری ہے اصرار بد نمود

پوشیدہ رکھنا عشق کا اچھا تھا حیف میرؔ
سمجھا نہ میں کہ اس کا ہے اظہار بد نمود

کب سے ہے باغ کے پس دیوار باش و بود ۱۲۷۴ مشکل کریں ہیں جیسے گرفتار باش و بود

دنیا میں اپنے رہنے کا کیا طور ہم کہیں — زنداں میں جوں کریں ہیں گنہگار باش و بود ۹۹۳۵

بے یار کس کا جینے کو جی چاہتا ہے میرؔ
کرتے ہیں ہم ستم زدہ ناچار باش و بود

۱۲۷۵

جاوے جدائی کا یہ آزار گاہ باشد — اچھا بھی ہووے دل کا بیمار گاہ باشد

اُمیدوار اُس کے ملنے کے جیسے ہیں ہم — آ نکلے ناز کرتا یاں یار گاہ باشد

گو قدر دل کی کم ہے پر چیز کام کی ہے — سے تو رکھیں تمھیں ہو درکار گاہ باشد

۹۹۴۰ کہتا ہوں سو کہے ہے لیکن رہوں ہوں ڈرتا — آوے کسو سخن پر تکرار گاہ باشد

کہتے تو ہیں گئے سو کب آئے کیا کریں تب — جو خوابِ مرگ سے ہوں بیدار گاہ باشد

غصّے سے اپنے ابروٗ جو خم کرے ہے ہر دم — وہ اک لگا بھی بیٹھے تلوار گاہ باشد

غیرت سے عشق کی ڈر کیا شیخ کبر دینی — تسبیح کا ہو رشتہ زُنّار گاہ باشد

وحشت پہ میری مت جا غیرت بہت ہے مجھ کو — ہو بیٹھوں مرنے کو بھی تیار گاہ باشد

ہے ضبط عشق مشکل ہوتا نہیں کسوٗ سے

۹۹۴۵ ڈر میر بھی ہو اس کا اظہار گاہ باشد

۱۲۷۶

تن کو جس جاگہ سے چھیڑوں ہوں وُہاں ہے درد درد — ہاتھ لگتے دِل کے ہو جاتا ہوں کچھ میں زرد زرد

اب تو وہ حسرت سے آہ و نالہ کرنا بھی گیا

کوئی دَم ہونٹوں تک آ جاتا ہے گاہے سرد سرد

۱۲۷۷

اُس کی دوری میں کُڑھا کرتے ہیں ہم حد سے زیاد — جی گیا آخر رہا دل کو جو غم حد سے زیاد

چھاتی پھٹ جاتی جو یوں رُک کر نہ کرتا ترکِ چشم — گذرے اُس کے عشق میں جی پر ستم حد سے زیاد

۹۹۵۰ خوف کر عاشق کے سر کٹنے کی قطعی ہے دلیل — ہو جہاں شمشیر ابروٗ اُس کی خم حد سے زیاد

کچھ بھی نزدیک اُس کے ٹھہرا ہو تو دیکھے بھر نظر — قدر ہے عاشق کی ان آنکھوں میں کم حد سے زیاد

پاس اُس کے دم بخود پہروں بیٹھے سو طاقت کہاں

بات کہتے میر اَب کرتے ہیں دَم حد سے زیاد

۱۲۷۸

شعر دیواں کے میرے کر کر یاد — مجنوں کہنے لگا کہ ہاں اُستاد

خود کو عشقِ بتاں میں بھوُل نہ جا — متوکّل ہو کر خُدا کو یاد

۹۹۵۵ سب طرف کرتے ہیں نکویاں کی — کس سے جا کر کوئی کرے فریاد

وحشی اب گرد باد سے ہم ہیں    عمر افسوس کیا گئی برباد

چار دیواریٔ عناصر میرؔ

خوب جاگہ ہے پر ہے بے بنیاد

## ذ

درویشی کی جو سوختگی ہے سو ہے لذیذ    ۱۲۷۹    نان و نمک سے داغ کا بھی ایک شے لذیذ

## ر

### ۱۲۸۰

مت اس چمن میں غنچہ روش بود و باش کر    مانندِ گُل شگفتہ جبیں یاں معاش کر

دل رکھ قوی فلک کی زبردستی پر نہ جا    گر کشتی لگ گئی ہے تو تو بھی تلاش کر ۹۹۶۰

ہے کیا تو جیسے غنچہ بندھی مٹھی جا چلا    مت گل کے رنگ منھ کو کھلا راز فاش کر

یوں ہی ہے سینہ کوبی اگر چاہے دل کی داد    پیشانی کو سلیقے سے دِکھلا خراش کر

پھرتا ہے کیا تو میرؔ گلستاں میں غم زدہ

کچھ دل خراش لکھ بھی قلم اک تراش کر

### ۱۲۸۱

مرتے ہیں ہم تو آدمِ خاکی کی شان پر    اللہ رے دماغ کہ ہے آسمان پر

چرکٹ تھا دل میں لالہ رُخوں کے خیال سے    کیا کیا بہاریں دیکھی گئیں اس مکان پر ۹۹۶۵

عرصہ ہے تنگ صدر نشینوں پہ شکر ہے    بیٹھے اگر تو جا کے کسو آستان پر

آفات ہیں ہے مرغِ چمن گل کے شوق سے    جوکھوں ہزار رنگ کی رہتی ہے جان پر

اُس کام جاں کے جلووں کا میں ہی نہیں ہلاک    آفت عجب طرح کی ہے سارے جہان پر

جاتے تو ہیں پہ خواہش دل موت ہے بُری    پھر بھی ہمیں نظر نہیں جی کے زیان پر

تقدیس دل تو دیکھ ہوئی جس کو اس سے راہ    سر دیں ہیں لوگ اُس کے قدم کے نشان پر ۹۹۷۰

اندازِ ناز اپنے اُس اوباش کے ہیں قہر    سو سو جوان مرتے ہیں ایک ایک آن پر

شوخی تو دیکھو آپ ہی کہا آؤ بیٹھو میرؔ

پوچھا کہاں تو بولے کہ میری زبان پر

۱۲۸۲

کیا صبر ہم نے جو اُس کے ستم پر — ستم سا ستم ہو گیا اس میں ہم پر
لکھا جو گیا اُس کو کیا نقل کریے — سُخن خونچکاں تھے زبانِ قلم پر
جُھکے ناز جدھر جُھک گئے لوگ اُدھر — رہی درمیاں تیغ ابرو کے خم پر ۹۹۷۵
سُخن زن ہوں ہر چند دے مست آنکھیں — نہیں اعتماد اُن کے قول و قسم پر
جگر ہے سزا میر اُس رنج کش کو
گیا دو قدم جو ہمارے قدم پر

۱۲۸۳

تجھ کو ہے سوگند خدا کی میری اور نگاہ نہ کر — چشمِ سیاہ ملا کر یوں ہی مجھ کو خانہ سیاہ نہ کر
عشق و محبت یاری میں اک لطف رکھے ہے کرنا ضبط — چھاتی پہ جو ہو کوہ الم کا تو بھی نالہ و آہ نہ کر
مانگ پناہ خدا سے بندے دل لگنا اک آفت ہے — عشق نہ کر زنہار نہ کر واللہ نہ کر باللہ نہ کر ۹۹۸۰
گھاس ہے مے خانے کی بہتر ان شیخوں کے مصلّے سے — پاؤں نہ رکھ سجادے پہ اُن کے اس جادے سے راہ نہ کر
میر نہ ہم کہتے تھے تجھ سے حال نہیں کچھ رہنے کا
چاہ بلا ہے جان و دل ہے آ جانے دے چاہ نہ کر

۱۲۸۴

کل سے دل کی کل بگڑی ہے جی مارا بے کل ہو کر — آج لہو آنکھوں میں آیا درد و غم سے رو رو کر
ایک سجودِ خلوص دل سے آہ کیا نہ جوانی میں — سر مارے ہیں محرابوں میں یوں ہی قوت کو اب کھو کر
حبیب دریدہ خاک ملوں کے حال سے کیا آگاہی تمھیں — راہ چلو ہو ناز کناں دامن کو لگا کر تم ٹھو کر ۹۹۸۵
ایک تو ہم تو ہوتے نہیں ہیں سر بھی تیرا مار چکے — اب بہتر ہے تیغ ستم کی جلد لگا کر تو دو کر
جی ہی ملا جاتا ہے اپنا میر سماں یہ دیکھے سے
آنکھیں ملتے اُٹھتے ہیں بستر سے دلبر جب سو کر

۱۲۸۵

بہ لطف اور پوچھا مجھ سے خطاب کر کر — کاہے میر کچھ کہیں ہم تجھ کو عتاب کر کر
چھاتی جلی ہے کیسی اُڑتی جو یہ سنی ہے — واں مرغ نامہ بر کا کھایا کباب کر کر

خوں ریزی سے کچھ آگے تشہیر کر لیا تھا — اس دل زدے کو اُن نے مارا خراب کر کر ۹۹۹۰
گنتی میں تو نہ تھا میں پر کل خجل ہوا وہ — کچھ دوستی کا میری دل میں حساب کر کر
رو پوش ہی رہا وہ مرنے تک اپنے لیکن — منھ پر نہ رکھا اُس کے کچھ میں حجاب کر کر
مستی و بے خودی میں آسودگی بہت تھی — پایا نہ چین میں نے ترکِ شراب کر کر

کیا جانیے کہ دل پر گزرے ہے میر کیا کیا
کرتا ہے بات کوئی آنکھیں پُر آب کر کر

### ۱۲۸۶

جدائی تا جدائی فرق ہے ملتے بھی ہیں آکر — فراق ایسا نہیں ہوتا کہ پھر آتے نہیں جا کر ۹۹۹۵
اگرچہ چپ لگی ہے عاشقی سے مجھ کو حیرت سے — کبھو احوال پُرسی تو کرو دل ہاتھ میں لا کر
جو جانوں تجھ میں بلبل تہ نہیں تو کیوں زباں دیتا — زباں کر بند سارے باغ میں مجھ کو نہ رسوا کر
فلک نے باغ سے جوں غنچۂ نرگس نکالا ہے — کہیں کیا جانو کیا دیکھوں گا چشم بستہ کو وا کر

سبد پھولوں بھرے بازار میں آئے ہیں موسم میں
نکل کر گوشۂ مسجد سے تو بھی میر سودا کر

### ۱۲۸۷

اس رفتہ پاس اُس کو لائے تھے لوگ جا کر — پر حیف میں نہ دیکھا بالیں سے سر اُٹھا کر ۱۰۰۰۰
سُن سُن کے دردِ دل کو بولا کہ جاتے ہیں ہم — تو اپنی یہ کہانی بیٹھا ہوا کہا کر
آگے زمیں کی تہ میں ہم سے بہت تھے تو بھی — سر پر زمیں اُٹھالی ہم بے تہوں نے آکر
میرے ہی خوں میں اُن نے تیغہ نہیں سلایا — سویا ہے اژدہا یہ بہتیرے مجھ سے کھا کر
دل ہاتھ آگیا تھا لطفِ قضا سے میرے — افسوس کھو چلا ہوں ایسے گہر کو پا کر
جو وجہ کوئی ہو تو کہنے میں بھی کچھ آوے — باتیں کرو ہو بگڑی منھ کو بنا بنا کر ۱۰۰۰۵

اب تو پھرو ہو بے غم تب میر جانیں گے ہم
اچھے رہو گے جب تم دل کو کہیں لگا کر

### ۱۲۸۸

بزم میں منھ اُدھر کریں کیوں کر — اور نیچی نظر کریں کیوں کر

یوں بھی مشکل ہے ووں بھی مشکل ہے — سر جھکائے گزر کریں کیوں کر

راز پوشی عشق ہے منظور — آنکھیں رو رو کے تر کریں کیوں کر

۱۰۰۱۰ مست و بے خود ہم اس کے در پہ گئے — لوگ اس کو خبر کریں کیوں کر

سو رہا بال منھ پہ کھول کے وہ — ہم شب اپنی سحر کریں کیوں کر

مہ فلک پر ہے وہ زمیں پر آہ — ان کو زیر و زبر کریں کیوں کر

دل نہیں درد مند اپنا میر
آہ و نالے اثر کریں کیوں کر

# ز

## ۱۲۸۹

ہے زیر خاک لاشۂ عاشق طپاں ہنوز — پیدا ہے عشق کشتے کا اس کے نشاں ہنوز

۱۰۰۱۵ گردش سے اس کی خاک برابر ہوئی ہے خلق — استادہ روئے خاک پہ ہے آسماں ہنوز

اس تک پہونچنے کا تو نہیں حال کچھ و لے — جاتے ہیں گرتے پڑتے بھی ہم ناتواں ہنوز

پروانہ جل کے خاک ہوا پھر اڑا کیا — اے شمع تیری رہتی نہیں ہے زباں ہنوز

چندیں ہزار جانیں گئیں اس کی راہ میں — ایک آدھ تو بھی مر رہے ہے نیم جاں ہنوز

مدت ہوئی کہ خوار ہو گلیوں میں مر گئے — قصہ ہمارے عشق کا ہے داستاں ہنوز

لخت جگر کے غم میں کہ تھا لعل پارہ میر
۱۰۰۲۰ رخسار زرد پر ہے مرے خوں رواں ہنوز

## ۱۲۹۰

دیوانگی کی ہے وہی زور آوری ہنوز — ہر دم نئی ہے میری گریباں دری ہنوز

سر سے گیا ہے سایۂ لطف اس کا دیر سے — آنکھوں ہی میں پھرے ہے مری وہ پری ہنوز

شوخی سے زار گریہ کی غل چشم میں نہیں — ویسی ہی ہے مژہ کی بعینہٖ تری ہنوز

کب سے نگاہ گاڑے ہے یاں روز آفتاب — ہم دیکھتے ہیں جہاں کے تئیں سرسری ہنوز

۱۰۰۲۵ مبہوت ہو گیا ہے جہاں اک نظر کیے — جاتی نہیں ان آنکھوں سے جادوگری ہنوز

ابر کرم نے سعی بہت کی پہ کیا حصول — ہوتی نہیں ہماری زراعت ہری ہنوز

مدّت سے میرؔ بے دل و دیں دلبروں میں ہے
کرتا نہیں ہے اس کی کوئی دلبری ہنوز

۱۲۹۱

گرچہ آتے ہیں گل ہزار ہنوز — نہ گیا دل سے روئے یار ہنوز
بے قراری میں ساری عمر گئی — دل کو آتا نہیں قرار ہنوز
خاکِ مجنوں جہاں ہے صحرا میں — واں سے اٹھتا ہے اک غبار ہنوز ۱۰۰۳۰
کب سے ہے وہ خلافِ وعدہ ولے — دل کو اُس کا ہے اعتبار ہنوز
قیس و فرہاد پر نہیں موقوف — عشق لاتا ہے مردِ کار ہنوز
برسوں گزرے ہیں اس سے ملتے ولے — صحبت اس سے نہیں برآر ہنوز

عشق کرتے ہوئے تھے بے خود میرؔ
اپنا اُن کو ہے انتظار ہنوز

۱۲۹۲

وہ محظوظ ہے محو ناز ہنوز — کچھ پذیرا نہیں نیاز ہنوز ۱۰۰۳۵
کیا ہوا خوں ہوا کہ داغ ہوا — دل ہمارا نہیں گداز ہنوز
سادگی دیکھ اُس جفاجو سے — ہم نہیں کرتے احتراز ہنوز
ایک دن وا ہوئی تھی اُس منھ پر — آرسی کی ہے چشم باز ہنوز

معتبر کیا ہے میرؔ کی طاعت
رہن بادہ ہے جانماز ہنوز

۱۲۹۳

خاک ہو کر اڑیں ہیں یار ہنوز — دل کا بیٹھا نہیں غبار ہنوز ۱۰۰۴۰
نہ جگر میں ہے خوں نہ دل میں خوں — درپے خوں ہے روزگار ہنوز

دست بردل ہوں مدتوں سے میرؔ
دل ہے ویسا ہی بے قرار ہنوز

۱۲۹۴
دوستاں حسن و خوبی ہے کیا چیز — ٹھہری ہے جان سی بھی شے کیا چیز

# س

### ۱۲۹۵

مدت ہجر میں کیا کریے بیاں یار کے پاس ۔ حال پرسی بھی نہ کی آن کے بیمار کے پاس

۱۰۰۴۸ حق یہ ہے خواہش دل تو ہی مری آ جانا ۔ جب کہ خوں ریزی کو بٹھلائیں تجھے دار کے پاس

در اسیری کا کھلا منھ پہ ہمارے کیا تنگ ۔ مر ہی رہیے گا قفس کے در و دیوار کے پاس

آنا اس کا تو دم قتل ضروری ہے ولے ۔ کون آتا ہے کسو خوں کے سزاوار کے پاس

پائیے یار اکیلا تو غم دل کہیے ۔ سو تو بیٹھا ہی اسے پاتے ہیں دو چار کے پاس

منھ پہ ناخن کے خراشوں سے لگا دل بہنے ۔ چشمے نکلے ہیں نئے چشم جگر بار کے پاس

میں تو تلوار تلے اس کے لیے بیٹھا میر
۱۰۰۵۰ وہ کھڑا بھی نہ ہوا آ کے گنہ گار کے پاس

### ۱۲۹۶

کل ہاتھ جا رہا تھا دل بے قرار پاس ۔ گویا کہ جا رہا کسو سوزندہ نار پاس

کس جدّ و کد سے خیف ہے مجھ کو کیا شکار ۔ ٹھہرا نہ پھر وہ صید فگن اس شکار پاس

اس گل بغیر پھرے ہیں بلبل سے نالہ کش ۔ کرتے ہیں اپنی اور سے تو ہم ہزار پاس

خوشحال وے جو حال کہیں لبروں سے بیر ۔ رویا نہ میں تو ایک گھڑی اپنے یار پاس

دوری میں جس کے مر گئے رک رک کے میر ہم
۱۰۰۵۵ نکلا نہ وہ سو ہو کے ہمارے مزار پاس

### ۱۲۹۷

اب نہیں ہوتی چشم تر افسوس ۔ بہہ گیا خوں ہو جگر افسوس

دیدنی ہے یہ خستہ حالی لیک ۔ ادھر اس کی نہیں نظر افسوس

عیب ہی عیب میرے ظاہر ہیں ۔ تجھ کو آیا نہ کچھ ہنر افسوس

میر ابتر بہت ہے دل کا حال
یعنی ویراں پڑا ہے گھر افسوس

# ش

۱۲۹۸

نکلے پردے سے روئے یار اے کاش　　منہ کرے ٹک ادھر بہار اے کاش ۱۰۰۶۰

کچھ وسیلہ نہیں جو اس سے ملوں　　شعر ہو یار کا شعار اے کاش

کہیں اس بحرِ حسن سے بھر جائے　　موج ساں میری بھی کنار اے کاش

برق ساں ہو چکوں تڑپ کر میں　　یوں ہی آوے مجھے قرار اے کاش

اعتمادی نہیں ہے یاریِ غیر　　یار سے ہم سے ہووے پیار اے کاش

آوے سررشتۂ جنوں کچھ ہاتھ　　ہوں گریبان تار تار اے کاش ۱۰۰۶۵

میر جنگل تمام بس جاوے
بن پڑے ہم سے روزگار اے کاش

۱۲۹۹

اس کا خیال آوے ہے عیار کی روش　　کچھ اس کی ہم نے پائی نہ رفتار کی روش

کیا چال ہے گی زہر بھری روزگار کی　　سب اس گزندے کی ہے سیہ مار کی روش

وہ رفت و خیز گرم تو مدت سے ہو چکی　　رہتے ہیں اب گرے پڑے بیمار کی روش

جاتے ہیں رنگ و نوئے گل و آب جو چلے　　آئی نہ خوش ہمیں تو یہ گلزار کی روش ۱۰۰۷۰

مائل ہوا ہے سروِ گلستاں کا دل بہت　　کچھ آ گئی تھی اس میں قدِ یار کی روش

زندان میں جہاں کے بہت ہیں خراب حال　　کرتے ہیں ہم معاش گنہ گار کی روش

یوں سر کھیرے عشق میں پھرتے نہیں ہیں میر
اظہار بھی کریں ہیں تو اظہار کی روش

۱۳۰۰

رہتے ہیں بہت دل کے ہم آزار سے ناخوش　　بستر پہ گرے رہتے ہیں بیمار سے ناخوش

جانا جو مقرر ہے مرا دارِ فنا سے　　اس بستی کے میں ہوں در و دیوار سے ناخوش ۱۰۰۷۵

ہمواری سے ہیں نرم و خشن ایک سے دونوں　　خوش ہیں نہ گلِ تر سے نہ ہم خار سے ناخوش

سررشتۂ دل بند نہیں زلف و کمر میں　　کیا جانیے ہم کس لیے ہیں یار سے ناخوش

ہے عشق میں صحبت مری خوباں کی عجب کچھ　　اقرار سے بیزار ہیں انکار سے ناخوش

خوش رہتے ہیں احباب بہم ربط کیے سے　　رہتے ہو تمھیں ایک مرے پیار سے ناخوش

اک بات کا بھی لوگوں میں چھپٹ اسے کرنا

۱۰۰۸۰　ہم ہیں گے بہت تیر کے بستار سے ناخوش

## ص

طائر دل کی طپش سینے میں جانو تم بسمل کا رقص　۱۳۰۱　ان نہیں رنگوں ہوتا ہے اُس صید طرفہ دل کا رقص

## ض

کیا کہوں کیسا ہے دلبر خود غرض　۱۳۰۲　خود نما خود رائے و خودسر، خود غرض

## ط

دل لگی کے تئیں جگر ہے شرط　۱۳۰۳　بے خبر مت رہو خبر ہے شرط

عشق کے دو گواہ لا یعنی

زردیِ رنگ و چشم تر ہے شرط

۱۳۰۴

۱۰۰۸۵　دل کا لگانا جی کھوتا ہے اس کو جگر ہے پیارے شرط　　سو تو بہا تھا خوں ہو آگے پہلے داؤ ہی ہارے شرط

## ظ

۱۳۰۵

عشق ہمارا جی مارے ہے ہم ناداں ہیں کیا محظوظ　　ایسی شئے کا زیاں کھنچے تو دانا ہووے کیا محظوظ

پانی منھ میں بھر آتا تھا اس کے عقیق لب دیکھے

اب ہے تشنہ کام جدائی میر وگرنہ تھا محظوظ

## ع

ایک ہی گل کا صرف کیا ہے میں نے سراپا جیسے شمع　۱۳۰۶　تلووں تک وہ داغ گیا ہے سب مجھ کو کھا جیسے شمع

## غ

ہمارے آگے چمن سے گئی بہار دریغ　۱۳۰۷　دریغ و درد و صد افسوس صد ہزار دریغ

۱۰۰۹۰　دل جگر دونوں پر جلائے داغ　　عشق نے کیا ہمیں دکھائے داغ

دل جلے ہم نہیں رہے بیکار — زخم کاری اٹھائے کھائے داغ
جل گئے دیکھ گرمیٔ اغیار — آئے اس کوچے سے تو آئے داغ
احتیاطاً صراحیٔ مے سے — ہم نے سجادے کے دھلائے داغ

دیکھے دامن کے نیچے کے سے دیے
میر نے کرتے تلے چھپائے داغ

# ف

۱۳۰۸

آج ہمارا سر پھرتا ہے باتیں جتنی سب موقوف — حرف و سخن جو بایک دیگر رہتے تھے سو اب موقوف ۱۰۰۹۵
کس کو دماغ رہا ہے یہاں آٹھ پہر کی منت کا — ربط اخلاص سے دن گزرے ہے غلط اس سب موقوف
اس کی گلی میں آمد و شد کی گھات ہی میں ہم رہتے تھے — اب جو شکستہ پا ہو بیٹھے ڈھب کرنے کے ڈھب موقوف
وہ جو مانع ہو تو کیا ہے شوق کمال کو پہنچا ہے — وقفہ ہوگا تب ملنے میں ہم بھی کریں گے جب موقوف

حلقے پڑے ہیں چشم تر میں سوکھے ایسے تم نہ رہے
رونا کڑھنا عشق میں اس کے میر کروگے کب موقوف

۱۳۰۹

میں آگے نہ تھا دیدۂ پرآب سے واقف — پلکیں نہ ہوئی تھیں مری خوناب سے واقف ۱۰۱۰۰
پتھر تو بہت لڑکوں کے کھائے ہیں ولیکن — ہم اب بھی جنوں کے نہیں آداب سے واقف
ہم ننگ خلائق یہ عجب ہے کہ نہیں ہیں — اس عالم اسباب میں اسباب سے واقف
شب آنکھیں کھلی رہتی ہیں ہم منتظر دل کی — جوں دیدۂ انجم نہیں ہیں خواب سے واقف

بل کھائے انھیں بالوں کو ہم جانیں ہیں یا میر
ہیں پیچ و غم و رنج و تب و تاب سے واقف

۱۳۱۰

نظر کیا کرو دل اس کے گھر کی طرف — نگاہیں ہیں میری نظر کی طرف ۱۰۱۰۵
چھپاتے ہیں منھ اپنا کامل سے سب — نہیں کوئی کرتا ہنر کی طرف
بڑی دھوم سے ابر آئے گئے — نہ کوئی ہوا چشم تر کی طرف

اندھا دُھند روتے ہیں آنکھوں سے خون　　　نہیں دیکھتے ہم جگر کی طرف

رہا بے خبر گرچہ ہجراں میں میرؔ

رہے گوش اُس کی خبر کی طرف

## ق

### ۱۳۱۱

۱۰۱۱۰ لوگ بہت پوچھا کرتے ہیں کیا کہیے میاں کیا ہے عشق　　　کچھ کہتے ہیں سرِّ الٰہی کچھ کہتے ہیں خدا ہے عشق

عشق کی شان اکثر ہے ارفع لیکن شانیں عجائب ہیں　　　گہ ساری ہے دماغ و دل میں گاہے سب سے جدا ہے عشق

کام ہے مشکل اُلفت کرنا اس گلشن کے نہالوں سے　　　بوکش ہو کر سیبِ ذقن کا غش نہ کرے تو سزا ہے عشق

اُلفت سے پرہیز کیا کر کلفت اس میں قیامت ہے　　　یعنی درد و رنج و تعب ہے آفتِ جان، بلا ہے عشق

میرؔ خلافِ مزاج محبت موجبِ تلخی کشیدن ہے

یار موافق مل جاوے تو لطف ہے چاہ مزا ہے عشق

### ۱۳۱۲

۱۰۱۱۵ دل کا مطالعہ کر اے آگہِ حقائق　　　ہیں فنِ عشق کے بھی مشکل بہت دقائق

چھاتی جلوں کے آگے کھنچتا ہے بیشتر دل　　　ایک آشنا ہے مجھ سے اس باغ میں شقائق

ہے راستی کہ انساں مشتق ہے اُنس ہی سے　　　بیماری دوستی کی ہے دشمنِ خلائق

جی سارے تن کا کھنچ کر آنکھوں میں آرہا ہے　　　کس مرتبے میں ہم بھی ہیں دیکھنے کے شائق

کل میرؔ جی نے ضائع اپنے تئیں کیا ہے

یہ کام تھا نہ اُن کی شائستگی کے لائق

### ۱۳۱۳

۱۰۱۲۰ نزدیک عاشقوں کے زمیں ہے قرارِ عشق　　　اور آسماں غبارِ سرِ رہ گزارِ عشق

مقبولِ شہر ہی نہیں مجنونِ ضعیف و زار　　　ہے وحشیانِ دشت میں بھی اعتبارِ عشق

گھر کیسے کیسے دیں کے بزرگوں کے ہیں خراب　　　القصہ ہے خرابۂ کہنہ دیارِ عشق

گو ضبط کرتے ہو دیں جراحت جگر کے زخم　　　روتا نہیں ہے کہ دل کے دل رازدارِ عشق

مارا پڑے ہے اُنس ہی کرنے میں ورنہ میرؔ　　　ہے دور گرد وادیِ وحشت شکارِ عشق

## ک

### ۱۳۱۴

وحشت تھی ہمیں بھی وہی گھر بار سے اب تک      سر مارے ہیں اپنے در و دیوار سے اب تک ۱۰۱۲۵

مرنے ہی سنا اُن کو جنھیں دل لگی کچھ تھی      اچھا بھی ہُوا کوئی اس آزار سے اب تک

جب سے لگی ہیں آنکھیں کھُلی راہ تکے ہیں      سوئے نہیں ساتھ اُس کے کبھو پیار سے اب تک

آیا تھا کبھو یار سو ماموُل ہم اس کے      بستر پہ گرے رہتے ہیں بیمار سے اب تک

بدعہدیوں میں وقتِ وفات آن بھی پہنچا      وعدہ نہ ہُوا ایک وفا یار سے اب تک

ہے قہر و غضب دیکھ طرف کُشتے کے ظالم      کرتا ہے اشارت بھی تو تلوار سے اب تک ۱۰۱۳۰

کچھ رنج دلی میر جوانی میں کھنچا تھا
زردی نہیں جاتی مرے رُخسار سے اب تک

### ۱۳۱۵

رہا پھول سا یار نزہت سے اب تک      نہ ایسا کھلا گل نزاکت سے اب تک

لبالب ہے وہ حُسنِ معنی سے سارا      نہ دیکھا کوئی ایسی صورت سے اب تک

سلیماں سکندر کہ شاہانِ دیگر      نہ رونق گئی کس کی دولت سے اب تک

کرم کیا صفت ہے نہ ہوں گو کریماں      سخی کہتے ہیں ان کی ہمت سے اب تک ۱۰۱۳۵

سبب مرگِ فرہاد کا ہو گیا تھا      نگوں ہے سرِ تیشہ خجلت سے اب تک

ہلا تو بھی لب کو کہ عیسیٰ کے دم کی      چلی جائے ہے بات مدت سے اب تک

عقیقِ لبِ اُس کے کبھو دیکھے تھے مَیں      بھرا ہے دہن آب حسرت سے اب تک

گئی عمر ساری مجھے عجز کرتے      نہ مانی کوئی اُن نے منت سے اب تک

نہ ہو گو جنوں میر جی کو پر ان کی
طبیعت ہے آشفتہ وحشت سے اب تک ۱۰۱۴۰

## گ

### ۱۳۱۶

دل کے مرضِ عشق سے بیمار ہیں ہم لوگ      اس ننگ سے جو زرد و زبوں زار ہیں ہم لوگ

کیا اپنے تئیں پستی بلندی سے جہاں کی — اب خاک برابر ہوئے ہموار ہیں ہم لوگ

مقصود تو حاصل ہے طلب شرط پڑی ہے — وہ مطلبِ عمدہ ہے طلبگار ہیں ہم لوگ

خوں ریز ہی لڑکوں سے لڑا رہتے ہیں آنکھیں — گر قتل کریں ہم کو سزاوار ہیں ہم لوگ

۱۰۱۴۵ دل پھنس رہے ہیں دام میں زلفوں کے کسو کی — تنگ اپنے جنوں سے ہیں گرفتار ہیں ہم لوگ

بازار کی بھی جنس پہ جی دیتے ہیں عاشق — سر بیچتے پھرتے ہیں گرفتار ہیں ہم لوگ

ان پریوں سے لڑکوں ہی کے جھمپٹے میں دل آئے — حیرت زدۂ عشق ہیں دیوار ہیں ہم لوگ

جاتے ہیں چلے قافلہ در قافلہ اس راہ — چلنے میں تردد نہیں تیار ہیں ہم لوگ

مارے ہی پڑیں کچھ کہیں عشاق تو شاید — حیرت سے ہیں چپ بس پہ گنہگار ہیں ہم لوگ

گو نیچی نظر میر کی ہو آنکھیں تو ٹک دیکھ
۱۰۱۵۰ کیا دل زدگاں سادہ میں پرکار ہیں ہم لوگ

۱۳۱۷

کیا چلے جاتے ہیں جہان سے لوگ — مگر آئے تھے میہمان سے لوگ

قہر ہے بات بات پر گالی — جاں بہ لب ہیں تری زبان سے لوگ

شہر میں گھر خراب ہے اپنا — آتے ہیں یاں اب اس نشان سے لوگ

ایک گردش میں ہیں برابر خاک — کیا جھگڑتے ہیں آسمان سے لوگ

۱۰۱۵۵ دردِ دل ان نے کب سنا میرا — لگے رہتے ہیں اس کے کان سے لوگ

باؤ سے بھی لچک لہک ہے انھیں — ہیں یہ سبزے دھان پان سے لوگ

شوق میں تیر سے چلے اودھر — ہم خمیدہ قداں کمان سے لوگ

آدمی اب نہیں جہاں میں میر
اٹھ گئے اس بھی کاروان سے لوگ

## ل

۱۳۱۸

بلبل نے کل کہا کہ بہت ہم نے کھائے گل — لیکن ہزار حیف نہ ٹھہری ہوائے گل

۱۰۱۶۰ رعنا جوان شہر کے رہتے ہیں گل بسر — سر پر ہمارے داغ جنوں کے ہیں جائے گل

دل لوٹنے پہ مرغِ چمن کے نہ کی نظر — بے درد گل فروش سبد بھر کے لائے گل

حیف آفتاب میں پسِ دیوارِ باغ ہیں — جوں سایہ واکشیدہ ہوئے ہم نہ پائے گل

بوئے گل و نوائے خوشِ عندلیب میر
آئی چلی گئی یہی کچھ تھی وفائے گل

۱۳۱۹

عشق کی چوٹیں پے در پے جو اٹھائی گئیں گھائل ہے دل — یوں بے دم ہے اب پہلو میں جوں صید بسمل ہے دل

خون ہوا ہے چاک ہوا ہے جلتے جلتے داغ ہوا — خواہش اس کو کیا ہے یار کس کے لیے بیدل ہے دل ۱۰۱۶۵

عشق کی بجلی آکے گری سو داغ ہوا ہے سر تا سر — کیا رووے جوں ابر کوئی اس مزرع کا حاصل ہے دل

یوں تو گرہ سینے میں سما ہے درد و غم کی ہو کے رہا — کس سے ظاہر کرتے جا کہ کام بہت مشکل ہے دل

آنکھوں کی دیکھا دیکھی ہرگز دل کو اس سے نہ لگنا تھا — جیسی سزا پہنچا دے کوئی اب اُس کے قابل ہے دل

عمرِ انساں راہ تو ہے تشویش سے طے ہوتی ہے لے — دل کے تئیں پہنچے جو کوئی چین کی پھر منزل ہے دل

شہدِ لب سے اُس کے چپکا جی کا صرفہ کچھ نہ کیا
میر جو دیکھا اپنے حق میں کیا زہرِ قاتل ہے دل ۱۰۱۷۰

۱۳۲۰

غمِ مضموں نہ خاطر میں نہ دل میں درد کیا حاصل — ہوا کاغذ نمط گو رنگ تیرا زرد کیا حاصل

ہوئے صید زبوں ہم منتظر ہی خاک جی دے کر — سواری سے کسو کی گو اٹھی اب گرد کیا حاصل

بلا ہے سوزِ سینہ میر یوں ہو جائے گی جل کر
اگر دل سے اُٹھے تیرے یہ آہِ سرد کیا حاصل

۱۳۲۱

دل تو گداز سب ہے کس کو کوئی کہے دل — نزدیک ہے کہ کہیے اب ہائے ہائے اے دل

اس عشق میں نکلے میں نے بھی نام کیا کیا — خانہ خراب و رسوا بے دین اور بے دل ۱۰۱۷۵

جوں ابر روئیے کیا دل برق سا ہے بے کل — رکھے ہی لیجیے اکثر ہاتھ اُس پہ جو رہے دل

دل گو کہ داغ و خوں ہے رہتی ہے لاگ تجھ سے — انصاف کر کہ جا کر دکھلاویں پھر کسے دل

دل کے ثبات سے ہم نومید ہو رہے ہیں — اب وہ سماں ہے خوں ہو رخسار پہ بہے دل

عاشق کہاں ہوئے ہم پانچوں حواس کھوئے — اس مخمصے میں ازبس حیراں ہے کیا کرے دل

۱۰۱۸۰ جاتا ہے کیا کھنچا کچھ دیکھو اُس کو ناز کرتا — آتا نہیں ہمیں خوش اندازِ بے تہے دل

ہم دردمند اپنا سوزِ درون ہے بے حد — یارب ہمارے اوپر کس مرتبے جلے دل

اے تیر اس سے ہے نسبت کن حلقہ حلقہ مو سے

بے تاب کچھ ہے گا ہے پر پیچ ہے گہے دل

## ۱۳۲۲

حال تو حالِ زار ہے تا حال — دل وہی بے قرار ہے تا حال

بڑھتی ہے حال کی خرابی روز — گرچہ کچھ روزگار ہے تا حال

۱۰۱۸۵ خستہ جانی نے ننگِ خلق کیا — پر اُسے مجھ سے عار ہے تا حال

حال فکرِ سخن میں کچھ نہ رہا — شعر میر اشعار ہے تا حال

حالِ مستی جوانی تھی سو گئی — میر اُس کا خمار ہے تا حال

آنکھیں بدحالی سے ٹھہرتی نہیں — شوقِ دیدارِ یار ہے تا حال

غم سے حال آنکہ خونِ دل سوکھا

چشمِ تر اشک بار ہے تا حال

## ۱۳۲۳

۱۰۱۹۰ کھنچتا ہے اُس طرف ہی کو بے اختیار دل — دیوانہ دل، بلا زدہ دل، بے قرار دل

سمجھا بھی تو کہ دل کسے کہتے ہیں دل ہے کیا — آتا ہے جو زباں پہ تری بار بار دل

آزردہ خاطری کا ہماری نہ کر عجب — اک عمر ہم رہا کیے ہیں مار مار دل

واشد فسردگی سے تری اس چمن میں ہے — دل جو کھلا تو جیسے گلِ بے بہار دل

میر اُس کے اشتیاقِ ہم آغوشی میں نہ پوچھ

جاتا ہے اب تو جی ہی رہا در کنار دل

۱۰۱۹۵ مت کرو شور و فغاں سے طائرِ آزار دل — ۱۳۲۴ — اب دماغ اڑتا ہے باتوں میں کہ ہوں بیمار دل

رنج و کم بھی کھینچنے کے دن تو یارو ہو چکے

اب نہیں جاتی اٹھائی کلفتِ بسیارِ دل

م

## ۱۳۲۵

شور سے طائرِ گلزار کے بیزار ہیں ہم — دل اُٹھاتا نہیں اپنا کہ گرفتار ہیں ہم
بن ہیں چمن میں جی نہیں لگتا یار کدھر کو جاویں ہم — راہ خرابے سے نکلی نگھر کی بستی میں کیوں کر جاویں ہم
کیسی کیسی خرابی کھینچی دشت و در میں سر مارا — خانہ خراب کہاں تک پھریے ایسا ہو گھر جاویں ہم
عشقِ میں گامِ اوّل اپنے جی سے گزرنا پیش آیا — اس میدان میں رکھ کے قدم کیا مرنے سے ڈر جاویں ہم ۱۰۲۰۰
خواہ نماز خضوع سے ہووے خواہ نیاز اک سوئے دل — وقت رہا ہے بہت کم اب تو بارے کچھ کر جاویں ہم

کب تک میر فراق میں اُس کے لوہو پی پی جیتے رہیں
بس چلتا نہیں آہ اپنا کچھ ورنہ ابھی مر جاویں ہم

## ۱۳۲۶

شاید ہم سے ضد رکھتے ہو آتے نہیں ٹک ایدھر تم — سب ہے گلی کوچوں میں ملو ہو پھرتے رہو ہو گھر گھر تم
کیا رکھیں یہ تم سے توقع خاک سے آ کے اُٹھاؤ گے — راہ میں دیکھو افتادہ تو اور لگاؤ ٹھوکر تم
اس سے زیادہ ہوتا نہ ہوگا دنیا میں بھی بھولاپن — سون کسے بیٹھے رہتے ہو حال ہمارا سن کر تم ۱۰۲۰۵
لطف و مہر و خشم و غضب ہم ہر صورت میں راضی ہیں — حق میں ہمارے کر گزرو بھی جو کچھ جانو بہتر تم
رنگ ہمارا جیسا اب ہے کاہے کو آگے ایسا تھا — پانو میں مہندی اپنے لگا کر آفت لائے سر پر تم
لوگ صنم کہتے تھے تم کو ان سمجھے تھے ہم محفوظ — سختی سی سختی کھینچ گئے یعنی نکلے پتھر تم

چپکے سے کچھ آجاتے ہو آنکھیں بھر بھر لاتے ہو
میر گزرتی کیا ہے دِل پر کڑھا کرو ہو اکثر تم

## ۱۳۲۷

پوشاک تنگ پہنے بارے کہاں چلے تم — ہے آج عید صاحب میرے گلے لگے تم ۱۰۲۱۰
اس نازکی سے گزرے کس کے خیال میں شب — مرجھائے پھول سے ہو جو کچھ ملے دلے تم
کیا ظلم ہے کہ کھینچے شمشیر وہ کہے ہے — آزردہ ہوں گا پھر میں جاگہ سے جو ہلے تم
کم پائی اس قدر ہے منزل ہے دور اتنی — طے کس طرح کرو گے یارو یہ مرحلے تم
اکثر نڈھال ہیں ہم پر یوں نہیں وہ کہتا — کیا ہے کہ جاتے ہو گے کچھ اتنے ہی ڈھلے تم

۱۰۲۱۸ یہ جانتے نہ تھے ہم ایسے بڑے ہوئے ہو ۔۔۔ ہونٹوں پہ جان آئی تم بن گئے بھلے تم

قربانی اُس کی ٹھہری پر یہ طرح نہ چھوڑی
تکتے ہو میر اُدھر تلوار کے تلے تم

## ۱۳۲۸

یارب اُس محبوب کو پھر اک نظر دیکھیں گے ہم ۔۔۔ اپنی آنکھوں سے اُسے یاں جلوہ گر دیکھیں گے ہم

میں کہا دیکھو ادھر ٹک تم تو میں بھی جان دوں ۔۔۔ ہنس کے بولے یہ تری باتیں ہیں پر دیکھیں گے ہم

پاس ظاہر سے اُسے تو دیکھنا دشوار ہے ۔۔۔ جائیں گے مجلس میں تو ایدھر اُدھر دیکھیں گے ہم

۱۰۲۲۰ یوں نہ دیں گے دل کسو سیمیں بدن زر دوست کو ۔۔۔ ابتدائے عشق میں اپنا بھی گھر دیکھیں گے ہم

کام کہتے ہیں سماجت سے کبھو لیتے ہیں لوگ ۔۔۔ ایک دن اس کے کنے جا کر پھر دیکھیں گے ہم

راہ تکتے تکتے اپنی آنکھیں بھی پتھرا چلیں ۔۔۔ یہ نہ جانا تھا کہ سختی اس قدر دیکھیں گے ہم

شورشِ دیوانگی اس کی نہیں جائے گی لیک
ایک دو دن میر کو زنجیر کر دیکھیں گے ہم

## ۱۳۲۹

صبر کیا جاتا نہیں ہم سے رہ کے جدا نہ ستاؤ تم ۔۔۔ پاتو کا رکھنا گرچہ ادھر کو عار ہے پر آؤ تم

۱۰۲۲۵ جس کے تئیں پروا ہو کسو کی آنا جانا اس کا ہے ۔۔۔ نیک ہو یا بد حال ہمارا تم کو کیا ہے جاؤ تم

چپ ہیں کچھ جو نہیں کہتے ہم کارِ عشق کے حیراں ہیں ۔۔۔ سوچو حال ہمارا ٹک تو بات کی تہ کو پاؤ تم

میر کو وحشت ہے گی قیامت واہی تباہی بکتے ہیں
حرف و حکایت کیا مجنوں کی دل میں کچھ مت لاؤ تم

## ۱۳۳۰

ظلم ہوئے ہیں کیا کیا ہم پر صبر کیا ہے کیا کیا ہم ۔۔۔ آن لگے ہیں گور کنارے اُس کی گلی میں جا جا ہم

ہاہا ہی ہی کرتا ہے گا اس کا غرور دو چنداں ہے ۔۔۔ گھگھیانے کا اب کیا حاصل یوں ہی کرے ہیں ہاہا ہم

۱۰۲۳۰ اب حیرت ہے کس کس جاگہ پنبہ و مرہم رکھنے کی ۔۔۔ قد تو کیا ہے سروِ چراغاں داغ بدن پر کھا کھا ہم

سیرِ خیالِ جنوں کا کریے صرف کریں تا ہم پر سب ۔۔۔ پتھر آپ گلی کوچوں میں ڈھیر کیے ہیں لا لا ہم

میر فقیر ہوئے تو اک دن کیا کہتے ہیں بیٹے سے ۔۔۔ عمر رہی ہے تھوڑی اسے اب کیوں کر کاٹیں بابا ہم

ایک آدھ دن سُنو گے سنا کے رہ گئے ہم — کانپا کرے ہے جی سو ٹھہرا کے رہ گئے ہم

واشد ہوئی سو اپنی پژمردگی سے بدتر — موسم گئے کہ گل سے مرجھا کے رہ گئے ہم

پر داغ دل کو لے کر آخر کیا کنارا — اس باغ سے گلی میں جا جا کے رہ گئے ہم ۱۰۲۳۵

سوزِ دروں نے ہم کو پردے میں مار رکھا — جوں شمع آپ ہی کو کھا کھا کے رہ گئے ہم

حیرت سے عاشقی کی پوچھا تھا دوستوں نے — کہہ سکتے کچھ تو کہتے شرما کے رہ گئے ہم

اے وائے دل گئے پر جی بھی گیا ہمارا
یعنی کہ میرؔ برسوں پچھتا کے رہ گئے ہم

حال زخم جگر سے ہے درہم ۱۳۳۲ کاش رہتے کسو طرف مرہم

دلبروں کو جو بر میں کھینچا ٹک — اس ادا سے بہت ہوئے برہم ۱۰۲۴۰

آپ کو اب کہیں نہیں پاتے — بے خودی سے گئے ہیں کیدھر ہم

دیر و کعبہ گئے ہیں ہم اکثر — یعنی ڈھونڈھا ہے اس کو گھر گھر ہم

کہہ سکے کون ہم کو ناہموار — اب تو ہیں خاک سے برابر ہم

کوفت سی کوفت اپنے دل پر ہے — چھاتی کوٹا کیے ہیں اکثر ہم

ابر کرتا ہے اب کمی سی میرؔ
دیکھیں ہیں سو سے دیدۂ تر ہم ۱۰۲۴۵

## ۱۳۳۳

تجا ہے حیرتِ عشقی سے گفتگو کو ہم — خموش دیکھتے رہتے ہیں اس کے رو کو ہم

اگرچہ وصل ہے پر ہیں طلب میں سرگرداں — یہ وہم کا ہے ہی جاتے ہیں جستجو کو ہم

اب اپنی جان سے ہیں تنگ دم رکا ہے بہت — ملا ہی دیں گے تری تیغ سے گلو کو ہم

جلا کے خاک کرے وہ کہ رہ کے داغ کرے — لگا دیں آگ سے کیا اپنی گرم خو کو ہم

مرید پیرِ خرابات یوں نہ ہوتے میرؔ
سمجھتے عارف اگر اور بھی کسو کو ہم ۱۰۲۵۰

عشق بتوں سے اب نہ کریں گے عہد کیا ہے خدا سے ہم ۱۳۳۴ آ جاویں جو یہ ہرجائی تو بھی نہ جاویں جائے ہم

گریۂ خونیں ٹک بھی رہے ہے تو خاک سی منھ پر اڑتی ہے — شام و سحر رہتے ہیں یعنی اپنے لہو کے پیاسے ہم

اس کی نہ پوچھو دوری میں اُن نے پرسش حال ہماری کی — ہم کو دیکھو مارے گئے ہیں آکر پاس وفا سے ہم

چپکے کیا انواع اذیت عشق میں کھینچی جاتی ہے — دل تو بھرا ہے اپنا تو بھی کچھ نہیں کہتے حیا سے ہم

کیا کیا عجز کریں ہیں لیکن پیش نہیں کچھ جاتا میر
سر رگڑے ہیں آنکھیں ملیں ہیں اُس کے حنائی پا سے ہم ۱۰۲۵۵

## ۱۳۲۵

چاہیے یوں تھا اگر ٹوٹی صحبت آپ ہی آ کے بناتے تم — رحلت کرنے سے آگے مجھ کو دیکھنے آتے تم

چلتے کہا تھا جاؤ سفر کر آؤ گے تو ملے گا — وعدۂ وصل نہ ہوتا تو پھر کس کو جیتا پاتے تم

کیا دن تھے وے دیکھتے تم کو نیچی نظر میں کر لیتا — شرما شرما لوگوں سے جب آنکھیں مجھ کو دکھاتے تم

بستر پر میں مردہ سا تھا جان سی مجھ میں آ جاتی — کیا ہوتا جو رنجہ قدم کر میرے سرھانے آتے تم

۱۰۲۶۰ دل کے اوپر ہاتھ رکھے ہی شام و سحر یاں گزرے ہے — حال یہ تھا تو دل عاشق کا ہاتھ میں ٹک تو لاتے تم

خاک ہے اصل طینتِ آدم چاہیے اس کو عجز کرے — بات کی تہ کو کچھ پاتے تو اتنا سر نہ اٹھاتے تم

چہرہ زرد بجا ہے سارا عشق میں غم کا مارا ہوں
رنگ یہ دیکھا ہوتا تو دل میر کہیں نہ لگاتے تم

## ۱۳۲۶

صبر بہت تھا ایک سمیں میں جا سے اپنی نہ جاتے ہم — کس کس ناز سے وے آتے پر آنکھ نہ ان سے ملاتے ہم

کعبے سے کر نذر اٹھے سو خرج راہ اے وائے ہوئے — ورنہ صنم خانے میں جا زنار گلے سے بندھاتے ہم

۱۰۲۶۵ ہاتھی مست بھی آوے چلا تو اس سے منھ کو پھیر نہ لیں — پھرتے ہیں سرمستِ محبت مے ناخوردہ ماتے ہم

ہائے جوانی وہ نہ گلے لگتا تو خشمِ عشقی سے — نعل جڑی جاتی چھاتی پر گل ہاتھوں پر کھاتے ہم

عشق تو کارِ خوب ہے لیکن میر کھنچے ہے رنج بہت
کاش کے عالمِ ہستی میں بے عشق و محبت آتے ہم

## ن

## ۱۳۲۷

ضعفِ دماغ سے کیا پوچھو ہو اب تو ہم میں حال نہیں — اتنا ہے کہ طپش سے دل کی سر پہ وہ دھمال نہیں

گا ہے گاہے اس میں ہم نے منھ اس مہ کا دیکھا تھا — جیسا سال کہ پر کا گزرا ویسا بھی یہ سال نہیں

بالوں میں اس کے دل الجھا تھا خوب ہوا جو تمام ہوا — یعنی گیا جب پیچ سے جی ہی تب پھر کچھ جنجال نہیں ۱۰۲۷۰

ایسی متاعِ قلیل کے اوپر چشم نہ کھولیں اہلِ نظر — آنکھ میں آوے جو کچھ ہووے دنیا اتنی مال نہیں

سروِ چماں کو سیر کیا تھا کبکِ خراماں دیکھ لیا — اُس کا سا انداز نہ پایا اُس کی سی یہ چال نہیں

دل قرآن میں پھنس جاتا ہے جی ڈوبے ہے دیکھ اُدھر — چاہِ زنخ گو چاہ نہیں ہے بال اُس کے گو جال نہیں

کب تک دل کے ٹکڑے جوڑوں میرؔ جگر کے لختوں سے
کسب نہیں ہے پارہ دوزی ہیں کوئی وصّال نہیں

## ۱۳۳۸

ہے وضعِ کشیدہ کا جو شور اُس کی جہاں میں — نکلی ہے مگر تازہ کوئی شاخ کماں میں ۱۰۲۷۵

ہر طور میں ہم حرف و سخن لاگ سے دل کی — کیا کیا کہیں ہیں مرغِ چمن اپنی زباں میں

کیا باؤ نے بھی دستِ تطاول کو دیا طول — پھیلے پڑے ہیں پھول ہی سب اب کے خزاں میں

خوش رنگ ہے کس مرتبہ انہار کا پانی — خوں ناب مری چشم کا ہے آب رواں میں

روؤ مرے احوال پہ جوں ابر بہت میرؔ
بے طاقتی بجلی کی سی ہے آہ و فغاں میں

## ۱۳۳۹

دل کے گئے بے دل کہلائے آگے دیکھیے کیا کیا ہوں — محزوں ہوویں مفتوں ہوویں مجنوں ہوویں رسوا ہوں ۱۰۲۸۰

عشق کی رہ میں پانو رکھا سو رہنے لگے کچھ رفتہ سے — آگے چل کر دیکھیں ہم اب گم ہوویں یا پیدا ہوں

خار و خس الجھے ہیں آپھی بحث انھوں سے کیا رکھیں — موج زن اپنی طبعِ رواں ہے جب ہم جیسے دریا ہوں

ہم بھی گئے جاگہ سے اپنی شوق میں اُس ہرجائی کے — عشق کا جذبہ کام کرے تو پھر ہم دونوں یک جا ہوں

کوئی طرف یاں ایسی نہیں جو خالی ہووے اس سے میرؔ
یہ طرفہ ہے شور جرس سے چار طرف ہم تنہا ہوں

## ۱۳۴۰

کچھ قدر عافیت کی معلوم کی نہ گھر میں — اب ہجرِ یار میں ہیں کیا دل زدہ سفر میں ۱۰۲۸۵

ہر لحظہ بے قراری ہر لحظہ آہ و زاری — ہر دم ہے اشک باری نومیدی ہے نظر میں

روتے ہی رہتا اکثر یہ چاہتا ہے سو تو — تاب اب نہیں ہے دل میں نے خوں ہے جگر میں
یہ بخت دیکھیے گا ہے آتا ہے آنکھوں میں بھی — پر نقش اُس کے پا کا میٹھا نہ چشمِ تر میں

کیا راہ چلنے سے ہے اے میرؔ دل مُکدّر
تو ہی نہیں مسافر ہے عمر بھی گزر میں

## ۱۳۴۱

۱۰۲۹۰ خوبی رودِ چشم سے آنکھیں اٹک گئیں — پلکوں کی صف کو دیکھ کے بھیڑیں سرک گئیں
چلتے سمندِ ناز کی شوخی کو اُس کے دیکھ — گھوڑوں کی باگیں دستِ سپہ سے اُچک گئیں
ترچھی نگاہیں پلکیں پھریں اُس کی پھر پھریں — سو فوجیں جو دو رستہ کھڑی تھیں بھاک گئیں
بجلی سا مرکب اُس کا کڑک کر چمک گیا — لوگوں کے سینے پھٹ گئے جانیں دھڑک گئیں
محبوب کا وصال نہ ہم کو ہوا نصیب — دل سے ہزار خواہشیں سر کو پٹک گئیں
۱۰۲۹۵ موقوفِ طور نور کا جھمکا ترا نہیں — چمکا جہاں تو، برق سا آنکھیں جھپک گئیں
وحشت سے بھر رہی تھی نگہ تیر جان کے — جانیں لبسانِ طائرِ بسمل پھڑک گئیں
گرد رہ اس کی دیکھتے اپنے اُٹھی نہ حیف — اب منتظر ہو آنکھیں مندیں یعنی تھک گئیں
بھر دی تھی چشمِ ساقی میں یارب کہاں کی مے — مجلس کی مجلسیں نظر اک کرتے چھک گئیں

کیا میرؔ اُس کی نوک پلک سے سخن کرے
سر تیز چھریاں گڑتی جگر دل تلک گئیں

## ۱۳۴۲

۱۰۳۰۰ ہم سے اُسے نفاق ہوا ہے وفاق میں — کم اتفاق پڑتے ہیں یہ اتفاق میں
شاید کہ جان و تن کی جُدائی بھی ہے قریب — جی کو ہے اضطراب بہت اب فراق میں
عازم پہنچنے کے تھے دل و عرش تک ڈلے — آیا قصور اپنے ہی کچھ اشتیاق میں
احراق اپنے قلب کا رونے سے کب گیا — پانی کی چار بوندیں ہیں کیا احتراق میں
تحصیلِ علم کرنے سے دیکھا نہ کچھ حصول — میں نے کتابیں رکھیں اٹھا گھر کے طاق میں
۱۰۳۰۵ دم ناک میں بقولِ زناں عاشقوں کے ہیں — ہلنا بلا ہے موتی کا اُس کے بلاق میں
اک نور گرمِ جلوہ فلک پر ہے ہر سحر — کوئی تو ماہ پارہ ہے میرؔ اِس رواق میں

۱۳۴۳

صبح ہوئی گلزار کے طائر دل کو اپنے ٹٹولیں ہیں
یاد میں اس خود رو گل تر کی کیسے کیسے بولیں ہیں

باغ میں جو ہم دیوانے سے جا نکلیں ہیں نالہ کناں
غنچے ہو ہو مرغ چمن کے ساتھ ہمارے ہو لیں ہیں

بار ہمارا آساں کیا کچھ سینہ کشادہ ہم سے ملا
خوں کریں ہیں جب دل کو تب بند قبا کے کھولیں ہیں

مینھ جو برسے ہے شدت سے دیکھ اندھیری کیا ہے یہ
یعنی تنگ جو ہم آتے ہیں دل کو کھول کے رو لیں ہیں ۱۰۳۱۰

وہ دھوبی کا کم ملتا ہے میل دل اودھر ہے بہت
کوئی کہے اس سے ملتے میں تجھ کو کیا ہم دھو لیں ہیں

سرو تو ہے سنجیدہ لیکن پیش مصرع قد یار
ناموزوں ہی نکلے ہے جب دل میں اپنے تولیں ہیں

مرگ کا وقفہ اس لیے تو نہیں کیا ہے میر سمجھتے ہو
ہارے ماندے آہ گئے ہیں ہم لوگ سو کوئی دم سو لیں ہیں

۱۳۴۴

غزل میر کی کب پڑھائی نہیں
کہ حالت مجھے غش کی آئی نہیں

زباں سے ہماری ہے صیاد خوش
ہمیں اب امید رہائی نہیں ۱۰۳۱۵

کتابت گئی کب کہ اس شوخ نے
بنا اس کی گڈی اڑائی نہیں

نسیم آئی میرے قفس میں عبث
گلستاں سے دو پھول لائی نہیں

مری دل لگی اس کے رو سے ہی ہے
گل تر سے کچھ آشنائی نہیں

نوشتے کی خوبی لکھی کب گئی
کتابت بھی ایک اب تک آئی نہیں

قطعہ
جدا رہتے برسوں ہوئے کیوں کہ یہ
کنایہ نہیں بے ادائی نہیں ۱۰۳۲۰

گلہ ہجر کا سن کے کہنے لگا
ہمارے تمھارے جدائی نہیں

سیہ طالعی میری ظاہر ہے اب
نہیں شب کہ اس سے لڑائی نہیں

۱۳۴۵

دل کی لاگ بری ہے ہوتی چنگے بھلے مر جاتے ہیں
آپ میں ہم سے بے خود رفتہ پھر پھر بھی کیا آتے ہیں

رنگ نہ بدلے چہرہ کیونکر آنکھیں بیٹھی جائیں نہ کیوں
کیسے کیسے غم کھاتے ہیں کیا کیا رنج اٹھاتے ہیں

جی ہی جانے ہے میر جو اپنا دیر کی جانب کیا کریے
یوں تو مزاج طرف کعبے کے بہتیرا ہم لاتے ہیں ۱۰۳۲۵

### ۱۳۴۶

دل کی کچھ تقصیر نہیں ہے آنکھیں اُس سے لگ پڑیاں
مار رکھا سو اُن نے مجھ کو کس ظالم سے جا لڑیاں

ایک نگہ میں مر جاتا ہے عاشق کو چِک دل اُس کا
زہر بھری کیا کام آتی ہیں گو وے آنکھیں ہوں بڑیاں

عُقدے داغِ دل کے شاید دستِ قدرت کھولے گا
ناخن سے تدبیر کے میری کُھلتی نہیں یہ گُل جھڑیاں

نحس تھے کیا وے وقت و ساعت جن میں لگا تھا دل اپنا
سال بُہر ہے اب تو ہم کو ماہ برابر ہیں گھڑیاں

میرِ بلا سے جان بچے ہیں دونوں فراق و وصل اُس کے
۱۰۳۳۰
ہجر کی راتیں وہ بھاری تھیں ملنے کے دن کی یہ کڑیاں

### ۱۳۴۷

بھلا ہوا کہ دلِ مضطرب میں تاب نہیں
بہت ہی حال بُرا ہے اب اضطراب نہیں

جگر کا لوہو جو پانی ہو بہ نکلتا تھا
سو ہو چکا کہ مری چشم اب پُر آب نہیں

دیارِ حُسن میں دل کی نہیں خریداری
وفا متاع ہے اچھی پہ یاں کے باب نہیں

حساب پاک ہو روزِ شمار میں تو عجب
گُناہ اتنے ہیں میرے کہ کچھ حساب نہیں

۱۰۳۳۵
گزر ہے عشق کی بے طاقتی سے مشکل آہ
دلوں کو چین نہیں ہے شبوں کو خواب نہیں

جہاں کے باغ کا یہ عیش ہے کہ گل کے رنگ
ہمارے جام میں لوہو ہے سب شراب نہیں

تلاش میرؔ کی اب مے کدوں میں کاش کریں
کہ مسجدوں میں تو وہ خانماں خراب نہیں

### ۱۳۴۸

ہم کو کہنے کے تئیں بزم میں جا دیتے ہیں
بیٹھنے پاتے نہیں ہم کہ اُٹھا دیتے ہیں

ان لگیڑوں سے ہُنوں میں بھی اگر آتی ہے صبا
باغ کی چار طرف آگ لگا دیتے ہیں

۱۰۳۴۰
گرچہ ملتے ہیں خنک غیرت مہ یہ لڑکے
دل جگر دونوں کو یک لخت جلا دیتے ہیں

دیر رہتا ہے ہُما لاش پہ غم کُشتوں کی
اُستخوان اُن کے جلے کچھ تو مزا دیتے ہیں

اس شہِ حُسن کا اقبال کہ ظالم کے تئیں
ہر طرف سیکڑوں درویش دُعا دیتے ہیں

دل جگر ہو گئے سب تاب غمِ عشق جہاں
جی بھی ہم شوق کے ماروں کے غا دیتے ہیں

کیونکے اس راہ میں پا رکھیے کہ صاحب نظراں
یاں سے لے واں تئیں آنکھیں ہی بچھا دیتے ہیں

ملتے ہی آنکھ ملی اس کی تو پر ہم سب بے تہ     خاک میں آپ کو فی الفور ملا دیتے ہیں ۱۰۳۴۵

طرفہ صناع ہیں اے میر یہ موزوں طبعاں
بات جاتی ہے بگڑ بھی تو بنا دیتے ہیں

۱۳۴۹

جی مارا بے تابیِ دل نے اب کچھ اچھا ڈھنگ نہیں     رنگ طپیدن کی شوخی سے منھ پر میرے رنگ نہیں
وہ جو خرامِ ناز کرے ہے ٹھوکر دل کو لگتی ہے     چوٹ کے اوپر چوٹ پڑے ہے یہ دل ہے میرا سنگ نہیں
ہم بھی عالمِ فقر میں ہیں پر ہم سے جو مانگے کوئی فقیر     ایک سوال میں دو عالم ہیں اتنے دل کے تنگ نہیں
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے ہو گئے کیا میرے طور شتابی ہو     بیٹھا ہوں کھڑے پاؤں میں کچھ چلنے میں تو درنگ نہیں ۱۰۳۵۰

شعر میر بھی پڑھتا ہے تو اور کسو کا لے کر نام
کیوں کر کہیے اس ناداں کو نام سے میرے ننگ نہیں

۱۳۵۰

وہ نہیں اب کہ فریبوں سے لگا لیتے ہیں     ہم جو دیکھیں ہیں تو وے آنکھ چھپا لیتے ہیں
کچھ تفاوت نہیں ہستی و عدم میں ہم بھی     اٹھ کے اب قافلۂ رفتہ کو جا لیتے ہیں
نازکی ہائے رے طالع کی نکوئی سے کبھو     پھول سا ہاتھوں میں ہم اس کو اٹھا لیتے ہیں
صحبت آخر کو بگڑتی ہے سخن سازی سے     کیا درانداز بھی اک بات بنا لیتے ہیں ۱۰۳۵۵
ہم فقیروں کو کچھ آزار تمھیں دیتے ہو     یوں تو اس فرقے سے سب لوگ دعا لیتے ہیں
چاک سینے کے ہمارے نہیں سینے اچھے     انھیں رخنوں سے دل و جان ہوا لیتے ہیں

میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

۱۳۵۱

تھکے چارہ جوئی سے اب کیا کریں     کہو تم سو دل کا مداوا کریں
گلستاں میں ہم غنچہ ہیں دیر سے     کہاں ہم کو پروا کہ پروا کریں ۱۰۳۶۰
نہیں چاہتا جی کچھ اب سیر ہیں     ہوس دل کو ہو تو تمنا کریں
بخود جستجو میں نہ اس کی رہے     ہم آپھی ہیں گم کس کو پیدا کریں

غضب ہے یہ انداز رفتار عشق — چلے جائیں جی ہم تماشا کریں

بلا شور ہے سر میں ہم کب تلک — قیامت کا ہنگامہ برپا کریں

۱۰۲۶۵ کہیں دل کی مرغانِ گلشن سے کیا — یہ بے حوصلہ ہم کو رسوا کریں

کھپا عشق کا جوش دل میں بھلا — کہ بدنام ہوویں جو سودا کریں

برے حال اس کی گلی میں ہیں میر

جو اٹھ جائیں واں سے تو اچھا کریں

## ۱۳۵۲

ہجر میں روتا ہوں ہر شب میں تو اس صورت سے یاں — دے اندھیری مینھ برسے جوں کبھو شدت سے یاں

کس قدر بیگانہ خو ہیں مردمانِ شہر حسن — بات کرنا رسم و عادت ہی نہیں الفت سے یاں

۱۰۲۷۰ اٹھ گئے ہیں جب سے ہم سونا پڑا ہے باغ سب — شور ہنگامِ سحر کا مہر ہے مدت سے یاں

سر کوئی پھوڑے محبت میں تو بارے اس طرح — مر گیا ہے عشق میں فرہاد جس قدرت سے یاں

دل کشی اس بزم کی ظاہر ہے تم دیکھو تو ہو — لوگ جی دیتے چلے جاتے ہیں کس حسرت سے یاں

صورتوں سے خاک داں یہ عالمِ تصویر ہے — بولیں کیا اہلِ نظر خاموش ہیں حیرت سے یاں

فہم حرفوں کے تنافر کا بھی یاروں کو نہیں — اس پہ رکھتے ہیں تنفر سب مری صحبت سے یاں

۱۰۲۷۵ پنج روزہ عمر کریے عاشقی یا زاہدی — کام کچھ چلتا نہیں اس تھوڑی سی مہلت سے یاں

کیا سر جنگ و جدل ہو بے دماغ عشق کو

صلح کی ہے میر نے ہفتاد و دو ملت سے یاں

## ۱۳۵۳

داغِ فراق سے کیا پوچھو ہو آگ لگائی سینے میں — چھاتی سے وہ مہ نہ لگا ٹک آ کر اس بھی مہینے میں

چاک ہوا دل ٹکڑے جگر ہے لوہو روئے آنکھوں سے — عشق نے کیا کیا ظلم دکھائے دس دن کے اس جینے میں

گوندھ کے گویا پتی گل کی وہ ترکیب بنائی ہے — رنگ بدن کا تب دیکھو جب چولی بھیگے پسینے میں

۱۰۲۸۰ اس صورت کو [illegible] نہ تھا چھب چلتا تھا ہم سے بھی — جب تک دیکھا ان نے نہ تھا منہ خوب اپنا آئینے میں

لوگوں میں اسلام کے ہونا شہرت اس رسوائی کی — شیخ کو پھیرا گدھے چڑھا کر مکے اور مدینے میں

دل نہ ٹٹولیں کاش کسے اس کا سردی مہر تو ظاہر ہے — پاویں اس کو گرم مبادا یار ہمارے کینے میں

تیر نے کیا کیا ضبط کیا ہے شوق میں اشکِ خونیں کو
کہیے جو تقصیر ہوئی ہو اپنا لوہو پینے میں

## ۱۳۵۴

اب ہوسناک ہی محرم ہیں تمھارے یاروں میں — ہم جو عاشق ہیں سو ٹھہرے ہیں گنہگاروں میں
کوچۂ یار تو ہے غیرتِ فردوس ولے — آدمی ایک نہیں اس کے ہواداروں میں ۱۰۳۸۵
ہو گئے بدحال محبت میں کھنچے آخر کار — لوگ اچھے تھے بہت یار کے بیماروں میں
جی گیا ایک دم سرد ہی کے ساتھ اپنا — ہم جو خوش زمزمہ تھے اس کے گرفتاروں میں

اب درِ بازِ بیاباں میں قدم رکھیے میر
کب تلک تنگ رہیں شہر کی دیواروں میں

## ۱۳۵۵

عالمِ علم میں ایک تھے ہم وے حیف ہے ان کو گیان نہیں — اب کہتے ہیں خلطہ کیسا جان نہیں پہچان نہیں
کس امید پہ ساکن ہووے کوئی غریب شہر اس کا — لطف نہیں اکرام نہیں انعام نہیں احسان نہیں ۱۰۳۹۰
ہائے لطافت جسم کی اس کے مر ہی گیا ہوں پوچھو مت — جب سے تن نازک وہ دیکھا ہے تب سے مجھ میں جان نہیں
کیا باتوں سے تسلی ہو دل مشکل عشقی میری سب — یار سے کہتے کہتے ہیں پر کہنا کچھ آسان نہیں
شام و سحر ہم سرزدہ دامن سر بگریباں رہتے ہیں — ہم کو خیالی ادھر ہی کا ہے ان کو ادھر کا دھیان نہیں
جان کے میں تو آپ بنا ہوں ان لڑکوں میں دیوانہ — عقل سے بھی بہرہ ہے مجھ کو اتنا میں نادان نہیں
پانو کو دامن محشر میں ناچاری سے ہم کھینچیں گے — لائق اپنی وحشت کے اس عرصے کا میدان نہیں ۱۰۳۹۵
چاہت میں اس مایۂ جاں کی مرنے کے شایستہ ہوئے — جا بھی چکی ہے دل کی ہوس اب جینے کا ارمان نہیں

شور نہیں یاں سنتا کوئی میر قفس کے اسیروں کا
گوش نہیں دیوار چمن کے گل کے شاید کان نہیں

## ۱۳۵۶

یوں ناکام رہیں گے کب تک جی میں ہے اک کام کریں — رسوا ہو کر مارے جاویں اس کو بھی بدنام کریں
جن کو خدا دیتا ہے سب کچھ وے ہی سب کچھ دیتے ہیں — ٹوپی لنگوٹی پاس اپنے ہم اس پر کیا انعام کریں
منھ کھولے تو روزِ روشن زلف بکھیرے رات ہے پھر — ان طوروں سے عاشق کیوں کر صبح کو اپنی شام کریں ۱۰۴۰۰

خط و کتابت حرف و حکایت صفحہ ورق میں آجاوے — دستے کے دستے کاغذ ہو جو دل کا حال ارقام کریں

شیخ پڑے محراب حرم میں پہروں دوگانہ پڑھتے رہو — سجدہ ایک اس تیغ تلے کا ان سے ہو تو سلام کریں

دل آسودہ ہو تو رہے ٹک در پر ہم سو بار گئے — وہ سو بھی کہہ بھیجے ہے باہر جاویں اب آرام کریں

مَیلِ گدائی طبع کو اپنی کچھ بھی نہیں ہے ورنہ میرؔ

دو عالم کو مانگ کے لاویں ہم جو تنک اِبرام کریں

## ۱۳۵۷

۱۰۴۰۵ پھرا میں صورت احوال ہر یک کو دکھاتا یاں — مُروّت قحط ہے آنکھیں نہیں کوئی ملاتا یاں

خراب دِلّی کا وہ چند بہتر لکھنؤ سے تھا — وہیں میں کاش مرجاتا سراسیمہ نہ آتا یاں

محبت دشمنِ جاں ہے جو مَیں معلوم یہ کرتا

تو کاہے کو کسو سے میرؔ اپنا دل لگاتا یاں

## ۱۳۵۸

کس سے مشابہ کیجے اس کو ماہ میں ویسا نور نہیں — کیوں کر کہیے بہشتی رو ہے اس خوبی سے حور نہیں

شعر ہمارے عالم کے ہر چار طرف کیا دوڑے ہیں — کس وادی آبادی میں یہ حرف و سخن مشہور نہیں

۱۰۴۱۰ ہم دیکھیں تو دیکھیں اُسے پھر پردہ بہتر ہے یعنی — اور کریں نظارہ اُس کا ہم کو یہ منظور نہیں

عزت اپنی تہی دستی میں کھو لی خدا نے ہزار دل شکر — قدر ہے سست قدرت سے یاں حیف ہمیں مقدور نہیں

ملک وجودِ عدم سے آئے بستی جان کے دنیا میں — سو یاں گھر اُجڑے ہیں سارے اک منزل معمور نہیں

عشق و جنوں سے اگرچہ تن پر ضعف و نحافت ہے لیکن — وحشت گو ہو عرصۂ محشر مجنوں سے رنجور نہیں

ہجراں میں بھی برسوں ہم نے میرؔ کیا ہے پاسِ وفا

اب جو کبھو ٹک پاس بلالے ہم کو وہ تو دور نہیں

## ۱۳۵۹

۱۰۴۱۵ کیا کیا جھمک گئے ہیں رخسارِ یار دونوں — رہ رہ گئے مہ و خور آئینہ دار دونوں

تصویر قیس و لیلیٰ ٹک ہاتھ لے کے دیکھو — کیسے ہیں عاشقی کے حیرانِ کار دونوں

دستِ جنوں نے اب کے کپڑوں کی دھجیاں کیں — دامان و جیب ہیں میرے ہیں تار تار دونوں

پرسال کی سی بارش برسوں میں پھر ہوئی تھی — ابر اور دیدۂ تر روتے ہیں زار دونوں

دن ہیں بڑے کبھو کے راتیں بڑی کبھو کی ۔ رہتے نہیں ہیں یکساں لیل و نہار دونوں ۱۰۴۲۰
دل اور برق، ابر و فصلِ گُل ایک سے ہیں ۔ یعنی کہ بے کلی سے ہیں بے قرار دونوں
خوش رنگ اشکِ خونیں گرتے رہے برابر ۔ باغ و بہار ہیں اب جَیب و کنار دونوں
اس شاخِ گُل سے قد کی کیا چوٹ لگ گئی ہے ۔ جو دِل جگر ہوئے ہیں خون ایک بار دونوں
چلتے جو اُس کو دیکھا جی اپنے کھنچ گئے ہیں
ہم اور میرؔ یاں ہیں بے اختیار دونوں

و

۱۵۶۰

دیتی ہے طول بلبل کیا سوزشِ فغاں کو ۔ اک نالہ حوصلے سے بس ہے وداعِ جاں کو
میں تو نہیں پر اب تک مستانہ غنچے ہو کر ۔ کہتے ہیں مُرغِ گلشن سے میری داستاں کو ۱۰۴۲۵
نالاں تو ہیں مجھی سے پر وہ اثر کہاں ہے ۔ گو طائرِ گلستاں سیکھے مری زباں کو
کیا جانیے کہ کیا کچھ پردے سے ہوئے ظاہر ۔ رہتے ہیں دیکھتے ہم ہر صبح آسماں کو
اس چشمِ سُرخ پر ہے وہ ابروے کشیدہ ۔ جوں ترکِ مست رکھ لے سر کے تلے کماں کو
میری نگاہ میں تو معدوم سب ہیں ویسے ہی ۔ موجود بھی نہ جانا اس راہ سے جہاں کو
بعد از نماز جاتے کل مے خانے کے در اوپر
کیا جانے میرؔ واں سے پھر اُٹھ گئے کہاں کو ۱۰۴۳۰

۱۵۶۱

نہیں ہے تابِ تنک تم بھی مت عتاب کرو ۔ نہ گرم ہو کے بہت آگ ہو کے آب کرو
تمھارے عکس سے بھی عکس مجھ کو رشک سے ہے ۔ نہ دیکھو آئینہ مُنھ سے مرے حجاب کرو
خرابِ عشق تو سرگشتہ ہوں ہی میں تم بھی ۔ پھرا پھرا کے مجھے گلیوں میں خراب کرو
کہا تھا تم نے کہ ہر حرف پر ہے بوسۂ لب ۔ جو باتیں کی ہیں تو اب قرض کا حساب کرو
قطعہ
ہُوا ہے اہلِ مساجد پہ کام از بس تنگ ۔ نہ شب کو جاگتے رہنے کا اضطراب کرو ۱۰۴۳۵
خدا کریم ہے اُس کے کرم سے رکھ کر چشم ۔ دراز کھینچ کسو مے کدے میں خواب کرو
جہاں میں دیر نہیں لگتی آنکھیں مندتے میرؔ ۔ تمھیں تو چاہیئے ہر کام میں شتاب کرو

## ١٣٦٢

وہ گُل سا رو سراہوں یا پیچ دار مو کو  نرمی بھی کاش دیتا خالق ٹک اُس کی خو کو

ان گیسوؤں کے حلقے ہیں چشمِ شوقِ عاشق  وے آنکھیں دیکھتی ہیں حسرت سے اس کے رو کو

١٠٤٤٠ دم کی کشش سے کوشش معلوم تو ہے لیکن  پاتے نہیں ہم اُس کی کچھ طرزِ جُستجو کو

آلودہ خونِ دل سے صد حرف مُنھ پر آئے  مُرغِ چمن نہ سمجھا اندازِ گفتگو کو

دِل میرؔ دلبروں سے چاہا کرے ہے کیا کیا
کچھ انتہا نہیں ہے عاشق کی آرزو کو

## ١٣٦٣

عجب گر تیری صورت کا نہ کوئی یار عاشق ہو  جو صحنِ خانہ میں تو ہو در و دیوار عاشق ہو

تجھے اِک بار اگر دیکھے کوئی بے جا ہو دل اُس کا  خرامِ ناز پر تیرے لٹا گھر بار عاشق ہو

١٠٤٤٥ تری چھاتی سے لگنا ہار کا اچھا نہیں لگتا  مبادا اس وجہ سے گُل رو گلے کا ہار عاشق ہو

ہُوا ہے مخترع بے رحم خوں ریزی بھی کرنے میں  نہ مارے سے جان جب تک نہ منت دار عاشق ہو

سزا ہے عشق میں زرد و زبون و زار ہی ہونا  نہ عاشق کہیے ان رنگوں نہ جو بیمار عاشق ہو

پڑے سایہ کسو کا تیرے بستر پر تو تو چونکے  وہی لے کام تجھ سے جو کوئی پُرکار عاشق ہو

نہیں بازار گرمی ایک وے خواہندہ پر اُس کی  اگر وہ رشکِ یوسف آوے تو بازار عاشق ہو

١٠٤٥٠ غریبوں کی تو پگڑی جامے تک لے ہے اُترواتو  تجھے لے سیمبر لے بر میں جو زردار عاشق ہو

لگو ہو زار باراں رونے چلتے بات چاہت کی
کہیں ان روزوں تم بھی میرؔ صاحب زار عاشق ہو

## ١٣٦٤

تو وہ نہیں کسو کا تہ دِل سے یار ہو  یا تجھ کو دِل شکستوں سے اخلاص پیار ہو

کیا فِکر میں ہو اپنی طرحداری ہی کی تم  ہم دردمند لوگوں کے بیماردار ہو

مصروفِ احتیاط رہا کرتے رات دِن  دینے میں دل کے اپنا جو کچھ اختیار ہو

١٠٤٥٥ دل میں کدر سے آندھی سی اُٹھنے لگی ہے اب  نکلے گلے کی راہ تو رفعِ غبار ہو

کھا زہر مر رہیں کہیں کیا زندگی ہے یہ  زُلفیں تنگ چھوئیں تو ہمیں مار مار ہو

اے آہوانِ کعبہ نہ اینڈو حرم کے گرد
کھاؤ کسو کی تیغ کسو کے شکار ہو

مُنھ سے لگی گلابی ہُوا کچھ شگفتہ تو
تھوڑی شراب اور بھی پی جو بہار ہو

بہتی ہے تیز جدولِ تیغِ جفائے یار
یعنی کہ اک ہی وار لگے کام پار ہو

چھڑیوں سے کر قرار مدار اُس کو لائیے
جو میر پھر لڑا نہ کریں بے قرار ہو
۱۰۴۶۰

## ۱۳۶۵

دِل اُس کے مُو سے لگ کے پریشاں ہُوا نہ تو
اُس رُو کا مثل آئینہ حیراں ہُوا نہ تو

صد رنگ بحث رہتی ہے یاں فہمی شعور سے
اے وائے عقلمند کہ ناداں ہُوا نہ تو

نزدیک حق کے دین تو اسلام بن ہے کفر
اے برہمن دریغ مسلماں ہُوا نہ تو

کتنے دنوں کہا تھا دلا ضبطِ نالہ کر
پھر شب کو ناشکیبی سے نالاں ہُوا نہ تو

ہوتا ہے میر رو سے سخن آدمی کی اور
افسوس اے ستم زدہ انساں ہُوا نہ تو
۱۰۴۶۵

## ۱۳۶۶

کیا کروں میں صبر کم کو اور رنج بیش کو
زہر دیویں کاشکے احباب اس درویش کو

کھول آنکھیں صبح سے آگے کہ شیر اللہ کے
دیکھتے رہتے ہیں غافل وقت گرگ و میش کو

عشق کے بیتاب کے آزار میں مت کر شتاب
جان دیتے دیر لگتی ہی نہیں دل ریش کو

دشمن اپنا میں تو فکرِ دوستی ہی میں رہا
اب لکھوں کیوں کر سلامت جانِ عشق اندیش کو

مختلط ترسا بچوں سے شیرہ خانے میں رہا
کن نے دیکھا مسجدوں میں میر کافر کیش کو
۱۰۴۷۰

## ۱۳۶۷

نانُوں کی کوئی یہ بھی ٹھسک ہے جی کا ہے کو کڑھاتے ہو
آتے ہو تمکین سے ایسے جیسے کہیں کو جاتے ہو

غیر کی ہمراہی کی عزت جی مارے ہے عاشق کا
پاس کبھو جو آتے ہو تو ساتھ اک تحفہ لاتے ہو

مست نہیں پر بال ہیں بکھرے پیچ گلے میں پگڑی کے
ساختہ اپنے بگڑے رہو ہو تم جیسے مدھ ماتے ہو

پردہ ہم سے کر لیتے ہو جب آتے ہو مجلس میں
آنکھیں سب سے ملاتے ہو کچھ ہم ہی سے شرماتے ہو

۱۰۴۷۵ سوچ نہیں یہ فقیر ہے اپنا جیب دریدہ دیوانہ — ٹھوکر لگتے دامن کو کس ناز سے تم یاں آتے ہو
رفتۂ عشق کسو کا یار دراہ چلے ہے کس کے کہے — کون رہا ہے آپ میں یاں تم کس کے تئیں سمجھاتے ہو
صبر بلا پر کرتے صاحب بیتابی کا حاصل کیا
کوئی مقلب قلبوں کا ہے میر عبث گھبراتے ہو

۱۳۶۸

آج ہمارا سر دکھتا ہے صندل کا بھی نام نہ لو — رنگ اس کا کہیں یاد نہ دے زنہار اس سے کچھ کام نہ لو
یاد آئی وہ کیا تڑپے ہے کیا بیتابی کرتا ہے — کوئی تسلی پھر ہوتا ہے جب تک دل کو تھام نہ لو
میر کہاں تک بے خوابی وہ میں ہوں ٹک جو سلاتا ہوں
۱۰۴۸۰ بس جو تمھارا کچھ بھی چلے تو ایک گھڑی آرام نہ لو

۱۳۶۹

کام کیے ہیں شوق سے ضائع صبر آیا یاروں کو — مار رکھا بیتابیٔ دل نے ہم سب غم کے ماروں کو
جی تو جلا احباب کا جھڑ پر عشق میں اس شعلے کے پر — رو ہی نہیں ہے بات کا ہرگز اپنے جاں داروں کو
آنو نہیں در بستہ یعنی منھ پر اس مہ پارے کے — صبح تلک دیکھا کرتے ہیں محو چشمک تاروں کو
گردش چشم سیہ کا سے جمع نہ رکھو خاطر تم — بھو کھا پیاسا مار رکھا ہے تم سے ان نے ہزاروں کو
کوہ کن و مجنوں و وامق میر آئے تھے صحبت میں
۱۰۴۸۵ منھ نہ لگایا ہم ہیں جنھوں نے ایسے ہرزہ کاروں کو

۱۳۷۰

جی رکا رکنے سے پرے کچھ تو — آسماں آ گیا ورے کچھ تو
جو نہ ہووے نماز کریے نیاز — آدمی چاہیے کرے کچھ تو
طالع و جذب و زاری و زر و زور — عشق میں چاہیے ارے کچھ تو
جینا کیا ہے جہان فانی کا — مرتے جاتے ہیں کچھ مرے کچھ تو
سہمے سہمے نظر پڑے ہیں میر
۱۰۴۹۰ اس کے اطوار سے ڈرے کچھ تو

۱۳۷۱ رفتن رنگین گل رویاں سے کیا ٹھہراؤ ہو — ساتھ ان کے چل تماشا کر لے جس کو چاؤ ہو

قد جو خم پیری سے ہو تو سر کا دھننا ہیچ ہے | ہو چکا ہونا جو کچھ تھا اب عبث پچتاؤ ہو
خون کے سیلاب میں ڈوبے ہوؤں کا کیا شمار | ٹک بہے وہ جدول شمشیر تو ستھراؤ ہو
تھی وفا و مہر تو بابت دیار عشق کی | دیکھیں شہر حسن میں اس جنس کا کیا بھاؤ ہو

گریۂ خونیں سے ہیں رخسار میرے لعل تر
دیدۂ خوں بار یوں ہیں جیسے منھ پر گھاؤ ہیں ۱۰۴۹۵

## ۱۳۷۲

جی کی لاگ بلا ہے کوئی دل جینے سے اٹھا بیٹھو | ہو کے فقیر گلی میں کسو کی رنج اٹھاؤ جا بیٹھو
کیا دیکھو ہو آگا پیچھا عشق اگر فی الواقع ہے | ایک دم اس بے رحم و دغا کی تیغ تلے بھی جا بیٹھو
ایک سماں تھا وصل کا اس کے سیج پہ سوئے پھولوں کی | اب ہے زمان فراق جو سونے خار و خسک کے بچھا بیٹھو
کام کی صورت اپنی پیارے کیا بگڑی ہے کیا کہیے | آؤ کبھو عیادت میں یاں تو اچھے منھ کو بنا بیٹھو
ٹیڑھی چال سے اس کی خائف اچکے کھڑے کیا پھرتے ہو | سیدھی سیدھی دو چار اس کو جرأت کر کے سنا بیٹھو ۱۰۵۰۰
ٹیڑھی بھویں دشمن پہ کرو ہو عشق و ہوس میں تمیز کرو | یعنی تیغ ستم ایک اس کو چاہتے پھرتے لگا بیٹھو

نکلا خط پشت لب اس کا خضر و مسیحا مرنے لگے
سوچتے کیا ہو میر عبث اب زہر منگا کر کھا بیٹھو

## ۱۳۷۳

صبر کہاں جو تم کو کہیے لگ کے گلے سے سو جاؤ | بولو نہ بولو بیٹھو نہ بیٹھو کھڑے کھڑے ٹک ہو جاؤ
برسے ہے غربت سی غربت گور کے اوپر عاشق کی | ابر نمط جو آؤ ادھر تو دیکھ کے تم بھی رو جاؤ

میر جہاں ہے مقام حیرت پایاں یہاں کا نہ پیدا ہے ۱۰۵۰۵
آؤ یہاں تو داؤ نخستیں اپنے تئیں بھی کھو جاؤ

## ھ

## ۱۳۷۴

یار صد حیف کہ بیگانہ رہا اپنے ساتھ | آشنایانہ نہ کی کوئی ادا اپنے ساتھ
اتحاد اتنا ہے اس سے کہ ہمیشہ ہے وصال | اپنے مطلوب کو ہے ربط سدا اپنے ساتھ
عہد یہ تھا کہ نہ بے وصل بدن سے جاوے | سو جدا ہوتا ہے کی جی نے دغا اپنے ساتھ

رنج نے رنج بہت کھینچے پہنچ کر ہم تک — اک بلا میں ہے گرفتار بلا اپنے ساتھ

۱۰۵۱۰ دس گناہ دکھنے لگا زخم رکھے مرہم کے — درد کا کام رہی کرتی دوا اپنے ساتھ

وارد شہر ہیں یا دشت میں ہم شوق طلب
ہر زماں پھرتا ہے اے میر لگا اپنے ساتھ

## ۱۳۷۵

گرمی سے عاشقی کی آخر کو ہو رہا کچھ — پانی ہوا ہے کچھ تو میرا جگر جلا کچھ

آزردہ دل ہزاروں مرتے ہی ہم سنے ہیں — بیماریٔ دلی کی شاید نہیں دوا کچھ

وارفتہ ہے گلستاں اس روئے چمپئی کا — ہے فصل گل پہ گل کا اب وہ نہیں مزا کچھ

۱۰۵۱۵ وہ آرسی کے آگے پہروں ہے بے تکلف — منھ سے ہمارے اس کو آتی نہیں حیا کچھ

دل ہی کے غم میں گزرے سن دن جو عمر کے تھے — اچرج ہے اس نگر سے جاتا نہیں رہا کچھ

منھ کر کبھی میری جانب سوتا نہیں کبھو وہ — کیا جانوں اس کے جی میں ہے اس طرف سے کیا کچھ

دل لے فقیر کا بھی ہاتھوں میں دل وہی کر — آجائے ہے جہاں میں آگے لیا دیا کچھ

یاروں کی آہ و زاری ہووے قبول کیوں کر — ان کی زباں میں کچھ ہے دل میں ہے کچھ دعا کچھ

۱۰۵۲۰ ساری وہی حقیقت ملحوظ سب میں رکھیے — کہیے نمود ہووے جو اس کے ماسوا کچھ

حرف و سخن کی اس سے اپنی مجال کیا ہے — ان نے کہا ہے کیا کیا میں نے اگر کہا کچھ

کب تک یہ بدشرابی پیری تو میر آئی
جانے کے ہو مہیا اب کر چلو بھلا کچھ

## ۱۳۷۶

حیرت طلب کو کام نہیں ہے کسو کے ساتھ — جان عزیز بھی ہے مری آبرو کے ساتھ

یک رنگ آشنا ہیں خرابات ہی کے لوگ — سر مے کشوں کے پھوٹتے دیکھے سبو کے ساتھ

۱۰۵۲۵ قمری کا لوہو پانی ہوا ایک عشق میں — آتا ہے اس کا خون جگر آب جو کے ساتھ

خالی نہیں ہے خواہش دل سے کوئی بشر — جاتے ہیں سب جہاں سے یک آرزو کے ساتھ

دم میں ہے دم جہاں تئیں گرم تلاش ہوں — سو پیچ و تاب لیتے ہیں ہر ایک مو کے ساتھ

کیا اضطراب عشق سے میں حرف زن ہوں میر — منھ تک جگر تو آنے لگا گفتگو کے ساتھ

۱۲۷۷

سر تو بہت پھرا پر فائدہ کچھ ہوا نہ
اُلجھاؤ تھا جو اُس کی زلفوں سے سو گیا نہ

وے زلفیں عقدہ عقدہ ہیں آفتِ زمانہ
عقدہ ہمارے دل کا اُن سے بھی کچھ کھلا نہ ۱۰۵۳۰

غنچے کے دل کی کچھ تھی واشد بہار آئی
افسوس ہے کہ موسمِ گُل کا بہت رہا نہ

مرنا ہمارا اُس سے کہہ دیکھیں یار جا کر
حال اس کا یہ خبر بھی دَرہم کرے ہے یا نہ

کن پس بھی حیف اُس کو تھا نہ کہا تو کیا کیا
قطعہ لطیفہ بذلہ شعر و غزل ترانہ

بیمارِ عشق بے کس جیتا رہے گا کیوں کر
احوال گیر کم ہو پہنچے بہم دوا نہ

یوں درمیاں چمن کے لینے تو گئے تھے ہم کو
پر فرطِ بے خودی سے ہم تھے نہ درمیانہ ۱۰۵۳۵

چھو سکتے بھی نہیں ہیں ہم لپٹے بال اس کے
ہیں شانہ گیر سے جو یہ لڑکے نرم شانہ

وحشت چمن میں ہم کو کل صبح بیشتر تھی
مبلے اُس کے پھول گُل سے جی بیتام لگا نہ

صحبت بر آرا اپنی لوگوں سے کیونکے ہووے
معقول گو ہم اتنے وے ایسے ہرزہ چانہ

رگڑے گئے ہیں جبہے از بسکہ راستوں کے
آئینہ ہو رہا ہے وہ سنگِ آستانہ

ہے عینہ اُبلنا سیلابِ رود کا سا
اے میرؔ چشمِ تر ہے یا کوئی رود خانہ ۱۰۵۴۰

۱۲۷۸

غمِ فوت سے بندے آزاد رہ
خدا ہے تو کیا غم ہے دِل شاد رہ

۱۲۷۹

چاہ میں دل پر ظلم و ستم ہے جور و جفا ہے کیا کیا کچھ
درد و الم ہے کلفت و غم ہے رنج و بلا ہے کیا کیا کچھ

عاشق کے مر جانے کے اسباب بہت رُسوائی میں
دل بھی لگا ہے شرم و حیا ہے مہر و وفا ہے کیا کیا کچھ

عشق نے دے کر آگ یکایک شہرِ تن کو پھونک دیا
دل تو جلا ہے دماغ جلا ہے اور جلا ہے کیا کیا کچھ

دل لینے کو فریفتہ کے بہتیرا کچھ ہے یار کنے
غمزہ، عشوہ، چشمک، چتون ناز و ادا ہے کیا کیا کچھ ۱۰۵۴۵

کیا کیا دیدہ درائی سی تم کرتے رہے اس عالم میں
تم سے آگے سنو ہو صاحب نہیں ہوا ہے کیا کیا کچھ

حسرتِ وصل، اندوہِ جدائی، خواہش، کاوش، ذوق و شوق
یوں تو چلا ہوں اکیلا لیکن ساتھ چلا ہے کیا کیا کچھ

کیا کہیے جب میں نے کہا ہے میرؔ ہے مغرور اس پر تو
اپنی زباں مست کھول تو اُن نے اور کہا ہے کیا کیا کچھ

# ی

## ۱۳۸۰

میں تو تنک صبری سے اپنی رہ نہیں سکتا اک دم بھی
ناز و غرور بہت ہے اُس کا تکلف نہیں ہے کم کم بھی

۱۰۵۵۰ جامۂ احرام آخر تہ کر دل کی اور توجّہ کی
در پہ حرم کے اس لیے تھے ہم کوئی ملے گا محرم بھی

دیکھ ہوا کو طائر گلشن کس حسرت سے کہتے تھے
گل ہی چلے جاتے نہیں یاں سے چلنے کو بیٹھے ہیں ہم بھی

کیا کیا میں بیتاب رہا ہوں رنج و الم سے محبت کے
ہے عالم کچھ اور ہی میرے دل کے مرض کا عالم بھی

پنبۂ داغ کیا ہے کیا کیا اچھے ہونے والے نہ تھے
زخموں پر چھاتی کے میری رکھ دیکھو نہ مرہم بھی

گرم ہوا ہی ہوگا جو ہر سیر چمن کی کر لیجے
پھول بکھرتے جاتے ہیں کچھ آخر ہے اب موسم بھی

نعل جڑے سینے کو کوٹا، چہرے نچے پر خاک ملی
۱۰۵۵۵ میر کیا ہے میں نے نہایت دل جانے کا ماتم بھی

## ۱۳۸۱

نقد دل غفلت سے کھویا راہ کھوٹی کر گئے
کارواں جاتا رہا ہم خواب ہی میں مر گئے

کیا کہیں اُن نے جو پھیرا اپنے در پر سے ہمیں
مر گئے غیرت سے ہم بھی پر نہ اُس کے گھر گئے

واعظ ناکس کی باتوں پر کوئی جاتا ہے میر
آؤ مے خانے چلو تم کس کے کہنے پر گئے

## ۱۳۸۲

اے کاش کوئی جا کر کہہ آوے یار سے بھی
یاں کام جا چکا ہے اب اختیار سے بھی

۱۰۵۶۰ تا چند بے دماغی کب تک سخن خشن ہو
کوئی تو بات کریے اخلاص و پیار سے بھی

یک معنی شگفتہ سو رنگ بندھ گئے ہیں
الوان گل ہیں ہر سو اب کے بہار سے بھی

کیا جیب و آستیں ہی سیلاب خیز ہے یاں
دریا بہا کریں ہیں میرے کنار سے بھی

باغ وفا سے ہم نے پایا سو پھل یہ پایا
سینے میں چاک تر ہے دل اب انار سے بھی

راہ اُس کی برسوں دیکھی آنکھیں غبار لائیں
نکلا نہ کام اپنا اس انتظار سے بھی

جان و جہاں سے گزرا میں میر جن کی خاطر
۱۰۵۶۵ بچ کر نکلتے ہیں وے میرے مزار سے بھی

۱۳۸۳

خوار پھرایا گلیوں گلیوں سر مارے دیواروں سے
کیا کیا اُن نے سلوک کیے ہیں شہر کے عزت داروں سے

دور اُس سے تو اپنے بھائیں آگ لگی ہے گلستاں میں
آنکھیں نہیں پڑتی ہیں گل پر سلگتے ہیں انگاروں سے

شور کیا جو میں نے شبانگہ بیتابی سے دل کی بہت
کہنے لگا جی تنگ آیا ان مہر و وفا کے ماروں سے

وہ جو ماہ زمیں گرد اپنا دوپہری ہے ان روزوں
شوق میں ہر شب حرف و سخن ہے ہم کو فلک کے تاروں سے

حرف شنو ساتھ اپنے نہیں ہیں ورنہ درائے قافلہ ساں
راہ میں باتیں کس کس ڈھب کی کرتے ہیں ہم یاروں سے ۱۰۵۷۰

خستہ ہوا اپنا کیسا ہی کوئی پھر بھی گلے سے لگاتے ہیں
وحشت ایک تمھیں کو دیکھی اپنے سینہ فگاروں سے

داغ جگر داری ہیں اپنے کشتے ثباتِ دل کے ہیں
ہم نہ گئے جاگہ سے ہرگز قیمہ ہوئے تلواروں سے

حرف کی پہچان اُس کو نہ تھی تو سادہ ہی کچھ اچھا تھا
بات اگر مانے ہے کوئی سو سو اب تکراروں سے

کوہ کن و مجنوں یہ دونوں دشت و کوہ میں سر ماریں
شوق نہیں ملنے کا ہم کو میر ایسے آواروں سے

۱۳۸۴

زورکش ہیں گے عشق کے ہم بھی
ہم نے کھینچی کمانِ رستم بھی ۱۰۵۷۵

ہے بلا دھوم دِل تڑپنے کی
ایسا ہوتا نہیں ہے اودھم بھی

کچھ نہیں اور دیکھیں ہیں کیا کیا
خواب کا سا ہے یاں کا عالم بھی

حیف دل جاتے پڑ گئی جی کی
ورنہ غم کرتے لیتے ماتم بھی

حرمِ کعبہ کا نہ پایا بھید
نہ مِلا واں کا ایک محرم بھی

خشک سے نے ساتھا شیخ خیفہ ہوا
یوں تو یار اُس کو دیتے تھے دم بھی ۱۰۵۸۰

کھپ ہی جاتا ہے آدمی اے میر
آفتِ جاں ہے عشق کا غم بھی

۱۳۸۵

لطف ہے کیا انواعِ ستم جو اُس کے کوئی بیان کرے
گوش زد اک دن ہو دیں کہیں تو بے لطفی سے زبان کرے

ہم تو چاہ کر اُس پتھر کو سخت ندامت کھینچی ہے
چاہ کرے اب وہ کوئی جو جی چاہت کا ارمان کرے

سود دے ہیں دل کے نفع جو چاہے خام طمع سودائی ہے
داراسا اعشق میں کیسا جی کا بھی نقصان کرے

۱۰۵۸۵ حشر کے ہنگامے میں چاہیں دادِ عشق تو حسن نہیں
کاش کے یاں وہ ظالم اپنے دل ہی میں دیوان کرے

آتش خو مغرور سے ایسے عہدہ برآ کیا عاشق ہو
دل کو جلاوے منت رکھے جی مارے احسان کرے

یمنِ عشق غم افزا سے کام نہایت مشکل ہے
اب بھی نہیں نومیدی دل کو شاید عشق آسان کرے

کہنے میں یہ بات آتی نہیں ہو سیر خدا کی قدرت کی
موند کر آنکھیں میر اگر تو دل کی طرف ٹک دھیان کرے

۱۳۸۶

بے دل ہوئے، بے دیں ہوئے، بے وقر ہم ات گت ہوئے
بے کس ہوئے، بے بس ہوئے، بے کل ہوئے، بے گت ہوئے

۱۰۵۹۰ ہم عشق میں کیا کیا ہوئے اب آخر آخر ہو چکے
بے مت ہوئے، بے ست ہوئے، بیخود ہوئے، میت ہوئے

الفت جو کی، کہتا ہے جی، حالت نہیں، عزت نہیں
ہم بابتِ ذلت ہوئے، شایستۂ کلفت ہوئے

گر کوہِ غم ایسا گراں ہم سے اٹھے پس دوستاں
سوکھے سے ہم دینت ہوئے، تنکے سے ہم پربت ہوئے

کیا روئیے قیدی ہیں اب رویت بھی بن لگ کچھ نہیں
بے پر ہوئے، بے گھر ہوئے، بے زر ہوئے، بے پت ہوئے

آنکھیں بھر آئیں، جی رندھا، کہیے سو کیا، چپکے سے تھے
جی چاہتا مطلق نہ تھا، ناچار ہم رخصت ہوئے

یا مست درگاہوں میں شب کرتے تھے شاہد بازیاں
۱۰۵۹۵ تسبیح لے کر ہاتھ میں یا میرؔ اب حضرت ہوئے

۱۳۸۷

باغ میں سیر کبھو ہم بھی کیا کرتے تھے
روشِ آبِ رواں پھیلے پھرا کرتے تھے

غیرتِ عشق کسو وقت بلا تھی ہم کو
تھوڑی آزردگی میں ترکِ وفا کرتے تھے

دل کی بیماری سے خاطر تو ہماری تھی جمع
لوگ کچھ یوں ہی محبت سے دوا کرتے تھے

جب تلک شرم رہی مانعِ شوخی اس کی
تب تلک ہم بھی ستم دیدہ حیا کرتے تھے

۱۰۶۰۰ مائلِ کفر جوانی میں بہت تھے ہم لوگ
دیر میں مسجد دل میں دیر رہا کرتے تھے

آتشِ عشق جہاں سوز کی لپٹیں تھیں قہر
دل، جگر، جان دو روتے میں جلا کرتے تھے

اب تو بیتابیٔ دل نے ہمیں بٹھلا ہی دیا
آگے رنج و تعبِ عشق اٹھا کرتے تھے

اٹھ گئے پر مرے تکیے کو کہیں گے یاں میرؔ
دردِ دل بیٹھے کہانی سی کہا کرتے تھے

۱۳۸۸

حال نہیں ہے دل میں مطلق شور و فغاں رسوائی ہے — یار گیا مجلس سے دیکھیں کس کس کی اب آئی ہے

آنکھیں مل کر کھولیں اُن نے عالَم میں آشوب اُٹھا — بال کھلے دکھلائی دیا سو ہر کوئی سودائی ہے ۱۰۶۰۵

ڈول بیاں کیا کوئی کرے اُس عُمدہ خلافت کی وہبی کا — ڈھال کے سانچے میں صانع نے وہ ترکیب بنائی ہے

نسبت کیا اُن لوگوں سے ہم کو شہری ہیں دیوانے ہم — ہے فرہاد اک آدم کوہی، مجنوں اِک صحرائی ہے

ہے پتھر سا چھاتی میں میری کثرتِ غم کی حیرت سے — کیا کہیے پہلو سے دل کے سخت اذیت پائی ہے

باغ میں جا کر ہم جو رہے سو اور دماغ آشفتہ ہوا — کیا کیا سر پہ ہمارے آ کر بلبل شب چلائی ہے

کیسا کیسا عجز ہے اپنا کیسے خاک میں ملتے ہیں — کیا کیا ناز و غرور اُس کو ہے کیا کیا بے پروائی ہے ۱۰۶۱۰

قصہ ہم غربت زدگاں کا کہنے کے شایستہ نہیں — بے صبری کم پائی ہے پھر دُور اُس سے تنہائی ہے

چشمک، چتون، نیچی نگاہیں چاہ کی تیری مشعر ہیں
میر عبث مکرے ہے ہم سے آنکھ کہیں تو لگائی ہے

۱۳۸۹

دُنیا کی قدر کیا جو طلب گار ہو کوئی — کچھ چیز مال ہو تو خریدار ہو کوئی

کیا ابرِ رحمت اب کی برستا ہے لطف سے — طاعت گزیں جو ہو سو گنہ گار ہو کوئی

کیا ضعف تن میں ہے جگر و دل دماغ بن — پوچھے جو اس قشون میں سردار ہو کوئی ۱۰۶۱۵

ہم عاشقانِ زرد و زبون و نزار سے — مت کر ادائیں ایسی کہ بیزار ہو کوئی

چپکے ہیں ہم تو حیرتِ حالاتِ عشق سے — کر لے بیاں جو واقفِ اسرار ہو کوئی

یکساں ہوئے ہیں خاک سے پامال ہو کے ہم — کیا اور اس کی راہ میں ہموار ہو کوئی

وہ رہ سکے ہے دل زدہ کچھ منتظر کھڑا — حیرت سے اُس کے در پہ جو دیوار ہو کوئی

اِک نسخۂ عجیب ہے لڑکا طبیب کا — کچھ غم نہیں ہے اُس کو جو بیمار ہو کوئی ۱۰۶۲۰

کیا اضطراب دل سے کہے میر سِرِّ عشق
یہ حال سمجھے وہ جو گرفتار ہو کوئی

۱۳۹۰

ان حنائی دست و پا سے دل لگی سی ہے ابھی — میں نے ناخن بندی ہی مشق ہیں کی ہے ابھی

ہاتھ دل پر زور سے اپنے نہ رکھا چاہیے
چاک کی چھاتی مری جرّاح نے سی ہے ابھی

ایک دم دکھلائی دیتا بھی تو مرتے آ کہیں
شوق سے آنکھوں میں کوئی دم مرا جی ہے ابھی

۱۰۶۲۵ دیکھیں اک دم میں کہ کیونکر تیغ اس کی ہو بلند
کوئی خوں ریز ان نے اپنی میان سے لی ہے ابھی

کس طرح ہوں معتقد ہم اتقاے شیخ کے
صبح کو رسم صبوحی سے تو مے پی ہے ابھی

آ گئے کب کب اُٹھتے بیٹھتے سنّاہٹے سے باغ میں
طرز میرے نالے کی بلبل نے سیکھی ہے ابھی

زیر دیوار اُس کے کس اُمّید پر تو میر ہے
ایک سا دو نے جان اس دروانے پر دی ہے ابھی

## ۱۳۹۱

دیر سے ہم کو بھول گئے ہو یاد کرو تو بہتر ہے
غم حرماں کا کب تک کھینچیں شاد کرو تو بہتر ہے

۱۰۶۳۰ پہنچا ہوں ہیں دوری سے مرنے کے نزدیک آخر تو
قید حیات سے بندے کو آزاد کرو تو بہتر ہے

جو کریے گا حق میں میرے خوبی ہے میری اُس ہی میں
داد کرو تو بہتر ہے بے داد کرو تو بہتر ہے

زخم دامن دار جگر سے جامہ گذاری ہو نہ گئی
ظلم نمایاں اب کوئی جو ایجاد کرو تو بہتر ہے

عشق میں دم مارا نہ کبھو تم چپکے چپکے میر کھپے
لوہو منھ سے مل کر اب فریاد کرو تو بہتر ہے

## ۱۳۹۲

مل اہل بصیرت سے کچھ شے ہی دکھا دیں گے
لے خاک کی کوئی چٹکی اکسیر بنا دیں گے

۱۰۶۳۵ پانی کی سی بوندیں تھیں سب اشک نہیں جانا
کپڑوں پہ گریں گے تو وے آگ جلا دیں گے

سرگشتہ سا پھرتا ہے کہتے ہیں بیاباں میں
گر خضر ملے گا تو ہم راہ بتا دیں گے

اے کاش قیامت میں وہ دیویں اسے عاشق کو
گر حسن عمل کی واں لوگوں کو جزا دیں گے

حاصل کڑی ہونے کا ابرو کی کمان اُس کی
دیکھیں گے چڑھی جس دم ہم سر کو نوا دیں گے

ایدھر نہیں آتا وہ آوے تو تصدق کر
جی جامہ اُٹھا دیں گے گھر بار لٹا دیں گے

۱۰۶۴۰ معشوقوں کی گرمی بھی اے میر قیامت ہے
چھاتی میں گلے لگ کر ٹک آگ لگا دیں گے

## ۱۳۹۳

جنگل میں چشم کس سے بستی کی رہبری کی
صاحب ہی نے ہمارے یہ بندہ پروری کی

شب سن کے شور میرا کچھ کی نہ بے دماغی
اُس کی گلی کے سگ نے کیا آدمی گری کی

کرتے نہیں ہیں دل خوں اس رنگ سے کسو کا
ہم دل شدوں کی اُن نے کیا خوب لبری کی

اللہ رے کیا نمک ہے آدم کے حسن میں بھی
اچھی لگی نہ ہم کو خوش صورتی پری کی

ہے اپنی مہر ورزی جانکاہ و دل گداز اں
اس رنج میں نہیں ہے اُمید بہتری کی ١٠٦٤٥

رفتارِ ناز کا ہے پامال ایک عالم
اُس خود نما نے کیسی خود رائی خودسری کی

اے کاش اب نہ چھوٹے صیاد قیدیوں کو
جی ہی سے مارتی ہے آزادی بے پری کی

اس رشک سے ہے ہر شب ہے غیر سے لڑائی
بخت سیہ سے بارے ان روزوں یاوری کی

کھٹ بچر یاں ہی کی ہیں صراف کے نے ہم سے
پیسے دیے ہیں بدلی کی کچھ پرے گئے کھری کی

گزرے بسانِ صرصر عالم سے بے دماغی
افسوس میر تم نے کیا سیر سرسری کی ١٠٦٥٠

## ١٣٩٤

اکثر کی بے دماغی ہر دم کی سرگرانی
اب کب گئی اٹھائی ہے زور ناتوانی

تم دل کو دیتے ہو تو بے دل سمجھ کے ہو جو
ہم نے تو قدر دل کی افسوس کچھ نہ جانی

عہدِ شباب کی تو فرصت تھی ایک چشمک
مژگاں بہم زدن میں جاتی رہی جوانی

حسرت سے دیکھ رہیو لے نامہ بر منھ اس کا
بس اور کچھ نہ کہیو ہرگز مری زبانی

اس غیرتِ تر کی خجالت سے تابِ رخ کی
آئینہ تو مرا مر ہوتا ہے پانی پانی ١٠٦٥٥

مرزائی فقر میں بھی دل سے گئی نہ میرے
چہرے کے رنگ اپنے چادر کی زعفرانی

یوں میر تو غم اپنا برسوں کہا کریں گے
اب رات کم ہے سو بس ہو چکی کہانی

## ١٣٩٥

چلو چمن میں جو دل کھلے ٹک بہم غم دل کہا کریں گے
طیور ہی سے بکا کریں گے گلوں کے آگے بکا کریں گے

قرار دل سے گیا ہے اب کے کہ رک کے گھر میں مریں گے یوں
بہار آئی جو اپنے جیتے تو سیر کرنے چلا کریں گے

ہلاک ہونا مقرری ہے مرض سے دل کے پرتم کر کہو ہو
مزاج صاحب اگر ادھر ہے تو ہم بھی اپنی دوا کریں گے ١٠٦٦٠

برا ہے دل کا ہمارے لگنا لگانا غفلت سے عاشقی کے
کجی جبیں سے گلی میں اس کی خراب خستہ پھرا کریں گے

وصالِ خوباں نہ کر تمنا کہ زہر شیریں لبی ہے اُن کی — خراب رسوا جدا کریں گے ہلاک بل کر جدا کریں گے
اگر وہ رشکِ بہار سمجھے کہ رنگ اپنا بھی ہے اب ایسا — ورق خزاں میں جو زرد ہوں گے غمِ دل اُس پر لکھا کریں گے

غمِ محبت میں میرؔ ہم کو ہمیشہ جلنا ہمیشہ مرنا
صعوبت ایسی دماغ رفتہ کہاں تلک اب وفا کریں گے

١٣٩٦

سنو سرگذشت اب ہماری زبانی — سنی گرچہ جاتی نہیں یہ کہانی ١٠٦٦٥
بہت نذریں مانیں کہ مانے گا کہنا — ولیکن مری بات ہرگز نہ مانی
بہت مو پریشاں کھینچے اُس کے غم میں — خدا جانے ہے بید کس کی نشانی
گیا بھول جی شیب میں جو ہمارا — بہت یاد آئی گئی وہ جوانی
توقع نہیں یاں تک آنے کی اُن سے — اگر لطف مجھ پر کریں مہربانی
کریں ضبط گریہ سے دل کی عمارت — ہوئی چشمِ تر اس خرابے کی بانی ١٠٦٧٠
ملا دیتی ہے خاک میں آدمی کو — محبت ہے کوئی بلا آسمانی

گرامی گہر میرؔ جی تھا ہمارا
دلِ عشق میں قدر ہم نے نہ جانی

١٣٩٧

چلتے ہو تو چمن کو چلیے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے — پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم باد و باراں ہے
رنگ ہوا سے یوں ٹپکے ہے جیسے شراب چواتے ہیں — آگے ہو میخانے کے نکلو عہدِ بادہ گساراں ہے
١٠٦٧٥ عشق کے میداں داروں میں بھی مرنے کا ہے وصف بہت — یعنی مصیبت ایسی اٹھانا کارِ کار گذاراں ہے
دل ہے داغ جگر ہے ٹکڑے آنسو سارے خون ہوئے — لوہو پانی ایک کرے یہ عشقِ لالہ عذاراں ہے

کوہکن و مجنوں کی خاطر دشت و کوہ میں ہم نہ گئے
عشق میں ہم کو میرؔ نہایت پاسِ عزت داراں ہے

١٣٩٨

ہم اس مرتبہ پھر بھی لشکر گئے — تعب ایسی گزری کہ مر مر گئے
نظر اک سپاہی پسر سے لڑی — قریب اُس کے تلوار کر کر گئے

بہم مہر ورزی کے سرگرم تھے — خدا جانے وہ لوگ کیدھر گئے ۱۰۶۸۰
لہو میری آنکھوں میں آتا نہیں — جگر کے مگر زخم سب بھر گئے
رباطِ کہن میں نہیں میرؔ جی
ہوا جوگی دے بھی باہر گئے

## ۱۳۹۹

کبُ علے کی رات وہ آئی جو آپس میں لڑائی ہوئی — آخر اُس اُوباش نے مارا رہتی نہیں ہے آئی ہوئی
چاہ میں اُس بے اُلفت کی گھبراہٹ دل ہی کو تو نہیں — سارے حواسوں میں ہے تشتت جان بھی ہے گھبرائی ہوئی
گرچہ نظر ہے پشتِ پا پر لیکن قہرِ قیامت ہے — گڑ جاتی ہے دل میں ہمارے آنکھ اُس کی شرمائی ہوئی ۱۰۶۸۵
جنگل جنگل شوق کے مارے ناقہ سوار پھرا کی ہے — مجنوں جو صحرائی ہوا تو لیلےٰ بھی سودائی ہوئی
دوُدِ دلِ سوزانِ محبت محو جو ہو تو عرش پہ ہو — یعنی دوُد بُجھے کی جا کر عرش کی آگ لگائی ہوئی
چتون کے انداز سے ظالم ترکِ مروت پیدا ہے — اہلِ نظر سے چھُپتی نہیں ہے آنکھ کسو کی چھپائی ہوئی
میرؔ کا حال نہ پوچھو کچھ تم کہنہ رباط ہے پیری میں
رقص کناں بازار تک آئے عالم میں رسوائی ہوئی

## ۱۴۰۰

موسم ہے نکلے شاخوں سے پتّے ہرے ہرے — پلوُدے چمن میں پھولوں سے دیکھے بھرے بھرے ۱۰۶۹۰
آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمع دراز — وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے
کیا سمجھے اُس کے رتبۂ عالی کو اہلِ خاک — پھرتے ہیں جوں سپہر بہت ہم ورے ورے
مرتا تھا میں تو باز رکھا مرنے سے مجھے — یہ کہہ کے کوئی ایسا کرے ہے ارے ارے
گلشن میں آگ لگ رہی تھی رنگِ گل سے میرؔ
بلبل پکاری دیکھ کے صاحب پرے پرے

## ۱۴۰۱

ہماری تیری مُوَدّت ہے دوستداری ہے — ہزار سابقوں سے سابق ایک یاری ہے ۱۰۶۹۵
گئی وہ نوبتِ مجنوں کہ نام باجے تھا — ہمارا شورِ جنوں اب ہے اپنی باری ہے
کریں تو جا کے گدایانہ اُس طرف آواز — اگر صدا کوئی پہچانے شرم ساری ہے

مسافرانِ رہِ عشق ہیں شکیب سے چُپ | وگرنہ حال ہمارا تو اضطراری ہے
خرابی حال کی دل خواہ جو تمھارے تھی | سو خطرے میں نہیں خاطر ہمیں تمھاری ہے
۱۰۷۰۰ ہمیں ہی عشق میں جینے کا کچھ خیال نہیں | وگرنہ سب کے تئیں جان اپنی پیاری ہے

نگاہ غور سے کر میر سارے عالم میں
کہ ہو شے عین حقیقت وہی تو ساری ہے

۱۴۰۲

نہ خاطر پر الم تیرے نہ دل پر کچھ ستم تیرے | محلّ رحم ہو ویں کس طرح مظلوم ہم تیرے
جو ٹک بھی سایہ گستر ہو گا تو اس خشک مزرع پر | بہت ہم ہوں گے احساں مند اے ابر کرم تیرے

انھیں کی طبع جانِ میر مائل ہو گی سنبل کی
نہیں دیکھے جنھوں نے گیسوئے پرپیچ و خم تیرے

۱۴۰۳

۱۰۷۰۵ عشق میں کھوئے جاؤ گے تو بات کی نہ بھی پاؤ گے | قدر ہماری کچھ جانو گے دل کو کہیں جو لگاؤ گے
صبر کہاں بیتابیٔ دل سے چین کہاں بے خوابی سے | سو سو بار گلی میں تکتے گھر سے باہر آؤ گے
شوق کمال کو پہنچا تو ہیں خط و کتابت، حرف و سخن | قاصد کے محتاج نہ ہو گے آپھی دوڑے جاؤ گے
صنعت گریاں صاحبِ بندۂ دل کے لگے کب پیش گئیں | ایک نہیں وہ سننے کا تم باتیں بہت بناؤ گے
چاہ کیے درویش ہوئے تو آب و خورش کی فکر نہیں | لوہو پیو گے اپنا ہر دم غم غصہ ہی کھاؤ گے
۱۰۷۱۰ رنگ محبت کے ہیں کتنے کوئی تمھیں خوش آوے گا | خون کرو گے یا دل کو یا داغ جگر پہ جلاؤ گے
رہتے ہیں مبہوتِ الفت، ہیں گم گشتہ کلفت میں | بھولے بھولے آپھی پھرو گے کس کو راہ بتاؤ گے
اشک تو پانی سے ہیں لیکن جلتے جلتے آویں گے | دل کے لگے حیراں ہو صاحب کس ڈھب مل کے بجھاؤ گے

چاہت میر سبھی کرتے ہیں رنج و تعب میں رہتے ہیں
تم جو ابھی بے تاب ہو ایسے جی سے ہاتھ اٹھاؤ گے

۱۴۰۴

اب کے سفر کو ہم سے وہ مہ جدا گیا ہے | رخصت میں لگ گلے سے چھاتی جلا گیا ہے
۱۰۷۱۵ فرہاد و قیس گذرے اب شور ہے ہمارا | ہر کوئی اپنی نوبت دو دن بجا گیا ہے

ضعفِ دماغ سے میں بھر کر نظر نہ دیکھا ۔۔۔ کیا دیر میں پلک سے میری اٹھا گیا ہے
بے جا ہوئے بہت دل رفتار دیکھ اُس کی ۔۔۔ عزلت گزینوں سے بھی کم ہی رہا گیا ہے
رسوا خراب و غم کش، دل باختہ محبّت ۔۔۔ عاشق کو تیرے غم میں کیا کیا کہا گیا ہے
اے میر شعر کہنا کیا ہے کمالِ انساں، قطعہ یہ بھی خیال سا کچھ خاطر میں آ گیا ہے
شاعر نہیں جو دیکھا تو تو ہے کوئی ساحر
دو چار شعر پڑھ کر سب کو رجھا گیا ہے ۱۰۷۲۰

۱۴۰۵

کہو سو کریے فراق اس کا تو جی کو میرے کھپا گیا ہے ۔۔۔ درون میں آگ اک لگا گیا ہے بروں کو یکسر جلا گیا ہے
اگرچہ مارا اگر بڑے کے مجھ کو ولیک لطف و کرم سے پھر بھی ۔۔۔ نشان میرے مزار کا وہ سر رہ اپنی بنا گیا ہے
خرامِ شوخی کے ہم رہ اُس کے ہزار جانیں چلی گئی ہیں
رکھا ہے رہ میں قدم جو اُن نے تو میر کس سے رہا گیا ہے

۱۴۰۶

صبر کر رہ جو وہ عتاب کرے ۔۔۔ ورنہ کیا جانے کیا خطاب کرے
عشق میں دل بہت ہے بے آرام ۔۔۔ چین دیوے تو کوئی خواب کرے ۱۰۷۲۵
وقت یاں کم ہے چاہیے آدم، ۔۔۔ کرنا جو کچھ ہو سو شتاب کرے
پھاڑ کر خط کو اُن نے پھینک دیا ۔۔۔ نامہ بر اس کا کیا جواب کرے
ہے برافروختہ جو خشم سے وہ ۔۔۔ آتشِ شعلہ زن کو آب کرے
ہے تو یک قطرہ خوں ہی لیکن ۔۔۔ قہر ہے دِل جو اضطراب کرے
میر اُٹھ بت کدے سے کعبے گیا
کیا کرے جو خدا خراب کرے ۱۰۷۳۰

۱۴۰۷

افسانہ خواں کا لڑکا کیا کہیے دیدنی ہے ۔۔۔ قصہ ہمارا اس کا یارو شنیدنی ہے
اپنا تو دستِ کوتہ زہ تک بھی ٹک نہ پہنچا ۔۔۔ نقاش سے کہیں رہ دامن کشیدنی ہے
پروانہ مر رہا ہے، جل کر نہ کچھ کہا تو ۔۔۔ اے شمع یہ زباں تو ظالم بریدنی ہے

حسرت سے عاشقی کی پیری میں کیا کہیں ہم　　دنداں نہیں ہیں منہ میں وہ لب گزیدنی ہے

ہے راست میر صاحب کس کس کا خیف کریے

سر ہے نگندنی ہے قد ہے خمیدنی ہے　　۱۰۷۳۵

۱۴۰۸

حال رہا ہو ہم میں کچھ تو حال کسو سے کہا جاوے　　آن رہے ہیں آج دموں پر کل تک کیونکر رہا جاوے

اس کی گلی وہ ظلم کدہ ہے آ نکلے جو کوئی وہاں　　گرد رہ عشق آلودہ تو لوہو میں اپنے نہا جاوے

آنکھوں کی خونابہ فشانی دیکھیں میر کہاں تک یہ

زرد ہمارے رخساروں پر ہر دم خون بہا جاوے

۱۴۰۹

عشق چھپا کر پچھتائے ہم سوکھ گئے رنجور ہوئے　　یعنی آنسو پی پی گئے سو زخم جگر ناسور ہوئے

۱۰۷۴۰ ہم جو گئے سرمست محبت اس اوباش کے کوچے میں　　کھائیں کٹری تلواریں اس کی زخمی نشے میں چور ہوئے

کوئی نہ ہم کو جانے تھا ہم ایسے تھے گمنام آگے　　یمن عشق سے رسوا ہو کر شہروں میں مشہور ہوئے

کیا باطل ناچیز یہ لونڈے قدر پر اپنی ناز اں ہیں　　قدرت حق کے کھیل تو دیکھو عاشق بے مقدور ہوئے

سر عاشق کا کاٹ کے ان کو سر بگریباں رہنا تھا　　سو تو پگڑی پھیر رکھی ہے اور بھی شے معذور ہوئے

زرد و زبون و زار ہوئے ہیں لطف ہے کیا اس جینے کا　　مردے سے بھی بدتر ہوئے ہم ہجراں میں بے نور ہوئے

پاس ہی رہنا اکثر اس کے میر سبب تھا جینے کا

۱۰۷۴۵ پہنچ گئے مرنے کے نزدیک اس سے جو ٹک دور ہوئے

۱۴۱۰

جو بخت جی سے دعا میں ہے سو تو حاضر ہے　　یہ فرط شوق سے مجھ کو ملال خاطر ہے

وصال ہووے تو قدرت نما ہے قدرت کی　　نہ ہم کو قدر نہ قدرت خدا ہی قادر ہے

مسافرانہ ملے تو کہا شرارت سے　　غریب کہتے ہیں لوگ ان کو یہ بھی نادر ہے

کسو سیاق سے تحریر طول شوق نہ ہو　　زبان خامۂ لساں اس میں قاصر ہے

بہم رکھا کرو شطرنج ہی کی بازی کاش

۱۰۷۵۰ نہ میر بار ہے خاطر کا یار شاطر ہے

۱۴۱۱

ہوتی نہیں تسلیِ دل گلستاں سے بھی
تسکیں نہیں ہے جان کو آبِ رواں سے بھی

تا یہ گرفتہ وا ہو کہاں لے کے جائیے
آئے ہیں اس کی غنچگی میں تنگ جاں سے بھی

آگے تھی شوخی ہم سے کنایوں میں چپ تھے ہم
مشکل ہے اب برا لگے کہنے زباں سے بھی

ہر چند دستِ بیعِ جوانانِ ہوں میں ولے
اک اعتقاد رکھتا ہوں دل پیرِ مغاں سے بھی

۱۰ جھنجھلاہٹ اور غصے میں ہجرانِ یار کے
جھگڑا ہمیں رہے ہے زمین آسماں سے بھی ۱۰۷۶۰

دنیا سے درگذر کہ گذرگہ عجب ہے یہ
قطعہ
درپیش یعنی میر ہے جانا جہاں سے بھی

لشکر میں ہے مبیت اسی بات کے لیے
کہتے ہیں لوگ کوچ ہے کل صبح یاں سے بھی

۱۴۱۲

عشق کیا ہے جب سے ہم نے دل کو کوئی ملتا ہے
اشک کی سرخی زردیِ چہرہ کیا کیا رنگ بدلتا ہے

روزِ وداع لگا چھاتی سے وہ جو خوش پرکار گیا
دل تڑپے ہے جان کھپے ہے سینہ سارا جلتا ہے

گور بغیر آرام گہ اس کو دنیا میں پھر کوئی نہیں
عشق کا مارا آوارہ جو گھر سے اپنے نکلتا ہے ۱۰۷۶۵

ضعفِ دماغی جس کو ہووے عشق کے رنج و محنت سے
جی بھی سنبھلتا ہے اس کا پر بعد از دیر سنبھلتا ہے

شورِ جرس شب گیر کا غافل تیاری کا تکیہ ہے
یعنی آنکھ نہ لگنے پاوے، قافلہ صبح کو چلتا ہے

بال نہیں عاشق کے بدن پر ہر بن مو سے نکلا دود
بل کر اس کو جلانے کیا ہو آپ ہی جلتا بلتا ہے

میرِ ستم کشتہ کی سماجت ہے مشہور زمانے کی
جان دیے بن آگئے سے اس کے کب وہ ظالم ٹلتا ہے

۱۴۱۳

جب سے ستارہ صبح کا نکلا تب سے آنسو چمکا ہے
دل تڑپا جو اس مہ رو بن سر کو ہمارے دھمکا ہے ۱۰۷۷۰

آمد و رفتِ دم کے اوپر ہم نے بنائے زیست رکھی
دم سو ہوا ہے آوے نہ آوے کس کو بھروسا دم کا ہے

کہہ صوفی چل میخانے میں لطف نہیں اب مسجد میں
ابر ہے باراں بلد ہے نرمک نرمک بدن میں چمکا ہے

کیا امیدِ رہائی رکھے ہم سا رفتہ و وارفتہ
دل اپنا تو زنجیری اس زلفِ خم در خم کا ہے

دل کی نہیں بیماری ایسی جس میں ہو امید بہی
کیا سنبھلے گا میرِ ستم کش وہ تو مارا غم کا ہے

### ۱۴۱۴

۱۰۷۷۵ خواہش دل کی کس سے کہیے محرم تو ناپیدا ہے — چُپ ہیں کچھ کر سکتے نہیں پر جی میں ہمارے کیا کیا ہے

ہیں متوقع پرسش اُس کے ہم جو گرے ہیں بستر پر — رہنا اس بدحالی ہی سے اپنے حق میں اچھا ہے

میرؔ جی کی بیماریٔ دل کو کب سے ہم سب سنتے ہیں
پوچھے کوئی مزاج کو اس کے ان روزوں میں کیسا ہے

### ۱۴۱۵

صبر کیا جاتا نہیں ہم سے ضعف بھی ہے بیتابی ہے — سہل نہیں ہے جی کا ڈھہنا کیسی خانہ خرابی ہے

آ گئے ایسا نِکھرا نکھرا کاہے کو میں پھرتا تھا — جب سے آنکھ لگی اس مہ سے رنگ مرا مہتابی ہے

۱۰۷۸۰ کس سے سبب میں پوچھوں یا رب اپنی شورش سینے کا — چھاتی جو جلتی رہتی ہے لت گت آگ مگر یاں دابی ہے

رنج و محن نے عشق کے مجھ کو راحت سے مایوس کیا — دل کے تئیں بیتابی ہے میری آنکھوں کو بے خوابی ہے

ابر کوئی رویا ہے شاید برسوں وادیٔ لیلیٰ میں — سیر کیا وہ قطعہ زمیں کا اب تک بھی سیرابی ہے

شہرِ حُسن عجب بستی ہے ڈھونڈے پیدا مہر نہیں — ہے تو متاع گراں قیمت پھر اس کی بلا نایابی ہے

دربدر و رسوا و عاشق، شاعر، شاغل، کامل میرؔ
گہ کعبے میں، دَیر میں گاہے، کیا کافر ہر بابی ہے

### ۱۴۱۶

۱۰۷۸۵ دل کی بات کہی نہیں جاتی چپکے رہنا ٹھانا ہے — حال اگر ہے ایسا ہی تو جی سے جانا جانا ہے

اس کی نگاہِ تیز ہے میرے دوش و برِ پرانِ روز دل — یعنی دل پہلو میں میرے تیرِ ستم کا نشانا ہے

دل جو لیے ہے تو پانو کو بھی دامن میں ہم کھینچ رکھیں — صبح سے لے کر سانجھ تلک اُودھر ہی جانا آنا ہے

سُرخ کبھو آنسو ہیں ہوتے زرد کبھو ہے مُنھ میرا — کیا کیا رنگ محبت کے ہیں، یہ بھی ایک زمانا ہے

اس نومیدیٔ بے غایت پر کس مقدار کڑھا کریے — دو دم جیتے رہنا ہے تو قیامت تک مر جانا ہے

۱۰۷۹۰ فرصت کم ہے یاں رہنے کی بات نہیں کچھ کہنے کی — آنکھیں کھول کے کان جو کھولو بزم جہاں افسانا ہے

فائدہ ہوگا کیا مترتب ناصح ہرزہ درائی سے — کس کی نصیحت کون سُنے ہے عاشق تو دیوانا ہے

تیغ تلے ہی اس کے کیوں نہ گردن ڈال کے جا بیٹھیں — سر تو آخر کار ہمیں بھی خاک کی اَور [illegible] کانا ہے

آنکھوں کی یہ مردم داری دل کو کسو دلبر سے ہے — طرزِ نگہ طراری ساری میرؔ تمھیں پہچانا ہے

## ۱۴۱۷

کلید پیچ اگر رقعہ یار کا آوے — تو دل کہ قفل سا بستہ ہے کیسا کھل جاوے

ہماری جان لبوں پر سے سنئے گوش گئی — کہ اس کے آنے کی سن گن کچھ اب بھی یاں پاوے ۱۰۷۹۵

بہار لوٹتے ہیں میر اب کہ طائر آزاد
نسیم گیا ہے دو گل برگ اگر ادھر لاوے

## ۱۴۱۸

میں اس کی جدائی میں تصدیع بہت پائی — درویشی و کم پائی بے صبری و تنہائی

اس رفتہ کی جاں بخشی تک آتے ہوئی اس کے — رکھتے ہی قدم مجھ میں پھر جان گئی آئی

تھا صبر و سکوں جب تک رہتا تھا مجھے غش سا — بے تابی دل سر پر ایک اور بلا لائی

اس میری جراحت پر کل داور محشر بھی — ڈرتا ہوں کہے ریجھا کیا تیغ ستم کھائی ۱۰۸۰۰

اے میر کسے دیں ہیں جب تک نہ نصیبہ ہو
کہ شکر ملی ہے جو اس در کی جبیں سائی

## ۱۴۱۹

کیا کیا ہم نے رنج اٹھائے کیا کیا ہم بھی شکیبا تھے — دو دن جوں توں جیتے رہے سو مرنے ہی کے مہیا تھے

عشق کیا سو باتیں بنائیں یعنی شعر شعار ہوا — بیتیں جو وے مشہور ہوئیں تو شہروں شہروں سودا تھے

کیا پگڑی کو پھیر کے رکھتے کیا سر نیچے نہ ہوتا تھا — لطف نہیں اب کیا کہیے کچھ آگے ہم بھی کیا کیا تھے

اب کے وصال قرار دیا ہے ہجر ہی کی سی حالت ہے — ایک سمیں میں دل بے جا تھا تو بھی ہم وے یک جا تھے ۱۰۸۰۵

کیا ہوتا جو پاس اپنے اے میر کبھو وے آ جاتے
عاشق تھے درویش تھے آخر بیکس بھی تھے تنہا تھے

## ۱۴۲۰

رنج کی اس کے جو خبر گزرے — رفتہ وارفتہ اس کا مر گزرے

ایک پل بھی نہ اس سے آنسو پونچھے — روتے مجھ کو پہر پہر گزرے

ہوئے خوں آنکھوں سے بہی شاید — خوں سے میرے بھی وے دگر گزرے

راہ جاناں سے ہے گذر مشکل — جان ہی سے کوئی مگر گزرے ۱۰۸۱۰

یارے غیروں کو یا مرے عاشق — کچھ نہ کچھ چاہیئے کہ کر گزرے
غنچہ ہو شرم سے اِن آنکھوں کی — گُل نرگس اگر نظر گزرے

سر کا جانا ہی ہر قدم ہے میر
کیا کوئی اس کی راہ پر گزرے

۱۴۲۱

جب سے آنکھیں کھلی ہیں اپنی درد و رنج و غم دیکھے — ان ہی دیدۂ نم دیدوں سے کیا کیا ہم نے ستم دیکھے
۱۰۸۱۵ سر جانے کی اور اپنے زنہار نگاہ نہ کی ہم نے — آٹھ کے اندھا دھند آئے چلے ہی اس ظالم کے قدم دیکھے
عالم ہیئتِ مجموعی سے ایک عجیب مرقع ہے — ہر صفحے میں ورق میں اُس کے دیکھے تو عالم دیکھے
زخم نہ ہووے کیونکر غائر چھاتی میں دل خستوں کی — تیرِ نگاہ یار جگر پر لگتے ہوئے پیہم دیکھے

یار کے در پر ذکر ہے کیا ہنگامۂ روزِ محشر کا
اس کوچے میں قیامت ہے تو میر بہت اودھم دیکھے

۱۴۲۲

خواہشِ دل سے جی کی تاب گئی — آنکھیں اس سے لگیں سو خواب گئی
۱۰۸۲۰ پھول سے بھی تھی خوب دخترِ تاک — غنچوں میں رہی خراب گئی
بگر کر اس کی گلی کی خاک میں مفت — اشک کی موتی کی سی آب گئی
بوئے گل یا نوائے بلبل تھی — عمر افسوس کیا شتاب گئی

نمکِ حسنِ سبز سے اے میر
ساری کیفیتِ شراب گئی

۱۴۲۳

یارب اُس کا ستم سہا بھی جائے — پنجۂ خورشید کا گہا بھی جائے
۱۰۸۲۵ دیکھ رہیے خرامِ ناز اس کا — پر کسو پا سے گر رہا بھی جائے
دردِ دل طول سے کہے عاشق — رو برو اس کے جو کہا بھی جائے
حیرتِ گل سے آب جو ٹھٹھکا — بہے بہتیرا ہی بہا بھی جائے
کیا کوئی اُس گلی میں آوے میر — آوے تو لوہو میں نہا بھی جائے

# ۱۴۲۴

اب ترک کر لباس توکّل ہی کر رہے — جب سے کلاہ سر پہ رکھی در بدر رہے

اس دشت سے غبار ہمارا نہ ٹک اٹھا — ہم خانماں خراب نہ جانا کدھر رہے ۱۰۸۳۰

آنے سے اُس طرف کے ترے میں نے غش کیا — شکوہ بھی اس سے کیجیے جس کو خبر رہے

دونوں طرف سے دیدہ درائی نہیں ہے خوب — اس چاہ کا ہے لطف جو آپس میں ڈر رہے

جب تک ہو خون دل میں، جگر میں، مژہ ہو نم — نہ کچھ بھی جو نہ ہووے تو کیا چشم تر رہے

رہنا گلی میں اُس کی نہ جیتے جی ہو سکا — ناچار ہو کے واں جو گئے اب سو مر رہے

عاشق خراب حال ترے ہیں گرے پڑے — جوں لشکر شکستہ پریشاں اتر رہے ۱۰۸۳۵

عیب آدمی کا ہے جو رہے اس دیار میں
مطلق جہاں نہ میر رواج ہنر رہے

# ۱۴۲۵

پھر اب چلو چمن میں کھلے غنچے رک گئے — شاخوں سمیت پھول نہالوں کے جھک گئے

چندیں ہزار دیدۂ گل رہ گئے کھلے — افسوس ہے چمن کی طرف تم نہ ٹک گئے

بھڑکی تھی جب کہ آتش گل پھول پڑ گیا
بال و پر طیور چمن میر پھک گئے

# ۱۴۲۶

آج ہمیں بے تابی سی ہے صبر کی دل سے رخصت تھی — چار دن اودھر نگہ کرنے میں عالم عالم حسرت تھی ۱۰۸۴۰

کس محنت سے محبت کی تھی، کس خواری سے یاری کی — رنج ہی ساری عمر اٹھایا، کلفت تھی یا الفت تھی

بدنامی کیا عشق کی کہیے، رسوائی سی رسوائی ہے — صحرا صحرا وحشت بھی تھی، دنیا دنیا تہمت تھی

راہ کی کوئی سنتا نہ تھا یاں رستے میں مانند جرس — شور سا کرتے جاتے تھے ہم بات کی کس کو طاقت تھی

عہد ہمارا تیرا ہے یہ جس میں گم ہے مہر و وفا — اگلے زمانے میں تو یہی لوگوں کی رسم و عادت تھی

خالی ہاتھ سیہ رو ایسے کاہے کو تھے گریہ کناں — جن روز دل درویش ہوئے تھے پاس ہمارے دولت تھی ۱۰۸۴۵

جو اٹھتا ہے یاں سے بگولا ہم سا ہے آوارہ کوئی
اس وادی میں میر مگر سرگشتہ کسو کی تربت تھی ۱۰۸۴۶

دیوان پنجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دیوانِ پنجم

## ۱۴۲۷

دل رفتۂ جمال ہے اس ذوالجلال کا  مستجمعِ جمیع صفات و کمال کا ۱۰۸۴۷

ادراک کو ہے ذاتِ مقدس میں دخل کیا  اُودھر نہیں گذار گمان و خیال کا

حیرت ہے عارفوں کو نہیں راہِ معرفت  حال اور کچھ ہے یاں اُنھوں کے حال و قال کا

ہے قسمتِ زمین و فلک سے غرض نمود  جلوہ وگرنہ سب میں ہے اُس کے جمال کا ۱۰۸۵۰

مرنے کا بھی خیال رہے میرؔ اگر تجھے
ہے اشتیاق جانِ جہاں کے وصال کا

## ۱۴۲۸

ہے حرفِ خامہ دل زدہ حُسنِ قبول کا  یعنی خیال سر میں ہے نعتِ رسول کا

رہ پیروی میں اس کی کہ گامِ نخست میں  ظاہر اثر ہے مقصدِ دل کے وصول کا

وہ مقتدائے خلقِ جہاں اب نہیں ہوا  پہلے ہی تھا امام نفوس و عقول کا

سُرمہ کیا ہے وضع پئے چشمِ اہلِ قدس  احمدؐ کی رہگذار کی خاک اور دھول کا ۱۰۸۵۵

ہے متحد نبی و علی و وصی کی ذات  یاں حرف معتبر نہیں ہر بوالفضول کا

دھو منھ ہزار پانی سے سو بار پڑھ درود  تب نام لے تو اس چمنستان کے پھول کا

حاصل ہے میرؔ دوستیِ اہلِ بیت اگر
تو غم ہے کیا نجات کے اپنی حصول کا

عشق تو بن رسوائی عالم باعث ہے رسوائی کا — میل دلی اس خودسر سے ہے جو پایہ ہے خدائی کا

۱۰۸۶۰ ہے جو سیاہی جرم قمر میں اس کے سوا کچھ اور نہیں — داغ ہے مہ کا آئینہ اس سطح رخ کی صفائی کا

نزع میں میری حاضر تھا پر آنکھ نہ ایدھر اس کی پڑی — داغ چلا ہوں اس سے جہاں میں یار کی بے پروائی کا

کوشش میں سر مارا لیکن در پہ کسی کے جا نہ سکا — تن پہ زباں شکر ہے ہر مو اپنی شکستہ پائی کا

رنگ سراپا اس کا ہوا لے آگے دل خوں کرتی رہی — اب ہے جگر یک لخت افسردہ اس کے رنگ حنائی کا

آماس ناداری سے ہم نے جی دینا ٹھہرایا ہے — کیا کہیے اندیشہ بڑا تھا اس کی منہ دکھلائی کا

کوفت میں ہے ہر عضو اس کا جوں عضو از جا رفتہ میر
۱۰۸۶۵ جو کشتہ ہے ظلم رسیدہ اس کے درد جدائی کا

۱۴۳۰

دوڑ بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھے طرز غزالوں کا — وحشت کرنا شیوہ ہے کیا اچھی آنکھوں والوں کا

صورت گر کی پریشانی نے طول نہایت کھینچا ہے — ہم نے کیوں لبتار کیا تھا اس کے لمبے بالوں کا

بہت کیا تھا پتھر میں سوراخ کیے ہیں درفشوں نے — چھید جگر میں کر دینا یہ کام ہے محزوں نالوں کا

سرولب جو لالہ و گل نسرین و سمن ہیں شگوفہ ہے — دیکھو جدھر اک باغ لگا ہے اپنے رنگیں خیالوں کا

۱۰۸۷۰ غنچہ ہوا ہے خار بیاباں بعد زیارت کرنے کے — پانی تبرک کرتے ہیں سب پانو کے میرے چھالوں کا

پہلے تدارک کچھ ہوتا تو نفع بھی ہوتا سو تو میر
کام ہے آخر عشق میں اس کے بیمار دل بدحالوں کا

۱۴۳۱

اگر ہنستا اسے سیر چمن میں اب کے پاؤں گا — تو بلبل آشیاں تیرا ہی میں پھولوں سے چھاؤں گا

مجھے گل اس کے آگے خوش نہیں آتا کچھ اس پر بھی — جو تو آزردہ ہوتی ہے گلستاں میں نہ آؤں گا

بشارت اے صبا دیجو اسیران قفس کو بھی — تسلی کو تمھاری سر پہ رکھ دو پھول لاؤں گا

۱۰۸۷۵ دماغ ناز برداری نہیں ہے کم دماغی سے — کہاں تک ہر گھڑی کے روٹھے کو پھر دل مناؤں گا

خشونت، بدسلوکی، خشمگینی کس لیے اتنی — نہ منھ کو پھیر لے پھر یاں نہ آؤں گا جو جاؤں گا

ابھی ہوں منتظر جاتی ہے چشم شوق ہر جانب — بلند اس تیغ کو ہونے تو دو سر بھی جھکاؤں گا

بلا میں زیر سر ہوں کاش افتادہ رہوں یوں ہی
اٹھا سر خاک سے تو تیر ہنگامے اٹھاؤں گا

۱۴۳۲

رسوائے شہر ہے یاں حرف و سخن ہمارا | کیا خاک میں ملا ہے افسوس فن ہمارا
دل خون ہو گیا تھا غم سے لکھتے سو رہے ہے | شنگرف کے قلم سا پر خوں دہن ہمارا ۱۰۸۸۰
ظل ریاض میں شب مہتاب کے نہیں گل | انگاروں سے بھرا ہے اس بن چمن ہمارا
میدان عشق میں تو قیمہ بدن ہوا ہے | تہ کر کے خاک ہی میں رکھ دیں کفن ہمارا

میر اس کی آنکھیں دیکھیں ہم نے سفر کو جاتے
عین بلا ہوا ہے سو اب وطن ہمارا

۱۴۳۳

منھ اپنا کبھو وہ ادھر کر رہے گا | ہمیں عشق ہے تو اثر کر رہے گا
جو دلبر ہے ایسا تو دل جا چکا ہے | کسو روز آنکھوں میں گھر کر رہے گا ۱۰۸۸۵
ہر اک کام موقوف ہے وقت پر ہی | دل خوں شدہ بھی جگر کر رہے گا
نہ ہول گو خبر مردماں حال بد سے | مرا نالہ سب کو خبر کر رہے گا

فن شعر میں میر صناع ہے وہ
دل اس کا کوئی تو ہنر کر رہے گا

۱۴۳۴

سخن مشتاق ہے عالم ہمارا | غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا
رہے ہم عالم مستی میں اکثر | رہا کچھ اور ہی عالم ہمارا ۱۰۸۹۰
بہت ہی دور ہم سے بھاگتے ہو | کرو ہو پاس کچھ تو کم ہمارا
بکھر جاتے ہیں کچھ گیسو تمھارے | ہوا ہے کام دل برہم ہمارا

رکھے رہتے ہیں دل پر ہاتھ اے میر
یہیں شاید کہ ہے سب غم ہمارا

کیا پوچھو ہو کیا کہیے میاں دل نے بھی کیا کام کیا ۱۴۳۵ عشق کیا ناکام رہا آخر کو کام تمام کیا

١٠٨٩٥ عجز کیا سو اس مفسد نے قدر ہماری یہ کچھ کی
تیوری چڑھائی غصہ کیا جب ہم نے جھک کے سلام کیا

کہنے کی بھی لکھنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے
آخر دل کی بیتابی سے خط بھیجا پیغام کیا

عشق کی تہمت جب تک ہوئی تھی کاہے کو شہرت ایسی تھی
شہر میں اب رسوا ہیں یعنی بدنامی سے کام کیا

ریگستاں میں جا کے رہیں یا سنگستاں میں ہم جوگی
رات ہوئی جس جاگہ ہم کو ہم نے وہیں بسرام کیا

خط و کتابت لکھنا اس کو ترک کیا تھا اس ہی لیے
حرف و سخن سے ٹپکا لوہو اب جو کچھ ارقام کیا

١٠٩٠٠ تلخ اس کا تو شہد و شکر ہے ذوق میں ہم ناکاموں کے
لوگوں میں لیکن تو رج کہا یہ لطف بے ہنگام کیا

جیسے کوئی جہاں سے جاوے رخصت اس حسرت سے ہوئے
اس کوچے سے نکل کر ہم نے رو بہ قفا ہر گام کیا

میر جو اُن نے منھ کو ادھر کر ہم سے کوئی بات کہی
لطف کیا احسان کیا انعام کیا اکرام کیا

## ١٤٣٦

عشق ہو حیوان کا یا انس ہو انسان کا
لاگ جی کی جس سے ہو دشمن ہے اپنی جان کا

عاشق و معشوق کی ہیں طرفہ صحبت سیر کی
ایک جی مارے سے ہے مرہون ایک احسان کا

١٠٩٠٥ میں خرد گم عشق میں اس لڑکے کے آخر ہوا
یہ ثمر لایا نہ دیکھا چاہنا نادان کا

مرنا اس کے عشق میں خالی نہیں ہے حسن سے
رشک کے قابل ہے جو کشتہ ہے اس میدان کا

گر پڑیں گے ٹوٹ کر اکثر ستارے چرخ سے
ہل گیا جو صبح کو گوہر کسی کے کان کا

ہر ورق ہر صفحے میں اک شعر شور انگیز ہے
عرصۂ محشر ہے عرصہ میرے بھی دیوان کا

کیا ملاوے آنکھ نرگس اس کی چشم سرخ سے
زرد اس غم دیدہ کو آزار ہے یرقان کا

١٠٩١٠ بات کرتے جائے ہے منھ تک مخاطب کے جھلک
اس کا لعل لب نہیں محتاج رنگ پان کا

کیا کہوں سارا زمانہ کشتہ و مردہ ہے میر
اس کے اک انداز کا اک ناز کا اک آن کا

## ١٤٣٧

عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گئی آرام گیا
جی کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا

عشق کیا سو دین گیا، ایمان گیا، اسلام گیا
دل نے ایسا کام کیا کچھ جس سے میں ناکام گیا

کس کس اپنی کل کو رووے ہجراں میں بے کل اس کا
خواب گئی ہے، تاب گئی ہے، چین گیا، آرام گیا

آیا یاں سے جانا ہی تو جی کا چھپانا کیا حاصل — آج گیا یا کل جاوے گا صبح گیا یا شام گیا ۱۰۹۱۵

ہائے جوانی کیا کیا کہیے شور سروں میں رکھتے تھے — اب کیا ہے وہ عہد گیا وہ موسم وہ ہنگام گیا

گالی جھڑکی خشم و خشونت یہ تو سر دست اکثر ہیں — لطف گیا احسان گیا انعام گیا اکرام گیا

لکھنا کہنا ترک ہوا تھا آپس میں تو مدت سے — اب جو قرار کیا ہے دل سے خط بھی گیا پیغام گیا

نالۂ میرؔ سواد میں ہم تک دوشیں شب سے نہیں آیا
شاید شہر سے ظالم کے عاشق وہ بدنام گیا

۱۴۳۸

طوفِ مشہد کو کل جو جاؤں گا — تیغ قاتل کو سر چڑھاؤں گا ۱۰۹۲۰

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا — کیا جدائی کو منھ دکھاؤں گا

چھانتا ہوں کسی گلی کی خاک — دل کو اپنے کبھو تو پاؤں گا

اس کے در پر گئے ہیں تاب و تواں — گھر تلک اپنے کیوں کے جاؤں گا

لوٹتا ہے بہار منھ کی خط
میرؔ میں اس پہ زہر کھاؤں گا

۱۴۳۹

خیال چھوڑ دے واعظ تو بے گناہی کا — رکھے ہے شوق اگر رحمتِ الٰہی کا ۱۰۹۲۵

سیاہ بخت سے میرے مجھے کفایت تھی — لیا ہے داغ نے دامن عبث سیاہی کا

کسو کے حسن کے شعلے کے آگے اُڑتا ہے
سُلوک میرؔ سنو میرے رنگِ کاہی کا

۱۴۴۰

ہر جا پھرا غبار ہمارا اُڑا ہوا — تیری گلی میں لائی صبا تو بجا ہوا

آہِ سحر نے دل کی نہ کھولی گرہ کبھی — آخر نسیم سے بھی یہ غنچہ نہ وا ہوا

دے میرؔ اثر جو شورشِ دل میں تھے ہیں کہاں
نالے کیے جرس نے بہت سے تو کیا ہوا ۱۰۹۳۰

پہلو سے اُٹھ گیا ہے وہ نازنیں ہمارا ۱۴۴۱ جز درد اب نہیں ہے پہلو نشیں ہمارا

ہوں کیوں نہ سبز اپنے حرفِ غزل کہ ہے یہ — فے زرع سیر حاصل قطعِ زمیں ہمارا
کیسا کیا جگر خوں آزار کیسے کھینچے — آساں نہیں ہوا دل اندوہگیں ہمارا
حرف و سخن تھے اپنے یادِ استاں جہاں میں — مذکور بھی نہیں ہے یا اب کہیں ہمارا
۱۰۹۳۵ کیا رائیگاں بتوں کو دے کر ہوئے ہیں کافر — ارثِ پدر جواب تھا یہ کہنہ دیں ہمارا
لختِ جگر بھی اپنا یاقوتِ ناب سا ہے — قطرہ سرشک کا ہے دُرِّ ثمیں ہمارا
کیا خاک میں ملایا ہم کو سپہرِ دوں نے — ڈھونڈا نشانِ تربت پاتے نہیں ہمارا
حالت ہے نزع کی یاں آ دُک جاتے ہیں ہم — آنکھوں میں منتظر ہے دم واپسیں ہمارا

اِک عمر مہر ورزی جن کے سبب سے کی تھی
پاتے ہیں میرؔ اُن کو سرگرمِ کیں ہمارا

۱۴۴۲

۱۰۹۴۰ آج ہمارا دل تڑپے ہے کوئی اُدھر سے آوے گا — یا کہ نوشتہ اُن ہاتھوں کا قاصد ہم تک لاوے گا
ہم نہیں لکھتے اس لیے اس کو شوخ بہت ہے وہ لڑکا — خط کا کاغذ بادی کرے گا باؤ کا رخ بتلاوے گا
رنج بہت کھینچے تھے ہم نے طاقت جی کی تمام ہوئی — اپنے گئے پر یاد رہے یہ وہ بھی بہت پچھتاوے گا
اندھے سے ہم چاہ میں اس کی گو اے ناصح پھرتے ہیں — سوجھتا بھی کچھ کر آئیں گے کیا تو ہم کو سمجھاوے گا
عاشق ہووے وہ بھی یارب تا کچھ اس سے کہا جاوے — یعنی حال سنے گا دل سے دل جو کسی سے لگاوے گا
۱۰۹۴۵ عاشق کی دلجوئی کی بھی راہ و رسم سے واقف رہ — ہو جو ایسا گم شدہ اپنا اس کو نہ تو پھر پاوے گا
آنکھیں موندے یہ دلبر جو سوتے رہیں تو بہتر ہے — چشمک کرنا ایک انکھوں کا سو سو فتنے جگاوے گا
کیا صورت ہے کیا قامت دست و پا کیا نازک ہیں — ایسے پتلے منھ دیکھو جو کوئی کلال بناوے گا

چتون سب بے ڈھب آنکھیں پھری ہیں پلکوں سے بھی نظر چھوٹی
عشق ابھی کیا جانیے ہم کو کیا کیا میرؔ دکھاوے گا

۱۴۴۳

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا — کھپ گئی جی میں تیری بانکی ادا
۱۰۹۵۰ بات کہنے میں گالیاں دے ہے — دیکھو اس میرے بدزباں کی ادا
خاک میں مل کے میرؔ ہم سمجھے — بے ادائی تھی آسماں کی ادا

۱۴۴۴

یہ شیخ حرم سے لڑکے چلا ہوں اب کعبے میں نہ آؤں گا
تا بت خانہ ہر قدم اوپر سجدہ کرتا جاؤں گا

بہر پرستش پیشِ صنم ہاتھوں سے قیس رہبان کے
رشتہ سبحہ تڑاؤں گا زنار گلے سے بندھاؤں گا

رودِ دیر کے پانی سے یا آبِ چاہ سے اس جا کے
واسطے طاعتِ کفر کے میں دونوں وقت نہاؤں گا

طائف رستہ کعبے کا جو کوئی مجھ سے پوچھے گا
جانبِ دیر اشارت کر میں راہ ادھر کی بھلاؤں گا ۱۰۹۵۵

بے دیں اب جو ہوا سو ہوا ہوں طوفِ حرم سے کیا مجھ کو
غیر از سوئے صنم خانہ میں رو نہ ادھر کو لاؤں گا

آگے مسافر میر عرب میں اور عجم میں کہتے ہیں
اب شہروں میں ہندستاں کے کافر میر کہاؤں گا

۱۴۴۵

کیسی سعی حوادث نے کی آخر کار ہلاک کیا
کیا کیا چرخ نے چکر مارے پیس کے مجھ کو خاک کیا

ایسا پلید آلودۂ دنیا خلق نہ آگے ہوا ہوگا
شیخ شہر موا کہتے ہیں شہر خدا نے پاک کیا

قدرتِ حق میں کیا قدرت جو دخل کسو کی فضولی کرے
اس کو کیا پرکالہ آتش مجھ کو خس و خاشاک کیا ۱۰۹۶۰

آہ سے تھے رخنے چھاتی میں پھیلنا ان کا یہ سہل نہ تھا
دو دو ہاتھ تڑپ کر دل نے سینۂ عاشق چاک کیا

خوگر ہونا حزن و بکا سے میر ہمارا یوں ہی نہیں
برسوں روتے کڑھتے رہے ہم تب دل کو غم ناک کیا

۱۴۴۶

بعد ہمارے اس فن کا جو کوئی ماہر ہووے گا
درد آگیں انداز کی باتیں اکثر پڑھ پڑھ رووے گا

چشم تماشا وا ہووے تو دیکھا بھالی غنیمت ہے
مت موندے آنکھوں کو غافل دیر تلک پھر سووے گا

جست و جو بھی اس کی کریے جس کا نشاں کچھ پیدا ہو
پانا اس کا میر ہے مشکل جی تو یوں ہی کھووے گا ۱۰۹۶۵

۱۴۴۷

رکھے تھا ہاتھ میں سر رشتہ بہت سینے کا
رہ گیا دیکھو رفو چاک مرے سینے کا

اے طپش لوہو پیے میرا جو تو جھوٹھ کہے
کس سے یہ قاعدہ سیکھا ہے لہو پینے کا

میر کی نبض پہ رکھ ہاتھ لگا کہنے طبیب
آج کی رات یہ بیمار نہیں جینے کا

۱۴۴۸

عیدِ آئندہ تک رہے گا گلا — ہو گئی عید تو، گلے نہ مِلا

ڈوبے لوہو میں دیکھتے سرِ خار — حیف کوئی بھی آبلہ نہ چھلا ۱۰۹۷۰

میرؔ افسردہ دل چمن میں پھرا
غنچۂ دل کہیں نہ اُس کا کھِلا

۱۴۴۹

ناگاہ جس کو عشق کا آزار ہو گیا — سہل آگے اُس کے مُردنِ دشوار ہو گیا

ہے حُسن کیا متاع کہ جس کو نظر پڑی — وہ جان بیچ کر بھی خریدار ہو گیا

بَرسوں تئیں جہاں میں کیوں کر رہا ہے خضر — میں چار دن میں جینے سے بیزار ہو گیا

ہم بستری بن اس کی ہیں صاحب فراش ہوں — ہجراں میں کُڑھتے کُڑھتے ہی بیمار ہو گیا ۱۰۹۷۵

ہم دام تھے سو چھوٹ گئے سب دام سے اُٹھے — تھی دل کو میرے چُوٹ گرفتار ہو گیا

اُس کی نگاہِ مست کا کھایا ہی تھا فریب — پر شیخ طرز دیکھ کے ہُشیار ہو گیا

کیا متقی تھا میرؔ پہ آئینِ عشق میں
مُجرم سا کشت و خوں کا سزاوار ہو گیا

۱۴۵۰

سمندر کا میں کیوں احساں سہوں گا — نہیں کیا سیلِ اشک اُس پر بہوں گا

ترے غم کے ہیں خواہاں سب نہ کھا غم — کمی کیا ہوگی جو اک میں نہ ہوں گا ۱۰۹۸۰

نہ وہ آوے نہ جاوے بے قراری
کبھو دن میرؔ یوں ہی مر رہوں گا

۱۴۵۱

پھرتے پھرتے اس کے لیے میں آخر دشت نَوردہ ہُوا — دیکھ آنکھیں وہ سُرمہ آگیں میں پھر دنبالہ گرد ہُوا

جیتے جی میّت کے رنگوں لوگ مجھے اب پاتے ہیں — جوشِ بہارِ عشق میں یعنی سرتاپا مَیں زرد ہُوا

گرم مزاج رہا نہیں اپنا ویسے اُس کے ہجراں میں — ہوتے ہوتے افسردہ دیکھو گے اِک دِن سَرد ہُوا

میرؔ نہ اپنے دردِ دل کو مجھ سے کہا کر روز و شب — صُبح جو گوشِ دِل سے سُنا تھا دِل میں میرے درد ہُوا ۱۰۹۸۵

## ۱۴۵۲

عشق صمد میں جان چلی وہ چاہت کا ارمان گیا
تازہ کیا پیمان صنم سے دین گیا ایمان گیا

میں جو گدایانہ چلایا در پر اُس کے نصف شب
گوش زد آگے تھے نالے سو شور مرا پہچان گیا

آگے عالم عین تھا اس کا اب عین عالم ہے وہ
اس وحدت سے یہ کثرت ہے یاں میرا سب گیان گیا

مطلب کا سر رشتہ گم ہے کوشش کی کوتاہی نہیں
جو طالب اس راہ سے آیا خاک بھی یاں کی چھان گیا

خاک سے آدم کر دکھلایا یہ منت کیا تھوڑی ہے
اب سر خاک بھی ہو جاوے تو سر سے کیا احسان گیا ۱۰۹۹۰

ترک بچے سے عشق کیا تھا ریختے کیا کیا میں نے کہے
رفتہ رفتہ ہندوستاں سے شعر مرا ایران گیا

کیوں کہ جہت ہو دل کو اُس سے میر مقام حیرت ہے
چاروں اُور نہیں ہے کوئی یاں واں یوں ہی دھیان گیا

## ۱۴۵۳

دل تڑپے ہے جان کھپے ہے حال جگر کا کیا ہوگا
مجنوں مجنوں لوگ کہے ہیں مجنوں کیا ہم سا ہوگا

دیدۂ تر کو سمجھ کر اپنا ہم نے کیا کیا حفاظت کی
آہ نہ جانا روتے روتے یہ چشمہ دریا ہوگا

کیا جانیں آشفتہ دلاں کچھ ان سے ہم کو بحث نہیں
وہ جانے گا حال ہمارا جس کا دل بیجا ہوگا ۱۰۹۹۵

پاؤں حنائی اُس کے لے آنکھوں پر اپنی ہم نے رکھے
یہ دیکھا نہ رنگ کفک پر ہنگامہ کیا برپا ہوگا

جاگہ سے بے تہ جاتے ہیں غوطے وے ہی کرتے ہیں
اُن کو غرور و ناز نہ ہوگا جن کو کچھ آتا ہوگا

روبہی اب لا ہی چکے ہیں ہم سے قطع اُمید کرو
روگ لگا ہے عشق کا جس کو وہ اب کیا اچھا ہوگا

دل کی لاگ کہیں جو ہو تو میر چھپائے اُس کو رکھ
یعنی عشق ہوا ظاہر تو لوگوں میں رسوا ہوگا

## ۱۴۵۴

جاذبہ میرا تھا کامل سو بندے کنے وہ گھر آیا
شکر خدا کا کریے کہاں تک عہد فراق بسر آیا ۱۱۰۰۰

بجلی سا وہ چمک گیا آنکھوں سے بھوئیں پڑنے لگیں
ابر نمط خفگی سے اس بن جی بھی رندھا دل بھر آیا

کل تھے سو سو رنگ پر ایسا شور طیور بلند نہ تھا
اس کے رنگ چمن میں کوئی شاید پھول نظر آیا

سیل بلا جوشاں تھا لیکن پانی پانی شرم سے تھا
ساحل دریا خشک لبی دیکھے سے میری تر آیا

کیا ہی خوش پرکار ہے دلبر تو چہ کشتی گیر اپنا
کوئی زبردست اس سے لڑ کر عہدے سے کب بر آیا

۱۱۰۰۵ صنعت گریاں بہتیری کیں لیک دریغ ہزار دریغ جس سے یار بھی ملتا ہم سے ایسا وہ نہ ہنر آیا

میر پریشاں خاطر آکر رات رہا بُت خانے میں

راہ رہی کعبے کی اُودھر یہ سودائی کدھر آیا

۱۴۵۵

اب یاں سے ہم اُٹھ جائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا ہرگز نہ ایدھر آئیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

مطلب اگریاں گم ہوا اندیشے کی جا گہ نہیں جاکر کہیں کچھ پائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

دل میں نہ جانے یہ کوئی ہم کھانے کو دیں ہیں انھیں جو ہے مقدّر کھائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

۱۱۰۱۰ گو لکھنؤ ویراں ہوا ہم اور آبادی میں جا مقسوم اپنا لائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

اب دی پری گزری گئی ہم آجکل ۔ یہاں تھے وہاں کیا غیر ازیں ٹھہرائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

اس بستی سے اُٹھ جائیں گے درویشوں کی کیا مشورت وے بھی یہی فرمائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

تو میر ہووے گا جہاں امر قضا کے تابعاں

روزی تجھے پہنچائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

۱۴۵۶

اُس کی سی جو چلے ہے راہ تو کیا آسماں پر گیا ہے ماہ تو کیا

۱۱۰۱۵ لڑکے ملتا ہے آپ سے بے لطف یار ہووے نہ عذر خواہ تو کیا

کب رُخِ بدر روشن ایسا ہے ایک شب کا ہے اشتباہ تو کیا

بے خرد خانقہ میں ہیں گو مست وہ کرے مست یک نگاہ تو کیا

اُس کے پُر پیچ گیسو کے آگے ہووے کالا کوئی سیاہ تو کیا

حُسن والے ہیں کج روش سارے ہوئے دو چار رو براہ تو کیا

۱۱۰۲۰ دل رہے وصل جو مدام رہے مل گئے اُس سے گاہ گاہ تو کیا

ایک اللہ کا بہت ہے نام جمع باطل ہوں سو اِلٰہ تو کیا

میر کیا ہے فقیر مستغنی

آوے اُس پاس بادشاہ تو کیا

بے تابیوں کے جور سے میں جب کہ مرگیا ۱۴۵۷ ہو کر فقیر صبر مری گور پر گیا

اے آہِ سرد عرصۂ محشر میں تیغ جما | جلتا ہوں میں سُنوں کہ جہنّم ٹھٹھر گیا
مفلس سو مر گیا نہ ہؤا وصل یار کا | ہجراں میں اُس کے جی بھی گیا اور زر گیا ۱۱۰۲۵

تیری ہی رہ گذر میں یہ جی جا رہا ہے شوخ
سُنیو کہ میرؔ آج ہی کل میں گذر گیا

۱۴۵۸

دل گیا مُفت اور دُکھ پایا | ہو کے عاشق بہت میں پچتایا
مر گئے پر بھی سنگسار کیا | نخل ماتم مرا یہ پھل لایا
صحن میں میرے لے گل مہتاب | کیوں شگوفہ سے لے کھلنے کا آیا
ہر شب ہجر ہے گھڑی نہ رہے | ہو سفیدی کا جس جگہ سایا ۱۱۰۳۰

جب سے بیخود ہؤا ہے اُس کو دیکھ
آپ میں میرؔ پھر نہیں آیا

بات کہتے جی کا جانا ہو گیا ۱۴۵۹ مرنا عاشق کا بہانا ہو گیا
جائے بودن تو نہ تھی دنیائے دوں | اتفاقاً اپنا آنا ہو گیا
ماہ اس کو کہہ کے سارے شہر میں | مجھکو مشکل منہ دکھانا ہو گیا
کر رکھا تعویذ طفلی میں جسے | اب سو وہ لڑکا سیانا ہو گیا ۱۱۰۳۵
اِس بلا سے آہ مَیں غافل رہا | یک بہ یک دل کا لگانا ہو گیا
کُنج لب سے یار کے آپہنچا نہ ٹک | الغرض دِل کا ٹھکانا ہو گیا

رفتہ رفتہ اُس پری کے عشق میں
میرؔ سا دانا دوانا ہو گیا

۱۴۶۰

عشقِ بلا پُر شور و شر نے جب میدان میں خم مارا | پاک ہوئی کشتی عالم کی آ گئے کن نے دَم مارا
بود نبود کی اپنی حقیقت لکھنے کے شایستہ نہ تھی | باطل صفحۂ ہستی پر میں خط کھینچا قلم مارا ۱۱۰۴۰
غیر کے میرے مر جانے میں تفاوت ارض و سما کا ہے | مارا اُن نے دونوں کو لیکن مجھ کو کیسے ستم مارا
ان بالوں سے طلسم جہاں کا در بستہ تھا گویا سب | زُلفوں کو درہم (اُن) نے کیا سو عالم کو برہم مارا

| | |
|---|---|
| دور اُس قبلہ رو سے مجھ کو جلد رقیب نے مار رکھا | قہر کیا اس کتے نے کیا دوڑ کے صیدِ حرم مارا |
| کاٹ کے سر عاجز کا ان نے اور بھی پگڑی پھیر رکھی | فخر کی کون سی جاگہ تھی یاں ایسا کیا رستم مارا |

جس مضمار میں رستم کی بھی راہ نہ نکلی میر کبھو
اُس میداں کی خاک پہ ہم نے جرأت کر کے قدم مارا ۱۰۴۵

## ۱۴۶۱

| | |
|---|---|
| چاہ میں جور و ستم پہ کم نہ ہوا | عاشقی کی تو کچھ ستم نہ ہوا |
| فائدہ کیا نمازِ مسجد کا | قد ہی محراب سا جو خم نہ ہوا |
| یار ہمراہِ نعش جس دم تھا | وائے مُردے میں میرے دم نہ ہوا |
| نہ گیا اُس طرف کا خط لکھنا | ہاتھ جب تک مرا قلم نہ ہوا |

بے دلی میں ہے میر خوش اُس سے
دل کے جانے کا حیف غم نہ ہوا ۱۰۵۰

## ۱۴۶۲

| | |
|---|---|
| کل تلک داغوں سے خوں کے دامنِ زیں پاک تھا | آج تو کشتہ کوئی کیا زینتِ فتراک تھا |
| کیا جنوں کو روؤں تردستی سے اس کی گل نمط | لے گریباں سے تہِ دامن تلک ایک ہی چاک تھا |
| رو جو آئی رونے کی مژگاں نہ ٹھہری ایک پل | راہ میں اس رود کی گویا خس و خاشاک تھا |
| ایک ہی شمعِ شعلہ خو کے لایحے میں جل بجھا | جب تلک پہنچے کوئی پروانہ عاشق خاک تھا |
| بادشاہِ وقت تھا میں تخت تھا میرا دماغ | جی کے چاروں اور اک جوشِ گلِ تریاک تھا ۱۰۵۵ |
| ڈھال تلوار اس جواں کے ساتھ اب رہتی نہیں | وہ جفا آئیں سلاحیں لڑکا ہی بیباک تھا |
| تنگ پوشی تنگ ورزی اُس کی جی میں کھب گئی | کیا ہی وہ محبوب خوش ترکیب خوش پوشاک تھا |
| بات ہے جی مارنا بازیچہ قتلِ عام ہے | اب تو ہے صد چند اگر وہ چند وہ سفاک تھا |
| غنچۂ دل وا ہوا نہ باغوں باغوں میں پھرا | اب بھی ہے ویسا ہی جیسا پیشتر غمناک تھا |

درک کیا اس درس گہ میں میر عقل و فہم کو
کس کے تئیں اُن صورتوں میں معنی کا ادراک تھا ۱۰۶۰

جدا اُس سیمتن سے کیسا سونا ۱۴۶۳ اک مٹی کوڑے کا اب ہے بچھونا

بہت کی جستجو اُس کی نہ پایا　　ہمیں در پیش ہے اب جی کا کھونا
تماشا دیکھنے ہنستا چلا آ　　کرے ہے شیشہ بازی میرا رونا
جگر کے زخم شاید ہیں نمک بند　　مزہ کچھ آنسوؤں کا ہے سلونا

وصیّت میرؔ نے مجھ کو یہی کی
کہ سب کچھ ہونا تو، عاشق نہ ہونا　　۱۱۰۶۵

## ۱۴۶۴

سر مارنا پتھر سے یا ٹکڑے جگر کرنا　　اس عشق کی وادی میں ہر نوع بسر کرنا
کہتے ہیں اُدھر مُنھ کر وہ رات کو سوتا ہے　　اے آہِ سحر گاہی ٹک تو بھی اثر کرنا

دیوار و دل سے سر مارا تب رات سحر کی ہے
اے صاحبِ سنگیں دل اب میری خبر کرنا

## ۱۴۶۵

دل کے خوں ہونے کا غم کیا اب سے تھا　　سینہ کوبی سخت ماتم کب سے تھا　　۱۱۰۷۰
اس کی مقتولی کا ہم کو رشک ہے　　دو قدم جو کُشتہ آگے سب سے تھا
کون مل سکتا ہے اُس اوباش سے　　اختلاط اس سے ہمیں اک ڈھب سے تھا
گرم ملنے والے دیکھے یار کے　　ایک ٹھنڈا ہو گیا اک تب سے تھا

چُپ سی مجھ کو لگ گئی تھی تب سے میرؔ
شورِ اُن شیریں لبوں کا جب سے تھا

## ۱۴۶۶

عشق کیسے پچھتاتے ہم تو دل نہ کسو سے لگانا تھا　　جیدھر ہو وہ مہ نکلا اُس راہ نہ ہم کو جانا تھا　　۱۱۰۷۵
غیریت کی اُس کی شکایت بارعبث اب کرتے ہیں　　طور اُس شوخِ ستم پیشہ کا طفلی سے بیگانہ تھا
بزمِ عیش کی شب کا یاں ان ہوتے ہی یہ رنگ ہوا　　شمع کی جاگہ دودِ تنک تھا خاکستر پروانہ تھا
دخلِ مروّت عشق میں تھا تو در وانے سے تھوڑی دور　　ہمرہ نعش عاشق کی اُس ظالم کو بھی آنا تھا

طرفہ خیال کیا کرتا تھا عشق و جنوں میں روز و شب
روتے روتے ہنسنے لگا یہ میرؔ عجب دیوانا تھا

ناخن سے بوالہوس کا گلا یوں ہی چھل گیا ۱۴۶۷ لوہو لگا کے وہ بھی شہیدوں میں مل گیا

۱۰۸۰ دل جمع تھا جو غنچے کے رنگوں خزاں میں تھا اسے کیا کھول بہارِ گُلِ زخم کھل گیا

بے دل ہوئے پہ کرتے تدارک جو رہتا ہوش ہم آپ ہی میں آئے نہیں جب سے دل گیا

دیکھا نہیں پہاڑ گراں سنگ یا سبک زوروں چڑھا تھا عشق میں فرہاد چل گیا

شبنم کی سی نمود سے تھا میں عرق عرق یعنی کہ ہستی ننگِ عدم تھی خجل گیا

غم کھینچتے ہلا نہیں جاگہ سے کیا کروں دل جا لگے ہے دم بہ دم اودھر ہی ہل گیا

صورت نہ دیکھی ویسی کشادہ جبیں کہیں
۱۰۸۵ میں میر اس تلاش میں چین و چگل گیا

۱۴۶۸

ایک نہ خواہش بر آئی تا جی کا غبار نکل جاتا کاش کہ آہو چشم اپنا آنکھوں کو پاؤں سے مل جاتا

آتشِ دل کی لپٹوں کا ہے یارو کچھ عالم ہی جدا لایحہ کوئی کھینچتا سر تو سارا عالم جل جاتا

نعرہ کرنا عاشق کا ہے ساتھ اک ہیبت کے یعنی سن آواز اس شیرِ نر کی سیلِ بلا سے دہل جاتا

ہلِ زمیں تو کیا ہیں اُن کا سہل تھا راہ سے لے جانا چرخ پہ ہوتا وہ جو چھلاوا خیلِ ملک کو چھل جاتا

۱۰۹۰ کشتی زیر دستوں کی اس سے پاک ہوئی تو کیا ہے عجب رستم سامنے ہو جاتا تو راہ بچا کر ٹل جاتا

غم سے ہو کر زرد سراسر صورت ساری خزاں کی سی آن نکلتے شو سے چمن تو رنگ ہوا کا بدل جاتا

ڈھلتے ڈھلتے ضعف سے آئے میر سو اُن نے منھ پھیرا
یا قوتی سے بوسۂ لب کی جی شاید کہ سنبھل جاتا

۱۴۶۹

کیا کیا عشق میں رنج اُٹھائے دل اپنا سب خون ہوا کیسے رُکتے تھے خفگی سے آخر کار جنون ہوا

تڑپا ہے پہلو میں اب جب طاقت جی میں کچھ نہ رہی جسمِ غم فرسودہ ہمارا زرد و زار و زبون ہوا

جنگل میں میں رونے چلا تھا دل جو بھرا تھا میر بہت
۱۰۹۵ آیا سیل آگے سے چلا کیا بخت سے مجھ کو شگون ہوا

۱۴۷۰

آیا سو آپ تیغ ہی مجھ کو چپٹ گیا تھا وہ برندہ زخموں پہ میں زخم کھا گیا

کیا شہرِ خوش عمارت دل سے ہے گفتگو
لشکر نے غم کے آن کے مارا چلا گیا

موقوف بارِ غیر جلانا مرا نہیں
جو کوئی اس کے کان لگا کچھ لگا گیا

تنہائی بیکسی مری یک دست تھی کہ میں
جیسے جرس کا نالہ جرس سے جدا گیا ۱۱۱۰۰

کیا تم سے اپنے دل کی پریشانی میں کہوں
دریائے گریہ جوش زناں تھا بہا گیا

روزانہ اب تو اپنے تئیں سوجھتا نہیں
آخر کو رونا راتوں کا ہی دن دکھا گیا

سر رفتگی بدی مری نوشتی ہے میر
قاصد جو لے کے نامہ گیا سو بھلا گیا

## ۱۴۷۱

کچھ اندیشہ ہم کو نہیں ہے اپنے حالِ درہم کا
آٹھ پہر رہتا رونا اُس کے دوری کے غم کا

روتے کڑھتے خاک میں ملتے جیتے رہے ہم دنیا میں
دس دن اپنی عمر کے گویا عشرہ تھا یہ محرم کا

کشتی ہماری عشق میں کیا تھی ہاتھ ملاتے پاک ہوئی
پائے ثبات نہ ٹھہرا دم اُس میدان میں رستم کا ۱۱۱۰۵

عالم ہستی کیا عالم تھا غم دنیا و دیں کا نہ تھا
ہوش آیا ہے جب سے سر میں شوق رہا اس عالم کا

یاں واجب ہے ہم کو تم کو دم لیویں تو شمر کے لیں
دینا ہوگا حساب کسو کو یک دم ہی میں دم دم کا

چھاتی کوٹی منھ نوچا سر دے دے مارا پتھر پر
دل کے خون ہونے میں ہمارا یہی طریق ہے ماتم کا

لڑکے شوخ بہت ہیں لیکن ویسا میر نہیں کوئی
دھوم قیامت کی سی ہے ہنگامہ اس کے اودھم کا

## ۱۴۷۲

گلچیں نہیں ہیں جو کوئی بھی اس تازہ چمن کا
کیوں رنگ پھرا سا ہے ترے سیبِ ذقن کا ۱۱۱۱۰

غربت سے ہے دل آویزہ بہت شہر کی اس کے
آیا نہ کبھو ہم کو خیال اپنے وطن کا

جب زمزمہ کرتی ہے صدا چبھتی ہے دل میں
بلبل سے کوئی سیکھ لے انداز سخن کا

کب مشتِ نمک سے ہوئی تسکینِ جراحت
لب چش ہے نمک سار مرے زخم کہن کا

جو چاک گریبان کہ دامن کی ہو زہ تک
قربان کیا میر اُسی چاک کفن کا

یہ تو جدائی جوں توں کٹی ہے ملیے گا تو کہیے گا ۱۴۷۳ پاس ہمارا گو نہ کرو تم پاس ہی آ کے رہیے گا ۱۱۱۱۵

# ب

## ۱۴۷۴

کب سے صحبت بگڑ رہی ہے کیونکر کوئی بنا دے اب — ناز و نیاز کا جھگڑا ایسا کس کے کہنے لے جاوے اب

سوچتے آتے ہیں جی میں پر پگڑی پر گل رکھے سے — کس کو دماغ رہا ہے اُس کے جو حرفِ خشن اٹھاوے اب

تیغ بلند ہوئی ہے اُس کی قسمت ہوں گے زخم رسا — داگر ہے صید حرم تو کوئی جراحت کھاوے اب

داغ سر و سینے کے میرے حسرت آگیں چشم ہوئی — دیکھیں کیا کیا عشق ستم کش ہم لوگوں کو دکھاوے اب

۱۱۲۰ دم دو دم گھبراہٹ ہو تو ہو سکتا ہے تدارک بھی — جی کی چال سے پیدا ہے کوئی گھڑی میں جاوے اب

دل کے داغ بھی گل ہیں لیکن دل کی تسلّی ہوتی نہیں — کاش کہ وہ گلبرگ ادھر سے باؤ اُڑا کر لادے اب

اُس کی کفک کی پامالی میں دل جو گیا تھا شاید میرؔ
یار ادھر ہو مائل ٹک تو وہ رفتہ ہاتھ آوے اب

## ۱۴۷۵

دل خوں ہوا تھا یکسر پانی ہوا جگر سب — خوں بستہ رہتیاں تھیں پلکیں سو اب ہیں تر سب

یارب کدھر گئے وے جو آدمی روش تھے — اُجڑے دکھائی دے ہیں شہر و دہ و نگر سب

۱۱۲۵ حرف و سخن سے مطلق یاں گفتگو نہیں ہے — پیادے سوار ہم کو آئے نظر نفر سب

عالم کے لوگوں کا ہے تصویر کا سا عالم — ظاہر کھلی ہیں آنکھیں لیکن ہیں بے خبر سب

میرؔ اس خرابے میں کیا آباد ہووے کوئی
دیوار و در گرے ہیں ویراں پڑے ہیں گھر سب

## ۱۴۷۶

عشق و جنوں کی کیا اب تدبیر ہے مناسب — زنجیر ہے مناسب، شمشیر ہے مناسب

دوری شعلہ خو یاں آخر جلا رکھے گی — صحبت جو ایسی ہووے درگیر ہے مناسب

۱۱۳۰ جلدی نہ قتل میں کر پچھتاوے گا بہت تو — خوں ریزی میں ہماری تاخیر ہے مناسب

رسوائے شہر ہونا عزت ہے عاشقی میں — احوال کی ہمارے تشہیر ہے مناسب

دل کی خرابی کے تو در پے ہے اے صنم کیوں — اس خانۂ خدا کی تعمیر ہے مناسب

شب اُس کو میں نے دیکھا سوتے بغل میں اپنی — اس خواب کی نہ کرنی تعبیر ہے مناسب

رحم آشنا کسو کو اس بستی میں نہ پایا
اسلامیوں کی یاں کے تکفیر ہے مناسب

ہے سرگذشتِ اپنی نوشتنی ہی بہتر
گذری سو گذری کیا اب تحریر ہے مناسب ۱۱۳۵

دنیا میں کوئی پھر پھر آیا نہیں ہے صاحب
اک بار تم کو مرنا اے میر ہے مناسب

۱۴۷۷

تاب عشق نہیں ہے دل کو جی بھی بے طاقت ہے اب
یعنی سفر ہے دور کا آگے اور اپنی رخصت ہے اب

وصل میں کیا کیا صحبتیں رنگیں کس کس عیش سے دن گزرے
تنہا بیٹھے رہتے ہیں یک سو ہجر میں یہ صحبت ہے اب

حبب سے بتاشے صبحِ ہستی وو دم پر یاں ٹھہرائی
کیا کیا کریے اس مہلت میں کچھ بھی نہیں فرصت ہے اب

چور اُچکّے سکھ مرہٹے شاہ و گدا زر خواہاں ہیں
چین سے ہیں جو کچھ نہیں رکھتے فقر بھی اک دولت ہے اب ۱۱۴۰

پانوں پہ سر رکھنے کی مجھ کو رخصت دی تھی میر اُن نے
کیا پوچھو ہو سر پر میرے منّت سی منّت ہے اب

۱۴۷۸

سارے جتنے نظر آتے ہیں دیکھو تو عیار ہیں سب
درد و زار و زبوں جو ہم ہیں چاہت کے بیمار ہیں سب

سیل سے ہلکے عاشق ہوں تو جوش و خروش بھرے آویں
تہ پائی نہیں جاتی اُن کی دریا سے تہ دار ہیں سب

ایک پریشاں طرفہ جماعت دیکھی چاہنے والوں کی
جینے کے خواہاں نہیں ہیں مرنے کو تیار ہیں سب

کیا کیا خواہش ہے کس بے بس مشتاق اس سے رکھتے ہیں
لیکن دیکھ کے رہ جاتے ہیں چپکے سے ناچار ہیں سب ۱۱۴۵

عشق جنھوں کا پیشہ ہوئے سیکڑوں ہوں تو ایک ہی ہیں
کوہکن و مجنوں و وامق میر ہمارے یار ہیں سب

۱۴۷۹

کاوش سے ان پلکوں کی رہتی ہے خلش سی جگر میں اب
سیدھی نظر جو اس کی نہیں ہے پاس ہے اپنی نظر میں اب

موسمِ گل کا شاید آیا داغ جنوں کے سیاہ ہوئے
دل کھنچتا ہے جانب صحرا جی نہیں لگتا گھر میں اب

نقش نہیں پانی میں اُبھرتا یہ تو کوئی اچنبھا ہے
صورتِ خوب اُس کی ہے پھرتی اکثر چشمِ تر میں اب

ایک جگہ پر جیسے بھنور رہیں لیکن چکر رہتا ہے
یعنی وطن دریا ہے اس میں چار طرف ہیں سفر میں اب ۱۱۵۰

حسرت نے ملنے کی آیا میر تمھارا خون پیا
تیغ و تبر اس ترک بچے ظالم کی نہیں ہے کمر میں اب

۱۴۸۰

باہم ہوئی ہے ترکِ ملاقات کیا سبب ۔۔۔ اب کم بہت ہے ہم پہ عنایات کیا سبب

ہم تو تمھارے حسن کی حیرت سے ہیں خموش ۔۔۔ تم ہم سے کوئی کرتے نہیں بات کیا سبب

ہم تیرہ روز آپ سے تم بن سحر گئے ۔۔۔ آئے نہ تم ہمارے کنے رات کیا سبب

۱۱۵۵ اُس کی نگاہِ مست تو اُدھر نہیں پڑی ۔۔۔ مسجد جو ہو گئی ہے خرابات کیا سبب

تھا مرتبہ ہمیشہ سگِ یار کا بلند
ہے میر سے سلوکِ مساوات کیا سبب

۱۴۸۱

دل کے گئے بے کس کہلائے ایسا کہاں ہمدم ہے اب ۔۔۔ کون ایسے محرمِ غمیں کا ہم راز و محرم ہے اب

سینہ زنی سے غم زدگی ہے سر دھنتا ہے روتا ہے ۔۔۔ دل جو ہمارا خون ہوا ہے اس سے بلا ماتم ہے اب

سن کر حال کسو کے دل کا رونا ہی مجھ کو آتا تھا ۔۔۔ یعنی کبھو جو کڑھتا تھا میں وہ رونا ہر دم ہے اب

۱۱۶۰ زردئی چہرہ تن کی نزاری بیماری پھر چاہت ہے ۔۔۔ دل میں غم ہے مژگاں نم ہیں حال بہت درہم ہے اب

دیکھیں دن کٹتے ہیں کیونکر راتیں کیونکے گزرتی ہیں ۔۔۔ بیتابی ہے زیادہ زیادہ صبر بہت کم کم ہے اب

عشق ہمارا آہ نہ پوچھو کیا کیا رنگ بدلتا ہے ۔۔۔ خون ہوا دل داغ ہوا پھر درد ہوا پھر غم ہے اب

ملنے والو پھر ملیے گا ہے وہ عالمِ دیگر میں
میر فقیر کو سکر ہے یعنی مستی کا عالم ہے اب

ت

۱۴۸۲

دل کی تہ کی کہی نہیں جاتی نازک ہے اسرار بہت ۔۔۔ انچھر ہیں تو عشق کے دو ہی لیکن ہے بستار بہت

۱۱۶۵ کافر مسلم دونوں ہوئے پر نسبت اس سے کچھ نہ ہوئی ۔۔۔ بہت لیے تسبیح پھرے ہم پہنا ہے زنار بہت

ہجر نے جی ہی مارا ہمارا کیا کہیے کیا مشکل ہے ۔۔۔ اس سے جدا رہنا ہوتا ہے جس سے ہمیں ہے پیار بہت

منھ کی زردی تن کی نزاری چشمِ تر پر چھائی ہے ۔۔۔ عشق میں اس کے یعنی ہم نے کھینچے ہیں آزار بہت

کہہ کے تغافل اُن نے کیا تھا لیکن تقصیر اپنی ہے ۔۔۔ کام کھنچا جو تیغ تک اُس کی ہم نے کیا اصرار بہت

حرف و سخن اب تنگ ہوا ہے ان لوگوں کے ساتھ اپنے ۔۔۔ منھ کرنے سے جن کی طرف آتی تھی ہم کو عار بہت

رات سے شہرت اس بستی میں میرؔ کے اُٹھ جانے کی ہے
جنگل میں جو جلد بسا جا شاید تھا بیمار بہت ۱۱۷۰

### ۱۴۸۳

بادِ صبا نے اہلِ چمن میں اس چہرے کی چلائی بات — اس لب و لہجے پر بلبل کو اس کے آگے نہ آئی بات

دور تلک قاصد کے پیچھے کچھ کہتا میں جاتا تھا — شوقِ ستم کش ظالم نے کیا رفتہ رفتہ بڑھائی بات

آگ ہوا آتے ہی میرے لال آنکھیں کر گھور رہا — کیا جانوں سرگوشی میں کیا غیر نے اس سے لگائی بات

لعل کو نسبت ان ہونٹھوں سے دینا سب کا تصنع تھا — کچھ بن آئی جب نہ کسو سے تب یہ ایک بنائی بات

غیر سے کچھ کچھ کہتا تھا سو سامنے سے میرؔ آیا میں
پھیر لیا منھ میری طرف سے یعنی مجھ سے چھپائی بات ۱۱۷۵

### ۱۴۸۴

زرد ہیں چہرے سوکھ گئے ہیں یعنی ہیں بیمار بہت — عشق کی گرمی دل کو پہنچی کہتے ہی آزار بہت

نالہ و زاری سے عاشق کی کیا ابرِ بہاری طرف ہوگا — دل ہے نالاں حد سے زیادہ آنکھیں ہیں خونبار بہت

برسوں ہوئے اب ہم لوگوں سے آنکھ آنکھوں کی نہیں ملتی — برسوں تک آپس میں رہا ہے اپنے جنھوں کے پیار بہت

ارض و سما کی پستی بلندی اب تو ہم کو برابر ہے — یعنی نشیب و فراز جو دیکھے طبع ہوئی ہموار بہت

سو غیروں میں ہو عاشق تو ایک اسی سے شہادیں — اس مستی میں آنکھیں اُس کی رہتی ہیں ہشیار بہت ۱۱۸۰

کم ہے ہمیں امید بہی سے اِتنی نزاری پر اس کی — پچھلے دنوں دیکھا تھا ہم نے عاشق تھے بیمار بہت

میرؔ نہ ایسا ہووے کہیں پردے ہی پردہ مار مرے
ڈر لگتا ہے اس سے ہم کو ہے وہ ظاہر دار بہت

### ۱۴۸۵

چپکے کھڑا مکڑے ہوتا ہوں ساری ہے اُلفت کی بات — تیغ نے اُس کی کیا ہے قسمت یہ بھی ہے قسمت کی بات

جان مسافر ہو جائے گی لب پر ہے موقوف آہ — سب کچھ کہیو جاتے ہوئے تم مت کہیو رخصت کی بات

کہہ کے فسانہ عشق و وفا کا لوگ محبت کرتے تھے — اب وہ تازہ کہانی اُن کی گویا ہے مدت کی بات

درد و غم کی گرفتاری سے مہلت ہو تو کچھ کہیے — حرف زدن اشعار و شعاری یہ سب ہے فرصت کی بات

کس کو دماغ جواب رہا ہے ضعف ہے اب خاموش رہے — پہروں بکتا نصیحت گر سے میرؔ یہ ہے طاقت کی بات

## ۱۴۸۶

چشم رہتی ہے اب پر آب بہت — دل کو میرے ہے اضطراب بہت

دیکھیے رفتہ رفتہ کیا ہووے — تاب دل کم ہے پیچ و تاب بہت

۱۱۱۹۰ دیر افسوس کرتے رہیے گا — عمر جاتی رہی شتاب بہت

مہر و لطف و کرم عنایت کم — ناز و خشم و جفا عتاب بہت

بے تفاوت ہے فرق آپس میں — وے مقدس ہیں میں خراب بہت

پشت پا پر ہے چشم شوخ اس کی — ہائے لیے ہم سے ہے حجاب بہت

دختِ رز سے رہتے ہیں محشور — شیخ صاحب ہیں گُس کباب بہت

۱۱۱۹۵ آویں محشر میں کیوں نہ پا بے حساب — ہم یہی کرتے ہیں حساب بہت

واں تلک اپنی دعا پہنچتی نہیں — عالی رتبہ ہے وہ جناب بہت

گل کے دیکھے کا غش گیا ہی نہ میر
منھ پہ چھڑکا مرے گلاب بہت

## ۱۴۸۷

اچنبھی سی لگی اپنے تو وہ تلوار یا قسمت — ہوئی جس کے لگے کار آمدہ بیکار یا قسمت

ہوئے جب سو جواں یک جا توقع سی ہوئی ہم کو — نگہ تیز ان نے سو ایدھر نہ کی دو بار یا قسمت

۱۱۲۰۰ پڑا سایہ نہ اس کی تیغ خوں آلودہ کا سر پر — رکھے ہیں یوں تو قسمت ان نے کیا کیا وار یا قسمت

رہا تھا زیر دیوار اس کی میں برسات میں جا کر — گری اس مینھ میں سر پر وہی دیوار یا قسمت

موئے ہم تشنہ لب دیدار کے حالانکہ گریاں تھے — نصیب اپنے کہ سوکھی چشم دریا بار یا قسمت

درِ مسجد پہ ہو کر بے نوا بیٹھے ہیں یا ہادی — ہمیں تھے ورنہ میخانے میں تکیہ دار یا قسمت

نصیبوں میں ہے جن کے عیش وہ بھی میر جیتے ہیں
جیے ہیں ہم بھی جو مرنے کو تھے تیار یا قسمت

# ث

## ۱۴۸۸

دل کو اس بے مہر سے ہم نے لگایا ہے عبث — مہر کی رکھ کر توقع جی کھپایا ہے عبث

دیکھ کر اس کو کھڑے سوجی سے ہم عاشق ہوئے
بیٹھے بیٹھے ناگہاں یہ رنج اُٹھایا ہے عبث

اپنی تو بگڑی ہی، کوئی کام کی صورت نہیں
اُن نے بے لطفی سے مُنہ اچھا بنایا ہے عبث

جی کے جاتے وہ جو نو خط آتا تو بابت بھی تھی
لطف کر مُردے پہ عاشق کے اب آیا ہے عبث

تب تو خانہ باغ سے اپنے نہ پوچھی بات بھی
کیا جو تربت پر مری اب پھول لایا ہے عبث

رات دن سُنتا ہے نالے یوں نہیں کہتا کبھو
میر دل آزُردہ کو کن نے ستایا ہے عبث ۱۲۱۰

## ج

### ۱۴۸۹

کس تازہ مقتل پہ کشندے تیرا ہوا ہے گزارا آج
زہ دامن کی بھری ہے لہو سے کس کو تونے مارا آج

کل تک ہم نے تم کو رکھا تھا سو پردے میں کلی کے رنگ
صبح شگفتہ گُل جو ہوئے تم سب نے کیا نظّارا آج

کوئی نہیں شاہانِ سلف میں خالی پڑے ہیں دونوں عراق
یعنی خود گم اسکندر ہے ناپیدا ہے دارا آج

چشمِ مشتاق اُس لب و رُخ سے لمحہ لمحہ اٹھتی نہیں
کیا ہی لگے ہے اچھّا اُس کا مُکھڑا پیارا پیارا آج

اب جو نسیم معطّر آئی شاید بال کھُلے اُس کے
شہر کی ساری گلیاں ہو گئیں گویا عنبر سارا آج ۱۲۱۵

کل ہی جوش و خروش ہمارے دریا کے سے تلاطم تھے
دیکھ ترے آشوب نماں کے کر بیٹھے ہیں کنارا آج

چشمِ چرائی دُور سے کر وا مجکو لگا یہ کہہ کے گیا
صید کریں گے کل ہم آکر ڈال چلے ہیں چارا آج

کل ہی زباں جیبوں کے بکیے ہیں عشق میں کیا کیا لوگوں نے
سادگی میری چاہ میں دیکھو میں ڈھونڈھوں ہوں چارا آج

میر ہوئے ہو بے خود کب کے آپ میں بھی تو ٹک آؤ
ہے دروازے پر انبوہ اِک رفتۂ شوق تمھارا آج

### ۱۴۹۰

شہر سے یار سوار ہوا جو سواد میں خوب غبار ہے آج
دشتی وحش و طیر اُس کے سر تیری ہی ہیں شکار ہے آج ۱۲۲۰

برافروختہ رُخ ہے اُس کا کس خوبی سے مستی میں
پی کے شراب شگفتہ ہوا ہے اس تو گل پہ بہار ہے آج

اُس کا بحرِ حُسن سراسر اوج و موج و تلاطم ہے
شوق کی اپنے نگاہ جہاں تک جاوے بوس و کنار ہے آج

آنکھیں اُس کی لال ہوئیں ہیں اور چلے جاتے ہیں سر
رات کو دارو پی سویا تھا اُس کا صبح خمار ہے آج

گھر آئے ہو فقیروں کے تو آؤ بیٹھو لطف کرو
کیا ہے جان بن اپنے کنے سو ان قدموں پہ نثار ہے آج

۱۱۲۲۵ کیا پوچھو ہو سانجھ تلک پہلو میں کیا کیا تڑپھا ہے — کل کی نسبت دل کو ہمارے بارے کچھ تو قرار ہے آج

مت چو کو اس جنس گراں کو دل کی وہیں لے جاؤ تم — ہند ستان میں ہندو بچوں کی بہت بڑی سرکار ہے آج

خوب جو آنکھیں کھول کے دیکھا شاخ گل سا نظر آیا — ان رنگوں پھولوں میں ملا کچھ محو جلوۂ یار ہے آج

جذب عشق جدھر چاہے لے جائے ہے محمل لیلے کا — یعنی ہاتھ میں مجنوں کے ناقے کی اس کے مہار ہے آج

رات کا پہنا ہار جو اب تک دن کو آتارا ان نے نہیں
مشابہ میر جمال گل بھی اس کے گلے کا ہار ہے آج

۱۴۹۱

۱۱۲۳۰ رنگ یہ ہے دیدۂ گریاں سے آج — لوہو ٹپکتا ہے گریباں سے آج

سر بہ فلک ہونے کو ہے کس کی خاک — گرد یک اٹھتی ہے بیاباں سے آج

۱۴۹۲

کہوں سو کیا کہوں نے صبر نے قرار ہے آج — جو اس چمن میں یہ اک طرفہ انتشار ہے آج

سر اپنا عشق میں ہم نے بھی یوں تو پھوڑا تھا — پر اس کو کیا کریں اور دل کا اعتبار ہے آج

گیا ہے جانب وادی سوار ہو کر یار — غبار گرد پھرے ہے بہت شکار ہے آج

۱۱۲۳۵ جہاں کے لوگوں میں جس کی تھی کل تئیں عزت — اسی عزیز کو دیکھا ذلیل و خوار ہے آج

سحر سواد میں چل زور پھولی ہے سرسوں — ہوا ہے عشق سے گل زرد کیا بہار ہے آج

سواری اس کی ہے سرگرم گشت دشت مگر — کہ خیرہ تیرہ نمودار یک غبار ہے آج

سپہر جھڑیوں میں کل تک پڑے تھا ساتھ اپنے — عجب ہے سب کا اسی سفلے پر مدار ہے آج

بخار دل کا نکالا تھا درد دل کہہ کر — سو درد سر ہے بدن گرم ہے بخار ہے آج

کسو کے آنے سے کیا اب کہ غش ہے کل دن سے
۱۱۲۴۰ ہمیں تو اپنا ہی اے میر انتظار ہے آج

## چ

۱۴۹۳

آج ہمیں بدحالی سی ہے حال نہیں ہے جان کے بیچ — کیا عاشق ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے جہان کے بیچ

پایہ اس کی شہادت کا ہے عرش عظیم سے بالاتر — جو مظلوم عشق موا ہے بڑھ کر ٹک میدان کے بیچ

یوں ہی نظر چڑھ رہتی نہیں کچھ حسرت میں تو چشم سفید — دیکھی ہے ہیرے کی رنگت میں اس چشم حیران کے بیچ

وہ پرکالہ آتش کا ہے صبح تلک بھڑکا بھی نہ تھا
کیا جانوں کیا پھونک دیا لوگوں نے اُس کے کان کے بیچ

وعدے کرو ہو برسوں کے تم دم کا بھروسا ہم کو نہیں
کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے یاں اک پل میں ایک آن کے بیچ ۱۲۴۵

تبعیت سے جو فارسی کی میں نے ہندی شعر کہے
سارے ترک بچے ظالم اب پڑھتے ہیں ایران کے بیچ

بندے خدائے پاک کے ہم جو میر نہیں تو زیر فلک
پھر یہ تقدس آیا کہاں سے مشت خاک انسان کے بیچ

۱۴۹۴

فصل گل میں سیر ہوئے تھے من ہی کی رہی من کے بیچ
اب یہ ستم تازہ ہے ہم پر قید کیا ہے چمن کے بیچ

یہ اُلجھاؤ سُلجھتا ہم کو وسے ہے دکھائی مشکل سا
یعنی دل اٹکا ہے جاکر ان بالوں کی شکن کے بیچ

وہ کرتا ہے جب زباں درازی حیرت سے ہم چپکے ہیں
کچھ بولا نہیں جاتا یعنی اُس کے حرف و سخن کے بیچ ۱۲۵۰

دشت بلا میں جاکر مریے اپنے نصیب جو سیدھے ہوں
واں کی خاک عنبر کی جاگہ رکھ دیں لوگ کفن کے بیچ

کبک کی جان مسافر ہووے دیکھے خرام ناز اُس کا
نام نہیں لیتا ہے کوئی اُس کا میرے وطن کے بیچ

کیا شیریں ہے حرف و حکایت حسرت ہم کو آتی ہے
لٹتے زباں اپنی بھی ہووے یک دم اُس کے دہن کے بیچ

غم و اندوہ عشق سے ہر لحظہ نکلتی رہتی ہے
جان غلط کر میر آتی ہے گویا تیرے بدن کے بیچ

۱۴۹۵

اُس کے رنگ کھلا ہے شاید کوئی پھول بہار کے بیچ
شور پڑا ہے قیامت کا سا چار طرف گلزار کے بیچ ۱۲۵۵

رحم کرے وہ ذرا ذرا تو دیکھنے آوے دم بھر یاں
اب تو دم بھی باقی نہیں ہے اُس کے کسو بیمار کے بیچ

چین نہ دے گا خاک کے نیچے ہرگز عشق کے ماروں کو
دل تو ساتھ لے کاش نہ گاڑیں ان لوگوں کے مزار کے بیچ

چشم شوخ سے اُس کی یارو کیا نسبت ہے غزالوں کو
دیکھتے ہیں ہم بڑا تفاوت شہری اور گنوار کے بیچ

کون شکار رم خوردہ سے جاکے کہے ٹک پھر کر دیکھ
کوئی سوار ہے تیرے پیچھے گرد و خاک و غبار کے بیچ

رونے سے جو رود بہا تو اس کا کیا ہے یارو عجب
جذب ہوئے ہیں کیا کیا دریا اپنی جیب و کنار کے بیچ ۱۲۶۰

چشمک، غمزہ، عشوہ، کرشمہ، آن، انداز و ناز و ادا
حُسن سوائے حسن ظاہر میر بہت ہیں یار کے بیچ

۱۴۹۶

اے بوئے گل سمجھ کے مہکیو پون کے بیچ
زخمی پڑے ہیں مرغ ہزاروں چمن کے بیچ

بہہ بھی گیا میں اندر ہی اندر گداز ہو
دھوکا ہے جوں حباب مرے پیرہن کے بیچ

# ح

۱۴۹۷

گھر سے یلے نکلتا ہے تلوار بے طرح
اب اُن نے سج بنائی ہے خونخوار بے طرح

۲۶۵ جی بچنے کی طرح نظر آتی نہیں کوئی
کرتا ہے میرے خون پہ اصرار بے طرح

چہرہ تو اُن نے اپنا بنایا ہے خوب لیک
بگڑا پھرے ہے اب وہ طرح دار بے طرح

کس طرح جائے پکڑی زباں اُس کی خشم میں
کہتا ہے بیٹھا متصل اب یار بے طرح

لوہو میں ڈوبے دیکھیو دامان و جیب میر
بھرا ہے آج دیدۂ خونبار بے طرح

۱۴۹۸

وہ نوبادۂ گلشن خوبی سب سے رکھے ہے نرالی طرح
شاخ گل سا جا اٹھے ہے لہکا اُن نے نئی یہ ڈالی طرح

۲۷۰ مونڈھے چلے ہیں چولی چسپی ہے مہری پھنسی ہے بند کسے
اس اوباش نے پہناوے کی اپنے تازہ نکالی طرح

جبہہ نوچا مُنہ نوچا سب سینہ نوچا ناخن سے
میر نے کی ہے غم غصے میں اپنی یہ بدحالی طرح

# خ

۱۴۹۹

جھمک سے اُس کے بدن میں ہر ایک جا ہے شوخ
برنگ برق سراپا وہ خودنما ہے شوخ

پڑے ہے سیکڑوں جا راہ چلنے میں اُس پر
کسو کی آنکھ تو دیکھے کوئی بلا ہے شوخ

نظر پڑی نہیں کیا اُس کی شوخ چشمی میر
حضور یار کے چشم غزال کیا ہے شوخ

۲۷۵ گلبن چمن کے اُس کو جو دیکھتے ہیں گستاخ
۱۵۰۰ کیا تازہ کوئی ان کی نکلی بہار میں شاخ

# د

اُس سے نہ الفت ہو مجکو تو ہووے نہ میرا چہرہ زرد
۱۵۰۱ ہاتھ نہ رکھوں کیوں دل پر ہیں رنج و بلا ہے قیامت درد

ملنے میں خنکی ہی کرتا وہ کاش کے پہلے چاہ کے دن — گرمی نہ ہوتی آپس میں تو کھینچتے نہ ہر دم آہِ سرد

برسوں میں اقلیمِ جنوں سے دو دیوانے نکلے تھے
میر آوارۂ شہر ہوا ہے قیس ہوا ہے بیاباں گرد

۱۵۰۲

کہتے ہو تم کہ یکسر مجھ میں وفا ہے شاید — متروک رسمِ جور و ظلم و جفا ہے شاید
کم ناز سے ہے کس کے بندے کی بے نیازی — قالب میں خاک کے یاں پنہاں خدا ہے شاید ۱۲۸۰
یاں کچھ نہیں ہے باقی اُس کے حساب لیکن — مجھ میں شمارِ دم سے اب کچھ رہا ہے شاید
قیدِ فراق سے تو چھوٹیں جو مر رہیں ہم — اس دردِ بے دوا کی مرنا دوا ہے شاید

یہ عشق ہے یقینی حال ایسا کم سنا ہے
اے میر دل کسو سے تیرا لگا ہے شاید

۱۵۰۳

رکھتا ہے دل کنار میں صد پارہ درد مند — ہر پارہ اُس کا پاتے ہیں آوارہ درد مند
تسکین اپنے دل کی جو پاتا نہیں کہیں — جز صبر اور کیا کرے بے چارہ درد مند ۱۲۸۵
اسلامی کفری کوئی ہو ہے شرطِ دردِ عشق — دونوں طریق میں نہیں ناکارہ درد مند
قابل ہوئی ہیں سیر کے چشمانِ خوں فشاں — دیکھیں ہیں آنکھوں لوہو کا فوارہ درد مند
کیا کام اُس کو یاں کے نشیب و فراز سے — رکھتا ہے پانو دیکھ کے ہموارہ درد مند
اس کارواں سرائے کے ہیں لوگ رفتنی — حسرت سے اُن کا کرتے ہیں نظارہ درد مند

سو بار حوصلے سے اگر رنج کش ہو میر
پھر فرطِ غم سے مرتا ہے یک بارہ درد مند ۱۲۹۰

۱۵۰۴

ہے عشق کا فسانہ میرا نہ یاں زباں زد — ہر شہر میں ہوئی ہے یہ داستاں زباں زد
حسرت سے حسنِ گل کی چپکا ہوا ہوں ورنہ — طیرانِ باغ میں ہوں میں خوش زباں زباں زد
مذکور عاشقی کا ہر چار سو ہے باہم — یعنی نہیں کہانی میری کہاں زباں زد
فرہاد و قیس و وامق ہر یک سے پوچھ لو تم — شہرِ دل میں عشق کے ہوئے ہیں ناتواں زباں زد

کیا جانے میرؔ کس کے غم سے ہے چپ وگرنہ
حرف و سخن میں کیا ہی ہے یہ جواں زباں زد

۱۵۰۵

کیا کہیے ہوئے مُملکتِ ہستی میں وارد — بے یار و دیار اب تو ہیں اس بستی میں وارد
کچھ ہوش نہ تھا منبر و محراب کا ہم کو — صد شکر کہ مسجد میں ہوئے مستی میں وارد

۱۵۰۶

کچھ تدبیر بتاؤ ہم کو دِل اپنا ہے درد آلود
خاک اُڑاتے کہاں تک پھریے چہرہ سب ہے گرد آلود

ر

۱۵۰۷

اپنے موئے بھی رنج و بلا ہے ہمسایوں کی جانوں پر — کیا کیا سینہ زنی رہتی ہے درد و غم کے فسانوں پر
۱۱۳۰۰ یاں تو کیا کیا حرف و سخن تھے میرے جہاں سے جاتے رہے — باتیں درد آگیں ہیں اب تک کیسی کیسی زبانوں پر
تو بھی رباطِ کہن سے صوفی سیر کو چل ٹک سبزے کی — ابرِ سیہ قبلے سے آکر جھوم پڑا میخانوں پر
آمد و رفتِ نسیم سے ظاہر رنجشِ بلبل ہے لیکن — باؤ بھی اب تک بہی نہیں گلہائے چمن کے کانوں پر
جیغہ جیغہ اُس کی سی ابرو دلکش نکلی نہ کوئی یاں — زور کیے لوگوں نے اگرچہ نقش و نگار کمانوں پر
جان تو یاں ہے گرمِ رفتن لیت و لعل واں ویسی ہے — کیا کیا مجھکو جنوں آتا ہے اس لڑکے کے بہانوں پر
۱۱۳۰۵ بعد مرے سبحے کو میرے ہاتھوں ہاتھ ملک لیں گے — سَو سَو بار لیا ہے مَیں نے نام اُس کا ان دانوں پر
دِل کی حقیقت عرش کی عظمت سب کچھ ہے معلوم ہمیں — سیر رہی ہے اکثر اپنی ان پاکیزہ مکانوں پر
راہ چلو تم اپنی اپنی میرؔ سے طریق سے کیا تم کو — آنکھوں سے پڑا[1] میں نے کیا ہے واں پانو کے نشانوں پر
عشق عجائب زور آور ہے کشتی سب کی پاک ہوئی
ذکرِ میرؔ ہے کیا پیری میں حرف و سخن ہے جوانوں پر

۱۵۰۸

کئی داغ ایسے جلائے جگر پر — کہ وے نرگسی زن تھے گلہائے تر پر
۱۱۳۱۰ گیا میری وادی سے سیلاب بچ کر — نظریاں جو کی عشق کے شیر نر پر

[1] آسی: سجدہ

سرِ رہ سے اُس کے موئے ہی اُٹھیں گے
یہ جی جا رہا ہے اسی رہ گذر پر

سر اس آستاں پر رگڑتے گئے ہیں
ہوئے خون یاروں کے اس خاکِ در پر

ہم آتا اُسے سن کے جیتوں میں آئے
بنا زندگانی کی ہے اب خبر پر

اُسے لطف اُس کا ہی لاوے تو لاوے
نہیں وصل موقوف کچھ زور و زر پر

سر کٹتے نہیں شوق کشتوں کے سر بن
قیامت سا ہنگامہ ہے اُس کے سر پر ۱۳۱۵

اُتر جو گیا دل سے رُو کش ہو اُس کا
چڑھا پھر نہ خورشید میری نظر پر

بھری تھی مگر آگ دل میں دروں میں
ہوئے اشک شورش سے اس کے شرر پر

گیا پی جوان آنسوؤں کے تئیں میر
سراسر ہیں اب داغ سطحِ جگر پر

سرِ عجز ہر شام تھا خاک پر ہی
تو دل تھی کبھی ہی آہِ سحر پر

پلک اُٹھتے آثار اچھے نہ دیکھے
پڑی آنکھ ہرگز نہ رونے اثر پر ۱۳۲۰

طرف شاخِ گل کی لچک کے نہ دیکھا
نظر میر کی تھی کسو کی کمر پر

غزل در غزل صاحبو یہ بھی دیکھو
نہیں عیب کرنا نظر اک ہنر پر

## ۱۵۰۹

بھروسا اسیری میں تھا بال و پر پر
سو پروا ہوئے نہ قفس کے بھی در پر

سواران شایستہ کشتے ہیں تیرے
نہ تیغِ ستم کر علم ہر نفر پر

کھلا پیشِ دنداں نہ اُس کا گر بچپہ
کتھوں نے بھی تھوکا نہ سلکِ گہر پر ۱۳۲۵

چلے کیوں نہ چھاتی کہ اپنی نظر ہے
کسو شوخ، پرکار، رعنا پسر پر

نہ محشر میں چونکا مرا خونِ خفتہ
وہی تھا یہ خوابیدہ اس شور و شر پر

کئی زخم کھا کر تڑپتا رہا دل
تسلی تھی موقوف زخمِ دگر پر

سُنا تھا اُسے پاس لیکن نہ پایا
چلے دور تک ہم گئے اس خبر پر

سرِ شب کہے تھا بہانہ طلب وہ
گھڑی ایک رات آئی ہوگی پہر پر ۱۳۳۰

کوئی پاس بیٹھا رہے کب تلک یوں
کہو ہوگی رخصت گئے اب سحر پر

جہاں میں نہ کی میر اقامت کی نیت
کہ مشعر تھا آنا مرا یاں سفر پر

عشق خدائی خراب ہے ایسا جس سے گئے ہیں گھر کے گھر ۱۵۱۰ کعبہ و دیر کے ایوانوں کے گرے پڑے ہیں در کے در
حج سے جو کوئی آدمی ہو تو سارا عالم حج ہی کرے مکے سے آئے شیخ جی لیکن وے تو وہی ہیں خر کے خر
رنج و تعب میں مرتے دیکھے ہم نے ممسک دولت مند جی کے جی بھی عبث جاتے ہیں ان لوگوں کے زر کے زر
مسلم و کافر کے جھگڑے ہیں جنگ و جدل سے ہاتھ نہیں لوتھوں پہ لوتھیں گرتی ہیں گی کٹتے رہیں گے سر کے سر
سخت مصیبت عشق میں یہ ہے جانیں چلی جاتی ہیں لیک ہاتھ سروں پہ ماریں گے تو بند رہیں گے گھر کے گھر
کب سے گرمی عشق نے میرے چشمۂ چشم کو خشک کیا کپڑے گلے سارے لیکن وے نہیں اب تک تر کے تر

نکلے اب کے قفس میں شاید کوئی کلی تو نکلے میر
سارے طیر شگفتہ چمن کے ٹوٹے گئے وے پر کے پر

۱۵۱۱

۱۱۳۴۰ بات کہو کیا چپکے چپکے بیٹھ رہو ہو یاں آکر ایسے گونگے بیٹھو ہو تم تو بیٹھیے اپنے گھر جا کر
دل کا راز کیا میں ظاہر بلبل سے گلزار میں لیک اس بے تہ نے صحن چمن میں جان دی چلا چلا کر
جیسا پیچ و تاب پر اپنے بالیدہ تھا ویسا ہی مار سیہ کو رشک سے مارا ان بالوں سنے بل کھا کر
ڈھونڈتے تا اطفال پھریں ان کے جنوں کی ضیافت میں بھر رکھی ہیں شہر کی گلیاں پتھر ہم نے لا لا کر
ہا ہا ہی ہی نے شوخ کی میرے تنگ کیا خوش روئیاں کو سرخ و زرد ہوئے خجلت سے چھوٹے ہا ہا ہا ہا کر
۱۱۳۴۵ چاہ کا جو اظہار کیا تو فرط شرم سے جان گئی عشق شہرت دوست نے آخر مارا مجھ کو رسوا کر

میر یہ کیا رونا ہے جس سے آنکھوں پہ رومال رکھا
دامن کے ہر پاٹ کو اپنے گریۂ زار سے دریا کر

۱۵۱۲

ٹیڑھی نگاہیں کیا کرتے ہو دم بھر کے یاں آنے پر
ایدھر دیکھو ہم نے نہیں کی خم ابرو مر جانے پر
زور ہوا ہے چل صوفی ٹک تو بھی رباط کہنہ سے
ابر قبلہ بڑھتا بڑھتا آیا ہے مے خانے پر
گل کھائے بے تہ بلبل نے شور قیامت کا سا کیا
دیکھ چمن میں اس بن میرے چپکے جی بہلانے پر

سر نیچے کر لیتا تھا تلوار چلاتے ہم پر وے

ریجھ گئے خوں ریزی میں اپنی اس کے پھر شرمانے پر ۶۳۵۰

گالی مار کے غم پر میں نے صبر کیا خاموش رہا

رحم نہ آیا تک ظالم کو اس میرے غم کھانے پر

نادیدہ ہیں نامِ خدا ٹے ایسے جیسے قحط زدہ

دوڑتی ہیں کیا آنکھیں اپنی سبحے کے دانے دانے پر

حالِ پریشاں سن مجنوں کا کیا جلتا ہے جی اپنا

عاشق ہم بھی میر رہے ہیں اس ڈھب کے دیوانے پر

## ۱۵۱۳

روزوں میں رہ سکیں گے ہم بے شراب کیونکر ۔۔ گزرے گا اتقا میں عہدِ شباب کیونکر

تھوڑے سے پانی میں بھی چل نکلے ہے ابھرتا ۔۔ بے تہ ہے سر نہ کھینچے اک دم حباب کیونکر ۶۳۵۵

چشمے بحیرے اب تک ہیں یادگار اس کے ۔۔ وہ سوکھ سب گئی ہے چشمِ پر آب کیونکر

دل کی طرف کا پہلو سب متصل جلے ہے ۔۔ مخمل ہو فرش کیوں نہ آوے گی خواب کیونکر

اوّل سحور کھانا آخر صبوحی کرنا ۔۔ آوے نہ اس عمل سے شرم و حجاب کیونکر

اجڑے نگر کو دل کے دیکھوں ہوں جب کہوں ہوں ۔۔ اب پھر بسے گی ایسی بستی خراب کیونکر

جرم و ذنوب تو ہیں بے حد و حصر یا رب! ۔۔ روزِ حساب لیں گے تجھ سے حساب کیونکر ۶۳۶۰

پیش از سحر اٹھے ہے آج اس کے منہ کا پردا ۔۔ نکلے گا اس طرف سے اب آفتاب کیونکر

خط میر آوے جاوے جو نکلے راہ ادھر کی

نبھتا نہیں ہے قاصد لاوے جواب کیونکر

## ۱۵۱۴

تڑپے ہے غم زدہ دل لاوے گا تاب کیونکر ۔۔ خوں بستہ ہیں گی آنکھیں آوے گی خواب کیونکر

پُر ناتواں ہوں مجھ پر بھاری ہے جی ہی اپنا ۔۔ مجھ سے اٹھیں گے اس کے ناز و عتاب کیونکر

اس بحر میں ہے مٹنا شکلِ حباب ہر دم ۔۔ ابھرا رہے ہمیشہ نقشِ بر آب کیونکر ۶۳۶۵

پانی کے دھوکے پیاسے کیا کیا عزیز مارے ۔۔ سر پر نہ خاک ڈالے اپنے سراب کیونکر

آبِ رواں نہ تھا کچھ وہ لطفِ زندگانی
جاتی رہی جوانی اپنی شتاب کیونکر

سینے میں میرے کب سے اک سینک ہی لگی ہے
قلب و کبد نہ ہوویں دونوں کباب کیونکر

شلّاق خواری کی تھی خجلت جو کچھ نہ بولا
مُنھ کیا ہے نامہ بر کا نکلے جواب کیونکر

۱۲۷۰ سوزِ دل و جگر سے جلتا ہے تن بدن سب
میں کیا کوئی ہو کھینچے ایسے عذاب کیونکر

چہرہ کتابی اس کا مجموعہ میر کا ہے
اِک حرف اس دہن کا ہوتا کتاب کیونکر

## ۱۵۱۵

لاوے چمکتے رُخ کی آئینہ تاب کیونکر
ہو چہرہ اُس کے لب سے یاقوتِ ناب کیونکر

ہے شعر و شاعری گو کب سے شعار اپنا
حرف و سخن سے کریے اب اجتناب کیونکر

جوں ابر اگر نہ روویں وادی و کوہ پر ہم
تو شہروں شہروں آوے نہروں میں آب کیونکر

۱۲۷۵ اب بھی نہیں ہے ہم کو اے عشق نااُمیدی
دیکھیں خراب ہووے حالِ خراب کیونکر

اُڑ اُڑ کے جا لگے ہے وہ تیر مار کا گل
کھاتا رہے نہ افعی پھر پیچ تاب کیونکر

چشمِ محیط سے جو ہووے نہ چشمِ تر کے
تو سیر ہو ہوا پر پھیلے سحاب کیونکر

اب تو طپش نے دل کی اودھم مچا رکھا ہے
تسکین پاوے دیکھوں یہ اضطراب کیونکر

رد چاہیئے ہے اس کے در پر بھی بیٹھنے کو
ہم تو ذلیل اُس کے ہوں میر باب کیونکر۔

## ۱۵۱۶

۱۲۸۰ سُنا تم نے جو گزرا سانحہ ہجراں میں یاروں پر
قیامت غم سے ہر ساعت رہی اُلفت کے ماروں پر

کیا ہے عشقِ عالم کُش نے کیا ستھراؤ لوگوں کا
نکل چل شہر سے باہر نظر کر ٹک مزاروں پر

تڑپھ کر گرم ٹک جوں برق ٹھنڈے ہوتے جاتے ہیں
بسانِ ابرِ رحمت رو بہت ہم بے قراروں پر

بڑی دولت ہے درویشی جو بہرہ ہو قناعت کے
کہ عرصہ تنگ ہے حرص و ہوا سے تاجداروں پر

سیاحت خوب مجھ کو یاد ہے پر کی بھی وحشت کی
پر اپنا پانو پھیلے دشت کے سرتیز خاروں پر

۱۲۸۵ گئے فرہاد و مجنوں، ہو کوئی تو بات بھی پوچھیں
یکایک کیا بلا آئی ہمارے غم گساروں پر

گئی اس ناتوانِ عشق کے آگے سے پیری ٹل
شکیب رُوحی مری اے میر بھاری ہے ہزاروں پر

## ۱۵۱۷

اک آدھ دن نکل مت اے ابر ادھر سے ہو کر — بیٹھا ہوں میں ابھی ٹک سارا جہاں ڈبو کر

اب کل نہیں ہے تجھ کو بے قتل غم کشوں کے — کہتے تو تھے کہ ظالم خوں ریزی سے نہ خو کر

کہتے ہیں راہ پائی زاہد نے اس گلی کی — روتا کہیں نہ آوے ایمان و دیں کو کھو کر

ہے نظم کا سلیقہ ہر چند سب کو لیکن — جب جانیں کوئی لاوے یوں موتی سے پرو کر ۱۳۹۰

کیا خوب زندگی کی دنیا میں شیخ جی نے — تعبیر کرتے ہیں سب اب اُن کو مُردہ شو کر

گو تیرے ہونٹھ ظالم آبِ حیات ہوں اب — کیا ہم کو جی کی، بیٹھے ہم جی سے ہاتھ دھو کر

کس کس ادا سے فتنے کرتے ہیں قصد اُدھر کا — جب بے دماغ سے تم اٹھ بیٹھتے ہو سو کر

ٹکڑے جگر کے میرے مت چشمِ کم سے دیکھو — کاڑھے ہیں یہ جواہر دریا کو میں بلو کر

احوال میر جی کا مطلق گیا نہ سمجھا
کچھ زیرِ لب کہا بھی سو دیر دیر رو کر ۱۳۹۵

## ۱۵۱۸

عشق ہمارا خون کرے ہے جی نہیں رہتا یار بغیر
وہ گھر سے نہیں اپنے نکلتا دم بھر بھی تلوار بغیر

جانِ عزیز کی جاں بھی گئے پر آنکھیں کھلی رہ جائیں گی
یعنی کشتۂ حسرت تھا میں آئینہ سا دیدار بغیر

گوندھے گئے سو تازہ رہے جو سب میں تھے سو ملامت سے
سوکھ کے کانٹا پھول ہوئے سے اُس کے گلے کے ہار بغیر

پھولوں کا موسم کاشکے ہو پردے سے ہوا کے چشمک زن
گل کھاتے ہیں ہزار خزاں میں مرغِ چمن نے بہار بغیر

وحشی و طیر ستے شست بھرے صیادی تھی یار کی جب
خالی پڑے ہیں دام کہیں میر اُس کے ذوقِ شکار بغیر ۱۴۰۰

## ۱۵۱۹

چند سے بجا ہے گریہ و اندوہ و آہ کر — ماتم کدے کو دہر کے تو عیش گاہ کر

کیا دیکھتا ہے ہر گھڑی اپنی ہی سج کو شوخ
آنکھوں میں جان آئی ہے ایدھر نگاہ کر

رحمت اگر یقینی ہے تو کیا ہے زہد شیخ
اے بیوقوف جائے عبادت گناہ کر

چھوڑا اب طریق جور کو اے بے وفا سمجھ
نبھتی نہیں یہ چال کسو دل میں راہ کر

۱۱۴۰۵ چسپیدگی داغ سے مت منھ کو اپنے موڑ
اے زخم کہنہ دل سے ہمارے نباہ کر

اس وقت ہے دعا و اجابت کا وصل میر
یک نعرہ تو بھی پیش کش صبح گاہ کر

## ۱۵۲۰

شوریدہ سر رکھا ہے جب سے اس آستاں پر
میرا دماغ تب سے ہے ہفتم آسماں پر

گھائل گرا رہا ہے فتراک سے بندھا ہے
کیا کیا ستم ہوئے ہیں اس صید ناتواں پر

لطف بدن کو اس کے ہرگز پہنچ سکے نہ
جا پڑتی تھی ہمیشہ اپنی نگاہ جاں پر

۱۱۴۱۰ خاشاک خار و خس کو کر ایک جا جلایا
کیا چشم شور برق خاطر تھی آشیاں پر

وہ باغباں پسر کچھ گل گل شگفتہ ہے اب
یہ اور گل کھلا ہے اک پھولوں کی دکاں پر

پرکالے آگ کے تھے کیا نالہ ہائے بلبل
شبنم سے آبلے ہیں گل برگ سی زباں پر

دل کیا مکاں ہے پھر اس کا کیا صحن میر لیکن
غالب ہے سعی ہیں تو میدان لامکاں پر

## ۱۵۲۱

آیا نہ پھر ادھر وہ مست شراب ہو کر
کیا پھول مر گئے ہیں اس بن خراب ہو کر

۱۱۴۱۳ صید زبوں ہیں میرے یک قطرہ خوں نہ نکلا
خنجر تلے بہا میں خجلت سے آب ہو کر

وعدہ وصال کا ہے کہتے ہیں حشر کے دن
جانا ہوا ولیکن واں سے شتاب ہو کر

دارو پیے نہ ساتھ آ غیروں کے بیشتریاں
غیرت سے رہ گئے ہیں عاشق کباب ہو کر

یک قطرہ آب اس بن میں نے اگر پیا ہے
نکلا ہے میر پانی وہ خون ناب ہو کر

## ۱۵۲۲

۱۱۴۱۶ ابر سیہ قبلے سے اٹھ کر آیا ہے مے خانے پر
بادہ کشوں کا جھرمٹ ہے کچھ شیشے پر پیمانے پر

رنگ ہوا سے ٹپکنے لگا ہے سبزے میں کوئی پھول کھلا
یعنی چشمک گل کرتا ہے فصل بہار کے آنے پر ۳۲۰

شورِ جنوں ہے جوانوں کے سر میں پانو میں زنجیریں ہیں
سنگ زناں لڑکے پھرتے ہیں ہر ہر سو دیوانے پر

بے تابانہ شمع پر آیا گرد پھرا پھر جل ہی گیا
اپنا جی بھی حد سے زیادہ رات جلا پروانے پر

قادرِ جان جو کچھ ہووے تو صرفہ بھی ہم میرؔ کریں
منھ موڑیں کیا آنے سے اس کے اپنی جان کے جانے پر

## ۱۵۲۳

سعی سے اس کی ہوا مائل گریباں چاک پر
آفریں کر اے جنوں میرے کفِ چالاک پر

کیوں نہ ہوں طرفہ گلیں خوش طرح بعضی اے کلال
خاک کن کن صورتوں کی صرف کی ہے خاک پر ۳۲۵

ہم کو مٹی کر دیا پامالیٔ گردوں نے میرؔ
وہ نہ آیا ناز کرتا ٹک ہماری خاک پر

# ز

## ۱۵۲۴

اس بسترِ افسردہ کے گلِ خوشبو ہیں مرجھائے ہنوز
اس نکہت سے موسمِ گل میں پھول نہیں یاں آئے ہنوز

اس زلف و کاکل کو گوندھے دیر ہوئی مشاطہ کو
سانپ سے لہراتے ہیں بال اس کے بل کھائے ہنوز

آنکھ لگے اک مدت گزری پائے عشق جو بیچ میں ہے
ملتے ہیں معشوق اگر تو ملتے ہیں شرمائے ہنوز

تہ داری کیا کہیے اپنی سختی سے اس کی جیتے موئے
حرف و سخن کچھ لیکن ہرگز منھ پہ نہیں ہم لائے ہنوز ۳۳۰

ایسی معیشت کر لوگوں سے جیسی غم کش میرؔ نے کی
برسوں ہوئے ہیں اٹھ گئے اُن کو روتے ہیں ہمسائے ہنوز

## ۱۵۲۵

کب سے گیا ہے آیا نہیں نامہ بر ہنوز
واہی بھی کچھ سنا نہیں جاتے خبر ہنوز

خونِ جگر کو سوکھے ہوئے برسوں ہو گئے — رہتی ہیں میری آنکھیں شب و روز تر ہنوز
ہر چند آسماں پہ ہماری دعا گئی — اُس مہ کے دل میں کرتی نہیں کچھ اثر ہنوز
۴۳۵ مدت سے لگ رہی ہیں مری آنکھیں اس کی اور — وہ دیکھتا نہیں ہے غلط کر ادھر ہنوز
برسوں سے لکھنؤ میں اقامت ہے مجھ کو لیک — یاں کے چلن سے رکھتا ہوں عزمِ سفر ہنوز
تیشے سے کوہکن کے دلِ کوہ جل گیا — نکلے ہے سنگ سنگ سے اکثر شرر ہنوز

جل جل کے ہو گیا ہے کبد تو کباب میر
جوں غنچہ ناشگفتہ ہے داغِ جگر ہنوز

۱۵۲۶

کب سے آنے کہتے ہیں تشریف نہیں لاتے ہیں ہنوز
آنکھیں مُندیں اب جا چکے ہم وے دیکھو تو آتے ہیں ہنوز
۴۴۰ کہتا ہے برسوں سے ہمیں تم دور ہو یاں سے دفع بھی ہو
شوق و سماجت سیر کرو ہم پاس اُس کے جاتے ہیں ہنوز
راتوں پاس گلے لگ سوئے ننگے ہو کر ہے یہ عجب
دن کو بے پردہ نہیں ملتے ہم سے شرماتے ہیں ہنوز
ساتھ کے پڑھنے والے فارغ تحصیلِ علمی سے ہوئے
جہل سے مکتب کے لڑکوں میں ہم دل بہلاتے ہیں ہنوز
گُل صد رنگ چمن میں آئے بادِ خزاں سے بکھر ہی گئے
عشق و جنوں کی بہار کے عاشق میر جی گُل کھاتے ہیں ہنوز

۱۵۲۷

کب سے قیدی ہیں پہ ہے نالشِ بسیار ہنوز — دلِ بہارانِ چمن کا ہے گرفتار ہنوز
۴۴۵ وہ مہِ چار دہ اس شہر سے کب کا نکلا — ہر گلی جھانکتے پھرتے ہیں طلب گار ہنوز
بالا بالا ہی بہت عشق میں ملے سے گئے یار — وہ تہِ دل سے کسو کا نہ ہوا یار ہنوز
سال میں ابرِ بہاری کہیں آ کر برسا — لوہو برسا رہے ہیں دیدۂ خوں بار ہنوز
اب کی بالیدنِ گلہا تھا بہت دیکھو نہ میر — ہمسرِ لالہ ہے خابہ سرِ دیوار ہنوز

۱۵۲۸

سرکش ہے تند خو ہے عجب ہے زباں دراز — آتش کا ایسا لائحہ کب ہے زباں دراز

پروانہ تیری چرب لسانی سے ہوا ہلاک — ہے شمع تو تو کوئی غضب ہے زباں دراز ۴۵۰

# س

۱۵۲۹

یار ہم سے جدا ہوا افسوس — نہ جدا ہو کے پھر ملا افسوس

جب تلک آن کر رہے مجھ پاس — مجھ میں تب تک نہ کچھ رہا افسوس

دل میں حسرت گرہ ہے رخصت کی — چلتے اُن نے نہ کچھ کہا افسوس

کیا تدارک ہے عشق میں دل کا — میں بلا میں ہوں مبتلا افسوس

سب سے بیگانگی کی جس کے لیے — وہ نہیں ہم سے آشنا افسوس ۴۵۵

رات دن ہاتھ ملتے رہتے ہیں — دل کے جلنے کا ہے بڑا افسوس

باچھیں پھٹ پھٹ گئیں ہیں گھگھیاتے — بے اثر ہو گئی دعا افسوس

مجھ کو کرنا تھا احتراز اُس سے — ہائے افسوس کیا کیا افسوس

نوش دارو ہے نیش دارو میر
متاثر نہیں دوا افسوس

۱۵۳۰

کوئی دن کریے معیشت جا کسو کامل کے پاس — ناقصوں میں رہیے کیا رہیے تو صاحب دل کے پاس ۴۶۰

بوے خوں بھک بھک دماغوں میں چلی آتی ہے کچھ — نکلی ہے ہو کر صبا شاید کسو گھائل کے پاس

شور و ہنگامہ بہت دعویٰ ضروری ہے بہت — کاشکے مجھ کو بلا دیں حشر میں قاتل کے پاس

گرد سے ہے ناقۂ سلمیٰ کو مشکل رہروی — خاک کس کی ہے کہ مشتاق آتی ہے محمل کے پاس

تل سے تیرے منھ کے دل تھا داغ اے برناے چرب — خال یہ اک اور نکلا ظالم اگلے تل کے پاس

دل گدازِ عشق سے سب آب ہو کر بہہ گیا — مر گئے پر گور میری کریے تو بے دل کے پاس ۴۶۵

ملیے کیونکر نہ کفِ افسوس جی جاتا ہے میر
ڈوبتی ہے کشتی ورطے سے نکل ساحل کے پاس

## ۱۵۳۱

صد پارہ گلا تیرا ہے کر ضبطِ نفس بس
سنتا نہیں اس قافلے میں کوئی جرس بس

دنیا طلبی نفس نہ کر شومی سے جوں سگ
تھک کر کہیں تک بیٹھ رہ اے ہرزہ مرس بس

خنداں نہ مرے قتل میں رکھ تیغ کو پھر سان
جوں گل یہ ہنسی کیا ہے اسیروں پہ نہ ہنس بس

۱۱۲۷۰ اس زار نے ہاتھ اُن کا جو کھینچا لگے کہنے
غش کرنے نہ لگ جاؤ کہیں چھوڑیے بس بس

کیا میرؔ اسیروں کو درِ باغ جو وا ہو
ہے رنگِ ہوا دیکھنے کو چاکِ قفس بس

## ۱۵۳۲

آنکھ کھلتے گئی بہار افسوس
گل کو دیکھا بھی نہ ہزار افسوس

جس کی خاطر ہوئے کنارہ گزیں
نہ ہوئے اُس سے ہم کنار افسوس

نہ معرّف نہ آشنا کوئی
ہم ہیں بے یار و بے دیار افسوس

۱۱۲۷۵ بے قراری سے نے یوں ہی جی مارا
اس سے نے عہد نے قرار افسوس

خوں ہوئی دل ہی میں اُمیدِ وصال
مر رہے جی کو مار مار افسوس

چارۂ اشتیاق کچھ نہ ہوا
وہ نہ ہم سے ہوا دو چار افسوس

اک ہی گردش میں اُس کی آنکھوں کی
پھر گیا ہم سے روزگار افسوس

گور اپنی رہی گذر گہ میں
نہ ہوا یار کا گذار افسوس

۱۱۲۸۰ منتظر ہی ہم اُس کے میرؔ گئے
یاں تک آیا کبھو نہ یار افسوس

## ۱۵۳۳

کیا کیا تم نے ہم سے کہا تھا کچھ نہ کیا، افسوس افسوس
کیا کیا کڑھایا، جی سے مارا، لوہو پیا افسوس افسوس

نورِ چراغِ جان میں تھا کچھ یوں ہی نہ آیا لیکن وہ
گل ہو ہی گیا آخر کو یہ بجھتا سا دیا افسوس افسوس

رخصت میں پابوس کی سب کے جی جاتا تھا سو اُن نے
ہاتھ میں عاشقِ وارفتہ کا دل نہ لیا افسوس افسوس

میرؔ کی آنکھیں مندنے پر وہ دیکھنے آیا تھا ظالم
اور بھی یہ بیمارِ محبت ٹک نہ جیا افسوس افسوس

## ش

### ۱۵۲۴

رکھتے رہے بتوں سے مہر و وفا کی خواہش — اس آرزو نے مارا یہ بھی خدا کی خواہش ۴۸۵

بیماری دلی پر ہیں صبر کر رہا ہوں — جی کو نہیں ہے میرے مطلق دوا کی خواہش

شب وصل کی میسر آئی نہ ایک دن بھی — دل کو یہی ہمارے اکثر رہا کی خواہش

چاہت بہت کسو کی اے ہمنشیں بری ہے — سو جان کی ہے کاہش اک اس ادا کی خواہش

مشتاق عاشقی کا عاقل کوئی نہ ہوگا — ابلہ کسو کو ہوگی اس بد بلا کی خواہش

عجز و انابت اپنی یوں ہی تھی صبح گہ کی — درویشوں سے کریں گے اب ہم دعا کی خواہش ۴۹۰

حیران کار الفت اے میر چپ ہوں میں تو
پوچھا کرو ہو ہر دم کیا بے نوا کی خواہش

### ۱۵۲۵

رنج و غم آئے بیشتر درپیش — راہ رفتنی ہے اب مگر درپیش

مرگ فرہاد سے ہوا بدنام — ہے خجالت سے تیشہ سر درپیش

یار آنکھوں تلے ہی پھرتا ہے — میری مدت سے ہے نظر درپیش

خانہ روشن پتنگوں نے نہ کیا — ہے چراغوں کو بھی سحر درپیش ۴۹۵

غم سے نزدیک مرنے کے پہنچے
دور کا میر ہے سفر درپیش

### ۱۵۲۶

کرکریں ہیں لجی لطموں کے دڑیڑے سب کے گوش — بیکراں دریا ہے غم کے ہیں بلا جوش و خروش

صومعے کو اس ہوا اے ابر میں دیتے ہیں آگ — میکدے سے باہر آتے ہی نہیں فی عقل و ہوش

تنگ چولی سو جگہ سے کسمساتے ہی چلی — تنگ درزی سے کبھی ملتا نہیں وہ تنگ پوش

واہ رے پروانہ کیسا چپکے جل کر رہ گیا — گرمی پہنچے کیا اچھلتا ہے سپند ہرزہ کوش ۵۰۰

کیسا خودگم سر بکھیرے میر ہے بازار میں
ایسا اب پیدا نہیں ہنگامہ آرا دل فروش

ادھر آتا بھی وہ سوار اسے کاش — اُس کا ہو جاتا دل شکار اسے کاش

زیرِ دیوارِ خانہ باغ اس کے — ہم کو جا ملتی خانہ دار اسے کاش

کب تلک بے قرار رہیئے گا — کچھ تو ملنے کا ہو قرار اسے کاش

۱۵۰۵ راہ تکنے تو پھٹ گئیں آنکھیں — اُس کا کرتے نہ انتظار اسے کاش

اس کی پامالی سرفرازی ہے — راہ میں ہو مری مزار اسے کاش

پھول گُل کچھ نہ تھے کھلی جب چشم — اور بھی رہتی اک بہار اسے کاش

اب وہی میر جی کھپانا ہے
ہم کو ہوتا نہ اس سے پیار اسے کاش

۱۵۳۸

غصے میں ناخنوں نے مرے کی ہے کیا تلاش — تلوار کا سا گھاؤ ہے جبہے کا ہر خراش

۱۵۱۰ صحبت میں اُس کی کیونکے رہے مرد آدمی — وہ شوخ و شنگ بیستہ و اوباش بدمعاش

بے رحم تجھ کو ایک نظر کرنی تھی اِدھر — کشتے کے تیرے ٹکڑے ہوئے رہ گئی بھی لاش

آباد اُجڑا لکھنؤ چغدوں سے اب ہوا — مشکل ہے اس خرابے میں آدم کی بود و باش

عمرِ عزیز یاس ہی میں جاتی ہے چلی
اُمید وار اُس کے نہ ہم ہوتے میر کاش

## ص

۱۵۳۹

شاعری شیوہ ہے شعار اخلاص — دین و مذہب مرا ہے پیار اخلاص

۱۵۱۵ اب کہاں وہ شعوذت قلبی — ہوتے ظاہر میں یوں ہزار اخلاص

سورت اخلاص کی پڑھی برسوں
میر رکھتا نہیں ہے یار اخلاص

## ض

عالمِ حلم سے اس عالم میں ہر لحظہ طاری ہے فیض ۱۵۴۰ ہے معلوم کہ عالم عالم پھر یاں وہ جاری ہے فیض

سنگ و شجر ہیں، پانی پون ہیں، غنچہ و گل ہیں بار و بر
عالم ہژدہ ہزار جو ہیں یہ سب ہیں وہ ساری ہے فیض

## ط

### ۱۵۴۱

جس کو ہوا ہے اس صنم بے وفا سے ربط — اُس کو خدا ہی ہووے تو ہو کچھ خدا سے ربط
گُل ہو کے برگ برگ ہوئے پھر ہوا ہوئے — رکھتے ہیں اس چمن کے جو غنچے صبا سے ربط ۱۱۵۲۰
زنہار پشت پا سے نہیں اُٹھتی اُس کی آنکھ — اُس چشم شرمگیں کو بہت ہے حیا سے ربط
شاید اُسی کے ہاتھ میں دامن ہو یار کا — ہو جس ستم رسیدہ کو دستِ دعا سے ربط

کرتی ہے آدمی کو دنی صحبتِ فقیر
اچھا نہیں ہے میر سے بے تہ گدا سے ربط

### ۱۵۴۲

عشق کو جرأت و جگر ہے شرط — زردیٔ رنگ و چشمِ تر ہے شرط
بے خبر حال سے نہ رہ میرے — میں کہے رکھتا ہوں خبر ہے شرط ۱۱۵۲۵
حج کو جاوے تو شیخ کو لے جا — کعبے جانے کو یہ بھی خر ہے شرط
پیسوں پر ریجھتے ہیں یہ لڑکے — عشقِ سیمیں تناں کو زر ہے شرط
خام رہتا ہے آدمی گھر میں — پختہ کاری کے تئیں سفر ہے شرط
خبث یاروں کا کر فسانوں میں — عیب کرنے کو بھی ہنر ہے شرط

لعل پارے ہیں میر لختِ جگر
دیکھ کر خوں رو نظر ہے شرط ۱۱۵۳۰

### ۱۵۴۳

رکھتا ہے میرے دل سے تمہارا غم اختلاط — ہر لحظہ لحظہ آن و زماں ہر دم اختلاط
ہم تو سے ملے ہی لیتے ہیں مردم کی شکل کیا — ان صورتوں میں ہوتا نہیں باہم اختلاط

شیریں لباں جہاں کے نہیں چھوٹ جاتے
ہوں گو کہ میر صاحب و قبلہ کم اختلاط

## ظ

### ۱۵۴۴

لطف جوانی کے ساتھ گئے پیری نے کیا ہے کیا محظوظ
کیوں کر جیئیں یارب حیرت ہے بے مزہ ایسے نا محظوظ

۱۱۵۳۵ رونے کڑھنے کو عیش کہو ہو ہم تو تمھارے دعا گو ہیں
یوں ہی ہمیشہ عشق میں اس کے رکھے ایسا خدا محظوظ

زردی منھ کی اشک کی سرخی دونوں اب تو رنگ پہ ہیں
شاید میرؔ بہت رہتے ہو اس سے ہو کے جدا محظوظ

## ع

### ۱۵۴۵

لیے داغ سر پر جو آئی تھی شمع
سحر تک سب ان نے کھائی تھی شمع

پتنگے کے حق میں تو بہتر ہوئی
اگر موم کی بھی بنائی تھی شمع

نہ اس مہ سے روشن تھی شب بزم میں
نکالا تھا اس کو چھپائی تھی شمع

۱۱۵۴۰ وہی ساتھ تھا میرے شب گیر میں
کہ تاب اس کے رخ کی نہ لائی تھی شمع

پتنگ اور وہ کیوں نہ باہم جلیں
کہیں سے مگر اک لگ آئی تھی شمع

فروغ اس کے چہرے کا تھا پردہ در
ہوا کیا جو ہم نے بجھائی تھی شمع

تف دل سے میرؔ اک کف خاک ہے
مری خاک پر کیوں جلائی تھی شمع

### ۱۵۴۶

کیا جھمکا فانوس میں اپنا دکھلاتی ہے دور سے شمع
وہ منھ ٹک ادھر نہیں کرتا داغ ہے اس کے غرور سے شمع

۱۱۵۴۵ وہ بیٹھا ہے جیسے نکلے چودھویں رات کا چاند کہیں
روشن ہے کیا ہو گی طرف اس طرح رخ پر نور سے شمع

آگے اس کے فروغ نہ تھا جلتی تھی بجھی سی مجلس میں
تب تو لوگ اٹھا لیتے تھے شتابی اس کے حضور سے شمع

جلنے کو آتی ہیں جو ستیاں میرؔ سنبھل کر جلتی ہیں
کیا بے صرفہ رات جلی سب بے بہرہ اپنے شعور سے شمع

### ۱۵۴۷

آتی ہے مجلس میں تو فانوس میں آتی ہے شمع
وہ سراپا دیکھ کر پردے میں جل جاتی ہے شمع

# غ

## ۱۵۴۸

غم کھنچا رائیگاں دریغ دریغ
ہم ہوئے خستہ جاں دریغ دریغ

عشق میں جی بھی ہم گنوا بیٹھے
ہو گیا کیا زیاں دریغ دریغ ۱۱۵۵۰

سب کے کی دشمنی جنھوں کے لیے
وے ہیں نامہرباں دریغ دریغ

قطعِ امید ہے قریب اس سے
تیغ ہے درمیاں دریغ دریغ

دل گئے پر نہ ورد نے تسبیح
کہتے ہیں ہر زماں دریغ دریغ

اٹھنے دیتا نہیں شکستہ دل
ڈھ گیا کیا مکاں دریغ دریغ

تب کھلی آنکھ میرؔ اپنی جب
جا چکا کارواں دریغ دریغ ۱۱۵۵۵

## ۱۵۴۹

ہم کو شہر سے اس مہ کے ہے عزم راہ دروغ دروغ
یہ حرکت تو ہم نہ کریں گے خانہ سیاہ دروغ دروغ

الفت کلفت کون کہے ہے چاہ گناہ لکھا کن نے
بے دردی سے وے لکھتے ہیں یہی گناہ دروغ دروغ

شیخ کو وہ تو جھوٹھ کہے ہے جھوٹھ کو کیوں کر جھوٹھ گنیں
اہلِ درد جو کوئی ہو تو کہیے آہ دروغ دروغ

عشق کے مارے غمزدگاں سے انس کرے بہتان و کذب
اس بے مہر کی ہم لوگوں سے الفت چاہ دروغ دروغ

کس دلبر کو شوق سے دیکھا میرؔ غلط ہے تہمت ہے
منھ پہ کسو کے پڑی نہیں ہے گاہ نگاہ دروغ دروغ ۱۱۵۶۰

## ۱۵۵۰

کیا کہیے میاں اب کی جنوں میں سینہ اپنا یکسر داغ
ہاتھ گلوں سے گلدستے ہیں شمع نمط ہے سر پہ داغ

داغ جلائے فلک نے بدن پر شب چراغاں ہم کو کیا
کہاں کہاں اب مرہم رکھیں جسم ہوا ہے سراسر داغ

صحبت دلگیر آتے اس کے پہر گھڑی ساعت نہ ہوئی
جب آئے ہیں گھر سے اس کے تب آئے ہیں اکثر داغ

غیر کو دیکھ کے اس مجلس میں غیرتِ عشق سے آگ لگی
اچھلے کودے سپند نمط ہم ہو گئے آخر جل کر داغ

جلتی چھاتی پہ سنگ زنی کی سختیِ ایام سے میرؔ
گرمی سے میری آتشِ دل کی سارے ہوئے وے پتھر داغ ۱۱۵۶۵

# ف

## ۱۵۵۱

دیکھ نہ ہر دم اے عاشق قاتل کی تیغِ جفا کی طرف
کوئی نظر کر عبرت آگیں اُس کی ناز و ادا کی طرف

چار طرف سے نزولِ حوادث جاؤں کدھر تنگ آیا ہوں
غالب ہے کیا عہد میں میرے آئے دل رنج و عنا کی طرف

آوے زمانہ جب ایسا تو ترکِ عشق بتاں کا کر
چاہیئے بندہ قصد کرے جانے کا اپنے خدا کی طرف

قحطِ مروت اب جو ہوا ہے کس کو دماغِ بادہ کشی
ابر آیا سبزہ بھی ہوا کرتا نہیں کوئی ہوا کی طرف

۱۵۷۰ ظلم و ستم سے جور و جفا سے کیا کیا عاشق مارے گئے
شہرِ حسن کے لوگوں میں کرتا نہیں کوئی وفا کی طرف

شام و سحر ہے عکس سے اپنے حرف و سخن اس گلرو کو
پشتِ پا سے نگاہ اٹھالی چھوڑی اُن نے حیا کی طرف

ہاتھ کسی کا دیکھتے رہیئے گا ہے ہم سے ہو نہ سکا
اپنی نظر اے میر رہی ہے اکثر دستِ دعا کی طرف

## ۱۵۵۲

عشق سے ہم کو نگاہ نہیں کچھ ہائے زیانِ جاں کی طرف
ورنہ یہی دیکھا کرتے ہیں اپنے سود و زیاں کی طرف

از بس نکروہات سے یاں کا مزبلہ زار لبالب ہے
یاں سے گئے پر پھیر کے منہ دیکھا نہ کنھوں نے جہاں کی طرف

۱۵۷۵ صورت کی شیرینی ایسی تلخی زباں کی ایسی کچھ
منہ دیکھے اُس کا جو کوئی پھر دیکھے ہے زباں کی طرف

وہ محبوب تو راہ گیا ہے اپنی لیکن دیر تلک
آنکھیں اہلِ نظر کی رہیں گی اُس کے قدم کے نشاں کی طرف

کس سے کہوں جو میر طرف کر اُس سے داد دلا دیوے
چھوٹے بڑے ہر ایک نے لی ہے اس اوباش جواں کی طرف

## ۱۵۵۳

کیا نیچی آنکھوں دیکھو ہو تلوار کی طرف
دیکھو کن انکھیوں ہی سے گنہگار کی طرف

آوارگی کے محو ہیں ہم خانماں خراب
مطلق نہیں نظر ہمیں گھر بار کی طرف

۱۵۸۰ مانا ہے قبلہ کعبہ خدا افراطِ شوق سے
جاتے ہیں سر رگڑتے ہوئے یار کی طرف

شاید متاعِ حسن کھلی ہے کسو کی آج
ہنگامہ حشر کا سا ہے بازار کی طرف

عاشق کی اور ناز کناں جاوے ہے کبھو
جیسے طبیب جاوے ہے بیمار کی طرف

ہرگز طرف نہ ہو سکی رخسارِ یار کے
پھیکی ہے اُس کے سامنے گلزار کی طرف

کچھ گُل صبا کا لاگو نہیں اس چمن میں میر
کرتے ہیں سب ہی اپنے طرف دار کی طرف

### ۱۵۵۴

نظر کیوں گئی رُوئے مُو کی طرف — کھنچا جائے ہے دل کسو کی طرف ۵۸۸
نہ دیکھو کبھی موتیوں کی لڑی — جو دیکھو مری گفتگو کی طرف
اگر آرسی میں صفائی ہے لیک — نہیں کرتی منھ اس کے رُو کی طرف
چڑھے نہ کہیں کو دبہ مغز میں — نہ کر شانہ تو گُل کی بُو کی طرف

اُسے ڈھونڈھتے میر کھوئے گئے
کوئی دیکھے اس جستجو کی طرف

ہنستے ہی ہنستے مار رکھا تھے جو ہم ظریف ۱۵۵۵ ہے یار بھی ہمارا قیامت ستم ظریف ۵۹۰

بہار باغ و گُل و لالہ دلربا بن حیف ۱۵۵۶ بھرے ہیں پھولوں سے جیب و کنار لیکن حیف

اے تجھ بغیر لالہ و باغ و بہار حیف ۱۵۵۷ گُل سے چمن بھرے ہوں نہ ہو تو ہزار حیف

## ق

### ۱۵۵۸

مہر قیامت چاہت آفت فتنہ فساد بلا ہے عشق — عشق اللہ صیاد انھیں کہیو جن لوگوں نے کیا ہے عشق
عشق سے نظمِ کُل ہے یعنی عشق کوئی ناظم ہے خوب — ہر شے یاں پیدا جو ہوئی ہے موزوں کر لایا ہے عشق
عشق ہے باطن اس ظاہر کا ظاہر باطن عشق ہے سب — اودھر عشق ہے عالمِ بالا اِدھر کو دُنیا ہے عشق ۵۹۵
دائر سائر ہے یہ جہاں ہیں جہاں تہاں متصرف ہے — عشق کہیں ہے دل میں پنہاں اور کہیں پیدا ہے عشق

موج زنی ہے میر فلک تک ہر لجّہ ہے طوفاں زا
سرتاسر ہے تلاطم جس کا وہ اعظم دریا ہے عشق

### ۱۵۵۹

ارض و سما میں عشق ہے ساری چاروں اور بھرا ہے عشق — ہم ہیں جنابِ عشق کے بندے نزدیک اپنے خدا ہے عشق
ظاہر و باطن اوّل و آخر پائیں بالا عشق ہے سب — نور و ظلمت معنی و صورت سب کچھ آپہی ہوا ہے عشق

۱۱۶۰۰ ایک طرف جبریل آتا ہے ایک طرف لاتا ہے کتاب ایک طرف پنہاں ہے دلوں میں ایک طرف پیدا ہے عشق
خاک و باد و آب و آتش سب ہے موافق اپنے تئیں جو کچھ ہے سو عشق بتاں ہے کیا کہیئے اب کیا ہے عشق

میر کہیں ہنگامہ آرا ہیں تو نہیں ہوں چاہت کا
صبر نہ مجھ سے کیا جاوے تو معاف رکھو کہ بیا ہے عشق

۱۵۶۰

بیتاب ہے دل غم سے نپٹ زار ہے عاشق کیا جا کسو دو چار اس سے ہونا چار ہے عاشق
وہ دیکھنے کو جاوے تو بہتر ہے وگرنہ بدحال و ستم دیدۂ و بیمار ہے عاشق
۱۱۶۰۵ رہتا ہے کھڑا دھوپ میں دو دو پہر آ کے بے جرم سدا اس کا گنہگار ہے عاشق
اٹھتا نہیں تلوار کے سایے کے تلے سے یعنی ہمہ دم مرنے کو تیار ہے عاشق

چسپاں ہوئے ہیں میر خریدار سے تنہا
کیا جنس ہے معشوق کہ بازار ہے عاشق

# ک

۱۵۶۱

اب رنج درد و غم کا پہنچا ہے کام جاں تک پر حوصلے سے شکوہ آیا نہیں زباں تک
آواز کے ہماری مت حزن پر نہ جاؤ یہ نالہ حزیں تو جاتے ہیں آسماں تک
۱۱۶۱۰ رونا جہاں جہاں تو عین آرزو ہے لیکن روتا ہوں رو یا جاوے میرے سے کیے جہاں تک
اکثر صداع مجھکو رہتا ہے عاشقی میں تصدیع درد و غم سے کھینچے کوئی کہاں تک
آوارہ ہی ہوئے ہم سر مار مار یعنی تو پر نکل گئے ہیں اپنے سب آشیاں تک
اے وائے بے نصیبی سر سے بھی گزرے لیکن پیشانی ٹک نہ پہنچی اس خاک آستاں تک

نفع کثیر اٹھایا کہ عشق کی تجارت
راضی ہیں میر اب تو ہم جان کے زیاں تک

۱۵۶۲

۱۱۶۱۵ دل کی تڑپ نے ہلاک کیا ہے مر کے نئیں اس کے اڑائی خاک خشک ہوا خوں اشک کے بدلے یگ دامان سے آئی خاک

صورت کے ہم آئینے کے سے ظاہر فقر نہیں کرتے
ہنستے گاتے روتے پاتے اُن نے مُنھ کو لگائی خاک

پیچ و تاب سے خاک بھی میری جیسے بگولا پھرنے لگی
سر میں ہوا ہی اُس کے بہت تھی تب تو ہوئی ہے ہوائی خاک

اور غبار کسو کے دل کا کس انداز سے نکلے آہ
لوٹے فلک پہ بدلی سی تو ساری ہماری چھائی خاک

نعمت ہائے رنگارنگِ حق سے بہرہ بختِ سیہ کو نہیں
سانپ ہوا گو گنج کے اوپر کھانے کو تو کھائی خاک

اپنے تئیں گم جیسا کیا تھا یاں سر کھینچ کے لوگوں نے
عالمِ خاک میں ویسی ہی اب ڈھونڈھی اُن کی نہ پائی خاک ۱۱۶۲۰

اُنس نہیں انسان سے اچھا عشق و جنوں اک آفت ہے
فرق ہوئے کیا چھوٹے ہے آدم میں اُس کی جدائی خاک

ہو کے فقیر گلی میں اس کی چین بہت سا پایا ہم
لے کے سرہانے پتھر رکھا جائے فرش بچھائی خاک

قلب گداز ہیں جن کے دے بھی مٹی سونا کرتے ہیں
میر اکسیر بنائی اُنھوں نے جن کی جہاں سے اُٹھائی خاک

## ۱۵۶۳

کیا ہم میں رہا گردشِ افلاک سے اب تک
پھرتے ہیں کمھاروں کے پڑے چاک سے اب تک

تھے نو خطوں کی خاک سے اجزا جو برابر
ہو سبزہ نکلتے ہیں تہِ خاک سے اب تک ۱۱۶۲۵

تا حدِّ نظر چھا رہے ہیں لالۂ صد برگ
جنگل بھرے ہیں سب گلِ تریاک سے اب تک

دشمن ہوئی ہے جس کے لیے ساری خدائی
مربوط ہیں ہم اس بتِ بیباک سے اب تک

ہر چند کہ دامن تئیں ہے چاکِ گریباں
ہم ہیں متوقع کفِ چالاک سے اب تک

گو خاک سی اُڑتی ہے مرے منھ پہ جنوں میں
ٹپکے ہے لہو دیدۂ نمناک سے اب تک

دے کپڑے تو بدلے ہوئے میر اُس کو کئی دن
تن پر ہے شکن تنگیِ پوشاک سے اب تک ۱۱۶۳۰

## ۱۵۶۴

شاد افیونیوں کا دِل غمناک
دشت دشت اب کے ہے گلِ تریاک

تین دن گور میں بھی بھاری ہیں
یعنی آسودگی نہیں تہِ خاک

ہاتھ پہنچا نہ اُس کے دامن تک
میں گریباں کروں نہ کیوں کر چاک

تیز جاتا ہوں میں تو جوں سیلاب
میرے مانع ہو کیا خس و خاشاک

عشق سے ہاتھ کیا ملا دے کوئی
یاں زبردستوں کی ہے کشتی پاک ۱۱۶۳۵

بندگی کیشوں پر ستم مت کر ڈر خدا سے تو اے بتِ بیباک

عشقِ مرد آزما نے آخرِ کار

کیے فرہاد و قیس میرؔ ہلاک

۱۵۶۵

اے عشق کیا جو مجھ سا ہوا ناتواں ہلاک کر ہاتھ ٹک ملا کے کوئی پہلواں ہلاک

میں چل بسا تو شہر ہی ویران سب ہوا اس نیم جاں کے بدلے ہوا ایک جہاں ہلاک

۱۱۶۴۰ مقصود گم ہے پھرتا جو رہتا ہے رات دن ہلکان ہو کے ہوگا کبھو آسماں ہلاک

اس ظلم کیش کی ہے طرب گاہ ہر کہیں عاشق خدا ہی جانے ہوا ہے کہاں ہلاک

جی میرؔ نے دیا نہ ہوا ایک وصلِ یار

افسوس ہے کہ مفت ہوا یہ جواں ہلاک

۱۵۶۶

جب ہے کہیے تو تب تم نے تو گوشِ ہوش نہ کھولے ٹک چپکے چپکے کسو کو چاہا پوچھنے آئے نہ بولے ٹک

اب جو چھاتی جلی فی الواقع لطف نہیں ہے شکایت کا صبر کرو کیا ہوتا ہے یوں پھوڑیں دل کے پھپھولے ٹک

آنکھیں کھولیں حال کے کہتے دیر ہوئی ہے بس یعنی

۱۱۶۴۵ ساری رات کہانی کہی ہے میرؔ اب چل کر سو لے ٹک

# گ

۱۵۶۷

رات کی بات کہیں ہم کس سے بے تہ یاں اکثر ہیں لوگ سرگرمِ بے راہ روی ہیں خود گم بے رہبر ہیں لوگ

بدتر آپ سے پاؤں کسو کو تو میں اس کا عیب کہوں خوب تامل کرتا ہوں تو سب مجھ سے بہتر ہیں لوگ

دیوانے ہیں شہرِ وفا کی راہ و رسم کے ہم تو میرؔ

دل کے کہے جی دینے والے قاطبۃً گھر گھر ہیں لوگ

۱۵۶۸

رہتے ہیں اس سے لاگ پہ ہم بے قرار الگ کرتے ہیں دوڑ نت ہی تماشاے یار الگ

تھا گر دبوئے گل سے بھی دامن ہوا کا پاک  کیا اب کے اس چمن سے گئی ہے بہار الگ ۱۱۶۵۰

پاس اس کا بعدِ مرگ ہے آدابِ عشق سے  بیٹھا ہے میری خاک سے اٹھ کر غبار الگ

ناگاہ اس نگاہ سے ہیں بھی ہوا نہاں  جاتا ہے جوں نکل کے کسو کا شکار الگ

خونباری سے نہیں پڑی لوہو کی چھینٹ بھی  اب تک تو بارے اپنے ہیں جیب و کنار الگ

تا جانیں لوگ کشتۂ ہجراں ہیں یہ غریب  کریو تمام گوروں سے میری مزار الگ

بچتے نہیں ہیں بو زدگی سے گلوں کی میرؔ

گو طائرانِ خستہ جگر ہوں ہزار الگ ۱۱۶۵۵

## ۱۵۶۹

وہ نہیں ملتا ایک کسو سے مرتے ہیں اُدھر جا جا لوگ  یعنی ضائع اپنے تئیں کرتے ہیں اس بن کیا کیا لوگ

جیسے غمِ ہجراں میں اس کے عاشق جی کھو بیٹھے ہیں  برسوں بارے چرخ فلک تو ایسے ہو دیں پیدا لوگ

زلف و خال و خط سے اس کے جہاں تہاں اب مبحث ہے  عقل ہوئی ہے گم خلقت کی یا کہتے ہیں سودا لوگ

چار قدم چلنے میں اس کے دیکھتے جاتے ہیں جو کفک  فتنے سر کھینچا ہی کریں ہیں ایک قیامت برپا لوگ

دنیا جائے نہیں رہنے کی میرؔ غرور نہیں اچھا

جو جاگہ سے جاتے ہیں اپنی وے کرتے ہیں بے جا لوگ ۱۱۶۶۰

# ل

## ۱۵۷۰

دل دل لوگ کہا کرتے ہیں تم نے جانا کیا ہے دل  چشمِ بصیرت وا ہووے تو عجائب دید کی جا ہے دل

اوج و موج کا آشوب اس کے لے کے نیں ہے فلک تک ہے  صورت میں تو قطرۂ خوں ہے معنی میں دریا ہے دل

جیسے صحرا کو کشادہ دامن ہم تم سنتے آتے ہیں  بند کر آنکھیں ٹک دیکھو تو ویسا ہی صحرا ہے دل

کوہکن و مجنوں و وامق، تم جسے پوچھو بتا دیوے  عشق و جنوں کے شہر دل ہیں ہر چار طرف رسوا ہے دل

ہائے غیوری دل کی اپنے داغ کیا ہے خود سر نے  جی ہی جس کے لیے جاتا ہے اس سے بے پروا ہے دل ۱۱۶۶۵

مت پوچھو کیوں نسبت کرو ہو مردے سے افسردہ تم  ہجر میں اس کے ہم لوگوں نے برسوں تک مارا ہے دل

میرِ پریشاں دل کے غم میں کیا کیا خاطر داری کی

خاک میں ملتے کیوں نہ پھریں اب خونِ ہو بہ بھی گیا ہے دل

۱۵۷۱

آئی بہار، نکلے چمن میں ہزار گل      دل جو کھلا فسردہ تو جوں بے بہار گل

بستر سے اُس کے پھول تر و تازہ رکھ کے دور      سوکھے ہے دیدہ کے تو ہوتا ہے خار گل

دیکھا کبھو نہ ہم نے سنا ہے فگندہ میر
داغِ جنوں ہے سر پہ ہمیشہ بہار گل

۱۵۷۲

صد ہزار افسوس آکر خالی پائی جائے گل      ہے خزاں میں دل سے لب تک ہائے گل وائے گل

بے نصیبی سے ہوئے ہم موسمِ گل میں اسیر      تھے نہ پیشانی میں اپنے سجدہ ہائے پائے گل

دعویِ حسنِ سراپا تھا پہ نازاں تجھ کو دیکھ      شاخیں پُر گل جھک گئیں یعنی بہت شرمائے گل

کیا گلِ مہتاب د شبّو کیا سمن کیا نسترن      اس حدیقے میں نہ نقشِ پا سے اس کے پائے گل

۱۱۶۷۵ جیتے جی تو داغ ہی رکھا موئے پر کیا حصول      گور پر دلسوزی سے جوں شمع سر رکھ لائے گل

بے دلی بلبل نہ کر تاثیر ہیں گو تو ہے داغ      خوش زبانِ عشق کی جب ہم نے پھر کے کھائے گل

اس چمن میں جلوہ گر جب حسن سے خوباں ہیں میر
موسمِ گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل

۱۵۷۳

رنگا رنگ چمن میں اب کے موسمِ گل میں آئے گل      ہم تو اُس بن داغ ہی تھے سودا بھی جل کر کھائے گل

ہار گلے کے ہو کر جیسے یاد رکھا تب عرصے میں      طرفہ تو یہ ہے اب منت سے گور پہ میری لائے گل

آئی شبِ گل میر ہمیں کیا صبحِ بہار سے کیا حاصل
۱۱۶۸۰ داغِ جنوں ہے سر پہ ہمارے شمع کے رنگوں چھائے گل

۱۵۷۴

ہر لحظہ ہے کدورتِ خاطر سے بارِ دل      آندھی سی آوے نکلے کبھو جو غبارِ دل

تر ہندی خشک بندی نمک بندی ہو چکی      بے ڈول پھیلتا سا چلا ہے فگارِ دل

جوں رنگ لائے سببِ فتق باغِ حسن میں      ڈھل ہیں ریاضِ عشق میں صد چاک انارِ دل

باہر ہیں حد و حصر سے کھینچے جو غم الم      کیا ہو سکے حسابِ غمِ بے شمارِ دل

لاکھوں جتن کیے نہ نبھی دل سے یار کے — اس کا جفا شعار وفا ہے شعار دل ۶۶۸۵
اُس کی گلی میں صبح دلوں کا شکار تھا — نکلا ہزار ناز سے بہر شکار دل
کیا میر پھر ثبات سے رو سو سے دل کریں
آیسے نہیں گئے ہیں سکون و قرار دل

## ۱۵۷۵

رکھتا نہیں ہے مطلق تاب عتاب اب دل — جاتا ہے کچھ ڈھہا ہی خانہ خراب اب دل
درد فراق دلبر دے ہے فشار بے ڈھب — ہو جائے جملگی خوں شاید شتاب اب دل
بے پردہ اس کی آنکھیں شوخی جو کرتیاں ہیں — کرتا ہے یہ بھی ترک شرم و حجاب اب دل ۶۶۹۰
آتش جو عشق کی سب چھائی ہے تن بدن پر — پہلو میں رہ گیا ہے ہو کر کباب اب دل
غم سے گداز پا کر اُس بن جو بہ نہ نکلا
شرمندگی سے ہوگا اے میر آب اب دل

## ۱۵۷۶

مدت سے اب وہی ہے مراہم کنار دل — آزردہ دل ستم زدہ و بے قرار دل
جو کہیے ہے فسردہ و مردہ ضعیف و زار — ناچار دیر ہم رہے ہیں مار مار دل
دو چار دل سے راضی نہیں ہوتے دلبراں — شاید تسلی ان کی ہو جو لیں ہزار دل ۶۶۹۵
خود گم ہے ناشکیب و مکدر ہے مضطرب — کب تک رکھوں گا ہاتھ تلے پر غبار دل
ہے میر عشق حسن کے بھی جاذبے کے تئیں
کھنچتا ہے سو کے یار ہی بے اختیار دل

## م

## ۱۵۷۷

عشق ہمارے در پئے جاں ہے آئے گھر سے نکل کر ہم — سر پر دیکھا ہی فلک ہے جاویں کیدھر چل کر ہم
بل کھائے ان بالوں سے کب عہدہ برآ ہوتے ہیں ہزار — تنکے کا سا بل نکلا ہے ٹک جو جلے تھے جل کر ہم
مت پوچھو کچھ چھپاتے ہیں کیا کہیے گھبراتے ہیں — جی تو لیا ہے پاس بغل میں دل بیٹھے ہیں ڈل کر ہم ۶۷۰۰
بے تگ و دو کیا سیری ہو دیدار کے ہم سے تشنوں کو — پانی بھی پی سکتے نہیں ٹک اپنی جگہ سے ہل کر ہم

عشق جو ہوتا واقع میں تو سیدھے جاتے تیغ تلے — راہ ہوس کی پھر لی ہم نے یعنی چلے ہیں ٹل کر ہم
ہائے جوانی شور کناں پابوس کو اس کے پھرتے تھے — اب چپ بیٹھ رہے ہیں یکسو ہاتھ بہت سے مل کر ہم

آگے تو کچھ اس کے آہیں گرم شعلہ فشانی تھیں
اب تو ہوئے ہیں میر اک ڈھیری خاکستر کی جل کر ہم

## ۱۵۷۸

۱۱۷۰۵ ڈول لگائے بہتیرے پر ڈھب پہ کبھو نہیں آتے تم — آنا یک سو کب دیکھو ہو ادھر آتے جاتے تم
ہر صورت کو دیکھ رہو ہو ہر کوچے کو جھانکو ہو — آگے عشق کیا ہوتا تو پھرتے جی نہ کھپاتے تم
چاہت آفت الفت کلفت مہر و وفا و رنج و بلا — عشق ہی کے سب نام ہیں یہ دل کاش کہیں نہ لگاتے تم
شائق ہو مرغان قفس کے آئے گھر صیاد دل کے — پھول اک دو تسکین کو ان کی کاش چمن سے لاتے تم
دونوں طرف سے کشش رہتی تھی نیا نیا تھا عشق اپنا — دھوپ میں آتے داغ ہوئے تو گرمی سے گل کھاتے تم
۱۱۷۱۰ کیدھر اب وہ یک رنگی جو دیکھ نہ سکتے دل تنگی — رکتے پاتے ٹک جو ہمیں تو دیر تلک گھبراتے تم
کیا کیا شکلیں محبوبوں کی پردۂ غیب سے نکلی ہیں — منصف ہو ٹک اے نقاشاں ایسے چہرے بناتے تم
شاید شب مستی میں تمہاری گرم ہوئی تھیں آنکھیں کہیں — پیش از صبح جو آئے ہو تو آئے راتے ماتے تم
کب تک یہ دزدیدہ نگاہیں عمداً آنکھیں جھپکا لینا — دلبر ہوتے فی الواقع تو آنکھیں یوں نہ چھپاتے تم

بعد نماز دعائیں کیں سو میر فقیر ہوئے تم تو
ایسی مناجاتوں سے آگے کاش کہ ہاتھ اٹھاتے تم

## ۱۵۷۹

۱۱۷۱۵ چاہ چھپی بے پردہ ہوئی اب یارب کیدھر جاویں ہم — کاش اجل بے وقت ہی پہنچے ایک طرف مر جاویں ہم
اس کی نگہ کی اچپلیوں سے غش کرتے ہیں جگر داراں — کیا ٹھہرے گا دل اپنا جو بجلی سے ڈر جاویں ہم
صبر و قرار جو ٹک ہوئے تو بہتر ہیں بے طاقت بھی — ہاتھ رکھے دل ہی پر کب تک ادھر اکثر جاویں ہم
خاک برابر عاشق ہیں اس کوچے میں ناچاری سے — گھر ہوں خانہ خرابوں کے تو اپنے بھی گھر جاویں ہم

میر اپنی سب عمر گئی ہے سب کی برائی ہی کرتے
سر پہ آیا جانے کا موسم اب تو بھلا کر جاویں ہم

۱۱۷۲۰ ہم تو یہی کہتے تھے ہمیشہ دل کو کہیں نہ لگاؤ تم — **۱۵۸۰** — کیا کہیئے نہ ہماری سنی اب بیٹھے رنج اٹھاؤ تم

مجنوں نے کہا کیا ہم نے اس میں طور جو اس سے ظاہر ہے
ہاتھ چلے تو عاشقِ زار کو خاک و خوں میں لٹاؤ تم

صبر کرو بیتاب رہو خاموش پھرو یا شور کرو
کس کو یاں پروا ہے کسو کی ٹھہرو آؤ جاؤ تم

نازؔ غرور تبختر سارا پھولوں پر ہے چمن کا سو
کیا مرزائی لالہ و گل کی کچھ خاطر میں نہ لاؤ تم

وائے کہ اس ہجراں کشتہ نے باغ سے جاتے ٹک نہ سنا
گل نے کہا جو خوبی سے اپنی کچھ تو ہمیں فرماؤ تم

دست و پا بہتیرے مارے سر بھی پھوڑے حیرت ہے
کیا کریے جو بے دست و پا ہم سوں کے ہاتھ آؤ تم ۷۲۵

غم ہیں تمھارے صورت خوش کی سیکڑوں شکلیں گو بگڑیں
بیٹھے ناز و غرور سے بکھرے بال اپنے نہ بناؤ تم

در پہ حرم کے کشود نہیں تو دیر میں جا کر کافر ہو
قشقہ کھینچو پوتھی پڑھو زنار گلے سے بندھاؤ تم

بود نبود ثبات رکھے تو یہ بھی اک بابت ہے میرؔ
اس صفحے میں حرف غلط ہیں کاش کہ ہم کو مٹاؤ تم

۱۵۸۱

کیا کریں بیکس ہیں ہم بے بس ہیں ہم بے گھر ہیں ہم
کیوں کر اڑ کر پہنچیں اس تک طائر بے پر ہیں ہم

سر نہ بالیں سے اٹھا دیں کاش کے بیمار عشق
ہو گا یک ہنگامہ برپا فتنہ زیر سر ہیں ہم ۷۳۰

سو طرف لے جاتی ہے ہم کو پریشاں خاطری
یاں کسے ڈھونڈھو ہو تم کیا جانیے کیدھر ہیں ہم

گر نہ روویں کیا کریں ہر چار سو ہے بیکسی
بیدل و بے طاقت و بے دین و بے دلبر ہیں ہم

وہ جو رشکِ مہ کبھی اس راہ سے نکلا نہ میرؔ
ہم نہ رکھتے تھے ستارہ یعنی بد اختر ہیں ہم

۱۵۸۲

کہا سنتے تو کاہے کو کبھو سے دل لگاتے تم
نہ جاتے اس طرف تو ہاتھ سے اپنے نہ جاتے تم

شکیبائی کہاں جو اب رہے جاتی ہوئی عزت
کدھر وہ ناز جس سے سر فرو ہرگز نہ لاتے تم ۷۳۵

یہ حسن خلق تم میں عشق سے پیدا ہوا ورنہ
گھڑی کے روٹھے کو دو دو پہر تک کب مناتے تم

نظر دزدیدہ کرتے ہو جھکی رکھتے ہو پلکوں کو
لگی ہوتیں نہ آنکھیں تو نہ آنکھوں کو چھپاتے تم

یہ ساری خوبیاں دل لگنے کی ہیں مت برا مانو
کسو کا بارِ منت بے علاقہ کب اٹھاتے تم

پھرا کرتے تھے جب مغرور اپنے حسن پر آگے
کسو سے دل لگا جب پوچھتے ہو آتے جاتے تم

جو ہوتے میرؔ سو سر کے نہ کرتے اک سخن ان سے
بہت تو پان کھاتے ہونٹھ غصے سے چباتے تم ۷۴۰

## ۱۵۸۳

اس کی گلی میں غش جو کیا آ سکے نہ ہم     پھر ہو چکے وہیں کہیں گھر جا سکے نہ ہم
سوئے تو غنچہ ہو کسو گلخن کے آس پاس     اس تنگنا میں پاؤں بھی پھیلا سکے نہ ہم

حال آنکہ ظاہر اس کے نشاں شش جہت تھے میر
خود گم رہے جو پھرتے تے بہت پا سکے نہ ہم

## ۱۵۸۴

ہم نہ کہا کرتے تھے تم سے دل نہ کسو سے لگاؤ تم     جی دینا پڑتا ہے اس میں ایسا نہ ہو پچھتاؤ تم
۱۱۷۴۵ سو نہ سنی تم نے تو ہماری آنکھیں لگو ہیں لگ پڑیاں     رو رو کر سر دھنتے ہو اب بیٹھے رنج اٹھاؤ تم
صبر کہاں جو تسکیں ہووے بیتابی سے چین کہاں     ایک گھڑی میں سو سو باری اودھر ایدھر جاؤ تم
خواہش دل ہے چاہ کسو کی یہی سبب ہے کاہش کا     ناحق ناحق کیوں کہتے ہو حق کی طرف دل لاؤ تم
ہر کوچے میں کھڑے رہ رہ کر ایدھر اودھر دیکھو ہو     ہائے خیال یہ کیا ہے تم کو جانے بھی دو اب آؤ تم
فاش نہ کریے راز محبت جانیں اس میں جاتی ہیں     درد دل آنکھوں سے ہر یک کے تا مقدور چھپاؤ تم

قدر و قیمت اس سے زیادہ میر تمھاری کیا ہوگی
۱۱۷۵۰ جس کے خواہاں دونوں جہاں ہیں اس کے ہاتھ بکاؤ تم

## ۱۵۸۵

تظلم کہ کھینچے الم پر الم     ترحم کہ مت کر ستم پر ستم
علم بازی آہ جانکاہ ہے     رہے ٹوٹتے ہی علم پر علم
جو سو سر کے ہو آؤ مانوں نہ میں     عبث کھاتے ہو تم قسم پر قسم
کئی بار آنا ادھر لطف سے     عطا پر عطا ہے کرم پر کرم

خطرناک تھی وادی عشق میر
۱۱۷۵۵ گئے اس پہ بھی ہم قدم پر قدم

# ن

## ۱۵۸۶

تاروں کی جیسے دیکھیں ہیں آنکھیں لڑانیاں     اس بے نشاں کی ایسی ہیں چندیں نشانیاں

پیری ہے اب تو کہیے سو کیا کہیے ہم نشیں! / کس رنج و غم میں گزری ہیں اپنی جوانیاں

ظلم و ستم سے خون کیا پھر ڈبا دیا / برباد کیا گئیں ہیں مری جاں فشانیاں

میں آپ چھیڑ چھیڑ کے کھاتا ہوں گالیاں / خوش آ گئیں ہیں اُس کی مجھے بدزبانیاں

سُنتا نہیں ہے شعر بھی وہ حرف ناشنو / دل ہی میں خوں ہوا کیں مری نکتہ دانیاں

باتیں کذبِ رقیب کی ساری ہوئیں قبول / مجھ کو جوان سے عشق تھا میری نہ مانیاں

مجلس میں تو خفیف ہوئے اس کے واسطے / پھر اور ہم سے اُٹھتی نہیں سرگرانیاں

عالم کے ساتھ جائیں چلے کس طرح نہ ہم / عالم تو کارواں ہے ہم کاروانیاں

سر رفتہ سُن نہ میر کا گر قصدِ خواب ہے
نیندیں اُچٹتیاں ہیں سُنے یہ کہانیاں

## ۱۵۸۷

رساتے ہو آتے ہو اہلِ ہوس میں / مزا رس میں ہے لوگے کیا تم کرس میں ۱۱۷۶۵

درا میں کہاں شور ایسا دھرا تھا / کسو کا مگر دل رکھا تھا جرس میں

ہمیں عشق میں بے کسی بے بسی ہے / نہ دشمن بھی ہو دوستی کے تو بس میں

نہ وہ مطمئن تسمہ بازِ فلک سے / دغا سے یہ بہتوں کی کھینچے ہے تسمیں

بہت روتے پردے میں جب دیدۂ تر / ہوئی اچھی برسات تب اس برس میں

تنِ زرد و لاغر میں ظاہر رگیں ہیں / بھرا ہے مگر عشق اک ایک نس میں ۱۱۷۷۰

محبت وفا مہر کرتے تھے باہم / اُٹھا دی ہیں وے تم نے اب ساری رسمیں

تمھیں ربط لوگوں سے ہر قسم کے ہے / نہ کھایا کرو جھوٹی جھوٹی تو قسمیں

ہوا ہی کو دیکھیں ہیں اے میر اسیراں
لگا دیں مگر آنکھیں چاکِ قفس میں

## ۱۵۸۸

غمِ ہجراں میں گھبرا کر اُٹھا میں / طرف گلزار کی آیا چلا میں

شگفتہ خاطری اُس بن کہاں تھی / چمن میں غنچہ پیشانی رہا میں ۱۱۷۷۵

کسو سے دل نہیں ملتا ہے یارب / ہوا تھا کس گھڑی اُن سے جدا میں

تعارف ہم صفیروں سے نہیں کچھ — ہوا ہوں ایک مدت میں رہا میں

گیا صبر آخر آزارِ دلی پر — بہت کرتا رہا دارو دوا میں

نہ عنقا کا کہیں نام و نشاں تھا — ہوا تھا شہرہ جب نامِ خدا میں

ہوا تھا میر مشکل عشق میں کام

١١٧٨٠ کیا پتھر جگر تب کی دوا میں

## ۱۵۸۹

فرہاد سے کیا لوگ ہیں دن ہی کو عجب میں — رہتی ہے خلش نالوں سے میرے دلِ شب میں

حسرت کی جگہ ہے نہ کہ سبزانِ گل اندام — جاتے ہیں چلے آگے سے آتے نہیں جب میں

افتادگی پر بھی نہ چھوا دامن انھوں کا — کوتاہی نہ کی دلبروں کے ہم نے ادب میں

کر خوف فلک خسپ کی جو سرخ ہیں آنکھیں — جلتے ہیں تر و خشک بھی مسکیں کے غضب میں

پایا نہ کنھوں نے اسے کوشش کی بہت میر

١١٧٨٥ سب سالک و مجذوب گئے اس کی طلب میں

## ۱۵۹۰

کس کو دل سا مکان دیتے ہیں — اہل اس گھر پہ جان دیتے ہیں

کیونکہ خوش خواں نہ ہوویں اہلِ چمن — ہم انھوں کو زبان دیتے ہیں

نوخطاں پھیر لیں ہیں منھ، یعنی — ملتے رخصت کے پان دیتے ہیں

جان کیا گوہرِ گرامی ہے — بدلے اس کے جہان دیتے ہیں

١١٧٩٠ ہندو بچوں سے کیا معیشت ہو — یہ کبھو انگ دان دیتے ہیں

یہ عجب گم ہوئے ہیں جس کے لیے — نہیں اس کا نشان دیتے ہیں

گل خوباں میں میر مہر نہیں

ہم کو غیرت دل میں سان دیتے ہیں

## ۱۵۹۱

پلکیں پھری ہیں کھنچی کھنچی ہیں ترچھی ترچھی نگاہیں ہیں — اس اوباش کی سادگی دیکھو شوخی سے ہم جا ہیں ہیں

کیا پہناوا خوش آتا ہے لڑکے چسپاں پوشوں کا — مونڈھے چسپے ہیں چولی پھنسی ہے ٹیڑھی ٹیڑھی کلاہیں ہیں

ضبط گریہ دل سے ہو تو کونسے میں دریا کرتا ہے — حوصلہ داری جن کی ہو ایسی عشق میں ان کو سراہیں ہیں ۱۱۷۹۵

جب سے جدا ہیں اُن سے ہوا ہوں حال عجب ہے روز و شب — چشم تر سے ٹپکے ہیں آنسو خشک لبوں پر آہیں ہیں

دل ہے داغ جگر ہے ٹکڑے رہ جاتے ہیں چپکے سے — چھاتی سراہیے اُن لوگوں کی جو چاہت کو نباہیں ہیں

دل اُلجھے ان باتوں میں تو آخر سودا ہوتا ہے — کوچے کو زنجیر کے یعنی زُلفوں سے دو راہیں ہیں

یہ بھی سماں خوش ترکیبوں کا میرؔ نہ اپنے دل سے گیا
سوتے سے اُٹھ کر آنکھیں ملے ہیں لے انگڑائی جماہیں ہیں

## ۱۵۹۲

صبر گیا ہے برسوں ہم نے راحت سے بے طاقت ہیں — اور گزارا اکب تک ہو گا کچھ اب ہم رخصت سے ہیں ۱۱۸۰۰

رسم تلطف نہیں ہے مطلق شہر خوش محبوباں میں — دیکھے کم جو کرتے کبھو پر ہم عاشق مدت سے ہیں

عشق کے دین اور مذہب میں مر جانا واجب آیا ہے — کوہکن و مجنوں تو موئے اب ہم بھی اُسی ملت سے ہیں

ملنا نفروں سے ان کا چھوٹا آ کر میری صحبت میں — پھر متنفر بھی یہ ہے تو مجھ سے کسی کی صحبت سے ہیں

فرصت ان کو کم ہے اگرچہ پر ملتے ہیں قابو پر
برسوں میرؔ سے مل دیکھا ہے کچھ وے کم فرصت سے ہیں

## ۱۵۹۳

ہر چند میرے حق میں کب اُس کا ستم نہیں — پر اس ستم سے بامزہ لطف و کرم نہیں ۱۱۸۰۵

دل ریش جو ہوئے تو گیا اعتبار سب — اب قابل اعتماد کے قول و قسم نہیں

حیرت میں سکتے سے بھی مرا حال ہے پرے — آئینہ رکھ کے سامنے دیکھا تو دم نہیں

مستغنی کس قدر ہیں فقیروں کے حال سے — یاں بار غم سے خم ہوئے واں بھوؤں خم نہیں

شاید جگر کا کام تمامی کو کھینچ گیا — یا لوہو روتے رہتے تھے یا چشم نم نہیں

غم اس کا کچھ نہیں ہیں گو لوگ کچھ کہیں — یہ التفات اُن نے جو کی ہے سو کم نہیں ۱۱۸۱۰

کہنے لگا کہ میرؔ تمھیں بیچوں گا کہیں
تم دیکھیو نہ کہیو غلام اُس کے ہم نہیں

## ۱۵۹۴

دل جلتے کچھ بن نہیں آتی حال بگڑتے جاتے ہیں — جیسے چراغ آخر شب ہم لوگ نبڑتے جاتے ہیں

رنگ ثبات چمن کا اُڑایا بادِ تندِ خزاں نے سب
برگ و بار و نورس گل کے غنچے جھڑتے جاتے ہیں

طینت میں ہے نیاز جنھوں کی مسجود ان کی سب ہے زمیں
خاک جو یہ پامال ہے اس سے سر کو رگڑتے جاتے ہیں

١١٨١٥ راہ عجب پیش آئی ہم کو یاں سے تنہا جانے کی
یار و ہمدم ہمراہی ہر گام بچھڑتے جاتے ہیں

ضعفِ دماغ سے افتاں خیزاں چلتے ہیں ہم راہِ ہوس
دیکھیں کیا پیش آوے اب تو گرتے پڑتے جاتے ہیں

قد کو اپنے حشر خرام کے ایک نہیں لگ سکتا ہے
سروِ روانِ باغ جہاں ہر چند اکڑتے جاتے ہیں

میر بلا ناساز طبیعت لڑکے ہیں خوش ظاہر بھی
ساتھ ہمارے راہ میں ہیں پھر ہم سے لڑتے جاتے ہیں

## ١٥٩٥

عشق نے ہم کو مار رکھا ہے جی میں اپنے تاب نہیں
دل کو خیالِ صبر نہیں آنکھوں کو میلِ خواب نہیں

١١٨٢٠ کوئی سبب ایسا ہو یارب جس سے عزت رہ جاوے
عالم میں اسباب کے ہیں پر پاس اپنے اسباب نہیں

قحط نہیں ہے دل کا اب من مارے تم کیوں پھرتے ہو
لینے والا چاہیے اس کا ایسا تو کم یاب نہیں

خط کا جواب نہ لکھنے کی کچھ وجہ نہ ظاہر ہم پہ ہوئی
دیر تلک قاصد سے پوچھا منھ میں اس کے جواب نہیں

رونا روزِ شمار کا مجھ کو آٹھ پہر اب رہتا ہے
یعنی میر گناہوں کو کچھ حصر و حد و حساب نہیں

رنگ شکستہ دل ہے شکستہ سر ہے شکستہ مستی ہیں
حال کسو کا اپنا سا اس میخانے میں خراب نہیں

ٹھہریں میر کسو جاگہ ہم دل کو قرار جو ٹک آوے
١١٨٢٥ ہو کے فقیر اس در پر بیٹھیں اس کے بھی ہم باب نہیں

## ١٥٩٦

آنکھیں سفید دل بھی جلا انتظار میں
کیا کچھ نہ ہم بھی دیکھ چکے ہجر یار میں

دنیا میں ایک دو نہیں کرتا کوئی مقام
جو ہے رواروی ہی میں ہے اس دیار میں

دیکھی تھیں ایک روز تری مست انکھڑیاں
انگڑائیاں ہی لیتے ہیں اب تک خمار میں

اخگر تھا دل نہ تھا مرا جس سے تہ زمیں
لگ لگ اٹھی ہے آگ کفن کو مزار میں

١١٨٣٠ بے دم ہیں دام گاہ میں اک سم تو چل کے دیکھ
سنتے ہیں دم نہیں کسی تیرے شکار میں

محمل کے تیرے گرد ہیں محمل کئی ہزار
ناقہ ہے ایک لیلیٰ کا سو کس قطار میں

شاداب چمن میں میری غزل خوانی کا ہے میر
اک عندلیب کیا ہے کھوں میں ہزار میں

## ۱۵۹۷

طلب ہے کام دل کی اس کے بالوں کی اسیری میں | گدائی شب کروں ہوں میں خجالت سے فقیری میں
نگہ عزلت ہیں اس ابروِ کماں کی ہے اودھر یعنی | لگا تیر اُس کا چھاتی میں ہماری گوشہ گیری میں
نظیر اُس کی نظر آتی نہ سیاحانِ عالم کو | سیاحت دور تک کی ایک وہ بے نظیری میں ۱۸۴۵
حزیں آوا نہ ہے مرغِ چمن کی کھیا جنوں آور | نہیں خوش زمزمہ ولیسا ہماری ہم صفیری میں

جوانی میں نہ رسوائی ہوئی تا میرؔ غم کہتے
ہوئے اطفالِ تہ بازار گاہک جی کے پیری میں

## ۱۵۹۸

دل کی تہ کی کہی نہیں جاتی کہیے تو جی ماریں ہیں | رک کر پھوٹ بہیں جو آنکھیں رود کی سی دو دھاریں ہیں
حرفِ شناس نہ تھے جب تم تو بے پرسش تھا بوسہ لب | ایک اک بات کی مشتاقوں سے سو سو اب تکراریں ہیں
عشق کے دیوانے کی سلاسل ہلتی ہے توڑیں ہیں ہم | بگڑے پیلِ مست کی سی زنجیروں کی جھنکاریں ہیں ۱۸۴۰
وے بھوویں جیدھر ہوں خمیدہ اودھر کا ہے خدا حافظ | یعنی جوہر دار جھکی خوں ریز کی دو تلواریں ہیں
وے شیلے جن لوگوں کو پھرتے آنکھوں ہم نے دیکھا تھا | حدِ نظر تک آج انھوں کی گردِ شہر مزاریں ہیں
پیچ و تاب میں بل کھا کھا کر کوئی مرے یاں ان کو کیا | واں وے لیے مشاطہ کو گیسو بال ہی اپنے سنواریں ہیں

بڑے بڑے تھے گھر جن کے یاں آثار ان کے ہیں یہ اب
میرؔ شکستہ دروازے ہیں گری پڑی دیواریں ہیں

## ۱۵۹۹

حسن کیا جنس ہے جی اس پہ لگا بیٹھے ہیں | عزلتی شہر کے بازار میں آ بیٹھے ہیں
ہم وے ہر چند کہ ہم خانہ ہیں دونوں لیکن | روشِ عاشق و معشوق جدا بیٹھے ہیں
ان ستم کشتوں کو ہے عشق کہ اُٹھ کر یک بار | تیغ خوں خوار تلے یار کی جا بیٹھے ہیں
کیونکہ یاں اس کا خیاں اوے کہ آگے ہی ہم | دل سا گھر آتشیں آہوں سے جلا بیٹھے ہیں
پیشِ رو دستِ دعا ہے وہی شے خواہش ہے | اور سب چیز سے ہم ہاتھ اٹھا بیٹھے ہیں
ساری رات آنکھوں کے آگے ہی مری رہتا ہے | گو کہ وے چاند سے مکھڑے کو چھپا بیٹھے ہیں ۱۸۵۰
باغ میں آئے ہیں پر اس گلِ تر بن یک سو | غنچہ پیشانی و دل تنگ و خفا بیٹھے ہیں

کیا کہوں آئے کھڑے گھر سے تو اک شوخی سے　　پاؤں کے نیچے مرے ہاتھ دبا بیٹھے ہیں

قافلہ قافلہ جاتے ہیں چلے کیا کیا لوگ
میر غفلت زدہ حیران سے کیا بیٹھے ہیں

۱۶۰۰

منھ کیے اودھر زرد ہوئے جاتے ہیں ڈر سے سبک ساراں　　کیونکہ ہیں گے اس رستے میں ہم سے آہ گراں باراں

جی تو پھٹا دیکھ آئینہ ہر لوح مزار کا جامہ نما　　پھاڑ گریباں تنگ دلی سے ترک لباس کیا یاراں ۱۸۵۵

کی ہے عمارت دل کی جنھوں نے ان کی بنا کچھ رکھی رہی　　اور تو خانہ خراب ہی دیکھے اس بستی کے معماراں

مے خانے میں اس عالم کے لغزش پر مستوں کی نہ جا　　سکر میں اکثر دیکھے ہم نے بڑے بڑے یاں ہشیاراں

کیا ستھرا ؤ شفا خانے میں عشق کے جا کر دیکھے ہیں　　ایدھر اودھر سینکڑوں ہی برگشتہ بام تھے بیماراں

بعد صبوحی گھگھیاتے گھگھیاتے باچھیں پھٹ بھی گئیں　　یارب ہوگی قبول کبھو بھی توبۂ صبح گنہگاراں

عشق میں ہم سے تم سے کہیں تو کھپ جاویں غم کس کو ہے
مارے گئے ہیں اس میداں میں کیا دل والے جگر داراں ۱۸۶۰

۱۶۰۱

حاکم شہر حسن کے ظالم کیونکہ ستم ایجاد نہیں　　خون کسو کا کوئی کرے واں داد نہیں فریاد نہیں

یاری ہماری یک بارگی خاطر سے فراموش ان نے کی　　ذکر ہمارا اس سے کیا سو کہنے لگا کچھ یاد نہیں

کیا کیا مردم خوش ظاہر ہیں عالم حسن میں نام خدا!　　عالم عشق خرابہ ہے واں کوئی گھر آباد نہیں

عشق کوئی ہمدرد کہیں مدت میں پیدا کرتا ہے　　کوہ رہیں گو نالاں برسوں لیکن اب فرہاد نہیں

لڑنا کاوا کی سے فلک کا پیش پا افتادہ ہے
میر طلسم غبار جو یہ ہے کچھ اس کی بنیاد نہیں ۱۸۶۵

۱۶۰۲

تدبیر کوئی بتا دے جو آپ کو سنبھالیں　　جینے کی اپنے ہم بھی کوئی طرح نکالیں

قالب میں جی نہیں ہے اس بن ہمارے گویا　　حیران کار یارب ہم کیسا ڈول ڈالیں

محشر میں داد خوباں چاہیں تو کس سے چاہیں　　واں لگ چلے ملک تو اس کو بھی یہ لگالیں

طالع نہ ذائقے کے اپنے کھلے کہ ہم بھی　　ان شکریں لبوں کے ہونٹھوں کا کچھ مزا لیں

خوش چشم خوبرویاں دیدہ وراں ہیں یکتے
دزدیدہ دیکھنے میں دل دیکھتے چرالیں ۱۱۸۷۰

عشق و جنوں سے جی تو تنگ آگیا ہے کاش اب
دستِ تلطف اپنے سر سے مرے اُٹھالیں

خونریزی سے ہماری اچھا ہے ہاتھ اُٹھانا
یوں چاہیئے کہ دلبر درویش سے دُعا لیں

چلتے ہیں ناز سے جب ٹھوکر لگے ہے دل کو
آتی نہیں سمجھ میں ان دلبروں کی چالیں

مِنّت ہزار کریے مانے منے نہ ہرگز
میؔر ایسے غصّہ ور کو ہم کس طرح منالیں

۱۶۰۳

مے کشی صبح و شام کرتا ہوں
فاقہ مستی مدام کرتا ہوں ۱۱۸۷۵

کوئی ناکام یوں رہے کب تک
میں بھی اب ایک کام کرتا ہوں

یا تو لیتا ہوں دادِ دل یا اب
کام اپنا تمام کرتا ہوں

۱۶۰۴

ملنے کے دن جب یاد آتے ہیں سدھ بدھ بھولے جاتے ہیں
بے خود ہو جاتے ہیں ہم تو دیر بخود پھر آتے ہیں

و

۱۶۰۵

دل کھُلتا ہے واں صحبتِ رندانہ جہاں ہو
میں خوش ہوں اُسی شہر سے میخانہ جہاں ہو

اُن بکھرے ہوئے بالوں سے خاطر ہے پریشاں
وے جمع ہوئے پر ہیں بلا شانہ جہاں ہو ۱۱۸۸۰

رہنے سے مرے پاس کے بدنام ہوئے تم
اب جا کے رہو واں کہیں رُسوانہ جہاں ہو

کچھ حال کہیں اپنا نہیں بے خودی تجھ کو
غش آتا ہے لوگوں کو یہ افسانہ جہاں ہو

کیوں جلتا ہے ہر جمع میں مانند دیے کے
اُس بزم میں جا شمع سا پروانہ جہاں ہو

ان اُجڑی ہوئی بستیوں میں دل نہیں لگتا
ہے جی میں وہیں جابسیں ویرانہ جہاں ہو

وحشت ہے خردمندوں کی صحبت سے مجھے میؔر
اب جارہوں گا واں کوئی دیوانہ جہاں ہو ۱۱۸۸۵

۱۶۰۶

اپنے حسنِ ذاتی پر آج مت مغرور ہو — پاس تو ہے جس کے شے ہی کل کہیں گے دور ہو

دیکھ کر وہ راہ چلتا ہی نہیں ٹک ورنہ ہم — پانو اس کے آنکھوں پر رکھ لیویں جو منظور ہو

شہرِ دل کی کیا خرابی کا بیاں باہم کریں — اس کو ویرانہ نہ کہیئے جو کبھو معمور ہو

ہم بغل اس سنگ دل سے کاشکے اس دم ہوں جب — شیشۂ مے پاس ہو وے اور وہ مخمور ہو

عشق دل کش ذبح ہے پر کھیل قدرت کا ہے میر

۱۱۸۹۰ صرف کیجے اس میں اپنا جس قدر مقدور ہو

۱۶۰۷

عاشق ہو تو اپنے تئیں دیوانہ سب میں جاتے رہو — چکر مارو جیسے بگولا خاک اڑاتے آتے رہو

دوستی جس کو لوگ کہیں ہیں جان سے اس کو خصومت ہے — ہو جاوے جو تم کو کسی سے تا مقدور چھپاتے رہو

دل لگنے کی چوٹ بری ہے اس صدمے سے خدا حافظ — بارے سعی و کوشش کوشش سے جی کو اپنے بچاتے رہو

آئی بہار جنوں ہو مبارک عشق اللہ ہمارے لئے — نعل جڑے سینوں پہ پھر دِتم داغ سراں کے جلاتے رہو

۱۱۸۹۵ شاعر ہو مت چپکے رہو اب چپ میں جانیں جاتی ہیں — بات کرو ابیات پڑھو کچھ بیتیں ہم کو بتاتے رہو

ابر سیہ قبلے سے آیا تم بھی شیخو! پاس کرو — تحقیقی ٹک لٹ پٹی باندھو ساختہ ہی لچھ ماتے رہو

کیا جانے وہ مائل ہووے کب ملنے کا تم سے میر

قبلہ و کعبہ اس کی جانب اکثر آتے جاتے رہو

۱۶۰۸

کیا فرض ہستی کی رخصت ہے مجھ کو — کہیں اپنے رونے سے فرصت ہے مجھ کو

پھروں ہوں ترے عشق میں کوچہ کوچہ — مگر کوچہ گردی سے الفت ہے مجھ کو

۱۱۸۹۰ کہاں زندگی مدت العمر ظالم — ترے عشق میں دم غنیمت ہے مجھ کو

نہ کر شور ناصح بہت ناتواں ہوں — کہاں بات اٹھانے کی طاقت ہے مجھ کو

ہیں اسباب مرنے کے سب تیرے غم میں — جیا اب تلک کیونکہ حیرت ہے مجھ کو

دل اتنا ہے آشفتہ خورشید رو کا — کہ اپنے بھی سائے سے وحشت ہے مجھ کو

کڑھوں ہوں گا من مانتا میر صاحب — غمِ یار میں کیا فراغت ہے مجھ کو

کیا غیرت سے دل پر تنگ رنج و غم نے دنیا کو ۱۶۰۹ بس اب تو کھل گئیں ہیں آنکھیں دیکھا ہم نے دنیا کو ۱۹۰۵

رہا ہر ایک عالم اور دنیا والوں میں اُس کا
کیا ہے بے وفا معلوم سب عالم نے دنیا کو

ہمیشہ رونا کڑھنا سینہ کوبی ہر زماں کرنا
عزاخانہ کیا دل کے مرے ماتم نے دنیا کو

سُنا میں نے کہ آخر ہاتھ اٹھایا اُس نے دنیا سے
اگر پایا بھی محنت کر کسو ہمدم نے دنیا کو

زمیں سے آسماں تک میر ہے شورِ جنوں میرا
تہ و بالا کیا دونوں میں اس اودھم نے دنیا کو

## ۱۶۱۰

کیا کچھ ہم سے ضد ہے تم کو بات ہماری اُٹھا دو ہو
لگ پڑتے ہیں ہم تم سے تو تم اوروں کو لگا دو ہو ۱۹۱۰

کیا رووَیں قدر و قیمت کو یہیں سے ہے معلوم ہمیں
کام ہمارا پاس تمھارے جو آتا ہے بہا دو ہو

اتنی تو جا خالی رہی ہے بزم خوش میں تمھارے سوا
جن کو کہیں جاگہ نہیں ملتی پہلو میں ان کو جا دو ہو

زنگ تو جاوے دل سے ہمارے غیر سیہ رو بدگو کے
کھینچ کے تو ایسی ایک لگاؤ تیغ ستم کی تا دو ہو

صحبتِ گرم ہماری تمھاری شمع پتنگے کی سی ہے
یعنی ہو دل سوز جو کوئی اُس کو تم تو جلا دو ہو

رنگِ صحبت کس کو دکھاویں خوبی اپنی قسمت کی
ساغرِ مے دشمن کو دو ہو ہم کو زہر منگا دو ہو ۱۹۱۵

بند نہیں جو کرتے ہو تم سینے کے سوراخوں کو
جی کی رُکن میں ان رخنوں سے شاید دل کو ہوا دو ہو

آنکھ جھپک جاتی نہیں تنہا آگے چہرۂ روشن کے
ماہ بھی بیٹھا جاتا ہے جب منھ سے نقاب اٹھا دو ہو

غیر سے غیریت ہے آساں لیکن تہ کچھ ہم کو نہیں
بات بناویں کیا ہم تم کو تم ہم کو تو بنا دو ہو

میر حقارت سے ہم اپنی چپ رہ جاتے ہیں جان جلے
طول ہمارے گھٹنے کو دے کر جیسے چراغ بڑھا دو ہو[1]

## ۱۶۱۱

کہتے نہ تھے ہم تم سے دل ہاتھ سے مت دیجو
مت کھائیو غم اپنا نہ لہو پیجو ۱۹۲۰

ان پلکوں کی کاوش سے زخمی ہے جگر سارا
اے ناز نگاہوں کے نازک سا رفو کیجو

کیا جان لیے جس کے جاناں سے چھپاتا منھ
جینا تو کوئی دن ہے تم میر بہت نہ جیجو

دل خستہ شکستہ دل دل بستہ گرفتہ دل
ہر آن میں کوئی اس کا دل ہاتھ میں ٹک لیجو

اس راہ سے کرتا ہے دل کسب ہوا گاہے
میرے پھٹے سینے کو زنہار نہ تم سیجو



[1] نسخۂ کلکتہ: چراغ بھڑا دو ہو

## ۱۶۱۲

۱۹۲۵ بات کہوں کیا چپکے چپکے دیکھو ہو آئینے کو — دیکھتے ہو تو دیکھو ہمارے جلتے توے سے سینے کو

کیا جانو تم قدر ہماری مہر و وفا کی لڑکے ہو — تو ہو اپنا دیں ہیں ہمارے گرتے دیکھ پسینے کو

پھیر ایام نحس کا مجھ کو بہت کڈھب آتا ہے نظر — تم بھی غنیمت جانو میاں دس دن کے میرے جینے کو

وہ جو غیرت مہ ملتا ہے غیر سے ہم ہیں غیرت کش — سال ہمارے جی کا ہوگا ظاہر کوئی مہینے کو

لخت دل آنکھوں سے گرا سو ٹکڑا لعل کا تھا گویا
نصب کروں گا میرؔ جگر پر خوش رنگ ایسے نگینے کو

## ۱۶۱۳

۱۹۳۰ صوفیاں خم وا ہوئے ہیں ہائے آنکھیں وا کرو — ابر آیا زور غیرت تم بھی ٹک پیدا کرو

مستی و دیوانگی کا عہد ہے بازار میں — پا سے کو باں دست افشاں آن کر سودا کرو

ہر جگہ دل کش ہے اس کی برگ گل سے جسم میں — ایک جا تو جی لگاؤ دل کے تئیں بے جا کرو

ہے تکلف ہے تعین اس قصب پوشی کی قید — خرقۂ صد چاک پہنو آپ کو رسوا کرو

گرچہ ہم پر بستہ طائر ہیں پرائے گل ہائے تر
کچھ ہمیں پروا نہیں ہے تم اگر پروا کرو

## ۱۶۱۴

۱۹۳۵ موسم گل آیا ہے یارو کچھ میری تدبیر کرو — یعنی سایۂ سرو و گل میں اب مجھ کو زنجیر کرو

پیش سعایت کیا جائے ہے حق ہے میری طرف سو ہے — میں تو چپ بیٹھا ہوں یکسو گر کوئی تقریر کرو

کان لگا رہتا ہے غیر اس شوخ کماں ابرو کے بہت — اس تو گناہ عظیم پہ یارو ناک میں اس کی تیر کرو

پھیر دیے ہیں دل لوگوں کے مالک نے کچھ میری طرف — تم بھی ٹک اے آہ و نالہ قلبوں میں تاثیر کرو

آگے ہی آزردہ ہیں ہم دل ہیں شکستہ ہمارے سب — حرف رنجش بیچ میں لا کر اور نہ اب دلگیر کرو

۱۹۴۰ کیا ہو محو عمارت منعم اے معمار خرابی ہے — بن آوے تو گھر ویراں درویشوں کے تعمیر کرو

عاشق ہو تو سا بچگاں پر تا کیفیت حاصل ہو — اور کشود کار جو چاہو پیر مغاں کو پیر کرو

شعر کیے موزوں تو ایسے جن سے خوش ہیں صاحب دل
روویں کڑھیں جو یاد کریں اب ایسا تم کچھ میرؔ کرو

## ۱۶۱۵

کیونکر مجھ کو نامہ نمط ہر حرف پہ پیچ و تاب نہ ہو — سو سو قاصد جان سے جاویں یک کو ادھر سے جواب نہ ہو
گل کو دیکھ کے گلشن کے دروازے ہی سے پھر آیا — کیا مل بیٹھے اس سے بھلا جو صحبت ہی کا باب نہ ہو
مستی خرابی سر پہ لائی کعبے سے اٹھ دیر گیا — جس کو خدا نے خراب کیا ہو پھر وہ کیونکہ خراب نہ ہو ۱۹۴۵
خلع بدن کرنے سے عاشق خوش رہتے ہیں اس خاطر — جان و جاناں ایک ہیں یعنی بیچ میں تن جو حساب نہ ہو
خشم و خطاب چبیں بر چیں تو حسن ہے گل رخساروں کا — وہ محبوب خنک ہوتا ہے جس میں ناز و عتاب نہ ہو
میں نے جو کچھ کہا کیا ہے حد و حساب سے افزوں ہے — روز شمار میں یا رب میرے کہے کیے کا حساب نہ ہو
صبر بلاہائے عشقی پر حوصلے والے کرتے ہیں — رحمت ہے اس خستہ جگر کو دل جس کا بیتاب نہ ہو
جس شب گل دیکھا ہے ہم نے صبح کو اس کا منھ دیکھا — خواب ہمارا ہوا ہوا ہے لوگوں کا سا خواب نہ ہو ۱۹۵۰
نہریں چمن کی بھر رکھی ہیں گویا بادۂ لعلیں سے — بے عکس گل و لالہ الٰہی ان جویوں میں آب نہ ہو
اس دن میں تو مستانہ ہوتا ہوں کوئی کوچہ گدا — جس دن کاسہ چوبیں میں میرے یک جرعہ بھی شراب نہ ہو

تہ داری کچھ دیدۂ تر کی میرؔ نہیں کم دریا سے
جوشاں شور کناں آ جاوے یہ شعلہ سیلاب نہ ہو

## ۱۶۱۶

تم کو ہم سے لاگ لگی ہے روتے ہیں تو ہنستے ہو — ہم نے کمر کو کھول رکھا ہے اپنی کمر تم کستے ہو
درج گہر مال نہیں کچھ دیں دلبستہ مصر اگر — تو بھی ایسی قیمت پر تم آگے ہمارے سستے ہو ۱۹۵۵
رستے راہ میں دیکھ لیا ہے بستی میں سے نکلے تھیں — کیا جانیں ہم روز و شب تم کیدھر رستے بستے ہو
ابر کرم کی راہ تکو اب رحمت حق پر نظر رکھو — گو کہ تم اے مستاں مجرم اس غم سے دل خستے ہو

پیری میں بھی جواں رکھا ہے دختر تاک کی صحبت نے
یعنی پی پی مے انگوری میرؔ ہوئے کٹ مستے ہو

## ۱۶۱۷

رہیں رکے پر اس سے ملاقات ہو تو ہو — خاموش ان لبوں سے کوئی بات ہو تو ہو
رنج و عنا کہ دشمن جان عزیز ہیں — ان سے بچاؤ اس کی عنایات ہو تو ہو ۱۹۶۰
نومید وصل دل نہیں شب ہائے ہجر میں — ان راتوں ہی میں ملنے کی بھی بات ہو تو ہو

## ۱۶۱۲

۱۹۲۵ بات کہوں کیا چپکے چپکے دیکھو ہو آئینے کو — دیکھتے ہو تو دیکھو ہمارے جلتے توے سے سینے کو

کیا جانو تم قدر ہماری مہر و وفا کی لڑکے ہو — لوہو اپنا دیں ہیں تمھارے گرتے دیکھ پسینے کو

پھیر ایام نحس کا مجھ کو بہت کڈھب آتا ہے نظر — تم بھی غنیمت جانو میاں وس دن کے میرے جینے کو

وہ جو غیرت مر ملتا ہے غیر سے ہم ہیں غیرت کش — سال ہمارے جی کا ہوگا ظاہر کوئی مہینے کو

لختِ دل آنکھوں سے گرا سو ٹکڑا لعل کا تھا گویا
نصب کروں گا میرؔ جگر پر خوش رنگ ایسے نگینے کو

## ۱۶۱۳

۱۹۳۰ صوفیاں خم وا ہوئے ہیں ہائے آنکھیں وا کرو — ابر آیا زور غیرت تم بھی ٹک پیدا کرو

مستی و دیوانگی کا عہد ہے بازار میں — پاسے کو ہاں دست افشاں آن کر سودا کرو

ہر جگہ دل کش ہے اس کی برگِ گل سے جسم میں — ایک جا تو جی لگاؤ دل کے تئیں یک جا کرو

ہے تکلف ہے تعیّن اس قصب پوشی کی قید — خرقۂ صد چاک پہنو آپ کو رسوا کرو

گرچہ ہم پر بستہ طائر ہیں پرلے گل ہائے تر
کچھ ہمیں پروا نہیں ہے تم اگر پروا کرو

## ۱۶۱۴

۱۹۳۵ موسمِ گل آیا ہے یارو کچھ میری تدبیر کرو — یعنی سایۂ سروِ گل میں اب مجھ کو زنجیر کرو

پیشِ سعایت کیا جائے ہے حق ہے میری طرف سو ہے — میں تو چپ بیٹھا ہوں یکسو گر کوئی تقریر کرو

کان لگا رہتا ہے غیر اس شوخ کماں ابرو کے بہت — اس تو گناہِ عظیم پہ یارو ناک میں اس کی تیر کرو

پھیر دیے ہیں دل لوگوں کے مالک نے کچھ میری طرف — تم بھی ٹک اے آہ و نالہ قلبوں میں تاثیر کرو

آگے ہی آزردہ ہیں ہم دل ہیں شکستہ ہمارے سب — حرفِ رنجش بیچ میں لاکر اور نہ اب دلگیر کرو

۱۹۴۰ کیا ہو محو عمارتِ منعم اسے معمار خرابی ہے — بن آوے تو گھر ویراں درویشوں کے تعمیر کرو

عاشق ہو ترسا بچگاں پر تا کیفیت حاصل ہو — اور کشودِ کار جو چاہو پیرِ مغاں کو پیر کرو

شعر کیے موزوں تو ایسے جن سے خوش ہیں صاحبِ دل
روویں کڑھیں جو یاد کریں اب ایسا تم کچھ میرؔ کرو

## ۱۶۱۵

کیونکر مجھ کو نامہ نمط ہر حرف پہ پیچ و تاب نہ ہو
سو سو قاصد جان سے جاویں یک کو ادھر سے جواب ہو

گُل کو دیکھ کے گلشن کے دروازے ہی سے پھر آیا
کیا مل بیٹھے اُس سے بھلا جو صحبت ہی کا باب ہو

مستی خرابی سر پہ لائی کعبے سے اُٹھ دیر گیا
جس کو خدا نے خراب کیا ہو پھر وہ کیونکہ خراب ہو ۱۱۹۴۵

خلع بدن کرنے سے عاشق خوش رہتے ہیں اس خاطر
جان و جاناں ایک ہیں یعنی بیچ میں تن جو حساب نہ ہو

خشم و خطاب چیں بر جبیں تو حسن ہے گُل رُخساروں کا
وہ محبوب خُنک ہوتا ہے جس میں ناز و عتاب نہ ہو

میں نے جو کچھ کہا کیا ہے حد و حساب سے افزوں ہے
روز شمار میں یا رب میرے کہے کیے کا حساب نہ ہو

صبر بلاہائے عشقی پر حوصلے والے کرتے ہیں
رحمت ہے اُس خستہ جگر کو دل جس کا بیتاب نہ ہو

جس شب گُل دیکھا ہے ہم نے صُبح کو اس کا مُنھ دیکھا
خواب ہمارا ہوا ہوا ہے لوگوں کا سا خواب نہ ہو ۱۱۹۵۰

نہریں چمن کی بھر رکھی ہیں گویا بادۂ لعلیں سے
ہے عکس گُل و لالہ الٰہی ان جوئوں میں آب نہ ہو

اس دن میں تو مستانہ ہوتا ہوں کوئی کوچہ گدا
جسدن کاسہ چوبیں میں میرے یک جُرعہ بھی شراب ہو

تہ داری کچھ دیدۂ تر کی میر نہیں کم دریا سے
جوشاں شور کناں آجاوے یہ شغلہ سیلاب نہ ہو

## ۱۶۱۶

تم کو ہم سے لاگ لگی ہے رُوتے ہیں تو ہنستے ہو
ہم نے کمر کو کھول رکھا ہے اپنی کمر تُم کستے ہو

دُرجِ گوہر مال نہیں کچھ دیں در بستہ مصر اگر
تو بھی ایسی قیمت پر تم آگے ہمارے سستے ہو ۱۱۹۵۵

رستے راہ میں دیکھ لیا ہے بستی میں سے نکلے تھیں
کیا جانیں ہم روز و شب تم کیدھر رہتے بستے ہو

ابر کرم کی راہ تکو اب رحمتِ حق پر نظر رکھو
گو کہ تم اے مستاں مجرم اس غم سے دل خستے ہو

پیری میں بھی جواں رکھا ہے دختر تاک کی صحبت نے
یعنی پی پی مئے انگوری میر ہوئے کٹ مستے ہو

## ۱۶۱۷

رہیں رُکے پر اُس سے مُلاقات ہو تو ہو
خاموش ان لبوں سے کوئی بات ہو تو ہو

رنج و عنا کہ دشمنِ جانِ عزیز ہیں
ان سے بچاؤ اس کی عنایات ہو تو ہو ۱۱۹۶۰

نومید وصل دل نہیں شب ہائے ہجر میں
ان راتوں ہی میں ملنے کی بھی بات ہو تو ہو

اُمّید ہے کہ اُس سے قیامت کو پھر ملوں — حُسنِ عمل کی واں بھی مکافات ہو تو ہو

تحقیقی شملے پیرہن و کنگھی اور کلاہ — شیخوں کی گاہ ان میں کرامات ہو تو ہو

ساقی کو چشمِ مست سے اُودھر ہی دیکھنا — مسجد ہو یا کہ کعبہ خرابات ہو تو ہو

منکر نہیں ہے کوئی سیادت کا میر کی

١١٩٦٥ ذاتِ مقدّس اُن کی بھی ذات ہو تو ہو

## ١٦١٨

مژہ وا کرو تمھیں غش ہے کیا کبھو حال پر بھی نظر کرو — یہی حال ہمیشہ رہا کیا تو مآل پر بھی نظر کرو

کہیں دل بھی ان کے اٹکتے ہیں تمھیں شوق ہیں ہے کمال کچھ — ہوئے ہو جو رفتہ خرام کے تو جمال پر بھی نظر کرو

نہ بنے جو دلبر سادہ تو نہ بھلا لگے مری آنکھوں میں[1]

نہیں سادگی ہی میں لطف کچھ خط و خال پر بھی نظر کرو

## ھ

## ١٦١٩

ہائے ستم ناچار معیشت کرنی پڑی ہر خار کے ساتھ — جانِ عزیز گئی ہوتی کاش اب کی سال بہار کے ساتھ

١١٩٧٠ کس آوارۂ عشق و جنوں کی اک مٹھی اب خاک اُڑی — اُڑتی پھرے ہے پس محمل جو راہ کے گرد و غبار کے ساتھ

وہ لحظہ نہیں جاتا جی سے آنکھ لڑی تھی جب اُس سے — چاہ نکلتی تھی باتوں سے چتون بھی تھی پیار کے ساتھ

جی مارے شب ہر میں ہمارے سے قہر کیا مشاطہ نے — بل کھائے بالوں کو ٹوٹے بل اس کے گلے کے ہار کے ساتھ

کیا دن تھے جو ہم کو تنہا کہیں کہیں مل جاتا تھا — اب تو لگے ہی رہتے ہیں اغیار ہمارے یار کے ساتھ

ہم ہیں مریضِ عشق و جنوں سختی سے دل کو مت توڑو — نرم کرے ہیں حرف و حکایت اہلِ خرد بیمار کے ساتھ

١١٩٧٥ دیدۂ تر سے چشمۂ جوشاں ہیں جو قریب اپنے واقع — تو ہی رود چلے جاتے ہیں لگ کر جیب و کنار کے ساتھ

دیر سے ہیں بیمارِ محبت ہم سے قطعِ امید کرو — جانیں ہی جاتی دیکھی ہیں ہم نے آخر اس آزار کے ساتھ

رونے سے سب سر بر آئے خاک ہمارے سر پہ میر

مدت میں ہم ٹک لگ بیٹھے تھے اُس کی دیوار کے ساتھ

## ١٦٢٠

اب کچھ مزے پر آیا شاید وہ شوخ دیدہ — اب اُس کے پوست میں ہے جوں میوۂ رسیدہ



[1] نسخۂ کلکتہ : مری آنکھوں میں میر

آنکھیں ملا کبھو تو کب تک کیا کروں میں
دنبالہ گردی تیری اے آہوے رمیدہ

پانی بھر آیا منھ میں دیکھے جنھوں کے یارب
وے کس مزے کے ہوں گے لب ہائے ناگزیدہ ۱۹۸۰

سائے کو اس پری کے لگتا نہ تھا چمن میں
مغرور کاہے پر ہے شمشادِ قد کشیدہ

آنکھیں ہی بچھ رہی ہیں اہلِ نظر کی یکسر
چلتے ہوئے زمیں پر رکھ پاؤں دیدہ دیدہ

چل سیر کرنے تو بھی تا صبح آنکھیں کھولیں
منھ پر ترے چمن میں گل ہائے نودمیدہ

محراب میں رہو نے سجدہ کیا کرو نے
بے وقت کیا ہے طاعت قد اب ہوا خمیدہ

پروانہ گرد پھر کر جل بھی بجھا و لیکن
خاموش رات کو تھی شمعِ زباں بریدہ ۱۹۸۵

دیکھا مجھے شبِ گل بلبل نے جو چمن میں
بولا کہ میرے منھ پر کیا کیا دہن دریدہ

قلب و کبد تو دونوں تیروں سے چھن رہے ہیں
وہ اس ستم کشی پر ہم سے رہے[1] کبیدہ

اشعار میر سب نے چن چن کے لکھ لیے ہیں
رکھیں گے یاد ہم بھی کچھ بیتیں چیدہ چیدہ

## ۱۶۲۱

ہم جانتے تو عشق نہ کرتے کسو کے ساتھ
لے جاتے دل کو خاک میں اس آرزو کے ساتھ

مستی میں شیخِ شہر سے صحبت عجب رہی
سر پھوڑتے رہا کیے اکثر سبو کے ساتھ ۱۹۹۰

تھا عکس اس کی قامتِ دل کش کا باغ میں
آنکھیں چلی گئیں ہیں لگی آبِ جو کے ساتھ

نازاں ہو اس کے سامنے کیا گل کھلا ہوا
رکھتا ہے لطفِ ناز بھی روے نکو کے ساتھ

ہم زرد کاہ خشک سے نکلے ہیں خاک سے
بالیدگی نہ خلق ہوئی اس نمو کے ساتھ

گردن بلند کرتے ہی ضربت اٹھا گئے
خنجر رکھے ہے اس کا علاقہ گلو کے ساتھ

ہنگامے جیسے رہتے ہیں اس کوچے میں سدا
ظاہر ہے حشر ہوگی نہ ایسے غلو کے ساتھ ۱۹۹۵

مجروح اپنی چھاتی کو بخیہ کیا بہت
سینہ گتھا ہے میر ہمارا رفو کے ساتھ

## ۱۶۲۲

جان چلی جاتی ہے ہماری اس کی اور نظر کے ساتھ
یعنی چشم شوق لگی رہتی ہے شگافِ در کے ساتھ

شاہد عاشق کے دل دونوں پاس ہی حاضر ہیں یعنی
پہروں پہروں خشک لبی رہتی ہے چشمِ تر کے ساتھ



[1] آسی: ہوئے

آنا اس کا ظاہر ہے پر مژدہ لایا یاں نہ کرو — جی ہی نکل جاوے گا اپنا یوں ہی ذوقِ خبر کے ساتھ

۱۲۰۰۰ کیا رُو ماہ و خور کو لیکن جھمکا اُس کا دکھا دوں ہوں — روز و شب کچھ ضد سی ہوئی ہے مجھ کو شمس و قمر کے ساتھ

سینہ خالی آج پڑا ہے میرؔ طرف سے پہلو کے
دل بھی شاید نکل گیا ہے رُوتے خونِ جگر کے ساتھ

## ۱۶۲۳

گُل گُل شگفتہ مے سے ہوا ہے نگار دیکھ — یک جرعہ ہمدم اور پلا پھر بہار دیکھ

اب وہ نہیں کرم کہ بھرن پڑنے لگ گئی — جوں ابر آ گئے لوگوں کے دامن پسار دیکھ

آنکھوں کو تیری عین کیا سب نے دیدنی — تو سب سے ٹک تو پھیر لے آنکھوں کو یار دیکھ

۱۲۰۰۵ مُحتاجِ گل نہیں ہے گریبانِ غم کشاں — گلزار اشکِ خونیں سے جیب و کنار دیکھ

آنکھیں اُدھر سے مُوند لیں ہیں اب تو شرط ہے — پھر دیکھیو نہ میری طرف ایک بار دیکھ

خالی پڑا ہے خانۂ دولت وزیر کا — باور نہیں تو آصف آصف بیکار دیکھ

خواہش نہ ہووے دل کی جو حاصل تو موت ہے
احوالِ میرؔ دیکھ نہیں جی تو مار دیکھ

## ۱۶۲۴

بندہ[1] ہے یا خدا نہیں اس دلربا کے ساتھ — دیر و حرم میں ہو کہیں ہو ہے خدا کے ساتھ

۱۲۰۱۰ ملتا رہا کشادہ جبیں خوب و زشت سے — کیا آئینہ کرے ہے بسر یاں حیا کے ساتھ

گو دستِ لطف سر سے اُٹھا لے کوئی شفیق — دل کا لگاؤ اپنا ہے دستِ دعا کے ساتھ

تدبیرِ دوستاں سے ہے بالعکس فائدہ — ہے دردِ عاشقی کو خصومت دوا کے ساتھ

کی کُشتی اس کی پاک زبردست عشق نے — جن نے ملائے ہاتھ ٹک ایک اُس بلا کے ساتھ

اوباش لڑکوں سے تو بہت کر چکے معاش — اب عُمر کاٹیے گا کسو میرزا کے ساتھ

کیا جانوں میں چمن کو ولیکن قفس پہ میرؔ
۱۲۰۱۵ آتا ہے برگِ گل کبھو کوئی صبا کے ساتھ

## ۱۶۲۵

عزت و وقار کیا ہے کسو خود نما کے ہاتھ — ہے آبروئے فقیر کی شاہِ ولا کے ہاتھ



[1] آسی: پیدا

بٹھلا دیا فلک نے ہمیں نقشِ پا کے رنگ — اُٹھنا ہمارا خاک سے ہے طلب خدا کے ہاتھ

آنکھوں میں آشنا تھا مگر دیکھا تھا کہیں — تُو گُل کل ایک دیکھا ہے میں نے صبا کے ہاتھ

دیکھ اُس کو مجھ کو یارِ دل نے حیران ہو کہا — کس ڈھب سے لگ گیا ہے یہ گوہر گدا کے ہاتھ

دل کی گرہ نہ ناخنِ تدبیر سے کھلی
عقدہ کھلے گا میرؔ یہ مشکل کشا کے ہاتھ ۱۲۰۲۰

# ی

## ۱۶۲۶

رات کو تھا کعبہ میں مَیں بھی شیخِ حرم سے لڑائی ہوئی — سخت کدورت بیچ میں آئی صبح تلک نہ صفائی ہوئی

تہمت رکھ مستی کی مجھ پر شیخِ شہر کنے لایا — وہ بھی بگڑا حد سے زیادہ سُن کر بات بسنائی ہوئی

شیشہ ان نے گلے میں ڈلوا شہر میں سب تشہیر کیا — ہائے سیہ رُو عاشق کی عالم میں کیسا رسوائی ہوئی

کیسی ہی شکلیں سامھنے آویں مژگاں وا اُودھر نہ کروں — حور و پری پر آنکھ نہیں پڑتی ہے کسو سے لگائی ہوئی

حوصلہ داری کیا ہے اتنی قدرت کچھ ہے خدا ہی کی — عالم عالم جہان جہاں جو غم کی ہم میں سمائی ہوئی ۱۲۰۲۵

دیکھ کے دست و پائے نگاریں چپکے سے رہ جاویں کیوں — مُنھ بولے ہے یارو گویا منھدی اُس کی رچائی ہوئی

دل میں دردِ جگر میں طپیدن سر میں شورِ آشفتہ دماغ — کیا کیا رنج اٹھائے گئے ہیں جب سے اُن سے جدائی ہوئی

ہفتم چرخ سے اُودھر ہو کر عرش کو پہنچی میری دُعا — اور رسائی کیا ہوتی ہے گو کہ کہیں نہ رسائی ہوئی

دودِ دل سوزانِ محبت محو جو ہو تو عرش پہ ہو — دُور بجھے گی یعنی جا کر عشق کی آگ لگائی ہوئی

یہ یہ بلائیں سر پر ہیں تو آج موئے کل دوسرا دن — یاری ہوئی بیماری ہوئی درویشی ہوئی تنہائی ہوئی ۱۲۰۳۰

اتنی لگو [1] چشم کسو کی قہر قیامت آفت ہے — تم نے دیکھی نہیں ہے صاحب آنکھ کوئی شرمائی ہوئی

جب موسم تھا وا ہونے کا تب تو شگفتہ تنک نہ ہوا — اب جو بہت افسردہ ہوا ہے دل ہے کلی مرجھائی ہوئی

اس کی طرف جو لی ہم نے ہے اپنی طرف سے پھرا عالم — یعنی دوستی سے اس بُت کی دشمن ساری خدائی ہوئی

ہم قیدی بھی موسمِ گُل کے کب سے توقع رکھتے تھے — دیر بہار آئی اب کے پہ اسیروں کی نہ رہائی ہوئی

کہنا جو کچھ جس سے ہو گا سامنے میرؔ کہا ہو گا
بات نہ دل میں پھر گئی ہو گی مُنھ پہ میرے آئی ہوئی ۱۲۰۳۵

[1] آسی: اتنے لوگوں بیں

## ۱۶۲۷

مجھ کو مارا بھلا کیا تو نے — پر وفا کا برا کیا تو نے

حسرتیں اُس کی سر پٹکتی ہیں — مرگِ فرہاد کیا کیا تو نے

وہ جو کہتا تھا تو ہی کریو قتل
میر کا سو کہا کیا تو نے

## ۱۶۲۸

آنکھوں کی طرف گوش کی در پردہ نظر ہے — کچھ یار کے آنے کی مگر گرم خبر ہے

۱۲۰۴۰ یہ راہ و روش سرو گلستاں میں نہ ہوگی — اس قامتِ دلچسپ کا انداز دگر ہے

یہ بادیۂ عشق ہے البتّہ اُدھر سے — بچ کر نکل اے پیل[1] کہ یاں شیر کا ڈر ہے

وہ ناوکِ دل دوز ہے لاگو مرے جی کا — تو سامنے ہو ہم دم اگر تجھ کو جگر ہے

کیا پھیل پڑی مدّتِ ہجراں کو نہ پوچھو — مہ سال ہوا ہم کو گھڑی ایک پہر ہے

کیا جان کہ جس کے لیے منھ موڑیے تم سے — تم آؤ چلے داعیہ کچھ تم کو اگر ہے

۱۲۰۴۵ تجھ سا تو سوار ایک بھی محبوب نہ نکلا — جس دلبر خودکام کو دیکھا سو نفر ہے

شب شور و فغاں کرتے گئی مجھ کو تو اب تو — دم کش ہو ٹک اے مرغِ چمن وقتِ سحر ہے

سوچے تھے کہ سودائے محبّت میں ہے کچھ سود — اب دیکھتے ہیں اس میں تو جی ہی کا ضرر ہے

شانے پہ رکھا ہار جو پھولوں کا تو لچکی — کیا ساتھ نزاکت کے رگِ گل سی کمر ہے

کر کام کسو دل میں گئی عرش پہ تو کیا — اے آہِ سحرگاہ اگر تجھ میں اثر ہے

۱۲۰۵۰ پیغام بھی کیا کریے کہ اوباش ہے ظالم — ہر حرفِ میاں دار پہ شمشیر و سپر ہے

ہر بیت میں کیا میر تری باتیں گتھی ہیں
کچھ اور سخن کر کہ غزل سلکِ گہر ہے

## ۱۶۲۹

کیا خانہ خرابی کا ہمیں خوف و خطر ہے — گھر ہے کہ کسو گوشے میں تو مکڑے کا سا گھر ہے

میلان نہ آئینہ کا اس کو ہے نہ گل کا — کیا جانیے اب روئے دلِ یار کدھر ہے

اے شمع اقامت کدہ اس بزم کو مت جان — روشن ہے ترے چہرے سے تو گرمِ سفر ہے



[1] نسخۂ کلکتہ: سیل

اس عاشق دیوانہ کی مت پوچھ معیشت — دنداں بجگر دست بدل داغ بسر ہے ۱۲۰۵۵

کیا آگ کی چنگاریاں سینے میں بھری ہیں — جو آنسو مری آنکھ سے گرتا ہے شرر ہے

ڈر جان کا جس جا ہے وہیں گھر بھی ہے اپنا — ہم خانہ خرابوں کو تو یاں گھر ہے نہ در ہے

کیا پرسش احوال کیا کرتے ہو اکثر — ظاہر ہے کہ بیمار اجل روز بتر ہے

رہتی ہیں الم ناک ہی وے آنکھیں جو اچھی — بدچشم کسو شخص کی شاید کہ نظر ہے

دیدار کے مشتاق ہیں سب جس کے اب اُس کی — کچھ شورش ہنگامۂ محشر میں خبر ہے ۱۲۰۶۰

سب چاہتے ہیں رُشد مرا یُوں تو پر اے میؔر
شاید یہی اک عیب ہے مانع کہ ہُنر ہے

## ۱۶۳۰

کیا کہیے کچھ بن نہیں آتی جنگل جنگل ہو آئے — پچھانہہ میں جاکر بوٹوں[1] کی ہم عشق و جنوں کو رو لائے

دل کی تلاش میں اٹھ کے گئے تھے شاید یاں پیدا ہووے — جان کا اپنی گرامی گوہر اُس کی گلی میں کھو آئے

آہوئے عرفاں صید انھوں کا گر نہ ہوا نقصان کیا — اُس عالم سے اس عالم میں کسب کمال کو جو آئے

کچھ کہنے کا مقام نہ تھا وہ وا ہوتا تو کہتے کچھ — آنا نہ آنا یکساں تھا واں ہوتے اُدھر ہم گو آئے ۱۲۰۶۵

سب کہتے ہیں جبین کرے گا کچھ بھی نہ دیکھا جز سختی — پتھّر رکھ کے سر تلے ہم ٹک اُس کی گلی میں سو آئے

کیا ہی دامن گیر تھی یارب خاکِ بسمل گاہ وفا — اُس ظالم کی تیغ تلے سے ایک گیا تو دو آئے

سر دینا ٹھہرا کر ہم نے پاؤں کو باہر رکھا تھا
ہر سو ہو دشوار ہے پھرنا میؔر ادھر اب تو آئے

## ۱۶۳۱

جوں ابر بے کسانہ رُوتے اٹھے ہیں گھر سے — برسے ہے عشق اپنے دیوار اور در سے

جمہور راہ اس کی دیکھا کرے ہے اکثر — محفوظ رکھ الٰہی اُس کو نظر گزر سے ۱۲۰۷۰

وحش اور طیر آنکھیں ہر سو لگا رہے ہیں — گردِ رہ اس کی دیکھیں اٹھ چلتی ہے کدھر سے

شاید کہ وصل اس کا ہووے تو جی بھی ٹھہرے — ہوتی نہیں ہے اب تو تسکینِ دل خبر سے

مُدّت سے چشم بستہ بیٹھا رہا ہوں لیکن — وہ رُوے خوب ہرگز جاتا نہیں نظر سے

گو ہاتھ وہ نہ آوے دل غم سے خون کرنا — ہے لاگ میرے جی کو اُس شوخ کی کمر سے



[1] آسی: پھولوں کی

۱۲۰۷۵ یہ گُل نیا کھِلا ہے ٹُٹے[1] بال تو قفس میں  کوئی کلی نہ نکلے[2] مرغِ چمن کے پر سے

دیکھو نہ چشمِ کم سے یہ آنکھ ڈُبڈبائی  سیراب ابر ہوتے دیکھے ہیں چشمِ تر سے

گلشن سے لے قفس تک آواز ایک سی ہے  کیا طائرِ گلستاں ہیں نالہ کش اثر سے

ہر ایک خراش ناخن جبہے سے صدر تک ہے  رجھوار ہو تو پوچھے کوئی ہمیں ہنر سے

یہ عاشقی ہے کیسی ایسے جیوگے کب تک
ترکِ وفا کرو ہو مرنے کے میرؔ ڈر سے

## ۱۶۳۲

۱۲۰۸۰ بس کہ ہے گردونِ دوں پرورد دنی  ہووے پیوندِ زمیں یہ رفتنی

بزم میں سے اب تو چل اے رشکِ صبح  شمع کے اوپر پھری ہے مُردنی

میں چراغِ صبح گاہی ہوں نسیم!  مجھ سے اک دم کے لیے کیا دُشمنی

مجھ سا محنت کش محبت میں نہیں  ہر زماں کرتا رہا ہوں جاں کنی

کچھ گدا شاعر نہیں ہوں میرؔ میں
تھا مرا سرمشق' دیوانِ غنیؔ

## ۱۶۳۳

۱۲۰۸۵ بسانِ برق وہ جھمکے دکھاوے  وَلے دل شرط ہے جو تاب لاوے

اُڑاتا گرد تھی وہ باہر نہ آوے  مبادا مجھ کو بھی گڈّا بناوے

صبا سے میں جو لگ چل کر گیا واں  ہَوا کھاوے کہا آنے نہ پاوے

نزاکت سے بہت ہے کم دماغی  رکھے پگڑی پہ گُل تیوری چڑھاوے

بزن گاہ اُس کُشندے کی گلی ہے  وہی جاوے جو لوہو میں نہاوے

۱۲۰۹۰ نہ پوچھو فرشِ راہ کیا ہووے اُس کا  جو اہلِ دل ہو تو آنکھیں بچھاوے

بلا مغرور ہے وہ آتشیں خو  بہت منّت کرو تو جی جلاوے

پڑا تڑپا کیا میں دو دوپہر دن[3]  عجب کیا ہے جو پاس اپنے بلاوے

بتانِ دیر سے ایسی نہیں لاگ
خدا ہی ہو تو کعبے میرؔ جاوے



[1] آسی: بے بال [2] آسی: نکلی [3] آسی: دوپہر دن

## ۱۶۳۴

کیا خط لکھوں میں رونے سے فرصت نہیں رہی — لکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت بہی بہی

میدانِ غم میں قتل ہوئی آرزوئے وصل — تھی اپنے خاندانِ[۱] تمنا میں اک یہی ۱۲۰۹۵

اپنا لکھا ہے یاد مجھے میری بات بھول — قاصد نے جا کے یار سے کچھ اور ہی کہی

شب شور کرنے میں جو سماجت کی تنگ ہو — کہنے لگا کہ مارو اسے یہ تو ہے وہی

مت بہہ نمک حرام تو داغوں سے ساز کر
اے زخم کہنہ میر کی خاطر ہی یوں سہی

## ۱۶۳۵

نہ بک شیخ اتنا بھی واہی تباہی — کہاں رحمتِ حق کہاں بے گناہی

ملوں کیونکہ ہم رنگ ہو تجھ سے اے گل — ترا رنگ شعلہ مرا رنگ کاہی ۱۲۱۰۰

مجھے میر تا گور کاندھا دیا تھا
تمنائے دل نے تو یاں تک نباہی

## ۱۶۳۶

ادھر مطرب کا عودی رنگ کب طناز آتا ہے — عجب ہیں، لوگ جو کہتے ہیں وہ ناساز آتا ہے

خبر ہے شرط اتنا مت برس اے ابر بارندہ — ہمیں بھی آج رونا درد دل پرداز آتا ہے

اٹھے ہے گرد معشوقانہ اس تربت سے عاشق کی — کبھو ٹک جس کے اوپر وہ سراپا ناز آتا ہے

عجب رنگِ حنا طائر ہے دست آموز خوباں کا — اڑے ہے تو بھی ہاتھوں ہی میں کر پرواز آتا ہے ۱۲۱۰۵

وہی نازاں خراماں کبک سا آیا مری جانب — کوئی مغرور وہ شوخی سے اپنی باز آتا ہے

رہائی اپنی ہے دشوار کب صیاد چھوڑے ہے — اسیرِ دام ہو طائر جو خوش آواز آتا ہے

اگر مسجد سے آؤں میر تو بھی لوگ کہتے ہیں
کہ میخانے سے پھر دیکھو وہ شاہد باز آتا ہے

## ۱۶۳۷

اس کے رنگِ چمن میں شاید اور کھلا ہے پھول کوئی — شور طیور اٹھتا ہے ایسا جیسے اٹھے ہے بول کوئی

یوں پھرتا ہوں وحشت و در میں دور اس سے میں سرگشتہ — غم کا مارا آوارہ جوں راہ گیا ہو بھول کوئی ۱۲۱۱۰



[۱] آسی: خانماں

ایک کہیں سر کھینچے ہے ایسا جس کی کریں سب پابوسی ۔۔۔ ہو ہر اک کو قبول ولیکن یہ نہ کرے گا قبول کوئی

کس اُمید کا تجھ کو اے دل چاہ میں اس کی حصول ہوا ۔۔۔ شوخ و شلائیں خوشرویاں سے رہتا ہے مامول کوئی

لنبے اُس کے بالوں کا میں وصف لکھا ہے دور تلک ۔۔۔ حرف[1] مار تو طولانی تھا پھر بھی و[2]ے ہے طول کوئی

مستی حُسن پرستی رندی یہی عمل ہے مدت سے ۔۔۔ پیر کبیر ہوئے تو کیا ہے چھوٹے ہے معمول کوئی

حرف و حکایت شکر و شکایت تھی اِک وضع و وتیرہ پر

۱۲۱۱۵ میؔر کو جا کر دیکھا ہم نے ہے مرد معقول کوئی

## ۱۶۳۸

پتّا پتّا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے ۔۔۔ جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

لگنے نہ دے بس ہو تو اُس کے گوہرِ گوش کو بالے تک ۔۔۔ اُس کو فلک چشمِ مہ و خور کی پُتلی کا تارا جانے ہے

آگے اُس متکبّر کے ہم خدا خدا کیا کرتے ہیں ۔۔۔ کب موجود خدا کو وہ مغرور خود آرا جانے ہے

عاشق سا تو سادہ کوئی اور نہ ہوگا دنیا میں ۔۔۔ جی کے زیاں کو عشق میں اُس کے اپنا وارا جانے ہے

۱۲۱۲۰ چارہ گری بیماری دل کی رسمِ شہرِ حُسن نہیں ۔۔۔ ورنہ دلبرِ ناداں بھی اس درد کا چارا جانے ہے

کیا ہی شکار فریبی پر مغرور ہے وہ صیاد بچّہ ۔۔۔ طائر اڑتے ہوا میں سارے اپنی اُسارا جانے ہے

مہر و وفا و لطف و عنایت ایک سے واقف ان میں نہیں ۔۔۔ اور تو سب کچھ طنز و کنایہ رمز و اشارا جانے ہے

عاشق تو مُردہ ہے ہمیشہ جی اُٹھتا ہے دیکھے اُسے ۔۔۔ یار کے آ جانے کو یکایک عُمر دوبارا جانے ہے

کیا کیا فتنے سر پر اس کے لاتا ہے معشوق اپنا ۔۔۔ جس بے دل بے تاب و تواں کو عشق کا مارا جانے ہے

۱۲۱۲۵ رخنوں سے دیوارِ چمن کے مُنھ کو لے ہے چھپا یعنی ۔۔۔ ان سوراخوں کے ٹک رہنے کو سو کا نظارا جانے ہے

تشنۂ خوں ہے اپنا کتنا میؔر بھی ناداں تلخی کش

دمدار آبِ تیغ کو اُس کے آبِ گوارا جانے ہے

## ۱۶۳۹

جب جل گئے تب اُن نے کینے کی ادا کی ہے ۔۔۔ چال ایسی چلا جس پر تلوار چلا کی ہے

خلقت مگر اُلفت سے ہے شورشِ سینہ کی ۔۔۔ چسپاں مری چھاتی سے دن رات رہا کی ہے

ہم لوگوں کے لوہو میں ڈوبی ہی رہی اکثر ۔۔۔ اس تیغ کی جدول بھی کیا تیز بہا کی ہے

عشاق مُوئے پر بھی ہجراں میں معذب ہیں ۔۔۔ مدفن میں مرے ہر دم اک آگ لگا کی ہے



[1] آسی: طرف [2] آسی: دے ہے:

صد رنگ بہاراں میں اب کی جو کھلے ہیں گل
یہ لطف نہ ہوا ایسی رنگینی ہوا کی ہے

مرنے کو رہے حاضر سو مارے گئے آخر
گو اُن نے جفا کی ہے ہم نے تو وفا کی ہے

مایوس ہی رہتے ہیں بیمار محبت کے
اس درد کی مدت تک ہم نے بھی دوا کی ہے

آنا اِدھر اُس بت کا کیا میری کشش سے ہے
ہو موم جو پتھر تو تائید خدا کی ہے

• دامانِ دراز اُس کا جوں صبح نہیں کھینچا
۱۲۱۳۵
اے میر یہ کوتاہی شب دست دعا کی ہے

## ۱۶۴۰

ملو ان دنوں ہم سے اک رات جانی
کہاں ہم کہاں تم، کہاں پھر جوانی

شکایت کروں ہوں تو سونے لگے ہے
مری سرگذشت اب ہوئی ہے کہانی

ادا کھینچ سکتا ہے بہزاد اُس کی
کھنچے صورت ایسی تو یہ ہم نے مانی

ملاقات ہوتی ہے تو کش مکش سے
یہی ہم سے ہے جب نہ تب اینچا تانی

بسنتی قبا پر تری مر گیا ہے
۱۲۱۴۰
کفن میر کو دیجیو زعفرانی

## ۱۶۴۱

بے اُس کے تیرے حق میں کوئی کیا دعا کرے
عاشق کہیں شتاب تو ہووے خدا کرے

اے سرو مہر کوئی مرے رہ تو گرم ناز
پرسش کسو سے حال کی تیری بلا کرے

دامن بہت وسیع ہے آنکھوں کا اے سحاب!
لازم ہے تجھ کو ان ہی کا پانی بھرا کرے

آکر بکھیرے پھول مری مشتِ خاک پر
مرغِ چمن اگر حق صحبت ادا کرے

پتھر کی چھاتی چاہیے ہے میر عشق میں
۱۲۱۴۵
جی جانتا ہے اس کا جو کوئی وفا کرے

## ۱۶۴۲

عالم عالم عشق و جنوں ہے دنیا دنیا تہمت ہے
دریا دریا روتا ہوں میں صحرا صحرا وحشت ہے

ہم تو عشق میں ناکس ٹھہرے کوئی نہ ایدھر دیکھے گا
آنکھ اٹھا کر وہ دیکھے تو یہ بھی اس کی مروت ہے

ہائے غیوری جس کے دیکھے جی ہی نکلتا ہے اپنا
دیکھیے اُس کی اور نہیں پھر عشق کی یہ بھی غیرت ہے

کوئی دم رونق مجلس کی اور بھی ہے اس دم کے ساتھ
یعنی چراغ صبح سے ہیں ہم دم اپنا بھی غنیمت ہے

۱۲۱۵۰ خط آئے ظاہر ہے ہم پر بگڑی بھی اچھی صورت تھی
بارے کھونا کام ہی ہو یا کام کی بھی کچھ صورت ہے

ایک ورق پر تصویریں ہیں دیکھی ہیں لیلی و مجنوں کی
ایسی صورت حال کی اپنے اُن دونوں کو حیرت ہے

خاک کو آدم کرکے اٹھایا جس کے دستِ قدرت نے
قدر نہیں کچھ اس بندے کی یہ بھی خدا کی قدرت ہے

صبح سے آنسو نومیدانہ جیسے وداعی آتا تھا
آج کسو خواہش کی شاید دل سے ہمارے رخصت ہے

کیا دل کش ہے بزم جہاں کی جاتے یاں سے جسے دیکھو
وہ غم دیدہ رنج کشیدہ آہ سراپا حسرت ہے

جب کچھ اپنے کنے رکھتے تھے تب بھی صرف تھا لڑکوں کا
۱۲۱۵۵
اب جو فقیر ہوئے پھرتے ہیں میر انھیں کی دولت ہے

## ۱۶۴۳

عشق کیا سو جان چلی ہے اُلفت تھی یا کلفت تھی
کوٹے گئے ہیں سب اعضا یہ محبت تھی یا محنت تھی

اب تو نڈھال پڑے رہتے ہیں ضُعف ہی اکثر رہتا ہے
آئے گئے اُس کے کوچے میں جب تک جی میں طاقت تھی

آبِ حیات وُہی نہ جس پر خضر و سکندر مرتے رہے
خاک سے ہم نے بھرا وہ چشمہ یہ بھی ہماری ہمت تھی

آنسو ہو کر خونِ جگر کا بے تابانہ آیا تھا
شاید رات شکیبائی کی جلد بہت کچھ رخصت تھی

جب سے عشق کیا ہے میں نے سر پر میرے قیامت ہے
۱۲۱۶۰
ساعت دل لگنے کی ساعت نحس ترین ساعت تھی

## ۱۶۴۴

یاری کرے جو چاہو کسو سے غم ہی غم یاری میں ہے
بے مَوقع یاں آہ و فغاں ہے بے اثری زاری میں ہے

ہاتھ لیے آئینہ تجھ کو حیرت ہے رعنائی کی
ہے بھی زمانہ ہی ایسا ہر کوئی گرفتاری میں ہے

باغ میں شب جو روتا پھرتا ہوں اس بن میں سو صبح تلک
دانۂ اشک روش شبنم کے گُل پر ہر کیاری میں ہے

صورتیں بگڑیں کتنی کیوں نہ اُس کو توجہ کب ہے وہ
سامنے رکھے آئینہ مصروف طرحداری میں ہے

میر کوئی اس صورت میں امید بھی کیا رکھے
۱۲۱۶۵
ایک جراحت سینے کی میرے ہر زخم کاری میں ہے

## ۱۶۴۵

دل بھی بھرا رہتا ہے میرا جی بھی رندھا کچھ جاتا ہے
کیا جانوں میں روؤں گا کیسا دریا چڑھتا آتا ہے

سچ ہے وہ جو کہا کرتا ہے کون ہے تو کیا سمجھے ہمیں
بیگانے تو ہیں ہی ہم وے نانو کا چاہ کا ناتا ہے

تو بلبل آزردہ نہ ہو گل پھول سے باغِ بہاراں میں
رنج کشِ اُلفت ہے عاشق جی اپنا بہلاتا ہے

عشق و محبت کیا جانوں میں لیکن اتنا جانوں ہوں
اندر ہی سینے میں میرے دل کو کوئی کھاتا ہے

عاشق اپنا جان لیا ہے اُن نے شاید میر ہمیں
دیکھ بھری مجلس میں اپنی ہم ہی سے شرماتا ہے ۱۲۱۷۰

## ۱۶۴۶

اس مغرور کو کیا ہوتا ہے حالِ شکستہ دکھائے سے
جس کو شبہ ہووے نہ ہرگز جی کے ہمارے جائے سے

کیسا کیسا ہو کے جدا پہلو سے اُس بن تڑپا ہے
کیا پوچھو ہو آئی قیامت سر پر دل کے لگائے سے

یُمنِ تجرد سے میں اپنے روز جہاں سے گزرتا ہوں
وحشت ہے خورشید نمط اپنے بھی مجھ کو سائے سے

ہر کوے و ہر برزن میں یا پھر پھر وہ جویاں تھا
یارب ننگ اُسے آتا ہے پاس ہمارے آئے سے

ایک جراحت کیا تسکیں دے موت کے بھوکے صید نہیں
شاید دل ہو تسلّی اس کا زخمِ دگر کے کھائے سے ۱۲۱۷۵

رنج و عنا پُر درد و بلا پر صبر کیے ہم بیٹھے ہیں
کلفتِ اُلفت جاتی رہی کیا جور و ستم کے اُٹھائے سے

اوّل تو آتے ہی نہیں ہو اور کبھو جو آتے ہو
نیچی آنکھیں کیے پھرتے ہو مجلس میں شرمائے سے

جھگڑا ناز و نیاز کا سن کر بے مزہ ہم سے تم تو ہوئے
میر سخن کو طول نہ دو بس بات بڑھے ہے بڑھائے سے

## ۱۶۴۷

گردش دلوں کی کم نہ ہوئی کچھ کڑے ہوئے
روزے رکھے غریبوں نے تو دن بڑے ہوئے

نرمی سے کوئے یار میں جاوے تو جا نسیم!
ایسا نہ ہو کہ اکھڑیں کہیں دل گڑے ہوئے ۱۲۱۸۰

آہن دلوں نے مارا ہے جی غم میں اُن کے ہم
پھرتے ہیں لعل سینوں پر اپنے جڑے ہوئے

آئے ہو بعدِ صلح کبھو ناز سے تو یاں
مُنھ پھیر ادھر سے بیٹھے ہو جیسے لڑے ہوئے

بیمار اُمید وار سے بستر پہ اپنے ہم
دروازے ہی کی اور نگیں ہیں پڑے ہوئے

بار اُس کی بزم میں نہیں ناچار در پہ ہم
رہتے ہیں جیسے صورتِ دیوار اٹھے ہوئے

ہم زیرِ تیغ بیٹھے تھے پر وقتِ قتل میر
وے ٹک ہمارے پاس نہ آ کر کھڑے ہوئے ۱۲۱۸۵

## ۱۶۴۸

عہدِ جنوں ہے موسمِ گُل کا اور شگوفہ لایا ہے
ابرِ بہاری وادی سے اُٹھ کر آبادی پر آیا ہے

سُن کر میرے شورِ شب کو جھنجھلا کر وہ کہنے لگا
نالے اس کے فلک تک پہنچے کن نے اس کو ستایا ہے

دکھن، اُتر، پُورب، پچھم ہنگامہ ہے سب جاگہ
اُودھم میرے حرف و سخن نے چاروں اور مچایا ہے

بے حشمت و رو ہو بیٹھے ہو وجہ نہیں ہے ظاہر کچھ
کام کی صورت بگڑی ہماری منھ کیوں تم نے بنایا ہے

۱۲۱۹۰ ظلم و ستم سب سہل ہیں اس کے ہم سے اٹھتے ہیں کہ نہیں
لوگ جو پُرسشِ حال کریں ہیں جی تو انھوں نے کھایا ہے

ہو کے فقیر تو واں بیٹھے ہیں رہتے ہیں اشرافِ جہاں
ہم نے توکّل بخت کیا ہے نامِ خدا سرمایا ہے

برسوں ہم درویش رہتے ہیں پردے میں دُنیاداری کے
ناموس اس کی کیونکہ رہے یہ پروا جن نے اٹھایا ہے

ڈھونڈ دہ نکالا تھا جو اُسے سو آپ کو بھی ہم کھو بیٹھے
جیسا نہال لگایا ہم نے ویسا ہی پھل پایا ہے

میرِ غریب سے کیا ہو معارض گوشے میں اس وادی کے
ایک دِیا سا جُھمتا ان نے داغِ جگر پہ جلایا ہے

## ۱۶۴۹

۱۲۱۹۵ دل کی لاگ بُری ہوتی ہے رہ نہ سکے ٹک جائے بھی
آئے بیٹھے اُٹھ بھی گئے بے تاب ہوئے پھر آئے بھی

آنکھ نہ ٹک مَیلی ہوئی اپنی مطلق دل بے جا نہ ہوا
دل کی مصیبت کیسی کیسی کیا کیا رنج اٹھائے بھی

ٹھنڈے ہوتے نہ دیکھے ہرگز ویسے ہی جلتے رہتے ہیں
تلوے حنائی اس کے ہم نے آنکھوں سے سہلائے بھی

رنگ نہیں ہے منھ پہ کسی کے بادِ خزاں ہے گلستاں میں
برگ و بار گرے بکھرے ہیں گل غنچے مُرجھائے بھی

نفع کبھو دیکھا نہیں ہم نے ایسے خرچ اٹھانے پر
دل کے گداز سے لوہو روئے داغِ جگر پہ جلائے بھی

۱۲۲۰۰ عشق میں اس کے جان مری مشتاق پھرے گی بھٹکی ہوئی
شوق اگر ہے ایسا ہی تو چین کہاں مر جائے بھی

تاجر ترک فقیر ہوئے اب شاعر عالم کامل ہیں
پیش گئی کچھ میر نہ اپنے سوانگ بہت سے لائے بھی

## ۱۶۵۰

کوئی نام اس کا نہ لو جبر ہے
کہ بے تاب دل کی بنا صبر ہے

نہ سوزِ جگر خاک میں بھی گیا
موئے پہ پُر آتش مری قبر ہے

گلستاں کے ہیں دونوں پلّے بھرے
بہار اس طرف، اس طرف ابر ہے

جو درویش پہنے ہے ببری لباس    تو پھر علینہ شیر ہے ببر ہے    ۱۲۲۰۵

درِ کعبہ پر کفر بکتا ہے میر
مسلماں نہیں وہ کہن گبر ہے

## ۱۶۵۱

ظلم سہے ہیں داغ ہوئے ہیں، رنج اٹھے ہیں درد کھنچے    اب وہ دل میں تاب نہیں جو لب تک آہِ سرد کھنچے

جیتے جی میت کے رنگوں عشق میں اُس کے ہو بیٹھا    بعد مرے نقاش سے شاید صورت میری زرد کھنچے

خاک ہوئی تھی سرکشی اپنی جوں کی توں اپنی طبیعت میں
میر عجب کیا ہے اس کا تاگرو ہوں جو یہ گرد کھنچے

## ۱۶۵۲

عشق اگر ہے مردِ میداں مرد کوئی عرصے میں لائے    یکسران نامردوں کو جو ایک ہی تک تک پا ہیں اٹھائے    ۱۲۲۱۰

کارِ عدالت شہر کا ہم کو اک دن دو دن ہووے تو پھر    چاروں اور منادی کریے کوئی کسی سے دل نہ لگائے

پر کے اسیرِ دام ہوئے تھے نکلے ٹوٹی شکن کی راہ    اب کی دیکھیں موسمِ گل کا کیسے کیسے شگوفے لائے

بھوکھے مرتے منھ میں تلخیِ صفرا پھیل گئی    بے ذوقی میں ذوق کہاں جو کھانا پینا مجھ کو بھائے

گھر سے نکل کر کھڑے کھڑے پھر جاتا ہوں میں یعنی میر
عشق و جنوں کا آوارہ حیران پریشاں کیدھر جائے

## ۱۶۵۳

ہم پہ خشم و خطاب ہے سو ہے    وہ ہی ناز و عتاب ہے سو ہے    ۱۲۲۱۵

گرچہ گھبرا کے لب پہ آئی و لے    جان کو اضطراب ہے سو ہے

بس گئی جاں خراب مدت کی    حال اپنا خراب ہے سو ہے

خشکیِ لب کی ہے تری کیسی    چشم لیکن پُر آب ہے سو ہے

خاک جل کر بدن ہوا ہے سب    دل جلا سا کباب ہے سو ہے

کر گئے کاروانیاں شب گیر    وہ گراں مجھ کو خواب ہے سو ہے    ۱۲۲۲۰

یاں تو رسوا ہیں کیسا پردۂ شرم    اُس کو ہم سے حجاب ہے سو ہے

دشمنِ جاں تو ہے دلوں میں بہم    دوستی کا حساب ہے سو ہے

زُلفیں اُس کی ہوا کریں برہم | ہم کو بھی پیچ و تاب ہے سو ہے

خاک میں مِل کے پست ہیں ہم تو | اُن کی عالی جناب ہے سو ہے

شہر میں در بدر پھرے ہے عزیز

۱۲۲۲۵ مِیرؔ ذلّت کا باب ہے سو ہے

چلتے ہوئے تسلّی کو کچھ یار کہہ گئے **۱۶۵۴** اس قافلے میں ہم بھی تھے افسوس رہ گئے

کیا کیا مکان شاہ نشین تھے وزیر کے | وہ اُٹھ گیا تو یہ بھی گرے بیٹھے ڈھ گئے

اُس کج روش سے مِلنا خرابات میں نہ تھا | بے طَور ہم بھی جا کے ملے بے جگہ گئے

وَے زور وَر جواں جنھیں کہیے پہاڑ تھے | جب آئی مَوجِ حادثہ تنکے سے بہ گئے

وہ یار تو نہ تھا نہ دل سے کسو کا مِیرؔ

۱۲۲۳۰ ناچار اُس کے جور و ستم ہم بھی سہ گئے

## ۱۶۵۵

ہائے جوانی وصل میں اُس کے کیا کیا لذّت پاتے تھے | بوسۂ کُنجِ لب سے پھر بھی ذائقے اپنے بناتے تھے

کیا کیا تم نے فریب کیے ہیں سادگی میں دل لینے کو | ٹیڑھی کر کے کُلاہ آتے تھے مَے ناخوردہ ماتے تھے

ہائے جُدائی ایک ہی جاگہ مار کے ہم کو توڑ رکھا | وے دن یاد آتے ہیں اب جب اُن کے آتے جاتے تھے

غیروں کی تم سنتے رہے سو غیریّت ہم سہتے رہے | وے تو تم کو لگا جاتے تھے تم آ ہم کو جلاتے تھے

۱۲۲۳۵ رنج و الم غمِ عشق ہی کے اعجاز سے کھنچتے تھے ورنہ | حوصلہ کتنا اپنا جس میں یہ آزار سماتے تھے

وے دن کیسے سالتے ہیں جو آ کر سوتے پاتے کبھو | آنکھوں سے ہم سہلا سہلا تلوے اُس کو جگاتے تھے

چاہت روگ بُرا ہے جی کا مِیرؔ اس سے پرہیز بھلا

اگلے لوگ سُنا ہے ہم نے دل نہ کسو سے لگاتے تھے

## ۱۶۵۶

بات ہماری یاد رہے جی بھولا بھولا جاتا ہے | وحشت پر جب آتا ہے تو جیسے بگولا جاتا ہے

تھوڑے سے پانی میں ہیں نے سر کھینچی ہے جیسے حباب | کہتے ہیں بے تہ مجھ کو کیا اپھرا پھولا جاتا ہے

گام کی صورت کیا ہے اُس کی راہ چلے ہے مِیرؔ اگر

دیکھنے والے کہتے ہیں یہ کوئی ہیولا جاتا ہے

اس تک کوشش سے بھی نہ پہنچے جان سمجھ آخر سارے گئے — عاشق اُس کے قامت کے بالا بالا مارے گئے

اُس کی رُوئے خوئے کر وہ پر نقاب لیے وہ صورت ہے — جیسے یکایک سطح ہوا پر بدلی آئی تارے گئے

ایسے قماری سے دل کو لگا کر جیتے رہنا ہو نہ سکا — رفتۂ شاہد بازی اُس کے جی بھی اپنا ہارے گئے

چارہ گر اس شہر کے ہوں تو فکر کریں آبادی کا — یارب بستے تھے جو یہاں وے لوگ کہاں بیچارے گئے

مشکل میر نظر آتا تھا اُٹھنا بارِ امانت کا
آئے ہم تو سہولت سے وہ بوجھ اُٹھا کر بارے گئے ۱۲۲۴۵

## ۱۶۵۸

عیدیں آئیں بارہا لیکن نہ وے آکر ملے — رہتے ہیں اُن کے گلے لگنے کے برسوں سے گلے

اس زمانے کی تری سے لہر بحر اگلی کہاں — بے تہی کرنے لگے دریا دلوں کے حوصلے

غنچگی میں دیکھے ہیں صد رنگ جورِ آسماں — اب جو گل سا بکھرا ہوں دیکھوں کیسا گل کھلے

سارے عالم کے حواسِ خمسہ میں ہے انتشار — ایک ہم تم ہی نہیں معلوم ہوتے وہ دلے

میر طے ہوگا بیابانِ محبت کس طرح
راہ ہے پرخار میرے پاؤں میں ہیں آبلے ۱۲۲۵۰

## ۱۶۵۹

کیسی سعی و کوشش سے کعبے گئے بتخانے سے — اس گھر میں کوئی بھی نہ تھا شرمندہ ہوئے ہم جانے سے

دامن پر فانوس کے تھا کچھ یوں ہی نشاں خاکستر کا — شوق کی میں جو نہایت پوچھی جان جلے پروانے سے

ننگے سامنے آتے تھے تو کیا کیا زجر اٹھاتے تھے — ننگ لگا ہے لگنے انھیں اب بات ہماری ماننے سے

پاسِ غیرت تم کو نہیں کچھ دریا پرسشِ غیر کو تم — گھر سے اُٹھ کے چلے جاتے ہو نہانے کے بھی بہانے سے

تم نے کہا مر رہ بھی جا کر بندہ جا کر مر ہی رہا — کس دن میں نے عدول کیا ہے صاحب کے فرمانے سے ۱۲۲۵۵

سوکھ کے ہوں لکڑی سے کیوں نہ زرد و زبوں ہم عاشق زار — کچھ نہیں رہتا انساں میں ہر لحظہ غم کے کھانے سے

جب دیکھو تب تربتِ عاشق جھگڑے سے ہے تزلزل میں — عشق ہے بادِ صرصر گویا اُن کی خاک اڑانے سے

برسوں میں پہچان ہوئی تھی سو تم صورت بھول گئے — یہ بھی شرارت یاد رہے گی ہم کو نہ جانا جانے سے

سُنی سنائی بات سے واں کی کب جیتے ہیں ہم غافل — دونوں کان بھرے ہیں اپنے بے تہیاں کے فسانے سے

میر کی تیزی کیا سلجھے گی حرف و سخن میں گنجلک ہے
کوئی بھی عاقل اُلجھ پڑے ہے ناصح ایسے دیوانے سے ۱۲۲۶۰

## ۱۶۶۰

گئے روزے اب دید وادید ہے گلے سے ہمارے مِلو عید ہے
گریزاں ہوں سائے سے خورشید ساں جہاں جب سے ہے مجھ کو تجرید ہے
تصرف میں جب ڈال دیتے ہیں بات خدارس کہیں ہیں یہ توحید ہے
جو آویں بُتاں جذب سے یاں تو یہ خُدا کی طرف ہی کی تائید ہے
لپیٹا ہے میں بوریائے نماز
یہی میر جانے کی تمہید ہے ۱۲۲۶۵

## ۱۶۶۱

ہجر میں خوں ہُوا تھا سب غم سے دل نے پہلو تہی کیا ہم سے
عالمِ حُسن ہے عجب عالم چاہیے عشق اس بھی عالم سے
طرح چھریوں کی پلکوں سے ڈالی نکلی تلوار ابرؤ کے خم سے
نسبت اُن بالوں کی دُرست ہوئی دیر میں میرے حالِ درہم سے
درپے خون میر کے نہ رہو
ہو بھی جاتا ہے جُرم آدم سے ۱۲۲۷۰

## ۱۶۶۲

اٹھکھیلیوں سے چلتے طفلی میں جان مارے نام خدا ہُوا ہے اب وہ جوان بارے
اپنی نیاز تم سے اب تک بُتاں وہی ہے تم ہو خدائے باطل ہم بندے ہیں تمھارے
ٹھہرے ہیں ہم تو مجرم ٹک پیار کر کے تم کو تُم سے بھی کوئی پُوچھے تم کیوں ہوئے پیارے
کل تک جو سیر میں تھا کیا پھول پھول بیٹھے بُلبل لیے ہیں گویا گلزار سب اجارے
۱۲۲۷۵ کرتا ہے ابرِ نیساں پُر خُود دہن صدف کا مُنھ جو کوئی پسارے ایسے کنے پسارے
اے کاش غور سے وہ دیکھے کبھو ٹک آکر سینے کے زخم اب تو غائر ہوئے ہیں سارے
چپکا چلا گیا میں آزردہ دل چمن سے کس کو دماغ اتنا بُلبل کو جو پُکارے

میدان عشق میں سے چڑھ گھوڑے کون نکلا — مارے گئے سپاہی بھتنے ہوئے اتارے
جو مر رہے ہیں اُس پر اُن کا نہیں ٹھکانا — کیا جانیے کہاں وے پھرتے ہیں مارے مارے
کیا برچھیاں چلائیں آہوں نے نیم شب کی — رخنے ہیں آسماں میں سالم نہیں ستارے ۱۲۲۸۰

ہوتی ہے صبح جو یاں ہے شام سے بھی بدتر
کیا کہیے میر خوبی ایام کی ہمارے

## ۱۶۶۳

کیا کہیے ویسی صورت گاہے نظر نہ آئی — ایسے گئے کہ اُن کی پھر کچھ خبر نہ آئی
روٹھے جو تھے سو ہم سے روٹھے ہوئے ودائی — کیا رنج ہے ہمیں تو منت بھی کر نہ آئی
طالع کا مکث دیکھو آئی صبا جو واں سے — چاروں طرف پھر آئی لیکن ادھر نہ آئی
جی میں جو کچھ کسو کے آوے سو باندھ جاوے — اپنے خیال میں تو اس کی کمر نہ آئی ۱۲۲۸۵

کیا رات دن کٹے ہیں ہجراں کی بے خودی میں
سدھ اپنی میر اس بن دو دوپہر نہ آئی

## ۱۶۶۴

داد فریاد جا بجا کریے — شاید اُس کے بھی دل میں جا کریے
اب سلگنے لگی ہے چھاتی بھی — یعنی مدت پڑے جلا کریے
چشم و دل، جان مائل خوباں — بدی یاروں کی کیا کیا کریے
دیکھیں کب تک رہے ہے یہ صحبت — گالیاں کھائیے دعا کریے ۱۲۲۹۰
کچھ کہیں تو کہے ہے یہ نہ کہو — کیونکر اظہار مدعا کریے
اتفاق ان کا مارے ڈالے ہے — ناز و انداز کو جدا کریے
عید ہی کاشکے رہے ہر روز — صبح اس کے گلے لگا کریے
راہ تکنے کو بھی نہایت ہے — منتظر کب تلک رہا کریے
ہستی موہوم و یک سر و گردن — سیکڑوں کیونکہ حق ادا کریے ۱۲۲۹۵
وہ نہیں سرگزشت سنتا میر — یوں کہانی سی کیا کہا کریے
مترتب ہو نفع جو کچھ بھی — دل کی بیماری کی دوا کریے

سو تو ہر روز ہے بُرا احوال
مُنحصر ہیں آہ کیا کریے

## ١٦٦٥

دو چار روز آگے چھاتی گئی تھی کوٹی
ہجراں کا غم تھا تہ میں سختی سے جان ٹوٹی

١٢٣٠٠ کلیاں چھڑی ہیں کچی بکھرے ہیں پھول سارے
پائیز نے چمن میں کیا کیا بہار لوٹی

سیرِ چمن میں کچھ تو جی سے ہوس نکلتی
موسم میں گُل کے بُلبل افسوس ہے نہ چھوٹی

## ١٦٦٦

کب وعدے کی رات نہ آئی جو اُس میں نہ لڑائی ہوئی
آخر اُس اوباش نے مارا کب لے رہتی ہے آئی ہوئی

چاہت میں اُس بے اُلفت کی گھبراہٹ دل ہی کو نہیں
سارے حواسوں میں ہے تشتت جان بھی ہے گھبرائی ہوئی

گرچہ نظر ہے تشتتِ پا پر لیکن قہر قیامت ہے
گر جاتی ہے دل میں سارے آنکھ اس کی شرمائی ہوئی

١٢٣٠٥ جنگل جنگل شوق کے مارے ناقہ سوار پھرا کی ہے
مجنوں جو صحرائی ہوا تو لیلیٰ بھی سودائی ہوئی

چتون کے انداز سے ظالم ترکِ مروت پیدا ہے
اہلِ نظر سے چُھپتی نہیں ہے آنکھ کسو کی چھپائی ہوئی

دُود دل سوزانِ محبت محو جو ہو تو عرش نہ ہو
دُور بجھے گی یعنی جا کر عشق کی آگ لگائی ہوئی

میر کا حال نہ پوچھو کچھ تم کہنہ رباط سے پیری میں
رقص کناں بازار میں آئے عالم میں رسوائی ہوئی

## ١٦٦٧

کیا کہیے اپنے عہد میں جتنے امیر تھے
ٹکڑے پہ جان دیتے تھے سارے فقیر تھے

١٢٣١٠ دل میں گرہ ہوس رہی پرواز باغ کی
موسم گلوں کا جب تئیں تھا ہم اسیر تھے

برنائی ہی میں تم سے شرارت نہیں ہوئی
لڑکے سے بھی تھے تم تو قیامت شریر تھے

آرائشِ بدن نہ ہوئی فقر میں بھی کم
جاگہ اتو کی جامے پہ نقشِ حصیر تھے

آنکھوں میں ہم کسو کی نہ آئے جہاں میں
از بس کہ میر عشق سے خشک و حقیر تھے

## ١٦٦٨

جو کوئی خستہ جگر عشق کا آزاری ہے
جی چکا وہ کہ یہ بے طرح کی بیماری ہے

کارواں گاہ جہاں میں نہیں رہتا کوئی — جس کے ہاں دیکھتے ہیں چلنے کی تیاری ہے ۱۲۳۱۵

چیز و ناچیز کا آگاہ کو رہتا ہے لحاظ — سارے عالم میں حقیقت تو وہی ساری ہے

آئینہ رو بہ رو رکھنے کو بھی اب جائے نہیں — صورتوں سے اُسے ہم لوگوں کی بیزاری ہے

مر گئے عشق میں نازک بدنوں کے آخر — جان کا دینا محبت کی گنہ گاری ہے

پلکیں تُرے اُس کی پھری جی میں کھبی جاتی ہیں — آنکھ وہ دیکھے کوئی شوخی میں کیا پیاری ہے

بے قراری میں نہ دلبر سے اُٹھا ہرگز ہاتھ — عشق کرنے کے تئیں شرطِ جگر داری ہے ۱۲۳۲۰

وائے وہ طائرِ بے بالِ ہوس ناک کہ جسے — شوقِ گل گشتِ گلستاں میں گرفتاری ہے

جُرم بے جُرم کھنچی رہتی ہے جس کی شمشیر — اس ستم گار جفا جو سے ہمیں یاری ہے

آنکھ مستی میں کسو پر نہیں پڑتی اُس کی — یہ بھی اس سادہ و پرکار کی ہشیاری ہے

واں سے جز ناز و تبختر نہیں کچھ یاں سے میر
عجز ہے، دوستی ہے، عشق ہے، غم خواری ہے

## ۱۶۶۹

درد و غم سے دل کبھو فرصت نہ پائے — یہ صعوبت کب تلک کوئی اٹھائے ۱۲۳۲۵

طفلِ نہ بازار کا عاشق ہوں میں — دل فروشی کوئی مجھ سے سیکھ جائے

زار رونا چشم کا کب دیکھتے — دیکھیں ہیں لیکن خدا جو کچھ دکھائے

کب تلک چاکِ قفس سے جھانکیے — برگِ گل یاں بھی صبا کوئی تو لائے

کب سے ہم کو ہے تلاشِ دستِ غیب — تا کمر پیچ اس کا اپنے ہاتھ آئے

اس کی اپنی بنتی ہی ہرگز نہیں — بگڑی صحبت ایسی کیا کوئی بنائے ۱۲۳۳۰

جو لکھی قسمت میں ذلت ہو سو ہو — خطِ پیشانی کوئی کیونکر مٹائے

داغ ہے مرغِ چمن پائیز سے — دل نہ ہو جلتا جو اس کا گل نہ کھائے

زخمِ سینہ میرا اس کے ہاتھ کا — ہو کوئی رجھوار تو اس کو رجھائے

میر اکثر عمر کے افسوس میں
زیرِ لب بالائے لب ہے ہائے وائے

۱۶۷۰ نہ نوشتہ نامہ آیا یہ کچھ ہمیں لکھا ہے — اس سادہ رو کے جی میں کیا جانیے کیا ہے

کافر کا بھی رویہ ہوتا نہیں ہے ایسا ٹھوکر لگا کے چلنا کس دین میں روا ہے

دنیا میں دیر رہنا ہوتا نہیں کسو کا یہ تو سرائے فانی اک کارواں سرا ہے

بندے کا دل بجا ہے جاتا ہوں شاد ہر جا جب سے سنا ہے میں نے کیا غم ہے جو خدا ہے

پائے ثبات کس کا ٹھہرا ہے اس کے دیکھے ہے ناز اک قیامت انداز اک بلا ہے

12244 ہر جا بدن میں اس کے افراط سے ہے دلکش میں کیا دل ملک بھی اٹکے اگر بجا ہے

مرنا تو ایک دم ہے عاشق مرے سہے ہر دم وہ جانتا ہے جس کو پاس دل وفا ہے

خط اس کو لکھ کے غم سے بے خود ہوا ہوں یعنی قاصد کے بدلے یاں سے جی ہی مرا چلا ہے

شوخی سے اس کی درہم برہم جہاں ہے سارا ہنگامۂ قیامت اس کی کوئی ادا ہے

عمر عزیز گزری سب سے برائی کرتے اب کر چلو بھلا کچھ شاید یہی بھلا ہے

جو ہے سو میر اس کو میرا خدا کہے ہے

12245 کیا خاص نسبت اس سے ہر فرد کو جدا ہے

## 1671

دل پہلو میں ناتواں بہت ہے بیمار مرا گراں بہت ہے

ہر آن شکیب میں کمی ہے بے تابی زماں زماں بہت ہے

مقصود کو دیکھیں پہنچیے[1] کب تک گردش میں تو آسماں بہت ہے

جی کو نہیں لاگ لامکاں سے ہم کو کوئی دل مکاں بہت ہے

12250 گو خاک سے گور ہووے یکساں گم گشتے کا یہ نشاں بہت ہے

جاں بخشی غیر ہی کیا کر مجھ کو یہی نیم جاں بہت ہے

اکثر پوچھے ہے جیتے ہیں میر

اب تو کچھ مہرباں بہت ہے

## 1672

صاحب ہو تم ہمارے بندے ہیں ہم تمھارے موقوف رحم پر ہیں دشوار کام سارے

ہو ملتفت کہ ہم بھی جیتوں میں آویں چندے یہ عشق بے محابا تا چند جان مارے

12255 آشوب بحر ہستی کیا جانیے ہے کب سے موج و حباب اٹھ کر لگ جاتے ہیں کنارے



[1] پہنچیں

کوئی تو تھا طرف پر آواز دی نہ ہم کو ہم بے قرار ہو کر چاروں طرف پکارے

بے طاقتی سے کیونکر سر مارتے رہیں نہ صبر و قرار دونوں یک بارگی سدھارے

کوئی تو ماہ پارہ اس بھی رواق میں ہے چشمک کریں ہیں ہر شب اس کی طرف ستارے

دنیا میں میرؔ آ کر کھولا ہے بار ہم نے
اس رہگزر میں دیکھیں کیا پیش آوے بارے

## ۱۶۷۳

عشق ہمارا درپئے جاں ہے کیسی خصومت کرتا ہے چین نہیں دیتا ہے ظالم جب تک عاشق مرتا ہے ۱۲۳۶۰

شاید لمبے بال اُس مہ کے بکھر گئے تھے باؤ چلے دل تو پریشاں تھا ہی میرا رات سے جی بھی بکھرتا ہے

صورت اُس کی دیدۂ تر میں پھرتی ہے ہر روز و شب ہے نہ اچنبھا یہ بھی کہیں پانی میں نقش اُبھرتا ہے

کیا دُشوار گزر ہے طریقِ عشق مسافر کُش یارو! جی سے اپنے گزر جاتا ہے جو اس راہ گزرتا ہے

حال کسو بے تہ کا یاں مانا ہے حبابِ دریا سے ٹک جو ہوا دُنیا کی لگی تو یہ کم ظرف اُبھرتا ہے

یادِ خدا کو کر کے کہو ٹک پاس ہمارے ہو جاوے صد سالہ غم دیکھے اس خوش چشم و رو کی بسرتا ہے ۱۲۳۶۵

دامن دیدۂ تر کی وسعت دیکھے ہی بن آوے گی ابرِ سیاہ سفید جو ہو سو پانی ان کا بھرتا ہے

دل کی لاگ نہیں چھپتی ہے کوئی چھپاوے بہیترا زردیٔ عشق سے بے اُلفت یہ رنگ کسو کا نکھرتا ہے

کھینچ کے تیغہ اپنا ہر دم کیا لوگوں کو ڈراتے ہو
میرؔ جگردار آدمی ہے وہ کب مرنے سے ڈرتا ہے

## ۱۶۷۴

نالہ جب گرمِ کار ہوتا ہے دل کلیجے کے پار ہوتا ہے

مار رہتا ہے اُس کو آخر کار عشق کو جس سے پیار ہوتا ہے

سب مزے در کنارِ عالم کے یار جب ہم کنار ہوتا ہے

دامِ ہر کاہے اُس کے عالم اوز ایک عالم شکار ہوتا ہے

بے قراری ہو کیوں نہ چاہت میں ہم دگر کچھ قرار ہوتا ہے

جبر ہے قہر ہے قیامت ہے دل جو بے اختیار ہوتا ہے

راہ تکتے ہی بیٹھیں ہیں آنکھیں اس کا جب انتظار ہوتا ہے ۱۲۳۷۵

شاخِ گل لچکتے ہی تو جانوں ہوں　　جلوہ گر یوں ہی یار ہوتا ہے
کس کو پوچھے ہے کوئی دنیا میں　　دیر یاں اعتبار ہوتا ہے

آہ کس جائے بار کھولا میر
یاں تو جینا بھی بار ہوتا ہے

## ۱۷۷۵

سخت بے رحم آہ قاتل ہے　　میری خوں ریزی ہی کا مائل ہے
۱۲۳۸۰　دور مجنوں کا ہو گیا آخر　　یاں جنوں کا ابھی اوائل ہے
نکلے اس راہ کس طرح وہ ماہ　　نہ تو طالع نہ جذب کامل ہے
مثلِ صورت ہیں جلوہ کے حیراں　　ہائے کیا شکل کیا شمائل ہے
ہاتھ رکھ لیوے تو کہے کہ بس اب　　کیا جیے گا بہت یہ گھائل ہے
حق میں اس بت کے بد کہیں کیونکر　　وہ ہمارا خدائے باطل ہے
۱۲۳۸۵　سچ ہے راحت تو بعد مرنے کے　　پر بڑا واقعہ یہ حائل ہے
تیغ اگر درمیاں رہے تو رہے　　یار میرا جوان جاہل ہے
رو نہیں چشمِ تر سے اب لکھیے　　سیل اسی در کا کب سے سائل ہے
حال ہم ڈوبتوں کا کیا جانے　　جس کو دریا پہ سیلِ ساحل ہے

میر کب تک بحالِ مرگ جئیں
کچھ بھی اس زندگی کا حاصل ہے

## ۱۷۷۶

۱۲۳۹۰　بے کسانِ عشق تھے ہم غم میں کھپ سارے گئے　　باز خواہِ خوں نہ تھا مارے گئے مارے گئے
بار کل تک ناتوانوں کو نہ تھا اس بزم میں　　گرتے پڑتے ہم بھی عاجز آج واں بارے گئے
چھاتی میری سرد آہوں سے ہوئی تھی سب کرخت　　استخواں اب اس کے اشکِ گرم سے دھارے گئے
سخت جانی ہے نہ ٹک جو ہو خبر گھر میں اُسے　　صبح تک ہم رات دیواروں سے سر مارے گئے

میر قیس و کوہکن ناچار گزرے جان سے
دو جہاں حسرت لیے ہمراہ بیچارے گئے

بے یار ہوں بے کس ہوں آگاہ نہیں کوئی — بے غم کرو خوں ریزی خوں خواہ نہیں کوئی ۱۲۳۹۵

کیا تنگ مخوف ہے اس ہستی کا رستا — تنہا پڑا ہے جانا ہمراہ نہیں کوئی

موہوم ہے ہستی تو کیا معتبری اس کی — ہے گاہ اگر کوئی تو گاہ نہیں کوئی

فرہاد کو مجنوں کو موت آگئی ہے آگے — کس سے کہیں درد دل اب آہ نہیں کوئی

میر اتنی سماجت جو بندوں سے تو کرتا ہے
دنیا میں مگر تیرا اللہ نہیں کوئی

۱۶۷۸

دیدۂ گریاں ہمارا نہر ہے — دل خرابہ جیسے دلی شہر ہے ۱۲۴۰۰

آندھی آئی ہو گیا عالم سیاہ — شور نالوں کا بلائے دہر ہے

دل جو لگتا ہے تڑپنے ہر زماں — اک قیامت ہے غضب ہے قہر ہے

بہ نہیں ہوتا ہے زخم اس کا لگا — آب تیغ یار یکسر زہر ہے

یاد زلف یار جی مارے ہے میر
سانپ کے کاٹے کی سی یہ لہر ہے

۱۶۷۹

عشق بلا انگیز مفتن یہ تو کوئی قیامت ہے — جس سے پیار رکھے ہے کچھ یہ اس کے سر پر شامت ہے ۱۲۴۰۵

موسم گل میں توبہ کی تھی واعظ کے میں کہنے سے — اب جو رنگ بہار کے دیکھے شرمندہ ہیں ندامت ہے

شیخ کی ادنیٰ حرکت بھی میں خرق عادت جانوں ہوں — مسجد سے میخانے آیا یہ بھی اس کی کرامت ہے

ایک طرف میں عشق کیا تھا رسوائی یہ کہاں سے ہوئی — اب جو گھر سے نکل آتا ہوں چاروں طرف سے ملامت ہے

تو ہی کر انصاف صبا ٹک باغوں باغوں پھرے ہے تو — روئے گل اس کا سا رو ہے سرو کا ایسا قامت ہے

صبح کو خورشید اس کے گھر پر طالع ہو کر آتا ہے — دیکھ لیا جواں نے کبھو تو اس سادہ کی شامت ہے ۱۲۴۱۰

چھوڑو اس اوباش کا ملنا ورنہ سر کٹواؤ گے
چاہ رہو گے بہتیروں کو سر جو میر سلامت ہے

اے پریشاں ربط دیکھیں کب تلک یہ دور ہے ۱۶۸۰ ہر گلی کوچے میں تیرا اک دعا گو اور ہے

بال بل کھائے ہوئے پیچوں سے پگڑی کے گھتے | طرز کیں چتون کی پائی سر میں شور جور ہے
ہم سے یہ انداز او باشانہ کرنا کیا ضرور | آنکھ ٹیڑھی خم ہے ابرو طور کچھ بے طور ہے
۱۲۴۱۵ طبع درہم وضع برہم زخم غائر چشم تر | حال بد ہیں بے کسوں کی کچھ تمھیں بھی غور ہے
کیا شکایت کیجیے اس خورشید چہرہ یار کی | مہر وہ برسوں نہیں کرتا ستم فی الفور ہے
وصل کی دولت گئی ہوں تنگ فقر ہجر میں | یا الٰہی فضل کر یہ حور بعد الکور ہے

اُس کے دیوانے کے سر پر داغ سودا ہے جو میر
وہ محیط عاشقوں کا اس سبب سر مور ہے

۱۶۸۱

گردن کشِ زمانہ تو تیرا اسیر ہے | سلطانِ عصر تیری گلی کا فقیر ہے
۱۲۴۲۰ چشمک کرے ہے میری طرف کو نگاہ کر | وہ طفل شوخ چشم قیامت شریر ہے
تنکا سا ہو رہا ہے تن آگے ہی سوکھ کر | اب ننگ کیا فقیر جو سب میں حقیر ہے
جھڑ باندھ دے ہے رونے جو لگتا ہوں صبح کو | ہے چشم تر کہ غیرت ابر مطیر ہے
اک دو اجل رسیدہ جو صید آئے کب کھنچا | پر پیچ جال گیسوؤں کا جرگہ گیر ہے
جوں جوں بڑھاپا آتا ہے جاتے ہیں اینٹھتے | کس مٹی کا نہ جانیے اپنا خمیر ہے
۱۲۴۲۵ اس خوبصورتی سے نہ صورت نظر پڑی | سورت تلک تو سیر کی وہ بے نظیر ہے
پر جوہر اس کی تیغ ہے نامہ برائے قتل | پیغامِ مرگ عاشقوں کو اس کا تیر ہے
پوچھو اسی سے مضطرب الحال دل کی کچھ | وہ آفتاب چہرۂ روشن ضمیر ہے
جوں طفل شوخ و شنگ و جوانِ بلند طبع | شائستۂ فلک[1] ہے اگر چرخِ پیر ہے

فریاد شب کی سن کے کہا بے دماغ ہو
دیکھو تو اس بلا کو یہ شاید کہ میر ہے

۱۶۸۲

۱۲۴۳۰ ان بلاؤں سے کب رہائی ہے | عشق ہے فقر ہے جدائی ہے
دیکھیے رفتہ رفتہ کیا ہووے | ہم بھی چلنے کو ہیں کہ آئی ہے
استخواں کانپ کانپ جلتے ہیں | عشق نے آگ یہ لگائی ہے

[1] ملک

دل کو کھینچے ہے چشمک انجم — آنکھ ہم نے کہاں لڑائی ہے

اس صنائع کا اس بدائع کا — کچھ تعجب نہیں خدائی ہے

نہ تو جذب رسا نہ بخت رسا — کیونکے کہیے کہ واں رسائی ہے ۱۲۴۳۵

ہے تصنع کہ اس کے لب ہیں لعل — سب نے اک بات یہ بنائی ہے

کیا کہوں خشم عشق سے جو مجھے — کبھو جھنجھلاہٹ آہ آئی ہے

ایسا چہرے پہ ہے نہوں کا خراش — جیسے تلوار منھ پہ کھائی ہے

میں نہ آتا تھا باغ میں اس بن — مجھ کو بلبل پکار لائی ہے

آتی اس جنگ جو کی گر شب وصل — شام سے صبح تک لڑائی ہے ۱۲۴۴۰

اور کچھ مشغلہ نہیں ہے ہمیں — گاہ و بے گہ غزل سرائی ہے

توڑ کر آئینہ نہ جانا یہ — کہ ہمیں صورت آشنائی ہے

گل قفس تک نسیم لائی ہے — بو کہ پھر کر بہار آئی ہے

عشق دریا ہے ایک لنگر دار — تہ کسو نے بھی اس کی پائی ہے

وہ نہ شرماوے کب تلک آخر — دوستی یاری آشنائی ہے ۱۲۴۴۵

دے نہیں لو انھوں کا بھائی اور — عشق کرنے کی کیا منائی ہے

بیستوں کوہکن نے کیا توڑا — عشق کی زور آزمائی ہے

بھیڑیں ٹلتی ہیں اس کے ابرو سے — چلی تلوار تو صفائی ہے

لڑکا عطار کا ہے کیا معجون — ہم کو ترکیب اس کی بھائی ہے

کج ملدی یاد کی نہیں جاتی — یہی بے طور بے ادائی ہے ۱۲۴۵۰

آنے کہتا ہے پھر نہیں آتا — یہی بد عہدی بے وفائی ہے

کر چلو نیکی اب تو جس تس سے — شاید اس ہی میں کچھ بھلائی ہے

برسوں میں میر سے ملے تو کہا

اس سے پوچھو کہ یہ کجائی ہے

یارب کوئی دیوانہ سا بے ڈھنگ سا آجاوے ۱۶۸۲

اخلال پہ سلاسل ٹک اپنی بھی ہلا جاوے

۱۲۴۵۵ خاموش رہیں کب تک زندانِ جہاں میں ہم
ہنگامہ قیامت کا شورش سے اٹھا جاوے
کب عشق کی وادی ہے سر کھینچنے کی جاگہ
ہو سیل بھلا سا تو منھ موڑ چلا جاوے
عاشق میں ہے اور اس میں نسبت سگ و آہن کی
جوں جوں جو رمیدہ وہ توں توں یہ لگا جاوے
افسوس کی جاگہ ہے یاں بازپسیں دم میں
ہو رو بروِ آئینہ وہ منھ کو چھپا جاوے
ہاں نوشتوں سے میری قسمت میں تو تھی خواری
کس طرح لکھا میرا کوئی آ کے مٹا جاوے
۱۲۴۶۰ دیکھ اس کو ٹھہر رہنا ثابت قدموں سے ہو
اس راہ سے آوے تو ہم سے نہ رہا جاوے
کہیے جہاں کرتا ہو تماشیر سخن کچھ بھی
وہ بات نہیں سنتا کیا اس سے کہا جاوے
یہ رنگ رہے دیکھیں تا چند کہ وہ گھر سے
کھاتا ہوا پان آ کر باتوں کو چبا جاوے
ہم دیر کے جنگل میں بھولے پھرے ہیں کب تک
کعبے کا ہمیں رستا خضر آ کے بتا جاوے
ہاتھوں گئی خوباں کے کچھ شے نہیں پھر ملتی
کیونکر کوئی اب ان سے دل میرا دلا جاوے
۱۲۴۶۵ یہ ذہن و ذکا اس کا تائید ادھر کی ہے
ٹک ہونٹھ ہلے تو وہ تہ بات کی پا جاوے
یوں خط کی سیاہی ہے گرد اس رخ روشن کے
ہر چار طرف گا ہے جوں بدر گھرا جاوے

کیا اس کی گلی میں ہے عاشق کسو کی رویت
آلودۂ خاک آوے لوہو میں نہا جاوے
ہے حوصلہ تیرا ہی جو تنگ نہیں آتا
کس سے یہ ستم ورنہ اے میر سہا جاوے

۱۶۸۴

ترے بندے ہم ہیں خدا جانتا ہے — خدا جانے تو ہم کو کیا جانتا ہے
نہیں عشق کا درد لذت سے خالی — جسے ذوق ہے وہ مزا جانتا ہے ۱۲۴۷۰
ہمیشہ دل اپنا جو بے جا ہے اس بن — مرے قتل کو وہ بجا جانتا ہے
گئے زیر برقع گئے گیسوؤں میں — غرض خوب وہ منھ چھپا جانتا ہے
مجھے جانے ہے آپ سا ہی فریبی — دعا کو بھی میری دغا جانتا ہے
جفا اس پہ کرتا ہے حد سے زیادہ — جنھیں یار اہلِ وفا جانتا ہے
لگا لے ہے جھمکے دکھا کر اسی کو — جسے شیخ بچہ پارسا جانتا ہے ۱۲۴۷۵
اسے جب تب ہم نے بگڑا ہی پایا — یہی اچھے منھ کو بنا جانتا ہے
بلا شور انگیز ہے چال اس کی — اسی طرز کو خوش نما جانتا ہے
نہ گرمی جلاتی تھی ایسی نہ سردی — مجھے یار جیسا جلا جانتا ہے
یہی ہے سنا چاہنے کی ہمارے — ہمیں کشتۂ خلق کی سزا جانتا ہے
مرے دل میں رہتا ہے تو ہی تبھی تو — جو کچھ دل کا ہے مدعا جانتا ہے ۱۲۴۸۰
پری اس کے سایہ کو بھی لگ سکے نہ — وہ اس جنس کو کیا بلا جانتا ہے

جہاں میر عاشق ہوا خالی ہی تھا
یہ سودائی کب دل لگا جانتا ہے

۱۶۸۵

یہی عشق ہے جی کھپا جانتا ہے — کہ جاناں سے جی بھی ملا جانتا ہے
بدی میں بھی کچھ خوبی ہووے گی تب تو — برا کرنے کو وہ بھلا جانتا ہے
مرا شعر اچھا بھی دانستہ ضد سے — کسو اور ہی کا کہا جانتا ہے ۱۲۴۸۵

زمانے کے اکثر ستم گار دیکھے    وہی خوب طرزِ جفا جانتا ہے ۔
نہیں جانتا حرفِ خط کیا ہیں لکھے    لکھے کو ہمارے مٹا جانتا ہے
نہ جانے جو بیگانہ تو بات پوچھے    سو مغرور کب آشنا جانتا ہے
نہیں اتحادِ تن و جاں سے واقف
ہمیں یار سے جو جدا جانتا ہے ۔

دیوان ششم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دیوان ششم

## ۱۶۸۶

فلک نے پیس کر سرمہ بنایا — نظر میں اُس کی میں تو بھی نہ آیا ۱۲۴۹۰

زمانے میں مرے شورِ جنوں نے — قیامت کا سا ہنگامہ اُٹھایا

بلا تھی کوفت کچھ سوزِ جگر سے — ہمیں تو کُوٹ کُوٹ اُن نے جلایا

تمامی عمر جس کی جستجو کی — اُسے پاس اپنے اک دم بھی نہ پایا

نہ تھی بیگانگی معلوم اس کی — نہ سمجھے ہم اسی سے دِل لگایا

قریب دیر خضر آیا تھا لیکن — ہمیں رستا نہ کعبے کا بتایا ۱۲۴۹۵

حق صحبت نہ طیروں کو رہا یاد — کوئی وہ پھول اسیروں تک نہ لایا

غرورِ حسن اس کا دس گنا ہے — ہمارا عشق اسے کن نے جتایا

عجب نقشہ ہے نقاش ازل نے — کوئی ایسا نہ چہرہ پھر بنایا

علاقہ میر تھا خنجر سے اس کے

بداں اپنا گلا ہم نے کٹایا

## ۱۶۸۷

اپنے ہوتے تو باعتاب رہا — بے دماغی سے باخطاب رہا ۱۲۵۰۰

ہو کے بے پردہ ملتفت بھی ہوا — ناکسی سے ہمیں حجاب رہا

نہ اٹھا لطف کچھ جوانی کا — کم بہت موسم شباب رہا

کارواں ہائے صبح ہوتے گیا — میں ستم دیدہ محو خواب رہا
ہجر میں جی ڈہا گرے ہی رہے — ضعف سے حال دل خراب رہا
۱۲۵۰۵ گھر سے آئے گلی میں سو باری — یار بن دیر اضطراب رہا
ہم سے سلجھے نہ اس کے الجھے بال — جان کو اپنی پیچ و تاب رہا
پردے میں کام یاں ہوا آخر — واں سدا چہرے پر نقاب رہا
سوزش سینہ اپنے ساتھ گئی — خاک میں بھی ہمیں عذاب رہا

حیف ہے میر کی جناب سے میاں
ہم کو ان سے بھی اجتناب رہا

## ۱۶۸۸

۱۲۵۱۰ بے طاقتی نے دل کی گرفتار کر دیا — اندوہ و درد عشق نے بیمار کر دیا
دروازے پر کھڑا ہوں کئی دن سے یار کے — حیرت نے حسن کی مجھے دیوار کر دیا
سائے کو اس کے دیکھ کے وحشت بلا ہوئی — دیوانہ مجھ کو جیسے پری دار کر دیا
نسبت ہوئی گناہوں کی اذبس مری طرف — بے جرم ان نے مجھ کو گنہگار کر دیا
دن رات اس کو ڈھونڈھتے ہے دل شوق نے مجھے — نایاب کس گہر کا طلبگار کر دیا
۱۲۵۱۵ دفعہ اس سے زار زار جو روتا ہوا ہوں میں — لوگوں کو میری زاری نے بیزار کر دیا
خوبی سے بخت بد کی اسے عشق سے مرے — یاروں نے رفتہ رفتہ خبردار کر دیا
جس کے لگائی جی میں نہ اس کے ہوس رہی — یعنی کہ ایک وار ہی میں پار کر دیا
پہلو میں دل نے لوٹ کے آتش سے شوق کی — پایان کار آنکھوں کو خوں بار کر دیا

کیا جانوں عشق جان سے کیا چاہتا ہے میر
خوں ریزی کا مجھے تو سزاوار کر دیا

## ۱۶۸۹

۱۲۵۲۰ موئے ہم جس کی خاطر بے وفا تھا — نہ جانا ان نے تو یوں بھی کہ کیا تھا
معالج کی نہیں تقصیر ہرگز — مرض ہی عاشقی کا لا دوا تھا
نہ خود سر کیوں کہ ہوں ہم یار اپنا — خود آرا خود پسند و خود ستا تھا

رکھا تھا منھ کبھو اس کنج لب پر — ہمارے ذوق میں اب تک مزا تھا

نہ ملیو چاہنے والوں سے اپنے — نہ جانا تجھ سے یہ کن نے کہا تھا

پریشاں کر گئی فریاد بلبل — کسو سے دل ہمارا پھر لگا تھا ۱۲۵۲۵

ملے برسوں وہی بیگانگی تھی — ہمارے زعم میں وہ آشنا تھا

نہ دیوانے تھے ہم سے قیس و فرہاد — ہمارا طورِ عشق اُن سے جدا تھا

بدن میں صبح سے تھی سنسناہٹ — انھیں سنّاہٹوں میں جی جلا تھا

صنم خانے سے اٹھ کعبے گئے ہم — کوئی آخر ہمارا بھی خدا تھا

بدن میں اس کے ہے ہر جائے دلکش — جہاں اٹکا کسو کا دل بجا تھا ۱۲۵۳۰

کوئی عنقا سے پوچھے نام تیرا — کہاں تھا جب کہ میں رسوا ہوا تھا

چڑھی تیوری چمن میں میر آیا
گلِ حسن آج شاید کچھ خفا تھا

## ۱۶۹۰

سوزِ دروں سے مجھ پہ ستم برملا ہوا — ٹکڑا جگر کا آنکھوں سے نکلا جلا ہوا

بدحال ہو کے چاہ میں مرنے کا لطف کیا — دل لگتے جو مُوا کوئی عاشق بھلا ہوا

نکلا گیا نہ دام سے پُر پیچ زلف کے — اے وائے یہ بلا زدہ دل مبتلا ہوا ۱۲۵۳۵

کیا اور لکھیے کیسی خجالت مجھے ہوئی — سر کو جھکائے آیا جو قاصد چلا ہوا

رہتا نہیں تڑپنے سے ٹک ہاتھ کے تلے
کیا جانوں میر دل کو مرے کیا بلا ہوا

## ۱۶۹۱

جمع اس کے نکلے عالم ہو گیا — جب تلک ہم جائیں اودھم ہو گیا

گو پریشاں ہو گئے گیسوئے یار — حال ہی اپنا تو درہم ہو گیا

کیا کہوں کیا طرح بدلی یار نے — چاؤ تھا دل میں سو اب غم ہو گیا ۱۲۵۴۰

کیا کہوں مشکل ہوئی تحریرِ حال — خط کا کاغذ رونے سے نم ہو گیا

دم دیے بہتیرے یاروں نے ولے — خشک نے سا شیخ بے دم ہو گیا

کارواں ہائے صبح ہوتے گیا — میں ستم دیدہ محوِ خواب رہا
ہجر میں جی ڈہا گرے ہی رہے — ضعف سے حالِ دل خراب رہا
۱۲۵۰۵ گھر سے آئے گلی میں سو باری — یار بن دیر اضطراب رہا
ہم سے سلجھے نہ اُس کے اُلجھے بال — جان کو اپنی پیچ و تاب رہا
پردے میں کام یاں ہوا آخر — واں سدا چہرے پر نقاب رہا
سوزشِ سینہ اپنے ساتھ گئی — خاک میں بھی ہمیں عذاب رہا

حیف ہے میر کی جناب سے میاں
ہم کو ان سب سے اجتناب رہا

۱۶۸۸

۱۲۵۱۰ بے طاقتی نے دل کی گرفتار کر دیا — اندوہ و دردِ عشق نے بیمار کر دیا
دروازے پر کھڑا ہوں کئی دن سے یار کے — حیرت نے حسن کی مجھے دیوار کر دیا
سامنے گو اس کے دیکھ کے وحشت بلا ہوئی — دیوانہ مجھ کو جیسے پری دار کر دیا
نسبت ہوئی گناہوں کی اُدلیں مری طرف — بے جرم اُن نے مجھ کو گنہگار کر دیا
دن رات اس کو ڈھونڈھے ہے دل شوق نے مجھے — نایاب کس گہر کا طلب گار کر دیا
۱۲۵۱۵ دور اس سے زار زار جو روتا رہا ہوں میں — لوگوں کو میری زاری نے بیزار کر دیا
خوبی سے بخت بد کی ہائے عشق سے مرے — یاروں نے رفتہ رفتہ خبردار کر دیا
جس کے لگائی جی میں نہ اس کے ہوس رہی — یعنی کہ ایک وار ہی میں پار کر دیا
پہلو میں دل نے لوٹ کے آتش سے شوق کی — پایانِ کار آنکھوں کو خوں بار کر دیا

کیا جانوں عشق جان سے کیا چاہتا ہے میر
خوں ریزی کا مجھے تو سزاوار کر دیا

۱۶۸۹

۱۲۵۲۰ موئے ہم جس کی خاطر بے وفا تھا — نہ جانا اُن نے تو یوں بھی کہ کیا تھا
معالج کی نہیں تقصیر ہرگز — مرض ہی عاشقی کا لا دوا تھا
نہ خودسر کیوں کہ ہوں ہم یار اپنا — خود آرا خود پسند و خودستا تھا

رکھا تھا منہ کبھو اس کنج لب پر ہمارے ذوق میں اب تک مزا تھا
نہ ملیو چاہنے والوں سے اپنے نہ جانا تجھ سے یہ کن نے کہا تھا
پریشاں کر گئی فریاد بلبل کسو سے دل ہمارا پھر لگا تھا ۱۲۵۲۵
ملے برسوں وہی بیگانگی تھی ہمارے زعم میں وہ آشنا تھا
نہ دیوانے تھے ہم سے قیس و فرہاد ہمارا طور عشق ان سے جدا تھا
بدن میں صبح سے تھی سنسناہٹ انھیں سنسناہٹوں میں جی جلا تھا
صنم خانے سے اٹھ کعبے گئے ہم کوئی آخر ہمارا بھی خدا تھا
بدن میں اس کے ہے ہر جائے دلکش جہاں اٹکا کسو کا دل بجا تھا ۱۲۵۳۰
کوئی عنقا سے پوچھے نام تیرا کہاں تھا جب کہ میں رسوا ہوا تھا

چڑھی تیوری چمن میں میر آیا
گل حسن آج شاید کچھ خفا تھا

۱۶۹۰

سوز دروں سے مجھ پہ ستم برملا ہوا ٹکڑا جگر کا آنکھوں سے نکلا جلا ہوا
بدحال ہو کے چاہ میں مرنے کا لطف کیا دل لگتے جو موا کوئی عاشق بھلا ہوا
نکلا گیا نہ دام سے پرپیچ زلف کے ایسے ڈرے یہ بلا زدہ دل مبتلا ہوا ۱۲۵۳۵
کیا اور لکھیے کیسی خجالت مجھے ہوئی سر کو جھکائے آیا جو قاصد چلا ہوا

رہتا نہیں تڑپنے سے ٹک ہاتھ کے تلے
کیا جانوں میر دل کو مرے کیا بلا ہوا

۱۶۹۱

جمع اس کے نکلے عالم ہو گیا جب تلک ہم جائیں اودھم ہو گیا
گو پریشاں ہو گئے گیسوئے یار حال ہی اپنا تو درہم ہو گیا
کیا کہوں کیا طرح بدلی یار نے چاؤ تھا دل میں سو اب غم ہو گیا ۱۲۵۴۰
کیا کہوں مشکل ہوئی تحریر حال خط کا کاغذ رونے سے نم ہو گیا
دم دیے بہتیرے یاروں نے ولے خشک نے سا شیخ بے دم ہو گیا

کیوں نہ در ہم برہم اپنا ہو مزاج — بات کہتے یار برہم ہو گیا
باغ جیسے راغ وحشت گاہ ہے — یاں سے شاید گل کا موسم ہو گیا

کیا نماز اے میر اس اوقات کی
جب کہ قد محراب سا خم ہو گیا ۱۲۵۲۵

## ۱۶۹۲

وہ دیکھنے ہمیں ٹک بیماری میں نہ آیا — سو بار آنکھیں کھولیں بالیں سے سر اٹھایا
گلشن کے طائروں نے کیا بے مروتی کی — یک برگ گل قفس میں ہم تک نہ کوئی لایا
بے ہیچ اس کا غصہ یارو بلائے جاں ہے — ہرگز منا نہ ہم سے بہتیرا ہی منایا
قد بلند اگرچہ بے لطف بھی نہیں ہے — سرو چمن میں لیکن انداز وہ نہ پایا
۱۲۵۵۰ انگڑائے خوبرویاں حسرت سے پیش و پس ہیں — اینڈا پھرے ہے ہر سو جب اس پری کا سایا
نقشہ عجب ہے اس کا نقاش نے ازل کے — مطبوع ایسا چہرہ کوئی نہ پھر بنایا
شب کو نشے میں باہم ہی گفتگو ہوئے ہم — اس مست نے جھنکایا یعنی بہت جھکایا
دل تنگی میں کھلنا اس کا نہ اس سے دیکھا — بخت زبوں کو ہم نے سو بار آزمایا

عاشق جہاں ہوا ہے بے ڈھنگیاں ہی کی ہیں
اس میر بے خرد نے کب ڈھب سے دل لگایا

## ۱۶۹۳

۱۲۵۵۵ باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنیے گا — پڑھتے کسو کو سنیے گا تو دیر تلک سر دھنیے گا
سعی و تلاش بہت سی رہے گی اس انداز کے کہنے کی — صحبت میں علما فضلا کی جا کر پڑھیے گنیے گا
دل کی تسلی جب کہ ہوگی گفت و شنود سے لوگوں کی — آگ پھنکے گی غم کی بدن میں اس میں جلیے بھنیے گا

گرم اشعار میر درونہ داغوں سے یہ بھر دیں گے
زرد رو شہر میں پھریے گا گلیوں میں نے گل چنیے گا

## ۱۶۹۴

تھا اندوہ گرہ مدت سے دل میں کھل ہو درد ہوا — چاہ نے بدلے رنگ کئی اب جسم سراسر زرد ہوا
وعدہ خلافی اس ظالم کی کھا گئی میری جان غمیں — گرمی کرے وہ مجھ سے جب تک تب تک میں ہی سرد ہوا

گرد و غبار و دشت و وادی گریے سے میرے یک سو ہیں
رونے کے آگے اُن کے تو دریا بھی سیراب گرد ہوا

## ١٦٩٥

میں رنجِ عشق کھینچے بہت ناتواں ہوا
مرنا تمام ہو نہ سکا نیم جاں ہوا

بستر سے اپنے اُٹھ نہ سکا شب ہزار حیف
بیمارِ عشق چار ہی دن میں گراں ہوا

شاید کہ دل تڑپنے سے زخمِ درِ دل پھٹا
خوں ناب میری آنکھوں سے منھ پر رواں ہوا

غیر از خدا کی ذات مرے گھر میں کچھ نہیں
یعنی کہ اب مکان مرا لامکاں ہوا ۱۲۵۶۵

مستوں میں اُس کی کیسی تعین سے ہے نشست
شیشہ ہوا نہ کینٹ کا پیرِ مغاں ہوا

سارے ہیں تنگ کے سب مجھے دیکھا اسیر کو
صیاد کے کرم سے قفس آشیاں ہوا

ہم نے نہ دیکھا اس کو سو نقصانِ جان کیا
ان نے جو اک نگاہ کی اُس کا زیاں ہوا

ٹک رکھ دے ہاتھ تن میں نہیں اور جائے زخم
بس میرے دل کا یار جی اب امتحاں ہوا

وے تو کھڑے کھڑے مرے گھر آ کے پھر گئے
میں بے دیار و بیدل و بے خانماں ہوا ۱۲۵۷۰

گردش نے آسماں کی عجائب کیا سلوک
پیرِ کبیر جب میں ہوا وہ جواں ہوا

مرغِ چمن کی نالہ کشی کچھ خنک سی تھی
میں آگ دی چمن کو جو گرمِ فغاں ہوا

دو پھول لا کے پھینک دیے میری گور پر
یوں خاک میں ملا کے مجھے مہرباں ہوا

سر کھینچا دودِ دل نے جہاں تیرہ ہو گیا
دم بھر میں صبح زیرِ فلک کیا سماں ہوا

کہتے ہیں میر سے کہیں اوباش لڑ گئے
ہنگامہ ان سے ایسا الٰہی کہاں ہوا ۱۲۵۷۰

## ١٦٩٦

جس رفتنی کو عشق کا آزار ہو گیا
دو چار دن میں برسوں کا بیمار ہو گیا

نسبت بہت گناہوں کی میری طرف ہوئی
ناکردہ جرم میں تو گنہگار ہو گیا

حیرت زدہ میں عشق کے کاموں کا یار کے
دروازے پر کھڑے کھڑے دیوار ہو گیا

پھیلے شگاف سینے کے اطراف درد سے
کوچہ ہر ایک زخم کا بازار ہو گیا

بازار میں جہان کے ہے حسن کیا متاع
سو جی سے جس نے دیکھا خریدار ہو گیا ۱۲۵۸۰

دل لے کے میری جان کا دشمن ہوا نداں | جس بے وفا سے اپنے تئیں پیار ہوگیا
عاشق کو اس کی تیغ سے ہے لاگ کھینچتے ہی | یہ کشتنی بھی مرنے کو تیار ہوگیا
مرتے موا رہا نہ ہوا تنگ ہی رہا | پھندے میں عشق کے جو گرفتار ہوگیا

کیا جرم تھا کسو پہ نہ معلوم کچھ ہوا
جو میر کشت و خوں کا سزاوار ہوگیا

### ۱۶۹۷

۱۲۵۸۵ دشمن ہو جی کا گاہک ہوتا ہے جس کو چاہا | کی دوستی کہ یارو اک روگ میں بسایا
جی ہے جہاں قیامت درد و الم کا واں | بیمار عاشقی میں شب صبح تک کراہا
تازہ چمک تھی شب کو تاروں میں آسماں کے | اس آسیا کو شاید پھر کر کنھوں نے راہا
خمیازہ کش ہوں اس کی مدت سے اس ادا کا | لگ کر گلے سے میرے انگڑائی لے جماہا
جانا کہ منھ کھلا ہے آتش کدے کا شاید | سینے کے زخم سے جو سرکا ہے ٹک بھی پھاہا
۱۲۵۹۰ آنکھیں مری لگو ہیں سب بے حیا نہیں لگیں ہیں | دیکھا ہے جن نے اس کو اس نے مجھے سراہا
اس راہ عشق میں تو آگے ہی دو دلا تھا | پر پیچ پیش آیا ان زلفوں کا دوراہا
کرنا وفا نہیں ہے آسان عاشقی میں | پتھر کیا جگر کو تب جا کے یہ نباہا
کہتے تو تھے نہ دیکھو اس سے لگے نہ جاؤ | سمجھے نہ دیدہ و دل اب کیا کہوں الٰہا

یا مرتضیٰ علیؑ ہے تیرا گدائے در یہ
کر حال میر پر بھی ٹک التفات شاہا

### ۱۶۹۸

۱۲۵۹۵ بلبل کا شور سن سکے نہ مجھ سے رہا گیا | میں بے دماغ باغ سے اٹھ کر چلا گیا
لوگوں نے پائی راکھ کی ڈھیری مری جگہ | اک شعلہ میرے دل سے اٹھا تھا چلا گیا
چہرے پہ بال بکھرے رہے ہے شب وصال | یعنی کہ بے مروتی سے منھ چھپا گیا
چلنا ہوا تو قافلۂ روزگار سے | میں جوں صدا جرس کی اکیلا جدا گیا
کیا بات رہ گئی ہے مرے اشتیاق سے | رقعہ کے لکھتے لکھتے ترسل لکھا گیا
۱۲۶۰۰ سب زخم صدراں نے نمک بند خود کیے | صحبت جو بگڑی اپنے میں سارا مزا گیا

سارے حواس میرے پریشاں ہیں عشق میں — اس راہ میں یہ قافلہ سارا لٹا گیا
بادل گرج گرج کے سناتا ہے یعنی یاں — نوبت سے اپنی ہر کوئی نوبت بجا گیا
وے محو ناز ہی رہے آئے نہ اس طرف — میں منتظر تو جی سے گیا ان کا کیا گیا

دل دے کے جان میر نے پایان کار دی
یہ سادہ لوح طرح نئی دل لگا گیا

## ۱۶۹۹

میں ہوں خاک افتادہ جس آستانہ کا — عشق بھی اُس کا ہے نام اِک پیار کا ۱۲۶۰۵
بیچتا سر کیوں نہ گلیوں میں پھروں — میں ہوں خواہاں تلطفِ تہ بازار کا
خون کر کے ٹک نہ دل اُن نے لیا — کشتۂ و مردہ ہوں اس اسرار کا
گھر سے وہ معمار کا جو اٹھ گیا — حال ابتر ہو گیا گھر بار کا
نقل اُس کی بے وفائی کی ہے اصل — کب وفاداری ہے شیوہ یار کا
سر جو دے دے مارتے گھر میں پھرے — رنگ دیگر ہے در و دیوار کا ۱۲۶۱۰
اِک گدائے در ہے سیلاب بہار — غم کشوں کے دیدۂ خونبار کا
دلبراں دِل جنس ہے گنجائشی — اس میں کچھ نقصان نہیں سرکار کا

عشق کا مارا ہے کیا جینے کا میر
حال ہے بد حال اس بیمار کا

## ۱۷۰۰

جو تو ہی صنم ہم سے بیزار ہوگا — تو جینا ہمیں اپنا دشوار ہوگا
غم ہجر رکھے گا بیتاب دل کو — ہمیں کڑھتے کڑھتے کچھ آزار ہوگا ۱۲۶۱۵
جو افراط الفت ہے ایسا تو عاشق — کوئی دن میں برسوں کا بیمار ہوگا
اُچٹتی ملاقات کب تک رہے گی — کبھو تو تہ دل سے بھی یار ہوگا
تجھے دیکھ کر لگ گیا دل نہ جانا — کہ اس سنگدل سے ہمیں پیار ہوگا
لگا کرنے ہجراں سختی سے سختی — خدا جانے کیا آخر کار ہوگا
یہی ہوگا کیا ہوگا میر ہی نہ ہوں گے — جو تو ہوگا بے یار غمخوار ہوگا ۱۲۶۲۰

۱۷۰۱

| | |
|---|---|
| دیر بد عہد وہ جو یار آیا | دور سے دیکھتے ہی پیار آیا |
| بیقراری نے مار رکھا ہمیں | اب تو اس کے تئیں قرار آیا |
| گرد رہ اس کی اب اٹھو نہ اٹھو | میری آنکھوں ہی پر غبار آیا |
| اک خزاں میں نہ طیر بھی بولا | میں چمن میں بہت پکار آیا |
| ۱۲۶۲۵ ہار کر میں تو کاٹتا تھا گلا | وہ تمھاری گلے کا ہار آیا |
| طائر عمر کو نظر میں رکھ | غیب سے ہاتھ یہ شکار آیا |

موسم آیا تو نخل دار میں میر
سر منصور ہی کا بار آیا

۱۷۰۲

| | |
|---|---|
| زمانہ ہجر کا آسان کیا بسر آیا | ہزار مرتبہ منہ تک مرے جگر آیا |
| رہیں جو منتظر آنکھیں غبار لائیں ڈھلے | وہ انتظار کشوں کو نہ ٹک نظر آیا |
| ۱۲۶۳۰ ہزار طرح سے آوے گھڑی جدائی میں | ملاپ جس سے ہو ایسا نہ یک ہنر آیا |
| ملا جو عشق کے جنگل میں خضر میں نے کہا | کہ خوف شیر ہے مخدوم یاں کدھر آیا |
| یہ لہر آئی گئی زور کا ہے پانی تک | محیط اس مرے رونے کو دیکھ تر آیا |
| نثار کیا کریں ہم خانماں خراب اس پر | کہ گھر لٹا چکے جب یار اپنے گھر آیا |
| نہ روؤں کیونکہ علی الاتصال اس بن میں | کہ جی کے رُوندھنے سے جوں گل بھی بھر آیا |
| ۱۲۶۳۵ جوان مارے ہیں بے ڈھنگی ہی سے ان نے بہت | ستم کی مشق کی پر خون اسے نہ کر آیا |

لچک کمر کی جو یاد آئی اس کی بہ آوے
کہ پانی میر کے اشکوں کا تا کمر آیا

۱۷۰۳

| | |
|---|---|
| ہو کوئی اس بے وفا دلدار سے کیا آشنا | آشنا وہ پر سہل جو اک دم میں ہو نا آشنا |
| قدر جانو کچھ ہماری ورنہ پچھتاؤ گے تم | پھر نہیں ملنے کا تم کو کوئی ہم سا آشنا |
| باغ کو بے لالہ و گل دیکھ کہتے تھے طیور | جھڑ گئے بہت جھڑ میں اب کی ملنے کیا آشنا |

اب تو تو اُڑ کا نہیں عشق و ہوس میں کر تمیز	آشنا سے فرق ہوتا ہے بہت نا آشنا ۱۲۶۴۰

ملتے ملتے منہ چھپانا بھی لطیفہ ہے نیا	آشنائی یا نہ کریے ہو جیسے یا آشنا

تھا جنوں کا تلطف مجنوں سے سو دنیا سے گیا	مغفرت ہو اس کو وحشی ہم سے بھی تھا آشنا

اب جو ہاتھ آئے ہیں ہم مت مُفت کھو دیجیے ہمیں	پھر نہ ہوگا تم کو ایسا کوئی پیدا آشنا

کیسا ہی پانی ہو اُس کی پیری میں جانا ہے پیر
تھا جوانی میں مگر تو میر دانا آشنا

۱۷۰۴

گئے تھے سیر چمن کو اُٹھ کر گلوں میں یک جی لگا نہ اپنا
تلاش ہوش بہاریں کی نگار گلشن میں تھا نہ اپنا ۱۲۶۴۵

ملا تو تھا وہ بجا ہشیں دل مزہ بھی پاتے ملے سے لیکن
پھریں جو مستی میں اس کی آنکھیں سو ہوش ہم کو رہا نہ اپنا

جہاں کا دریا ہے بیکراں تو سر لب پایاں کار نکلا
جو لوگ نہ سے کچھ آشنا تھے انھوں نے لب تر کیا نہ اپنا

نکالی سرکش نے چال ایسی کہ دیکھ حیرت سے رہ گئے ہم
دلوں میں کیا کیا ہمارے آیا کریں سو کیا بس چلا نہ اپنا

کہے بھی کوئی تو اس سے جس میں سخن کسو کا اثر کرے کچھ
بکا کیے ہم ہمیشہ مانا کسو دن ان نے کہا نہ اپنا

نہ ہوش ہم کو نہ صبر دل کو نہ شور سر میں نہ زور پا میں
جو روویں کس کس کو روویں اب ہم وفا میں کیا کیا گیا نہ اپنا ۱۲۶۵۰

جہاں میں رہنے کو جی بہت تھا نہ کر سکے میر کچھ توقف
بنا تھی نا پائدار اس کی اسی سے رہنا بنا نہ اپنا

۱۷۰۵

پڑا تھا شور جیسا ہر طرف اس لاابالی کا	رہا ویسا ہی ہنگامہ مری بھی زار نالی کا

رہے بد حال صوفی حال کرتے دیر مجلس میں	مغنی سے سنا مصرع جو میرے شرح حالی کا

نظر بھر دیکھتا کوئی تو تم آنکھیں چھپا لیتے — سماں اب یاد ہوگا کب تمھیں وہ خورد سالی کا

۱۲۶۵۵ چمک یاقوت کی چلتی ہے اتنی دور کاہے کو — اچنبھا ہے نظر بازوں کو ان ہونٹھوں کی لالی کا

پھرے بستی میں رویت کچھ نہیں افلاس سے اپنی — الٰہی ہووے منھ کالا شتاب اس دست خالی کا

دماغ اپنا تو اپنی فکر میں ہی ہو چکا یکسر — خیال اب کس کو ہے اے ہمنشیں نازک خیالی کا

ذلیل و خوار ہیں ہم آگے خوباں کے ہمیشہ سے — پرکھا کچھ نہیں ہے ہم کو ان کی جھڑکی گالی کا

ڈرو جونکو جو چسپاں اختلاطی تم سے ہو مجھ کو — تشتت کیا ہے میرے دور کی اس دیکھا بھالی کا

نہ پہنچی جو دعائے میر واں تک تو عجب کیا ہے
۱۲۶۶۰ علوِ مرتبہ ہے بس کہ اس درگاہ عالی کا

## ۱۷۰۶

دل جو ناگاہ بے قرار ہوا — اس سے کیا جانوں کیا قرار ہوا

شب کا پہنا جو دن تلک ہے مگر — ہار اس کے گلے کا ہار ہوا

گرد سر اس کے جو پھرا میں بہت — رفتہ رفتہ مجھے دوار ہوا

بستر خواب سے جو اس کے اٹھا — گل تر سوکھ سوکھ خار ہوا

۱۲۶۶۵ مجھ سے لینے لگے ہیں عبرت لوگ — عاشقی میں یہ اعتبار ہوا

روز و شب روتے کڑھتے گزرے ہے — اب یہی اپنا روزگار ہوا

روؤں کیا اپنی سادگی کو میر
میں نے جانا کہ مجھ سے یار ہوا

## ۱۷۰۷

جس ستم دیدہ کو اس عشق کا آزار ہوا — اک دو دن ہی میں وہ زار و زبوں خوار ہوا

روز بازار میں عالم کے عجب شے ہے حسن — بک گیا آپ ہی جو اس کا خریدار ہوا

۱۲۶۷۰ دھوپ میں آگے کھڑا اس کے جلا کرتا ہوں — چاہ کر اس کے تئیں میں تو گنہگار ہوا

ہوش کچھ جن کے سروں میں تھا شتابی چیتے — حیف صد حیف کہ میں دیر خبردار ہوا

ہو بخود تو کسو کو ڈھونڈھ نکالے کوئی — وہی خود گم ہوا جو اس کا طلب گار ہوا

مرغ دل کی ہے رہائی سے مرا دل اب جمع — پرشکن بالوں میں وہ اس کے گرفتار ہوا

پیار کی دیکھی جو چتون کسو کی میں جانا — کہ یہ اب سادہ و پُر کار مرا یار ہوا
تکیہ اس پر جو کیا تھا سو گرا بستر پر — یعنی میں شوق کے افراط سے بیمار ہوا ۱۲۶۷۵

کیونکہ سب عمر صعوبت میں کٹی تیری میرؔ
اپنا جینا تو کوئی دن ہمیں دشوار ہوا

۱۷۰۸

آج اُس خوش پُرکار جواں مطلوب حسین نے لطف کیا — پیر فقیر اس بے دنداں کو اُن نے دنداں مزد دیا
آنسو کی بوند آنکھوں سے دونوں اب تو نکلتی ایک نہیں — دل کے طپیدن روز و شب نے خوب جگر کا لوہو پیا
مرتے جیسے صبر کیا تھا ویسی ہی بے صبری کی — ہائے دریغ افسوس کوئی دن اور نہ یہ بیمار جیا

ہاتھ رکھے رہتا ہوں دل پر برسوں گذرے ہجراں میں
ایک دن اُن نے گلے سے مل کر ہاتھ میں میرا دل لیا ۱۲۶۸۰

۱۷۰۹

اب یار دوپہر کو کھڑا ٹک جو یاں رہا — حیرت سے آفتاب جہاں کا تہاں رہا
جو قافلے گئے تھے اُنھوں کی اُٹھی بھی گرد — کیا جانیے غبار ہمارا کہاں رہا
سوکھی پڑی ہیں آنکھیں مری یہ سے جو لب — سیلاب ان ہی رخنوں سے مدت رواں رہا
اعضا گداز عشق سے ایک ایک بہ گئے — اب کیا رہا ہے مجھ میں جو میں نیم جاں رہا
منعم کا گھر تمادیِ ایام میں بنا — سو آپ ایک رات ہی واں میہماں رہا ۱۲۶۸۵
اُس کے فریبِ لطف پہ مت جا کہ ہمنشیں! — وہ دیر میرے حال پہ بھی مہرباں رہا
اب در پہ اُس کے گھر کے گرا ہوں گر نہ میں — مدت خرابہ گرد ہی بے خانماں رہا
ہے جان تو جہان ہے مشہور ہے مثل — کیا ہے گئے پہ جان کے گو پھر جہاں رہا

ترکِ شراب خانہ ہے پیری میں ورنہ میرؔ
ترسا بچوں ہی میں رہا جب تک جواں رہا

۱۷۱۰

سخن مشتاق ہے عالم ہمارا — بہت عالم کرے گا غم ہمارا ۱۲۶۹۰
پڑھیں گے شعر رو رو لوگ بیٹھے — رہے گا دیر تک ماتم ہمارا

نہیں ہے مرجع آدم اگر خاک | کدھر جاتا ہے قد خم ہمارا
زمین و آسماں زیر و زبر ہے | نہیں کم حشر سے اودھم ہمارا

کسو کے بال وا ہم دیکھتے میر
ہوا ہے کام دل برہم ہمارا

## ب

### ۱۷۱۱

۱۲۶۹۵ ہے عشق میں جو حال بتر تو ہے کیا عجب | مر جائے کوئی خستہ جگر تو ہے کیا عجب
لے جا کے نامے کتنے کبوتر ہوئے ہیں ذبح | اڑتی سی ہم کو آوے خبر تو ہے کیا عجب
شبہائے تار و تیرہ زمانے میں دن ہوئیں | شب ہجر کی بھی ہووے سحر تو ہے کیا عجب
چھلنی ہے رخنہ رخنہ یہ سپہر اثیر سب | اس آہ کا ہو اس میں اثر تو ہے کیا عجب
جاتی ہے چشم شوخ کسی کی ہزار جا | آوے ادھر بھی اس کی نظر تو ہے کیا عجب
۱۲۷۰۰ لغزش ملک سے ہووے لچک اس کمر کی دیکھ | عاشق سے جو بندھے نہ کمر تو ہے کیا عجب
ترک وطن کیا ہے عزیز دل نے چاہ میں | کر جائے کوئی رفتہ سفر تو ہے کیا عجب
برسوں سے ہاتھ مارتے ہیں سر پہ اس بغیر | ہووے بھی ہم نے ست بسر تو ہے کیا عجب
معلوم سود مندی عشاق عشق میں | پہنچے ہے اس سے ہم کو ضرر تو ہے کیا عجب
گھر بار ہیں لٹا کے گیا گھر سے بھی نکل | اب آوے وہ کبھو مرے گھر تو ہے کیا عجب

ملتی نہیں ہے آنکھ اس آئینہ رو کی میر
۱۲۷۰۵ وہ دل جو لے کے جائے مکر تو ہے کیا عجب

### ۱۷۱۲

آیا ہے شیب سر پہ گیا ہے شباب اب | کرنا ہو جو کچھ ہو تم کو سو کرو شتاب اب
نکلا بنا ہوا ہے عشق سے سو بار عاقبت | پایا قرار یہ کہ رہو ہوں میں خراب اب
خوں ریزی عاشقوں کی ہے ظالم اگر ثواب | تو تو ہوا ہے تجھ کو بہت سا ثواب اب
بھڑکی ہے دوروں میں آتش سوزندہ عشق کی | دل رہ گیا ہے پہلو میں ہو کر کباب اب
۱۲۷۱۰ ہول اس بہشتی رو سے ہیں تبدیل نعیم ہیں | رہتا ہے میری خاک کو ہر دم عذاب اب

قاصد جو آیا چپ ہے نشاں خط کا کچھ نہیں　　دیکھیں جو لاوے باد کوئی کیا جواب اب

کیا رنج و غم کو آگے ترے میں کروں شمار　　یاں خود حسابی میری تو ہے بے حساب اب

جھپکی ہیں آنکھیں اور جھکی آتی ہیں بہت　　نزدیک شاید آیا ہے ہنگامِ خواب اب

آرام کریے میری کہانی بھی ہو چکی　　کرنے لگو گے ورنہ عتاب و خطاب اب

جانا سبھوں نے یہ کہ تو معشوق میر ہے
خلع العذار سے یہ کیا ہے حجاب اب　　۱۲۷۱۵

## ۱۷۱۳

منھ دھوتے اُس کے آنا تو ہے کثر آفتاب　　کھاوے گا آفتابہ کوئی خود سر آفتاب

سر صدقے تیرے ہونے کی خاطر بہت ہے گرم　　مارا کرے ہے شام و سحر چکر آفتاب

ہر خانہ کیوں نہ صبح جہاں میں ہو پُر فروغ　　پھرتا ہے جھانکتا اُسی کو گھر گھر آفتاب

تجرید کا فراغ ہے یک دولتِ عظیم　　بھاگے ہے اپنے سائے سے کبھی خوش تر آفتاب

نازک مزاج ہے تو کہیں گھر سے مت نکل　　ہوتا ہے دوپہر کے تئیں سر پر آفتاب　　۱۲۷۲۰

پیدا ہے روز مشرق نو کی نمود سی　　آئے ہے کوٹھے یار سے بچ بچ کر آفتاب

ہو لپت اُس کے نور کا زیرِ زمیں گیا　　ہر چند سب ستاروں سے تھا برتر آفتاب

اُس رُخ کی روشنی میں نہ معلوم کچھ ہوا　　مہ گم کدھر ہوا ہے گیا کیدھر آفتاب

کس زور کش کی قوس قزح ہے کمان تاک　　جس کی اٹھا سکا نہ کبھو سپر آفتاب

روشن ہے یہ کہ خوف ہے اُس غصّہ ور کا میر
نکلے ہے صبح کانپتا جو تھر تھر آفتاب　　۱۲۷۲۵

## ۱۷۱۴

آئینہ سا جو کوئی یاں آشنا صورت ہے اب　　بے مروّت اس زمانے میں ہمہ حیرت ہے اب

کیا کوئی یاری کسو سے کر کے ہووے شاد کام　　دوستی ہے دشمنی اُلفت نہیں کلفت ہے اب

چاہتا ہے وہ دل گرفتہ کسو سے دل دماغ　　سو دماغ اپنا ضعیف قلب بے طاقت ہے اب

کیونکہ دنیا دنیا رسوائی مری موقوف ہو　　عالم عالم مجھ پہ اُس کے عشق کی تہمت ہے اب

اشک نومیدانہ پھرتے ہیں مری آنکھوں کے بیچ　　میر یہ دے ہے دکھائی جان کی رخصت ہے اب　　۱۲۷۳۰

۱۷۱۵

مالیے ہی ڈالے ہے جس کا زندگی میں اضطراب ‏— ساتھ میرے دل گیا تو آ چکا مرنے کا خواب

ٹک ٹھہرتا بھی تو کہتے تھا کسو بجلی کی تاب ‏— یا کہ نکہت گل کی تھا آیا گیا عہد شباب

کی نماز صبح کو کھو کر نماز اشراق کی ‏— ہو گیا مجھ پر ستم اُٹھا نہ ٹک مستی میں خواب

دیکھنا منھ یار کا اس وجہ سے ہوتا نہیں ‏— یا الٰہی دے لبانے سے اٹھا رہیم نقاب

۱۲۷۳۵ ضعف ہے اُس کے مرض اور اُس کے غم سے الغرض ‏— دل بدن میں آدمی کے ایک ہے خانہ خراب

یار میں ہم میں پڑا پردہ جو ہے ہستی ہے یہ ‏— بیچ سے اُٹھ جائیے تو ہے ابھی رفع حجاب

صورت دیوار ہے مدت کھڑے در پر ہے ‏— پر کبھو صحبت میں اُس کی ہم ہوئے ہیں باریاب

مے سے توبہ کرنی ہی معقول اگر ہم جانتے ‏— ہم پہ شیخ شہر برسوں سے کرے ہے احتساب

جمع کتنے خوباں بہت لیکن پسند اس کو کیا

کیا غلط میں نے کیا اے میر وقت انتخاب

۱۷۱۶

۱۲۷۴۰ اُس مغل زادے سے بھی ہر بات کی تکرار خوب ‏— بد زبانی بھی کی اُن نے تو کہا بسیار خوب

ٹک نہیں ڈرتے ہیں لے کر ہاتھ میں شمشیر تیز ‏— بے کسوں کے قتل میں اتنا نہیں اصرار خوب

آخر ان خوباں نے عاشق جان کر مارا مجھے ‏— چاہ کا اپنی نہ کرتا اُن سے تھا اظہار خوب

آج کل سے مجھ کو بیتابی و بدحالی ہے کیا ‏— مجھ مریض عشق کے کب سے نہ تھے آثار خوب

کیا کریمی اُس کی کہیے جنت در بستہ دی ‏— ورنہ مفلس جرم زدوں کے کچھ نہ تھے کردار خوب

۱۲۷۴۵ مخترع جور و ستم میں بھی ہوا وہ نوجواں ‏— ظلم تب کرتا ہے جب ہو کوئی منت دار خوب

دہر میں پستی بلندی برسوں تک دیکھی ہے میں ‏— جب لٹا پامالی سے میں تب ہوا ہموار خوب

کیا کسو سے آشنائی کی رکھے کوئی امید ‏— کم پہنچتا ہے بہم دنیا میں یار دیار خوب

کہتے تھے اُس کے سے اے میر مت کھا پیچ و تاب

آخر اُس کوچے میں جا کھائی نہ تو نے مار خوب

## ت

جو کوئی اس بے وفا سے دل لگاتا ہے بہت ۱۷۱۷ وہ ستمگر اس ستمکش کو ستاتا ہے بہت

اُس کے سونے سے بدن سے کس قدر چسپاں ہے ہائے
جامہ کبریتی کسو کا جی جلاتا ہے بہت ۱۲۷۵۰

کیا پس از چندے مری آوارگی منظور ہے
مو پریشاں اب جو شب مجھ پاس آتا ہے بہت

چاہ میں بھی بیشتر جانے سے کم ہوتا ہے وقر
اس لئے جاتا ہوں تب جب وہ بلاتا ہے بہت

گرچہ کم جاتا ہوں پر دل پر نہیں کچھ اختیار
وہ کجی سے سیدھیاں مجھ کو سناتا ہے بہت

بھول جاوے گا سخن پردازی اُس کے سامنے
شاعری سے جو کوئی باتیں بناتا ہے بہت

بامزہ معشوق کیا کم ہیں پر اُس کو کیا کروں
ناز و انداز اس ہی کا جو مجھ کو بھاتا ہے بہت ۱۲۷۵۵

وہ نہیں ہجراں میں اس بن خواب خوش آوے مجھے
اب خیال اُس کی طرف ہر لحظہ جاتا ہے بہت

کیا کروں کہنے لگا ادھر نہ آنے پائے وہ
بد کہیں ہنگامہ آرا میرؔ آتا ہے بہت

۱۷۱۸

منھ پہ رکھتا ہے وہ نقاب بہت
ہم سے کرتا ہے وہ حجاب بہت

چشمکِ گل کا لطف بھی نہ اٹھا
کم رہا موسم شباب بہت

دیر بھی کچھ لگی نہ مرتے ہمیں
عمر جاتی رہی شتاب بہت ۱۲۷۶۰

ڈھونڈتے اُس کو کوچے کوچے پھرے
دل نے ہم کو کیا خراب بہت

چلنا اپنا قریب ہے شاید
جاں کرے ہے اب اضطراب بہت

توبہ مے سے بہار میں نہ کہ دل
گو کرے شیخ احتساب بہت

اس غصیلے سے کیا کسو کی نبھے
مہربانی ہے کم عتاب بہت

کشتن مرد ماں اگر ہے ثواب
تو ہوا ہے اُسے ثواب بہت ۱۲۷۶۵

دیر تک کعبے میں تھے شب بے ہوش
پی گئے میرؔ جی شراب بہت

۱۷۱۹

کیا کہیں ہے حال دلِ مدہم بہت
کڑھتے ہیں دن رات اس پہ ہم بہت

رہتا ہے ہجراں میں غم غصے سے کام
اندشے بھی سن کے ہیں برہم بہت

اضطراب اس کا نہیں ہوتا ہے کم
ہاتھ بھی رکھتے ہیں دل پہ ہم بہت

اس گلی سے جی اُچٹتا تک نہیں — دل جگر کرتے ہیں تقصیر ہم بہت

میر کی بدحالی شب مذکور تھی
کڑھ گئے یہ حال سن کر ہم بہت

۱۷۲۰

باہر چلنے میں آبادی سے کر نہ تغافل یار بہت — وحشی وحش و طیر آئے ہیں ہونے تیرے شکار بہت

دعوی عاشق بیچارے کا کون سنے گا محشر میں — خیل ملائک واں بھی ہوں گے اُس کے خاطر دار بہت

خشکی لب کی زردی رخ کی نمناکی دو آنکھوں کی — جو دیکھے ہے کہے ہے اُن نے کھینچا ہے آزار بہت

۱۷۷۷۵ جسم کی حالت جی کی طاقت نبض سے کر معلوم طبیب — کہنے لگا جانبر کیا ہوگا یہ تو ہے بیمار بہت

چار طرف ابرو کے اشارے اس ظالم کے زمانے میں — ٹھہرے کیا عاشق بیکس یاں چلتی ہے تلوار بہت

پیش گئی نہ کچھ چاہت میں کافر و مسلم دونوں کی — سیکڑوں سبحے پھینکے گئے اور ٹوٹے ہیں زنار بہت

جی کے لگاؤ کہے سے ہم نے جی ہی جاتے دیکھے ہیں — اس پہ نہ جانا آہ بُرا ہے اُلفت کا آزار بہت

کس کو دماغ سیر چمن ہے کیا ہجراں میں واشد ہو — کم گلزار میں اُس بن جا کر آتا ہوں بیزار بہت

میر دعا کر حق میں میرے تو بھی فقیر ہے مدت سے
۱۷۷۸۰ اب جو کبھو دیکھوں اُس کو تو مجھ کو نہ آوے پیار بہت

# چ

۱۷۲۱

لُطف جیسے ہیں اُس کی چاہ کے بیچ — رنج ویسے ہی ہیں نباہ کے بیچ

ذوق صید اُس کو تھا تو خیل ملک — دھوم رکھتے تھے دام گاہ کے بیچ

کب مزہ ہے نماز صبح میں وہ — جو صبوحی کے ہے گناہ کے بیچ

اُس غصیلے کی سرخ آنکھیں دیکھ — اُٹھے آشوب خانقاہ کے بیچ

۱۷۷۸۵ جان و دل دونوں کر گئے تھے غش — دیکھ اُس رشک مہ کو راہ کے بیچ

اُس کی چشم سیہ ہے وہ جس نے — کتنے جی مارے اک نگاہ کے بیچ

سانجھ ہی رہتی پھر اگر ہوتا — کچھ اثر نالۂ پگاہ کے بیچ

کیا رہیں جور سے بتوں کے ہم | رکھ لے اپنی خدا پناہ کے بیچ
منھ کی دو جھائیوں سے مت شرما | جھائیں ہوتی ہے روئے ماہ کے بیچ

میر بیمار ہے کہ فسق نہیں
متصل اُس کے آہ آہ کے بیچ ۱۲۷۹۰

## ۱۷۲۲

وامق و فرہاد و مجنوں کون ہے یاروں کے بیچ | جو کہوں میں کوئی ہے میرے بھی غمخواروں کے بیچ
جمع خوباں میں مرا محبوب اس مانند ہے | جوں مہِ تابندہ آتا ہے کبھو تاروں کے بیچ
جو جفا عاشق پہ ہے سو اور لوگوں پر نہیں | اِس سے پیدا ہے کہ میں ہی ہوں گنہ گاروں کے بیچ
مر گئے بہتیرے صاحب دل ہوس کس کو ہوئی | ایسے مرنے جینے کی اُن عشق کے ماروں کے بیچ
رونا کڑھنا عشق میں دیکھا مرا جن نے کہا | کیا جیے گا یہ ستم دیدہ ان آزاروں کے بیچ ۱۲۷۹۵
منتظر برسوں رہے ہے افسوس آخر مر گئے | دیدنی تھے لوگ اُس ظالم کے بیماروں کے بیچ
خاکِ تربت کیوں نہ اپنی دلبرانہ اُٹھ چلے | ہم بھی تھے اُس نازنیں کے ناز برداروں کے بیچ
صاف میداں لامکاں سا ہو تو میرا دل کھلے | تنگ ہوں معمورۂ دنیا کی دیواروں کے بیچ

باغ میں تھے شب گلِ مہتاب میرے آس پاس
یار بن یعنی رہا میں میر انگاروں کے بیچ

## ۱۷۲۳

دل بھی ہے جس کو دل کہتے ہیں اس عالم کے بیچ | کاش یہ آفت نہ ہوتی قالبِ عالم کے بیچ ۱۲۸۰۰
چھاتی کُٹتی سنگ ہی سے دل کے جانے میں نہیں | لعل سینوں پر جڑے جاتے ہیں اس ماتم کے بیچ
نقشہ اُس کا مردمِ دیدہ میں میرے نقش ہے | یعنی صورت اُس ہی کی پھرتی ہے چشمِ نم کے بیچ
شاد وے جو اب جواں تازہ ہوئے ہیں شہر میں | دل زدہ ہم شیب میں رہتے ہیں اپنے غم کے بیچ
دل نہ ایسا کر کہ پُشتِ چشم وہ نازک کرے | سو بلائیں ہیں یہاں اُن ابروؤں کے خم کے بیچ
حد سے افزوں اس گلی میں شور ہے عُشّاق کا | کون سنتا ہے کسو کی بات اُس اودھم کے بیچ ۱۲۸۰۵

رونق و آبادیِ ملکِ سخن ہے اس تلک
ہوں ہزاروں دم الٰہی میر کے اک دم کے بیچ

ر

دل کی آفت ہے آئی جانوں پر ۱۷۲۴ یہ فسانہ رہا زبانوں پر

عشق میں ہوش و صبر سنتے تھے
رکھ گئے ہاتھ سو تو کانوں پر

گرچہ انساں ہیں زمیں سے ملے
ہیں دماغ ان کے آسمانوں پر

۱۲۸۱۰ شہر کے شوخ سادہ رو لڑکے
ظلم کرتے ہیں کیا جوانوں پر

عرش و دل دونوں کا ہے پایہ بلند
سیر رہتی ہے ان مکانوں پر

جب سے بازار میں ہے تجھ سی متاع
بھیڑ ہی رہتی ہے دکانوں پر

لوگ سر دینے جاتے ہیں کب سے
یار کے پانووں کے نشانوں پر

کجی اوباش کی سے ہے وہ دربند
ڈالے پھرتا ہے بند شانوں پر

۱۲۸۱۵ کوئی بولا نہ قتل میں میر سے
مہر کی تھی مگر دہانوں پر

یاد میں اس کے ساق سیمیں کی
دے دے مارا ہوں ہاتھ رانوں پر

تھے زمانے میں خرچی جن کی رُپے
پھانسا کرتے ہیں ان کو آنوں پر

غم و غصہ ہے حصے میں میرے
اب معیشت ہے ان ہی کھانوں پر

قصے دنیا میں میر بہت سنے
نہ رکھو گوش ان فسانوں پر

۱۷۲۵

۱۲۸۲۰ آرہے ہو گھر سے اٹھ کر میرے مکاں کے اوپر
کی تم نے مہربانی بے خانماں کے اوپر

پھولوں سے اٹھ نگاہیں گھرنے پہ اس کے ٹھہریں
وہ گل فروش کل جو آیا دکاں کے اوپر

برسات اب کی گزری خوف و خطر میں ساری
چشمک زناں رہی ہے برق آشیاں کے اوپر

رخسار سا کسو کے کاہے کو ہے فروزاں
ہر چند ماہ تاباں ہے آسماں کے اوپر

بے سدھ پڑا رہوں ہوں بستر پہ رات دن میں
کیا آفت آگئی ہے اس نیم جاں کے اوپر

۱۲۸۲۵ عشق و ہوس میں کچھ تو آخر تمیز ہوگی
آئی طبیعت اس کی گر امتحاں کے اوپر

الفت کی کلفتوں میں معلوم ہے ہوئی وہ
تھا اعتماد کلی تاب و تواں کے اوپر

مجھ دم رہا تھا اکثر غیرت سے لیک گاہے
آیا نہ نام اس کا میری زباں کے اوپر

| | |
|---|---|
| وہ جان و دل کی خواہش آیا نہیں جہاں میں | آئی ہے اک قیامت اہلِ جہاں کے اوپر |
| کیا لوگ ہیں محباں سودائے عاشقی میں | اغماض کرتے ہیں سب جی کے زیاں کے اوپر |
| حیرت سے اُس کے رو کی چپ لگ گئی ہے ایسی | گویا کہ مہر کی ہے میرے دہاں کے اوپر ۱۲۸۳۰ |

جو راہِ دوستی میں اے میرؔ مر گئے ہیں
سر دیں گے لوگ اُن کے پا کے نشاں کے اوپر

## ۱۷۲۶

| | |
|---|---|
| آیا جو اپنے گھر سے وہ شوخ پان کھا کر | کی بات اُن نے کوئی سو کیا چبا چبا کر |
| شاید کہ منھ پھرا ہے بندوں سے کچھ خدا کا | نکلے ہے کام اپنا کوئی مدعا خدا کر |
| کان اُس طرف نہ رکھے اُس حرف ناشنو نے | کہتے رہے بہت ہم اُس کو سنا سنا کر |
| کہتے تھے ہم کسو کو دیکھا کرو نہ اتنا | دل خوں کیا نہ اپنا آنکھیں لڑا لڑا کر ۱۲۸۳۵ |
| آگے ہی مر رہے ہیں ہم عشق میں بتاں کے | تلوار کھینچتے ہو ہم کو دکھا دکھا کر |
| وہ بے وفا نہ آیا بالیں پہ وقتِ رفتن | سو بار ہم نے دیکھا سر کو اٹھا اٹھا کر |
| چلتے تھے ہولے ہولے ہم یوں تو عاشقی میں | پر اُن نے جی ہی مارا آخر چلا چلا کر |
| سوتے نہ ٹک چل اس سے اے باد تو نے ظالم | بہتیرے دل کو سلایا اُس کو جگا جگا کر |
| مدت ہوئی ہمیں ہے واں سے جوابِ مطلق | دفتر کیے روانہ لکھ لکھ لکھا لکھا کر ۱۲۸۴۰ |

کیا دور میرؔ منزل مقصود کی ہے اپنے
اب تھک گئے ہیں ادھر قاصد چلا چلا کر

## ۱۷۲۷

| | |
|---|---|
| آیا ہے ابر قبلہ چلا خانقاہ پر | صوفی ہوا کو دیکھ کے کاش آوے راہ پر |
| وہ آنکھ اٹھا کے شرم سے کب دیکھے ہے ولے | ہوتے ہیں خون نیچی بھی اُس کی نگاہ پر |
| بالفرض چاہتا ہے گنہ لیک میری جاں | واجب ہے خون کرنا کہاں اس گناہ پر |
| کیا بحث میرے وقر سے میں ہوں فقیر محض | ہے اس گلی میں حرفِ سخن عز شاہ پر ۱۲۸۴۵ |
| تہ سے سخن کے لوگ نہ تھے آشنا عبث | جاگہ سے تم گئے انھوں کی واہ واہ پر |
| خندہ چشم شور چرخ سے گل پھول یک طرف | آنکھ اس دنی کی دوڑے ہے اک برگِ کاہ پر |

دیکھی ہے جن نے یار کے رخسار کی چمک — اس کی نظر گئی نہ شب مہ میں ماہ پر
ہم جاں بہ لب پتنگوں کی سدھ لیجیو شتاب — موقوف اپنا جانا ہے اب ایک ماہ پر

کہتے تو ہیں کہ ہم بھی تمھیں چاہتے ہیں میر
۱۲۸۵۰ پر اعتماد کس کو ہے خوباں کی چاہ پر

## ۱۷۲۸

میلان دلربا ہو کیونکر وفا کے اوپر — دیتا ہے جان عالم اس کی جفا کے اوپر
کشتہ ہوں اس حیا کا کٹوائے بہتوں کے سر — پر آنکھیں اس کی وہ نہیں تھیں پشت پا کے اوپر
مہندی لگا کے ہرگز گھر سے تو مت نکلیو — بٹتے ہیں خون تیرے سنگ حنا کے اوپر
ہوں کو بہ کو صبا سا پر کچھ نہیں ہے حاصل — شاید برات اپنی لکھی ہوا کے اوپر

بندوں سے کام تیرا اے میر کچھ نہ نکلا
۱۲۸۵۵ موقوف مطلب اپنا اب رکھ خدا کے اوپر

## ۱۷۲۹

زانو پہ سر ہے اکثر مت فکر اس قدر کر — دل کوئی لے گیا ہے تو میر ٹک جگر کر
خورشید و ماہ دونوں آخر نہ دل سے نکلے — آنکھوں میں پھر نہ آئے جی سے مرے اتر کر
یوسف عزیز دلہا جا مصر میں ہوا تھا — ذلت جو ہو وطن میں تو کوئی دن سفر کر
اے ہمنشیں غشی ہے میں ہوش میں نہیں ہوں — مجھ کو مری زبانی سو بار اب خبر کر
۱۲۸۶۰ کیا حال زار عاشق کریے بیاں نہ پوچھو — کرتا ہے بات کوئی دل کی تو چشم تر کر
دیتے نہیں ہیں سونے ٹک آہ و نالے اس کے — یارب شب جدائی عاشق کی بھی سحر کر
اتنا ہی منھ چھپایا شوخ اس کے محرموں نے — جو بچھ گئی ہیں زلفیں اس چہرے پر بکھر کر
کیا پھیر پھیر گردن باتیں کری ہیں سب میں — جاتے ہیں غش کیے ہم مشتاق منھ ادھر کر
بن دیکھے تیرے میں تو بیمار ہو گیا ہوں — حال تبہ میں میرے تو بھی تو ٹک نظر کر
۱۲۸۶۵ رخنے کیے جو تو نے پتھر کی سل میں تو کیا — اے آہ اس صنم کے دل میں بھی ٹک اثر کر

مارے سے غل کیے سے جاتا نہیں ہے ہرگز
نکلے گا اس گلی سے شاید کہ میر مر کر

۱۷۳۰

باندھے کمر سحر گہ آیا ہے میرے کیں پر
جو حادثہ فلک سے نازل ہوا زمیں پر

اقرار میں کہاں ہے انکار کی سی خوبی
ہوتا ہے شوق غالب اُس کی نہیں نہیں پر

کُنجِ قفس میں جوں توں کاٹیں گے ہم اسیراں
سیرِ چمن کے شایاں اپنے رہے نہیں پر

جوں آب گیری کردہ شمشیر کی جراحت
ہے ہر خراش ناخن رخسارہ و جبیں پر ۱۲۸۷۰

آخر کو ہے خدا بھی تو اے میاں جہاں میں
بندے کے کام کچھ کیا موقوف ہیں تمھیں پر

غصے میں عالم اُس کا کیا کیا نظر پڑا ہے
تلوار کھینچتا تھی اس کی جبیں کی چیں پر

تھے چشمِ خوں فشاں پر شاید کہ دست و دامن
ہیں میر داغ خوں کے پیراہن آستیں پر

۱۷۳۱

گل کیا جسے کہیں کہ گلے کا تو ہار کر
ہم پھینک دیں اسے ترے منھ پر نثار کر

آغوش جیسے موجیں الٰہی کشادہ ہیں
دریائے حسن اس کا کہیں ہم کنار کر ۱۲۸۷۵

یاں چلتے دیر کچھ نہیں لگتی ہے میری جاں
رختِ سفر کو اپنے شتابی سے بار کر

مختار رونے ہنسنے میں تجھ کو اگر کریں
تو اختیار گریۂ بے اختیار کر

مشقِ ستم ہوئی ہے بہت صاف یار کی
پُشتے لگا دیے ان نے جوانوں کو مار کر

صیادی میں علوِّ تقدّس تو اس کا دیکھ
روح القدس کو مار رکھا ہے شکار کر

بہنے لگی ہے تیغ کی جدول تو تیری تیز
دشمن کا کام دار میں پہلے ہی بار کر ۱۲۸۸۰

میں بیقرار خاک میں کب تک ملا کروں
کچھ ملنے کا نہ ملنے کا تو بھی قرار کر

میں رفتۂ میر مجلسِ تصویر کا گیا
تو بیٹھا میر احشر تک اب انتظار کر

## ک

۱۷۳۲

جب کہنے تھے تب تم نے تو گوش ہوش نہ کھولے ٹک
چپکے چپکے کنو کو چاہا پوچھا بھی تو نہ بولے ٹک

اب جتے پھاتی جلی نی الواقع لطف نہیں ہے شکایت کا — صبر کرو کیا ہوتا ہے یاں پھوٹے دل کے پھپھولے تک

۱۲۸۸۵ نالہ کشی میں مرغ چمن یکتا ہے پر ہم تب جانیں — نعرہ زناں جب صبح سے آکے ساتھ ہمارے بولے تک

اس کی قامت در د سے کیا سر دبرابر ہووے گا — ناموزوں ہی نکلے گا سنجیدہ کوئی جو بولے ٹک

آنکھیں جو کھولیں سوتے سے تو حال ہی کہنے مجھ کو کہا — ساری رات کہانی کہی ہے تو بھی اٹھ کر سولے ٹک

مشکل ہے دلداریٔ عاشق وہ برسوں بیتاب رہے ہے — بے طاقت اس دل کو میرے ہاتھ میں اپنے تولے ٹک

ایسے درد دل کرنے کو میر کہاں سے جگر آوے
گرم سخن لوگوں میں ہو کوئی بات کرے تو رو دے ٹک

۱۷۳۳

۱۲۸۹۰ رہے ہے غش و درد دو دو پہر تک — سر زخم پہونچا ہے شاید جگر تک

ہوئے ہیں حواس اور ہوش و خرد گم — خبر کچھ تو آئی ہے اس بے خبر تک

زمیں گرد اس مہ کی ہے یکسر ہیں عاشق — ستارے فلک کے رہے ہیں ادھر تک

قیامت ہے مشتاق لوگوں کی کثرت — پہونچنا ہے مشکل ہمیں اس کے گھر تک

کہاں تک اسے سر سے مارا کرو دل میں — نہ پہونچا مرا ہاتھ اس کی کمر تک

۱۲۸۹۵ بہار آئی پر ایک پتی بھی گل کی — نہ آئی اسیران بے بال و پر تک

بہت میر بر ہم جہاں میں رہیں گے
اگر وہ گئے آج شب کی سحر تک

۱۷۳۴

وہ تو نہیں کہ اودھم رہتا تھا آشیاں تک — آشوب نالہ اب تو پہونچا ہے آسماں تک

لبریز جلوہ اس کا سارا جہاں ہے یعنی — ساری ہے وہ حقیقت جاوے نظر جہاں تک

ہجراں کی سختیوں سے پتھر دل و جگر ہیں — صبر اس کی عاشقی میں کوئی کرے کہاں تک

۱۲۹۰۰ سودائے عاشقی میں نقصان ہے جی کا لیکن — ہم راضی ہو رہے ہیں اپنے زیان جاں تک

واماندہ نقش پا سے یک دشت ہم ہیں بیکس — دشوار ہے پہونچنا اب اپنا کارواں تک

جی مارتے ہیں دلبر عاشق کا اس خطر سے — حرف وفا نہ آیا اپنی کبھو زباں تک

دل دھڑکے ہے جو بجلی چمکے ہے سوئے گلشن — پہونچے مباد میری خاشاک آشیاں تک

دیوار دل سے بھی مارا پتھر دل سے پھوڑ ڈالا
پہونچا نہ سر ہمارا حیف اس کے آستاں تک

یہ تنگی و نزاکت اس رنگ سے کہاں ہے
گل برگ و غنچے پہونچیں کب اُن لب و دہاں تک ۱۲۹۰۵

ان جلتی ہڈیوں پر ہرگز ہما نہ بیٹھے
پہونچی ہے عشق کی تپ اے میرؔ استخواں تک

۱۷۲۵

اُس کی رہے گی گرمیٔ بازار کب تلک
وہ بیچتا رہے گا خریدار کب تلک

عہد و عید و حشر قیامت ہے دیکھیے
جیتے رہیں گے طالب دیدار کب تلک

دل کا جگر کا لوہو تو غم نے سکھا دیا
آنکھیں رہیں گی دیکھیے خوں بار کب تلک

نسبت بہت گناہوں کی کرتا ہے اُس طرف
بے جرم ہم رہیں گے گنہ گار کب تلک ۱۲۹۱۰

اُس کی نگاہِ مست ہے اکثر سوئے دباط
صوفی رہیں گے حال سے ہشیار کب تلک

دیوار و در بنے سے تھے جہاں واں نشاں نہیں
یاں خانوادوں کے رہیں آثار کب تلک

مہماں کوئی دن کا ہے وارفتہ عشق کا
ظاہر ہے حال سے کہ یہ بیمار کب تلک

ترسا کے مارنے میں عذابِ شدید ہے
اِک کھینچ کر نہ مارو گے تلوار کب تلک

صیّاد اسیر کر کے جسے اٹھ گیا ہو میرؔ
وہ دام کی شکن میں گرفتار کب تلک ۱۲۹۱۵

# ل

۱۷۲۶

چپ رہ اب نالوں سے اے بلبل نہ کر آزارِ دل
کم دماغی ہے بہت مجھ کو کہ ہوں بیمارِ دل

ابتدائے خبط میں ہوتا تدارک کچھ تو تھا
اب کوئی سنبھلے ہے مجھ سے وحشتِ بسیارِ دل

یک توجہ میں رہے ہے میر اس کی عرش پر
عقل میں آتے نہیں ہیں طرفہ طرفہ کارِ دل

باغ سے لے دشت تک رکھتے ہیں اک شورِ عجب
ہم اسیرانِ قفس کے نالہ ہائے زارِ دل

اس سبک روحی پہ جوں بادِ سحر در در پھرے
زندگی اب یار بن اپنی ہوئی ہے بارِ دل ۱۲۹۲۰

تنگی و وسعت سے اس کی ہے عبادت سازِ فہم
میرؔ کچھ سمجھے گئے نہ معنیٔ اسرارِ دل

۱۷۳۷

زنہار گلستاں میں نہ کر منھ کو سوئے گل　　چڑھ جائے مغز میں نہ کہیں گرد بوئے گل
موسم گئے نشاں بھی کہیں پتّے کا نہ تھا　　کی شوق کشتگاں نے عبث جستجوئے گل
تڑپے خزاں میں اتنے کہ مر مر گئے طیور　　جاوے گی ساتھ جی کے مگر آرزوئے گل
۱۲۹۲۵　آئے نظر بہار میں پائیز میں گئے　　ہے بے وفائی کرنے کی ہر سال خوئے گل

مدّت ہوئی کہ دیکھا تھا سیرِ چمن میں میرؔ
پھرتا ہے اب تلک مری آنکھوں میں روئے گل

۱۷۳۸

طریق عشق میں ہے رہنما دِل　　پیمبر دل ہے قبلہ دل خدا دِل
قیامت تھا مروّت آشنا دِل　　موئے پر بھی مرا اس میں رہا دِل
رکا اتنا خفا اتنا ہوا تھا　　کہ آخر خون ہو ہو کر بہا دِل
۱۲۹۳۰　جسے مارا اُسے پھر کر نہ دیکھا　　ہمارا طرفہ ظالم سے لگا دل
نہ تھی سہل استقامت اس کی لیکن　　خرامِ نازِ دلبر لے گیا دل
بدن میں اُس کے تھی ہر جائے دِلکش　　بجا بے جا ہوا ہے جا بجا دل
گئے وحشت سے باغ و داغ میں تھے　　کہیں ٹھہرا نہ دنیا سے اٹھا دِل
اسیری میں تو کچھ واشد کبھو تھی　　رہا غمگیں ہوا جب سے رہا دل
۱۲۹۳۵　ہمہ تن میں الم تھا سو نہ جانا　　گرہ یہ درد ہے پہلو میں یا دل
خموشی مجھ کو حیرت سے ہے ورنہ　　بھرے ہیں لب لے کر شکوے تا دل
نہ پوچھا ان نے جس بن خوں ہوا سب　　نہ سمجھا اس کے کینے کی ادا دِل
ہوا پژمردہ بے صبر و بے تاب　　کرے گا اس طرح کب تک وفا دل

ہوے پروانہ واں دلبر کو یاں میرؔ
اُٹھا کر ہو چکا جور و جفا دِل

م

۱۷۳۹

۱۲۹۴۰　کھا گئے یاں کے فکر سو موہوم　　واں گئے کیا ہو کچھ نہیں معلوم

وصل کیونکر ہو اس خوش اختر کا — جذب ناقص ہے اور طالع شوم

نہ ہوئے تھے ابھی جوان افسوس — صبر مغفور و طاقت مرحوم

جب غبار اپنے دل کا نکلے ہے — دیر رہتی ہے آندھی کی سی دھوم

بھیگی اس کی مسوں کی خوبی سے — بے حواسی ہے ہم کو جوں مسموم

ہے عبث یہ تردد و تشویش — پہونچے ہے وقت پر جو ہے مقسوم ۱۲۹۴۵

ہاتھ سے وہ گئی جو سیمیں ساق — ہم رہے سر بہ زانوے مغموم

صاحب اپنا ہے بندہ پرور میر
ہم جہاں سے نہ جائیں گے محروم

۱۷۴۰

عشق کیا ہے اس گل کا یا آفت لائے سر پر ہم — جھانکتے اس کو ساتھ صبا کے صبح پھریں ہیں گھر گھر ہم

روز و شب کو اپنے یارب کیونکہ کریں گے روز و شب — ہاتھ رکھے رہتے ہیں دل پر بے تابی میں اکثر ہم

پوچھتے راہ شکستہ دل کی جا نکلے تھے کعبے میں — سوچ وہاں تو گزرا جی میں آئے کدھر سے کیدھر ہم ۱۲۹۵۰

شام سے کرتا منزل آکر گھر کو ہمارے صدر نشیں — رکھتے ستارہ اس مہ وش کی چاہ میں گر بد اختر ہم

برسوں خس و خاشاک پہ سوئے مدت گلخن تابی کی — بخت نہ جاگے جو اس سے ہوں ایک بھی شب ہم بستر ہم

روز بتر ہے حالت عشقی جیسے ہوں بیمار اجل — ہے نہ دوانے کوئی معالج کیونکر ہوں گے بہتر ہم

اس کی جناب سے رحمت ہو تو جی بچتا ہے دنیا میں — اس جانب سے تو بیٹھے ہیں مرنا کرکے مقرر ہم

اب تو ہماری طرف سے اتنا دل کو پتھر مت کر لو — سختی سے ایام کی اب تک جیتے رہے ہیں مر مر ہم ۱۲۹۵۵

آہ معیشت روز و شب کی ساتھ اندوہ کے ٹھہری ہے — لوتے کڑھتے رہا کرتے ہیں غم سے ہوئے ہیں خوگر ہم

شعلہ ایک اٹھا تھا دل سے آہ عالم سوز کا میر
ڈھیری ہوئی ہے خاکستر کی جیسی شب میں جل کر ہم

۱۷۴۱

کڑھتے جو رہے ہجر میں بیمار ہوئے ہم — بستر پہ گرے رہتے ہیں ناچار ہوئے ہم

بہلانے کو دل باغ میں آئے تھے سو بلبل — چلانے لگی ایسے کہ بیزار ہوئے ہم

جلتے ہیں کھڑے دھوپ میں جب جاتے ہیں اودھر — عاشق نہ ہوئے اس کے گنہگار ہوئے ہم ۱۲۹۶۰

اک عمر دعا کرتے رہے یار کو دن رات    دشنام کی اب اُس کی سزا وار ہوئے ہم

ہم دام بہت وحشی طبیعت تھے اٹھے سب    تھی چوٹ جو دل پر سو گرفتار ہوئے ہم

جیتے ہوئے لوگوں کی بھلی یا بری گزری    افسوس بہت دیر خبردار ہوئے ہم

کیا کیا متحمل گئے ٹک دیکھتے اُس پر    بیحاگی میں اس کے خریدار ہوئے ہم

۱۲۹۶۵ کچھ پاس نہیں یاری کا ان خوش پسروں کو    اُس دشمن جانی سے عبث یار ہوئے ہم

گھٹ گھٹ کے جہاں میں رہے جب میر سے مرتے
تب جا کے کچھ اک واقف اسرار ہوئے ہم

۱۷۴۲

وے ہم ہیں جن کو کہیے آزار دیدہ مردم    الفت گزیدہ مردم کلفت کشیدہ مردم

ہے حال اپنا درہم تس پر ہے عشق کا غم    رہتے ہیں دم بخود ہم آفت رسیدہ مردم

وہ دیکھے ہم کو آکر جن نے نہ دیکھے ہوویں    آزردہ دل شکستہ خاطر کبیدہ مردم

۱۲۹۷۰ جو ہے سو لہو مائل بے طور اور جاہل    اہل جہاں ہیں سارے صحبت ندیدہ مردم

جاتے ہیں اُس کی جانب مانند تیر سیدھے    شل کمان حلقہ قامت خمیدہ مردم

اوباش بھی ہمارا کتنا ہے ٹیڑھا بانکا    دیکھ اُس کو ہو گئے ہیں کیا کیا کشیدہ مردم

مت خاک عاشقاں پر پھر آب زندگی سا    جاگیں کہیں نہ سوتے یہ آرمیدہ مردم

لے لے کے منہ میں تنکا ملتے ہیں عاجزانہ    مغرور سے ہمارے بر خویش چیدہ مردم

۱۲۹۷۵ تھے دست بستہ حاضر خدمت میں میر گویا
سیمیں تنوں کے عاشق ہیں زر خریدہ مردم

۱۷۴۳

کیا زمانہ تھا کہ تھے دلدار کے یاروں میں ہم    شہرۂ عالم تھے اس کے ناز برداروں میں ہم

اجڑی اجڑی بستی میں دنیا کی جی لگتا نہیں    تنگ آئے ہیں بہت ان چاردیواروں میں ہم

جو ہی سب ہے غم الم رنج و قلق ہجراں کا تو    زندگی سے بے توقع ہیں ان آزاروں میں ہم

شاید آوے حال پرسی کرنے اس امید پر    کب سے ہیں دارالشفا میں اس کے بیماروں میں ہم

۱۲۹۸۰ دھوپ میں جلتے ہیں پہروں آگے اس کے میر جی    رنگی سے دل کی ٹھہرے ہیں گنہ گاروں میں ہم

# ن

### ۱۷۴۴

سر سے ایسی لگی ہے اب کہ جلے جاتے ہیں — متصل شمع سے روتے ہیں گلے جاتے ہیں
اس گلستاں میں نمود اپنی ہے جوں آبِ رواں — دم بہ دم مرتبے سے اپنے چلے جاتے ہیں
تن بدن ہجر میں کیا کہیے کہ کیسا سوکھا — ہلکی بھی باؤ میں تنکے سے ہلے جاتے ہیں
رہتے دکھلائی نہیں دیتے بلاکش اُس کے — جی کھپے جاتے ہیں دل اپنے دبے جاتے ہیں
پھر بخود آئے نہ بدحالی میں بیخود جو ہوئے — آپ سے جاتے ہیں ہم بھی تو بھلے جاتے ہیں ۱۲۹۰۰۵
خاکِ پا اس کی ہے شاید کسو کا سرمۂ چشم — خاک میں اہلِ نظر اُس سے رُلے جاتے ہیں

گرم ہیں اس کی طرف جانے کو ہم لیکن میر
ہر قدم ضعفِ محبت سے ڈھلے جاتے ہیں

### ۱۷۴۵

ایسے دیکھے ہیں اندھے لوگ کہیں — پھوٹے بہتے ہیں آنکھیں بہتے نہیں
مر گئے ناامید ہم مہجور — خواہشیں جی کی اپنی جی میں رہیں
دیر دریا کنارا کرتا رہا — عشق میں آنکھیں اپنی زور بہیں ۱۲۹۹۰
مرتے تھے اس گلی میں لاکھوں جہاں — ہم بھی مارے گئے ندان وہیں

دیر سے میر نامہ کے کعبے گئے
کہیے کیا نکلے جا کہیں کے کہیں

### ۱۷۴۶

رابطہ باہم ہے کوئی دن کا یاں — پھر زمانے میں کہاں تم ہم کہاں
گم ہوا ہوں یاں سے جا کر میں جہاں — کچھ نہیں پیدا کہاں میر الشاں
پیری میں ہے طفلِ مکتب سا جہول — ہے فلک کرنے کی قابل آسماں ۱۲۹۹۵
تو کہے واں ناگہاں بجلی گری — وہ نگاہِ تند کرتا ہے جہاں
بھولے بھی میں یک نظر دیکھا نہیں — اس پہ ہے وہ بے دماغ و بدگماں

ربطِ باہم ہے زمانے میں کہاں — کوئی دم کے مہماں ہیں ہم یہاں (ق-ن)

عشق نے تکلیف کی مالا یطاق — بارِ امانت کا گراں ہیں ناتواں
کام کچھ آئی نہ دل کی بھی کشش — کھینچ رہا ہے ہم سے وہ ابرو کماں
۱۳۰۰۰ کیا چھپی ہیں باتیں میرے عشق کی — داستاں در داستاں ہے داستاں
عشق میں کیونکر بسر کریے گا عمر — دل لگا ہے جس سے سو نامہرباں

جوز میں پا لغز تھی شاید کہ میرؔ
ہو رہیں مسجود اُس کا آستاں

١٧٤٧

اُس سے گھبرا کے جو کچھ کہنے کو آ جاتا ہوں — دل کی پھر دل میں لیے چپکا چلا جاتا ہوں
سعیِ دشمن کو نہیں دخل مری ایذا میں — رنج سے عشق کے میں آپ ہی کھپا جاتا ہوں
۱۳۰۰۵ اگرچہ کھویا سا گیا ہوں پہ تہ حرف و سخن — اس فریبندۂ عشاق کی پا جاتا ہوں
خشم کیوں بے مزگی کا ہے کو بے لطفی کیا — بدبرا اتنا بھی نہ ہو مجھ سے کہ بھلا جاتا ہوں
استقامت سے ہوں جوں کوہ قوی دل لیکن — ضعف سے عشق کے ڈھہتا ہوں گرا جاتا ہوں
مجلسِ یار میں تو بار نہیں پاتا ہوں — در و دیوار کو احوال سنا جاتا ہوں
گاہ باشد کہ سمجھ جائیے مجھے رفتۂ عشق — دُور سے رنگِ شکستہ کو دکھا جاتا ہوں
۱۳۰۱۰ یک بیاباں ہے مری بے کسی و بیتابی — مثلِ آوازِ جرس سب سے جدا جاتا ہوں
تنگ آوے گا کہاں تک نہ مرا قلبِ سلیم — بگڑی صحبت کے تئیں روز بنا جاتا ہوں

گرمیِ عشق ہے ہلکی ابھی ہمدم دل میں
روز و شب شام و سحر میں تو جلا جاتا ہوں

١٧٤٨

تری راہ میں گرچہ اے ماہ ہوں — پہ یہ غم ہے میں بھی سرِ راہ ہوں
مرے در پئے خونِ ناحق ہے تو — نہ خونمارہ ہوں میں نہ خونخوار ہوں
۱۳۰۱۵ تری دوستی سے جو دشمن ہیں سب — آنکھوں سے بھی خوں تک میں ہمراہ ہوں
نہ سمجھو مجھے بے خبر اس قدر — تہِ دل سے لوگوں کے آگاہ ہوں
مری مجبوری سادگی سے ہے میرؔ — بہت اس روپیّے پہ گمراہ ہوں

## ۱۷۴۹

بہار آئی مزاجوں کی سبھی تدبیر کرتے ہیں
جوانوں کو انھیں ایام میں زنجیر کرتے ہیں

برہمن زادگانِ ہند کیا پرکار سادے ہیں
مسلمانوں کی یاں لے ہی میں تکفیر کرتے ہیں

ہوئے پر اور بھی کچھ بڑھ گئی رسوائی عاشق کی
کہ اس کی نعش کو اب شہر میں تشہیر کرتے ہیں ۱۳۰۲۰

ہماری حیرتِ عشقی سے چپ جانے کی اس سے
مخالف مدّعی کس کس طرح تقریر کرتے ہیں

تماشا دیکھنا منظور ہو تو مل فقیروں سے
کہ چٹکی خاک کو لے ہاتھ میں اکسیر کرتے ہیں

نہ لکھتے تھے کبھو یک حرف اس کو ہاتھ سے اپنے
سو کاغذ دستے کے دستے ہم اب تحریر کرتے ہیں

در و دیوارِ اُفتادہ کو بھی کاش اک نظر دیکھیں
عمارت ساز مردم گھر جو اب تعمیر کرتے ہیں

خدا ناکردہ رک جاویں جہاں رک جاوے گا سارا
غلط کرتے ہیں لڑکے جو تجھے دلگیر کرتے ہیں ۱۳۰۲۵

اُسے اصرارِ خوں ریزی پہ ہے ناچار ہیں اس میں
وگرنہ عجز تابی تو بہت سی میرؔ کرتے ہیں

## ۱۷۵۰

طلب ہے کام دل کی اس کے بالوں کی اسیری میں
گدائی رات کو کرتا ہوں خجلت سے فقیری میں

نگہ عزلت میں اس ابرو کماں کی تھی ادھر یعنی
لگا تیر اس کا چھاتی میں ہماری گوشہ گیری میں

نظیر اس کی نظر آئی نہ سیّاحانِ عالم کو
سیاحت دور تک کی ایک ہے وہ بے نظیری میں

حزیں آواز ہے مرغِ چمن کی کیا جنوں آور
نہیں خوش زمزمہ ویسا ہماری ہم صفیری میں ۱۳۰۳۰

جوانی میں نہ رسوائی ہوئی تا میرؔ غم کھینچا
ہوئے اطفالِ تہ بازار گاہک جی کے پیری میں

## ۱۷۵۱

اب دیکھیں آہ کیا ہو ہم اُس سے جدا ہوئے ہیں
بے یار و بے دیار و بے آشنا ہوئے ہیں

غیرت سے نام اس کا آیا نہیں زباں پر
آگے خدا کے جب ہم محوِ دعا ہوئے ہیں

اہلِ چمن سے کیونکر اپنی ہو روشناسی
برسوں اسیر رہ کر اب ہم رہا ہوئے ہیں

بے عشقِ خوب رویاں اپنی نہیں گزرتی
اے وائے کس بلا میں ہم مبتلا ہوئے ہیں ۱۳۰۳۵

جانا کہ تن میں ہر جا نازک ہے اور دلکش
ہم رفتۂ سراپا اس کے بجا ہوئے ہیں

تھے غنچے جتنے زیرِ دیوارِ باغ طائر — شب باشی چمن سے شاید خفا ہوئے ہیں
صرفہ قمیص کا ہے کیا وقر اس گلی میں — ترکِ لباس کر واں شاہاں گدا ہوئے ہیں
خاموش اس کے در پر ہو کر فقیر بیٹھے — یعنی کہ عاشقی میں ہم بے نوا ہوئے ہیں
۱۳۰۴۰ عہدِ شباب گزرا شربِ مدام ہی میں — ہم کہنہ سال ہو کر اب پارسا ہوئے ہیں

اظہار کم فراغی ہر دم کی بے دماغی
ان روزوں میر صاحب کچھ میرزا ہوئے ہیں

## ۱۷۵۲

بیکار مجھ کو مت کہہ میں کار آمدہ ہوں — بیگانہ وضع تو ہوں پر آشنا زدہ ہوں

میں منھ نہیں لگایا بنت العنب کو گاہے
تب تھا جوان صالح اب پیر میکدہ ہوں

## ۱۷۵۳

اسرار دل کے کہتے ہیں پیر و جوان میں — مطلق نہیں ہے بند ہماری زبان میں
۱۳۰۴۵ رنگینیِ زمانہ سے خاطر نہ جمع رکھ — سو رنگ بدلے جاتے ہیں یاں ایک آن میں
شاید بہار آئی ہے دیوانہ ہے جوان — زنجیر کی سی آتی ہے جھنکار کان میں
بے وقفہ اس ضعیف پہ جور و ستم نہ کر — طاقت تعب کی کم ہے بہت میری جان میں
اس کے لبوں کے آگے کبھوں نے نبات کی — آتی ہے کسر شہدِ مصفا کی شان میں
چہرہ ہی یار کا رہے ہے چیت چڑھا سدا — خورشید و ماہ آتے ہیں کب میرے دھیان میں
۱۳۰۵۰ اب میر سے اس کے عہد میں شاید کہ اٹھ گئی — آگے جو رسم دوستی کی تھی جہان میں
تا رسے تو یہ نہیں مری آہوں سے رات کی — سوراخ پڑ گئے ہیں تمام آسمان میں

ابرو کی طرح اس کی چڑھی ہی رہے ہے میر
نکلی ہے شاخ تازہ کوئی کیا کمان میں

## ۱۷۵۴

آئے ہیں میر کافر ہو کر خدا کے گھر میں — پیشانی پر ہے قشقہ زنار ہے کمر میں
نازک بدن ہے کتنا وہ شوخ چشم دلبر — جان اس کے تن کے آگے آتی نہیں نظر میں

سینے میں تیر اس کے ٹوٹے ہیں بے نہایت — سوراخ پڑ گئے ہیں سارے مرے جگر میں ۱۳۰۵۵

آئندہ شام کو ہم رویا کڑھا کریں گے — مطلق اثر نہ دیکھا نالیدن سحر میں

بے سدھ پڑا رہوں ہوں اس مست ناز بن میں — آتا ہے ہوش مجھ کو اب تو پہر پہر میں

سیرت سے گفتگو ہے کیا معتبر ہے صورت — ہے ایک سوکھی لکڑی جو بو نہ ہو اگر میں

ہمسایۂ مغاں میں مدت سے ہوں چنانچہ — اک شیرہ خانے کی ہے دیوار میرے گھر میں

اب صبح و شام شاید گریے پہ رنگ آوے — رہتا ہے کچھ جھمکتا خوناب چشم تر میں ۱۳۰۶۰

عالم میں آب و گل کے کیونکر نباہ ہوگا
اسباب گر پڑا ہے سارا مرا سفر میں

## ۱۷۵۵

آنکھ لگی ہے جب سے اس سے آنکھ لگی زنہار نہیں — نیند آتی ہے دل جمعی میں سو تو دل کو قرار نہیں

وصل میں اس کے روز و شب کیا خوب گزرتی تھی اپنی — ہجر اس کا کچھ اور سماں ہے اب وہ لیل و نہار نہیں

خالی پڑے ہیں دام کہیں یا صید وحشی صید ہوئے — یا جس صید افگن کے لیے تھے اس کو ذوق شکار نہیں

سبزۂ خط کا گرد گل رو بڑھ کانوں کے پار ہوا — دل کی لاگ اب اپنی ہو کیونکر وہ اس منھ پہ بہار نہیں ۱۳۰۶۵

لطف عمیم اس کا ہی ہمدم کیوں نہ غنیمت جانیں ہم — ربط خاص کسو سے اس سے ہو یہ تو طور یار نہیں

عشق میں اس بے چشم و رو کے طرفہ رویت پیدا کی — رکش ان ادھر سے اب ہم پر گالی جھڑکی مار نہیں

مشتاق اس کے راہ گزر پر برسوں کیوں نہ بیٹھیں میر
ان نے راہ اب اور نکالی ادھر اس کا گذار نہیں

## ۱۷۵۶

طرفہ خوش رو دم خوں ریز ادا کرتے ہیں — وار جب کرتے ہیں منھ پھیر لیا کرتے ہیں

عشق کرنا نہیں آسان بہت مشکل ہے — چھاتی پتھر کی ہے ان کی جو وفا کرتے ہیں ۱۳۰۷۰

شوخ چشمی تری پردے میں ہے جب تک تب تک — ہم نظر باز بھی آنکھوں کی حیا کرتے ہیں

نفع بیماری عشقی کو کرے سو معلوم — یار مقدور تلک اپنی دوا کرتے ہیں

آگ کا لائحہ ظاہر نہیں کچھ لیکن ہم — شمع تصویر سے دن رات جلا کرتے ہیں

اس کے قربانیوں کی سب سے جدا ہے رہ و رسم — اول وعدہ دل و جاں فدا کرتے ہیں

۱۳۰۷۵ رشک ایک آدھ کا جی مارتا ہے عاشق کا — ہر طرف اس کو تو دو چار دعا کرتے ہیں

بند بند ان کے جدا دیکھوں الٰہی میں بھی — میرے صاحب کو جو بندے سے جدا کرتے ہیں

دل کو جانا تھا گیا رہ گیا ہے افسانہ — روز و شب ہم بھی کہانی سی کہا کرتے ہیں

واں سے یک حرف حکایت بھی نہیں آیا کوئی — یاں سے طومار کے طومار چلا کرتے ہیں

بود و باش ایسے زمانے میں کوئی کیونکہ کرے — اپنی بدخواہی جو کرتے ہیں بھلا کرتے ہیں

۱۳۰۸۰ حوصلہ چاہیے جو عشق کے آزار کھنچیں — ہر ستم ظلم پہ ہم صبر کیا کرتے ہیں

میر کیا جانیے کسے کہتے ہیں واشد وسے تو

غنچۂ خاطر ہی گلستاں میں رہا کرتے ہیں

## ۱۷۵۷

نا آشنا کے اپنے جیسے ہم آشنا ہیں — اس طور اس طرح کے ایسے کم آشنا ہیں

باہم جو یاریاں ہیں اور آشنائیاں ہیں — سب ہیں نظر میں اپنی ہم عالم آشنا ہیں

ماتم کدہ ہے تکیہ کیا تازہ کچھ ہمارا — یک جا فقیر کب سے ہم سب غم آشنا ہیں

۱۳۰۸۵ تحریر راز دل کی مشکل ہے کیونکہ کریے — کاغذ قلم ہمارے کب محرم آشنا ہیں

یاری جہانیوں کی کیا میر معتبر ہے

نا آشنا ہیں یک دم یہ اک دم آشنا ہیں

## ۱۷۵۸

دم ہے مہلت شیب میں جائے گا اب یہ غم کہاں — تم ہوئے رعنا جواں بالفرض لیکن ہم کہاں

عالم عالم جمع تھے خوباں جہاں صفا ہوا — گرچہ عالم اور ہے اب واں وہ عالم کہاں

تھی بلا شوخی شرارت یار کی ہنگامہ ساز — شورشیں تو اور دن کا بھی ہے یہ وہ اودھم کہاں

۱۳۰۹۰ کیا جنوں ہے تم کو جو تم طالب ویرانہ ہو — جس کو فردوس بریں کہتے ہیں واں آدم کہاں

حبس دم میں شیخ جو کرتا نہیں حرف و سخن — حق طرف ہے اس کے اس بیہودہ گو میں دم کہاں

ہو سو ہو میں میر اب تو دم بخود ہوں ہجر میں

کیا لکھوں تہ دل کی باتیں کاغذ و محرم کہاں

## ۱۷۵۹

گر روزگار ہے یہی ہجران یار میں — تو کیا رہیں گے جیتے ہم اس روزگار میں

کچھ ڈر نہیں جو داغ جنوں ہو گئے سیاہ — ڈر دل کے اضطراب کا ہے اس بہار میں

کیا بیقرار دل کی تسلی کرے کوئی — کچھ بھی ثبات ہے ترے عہد و قرار میں ۱۳۰۹۵

بیتاب دل نہ دفن ہوئے کاش میرے ساتھ — رہنے نہ دے گا لاش کوئی دن مزار میں

وہ سنگ دل نہ آیا بہت دیکھی اس کی راہ — پتھرا چلی ہیں آنکھیں مری انتظار میں

تھمتا نہیں ہے رونا علی الاتصال کا — کیا اختیار گریۂ بے اختیار میں

مربوط کیسے کیسے کہے ریختے ولے — سمجھا نہ کوئی میری زباں اس دیار میں

تھی بزم شعر رات کو شاعر بہت تھے جمع — وہ باتیں ہم نے ایسی نہ کیں چار چار میں ۱۳۱۰۰

دنبالہ گردی قیس نے بہتیری کی ولے — آیا نظر نہ محمل لیلیٰ غبار میں

اب ذوق صید اس کو نہیں ورنہ پیش ازیں — اودھم تھا وحش و طیر سے اس کے شکار میں

منھ چاہیے جو کوئی کسو سے حساب لے — ناکس کی گفتگو نہیں روز شمار میں

گنتی کے لوگوں کی وہاں صف ہووے گی کھڑی

تو میر کس شمار میں ہے کس قطار میں

## ۱۷۶۰

گو کہ بت خانے جا رہا ہوں میں — بہ خدا با خدا رہا ہوں میں ۱۳۱۰۵

سب گئے دل دماغ تاب و تواں — میں رہا ہوں سو کیا رہا ہوں میں

برق تو میں نہ تھا کہ جل بجھتا — ابر تر ہوں کہ چھا رہا ہوں میں

اس کی بیگانہ وضعی ہے معلوم — برسوں تک آشنا رہا ہوں میں

دیکھو کب تیغ اس کی آ بیٹھے — دیر سے سر اٹھا رہا ہوں میں

اس کی گرد سمند کا مشتاق — آنکھیں ہر سو لگا رہا ہوں میں ۱۳۱۱۰

دور کے لوگ جن نے مارے قریب — اس کے ہمسائے آ رہا ہوں میں

مجھ کو بد حال رہنے دیں اے کاش — بے دوا کچھ بھلا رہا ہوں میں

دل جلوں کو خدا جہاں میں رکھے — یا شقاقی ہے یا رہا ہوں میں

کچھ رہا ہی نہیں ہے مجھ میں میر

جب سے اس سے جدا رہا ہوں میں

## و

### ۱۷۶۱

۱۳۱۱۵ زمانے نے دشمن کیا یار کو — سلایا مرے خوں میں تلوار کو

کھلی رہتی ہے چشم آئینہ ساں — کہاں خواب مشتاق دیدار کو

مجھے عشق اس پاس یوں لے گیا — کوئی لا دے جیسے گنہ گار کو

محبت میں دشوار دینی ہے جاں — نہ جانے تھے سنا سہل آزار کو

کوئی دن کرے زندگی عشق میں — جو دم لینے دیں دل کے بیمار کو

۱۳۱۲۰ بکا میں تو بازارِ خوبی میں جا — کہ واں بیچتے تھے خریدار کو

مرے منھ پہ رکھا ہے ننگ اب تلک — ہزار آفریں چشمِ خونبار کو

تب اک جرعہ دیں ہیں مجھے مغبچے — گرو جب کروں رخت و دستار کو

کرو مت درنگ اٹھتے اس پینٹھ میں
چلو تول لو میرؔ بازار کو

### ۱۷۶۲

کن نے کہا کہ مجھ سے بہت کم ملا کرو — منت بھی میں کروں تو نہ ہرگز منا کرو

۱۳۱۲۵ بندے سے کی ہے جن نے یہ خصمی خدا کرے — اس سے بھی تم خصومت جانی رکھا کرو

عنقا سا شہرہ ہوں پہ حقیقت میں کچھ نہیں — تم دور ہی سے نام کو میرے سنا کرو

بیماریٔ جگر کی شفا سے تو دل ہے جمع — اب دوستی سے مصلحتاً کچھ دوا کرو

ہم بیخودانِ مجلسِ تصویر اب گئے — تم بیٹھے انتظار ہمارا کیا کرو

جی مارتے ہیں ناز و کرشمہ بالاتفاق — جینا مرا جو چاہو تو ان کو جدا کرو

۱۳۱۳۰ میں نے کہا کہ پھنک رہی ہے تن بدن میں آگ — بولا کہ عشق ہی میں پڑے اب جلا کرو

دل جانے کا فسانہ زبانوں پہ رہ گیا — اب بیٹھے درد سے یہ کہانی کہا کرو

اب دیکھوں اس کو میں تو مرا جی نہ چل پڑے
تم ہو فقیر میرؔ کبھو یہ دعا کرو

کیونکہ نیچے ہاتھ کے رکھوں دل بیتاب کو ۱۷۶۳ وہ جو تڑپا لے گیا آسودگی و خواب کو

کم نہیں ہے سحر سے یہ بھی تصرف عشق کا
پانی کر آنکھوں میں لایا دل کے خون ناب کو

تھا ہی سرمایۂ بحر بلا پچھلے دنوں
چشم کم سے دیکھو مت اس دیدۂ پرآب کو ١٣١٢٥

تو کہے تھی برق خاطف ناگہاں آ کر گری
اک نگہ سے مار رکھا ان نے شیخ و شاب کو

کیا سفیدی دیکھی اس کی آستیں کے چاک سے
جس کے آگے رو نہ تھا کچھ پرتو مہتاب کو

چاہتا ہے جب مسبب آپ ہی ہوتا ہے سبب
دخل اس عالم میں کیا ہے عالم اسباب کو

دم بخود رہتا ہوں اکثر سر رکھے زانو پہ میر
حال کہہ کر کیا کروں آزردہ اور احباب کو

## ١٧٦٤

چھوڑا جنوں کے دور میں رسم و رہ اسلام کو
تہ کر صنم خانے چلا ہوں جامۂ احرام کو ١٣١٣٠

مرتا مرو جیتا جیو آؤ کوئی جاؤ کوئی
ہے کام ہم لوگوں سے کیا اُس لبر خود کام کو

جس خود نما تک جاؤں ہوں اس سے سنوں ہوں دور دور
کیا منھ لگاوے اب کوئی اس رو سیہ بدنام کو

بے چین بستر پر رہا بے خواب خاکستر پہ ہوں
صبر و سکوں جب سے گئے پاتا نہیں آرام کو

آسائش و راحت سے جو پوچھے کوئی تو کیا کہوں
میں عمر بھر کھینچا کیا رنج و غم و آلام کو

میر اب بھلا کیا ابتدائے عشق کو روتا ہے تو
کر فکر جو پاوے بھی اس آغاز کے انجام کو ١٣١٣٥

## ١٧٦٥

اگلے سب چاہتے تھے ہم سے وفاداروں کو
کچھ تمھیں پیار نہیں کرتے جفاداروں کو

شہر تو عشق میں ہے اس کے شفاخانہ تمام
وہ نہیں آتا کبھو دیکھنے بیماروں کو

مستی میں خوب گزرتی ہے کہ غفلت ہے ہمیں
مشکل اس مصطبے میں کام ہے ہشیاروں کو

فکر سے اپنے گزرتا ہے زمیں کاوی میں دن
رات جاتی ہے ہمیں گنتے ہوئے تاروں کو

خوب کرتے ہیں جو خوباں نہیں رو دیتے ہیں
منھ لگاتا ہے کوئی خوں کے سزاواروں کو ١٣١٥٠

حسن بازار جہاں میں ہے متاع دلکش
صاحب اس کا ٹھگے جاتا ہے خریداروں کو

وامق و کوہکن و قیس نہیں ہے کوئی
بھکہ[1] گیا عشق کا اثر در مرے غمخواروں کو

زندگی کرتے ہیں مرنے کے لئے اہل جہاں
واقعہ میر ہے درپیش عجب یاروں کو



[1] وش

## ۱۷۶۶

ہاتھ سے بے سبحہ تک رہا نہ کبھو — دل کا منکا و لے پھرا نہ کبھو

۱۳۱۵۵ کیونکہ عرفان ہو گیا سب کو — اپنے ڈھب پر تو وہ چڑھا نہ کبھو

روز دفتر لکھے گئے یاں سے — اُن نے یک حرف بھی لکھا نہ کبھو

گو شگفتہ چمن چمن تھے گل — غنچۂ دل تو وا ہوا نہ کبھو

طور کی سی تھی صحبت اس کی مری — جھمکی دکھلا کے پھر ملا نہ کبھو

غیرت اپنی تھی یہ کہ بعد نماز — اس کا لے نام کی دعا نہ کبھو

۱۳۱۶۰ ابتدا ہی میں مر گئے سب یار — عشق کی پائی انتہا نہ کبھو

وہ سخن گو فریبی چشم یار
ہم سے گویا تھی آشنا نہ کبھو

## ۱۷۶۷

ٹک نقاب الٹو مت عتاب کرو — کھولو منھ کو کہ پھر خطاب کرو

آنکھیں غصے میں ہو گئی ہیں لال — سر کو چھاتی پہ رکھ کے خواب کرو

فرصت بود و باش یاں کم ہے — کام جو کچھ کرو شتاب کرو

۱۳۱۶۵ محو صورت نہ آرسی میں رہو — اہل معنی سے ٹک حجاب کرو

جھوٹھ اس کا نشاں نہ دو یارو — ہم خرابوں کو مت خراب کرو

منھ کھلے اس کے چاندنی چھٹکی — دوستو سیر ماہتاب کرو

میر جی راز عشق ہوگا فاش
چشم ہر لحظہ مت پر آب کرو

## ۱۷۶۸

بس اب بن چکے روے و موے سمن بو — گری ہو کے بے ہوش مشاطہ یک سو

۱۳۱۷۰ نہ سمجھا گیا کھیل قدرت کا ہم سے — کیا اس کو بدخو بنا کر نکو رو

نہ درگیر کیونکر ہو آپس میں صحبت — کہ میں بوریا پوش وہ آتشیں خو

ہوا ابر و سبزے میں چشمک ہے گل کی — کریں ساز ہم برگ عیش لب جو

بہار آئی گُل پھول سر جوڑے نکلے — رہیں باغ میں کاش اس رنگ ہم تو

رہے آبرو میرؔ تو ہے غنیمت
کہ غارت میں دل کی ہے ایمائے

١٧٦٩

کھِچے ہے کچھ تو کج کر چشم و ابرو — براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو ١٣١٧٥

گیا وہ ساتھ سوتے لے کے کروٹ — لگا بستر سے پھر اپنا نہ پہلو

اُڑی ہے خاک سی سارے چمن میں — پھرا ہے آہ جس کا واں سے گُل رو

جدھر پھرتے تھے چُنتے پھول ہنستے — اُدھر ٹپکے ہیں اب تک میرے آنسو

جُدا ہوتے ہی گُل خنداں ہوا میرؔ
کیا تھا اُس کا گُل تکیہ جو بازو

١٧٧٠

چاہت میں خوبروں کی کیا جانیے کیا نہ ہو — بیتاب دل کا مرگ کہیں مدّعا نہ ہو ١٣١٨٠

بے لاگ عشق بازی میں مُفلس کا ہے ضرر — کیا کھیلے وہ جُوا جسے کچھ آسرا نہ ہو

کرتے دعا مجھے وہ دغا باز دیکھ کر — بولا کہ اس فقیر کے دل میں دغا نہ ہو

آزاد پر شکستہ کو صد رنگ قید ہے — یا رب اسیر ایسا قفس سے رہا نہ ہو

دوریٔ مہ سے کبک ہیں کہسار میں خراب — دلبر سے اپنے کوئی الٰہی جُدا نہ ہو

کھولے ہے آنکھ اُس کے گُل رو پہ ہر سحر — غالب کہ میری آئینے کی اَب صفا نہ ہو ١٣١٨٥

آہوں کے میری دود سے گھر بھر گیا ہے سب — شدہ ہمنشیں رے دل کی کہیں وہ جلا نہ ہو

ہم گر جگر نکال رکھیں اُس کے زیرِ پا — سب لے وے کی اودھر سے نظر آشنا نہ ہو

رہتے ہیں میرؔ بے خود و وارفتہ ان دنوں
پوچھو کنایۂ کسو سے دل لگا نہ ہو

١٧٧١

ہر چند جذبِ عشق سے تشریف یاں بھی لائے وہ — پر خود گم ایسا میں نہیں جو سہل مجھ کو پا گئے وہ

۱۳۱۹۰ خوبی و رعنائی اُدھر بدحالی و خواری اِدھر — اے وائے ہم اے وائے ہم اے ہائے وہ اے ہائے وہ

مارا ہوا چاہت کا جو آوارہ گھر سے اپنے ہو — حیراں پریشاں پھر کے پھر کیا جانیے کیدھر جائے وہ

جی کتنا محو و رفتہ کا جو ہو طرف دیکھے تجھے — تو کج کرے ابرو اگر پل مارتے مر جائے وہ

اُلفت نہیں مجھ سے اُسے کلفت کا میری غم نہیں — پائے غرض ہو درمیاں تو چل کے یاں بھی آئے وہ

عاشق کا کتنا حوصلہ یہ معجزہ ہے عشق کا — جو خستہ جاں پارہ جگر سو داغ دل پر کھائے وہ

مشکل عجائب میر ہے دیدار جوئی یار کی

۱۳۱۹۵ دیکھے کوئی کیا اُس کو جو آنکھیں لڑے شرمائے وہ

## ۱۷۷۲

اب دل خزاں میں رہتا ہے جی کی رُکن کے ساتھ — جانا ہی تھا ہمیں بھی بہارِ چمن کے ساتھ

کب تک خراب شہر میں اُس کے پھرا کریں — اب جاویں یاں سے کوئی غریب الوطن کے ساتھ

ہم باغ سے خزاں میں گئے پر ہزار حیف — جانا بنا نہ اپنا گل و یاسمن کے ساتھ

لُکنت سے کیا نکلتی نہیں اُس کے مُنھ سے بات — چپکا ہے صرف یار کے شیریں دہن کے ساتھ

۱۳۲۰۰ جی خوابِ مرگ لے گئی حسرت ہی میں ندان — اِک شب نہ سوئے ہم کسو گل پیرہن کے ساتھ

جی پھٹ گیا ہے رشک سے چسپاں لباس کے — کیا تنگ جامہ لپٹا ہے اُس کے بدن کے ساتھ

کیا جانیں لوگ عشق کا راز و نیاز میر

اک بات اُس سے ہوگئی دو دو بچن کے ساتھ

## ۱۷۷۳

مرتے ہیں ہم تو اس صنمِ خود نما کے ساتھ — جیتے ہیں وے ہی لوگ جو تھے کچھ خدا کے ساتھ

دیکھیں تو کارِ بستہ کی کب تک کھلے گرہ — دل بستگی ہے یار کے بندِ قبا کے ساتھ

۱۳۲۰۵ اے کاش فصلِ گل میں گئی ہوتی اپنی جان — مل جاتی یہ ہَبا کوئی دن اُس ہوا کے ساتھ

مدت ہوئی موئے گئے ہم کو پر اب تلک — اُڑتی پھرے ہے خاک ہماری صبا کے ساتھ

ہم رہتے اُس کے محو وہ کرتا ہے ہم کو محو — ہرگز وفا نہ کرنی تھی اس بے وفا کے ساتھ

کیفیت آشنا نہیں اس مستِ ناز کی — معشوق ورنہ کون ہے اب اس ادا کے ساتھ

مُنھ اپنا ان نے عکس سے اپنے چھپا لیا — دیکھا نہ کوئی آئینہ رو اس حیا کے ساتھ

ٹھہرا ہے رونا آٹھ پہر کا مرا علاج — تسکین دل ہے یعنی کچھ اب اس دوا کے ساتھ ۱۳۲۱۰

تھا جذب آ گئے عشق سے جو ہر نفس میں میر
اب وہ کشش نہیں ہے سحر کی دعا کے ساتھ

۱۷۷۴

نظر آیا تھا غنچہ صبح دور سے وہ — پھر چھپا خورسا اپنے نور سے وہ

جز برادر عزیز یوسف کو — نہیں لکھتا کبھو غرور سے وہ

دیکھیں عاشق کا جی بھی ہے کہ نہیں — تنگ ہے جان ناصبور سے وہ

کیا تصور میں پھیرے ہے صورت — کہ سرکتا نہیں حضور سے وہ ۱۳۲۱۵

خوبی اس خوبی سی بشر میں کہاں — خوب تر ہے پری و حور سے وہ

دل لیا جس غمیں کا تو نے شوخ — دے گیا جی ہی اک سرور سے وہ

خوش ہیں دیوانگی میر سے سب
کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ

۱۷۷۵

آزار کش کو اس کے آزار ہے ہمیشہ — آزردہ دل کسو کا بیمار ہے ہمیشہ

مختار عشق اس کا مجبور ہی ہے یعنی — یک رہ دو چار ہو کر ناچار ہے ہمیشہ ۱۳۲۲۰

کب سہل عاشقی میں اوقات گزرے ہے یاں — کام اپنا اس پری بن دشوار ہے ہمیشہ

عالم کا عین اسی کو معلوم کر چکے ہیں — اس وجہ سے اب اس کا دیدار ہے ہمیشہ

اس سے حصول مطلب اپنا ہوا نہ ہوگا — باآنکہ کام دل کا اظہار ہے ہمیشہ

پروائے نفع و نقصان مطلق نہیں ہے اس کو — اس کی تو لاابالی سرکار ہے ہمیشہ

ملنا نہ ملنا ٹھہرے تو دل بھی اپنا ٹھہرے — اقرار ہے ہمیشہ انکار ہے ہمیشہ ۱۳۲۲۵

آمادۂ فنا کچھ کیا میر اب ہوا ہے
جی مفت دینے کو وہ تیار ہے ہمیشہ

۱۷۷۶

دل ہے میری بغل میں صد پارہ — اور ہر پارہ اس کا آوارہ

عرق شرم رو سے دلبر کے | رفتہ ثابت گزشتہ سیارہ
خواری عشق اپنی عزت ہے | کی ہے ہموار ہم نے ہموارہ
کام اس سے پکڑ کمر نہ لیا | ہیچ کارہ بھی ہے یہ ناکارہ
ڈھتیں پھوٹتیں نہ کاش آنکھیں | کرتے ان رخنوں ہی سے نظارہ
گو مسیحا مزاج آوے طبیب | عشق میں مرگ بن نہیں چارہ

کیا بنے اس سے میر مسکین
وہ جفا پیشہ و ستم کارہ

۱۷۷۷

مکتوب میر پہنچا ہر دو طرف سے سادہ | کیا شوخ طبع ہے وہ پرکار سادہ سادہ
۱۳۳۳۵ جب میکدے گئے ہیں پابوس ہی کیا ہے | ہے مغبچہ ہمارا گویا کہ پیر زادہ
سائے میں تاک کے ہم خوش بیٹھے ہیں اب اپنا | اس سلسلے میں بیعت کرنے کا ہے ارادہ
دل اس قدر نہ رکتا گھبراتا جی نہ اپنا | چھاتی لگا جو رہتا وہ سینہ کشادہ
شیشہ کنار جو ہے پنبہ دہان و رعنا | مینا لیے ہے چمن میں اک سرو ہے پیادہ
پڑتی ہیں اس کی آنکھیں چاروں طرف نشے میں | جوں راہ میں بہکتے ہوں ترک مست بادہ
۱۳۳۴۰ جو شہرہ نامور تھے یارب کہاں گئے وے | آباد کم رہا ہے یاں کوئی خانوادہ
مست دم کشی کر اتنی ہنگام صبح بلبل | فریاد خونچکاں ہے منھ سے ترے زیادہ
کیا خاک سے اٹھوں میں نقش قدم سا بیٹھا | اب مٹ ہی جانا میرا ہے پیش پا فتادہ

حالات عشق رنج و درد و بلا مصیبت
دل دادہ میر جانے کیا جانے دل ندادہ

## ی

۱۷۷۸

کہتے ہیں مرنے والے یاں سے گئے | سب یہیں رہ گئے کہاں سے گئے
۱۳۳۴۵ دم میں دم جب تلک تھا سوچ رہا | سانس کے ساتھ سارے سانسے گئے

آنکھ کھلتے ہی گم گئے وے تو — ہم ستم دیدہ خانماں سے گئے
واں گئے کرتے وے خرام ناز — یاں جواں کیسے کیسے جاں سے گئے

اس گلی سے جو اٹھ گئے بے صبر
میر گویا کہ وے جہاں سے گئے

## ۱۷۷۹

کچھ نہ کی ان نے جس کو چاہا ہے — جوں توں اپنا کیا نباہا ہے
سدھ خبر اپنے غمزدے کی لے — صبح تک رات کو کراہا ہے ۱۳۲۵۰

یا علیؑ ہے گا میر پیر فقیر
اب سزاوار لطف شاہا ہے

## ۱۷۸۰

عشق میں ہم نے جاں کنی کی ہے — کیا محبت نے دشمنی کی ہے
کیسی سرخ و سفید نکلی تھی — مے مگر دختر ارمنی کی ہے
بید سا کیوں نہ سوکھ جاؤں میں — دیر مجنوں سے ہم تنی کی ہے
اس پریشاں کو نشانہ کر — یار نے جمع افگنی کی ہے ۱۳۲۵۵
کر دیا خاک آسماں نے ہمیں — یہ بھی ہمت اسی دنی کی ہے
تکیہ ویراں فقیر کا بھی نہ ہو — یاں خرابی بہت غنی کی ہے

قافلہ لٹ گیا جو آنسو کا
عشق نے میر رہزنی کی ہے

## ۱۷۸۱

میں ہوں تو ہے درمیاں شمشیر ہے — سفک دم میں میرے اب کیا دیر ہے
خضر دشت عشق میں مت جا کہ واں — ہر قدم مخدوم خوف شیر ہے ۱۳۲۶۰
راہ تک تک کر ہوئے ہیں جاں بہ لب — پر رہی اب تک کبھی یاں اوسیر ہے
جو گرسنہ دل تھا اس دیدار کا — اپنے جینے ہی سے وہ اب سیر ہے
کچھ نہیں جان ان کی پیشیں تار ہو — گھر میں رنگوں رنگوں کے اندھیر ہے

پاک ہی ہوتی رہی کشتی خلق — ہر زبردست اُس جواں کا زیر ہے
۱۲۲۶۵ طائروں نے گل فشاں کی میری گور — سامنے پھولوں کا گویا ڈھیر ہے
آشنا ڈوبے بہت اس دور میں — گرچہ جامہ یار کا کم گھیر ہے

آنچل اُس دامن کا ہاتھ آتا نہیں
میر دریا کا سا اُس کا پھیر ہے

## ۱۷۸۲

جو جنون و عشق کی تدبیر ہے — سو نہ یاں شمشیر نے زنجیر ہے
وصف اُس کا باغ میں کرنا نہ تھا — گل ہمارا اب گریباں گیر ہے
۱۲۲۷۰ دیکھ رہتا ہے جو دیکھے ہے اُسے — دلربا آئینہ رو تصویر ہے
پائے گیر اس کے نہ ہوں کیوں دردمند — حلقہ حلقہ زلف وہ زنجیر ہے
صید کے تن پر ہیں سب گہرے زخم — کس قدر خوش کار اُس کا تیر ہے
مدت ہجراں نے کی نے کچھ کمی — میرے طول عمر کی تقصیر ہے
خط نہ لکھتے تھے سو تاب دل گئی — دفتر دل کی اکثر اب تحریر ہے
۱۲۲۷۵ رکھ نظر میں بھی خراب آبادیاں — اے کہ تجھ کو کچھ غم تعمیر ہے
سخت کافر ہیں برہمن زادگاں — مسلموں کی ان کے ہاں تکفیر ہے
گفتگو میں رہتے تھے آگے خموش — ہر سخن کی اب مرے تقریر ہے
نظم محسن[۱] کی رہی سرمشق دیر — اس مرے بھی شعر میں تاثیر ہے
مر گئے پر بھی نہ رسوائی گئی — شہر میں اب نعش بھی تشہیر ہے
۱۲۲۸۰ کیا ستم ہے یہ کہ ہوتے تیغ و طشت — ذبح کرنے میں مرے تاخیر ہے

میر کو ہے کیا جوانی میں صلاح
تب تو سارے میکدے کا پیر ہے

## ۱۷۸۳

یار نے ہم سے بے ادائی کی — وصل کی رات میں لڑائی کی
بال و پر بھی گئے بہار کے ساتھ — اب توقع نہیں رہائی کی

۱؎ محسن تاثیر فارسی کے مشہور شاعر

کلفت رنج عشق کم نہ ہوئی
میں دوا کی بہت شفائی کی

طرز رفتار کے ہیں رفتہ سب
دھوم ہے اس کی رہگرائی کی ۱۳۲۹۰

خندۂ یار سے طرف ہو کر
برق نے اپنی جگ ہنسائی کی

کچھ مروت نہ تھی ان آنکھوں میں
دیکھ کر کیا یہ آشنائی کی

وصل کے دن کو کار جاں نہ کھنچا
شب نہ آخر ہوئی جدائی کی

منھ لگایا نہ دختر رز کو
میں جوانی میں پارسائی کی

جو رہا اس سنگ دل کے سبب کھنچے
عمر نے سخت بے وفائی کی ۱۳۲۹۵

کوہکن کیا پہاڑ توڑے گا
عشق نے زور آزمائی کی

چپکے اس کی گلی میں پھرتے رہے
دیر واں ہم نے بے نوائی کی

اک نگہ میں ہزار جی مارے
ساحری کی کہ دلربائی کی

نسبت اس آستاں سے کچھ نہ ہوئی
برسوں تک ہم نے جبہہ سائی کی

میر کی بندگی میں جانبازی
سیر سی ہو گئی خدائی کی ۱۳۳۰۰

زمیں اور ہے آسماں اور ہے ۱۷۸۵ تب آنا فاناً سماں اور ہے

نہ وے لوگ ہیں اب نہ اجماع وہ
جہاں وہ نہیں یہ جہاں اور ہے

نہ ان لوگوں کی بات سمجھی گئی
یہ خلق اور ان کی زباں اور ہے

تجھے گو کہ صد رنگ ہو مجھ سے کیں
مری اور اک مہرباں اور ہے

ہوا رنگ بدلے ہے ہر آن میر
زمین و زماں ہر زماں اور ہے ۱۳۳۰۵

کہو تو کب تئیں یوں ساتھ تیرے پیار رہے ۱۷۸۶ کہ دیکھا جب تجھے تب جی کو مار مار رہے

ادا و ناز سے دل لے چلا تو ہنس کے کہا
کہ میرے پاس تمھارا بھی یادگار رہے

ہم آپ سے جو گئے ہیں گئے ہیں مدت سے
الٰہی اپنا ہمیں کب تک انتظار رہے

ہوس اسیروں کے تنگ دل کی نکلے کچھ شاید
کوئی دن اور اگر موسم بہار رہے

اٹھا جو باغ سے میں بے دماغ تو نہ پھرا
ہزار مرغ گلستاں مجھے پکار رہے ۱۳۳۱۰

لیا تو جاوے بھلا نام منھ سے یاری کا — جو ہم ستم زدوں سے یار کچھ بھی یار رہے

وصال ہجر بشہر جاوے کچھ نہ کچھ آخر — جو بیقرار مرے دل کو بھی قرار رہے

کریں گے چھاتی کو گلزار ہم جلا کر داغ — جو گل کے سینے میں ایسا ہی خار خار رہے

نکل ہوں ایک سا میں گردِ راہ کو اُس کی — نہ کیونکہ دونوں مری آنکھوں میں غبار رہے

نہ کریے گریۂ بے اختیار ہرگز میر

۱۳۳۱۵ جو عشق کرنے میں دل پر کچھ اختیار رہے

## ۱۷۸۷

بے لطفِ یار ہم کو کچھ آسرا نہیں ہے — سو کوئی دن جو ہے تو پھر سالہا نہیں ہے

سن عشق جو اطبا کرتے ہیں چشم پوشی — جانکاہ اس مرض کی شاید دوا نہیں ہے

جس آنکھ سے دیا تھا اُن نے فریب دل کو — اُس آنکھ کو جو دیکھا اب آشنا نہیں ہے

جب دیکھو آئینے کو تب رو برو ہے اس کے — بے چشم و رو اسے کچھ شرم و حیا نہیں ہے

۱۳۳۲۰ میں برگ بند اگرچہ زیرِ شجر رہا ہوں — فقر مکب ہے لیکن برگ و نوا نہیں ہے

شیریں نمک لبوں بن اس کے نہیں حلاوت — اس تلخ زندگی میں اب کچھ مزا نہیں ہے

اعضا گداز ہو کر سب بہ گئے ہیں میرے — ہجراں میں اُس کے مجھ میں اب کچھ رہا نہیں ہے

سن سانحاتِ عشقی ہنس کیوں نہ دو پیارے — کیا جانو تم کسو سے دل تک لگا نہیں ہے

دل خوں جگر کے ٹکڑے جب میر دیکھتا ہوں

اب تک زباں سے اپنی میں کچھ کہا نہیں ہے

## ۱۷۸۸

۱۳۳۲۵ لاکھوں فلک کی آنکھیں سب مند گئیں ادھر سے — نکلے نہ ناامیدی کیونکر مری نظر سے

برسے ہے عشق یاں تو دیوار اور در سے — روتا گیا ہے ہر اک جوں ابر میرے گھر سے

جو لوگ چلتے پھرتے یاں چھوڑ کر گئے تھے — دیکھا نہ اُن کو اب کے آئے جو ہم سفر سے

قاصد کسو نے مارا خط راہ میں سے پایا — جب سے سنا ہے ہم نے وحشت ہے اس خبر سے

سو بار ہم تو تم بن گھر چھوڑ چھوڑ نکلے — تم ایک بار یاں تک آئے نہ اپنے گھر سے

۱۳۳۳۰ چھاتی کے جلنے سے ہی شاید کہ آگ سلگی — اٹھنے لگا دھواں اب میرے دل و جگر سے

نکلا ہے سو جلا ہے نومید ہی چلا ہے — اپنا نہال خواہش برگ و گل و ثمر سے
جھمکڑ باندھنے کا ہم بھی دیں گے دکھا تماشہ — ٹک ابر قبلہ آ کر آگے ہمارے برسے
سو نامہ بر کبوتر کر ذبح ان نے کھائے — خط چاک اڑتے پھریں ہیں اس کی گلی میں پر سے
آخر گرسنہ چشم نظارہ ہو گئے ہم — ٹک دیکھنے کو اس کے برسوں مہینوں ترسے
اپنا وصول مطلب اور ہی کسو سے ہوگا — منزل پہنچ رہیں گے ہم ایسی رہگزر سے ۱۳۳۳۵

سر منے سے مارتے ہیں ہجراں میں میر صاحب
یارب چھڑا تو ان کو چاہت کے دردِ سر سے

کافر بتوں سے مل کے مسلماں کیا رہے ۱۷۸۹ ہو مختلط جو ان سے تو ایمان کیا رہے
شمشیر اس کی حصہ برابر کرے ہے دو — ایسی لگی ہے ایک تو ارمان کیا رہے
ہے سر کے ساتھ مال و منال آدمی کا سب — جاتا ہے جو سر ہی تو سامان کیا رہے
ویرانیٔ بدن سے مرا جی بھی ہے اداس — منزل خراب ہووے تو مہمان کیا رہے ۱۳۳۴۰
اہلِ چمن میں میں نے نہ جانا کسو کے تئیں — مدت میں ہو ملاپ تو پہچان کیا رہے
حالِ خراب جسم ہے جی جانے کی دلیل — جب تن میں حال کچھ نہ رہے جان کیا رہے

جب سے جہاں ہے تب سے خرابی یہی ہے میر
تم دیکھ کر زمانے کو حیران کیا رہے

۱۷۹۰

وہ اب ہوا ہے اتنا کہ جور و جفا کرے — افسوس ہے جو عمر نہ میری وفا کرے
ہجرانِ یار ایک مصیبت ہے، ہم نشیں! — مرنے کے حال سے کوئی کب تک جیا کرے ۱۳۳۴۵
صورت ہو ایسی کوئی تو کچھ میری قدر ہو — مشتاق یار کو بھی کسو کا خدا کرے
مرنا قبول ہے نہیں زنہار یہ قبول — منت سے آن کر جو معالج دوا کرے
مستی شراب کی، ہی سی ہے آمد شباب — ایسا نہ ہو کہ تم کو جوانی نشا کرے
یارب نسیم لطف سے تیری کہیں کھلے — دل اس چمن میں غنچہ سا کب تک رکا کرے
میں نے کہا کہ آتش غم میں جلے ہے دل — وہ سرد مہر گرم ہو بولا جلا کرے ۱۳۳۵۰
رکنے سے میرے رات کے سارا جہاں رکا — آئے نسیم صبح کہ اک دم ہوا کرے

برسوں کیا کرے مری تربت کو گل فشاں | مرغ چمن اگر حق صحبت ادا کرے

عارف ہے میرؔ اس سے ملا بیشتر کرو
شاید کہ وقت خاص میں تم کو دعا کرے

۱۷۹۱

مدت سے تو دلوں کی ملاقات بھی گئی | ظاہر کا پاس تھا سو مدارات بھی گئی

۱۲۳۵۵ کتنے دنوں میں آئی تھی اس کی شب وصال | باہم رہی لڑائی سو وہ رات بھی گئی

کچھ کہتے آ کے ہم تو سنا کرتے وے خموش | اب ہر سخن پہ بحث ہے وہ بات بھی گئی

نکلی جو تھی تو بنت عنب عاصمہ ہی تھی | اب تو خراب ہو کے خرابات بھی گئی

عمامہ جا نماز گئے لے کے مغبچے | واعظ کی اب لباسی کرامات بھی گئی

پھرتے ہیں میرؔ خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

۱۷۹۲

۱۲۳۶۰ گل نے بہت کہا کہ چمن سے نہ جائیے | گلگشت کو جو آئیے آنکھوں پہ آئیے

میں بے دماغ کر کے تغافل چلا گیا | وہ دل کہاں کہ ناز کسو کے اٹھائیے

صحبت عجب طرح کی پڑی اتفاق ہائے | کھو بیٹھیے جو آپ کو تو اس کو پائیے

رنجیدگی ہماری تو پر سہل ہے ولے | آزردہ دل کسو کو نہ اتنا ستائیے

خاطر ہی کے علاقے کی سب ہیں خرابیاں | اپنا ہو بس تو دل نہ کسو سے لگائیے

۱۲۳۶۵ اے ہمدم ابتدا سے ہے آدم کشی ہی عشق | طبع شریف اپنی نہ ایدھر کو لائیے

اتنی بھی کیا ہے دیدہ درائی کہ غیر سے | آنکھیں لڑائیے ہمیں آنکھیں دکھائیے

مچلا ہے وہ تو دیکھ کے لیتا ہے آنکھیں موند | سوتا پڑا ہو کوئی تو اس کو جگائیے

جانِ غیور پر ہے ستم سا ستم کہ میرؔ
بگڑا جنھوں سے چاہیے ان سے بنائیے

۱۷۹۳

بے عشق میں گئے دل پر اپنی جان سے | خالی ہوا جہاں جو گئے ہم جہان سے

دل میں سو وسوسے تھے بہت پر حضور یار — نکلا نہ ایک حرف بھی میری زبان سے ۱۲۲۷۰

ٹک دل سے آؤ آنکھوں میں ہے بیٹھکی جگہ — بہتر نہیں مکان کوئی اس مکان سے

اول زمینوں میں ہو مائل مری طرف — جو حادثہ نزول کرے آسمان سے

یہ وہم ہے کہ آنکھیں مری لگ گئیں کہیں — تم مار ڈالیو نہ مجھے اس گمان سے

کھل جاویں گی تب آنکھیں جو مر جاوے گا کوئی — تم باز نہیں ہو آتے مرے امتحان سے

نامہربانی نے تو تمھاری کیا ہلاک — اب لگ چلیں گے اور کسی مہربان سے ۱۲۲۷۵

زنبور خانہ چھاتی غم دوری سے ہوئی — وے ہم تلک نہ آئے کبھو کس نشان سے

تاثیر کیا کرے سخن میر یار میں
جب دیکھو لگ رہا ہے کوئی اس کے کان سے

۱۷۹۴

کبھو سو کر بے علاج اپنا طپیدن دل بلائے جاں سے ہے
نہ شب کو مہلت نہ دن کو فرصت وہ مادم آنکھوں سے خوں رواں ہے

تلاش دل کی جو دلبری سے ہمارے پاس آنکھیں لے رہے ہے
ستم رسیدہ شکستہ وہ دل گیا بھی خوں ہو کے یاں کہاں ہے

کڑھا کریں ہیں ہوا ہے مورد جہان اجسام جب سے اپنا
غم جدائی جہان جاں کا ہمارے دل میں جہاں جہاں ہے ۱۲۲۸۰

نہیں جو دیکھا ہے ہم نے اس کو ہوا ہے نقصان جان اپنا
ادھر نہ دیکھے ہے وہ کبھو تو نگہ کا اس کی گزر زیاں ہے

بجا بھی ہے جو نہ ہوئے مائل نگار سیر چمن کا ہرگز
گلوں میں ہمدم ہو کوئی اس کا سو کس کا ایسا لب و دہاں ہے

کسے ہے رنج و غم و الم سے دماغ سر کے اٹھانے کا اب
مصیبت اس کی زمانے میں تو ہمارے اوپر نشاں تماں ہے

نہیں ہے اب میر بیر اتنا جو ذکر حق سے تو منھ چھپا دے
بگاہ نعرہ زنی کیا کر ابھی تو نام خدا جواں ہے

۱۳۳۵۵ سر راہ چند انتظاری رہے — بھلا کب تلک بیقراری رہے

رہا ہی کیے آنسو پلکوں پہ شب — کہاں تک ستارہ شماری رہے

کہا بوسہ دے کر سفر جب چلا — کہ میری بھی یہ یادگاری رہے

کہیں خشک ہو چشمۂ چشم بھی — لہو منھ پہ تا چند جاری رہے

بس اب رہ چکی جان غمناک بھی — جو ایسی ہی تن کی نزاری رہے

۱۳۳۶۰ تسلی نہ ہو دل اگر یار سے — ہمیں سالہا ہم کناری رہے

ترے ہیں دعاگو سنا خوب ہی — فقیروں کی گر گوش داری رہے

شب وصل تھی یا شب تیغ تھی — کہ لڑتے ہی وے رات ساری رہے

کریں خواب ہمسائے کیونکر کہ یاں — بلا شور و فریاد و زاری رہے

پھرا کرتے ہیں خوار گلیوں میں ہم — کہاں تک یہ بے اعتباری رہے

گئی آبرو ان اطفال میں ہے عجب

۱۳۳۶۵ جو میر آبرو بھی تمھاری رہے

۱۷۹۶

کیا منھ لگے گلوں کے شگفتہ دماغ ہے — پھولا پھرے ہے مرغ چمن باغ باغ ہے

وہ دل نہیں رہا ہے نہ اب وہ دماغ ہے — جی تن میں اپنے بجھتا سا کوئی چراغ ہے

قامت سے اُس کی سرنگوں ہیں سرو و گل — خوبی سے اُس کی لالۂ صد برگ داغ ہے

یارب رکھیں گے پنبہ و مرہم کہاں کہاں — سوز دروں سے ٹکڑے بدن داغ داغ ہے

۱۳۳۷۰ مدت ہوئی کہ زانو سے اٹھتا نہیں ہے سر — کڑھنے سے رات دن کے ہمیں کب فراغ ہے

گھر گھر پھرے ہیں جھانکتے ہم صبح جوں نسیم — پردے میں کوئی ہے کہ یہ اس کا سراغ ہے

صولت فقیری کی نہ گئی مر گئے پہ بھی — اب چشم شب گرد کا میری چراغ ہے

لگ نکلی ہے کسو کی مگر بکھری زلف سے — آنے میں بادِ صبح کو یاں اک دماغ ہے

نابخردی سے مرغِ دل ناتواں پہ میر

اس شوخ لڑکے سے مجھے باہم جناغ ہے

طبیعت نے عجب کل یہ ادا کی — کہ ساری رات وحشت ہی رہا کی ۱۳۳۰۵

نمائش داغ سودا کی ہے سر سے — بہار اب ہے جنوں کی ابتدا کی

نہ ہو گلشن ہمارا کیونکہ بلبل — ہمیں گلزار میں مدت سنا کی

مجھی کو ملنے کا ڈھب کچھ نہ آیا — نہیں تقصیر اس ناآشنا کی

گئے جل حرّ عشقی سے جگر دل — رہی تھی جان سو برسوں جلا کی

انھیں نے پردے میں کی شوخ چشمی — بہت ہم نے تو آنکھوں کی حیا کی ۱۳۳۱

ہوا طالع جہاں خورشید دل ہے — تردد کیا ہے ہستی میں خدا کی

پیام اس گل کو پہونچا پھر نہ آئی قطعہ — نہ خوش آئی میاں گیری صبا کی

سبب حیرت کا ہے اس کا توقف — سبک پا واں یہ اب تک کیا کیا کی

جفائیں سہیے گا کہتے تھے اکثر — ہماری عمر نے پھر کر وفا کی

جہاں ہونے کی اس کے آرزو تھی — سو اب بالے ہمیں سے یہ جفا کی ۱۳۳۱۵

گیا تھا رات دروازے پہ اس کے قطعہ — فقیرانہ دعا کر جو صدا کی

لگا کہنے کہ یہ تو ہمنشیناں — صدا ہے دل خراش اس ہی گدا کی

رہا تھا دیکھ پہلے جو نگہ کر — ہمارے میر دل میں ان نے جا کی

ملا اب تو نہ وہ ملنا تھا اس کا
نہ ہم سے دیدہ آنکھ اس کی ملا کی

۱۷۹۸

ہم رو رو کے درد دل دیوانہ کہیں گے — جی میں ہے کہو حال غریبانہ کہیں گے ۱۳۳۱۹

سودائی و رسوا و شکستہ دل و خستہ — اب لوگ ہمیں عشق میں کیا کیا نہ کہیں گے

دیکھے سو کہے کوئی نہیں جرم کسو کا — کہتے ہیں بجا لوگ بھی بیجا نہ کہیں گے

ہوں دربدر و خاک بسر چاک گریباں — اس طور سے کیونکر مجھے رسوا نہ کہیں گے

ویرانے کو مدت کے کوئی کیا کرے تعمیر — اجڑی ہوئی آبادی کو ویرانہ کہیں گے

میں رویا کر دعا کرتا ہوں دن رات جو درویش — سن بعد مرے تکیے کو غم خانہ کہیں گے ۱۳۳۲۵

موقوف غمِ میر کہ شب ہو چکی ہمدم
کل رات کو پھر باقی یہ افسانہ کہیں گے

۱۷۹۹

مدت سے پائے چنار رہے ہیں مدت گلخن تابی کی
برسوں ہوئے ہیں گھر سے نکلے عشق نے خانہ خرابی کی

مشقِ نوشتن جن کی رسا ہے شے بھی چھپا ہیں حیرت سے
نقل کروں میں خوبیٔ خط کیا اس کے چہرے کتابی کی

وہ نہیں سنتا بکی بھی میری تین میں ہوں نہ تیرہ میں
گنتی میں کچھ ہوں تو میری قدر ہو حرف حسابی کی

دیر جدائی کچھ رہتی تو اس کی جفا کا اٹھتا مزا
عمر نے میرے گزر جانے میں ہائے دریغ شتابی کی ۱۳۴۳۵

جام گلوں کے خزاں میں نگوں ہیں نکہت خوش بھی چمن سے گئی
مے شاید کہ تمام ہوئی ہے ہر غنچے کی گلابی کی

جیتے جاگتے اب تک تو ہیں لیکن جیسے مردہ ہیں
یعنی بے دم سست بہت ہیں حسرت سے بے خوابی کی

اچھی ہی ہے یہ جنس وفا یاں لیک نہ پائی ہم نے کہیں
داغ ہوئی ہے جان ہماری اس شے کی نایابی کی

جیب و دامن تر رہتے ہیں آٹھ پہر کے رونے سے
قدر نہیں ہے ہم کو ہرگز اپنے جامۂ آبی کی

ننگ خلق کیا ہے ہم کو آخر دست خالی نے
عالم میں اسباب کے ہے کیا شورش بے اسبابی کی ۱۳۴۴۵

عشقِ میر کسو سے اتنا اب تک ظاہر ہم پہ نہ تھا
حرفِ یار جو منہ سے نکلا ان نے بلا بے تابی کی

خم ہوا قد کماں سا پیر ہوئے ۱۸۰۰ سو ہم اس کے نشانِ تیر ہوئے

اب نہ حسرت رہے گی مرنے تک
موسمِ گُل میں ہم اسیر ہوئے

میں ہی درویش خوار و زار نہیں
عشق میں بادشہ فقیر ہوئے

ہے شرارت کا وقت عہدِ شباب
تم لڑکپن ہی سے شریر ہوئے ۱۳۴۴۳

گھر کو اُس کے خراب ہی دیکھا
جس کے یہ چشم و دل مشیر ہوئے

شور جن کے سر دل میں عشق کا تھا
مرے جوں سارے پائے گیر ہوئے

یاں کی خلقت کی ہے زباں اُلٹی
کہتے اندھوں کو ہیں بصیر ہوئے

نہ ہوئے ہم نظیریؔ سے یاں تو
شعر کے فن میں بے نظیر ہوئے

بات کو ہم سے اُن کو کب ہے دماغ
میرؔ سے درویشی میں امیر ہوئے ۱۳۴۴۵

## ۱۸۰۱

آؤ کبھو تو پاس ہمارے بھی ناز سے
کرنا سلوک خوب ہے اہلِ نیاز سے

پھرتے ہو کیا درختوں کے سائے میں دور دور
کر لو موافقت کسو بے برگ و ساز سے

ہجراں میں اُس کے زندگی کرنا بھلا نہ تھا
کوتاہی جو نہ ہووے یہ عمرِ دراز سے

مانند سبحہ عقدے نہ دل کے کبھو کھلے
جی اپنا کیونکہ اچٹے نہ روزے نماز سے

کرتا ہے چھید چھید ہمارا جگر تمام
وہ دیکھنا ترا مژۂ نیم باز سے ۱۳۴۵۵

دل پر ہو اختیار تو ہرگز نہ کریے عشق
پرہیز کریے اس مرضِ جاں گداز سے

آگے بچھا کے نطع کو لاتے تھے تیغ و طشت
کرتے تھے یعنی خون تو اک امتیاز سے

مانع ہوں کیونکہ گریۂ خونیں کے عشق میں
ہے ربطِ خاص چشم کو افشائے راز سے

شاید شراب خانے میں شب کو رہے تھے میرؔ
کھیلے تھا ایک مغبچہ مہرِ نماز سے

## ۱۸۰۲

رشکِ شمشیر ابرو کا خم ہے
تیر و نشتر سے کیا پلک کم ہے ۱۳۴۶۰

تم کرو شاد زندگی کہ مجھے
دل کے خوں ہونے کا بہت غم ہے

جب سے عالَم میں جلوہ گر ہے تو
جھمکے میں تمام عالم ہے



۱؎ فارسی کا مشہور شاعر

حبس دم پر نہ جائیو اُن کے — شیخ صاحب کا یہ بھی اک دم ہے
زال دنیا کو جس نے چھوڑ دیا — وہی نزدیک میرے رستم ہے
۱۳۴۶۰ سرو و طوبیٰ کا ناز ہے بیجا — اس کے قد کا سا کب خم و چم ہے
کچھ تو نسبت ہے اُس کے بالوں سے
یوں ہی کیا حال میرؔ درہم ہے

۱۸۰۳

جو لوگ آسماں نے یاں خاک کر اڑائے — بے صبر توں نے مر کر خاک اُن کی گھر بنائے
رہنے کی کوئی جاگہ شاید نہ تھی اُنھوں کی — جو یاں سے اُٹھ گئے ہیں وے پھر کبھو نہ آئے
لڑکے برہمنوں کے صندل بھری جبینیں — ہندوستاں میں دیکھے شوقن سے دل لگائے
۱۳۴۶۵ ہر اک صنم کدے کی کافر جگہ ہے ہم نے — قشقے بھی یاں کھنچائے زنار بھی بندھائے
پامال لوگ کیا کیا آگے ہوئے ہیں تم سے — اس پر بھی تم جو آئے یاں تم نے سر اٹھائے
کیا گھورتے ہو ہر دم ڈرتے نہیں ہیں کچھ ہم — جن آنکھوں پر ہیں عاشق اُن آنکھوں کے دکھائے
ہے شررفشاں جو نکلے ہے مُنھ سے ہر دم
روشن ہے میرؔ غم نے قلب و کبد جلائے

۱۸۰۴

ہم کبھو غم سے آہ کرتے تھے — آسماں تک سیاہ کرتے تھے
۱۳۴۷۰ اے خوشا حال اس کا جس کا وے — حال عمداً تباہ کرتے تھے
برسوں رہتے تھے راہ میں اُس کی — تب کچھ اک اس سے راہ کرتے تھے
نیچی آنکھیں ہم اُس کو دیکھا کیے — کبھو اونچی نگاہ کرتے تھے
رہے جوانی کہ موسم گل میں — جائے طاعت گناہ کرتے تھے
کیا زمانہ تھا وہ جو گزرا میرؔ
ہمسدگر لوگ چاہ کرتے تھے

۱۸۰۵

۱۳۴۷۵ دے سے سیہ موئی دگرفتاری — وزد غمزوں کی ویسی عیاری

اب کی دل اُن سے بچ گیا تو کیا — چھوڑ جاتے رہے کہ اندھیاری
اچھا ہوتا نہیں مریضِ عشق — ساتھ جی کے ہے دل کی بیماری
کیوں نہ ابرِ بہار پر ہو رنگ — ہر سُو دیکھی ہے میری خوں باری
شور و فریاد و زاریٔ شب سے — شہریوں کو ہے مجھ سے بیزاری
چلے جاتے ہیں رات دن آنسو — دیدۂ تر کی خیر ہے جاری ۱۳۴۸۰
مرتے ہیں اس میں یار ہیں جیتے — شیوہ اپنا تو ہے وفاداری
کیونکہ راہِ فنا میں بیٹھے گا — جُرم بے حد سے ہے گراں باری
واں سے خشم و خطاب و ناز و عتاب — یاں سے اخلاصُ و دوستی یاری

میر چلنے سے کیوں ہو غافل تم
سب کے ہاں ہو رہی ہے تیاری

۱۸۰۶

جمع انگنی سے اُن نے ترکش کئے ہیں خالی — کس مرتبے میں ہوگی سینوں کی خستہ حالی ۱۳۴۸۵
دلگیر کیونکہ ہوگی اس سفلہ خو سے صحبت — دیوانگی یہ اتنی وہ اتنا لاابالی
بے اختیار شاید آہ اس سے کھنچ گئی ہو — جب صورت ایسی تیری نقاش نے نکالی
اتنی سڈول دیہی دیکھی نہ ہم تنی ہے — ترکیب اس کی گویا سانچے میں گئی ہے ڈھالی
وصل و فراق دونوں بے حالی ہی میں گزرے — اب تک مزاج کی میں پاتا نہیں بحالی
میں خاکسار ان تک پہونچی دعا نہ میری — ہے ہفتم آسمان پر ان کا دماغ عالی ۱۳۴۹۰
آنکھیں فلک کی لاکھوں تب جھپکیاں سی دیکھیں — مانندِ برقِ خاطف تیغ ان نے جب نکالی
کل فتنے زیرِ سر تھے جو لوگ کٹ گئے سب — پھر بھی زمین سر پر یاروں نے آج اٹھالی
طفلی میں ٹیڑھی سیدھی ٹوپی کا ہوش کب تھا — پگڑی ہی پھیر رکھی ان نے جو سدھ سنبھالی

معقول اگر سمجھتے تو میر بھی نہ کرتے
لڑکوں سے عشق بازی ہنگام کہنہ سالی

۱۸۰۷

دوستی نے تو ہماری جاں گدازی خوب کی — آہ اُس دشمن نے یہ عاشق نوازی خوب کی ۱۳۴۹۵

گور پر آیا سمندِ ناز کو جولاں کیے | اس سپاہی زادے نے کیا ترک تازی خوب کی

عاشقوں کی خستگی بدحالی کی پروا نہیں | اے سراپا ناز تو نے بے نیازی خوب کی

تنگ چولی نے تو مارا تنگ دارئی سے ہمیں | خاک بھی برباد کی دامن درازی خوب کی

سان مارا اور کشتوں میں مرے کشتے کو بھی | اس کشندے لڑکے نے بے امتیازی خوب کی

۱۳۵۰۷ چھوڑ کر معمورۂ دنیا کو جنگل جا بسے | ہم جہاں آب و گل میں خانہ سازی خوب کی

کھیل لڑکوں کا سمجھ کر چاہ کو آخر گئے
میر پیری میں تو تم نے عشق بازی خوب کی

۱۸۰۸

اے عشق بے محابا تو نے تو جان مارے | ٹک حسن کی طرف ہو کیا کیا جوان مارے

طائر فریب کتنا ہے وہ شکار پیشہ
مرغان باغ سارے گویا ہیں اس کے مارے

۱۸۰۹

اس سخن رس سے اگر شب کی ملاقات رہے | بات رہ جائے نہ یہ دن رہیں نے رات رہے

۱۳۵۰۹ فخر سے ہم تو کلہ اپنی فلک پر پھینکیں | اس کے سگ سے جو ملاقاتِ مساوات رہے

مغبچے لے گئے سجادۂ و عمامہ اچک | شیخ کی مے کدے میں کیونکہ کرامات رہے

دھجیاں جامے کی کر دوں گا جنوں میں اب کے | گر گریباں دری کا کام مرے ہاتھ رہے

خاک کا پتلا ہے آدم جو کوئی اچھی کہے | عالم خاک میں برسوں تئیں وہ بات رہے

بات واعظ کی مؤثر ہو دلوں میں کیونکر | دن کو طامات رہے شب کو مناجات رہے

تنگ ہوں میر جی بے طاقتیٔ دل سے بہت
۱۳۵۱۰ کیونکہ یہ ہاتھ تلے قبلۂ حاجات رہے

۱۸۱۰

کیا عشق بے محابا ستھراؤ کر رہا ہے | میدان بزن گہوں کے کشتوں سے بھر رہا ہے

غیرت سے دلبری کے ڈر چاندنی نہ دیکھے | مہتابی ہی رخ اس کا پیش نظر رہا ہے

غش ریز ناتواں میں اتنا نہ کوئی بولا | کیا مارتا ہے اس کو یہ آپ ہی مر رہا ہے

بائیں کب کرے ہے افسردہ خستہ اتنا / تو بھی جدا کسو سے اے گل مگر رہا ہے

خجلت سے آج گل کیاں نے کیا کنارا / دریا ہمیشہ میرے گریے سے تر رہا ہے ۱۳۵۱۵

میں اک نگاہ گاہے خوش رو کوئی نہ دیکھا / الفت ہی ہے جس سے کس ہی کا ڈر رہا ہے

رہتا نہیں ہے رکھے تھمتا نہیں تھمائے / دل اب تڑپ تڑپ کر اک ظلم کر رہا ہے

یہ کارواں سرا تو رہنے کی گوں نہ نکلی / ہر صبح یاں سے ہم کو عزم سفر رہا ہے

بعد از نماز سجدہ اس شکر کا کروں ہوں / نعلوں کا چاند پیدا سب بے خبر رہا ہے

کیا پھر نظر پڑا ہے اے میر کوئی خوش رو
یہ زرد زرد چہرہ تیرا اتر رہا ہے ۱۳۵۲۰

کیا طرح ہے یاں جو آئے ہو تو شرمائے ہوئے / بات مخفی کہتے ہو غصے سے جھنجھلائے ہوئے ۱۸۱۱

اس مرے نوبادۂ گلزار خوبی کے حضور / اور خوباں جوں خزاں کے گل ہیں مرجھائے ہوئے

چھپ کے دیکھا ہمرہاں نے اس کو غش آ گیا / حیف بیخود ہو گئے ہم پھر بخود آئے ہوئے

ہر زماں لے اٹھو ہو تیغ بیٹھا مجھ کو دیکھ / آئے ہو مستانہ کس دشمن کے بہکائے ہوئے

گھر میں جی لگتا نہیں اس بن تو ہم جو گھبرا اس / دور جاتے ہیں نکل ہجراں سے گھبرائے ہوئے ۱۳۵۲۵

ایک دن موئے دراز اس کے کہیں دیکھے تھے میں / ہیں گلے کے ہار اب وے سنبل بل کھائے ہوئے

دشمنی سے سایۂ عاشق کو جو مارے ہے تیر
اس کماں ابرو کے جا کر میر ہمسائے ہوئے

## ۱۸۱۲

چرخ پر اپنا مدار دیکھیے کب تک رہے / ایسی طرح روزگار دیکھیے کب تک رہے

سہرے کہاں تک پڑیں آنسوؤں کے چہرے پر / گریہ گلے ہی کا ہار دیکھیے کب تک رہے

ضعف سے آنکھیں مندیں کھل نہ گئیں پھر شتاب / غش یہ ہمیں اب کی بار دیکھیے کب تک رہے ۱۳۵۳۰

لب پہ مرے آن کر بارہا پھر پھر گئی / جان کو یہ اضطرار دیکھیے کب تک رہے

اس سے تو عہد و قرار کچھ بھی نہیں درمیان / دل ہے چلا بے قرار دیکھیے کب تک رہے

پاس مرے سے اس کے داغ ہی ہیں صدر میں / ان بھی گلوں کی بہار دیکھیے کب تک رہے

آنکھیں تو پتھرا گئیں تکتے ہوئے اس کی راہ / شام و سحر انتظار دیکھیے کب تک رہے

۱۲۵۷۰ آنکھ ملاتا نہیں ان دنوں وہ شوخ ٹک — بے مزہ ہے ہم سے یار دیکھیے کب تک رہے
روئے سخن سب کا ہے میری غزل کی طرف — شعر ہے میرا شعار دیکھیے کب تک رہے
گیسو و رخسارِ یار آنکھوں ہی میں پھرتے ہیں
میر یہ لیل و نہار دیکھیے کب تک رہے

## ۱۸۱۳

فلک گرنے کے قابل آسماں ہے — کہ یہ پیرانہ سر جاہل جواں ہے
گئے ان قافلوں سے بھی اٹھی گرد — ہماری خاک کیا جانیں کہاں ہے
۱۲۵۷۵ بہت نامہرباں رہتا ہے یعنی — ہمارے حال پر کچھ مہرباں ہے
ہمیں جس جائے کل غش آ گیا تھا — وہیں شاید کہ اس کا آستاں ہے
مژہ ہر اک ہے اس کی تیز ناوک — خمیدہ بھوں جو ہے زوریں کماں ہے
اسے جب تک ہے تیر اندازی کا شوق — زبونی پر مری خاطر نشاں ہے
چلی جاتی ہے دھڑکوں ہی میں جاں بھی — یہیں سے کہتے ہیں جاں کو رواں ہے
۱۲۵۸۰ اسی کا دم بھرا کرتے رہیں گے — بدن میں اپنے جب تک نیم جاں ہے
پڑا ہے پھول گھر میں کاہے کو میر
جھمک ہے گل کی برقِ آشیاں ہے

## ۱۸۱۴

ہم رہنِ بادہ جامۂ احرام کر چکے — مستی کی دیر میں قسم اقسام کر چکے
جامہ ہی وجہ مے میں ہمارا نہیں گیا — دستار و رخت سب گروِ جام کر چکے
زنار پہنا سبحہ کے رشتے کے تار توڑ — ترکِ نماز و روزہ و اسلام کر چکے
۱۲۵۸۵ جپ کرنے بیٹھے مالا لیے پیش روئے بت — کفر اختیار کرنے میں ابرام کر چکے
صندل کے قشقے دیکھ برہمن بچوں کے صبح — عاشق ہوئے سو آپ کو بدنام کر چکے
واسوختہ ہو دیر سے کعبے کو پھر گئے — سو بار اضطراب سے پیغام کر چکے
شکر و گلہ صنم کدے کا حرف حرف میر
کعبے کے رہنے والوں کو ارقام کر چکے